بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال و جمال

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

صراطِ مستقیم ظہورِ قدسی جمال کے چشمے اور جنگی حکمتِ عملی کا جائزہ

از حضور پاکؐ کا سپاہی امیر افضل خان

۱۹۔ ذی شان کالونی، قاسم لائنز، راولپنڈی، فون: 5583778

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور پاک ﷺ کا جلال و جمال

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

صراطِ مستقیم ظہورِ قدسی جمال کے چشمے اور جنگی حکمت عملی کا جائزہ

از حضور پاک ﷺ کا سپاہی امیر افضل خان

۱۹، ذی شان کالونی، قاسم لائنز، راولپنڈی، فون ۵۸۳۷۷۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تیسرے ایڈیشن کی اشاعت حضور پاک ﷺ کے چند ادنیٰ ترین غلاموں کی سعادت ہے)

اشاعت اول	نومبر 1993ء
تعداد	ایک ہزار
اشاعت دوم	فروری 1999ء
تعداد	ایک ہزار
اشاعت سوم	جنوری 2005ء
تعداد	ایک ہزار
طابع	پیپ بورڈ پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
	A-277، پشاور روڈ، راولپنڈی
ہدیہ	-/220 روپے
مصنف	میجر ریٹائرڈ امیر افضل خان
مصنف کا موجودہ پتہ	۱۹ اذیشان کالونی، قاب لائنز، راولپنڈی۔ فون: 5583778
مصنف کا مستقل پتہ	سکنہ مصطفیٰ آباد ڈاکخانہ سوڈھی ضلع خوشاب
کتاب کی عمومی دستیابی	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ 277، پشاور روڈ، راولپنڈی۔ لاہور۔ کراچی
	فون: 051-5563503-5564273

کرنل (ر) شیخ عبدالرؤف، مکان C-133، گلی نمبر 5/6، ویسٹرج۔ راولپنڈی۔ فون: 5461444

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نقشہ جات

شجرہ نسب اور متفرق خاکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

از میجر جنرل احسان الحق ڈار (اب مرحوم و مغفور)

مکرمی میجر امیر افضل خان صاحب کے ساتھ پہلی ملاقات کو آج بتیس سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے۔ وہ نہایت پرکشش اور غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں اور پہلی ملاقات سے ہی مجھے یہ احساس ہو گیا تھا، گویا ایک ایسے دوست اور ہمدرد سے صحبت ہوئی ہے جو میرے لئے سکون قلب کا باعث ہو گا۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اس نیاز مندی اور رشتے میں دن بدن اضافہ ہوا ہے۔ جناب امیر افضل ایک فوجی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شروع ہی سے انہوں نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا۔ اور جیسا کہ ان دنوں میں دستور تھا گھر میں مذہب اور مقامی مدرسے میں ابتدائی تعلیم پائی۔ رواجی تعلیم انہوں نے فوج میں حاصل کی۔ اور وہیں تدریس کا کام بھی شروع کیا۔ ان کی ذہانت محنت اور سچائی نے حکام بالا کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ انھیں کمیشن کی پیش کش کی گئی اور ۱۹۵۱ء کے شروع میں وہ پاکستانی فوج میں افسر بن گئے۔

۳۱ سے پہلے دوسری عالمگیر جنگ میں انہوں نے وائسرائے کمیشنڈ افسر کی حیثیت سے برٹش انڈین آرمی کے ایک مبصر، جنگی وقائع نگار اور فلم اتارنے والے کیمرہ مین کے طور پر کام کیا۔ جنگ کے زیادہ مناظر انہوں نے برما میں فلمائے جہاں وہ زخمی بھی ہوئے۔ ان کی فلموں کی نمائش اس زمانے میں تمام اتحادی ملکوں میں ہوتی تھی کہ ان میں ایک خاصہ زاویہ فن سپگری اور پیشہ ور فوجی کی نظر کا بھی ہوتا تھا کہ اس محکمہ میں جانے سے پہلے وہ پیدل فوج میں ایک پلٹون کمانڈر کے عہدہ پر رہ چکے تھے۔ اور ان کو بنیادی عسکری پہلوؤں کی شد بد بھی تھی۔ اب عوامی رابطے یا محکمہ تعلقات عامہ میں کام کرنے کی وجہ سے ایک طرف افواج میں سپاہی سے لے کر جنرل تک اور چھوٹے سے دستہ سے لے کر آرمی ہیڈ کوارٹر تک واسطہ تھا تو دوسری طرف ارباب دانش کے گروہ میں شامل ہو جانے کی وجہ سے خود بھی "دانشور" کہلائے گئے۔ پاکستان بننے کے بعد البتہ اپنی پلٹن میں واپس چلے گئے اور ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے جہاد میں حصہ لیا۔ گو بعد میں بھی محکمہ تعلقات عامہ میں خدمات انجام دیں لیکن ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں کمپنی کمانڈر تھے۔ اور ان کی دلیری اور مردانگی کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں جو اس جنگ میں شامل تھے۔

اس پس منظر کے بیان سے یہ کہنا مطلوب ہے کہ امیر افضل صاحب کی نشوونما میں ایک غیر معمولی بلکہ عجیب و غریب امتزاج ہے۔ اول انہوں نے جدید جنگ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس سطح پر نہیں جہاں لڑائی کا صرف شور سنائی دیتا ہے۔ یا کبھی کبھار آتش بازی یا فولادی کنکروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان کا واسطہ ہاتھا پائی کی لڑائی سے تھا۔ دشمن کو سامنے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے دیکھتے تھے۔ پھر اسے بندوق اور زور بازو سے روکتے تھے۔ دوسرے انہوں نے جنگ کا ایک خاص مطالعہ کیا تھا۔ عملی طور پر اور عقلی طور پر بھی۔ عملی طور پر وہ ان تجربات کو نیچے کی سطح کی تدبیرات میں استعمال کرتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ

انہیں نچلی سطح کا نہایت اعلیٰ اور پختہ کمانڈر مانا جاتا ہے۔ عقلی طور پر وہ جنگ کے اسباب اس کی حقیقت اور تزویراتی اصولوں کو تلاش کرتے تھے تاکہ اونچی سطح کے فوجی اور عسکری معاملات کا حل بیان کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہر فوجی طبقے میں ہمیشہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور ان کی ہر بات کو ہمیشہ غور اور عزت کی نگاہ سے سنا اور دیکھا گیا۔

اس پس منظر میں جو حقیقی آتش نہاں تھی اور ہے وہ جناب امیر افضل خان کا اسلام سے رشتہ ہے۔ یہ محبت گویا انہوں نے ورثے میں پائی ہے اور اسے گھر کی ابتدائی تعلیم اور گھر کے خالص ماحول نے پروان چڑھایا ہے۔ انگریزوں کے دور میں جو ان کے شباب کا آغاز اور دور تھا۔ اور پاکستان کی ابتدائی دنوں میں جو ان کی جوانی کے دن تھے اس محبت اور اسلامی عقیدت کے بیج کی پرورش ہوتی رہی جس کا مظہر ان کی اسلام سے محبت اور مطالعہ تھا۔ اپنی فوجی نوکری کے آخری دنوں میں انہوں نے سالہا سال کی ریاضت اور مطالعے سے جو نتائج نکالے تھے۔ اور عملی عسکری زندگی میں انہوں نے جو عملی سبق سیکھے تھے اب انہوں نے ان کا کھلم کھلا، اعلان کر دیا گو "نازک مزاج شاہاں" پر یہ بات گراں گزری

اس تجربے اور روشن ضمیری کی وجہ سے جب فوج کو ایک مذہبی ہدایت نامے کی ضرورت ہوئی تو ان کی طرف رجوع کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں کلاسوٹز کی شہرہ آفاق کتاب "فن جنگ" کو انگریزی سے اردو میں ڈھالنے کی درخواست کی گئی۔ طرز تحریر اور افکار کے اعتبار سے اس کتاب کا شمار اوق عسکری ادب میں ہے۔ بلکہ یہ رائے عام ہے کہ اس کو پڑھا بہت کم جاتا ہے گو اس کی طرف ہر کوئی اشارہ کرتا ہے۔ اور اس کا حوالہ دیتا ہے۔ پھر ترجمہ آسان کام نہیں۔ یہ خاصہ جان کنی کا مسئلہ ہے۔ اسے پاکستانی فوج کی خوش قسمتی سمجھا جائے گا۔ کہ میجر امیر افضل صاحب نے نہایت رواں اور عام فہم ترجمے کے علاوہ اس کتاب میں اسلامی روایات اور اسلامی عسکری اصولوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ اشارہ ضروری تھا تاکہ ہمارے مغرب زدہ سپاہی اپنی تاریخ اور روایات کی شان سے بھی واقف ہوں اور مغربی خیالات میں ہی کھو کر نہ رہ جائیں

ان ابتدائی کاموں کے بعد فوج کی طرف سے جناب امیر افضل کو پیغمبرِ اسلامؐ اور خلفائے راشدینؓ کی عسکری حکمت عملی کی تاریخ لکھنے اور تجزیہ کرنے کی درخواست کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام صرف میجر امیر افضل ہی سرانجام دے سکتے تھے۔ اول ان کا عملی سپاہیانہ تجربہ جس میں خوش قسمتی سے ہر سطح کا تجربہ شامل ہے یعنی اکیلے سپاہی اور پلاٹون سے لے کر بڑی فوج کی لشکر کشی۔ دوم ان کا تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ جس میں ان کی غیر معمولی یاداشت، ذہانت اور فرقہ بندی سے مکمل متنفری سے ایک ایسے تجزیے کی امید کی جا سکتی تھی جو نہ صرف تاریخی اور عسکری اعتبار سے مکمل ہوگا بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی تمام اہل اسلام کے لئے قابل قبول ہوگا۔ اس سلسلہ میں پہلی کتاب "جلال مصطفیؐ" کا نام دیا گیا۔ اسے شائع ہوئے دو سال ہونے کو آئے ہیں۔ نہ صرف یہ کتاب مقبول عام ہوئی ہے بلکہ اس کا فوجی اور دوسرا شہری ایڈیشن دونوں ختم ہو چکے ہیں۔ اور اب اسے کتب خانوں ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ "حضور پاک کا جلال و جمال" گویا "جلال مصطفیؐ" کا وسعت شدہ ایڈیشن ہے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ ایک نئی کتاب ہے۔

کتاب میں اس اضافے کی تحریک خود امیر افضل صاحب کے اندرونی اور روحانی تلاطم کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ جو پذیرائی کتاب کی پہلی اشاعت کو ہوئی تھی اس کو دیکھتے ہوئے شاید ہی کوئی مصنف اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی یہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ پڑھی جا سکتی ہیں۔ جو قاری مختصر کتاب کی تلاش میں ہے اس کے لئے جلال مصطفیٰؐ کافی ہے۔ اور جو شخص زیادہ تفصیلی گہرائی کا متلاشی ہے اسے "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اس پیش لفظ میں ہم نے کتاب کے پس منظر اور اشاعتی ترتیب کا بیان کیا ہے کیونکہ راقم اس قابل نہیں کہ کتاب کے مضمون پر بحث کر سکے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ جب ہماری فوج میں جنرل ٹکا خان کی قیادت میں حضور پاکؐ کی سوانح کی اشاعت کا خیال آیا تو سب سے پہلے اردو میں سوانح کی تلاش کی گئی۔ اور شبلی نعمانیؒ کی کتاب سیرت النبیؐ کا انتخاب کیا گیا۔ پھر اس خیال سے کہ اصل ماخذ بھی پاکستانی افسروں تک پہنچنے چاہئیں ابن اسحاق کی کتاب کا جدید انگریزی ترجمہ "حیات محمدؐ" از گلامی چنا گیا۔ اس کے ساتھ چونکہ ہمارے افسر صاحبان مغرب سے بہت زیادہ متاثر ہیں تو یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ایک مغربی سوانح بھی شائع کی جائے۔ جو کسی حد تک قابل قبول ہو چنانچہ منٹگمری واٹ کی کتابیں "مکہ میں محمدؐ" اور "مدینہ میں محمدؐ" شائع ہوئیں۔ اہل تشیع کے نقطہ نظر کی نمائندگی کے لئے سید امیر علی کی کتاب "اسلام کا ماحصل" شائع کی گئی۔ اس طرح افواج پاکستان کو پیغمبر اسلام کی سوانح سے روشناس کرانے کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا۔ لیکن شروع ہی سے اس بات کا احساس تھا کہ یہ تجربہ ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا اور تشنگی باقی تھی۔ الحمدللہ کہ جناب امیر افضل نے حضور پاکؐ کی عسکری تصنیف کا بیڑہ اٹھا کر اس کام کو مکمل کر دیا۔ زیر نظر کتاب میں اس کی علمی اور عقلی افادیت سے قطع نظر انداز بیان اس قدر پیارا ہے کہ خود بخود دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور آنکھوں میں ایک طوفان اٹھتا ہے قلب و نظر کی یہ کیفیت بیان کرنا مشکل ہے۔ اب تاریخی عمل اور تجزیے سے اسلامی فلسفہ حیات کے بارے جو بیان ہے وہ ہماری رائے میں شاید اہل علم کے سامنے پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کیونکہ اسے علمی حیثیت سے نہیں بلکہ عملی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ اور عملی نقطہ نظر میں بھی کسی داستان پارینہ کا سایہ نہیں بلکہ روزمرہ کی سائنسی اور تکنیکی تصادم کو سامنے رکھا گیا ہے اسلامی فلسفہ دفاع تو یقیناً پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے اس میں جن دفاعی اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ مغربی دفاعی اصولوں سے کہیں بہتر ہیں اور زیادہ جامع ہیں۔ جنگ کے اصولوں کی تلاش بہت پرانی ہے۔ لیکن روایتی اور رواجی بیان کو چھوڑ کر ان کو سائنسی اور ادبی زبان میں پہلی عالمی جنگ سے قبل بیان کیا گیا۔ دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی وقفے میں انہیں اور نوک پلک سے شائع کیا گیا۔ اور ہر مہم اور ہر قائد کی پرکھ اور پہچان کے لئے انہی اصولوں کو کسوٹی بنایا گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ اصول کسی حد تک کھٹائی میں پڑ گئے تھے۔ لیکن اب پھر ان کا رواج شروع ہو گیا ہے۔ بلکہ امریکہ نے تو حال ہی میں ان پر نظر ثانی کی ہے۔ جنگ کے اصولوں سے مراد وہ مرکزی تصور ہے۔ جس کے تانے بانے ہر سطح پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور جن کی پیروی سے خطرات اور حادثات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ میجر امیر افضل نے جن جنگی اصولوں کی نشاندہی کی ہے ان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی ہیں اور ان کی تشریح کیلئے مغربی خیالات یا اصطلاحات کی ضرورت نہیں۔ یعنی مغربی خیالات کو مشرقی لبادہ

نہیں پہنا دیا گیا۔ اور یہی اس باب کی جدت اور ندرت ہے۔ جناب امیر افضل کی کتاب کے لئے پیش لفظ کی فرمائش راقم کے لئے عزت اور حوصلہ افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بھی ان کے قلب و نظر کی وسعت کی ایک مثال ہے کیونکہ اس طرح انہوں نے ہمیں حضور پاکؐ سے منسوب کیا اور ان کی خاک راہ سے مستفیض ہونے کا موقع دیا۔

جس طرح اقوام اور ممالک کی تاریخ میں مختلف دور آتے ہیں۔ اسی طرح فوج میں بھی خاص طور پر ترقی پذیر ممالک کی افواج میں بھی مختلف دور آتے ہیں۔ ہمارا تعلق ایک ایسے دور سے تھا جب ایک طوفان ختم ہونے والا ہے۔ ایک طرف رات کی تاریکی اور دوسری طرف طوفان کی تباہی سے پیدا ہونے والے آثار اور اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے پر آشام حالات میں غیر معمولی اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اس طوفان برق و باراں میں سنبھلنے یا سنبھالنے کی کوشش کی ہے انہیں دوسرے اور بہتر لوگوں کے لئے راستے سے ہٹنا پڑتا ہے۔

اب ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ اور بظاہر اس میں زیادہ پیچ و تاب اور آزمائش دکھائی دے رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی مدد اور اعانت فرمائیں۔ پاکستان کے قائدین اور افواج پاکستان کے کمانڈر، جناب امیر افضل خان کی کتاب میں وہ سب کچھ پائیں گے جن سے راہ راست اور صحیح طریق کار اختیار کرنے میں مدد ملے گی "اور تیرے رب کی بخشش کسی نے روک نہیں لی" (وما کان عطاو ربک مخظورا)

احسان الحق ڈار

لاہور۔ ۱۱ نومبر ۱۹۸۳ء

جنرل احسان الحق ڈار (مصنف کے تاثرات)

مجھے متعارف کرنے والے جنرل ڈار مرحوم سے بڑھ کر علم کا پیاسہ اس عاجز کو نظر نہیں آیا۔ تحریک پاکستان میں طالب علموں کی صف اول میں اور ڈبل ایم اے تعلیم والے شاید وہ پہلے نوجوان تھے جنہوں نے پاکستان بننے کے بعد اپنے آپ کو عسکری پیشہ سے وابستہ کر دیا۔ خود علم حاصل کرنے اور فوج میں علم حاصل کرنے کو جو ذرائع وہ پیدا کر گئے تو وہ ہماری فوج کے لیے بہت بڑے محسن ثابت ہوئے۔ فوج میں آنے کے بعد عسکری تاریخ میں ہم دونوں کی دلچسپی نے ہمیں ایک کر دیا۔ اور گو وہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ لیکن عہدہ کے لحاظ سے ہم دونوں ایک سنیارٹی کے تھے۔ اس عاجز کو جب اللہ تعالیٰ نے فوج میں ہلال کے پہلے سیرت نمبر کے اجراء کی ۱۹۶۹ میں توفیق دی تو یہ ان مضامین کا اثر تھا۔ کہ ایک بہت "ماڈرن اور لبرل" قسم کا مسلمان جنرل ڈار ایک مجاہد بن گیا۔ اور مجھے زبردستی قلم پکڑوادی کہ میں اپنے مطالعوں اور تحقیقوں کو کتابی شکل دوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

عاجزی اے رب العالمین یہ گنہ گار عاجزی کے ساتھ آپ کے دربار میں سر بسجود ہوتا ہے کہ تیری بڑی مہربانی کہ تو نے مجھے اپنے حبیبؐ کی امت میں پیدا کیا۔ اور گزارش ہے کہ روز قیامت بھی اپنے حبیبؐ کی امت میں اٹھانا۔ میرے گناہوں کو نظر انداز کرنا اور اپنی رحمت سے میری بخشش کر دینا۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھ سے جو پہلی کتاب لکھوائی وہ تیرے حبیبؐ کے جلال پر تھی۔ پھر ان کے رفقائے کے جلال کے پہلو پر کتابیں لکھوائیں۔ اور آج تو اپنے حبیبؐ اور ہمارے آقاؐ حضور پاکؐ کے جلال و جمال کی مزید جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت نصیب کر رہا ہے۔

درود و سلام:۔ اس کے بعد تیرے حبیبؐ پر لاکھ درود و سلام بھیجتا ہوں کہ تو خود اور تیرے فرشتے ان ذات پاکؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور تیری کتنی مہربانی ہے کہ تو نے اپنی مشیت سے مجھے حضور پاکؐ کے سپاہی کے نام سے موسوم کر دیا۔ ورنہ خود ایسا نام اپنانے سے بے ادبی کا ڈر لگتا ہے۔ پس ایک عرض ہے کہ روز قیامت مجھے اسی نام سے پکارنا اور اگر کوئی حساب لینا چاہو تو بقول علامہ اقبالؒ انؐ کی نگاہوں سے پوشیدگی میں ایسا کرنا۔ یہ بھی حساب کتاب سے بچنے کا ایک بہانہ ہے ورنہ وہ کونسی جگہ ہے جو سرکار دو عالمؐ کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگی۔

در حسابم را چو بینی ناگزیر از نگاہ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

غلامانِ محمدؐ اے رب العالمین! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے حضور پاکؐ کے ہزاروں غلاموں یعنی صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین، اماموں، فقراء، عالموں اور اسلام کے عظیم المرتبت سپاہیوں کے ساتھ اس عاجز کا جو تعلق پیدا کر دیا، اور اس قافلہ کے تصور سے جو مجھ گنہ گار کے لئے اس فانی زندگی اور قید خانہ میں بھی جو سرور پیدا کر دیا اس نے میرے لئے زندگی کو سہل بنا دیا کہ ان بزرگوں کے تصور سے میرے ارد گرد کے ماحول کو پاکیزہ کر دیا اور مجھے کلمہ حق کہنے کی توفیق عطا فرما دی کہ اسلامی فلسفہ حیات کو میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اے میرے رب مجھے اس صراط مستقیم پر قائم رکھنا۔

مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے (اقبالؒ)
ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے

مقصد: ہر کتاب لکھنے کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اس عاجز کے سامنے اول مقصد تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور حضور پاکؐ کی نگاہ کی طلب ہے۔ لیکن کچھ اور مقاصد بھی ہیں۔ جو کتاب پڑھنے کے بعد قارئین پر بہتر طور پر ظاہر ہوں گے۔ یہ ایک تحقیقی مطالعہ ہے اور حضور پاکؐ کے جلال و جمال کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حضور پاکؐ پر کتابوں کی کوئی کمی نہیں۔ بزرگان دین نے اس سلسلہ میں بڑی ہی محنتیں کیں۔ اور راقم کی اس سلسلہ میں پہلی کوشش یعنی کتاب "جلال مصطفیٰ" لکھنے کے بعد مجھے خود تو ایسے معلوم ہوا کہ دنیا و جہاں کے سب انعامات مجھے مل گئے ہیں اور میری بہت زیادہ حوصلہ افزائی بھی ہوئی۔ گو راقم از خود کو صرف مسلمان کہتا ہے اور کسی فرقہ یا مکتب فکر سے وابستگی سے ڈر لگتا ہے کہ حضور پاکؐ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ لیکن سب صاحبان کی نیت کو مدنظر رکھ کر میں عاجز ان کی قدر کرتا ہوں۔ اس مضمون پر پہلی کوشش یعنی کتاب جلال مصطفیٰ کے سلسلہ میں ہمارے ملک کے دو بڑے مکاتیب فکر کے صاحبان نے جو کچھ کہا اس سے میرا یہ یقین اور زیادہ ہو گیا ہے کہ ہم سب تفرقے مٹا سکتے ہیں۔ ان صاحبان سے میرا غائبانہ تعارف ضرور تھا۔ لیکن بعد میں ان خود نے مجھ سے مل کر مجھے اپنی آراء سے آگاہ کیا۔

پیر کرم شاہ الازہری: پہلے صاحب جناب پیر صاحب کرم شاہ مرحوم و مغفور رہیں جو سپریم کورٹ کے جج بھی رہے۔ انہوں نے میرے ایک رفیق حاجی محمد شفیع (اب مرحوم) کی وساطت سے اپنے اس تبصرہ کی کاپی مجھے بھیج دی۔ جو انہوں نے وزارت مذہبی امور کو بھیجا۔ چند اقتباسات حسب ذیل ہیں۔ "ویسے تو سیرت کی ہر کتاب بڑی متبرک اور اس کا مصنف لائق صد تحسین اور مستحسن صد تبرک ہے کیونکہ اس کا موضوع وہ ذات و صفات ہے جو اپنے خالق کا احمدؐ اور حامدؐ بھی ہے اور اپنے خالق کا اور اس کی مخلوق کا دونوں جہانوں میں محمدؐ اور محمودؐ بھی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن مرسلہ کتب میں سے بوجوہ مجھے "جلال مصطفیٰ" علیہ طیب الحسنیہ مصنفہ ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک اہم اور مخصوص پہلو یعنی جہاد فی سبیل اللہ پر بڑے انوکھے انداز سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ میں نے حضور سرور عالمؐ کے غزوات اور سریات کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ بڑے بڑے قابل قدر مصنفین کی نگارشات پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ لیکن جلال مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فاضل مصنف نے جس اچھوتے انداز سے اس موضوع پر حقیقت افروز تبصرے کئے ہیں وہ انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ زمینی حالات کا جائزہ۔ اپنی مرضی سے میدان جنگ کا انتخاب۔ قلیل لشکر کو اس طرح استعمال کرنا کہ وہ اپنے سے کئی گنا اور اسلحہ کے اعتبار سے برتر لشکر کو شکست دیدے۔ اور دشمن کو اس طرح مجبور کیا جائے کہ وہ ایسی جگہوں پر اپنا لشکر مرتب کرے جہاں اس کی عددی اور اسلحہ کی برتری ناکارہ ہو جائے۔ یہ غزوات نبوی کی وہ خصوصیات ہیں جو اس کتاب (جلال مصطفیٰ) میں بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ اور موجودہ دور میں ہماری فوجی قیادت ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ غزوہ احد کے بارے میں جو تفصیلات آج تک پڑھیں ان سے ذہن میں یہی تاثر پیدا ہوا کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن جلال مصطفیٰ کے فاضل مصنف نے جنگ احد کو تین مرحلوں میں تقسیم کر کے ان کا جو حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے اور اس سے نتائج مستنبط کیے ہیں انہوں نے سابقہ تصورات کو درہم . ہم کر دیا۔ مصنف نے دلائل اور حقائق سے یہ ثابت کر دیا کہ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں جس جنگی مہارت اور عبقریت کا مظاہرہ فرمایا۔ یا بگڑے ہوئے حالات میں بظاہر اپنی شکست خوردہ اور منتشر افواج کو از سر نو صف بند کر کے ابو سفیان اور اس کے لشکر جرار کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے انسان کی جنگی تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ ایک اور نکتہ جس پر فاضل مؤلف نے بڑے موثر انداز میں تبصرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے ان تمام جنگوں میں صرف اپنے وسائل پر اعتماد کیا اور ہر دفعہ ان ہی کو بروئے کار لا کر دشمن کو ہر میدان میں شکست فاش دی۔ اس عصر جدید میں ہماری فوجی قیادت کو حضور پاکؐ کے اس اسوہ کا پوری طرح اتباع کرنا چاہیے۔ جو قومیں اپنی جنگی مہمات کو سر کرنے کے لیے اغیار کے وسائل پر اعتماد کرتی ہیں انہیں آخر کار شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے یا کم از کم ان جانباز مجاہدوں کی بیشتر قربانیاں وہ مقاصد حاصل کرنے سے قاصر رہی ہیں جو بصورت دیگر حاصل ہونی چاہئیں تھیں۔

پیر صاحب آگے ہماری ستمبر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۳ء میں مصر اور اسرائیل کی جنگوں کی تفصیل میں جاتے ہیں اور لکھتے ہیں " کہ یہ ہمارے لیے درس عبرت ہیں کہ اغیار یعنی ہمارے سلسلہ میں امریکہ اور مصر کے سلسلہ میں روس نے ضرورت کے وقت ہمیں اسلحہ کی سپلائی بند کر دی "۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کو۔ " مسلمان ممالک اپنے نبی کریمؐ کے اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اپنائیں تو ہماری بہت سی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں"

مولانا سمیع الحق دوسرے صاحب اکوڑہ خٹک کے مولانا سمیع الحق ہیں۔ جو کتاب پڑھنے کے بعد خود بخود بریگیڈیر تفضل صدیقی تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر کے ذریعے مجھے ملے۔ اپنی لائبریری کے لیے کتاب کی فرمائش کی اور بعد میں ایک خط کے ذریعے تفصیل لکھی کہ انہوں نے وزارت مذہبی امور کے علاوہ اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق تک سب لوگوں کو گزارش کر دی ہے کہ اس زمانے میں کوئی فلسفہ اور ایسی کتاب ان کی نظر سے نہیں گزری۔

متفرقات کتاب جلال مصطفیٰؐ البتہ ایک محدود مقصد کے تحت لکھی گئی تھی کہ حضور پاکؐ کی فوجی حکمت عملی سے ہم کیا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ جائزے پیش کرتے وقت اسلام کے فلسفہ حیات کی بھی چند جھلکیاں پیش کر دی گئیں۔ فوج اور سول دونوں طبقوں میں اس کی جو پذیرائی ہوئی وہ جنرل ڈار کے تعارف اور دو علماء دین کے تاثرات سے قارئین پر واضح ہو گئی ہوں گی۔ اور میرا مقصد بھی کافی حد تک پورا ہو گیا، گو جنگوں کو بھی جان بوجھ کر اختصار سے پیش کیا گیا تھا۔ موجودہ کتاب میں بھی بڑا مقصد تو اپنی پیاس کو بہتر طور پر بجھانے کی ایک شش ہے کہ اپنی پہلی تحقیق کو وسعت دی جائے۔ لیکن پورا نام اللہ کا ہے اور حضور پاکؐ کے زمانے کی ایک گھڑی کی تحقیق کرنے کے لیے ہزاروں کتابوں کی ضرورت ہے۔ کون ہے جو آپؐ کی شان مبارک کو الفاظ میں بیان کر سکے جب کہ یار غار جناب ابو بکر صدیقؓ جیسی ہستیاں اس سلسلہ میں عاجزی کرتے کرتے نہیں تھکتے اور اس زمانے کے ایک عظیم عالم پیر مہر علی شاہؒ ساری عمر " کتھے تیری ثنا " کے نشے میں مخمور رہے

ادنیٰ کوشش بے شک حضور پاکؐ کے سلسلہ میں اس عاجز کی ایک یہ ادنیٰ کوشش ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کتاب کی ضخامت پہلی کتاب سے تین گنا ہے۔ جلال کے علاوہ جمال کے پہلو کو بھی آشکارا کیا ہے کہ روز ازل سے کارواں حق کس مقصد

کے تحت کس طرف رواں دواں ہے ۔اور مومن کے مقاصد حیات کیا ہیں ۔انشاء اللہ ان تھوڑے سے صفحوں میں قارئین اتنا مواد پائیں گے جو کسی ایک کتاب میں اکٹھا کرنا مشکل ہے ۔ تحقیق کے پہلو کو اسی طرح انوکھا اور اچھوتا رکھا گیا ہے جیسا پیر صاحب کرم شاہ کو نظر آیا ۔یعنی تمام مطالعے بامقصد ہیں ۔دوسرے الفاظ میں دین حق کے عملی پہلو کو ماضی سے زمانہ حال میں لایا گیا ہے اور مستقبل میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کیا گیا ہے ۔ حضور پاکؐ کے زمانے کی جنگوں کو بھی اب بہتر ترتیب اور وسعت سے بیان کیا گیا ہے ۔فوج سے آخری بار ۱۹۷۹ میں ریٹائر ہونے کے ایک سال بعد اس عاجز نے جب یہ کتابیں لکھنا شروع کیں تو برادرم کرنل شیر محمد نے سخت مخالفت کی کہ دس سال اور انتظار کیا جائے کہ ذہن میں پختگی آئے بہرحال اس کتاب کی اشاعت میں اس دیر نے بہتری ضرور پیدا کی ہوگی البتہ "پختگی" والی بات کوئی نہیں لیکن کرنل صاحب کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی ۔

جنرل ڈار کا تعارف جنرل ڈار مرحوم و مغفور نے ہی ان کتابوں کے سلسلہ میں مجھے قلم پکڑوائی ۔اور جو تعارف انہوں نے اپنی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے لکھا وہ دراصل اس کتاب کے پہلے ڈرافٹ پر تھا ۔انہوں نے کچھ مزید اضافوں کی سفارشات بھی کیں اور کرنل شیر محمد سے کتاب پر نظر ثانی کرانے کے لیے بھی کہا ۔اور میرے ساتھ بیٹھ کر کتاب کے سلسلہ میں بہت بات چیت کی ۔اس عاجز نے کرنل شیر محمد کے علاوہ پاکستان ٹائمز کے سید شبیر حسین اور حاجی محمد شفیع صاحب (اب مرحوم و مغفور) سے بھی کتاب پر نظر ثانی کروائی ۔اور خود بھی بہت کام کیا لیکن افسوس یہ عاجز کتاب کو جنرل ڈار کی زندگی میں تسلی بخش صورت نہ دے سکا اور جنرل صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ۔تعارف میں بھی ان کا اشارہ موجود ہے کہ وہ جانے والے ہیں ۔اور اپنے خطوط میں بھی انہوں نے مجھ پر یہ پہلو واضح کر دیا تھا ۔لیکن مجھے یقین نہیں آرہا تھا ۔

مزید تحقیق چنانچہ جنرل ڈار صاحب کی وفات کے بعد اس عاجز نے کتاب کو بہتر صورت دینے کے لیے احادیث مبارکہ کی اکثر کتابوں کو دوبارہ پڑھا ۔اور قرآن پاک کا پڑھنا تو خدا کے فضل سے روز کا معمول ہے ۔ہاں ابن اسحٰق اور ابن سعد کی ساری جلدوں کو چوتھی بار پڑھا اسی دوران واقدی کی مغازی بھی مل گئی پھر مولانا شبلی اور سید سلمان کی سیرت کی تمام کتابوں پر پھر نظر ڈالی ۔ حضور پاکؐ پر لکھی ہوئی انعام یافتہ کتابوں میں سے اکثر کو پڑھا ۔اور نقوش کے رسولؐ نمبر کی تمام جلدیں پڑھیں ساتھ ہی پی ایس او کے جناب مصباح الدین نے سیرت کی کتابوں کیلئے اس عاجز کو مشاورت سے نوازا ۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دوران حج کی سعادت بھی نصیب کی اور جو کچھ پڑھ چکا تھا اس کو زمین پر بھی "دیکھا" تو کتاب کو ان تمام تجربات کے تحت موجودہ صورت و شکل دے رہا ہوں ۔پہلی کتاب میں اسلامی فلسفہ حیات کا مختصر بیان تھا ۔لیکن اس کتاب میں ابتدائیہ یا پہلا پورا باب ، اسلامی فلسفہ حیات کے عملی پہلوؤں کو بیان کرتا ہے ۔

فلسفہ حیات حضور پاکؐ کی زندگی کا بامقصد مطالعہ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمیں یہ سوجھ بوجھ ہو کہ ہمارا نظریہ حیات کیا ہے ۔زندگی کے مقاصد کیا ہیں کہ کس طرح کارواں حیات روز ازل سے روز آخر کی طرف رواں دواں ہے ۔اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا اور حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے کے مقاصد کیا تھے اور اس کا روحانی اور تاریخی

پہلو کیا ہے ۔ قرآن پاک میں اس سلسلہ میں کیا احکام ہیں ۔ اور حضور پاکؐ نے اپنی سنت یا عملوں سے ان احکام کی کیسے پیروی کی اور اپنے رفقاءؓ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کیا عملی تعلیم دی ۔ دین حنیف یا صراط مستقیم کیا ہیں ۔ جہاد بالنفس اور قوم کی اجتماعی ذمہ داریاں کیا ہیں ۔ چنانچہ فلسفہ حیات کے ان تمام باتوں میں جاتے ہوئے کتاب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہمارے آقا حضور پاکؐ قرآن پاک کے ان احکامات کا عملی نمونہ ہیں جس کو سنت نبوی کا نام دیں یا حضور پاکؐ کے جلال و جمال کے عنوان کو اپنائیں ۔ بات ایک ہی ہے ۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن ، وہی فرقان ، وہی یسین وہی طٰہٰ (اقبالؒ)

کتاب کا نام اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق دو ہاتھوں سے کی ۔ اور ایسا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے ۔ مفسرین ، خاص کر ابن عربیؒ نے اس کی مزید وضاحت کی کہ ایک ہاتھ میں محبت کا پہلو تھا تو دوسرے ہاتھ میں ہیبت تھی ۔ محبت جمال ہے اور ہیبت جلال ۔ ہمارے آقا حضور پاکؐ نے بھی فرمایا کہ آپؐ امت کیلئے فقر و تلوار ورثہ میں چھوڑ رہے ہیں فقر جمال ہے تو تلوار جلال ۔ سورۃ فتح میں مومن کی صفات میں ہے کہ وہ رحماء بینھم واشداء علی الکفار ہے ۔ تو یہ بھی جمال اور جلال کی جھلک ہے ۔ ہماری نماز بھی جمال اور جلال کا ایک منظر ہے ۔ کہ خود محبت کی ایک دیوار بن جاتے ہیں ۔ اور غیروں کے لیے اس وحدت میں ہیبت ہے ۔ چنانچہ مسلمان از خود اگر حضور پاکؐ کی سنت کو صحیح طور پر اپنائیں تو حضور پاکؐ کے جمال اور جلال کے چشمے جاری ہو جائیں گے ۔ اسی وجہ سے اس کتاب کے سرورق پر علامہ اقبالؒ کا اس سلسلے کا مشہور شعر بھی لکھ دیا گیا ہے اور یہی اس کتاب کا ماحصل ہے اور اسی پہلو پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں ان کو ہٹانے کی ایک سعی کی جا رہی ہے ۔ مزید گزارش یہ ہے کہ اکثر حجاج کرام سے سن رکھا تھا کہ مکہ مکرمہ اور خاص کر خانہ کعبہ میں سراسر جلال ہے اور مدینہ منورہ اور مسجد نبویؐ میں جمال ہی جمال ہے ۔ راقم کا تاثر مختلف تھا خانہ کعبہ میں جلال و جمال دونوں کی جھلکیوں کے اثرات بیان سے باہر ہیں اور مدینہ منورہ میں جا کر مسجد نبوی کی زیارت کے بعد جب واپس خانہ کعبہ آئے اور طواف کے دوران اسماء مبارک میں رحمن یا رحیم قسم کے اسماء پڑھتے وقت تو جمال کی جھلکیوں سے جو سرور پیدا ہوتا تھا اس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی ۔ مدینہ منورہ میں اس عاجز پر جلال کے ایسے اثرات ہوئے کہ ایک دفعہ تو مسجد نبوی سے کافی دور پھینک دیئے گئے اگر جناب عبدالرحمن جامیؒ کا قصہ نہ معلوم ہوتا تو معلوم نہیں کیا حالات ہو جاتے ۔ لیکن عاجزی جب بڑھی تو انجام کے طور پر جمال کی کچھ جھلکیاں نظر آئیں ۔ البتہ پورے حالات کو بیان کرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی ۔ آنسو نہ تھمتے تھے ۔ چیخ و پکار کے بعد اپنی نادانی پر بھی کئی دفعہ ندامت ہوئی ۔ اور جناب عزت بخاری کا یہ شعر یاد آیا ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ماحصل چنانچہ اس ماحصل کو مد نظر رکھتے ہوئے کتاب کو جو ترتیب دی گئی ہے تو اس سلسلہ میں فہرست مضامین سے بھی کچھ مقاصد عیاں ہو جاتے ہیں ۔ حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ایک خطبہ میں فرمایا " کہ نبی زمانے کو تسلسل دینے کے لیے مبعوث ہوتا ہے " اور پھر حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ۔ " زمانہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے " ۔ تو ظاہر ہوا کہ حضور پاکؐ نے

زمانے کو تسلسل دے دیا یعنی آپ کا مقصد پورا ہو گیا کہ اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ سے صراط مستقیم کی نشاندہی کرادی ۔ آپؐ نے قافلہ حق کو صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا ۔ اور باطل منقلب ہو گیا یا اوندھے منہ گر گیا ۔ چنانچہ ایسا کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے گئے وہی اس کتاب کا موضوع ہیں اور اس سلسلہ میں تاریخی پہلوؤں کے علاوہ ملکی زندگی کا جہاد بالنفس اور مدنی زندگی کا اجتماعی جہاد واضح طور پر ہمارے سامنے آئیں گے ۔ کہ ان روایات اور اعمال کی مدد سے اس زمانے میں ہم اپنے لیے نشان راہ یا صراط مستقیم کو تلاش کریں ۔ اس عاجز کے لحاظ سے یہ نشان راہ، فلسفہ جہاد یا نظام جہاد میں ملے گا کہ جہاد مومن کے لیے طرز زندگی ہے اور یہی ہمارا سیاسی فلسفہ ہے ۔ یا حکمتی فلسفہ کہیں تو زیادہ بہتر ہے ۔ کہ قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت میں لفظ سیاست کہیں نظر نہیں آتا

جہاد بد قسمتی سے جہاد پر پردے تو بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانوں سے پڑنے شروع ہو گئے تھے ۔ کہ یونانی فلسفہ کے پیروکاروں معتزلہ اور باطنیوں کے بحث نے قوم کے رخ کو نظام جہاد سے " علم الکلام " کی طرف موڑ دیا ۔ لیکن سقوط بغداد اور صلیبوں کی یلغار کی وجہ سے ہماری آنکھیں کچھ کھلیں ضرور ۔ البتہ پچھلے دو سو سال کی غلامی نے ہمیں اسلام سے دور کر دیا ہے اور ہم لوگ جہاد کے معنی سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہیں ۔ ایسا ہونا اس لئے بھی لازمی تھا کہ مغربی تعلیم کا ایک بڑا علمبردار سرسید ۱۸۹۰ء میں ایک خط میں خود تسلیم کرتا ہے " تعجب یہ ہے کو جو تعلیم پاتے جاتے ہیں ۔ اور جن سے قومی بھلائی کی امید تھی وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں ۔ " اور یہ عاجز ۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ میں ثبوت پیش کر چکا ہے کہ سرسید اور غلام کذاب کو ایک جگہ سے ہدایات ملتی تھیں ۔ اس سلسلے میں ابوالحسن ندوی صاحب نے غلامی اور اہل مغرب کے ہم پر باطل اثرات پر ایک کتاب لکھ کر پوری طرح کمال ترکی اور سرسید کو ننگا کرتے ہوئے، ہم برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمانوں پر خاص کر اور ویسے سب مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے ۔ لیکن یہ عاجز صرف یہ گزارش کرے گا کہ اہل مغرب نے مرزا غلام کذاب، سرسید اور چراغ علی جیسے لوگوں کی مدد سے نظام جہاد پر پردے ڈلوانے کی کوشش کی ہے ۔ اور کچھ سے یہ کہلوایا کہ جہاد جد و جہد کا دوسرا نام ہے اور اس طرح ہم فلسفہ جہاد کی سوجھ بوجھ سے دور ہوتے گئے ۔ یہ حالات دیکھ کر علامہ اقبالؒ بھی چیخ اٹھے ۔

تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی — دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر

اور پھر یہ بھی فرمایا

باطل کے فال وفر کی حفاظت کے واسطے — یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے — مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں ہے شر

ایک اور بد قسمتی یہ ہوئی کہ جب فقہ مدون ہونا شروع ہوا ۔ تو اول تو اس سے ہم فقہی گروہوں میں بٹ گئے ۔ حالانکہ جن کے ناموں کے ساتھ یہ فقہ منسوب کیا جاتا ہے ان میں سے صرف امام شافعیؒ نے کچھ فقہ لکھا اور وہ بھی چند معاشرتی اصول اور اس کے سو سال بعد ہم خواہ مخواہ گروہ بندی کا شکار ہو گئے ۔ جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے ۔ لیکن زیادہ نقصان نظام جہاد کا ہوا کہ سورۃ توبہ کی

آیت ۱۲۲ کے الفاظ تفقہ فی الدین جو جہاد کی سوجھ بوجھ کے لیے استعمال ہوتے تھے اس میں سے جہاد الگ ہو گیا اور صرف سوجھ بوجھ (فقہ) ہمارے اوپر چھا گئی کہ ہمارا رخ بحث مباحثہ کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت تک اسلام دنیا میں جہاں تک پھیل چکا تھا اس سے آگے معاملات ٹھنڈے پڑ گئے۔

چنانچہ اس مطالعہ اور تحقیق کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم جہاد کے نظریہ کو سمجھ سکیں۔ جہاد بالنفس بنیادی چیز ہے۔ اور دار الحرب میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے اس لئے حضور پاکؐ کی مکی زندگی میں بھی جہاد بالنفس کی جھلکیاں ملتی ہیں جس نے مدینہ منورہ میں اجتماعی شکل و صورت اختیار کر لی۔ اور مدینہ منورہ میں جہاد کو ایک طرز زندگی کے طور پر اپنایا گیا۔ دراصل ہجرت بھی اس اجتماعی جہاد کی ایک کڑی تھی اور حبشہ و مدینہ منورہ کی ہجرتوں میں واضح فرق نظر آتا ہے جو پہلو آٹھویں باب میں اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے پانچوں ارکان کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج یا قربانی وغیرہ بھی جہاد کی تیاری کی امدادی مدیں ہیں۔ اور زندگی کا ہر پہلو اس طرز زندگی یا جہاد کا تابع ہے۔ کتاب کے پچیسویں اور چھبیسویں باب میں نظریہ جہاد تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ جہاد مسلمانوں کا سیاسی یا حکمتی فلسفہ ہے۔ جہاد بالسیف مسلمانوں کا دفاعی فلسفہ ہے کہ اللہ کی فوج اور حزب رسولؐ بن کر وہ حق کو لاتے ہیں اور باطل کو مٹاتے ہیں اور اپنے عقیدہ اور غیرت کی حفاظت کیلئے اس دفاعی فلسفہ کے تحت وہ ہر وقت حرب (جنگ) کے لیے تیار رہتے ہیں اور آگے ان کو حضور پاکؐ سے سیکھے ہوئے طریقوں کے مطابق قتال (لڑائی) کرنا چاہیے کہ

جنگ شاہاں جہاں غارت گری است   جنگ مومن سنت پیغمبری است (اقبالؒ)

کتاب کی ترتیب: ان سب مقاصد اور پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے باب میں اسلامی فلسفہ حیات بیان کیا گیا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ آگے اس راستے یعنی صراط مستقیم کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کس طرح رہبر آتے رہے اور مخلوق کو حق کی پیروی کی تلقین کرتے رہے۔ ساتھ ہی باطل فلسفوں اور گمراہی کی نشاندہی بھی کر دی اور آگے حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے کے زمانے کے تاریخی تانے بانے جغرافیہ اور نقشوں سے واضح کر دئے گئے ہیں۔ دین اسلام کے بنیادی پہلوؤں اور مکی زندگی کے حضور پاکؐ کے جمال اور جہاد بالنفس اور آپؐ کے پیروکاروں کے احوالات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ کہ ہجرت کی ضرورت کیوں پڑی۔ اور ہجرت کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے مدنی زندگی میں حضور پاکؐ کے جلال اور نظام جہاد کے وسیع تر پہلو کو نقشوں کی مدد سے بیان کیا گیا ہے کہ حق کس طرح پھیلا، اور کتنا پھیلاؤ اختیار کیا۔ اور آخر میں اپنی ذمہ داریوں اور نظام جہاد کی تفصیل پیش کر دی ہے۔ اور سب سے بڑا اصول یہ بنایا کہ بیانات میں تضاد نہ ہو۔ اور تمام جائزوں اور تبصروں میں بڑا مقصد یہ سامنے رکھا کہ قوم میں وحدت فکر و عمل پیدا ہو۔ مومن کا مقصد حیات واضح ہو جائے اور یہ سب ہم نے قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی عملی زندگی کے نچوڑ سے نکالا۔ اور لگاتار نشان راہ اور صراط مستقیم کی تلاش رہی۔ تقریباً ہر باب کا خلاصہ یا نتائج و اسباق باب کے آخر میں بیان کئے ہیں۔ ویسے کئی عملی کاروائیوں کے نتائج پر ساتھ ہی تبصرہ بھی کر دیا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اور تقریباً ہر

باب اپنے مخصوص انداز میں اپنے اندر کچھ نظریات پنہاں کئے ہوئے ہے۔ تاکہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عالم کا وارث مقرر کیا ہے:۔

"عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث۔ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے" اقبالؒ

ماخوذ: اس کتاب کو تیار کرنے کے سلسلے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی یا استفادہ کیا یا ان کتابوں کے پڑھنے سے اس عاجز پر جو اثرات ہوئے، وہ سب بیان کرنے کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ کہ غیروں یا غیر مسلموں کے اس سلسلہ میں اس عاجز نے جو کتابیں پڑھیں ان کی تعداد بھی سو کے قریب ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس عاجز نے تاریخ عالم، غیروں کے فلسفہ حیات، دوسرے مذاہب کے بنیادی اصول وغیرہ اور سینکڑوں ایسی کتابیں پڑھیں جن سے مجھ پر اسلام کی بڑائی کا اور زیادہ اثر ہوا۔ اور حضور پاکؐ کی شان اور بہتر طور پر سمجھ میں آئی اور میں پکار اٹھا:۔ "سارا جگ سوہنا پر ماہی نالوں تلے تلے" اس لئے حضور پاکؐ بلکہ آپؐ کے رفقاء اور اسلامی تاریخ یا فلسفہ حیات کی کوئی کتاب نظر پڑی اسکو ضرور پڑھا۔ آگے اس سلسلہ میں تبصروں سے اس عاجز کا مطالعہ قارئین پر خود واضح ہو جائے گا۔ بہر حال اس کتاب کے لئے اول تو قرآن پاک سے نہ صرف استفادہ کیا گیا ہے، بلکہ بعض سورتوں اور آیات کے واقعاتی پہلو کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ سنت کے لئے متعدد احادیث مبارکہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن واقعات کو بالترتیب بیان کرنے کے لئے ابن اسحٰق اور ابن سعد کی تاریخوں سے مدد لی گئی ہے۔ ابن سعد کی سلسلہ میں یہ مدد حضور پاکؐ کی حیات طیبہ کی دو کتابوں کے علاوہ باقی چھ کتابوں سے بھی لی گئی جہاں تقریباً پانچ ہزار صحابہ کرام اور تابعین کی زندگی کے حالات ہیں۔ ان میں سے اکثر صاحبان "چلتے پھرتے اسلام" تھے اور ابن سعد نے ان سے کچھ احادیث مبارکہ بھی منسوب کرکے بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ واقدی، طبریؒ، ابن اثیر، ابن کثیر، علامہ سیوطیؒ اور ابن خلدون کی تاریخوں سے بھی کچھ مدد ضرور لی ہے۔ انیسویں۔ بیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئی اپنوں کی تاریخوں کا بھی پڑھا ضرور اور کچھ استفادہ بھی کیا، اور اس سلسلہ میں اس عاجز کے تاثرات آگے آتے ہیں کہ ہم نے غیروں سے کچھ غلط اثرات لے کر اس زمانے میں ان چیزوں کو اسلام بنا کر پیش کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی جگہ آزادی اور کافرانہ جمہوری نظام بھی ہمارے "ایمان" کا حصہ بن گئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ عاجز آگے چل کر ماخوذ کے سلسلہ میں بہت تفصیلی بحث کرے گا۔ کہ میں نے مورخین کو محدثین پر کیوں ترجیح دی۔ لیکن ایک پہلو یہاں ہی واضح کرتا جاؤں۔ محدثین کا مکتبوں اور مسجدوں پر قبضہ تھا۔ ان کے بے شمار تلامذہ جیسے آجکل بھی ہے۔ زیادہ وقت اپنے "بڑوں" کے گن گاتے رہتے تھے اور ان کی شان کو ایسے بڑھا کر پیش کیا گیا کہ ان کی یاد۔ ذہن۔ طہارت اور کردار کو اتنی بلندی دی گئی کہ ان کی ہر بات کو قرآن پاک کے بعض دفعہ برابر اور نزدیک تو ضرور پہنچا دیا۔ یہ بڑی زیادتی ہوئی۔ کہ کچھ لوگ رد عمل کے طور پر منکرِ حدیث بن گئے۔ یہ بات بھی صحیح نہ تھی۔ اعتدال کی ضرورت تھی۔ اور مورخین سے زیادہ استفادہ کرنے کی ضرورت تھی۔

غیروں کے اثرات اور باطل فلسفے: اس زمانہ کا تاریک پہلو یہ ہے کہ ہمارے بیچ کافی لوگوں نے باطل فلسفوں یا غیروں کی تحقیقات سے اثرات لینے شروع کر دیئے ہیں ۔ اور انہوں نے اسلام کو بھی غیروں کی عینک سے پڑھنا شروع کر دیا ہے ۔ اس طرح کچھ لوگ انجانے سے اس قسم کے اسلام کی پرچار بھی کر رہے ہیں، جہاں باطل فلسفوں پر اسلام کا لیبل لگا دیا جاتا ہے ۔ اس پہلو کو کتاب میں کھل کر بیان کیا گیا ہے کہ ہمیں یاد رہے کہ کسی باطل فلسفے کا اسلام کے ساتھ موازنہ بھی نہ کیا جائے ۔ کہ یہ باطل فلسفے یا شر کے تابع ہیں یا ان کے ذریعے سے مادیات کا حصول مدنظر ہے ۔ اسلام ان چیزوں سے بلند ہے کہ مومن کا مقصد حیات ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور وہ یہاں پر امتحان کے لئے آیا ہے ۔ دوم جن غیروں نے اسلام کو پڑھا ہے، انہوں نے یہ سب کچھ ابو جہل کی طرح متعصب ذہن کے استعمال سے کیا ہے ۔ گو ایسے لوگوں میں سے اکثر غیر، اسلام کے فلسفہ حیات اور عسکری پہلو کو اس زمانے میں ہم مسلمانوں سے بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور ان میں سے ایک جنرل گلب نے صحیح طور پر اسلام کو سپاہیوں کا مذہب کہا ہے ۔ لیکن ان لوگوں کے تعصب کیوجہ سے اور باطل پیمانوں سے ناپ و تول کرنے کی وجہ سے، ایسے لوگ کبھی بھی اسلام کی روح تک نہیں پہنچ سکتے ۔ جب راقم یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے لوگ "اسلام کے ان ماہرین" کو سر پر چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں تو مجھے علامہ اقبالؒ یاد آتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ   سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اس عاجز نے اس لئے حضور پاکؐ کی عملی زندگی میں سے یہ اسباق نکالے ہیں کہ ہمیں غیروں سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ۔ اور اسلام کی عمارت غیروں یا باطل خیالات کے فلسفوں پر نہیں بن سکتی ۔ صحاح ستہ کی احادیث کی کتابوں میں ایسی کوئی حدیث مبارکہ نہیں ملی جس میں یہ بات ہو کہ حضور پاکؐ نے فرمایا ہو کہ "علم سیکھنے کے لئے چین بھی جاؤ" اور حضور پاکؐ کے غلام جناب فاروق اعظمؓ نے سکندریہ اور مدائن کی لائبریریاں جلوا دیں کہ ہمارے حضور پاکؐ بہتر فلسفہ حیات لا چکے ہیں ۔ اور جناب فاروقؓ کو یہ تنبیہ جناب صدیقؓ نے کی تھی کہ جب جناب فاروقؓ تورات پڑھنے لگے تو جناب صدیقؓ نے ان کے ہاتھ سے کتاب چھین لی تھی اور فرمایا تھا ۔ "بس کرو ابن خطاب ۔ سرکار دو عالم کے چہرے کا رنگ نہیں دیکھتے ہو" ہمیں غیروں سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ۔ چنانچہ یہ عاجز اس اسلام کی تلاش میں ہے جو پہلے سو سالوں میں نافذ رہا ۔ جب نہ کوئی فقہی گروہ تھے اور نہ سیاسی گروہ ۔ ہاں حکومت کی غرض سے سیاست نے پچاس سالوں بعد اسلام کے اندر آنا شروع کر دیا تھا ۔ اور گروہ بندی شروع ضرور ہو گئی، تو یہ عاجز زیادہ زور پہلے پچاس سالوں پر دے گا کہ وہ کیسا اسلام تھا ۔ میرا خیال ہے ہماری وہ مسلمانی اور وہ اسلام یا اس کا کچھ حصہ غیروں کے پاس چلا گیا ہے:۔

مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود   خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی (اقبالؒ)

تاریخ اور راوی: چنانچہ اس عاجز کے لحاظ سے وہ اسلام جس پر حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ رفقاءؓ یا تابعینؒ نے عمل کیا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے کافی حد تک اوجھل ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ وہ تمام تاریخ یا احادیث مبارکہ کی کتابیں جن کو اس زمانے

میں المغازی (فلسفہ جنگ) کی کتابیں کہتے تھے ناپید ہیں جو امام زہریؒ (ابن شہاب)، ان کے ہم عصروں یا ان سے پہلے لکھی گئیں۔ ہمارے پاس پرانی سے پرانی کتابیں امام زہریؒ کے دو شاگردوں ابن اسحاق کی المغازی اور امام مالکؒ کا موطا ہیں (البتہ انہی دنوں سب سے پرانی مغازی جو جناب عروہؓ بن زبیرؓ نے لکھی وہ بھی سامنے آئی ہے)۔ اس سے پہلے کی المغازی کی کتابوں کے اثرات دنیا پر ظاہر ہیں کہ اہل عرب، مسلمان ہوگئے اور ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک تھا۔ اور دوسرے میں تلوار۔ اور اسلامی فلسفہ حیات اپنا کر ان بزرگوں نے دنیا فتح کر ڈالی اور ان کے کردار کو دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ایسی کتابوں کے لکھنے والوں میں حضرت عثمانؓ کے بیٹے حضرت ابانؓ، حضرت زبیرؓ کے بیٹے حضرت عروہؓ اور پوتے حضرت ہاشمؒ کے علاوہ امام شعبیؒ اور مشہور صحابی حضرت عمرؓ بن قتادہ کے بیٹے حضرت عاصمؒ بھی شامل ہیں۔ امام زہریؒ نے تو بہت کچھ لکھا۔ اور وہ سب آج ناپید ہے، بلکہ ان کے دو اور شاگردوں محمدؒ بن صالح اور موسیٰؒ بن عقبہ نے بھی المغازی پر کتابیں لکھیں۔ موسیٰ بن عقبیٰ کی کتابوں کے کچھ حصے مل جاتے ہیں۔ لیکن محمدؒ بن صالح کی المغازی نہیں ملتی۔ ہاں ان کے شاگرد واقدی اور شاگرد کے شاگرد ابن سعد کی کتابیں موجود ہیں۔ بہرحال جو تاریخیں موجود ہیں ان میں پرانی مغازی کی کتابوں کے حوالے ضرور موجود ہیں۔

تفرقات: بد قسمتی سے جب علم کو وسعت ملی تو کچھ علماء یا مورخین نے اپنے آپ کو کسی ایک فن سے وابستہ کر دیا۔ حالانکہ سیرت کا لفظ تابعین میں سے سب سے پہلے امام زہریؒ نے استعمال کیا۔ فقہ کا لفظ اس سے کئی سال بعد امام شافعیؒ نے استعمال کیا اور حدیث کا لفظ تو بالکل عام نہ تھا۔ امام مالکؒ نے موطا کا لفظ استعمال کیا اور امام حنبلؒ نے مسند کا اور اڑھائی سو سال بعد امام بخاریؒ نے بھی اپنے کام کو احادیث کی کتاب نہ کہا بلکہ احکام کی کتاب کا نام دیا۔ پھر معاملات کچھ ایسے ہوگئے کہ احادیث مبارکہ یا فقہ کو بھی کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور جن صاحبان نے اپنے آپ کو جس کام سے وابستہ کر لیا، انہوں نے جیسے اندھوں نے ہاتھی کو ٹٹول کر جو محسوس کیا، اسی کو ہاتھی سمجھا، اسی طرح ہمارے بزرگوں میں سے کچھ نے اپنے آپ کو جس فن کے ساتھ وابستہ کر دیا، اسی کو اسلام سمجھ لیا، اور المغازی چونکہ عملی شکل و صورت اختیار کر گئی تھی، اس کو لوگ بھول گئے۔ اور بعد کی صدیوں میں اس فن یا فلسفہ پر مسلمانوں نے کوئی کتاب بھی نہ لکھی۔ انصاف تو یہ تھا کہ سب مدوں کو ایک کرتے، کہ سیرت، فقہ، احادیث وغیرہ سب کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور ترجیحات مقرر کرتے کہ کس چیز کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ اور کس پہلو کو کس پہلو کے تابع کیا جائے اور کونسی مد کو کس مد کی امدادی مد رکھا جائے۔ اور قارئین! اس عاجز کے لحاظ سے جہاد کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے میرا مطالعہ آپ کو آخری ابواب میں ایسے ڈھانچے پر لے جائے گا جہاں ان تمام مدوں کو شیر و شکر کیا گیا ہے کہ یہ عاجز وحدت فکر اور وحدت عمل کا دعویدار ہے۔ ان تفرقات کی بنیاد کچھ اس طرح ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے ہم مکتب ابن اسحاق کی چند احادیث مبارکہ کے ساتھ اختلاف کیا تو بعد میں امام بخاریؒ نے یہ لکھ دیا کہ ابن اسحاق کی مغازی پر تو بھروسہ کیا جا سکتا ہے لیکن ابن اسحاق کی بیان شدہ کچھ احادیث ضعیف ہیں۔ اب بد قسمتی سے بعد کے کچھ علماء نے ابن اسحاق کو محدثین کے زمرے سے بھی خارج کر دیا۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ابن اسحاق کی احادیث مبارکہ واقعاتی ہیں اور موقع و محل کا بھی ساتھ بیان ہے تو ان کا نظریہ

اور فلسفہ زیادہ واضح ہے۔اور پھر ابن اسحاق کو علم حدیث پر اتنا عبور حاصل تھا کہ اپنے استاد امام زہریؒ کے منظور نظر تھے اور ان کو بلا اجازت امام زہریؒ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ہمارا تحقیقی مطالعہ البتہ ایسے تفرقات میں نہیں پڑتا۔میرے نزدیک جو واقعہ یا بیان قرآن پاک اور حضور پاکؐ کے بیان شدہ فلسفہ حیات سے مطابقت رکھتا ہے وہ صحیح ہے۔جو ایسا نہیں اس کا راوی یا مصنف خواہ کتنا ہی اعلیٰ کردار والا ہو ہم اس بیان پر شک کریں گے کہ وہ اضافہ ہو سکتا ہے یا خواہ مخواہ کسی بزرگ کی طرف بات کو منسوب کر دیا گیا ہے۔اور راقم نے ایسی ہزاروں باتیں پڑھیں، جن میں سے کچھ کے بارے میں اس کتاب میں ذکر ہوگا۔چنانچہ یہ عاجز اپنے وحدت فکر و وحدت عمل کے اصول کے تحت سیرت، مغازی، احادیث اور فقہ وغیرہ کو یک جان کر رہا ہے۔اور اس سلسلہ میں پرانے مؤرخین یا محدثین سب اس عاجز کے سر کے تاج ہیں۔چنانچہ ان کے کام پر کچھ تبصرہ ضروری ہے کہ قارئین میرے ساتھ ساتھ چلیں۔

ابن اسحاق: ہماری اس کتاب کی بنیاد ابن اسحاق کی تاریخ پر رکھی گئی ہے اور ابن سعد کو امدادی طور پر استعمال کیا ہے۔اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کو بھی ابن اسحاق کے واقعات یا مغازی کے بیان پر شک نہیں اور سب محدثین نے ابن سعد کو بھی ثقہ قرار دیا تو اس عاجز نے بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھا۔اور راقم کے لحاظ سے ابن اسحاق نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔آپکا نام محمد تھا اور آپ کے دادا یاسر، جناب صدیقؓ اکبر کے زمانے میں عین التمر کی جنگ میں قید ہو کر مدینہ منورہ آئے، جہاں انہوں نے اسلام قبول کیا اور وہیں آباد ہو گئے۔محمد بن اسحاق کمال کا حافظہ رکھتے تھے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ امام زہریؒ کے شاگرد تھے۔اس کے علاوہ آپ نے عاصمؒ بن عمرؒ بن قتادہ، عبداللہؒ بن ابو بکرؒ، یزیدؒ بن حسیب، ہاشمؒ بن عروہؒ بن زبیرؓ اور ہاشمؒ کی بیوی فاطمہؒ سے بھی بہت کچھ سیکھا۔جناب فاطمہؒ کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے شک کیا کہ وہ پردہ میں تھیں تو ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی مثال دی کہ پردہ کے پیچھے بھی بات ہو سکتی ہے۔بد قسمتی سے آپکی اپنے ہم مکتب امام مالکؒ کے ساتھ جو رقابت پیدا ہو گئی، تو اہل علم اور محدثین نے امام مالکؒ کو صحیح سمجھا۔دراصل بنوامیہ کا زمانہ تھا اور وہ بھی آخری عشرہ میں۔جہاد اور علم مغازی پر پردے ڈالے جا رہے تھے۔علماء کا ایک گروہ آگے بڑھا جنہوں نے معتزلہ سمیت کئی لوگوں سے بحث و مباحثہ کر کے قوم میں تفرقے ڈال دیئے۔طریقہ یہ تھا کہ جس سے اختلاف ہوتا تھا اس کے عقائد پر حملہ کیا جاتا تھا (یہ طریقہ آج بھی جاری ہے)۔چنانچہ ابن اسحاق کو بھی شیعہ یا قدریہ کہہ دیا گیا۔ابن اسحاق سب صحابہ کرامؓ کا نام بڑے ادب سے لیتا ہے۔اور قضا و قدر پر کچھ لکھا ہی نہیں، اس لئے یہ الزام درست نہیں۔جو کچھ اس نے لکھا وہ حوالوں سے لکھا، اور جہاں اس کی کتاب میں راقم کو کوئی حوالہ نظر نہیں آیا، تو اس کو اس عاجز نے اپنی اس کتاب کا حصہ نہیں بنایا۔یا جہاں کچھ رہ گیا یا شک پڑ گیا تو اس کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ابن اسحاق پر ایک اور الزام یہ ہے کہ کچھ ایسی روایات بھی نقل کر لیں جو یہودیوں کے ذریعہ سے مسلمانوں تک پہنچیں۔یہ حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے کی باتیں ہیں یہودی بھی کسی زمانے میں دین حنیف کے پیروکار تھے۔اللہ تعالیٰ کی صحیح باتوں کے کبھی وہ بھی امانتدار رہے اور ان میں سے کئی یہودی عالم مثلاً کعب احبارؓ وغیرہ اسلام بھی لے آئے۔اس لئے راقم کو اس الزام میں کوئی جان نظر نہیں آتی۔اور حضور پاکؐ سے

پہلے کے واقعات جو راقم نے ابن اسحاق سے نقل کئے ہیں ممکن ہے ان میں کوئی ایسی بات ہو جو یہودیوں کے ذریعہ سے ہمیں پہنچی ہو۔ لیکن ان باتوں کو نظریہ کے طور پر نہیں اپنایا گیا۔ یہ واقعات کے تانے بانے ظاقی ہیں اور بات غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے ہمارے مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

واقدی: ابن اسحاق کے بعد پرانی سے پرانی تاریخ جو ہمارے پاس موجود ہے وہ محمد بن عمر واقدی کی مغازی ہے۔ گو راقم نے اس کتاب میں واقعات، واقدی کے شاگرد ابن سعد کی کتاب سے لیے ہیں کہ واقدی کی مغازی دیر سے ملی لیکن میرے عسکری جائزوں میں واقدی کے بیانات کے اثرات ضرور موجود ہیں۔ بہر حال واقدی ہمارے بعض علماء کے ہاں ناپسندیدہ شخصیت ہیں اور وہ واقدی کو بے ادب کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ ان کو سخت ناپسند کرتے تھے اور بعد میں امام بخاریؒ نے ان کو دروغ گو تک کہ دیا ہے۔ امام بخاریؒ کو واقدی کے خلاف بڑا اعتراض حضور پاکؐ کے حضرت زینبؓ کے زوجیت میں لینے کے طرز بیان پر ہے۔ لیکن اگر اسی مضمون کو جناب داتا گنج بخشؒ کی تصنیف میں پڑھا جائے تو واقدی کی بریت ہو جاتی ہے۔ جناب داتا گنج بخشؒ نے واقدی کا نام لئے بغیر حضور پاکؐ کی شان کا اس واقعہ میں جو ذکر کیا ہے وہ جب تک پورا نہ بیان کیا جائے تو عام فہم نہیں۔ لیکن یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ واقدی، حضور پاکؐ کے شان کو سمجھتا تھا۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ واقدی نے عباسی خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ پایا ہارون جو خود بڑا عالم تھا، جب مدینہ منورہ آیا تو وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو رات کے اندھیرے میں ہارون کو وہ تمام مقامات دکھائے جہاں دس سالہ مدنی زندگی میں حضور پاکؐ نے قدم رنجہ فرمایا۔ یہ سعادت واقدی کو نصیب ہوئی۔ واقدی نے ایک ایک مقام پر حضور پاکؐ کے قدم مبارکہ کی واقعات کی مدد سے ایسی تفصیل بتائی اور سارا بیان ایسے رنگ میں پیش کیا کہ ساری رات ہارون کے آنسو نہ تھم سکے اور کئی دفعہ رقت طاری ہوئی۔ یہی حالت ہارون کے وزیر یحیٰ برمکی کی ہوئی۔ اور انہوں نے واقدی کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔ روایت ہے کہ ہارون کا علم اتنا زیادہ تھا کہ محدثین کو ان کے سامنے احادیث مبارکہ بیان کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ تو اس عاجز کے لحاظ سے واقدی کا مقام بہت اونچا ہے۔ امام بخاریؒ البتہ جس مقام پر کھڑے تھے تو ان کے لحاظ سے واقدی کے بیان میں کچھ لغزش تھی تو انہوں نے ان کو دروغ گو قرار دے دیا۔ اس عاجز کو دونوں کی نیت پر کوئی شک نہیں اور دونوں میرے سر کے تاج ہیں۔ واقدی پر دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ جنگوں میں مسلمانوں کی بہادری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا تھا۔ بے شک یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے علماء کتنے سچے تھے کہ اپنے بزرگوں کے کارناموں میں ذرا بھر بھی اضافہ پسند نہ کرتے تھے۔ راقم کو واقدی کے طرز بیان پر ذرا شک نہیں۔ جنگ یرموک کو لیں، کہ چالیس ہزار مجاہدین کے سامنے ڈیڑھ لاکھ رومیوں کا لشکر تھا اور اہل یورپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے ستر ہزار کھیت رہے۔ مرتا وہ ہے جو لڑتا ہے اور رومی بہت بہادری سے لڑے۔ اور مسلمان بہت بہت اور بہت زیادہ بہادری سے لڑے۔ اس پہلو کو صرف وہ سمجھ سکتا ہے جس نے جنگ لڑی ہو۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تمام محدثین واقدی کے استاد محمد بن صالح کو بھی ثقہ قرار دیتے ہیں اور شاگرد محمد بن سعد (ابن سعد) کو بھی ثقہ مانتے ہیں۔ اور شائد واقدی کے مقام تک وہ نہ پہنچ پائیں کہ واقدی جنگوں کے جائزے بھی پیش کرتا تھا۔ اور

وہ میرے سر کا تاج ہے۔ کہ وہ عاشق رسولؐ تھا

ابن سعد: محمد بن سعد اسلام کے مایہ ناز فرزند ہیں۔آپ نے حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ و تابعین پر بارہ کتابیں لکھیں۔یہ کتابیں ناپید ہورہی تھیں کہ اس صدی کے شروع میں سلطنت عثمانیہ کی پرانی لائبریری پر کسی جرمن کی نظر پڑ گئی تو پہلے ان کے ترجمے جرمن زبان میں ہوئے، بعد میں جرمن سے انگریزی میں اور اب ہمارے ہاں ان کتابوں کا ترجمہ اردو میں بھی ہو گیا ہے۔ لیکن تلخیص ہوتے ہوتے اب آٹھ جلدیں رہ گئی ہیں۔جن میں پہلے دو جلدیں حضور پاکؐ کے حالات پر ہیں۔ باقی جلدوں میں تقریباً ساڑھے تین ہزار صحابہ کرامؓ اور ہزار ڈیڑھ ہزار تابعین کا ذکر ہے۔آخری جلد صحابیات اور صالحات پر ہے۔ کسی اور قوم کے پچاس آدمیوں کے زندگی کے حالات نہیں ملتے۔یہ طرہ امتیاز صرف اسلام کو ابن سعد جیسے لوگوں کی وجہ سے حاصل ہوا۔آپ امام حنبلؒ کے ہم عصر تھے۔اور امام بخاریؒ نے بھی شائد آپ کو دیکھا یا آپ سے تھوڑے بعد ہوئے۔ابن سعد نے جہاں صحابہ کرامؓ اور تابعین کا ذکر کیا ہے تو ان میں سے اولین صحابہ کی تو کئی احادیث مبارکہ کو بھی ساتھ لکھا۔ویسے اکثر کی طرف سے حضور پاکؐ کے سلسلہ میں کوئی نہ کوئی بات لکھی ہوئی ہے۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں وفود کا آمد کا ذکر بھی ابن سعد نے تفصیل سے کیا۔اور آپکے بیانات سے تحقیق کرنے والوں کو بڑی مدد ملتی ہے۔اللہ کا شکر ہے کہ آپ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ویسے میرے لئے یہ تینوں مؤرخین میرے سر کے تاج ہیں۔اور تینوں کے ماں باپ نے تینوں کا نام حضور پاکؐ کے اسم مبارک پر محمد رکھا۔یہی بہت بڑی بات ہے۔اپنے نام میں اس کمی کو مشیت نے حضورؐ پاک کے سپاہی کا نام دے کر پورا کر دیا اور اس عاجز نے اپنی اولاد میں ہر کے نام کے ساتھ اس اسم مبارک کو شامل کیا ہے۔

دیگر پرانی تاریخیں: باقی پرانی تاریخوں میں بلاذوری کی تاریخ ہے جس میں چند روحانی باتوں کے علاوہ کوئی نئی بات نہیں۔اہل مغرب میں بھی اسلام کی تحقیق کرنے والوں نے بلاذوری کو کوئی زیادہ وقعت نہیں دی۔اور ویسے بھی وہ ابن سعد کا شاگرد تھا۔ہاں البتہ طبریؒ کی تاریخ بڑی اہم ہے۔کہ اس نے تینوں مذکورہ مؤرخین کی تاریخوں سے استفادہ کیا ہے۔اور راقم نے بھی طبریؒ کی تاریخ سے مدد لی ہے۔البتہ کچھ لوگوں نے طبریؒ کو گستاخ کہا ہے اور بعض نے کہا کہ شیعہ تھا۔طبریؒ کا طریقہ بعض محدثین کی طرح یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کو کئی راویوں کی زبان سے بیان کرتا ہے۔اور خود کوئی تحقیق نہیں کرتا۔ بعض دفعہ ایک ہی بات کی دو مختلف صورتیں نظر آجاتی ہیں۔اس لئے پہلے پہل قاری پر عجیب و غریب اثرات ہوتے ہیں لیکن باقی تاریخوں کی مدد سے اگر اپنے مطالعہ کو وسعت دی جائے تو درمیان سے اصلی حقیقت بھی کچھ آشکارا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔طبریؒ بڑے بڑے محدثین کے بعد کے زمانے کا ہے، اس لئے اس زمانے کے کچھ علماء کو طبریؒ کے خلاف یہ شکایت بھی ہے کہ اس نے محدثین کی کتابوں سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ باقی پرانے مؤرخین میں سے محمد بن مسلم بن قطیبہ، ابن العراقی، ابن الموردی، ابن اثیر، ابن کثیر، سیوطیؒ، اور ابن خلدون وغیرہ سب نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اور ان میں سے اکثر نے محدثین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔البتہ راقم نے آخری دو کو چھوڑ کر باقیوں کی تاریخوں پر سرسری نظر ڈالی اور میری تحقیق پر صرف سیوطیؒ اور ابن خلدون

کی تحقیق کے جائزوں کے اثرات ہیں۔

محدثین: محدثین کی خدمات کا ذکر ایک پوری کتاب کا مضمون ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے معاملات، حلال و حرام کی تمیز، فقہی معاملات غرضیکہ معاشرہ کے ہر پہلو پر انہی محدثین حضرات کی محنت کی وجہ سے جو کچھ لکھا گیا یہی ہمارے لئے نشان راہ ہے اور اب ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ ایک اور بڑی خدمت یہ ہے کہ لاکھوں احادیث مبارکہ میں کچھ شکیہ باتیں بھی داخل ہو گئی تھیں۔ تو محدثین نے ثقہ اور صحیح احادیث کو بھی مدون کیا۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کو اولین حیثیت دی جاتی ہے۔ اور مسلم کو دوسری۔ گو کچھ علماء کے لحاظ سے ترتیب اور حسن میں مسلم بہتر ہے۔ بعض لوگ ترمذی کے بڑے قدردان ہیں کہ امام ترمذیؒ، امام بخاریؒ کے شاگرد تھے اور انہوں نے شرح لکھ کر کچھ احادیث کے تضاد کو دور کیا ہے۔ ان تین متبرک کتابوں کے علاوہ نسائی، ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد کو ملا کر چھ احادیث مبارکہ کی کتابوں کو "صحاح ستہ" کہا جاتا ہے۔ لیکن اکثر علماء اور اس عاجز کے لحاظ سے "موطا امام مالکؒ" ان چھ کتابوں سے بہتر ہے۔ پس احادیث مبارکہ کی تعداد کم ہے اور اسی طرح کئی لوگ مسند احمد کو ترجیح دیتے ہیں کہ اتنا مواد کسی اور کتاب میں موجود نہیں۔ لیکن اس عاجز کے لحاظ سے زرقانی، بیہقی، حصن حصین، بجرانی، دعوات الکبیر، حاکم اور ابن ابی سنہ کے مصنفین کی خدمات بھی کسی سے کم نہیں کہ انہوں نے بڑی محنتیں کیں اور بڑے اعلیٰ پایہ کا مواد قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس کے علاوہ احادیث کی کتابوں پر متعدد بزرگوں نے شرحیں لکھ کر الفاظ کے تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور صرف مسلم کی تقریباً بیس کے قریب شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک کسی اکیلی حدیث مبارکہ یا کسی مضمون پر تبصرہ ہے ان سب کا ذکر تو ایک کتاب میں ختم نہیں ہوتا۔ راقم نے البتہ احادیث مبارکہ کی کتابوں کو اپنے مطالعہ کی بنیاد نہیں بنایا۔ اس عاجز کے مطالعہ کی بنیاد قرآن پاک پر ہے اور تسلسل کے لئے تاریخ کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ احادیث مبارکہ کی کتابوں کے حوالوں خاص کر بخاری شریف یا زرقانی کی احادیث مبارکہ کو اپنے بیانات کی مدد یا الفاظ کو بہتر طور پر پیش کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اول تو تمام احادیث مبارکہ کی کتابوں میں مواد ایک جیسا نہیں۔ پھر ایک ایک بات کو محدثین نے کئی راویوں کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس وجہ سے گو اصولی اختلافات بہت کم نظر آتے ہیں لیکن بعض دفعہ بیان شدہ پہلو کی روح تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں چند ایک احادیث کو چھوڑ کر، زیادہ تر احادیث مبارکہ واقعاتی نہیں۔ اور راقم کہانی کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے تاریخ کی کتابیں، میرے سامنے جو مقصد تھا اس کے لئے بہتر ثابت ہوئیں۔ محدثین میرے سر کے تاج ہیں لیکن مورخین کو بد قسمتی سے وہ مقام نہ دیا گیا جو ان کا حق تھا۔ انہوں نے چلتا پھرتا اور عملی اسلام لکھا ہے اور اسکی ضرورت بھی تھی۔ مولوی محدثین کو پسند کرتے ہیں کہ ایک آدھ بات یاد کر کے گزارہ کر لیتے ہیں۔

اسلئے راقم نے اول حیثیت مورخین کو دی ہے اور اپنے بیانات کے سلسلہ میں احادیث مبارکہ کو حوالہ کے طور پر پیش کیا احادیث مبارکہ کے سلسلہ میں مشکوۃ شریف جیسی ایک اور کوشش کی ضرورت ہے۔ کہ احادیث مبارکہ کی تمام کتابوں سے عطر نکال کر کسی ایک کتاب میں اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہر حدیث مبارکہ جس کو کئی راویوں نے بیان کیا ہے، یا کئی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے روح کو ہی مقصد سمجھا جائے۔ اسی طرح تمام واقعاتی احادیث مبارکہ کو ایک کرنے کی ضرورت ہے۔ کاش۔ ہمارے حکومت کے تحقیقی ادارے جن پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ وہ کوئی ایسا بنیادی کام کر دیتے۔

احادیث مبارکہ کا تاریخی پہلو: احادیث مبارکہ اور المغازی کا تاریخی پہلو ایک ہی ہے۔ گو آج محدثین نے سب کو احادیث مبارکہ کی تاریخ کا نام دے دیا ہے۔ لیکن اس عاجز نے ثابت کیا ہے کہ پہلے پہل جو کتابیں لکھی گئیں ان کا نام المغازی تھا

اور امام بخاری کے زمانے تک کسی صاحب نے اپنی کتاب کو حدیث مبارکہ کا نام نہ دیا۔ بہر حال اب جو نام احادیث کی تاریخ پڑ گیا تو یہ عاجز کیوں اختلاف کرے۔ روایت ہے کہ حضورؐ پاک کے زمانے میں بھی حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص، اور حضرت انسؓ بن مالک احادیث مبارکہ لکھتے تھے۔ کسی نے منع کیا کہ شاید حضور پاکؐ کیسے حالات میں کیا کچھ فرما جائیں تو بات حضور پاکؐ تک پہنچی اور آپؐ نے اپنے منہ مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ "بخدا یہاں سے صرف حق بات نکلتی ہے"۔ امام بخاریؒ نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت علیؓ بھی احادیث لکھ لیتے تھے۔ حضورؐ پاک نے ناقہ پر سوار ہو کر ایک شخص کے حرم میں قتل ہونے کے سلسلے میں جو خطبہ دیا، وہ یمن کے ایک شخص نے لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اسی طرح خطبہ حجتہ الوداع کو اسی زمانے میں کئی صحابہ کرامؓ نے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ علاوہ ازیں آپؐ نے تحریری احکام جو قبائل کو دیئے، یا کئی معاہدات اور سلاطین و امرا کے نام خطوط وغیرہ جو لکھے وہ بھی محفوظ رہے۔ آپؐ کے زمانے میں البتہ احادیث مبارکہ بہت کم لکھی گئیں اور لکھنے والوں کی زیادہ حوصلہ افزائی بھی نہ ہوئی کہ اس میں یہ راز تھا کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ کو ملا جلا نہ دیا جائے۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک احادیث مبارکہ کو لکھنے کی کوئی باقاعدہ تجویز نظر نہیں آتی۔ البتہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں احادیث مبارکہ پر کام بہت ہوا۔ کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیدا ہوتا تو اس سلسلے میں قرآن پاک کے احکام اور حضور پاکؐ کی ہدایات کو تلاش کیا جاتا۔ چونکہ اس زمانے میں حضور پاکؐ کے عظیم رفقا زندہ تھے تو تمام واقعات اور ہدایت کی چھان بین ہو گئی۔ یہ پہلو از خود ایک کتاب کا مضمون ہے۔ اور اس سلسلے میں مواد ہزاروں کتابوں میں بکھرا پڑا ہے۔ اگر کوئی صاحب ان باتوں کو اکٹھا کر کے اس پر تحقیق کرے، تو ہمارے تمام تفرقات ختم ہو سکتے ہیں۔ اس عاجز نے اس پہلو پر اپنی خلفاء راشدین کی چار کتابوں میں کچھ کام کیا ہے۔ اور کچھ تفرقوں کو ختم کیا۔ لیکن یہ کام کسی اکیلے آدمی کے بس کا نہیں۔ بہر حال خلفاء راشدین کے زمانے میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے درس شروع ہو گئے اور اسلام کے پہلے اسی سالوں میں اتنا کچھ لکھا گیا کہ جناب عمرؒ بن عبدالعزیز اموی خلیفہ جب مدینہ منورہ میں گورنر تھے اور مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں امام زہریؒ کو مکان تبدیل کرنے کو کہا گیا۔ تو گورنر نے امام زہریؒ کو گدھے اور گھوڑے دیئے جن کے ذریعے سے، احادیث مبارکہ کی کتابیں۔ حوالے اور صحابہ کرامؓ کی چھان بین کے اصولوں کی کتابوں کو ان سواریوں پر لاد کر، دوسری جگہ منتقل کی گیا۔ یہ عاجز احادیث مبارکہ کے ثقہ یا غیر ثقہ اصولوں کی چھان بین پر کوئی تبصرہ نہ کرے گا۔ ہمارے بزرگوں نے اس سلسلہ میں بہت کام کئے اور کچھ اختلافات، اور غیر متعلقہ بحث مباحثے بھی ہوئے۔ اس کتاب کے لئے راقم نے احادیث مبارکہ کے لئے صرف یہ چھان بین مدنظر رکھی کہ کوئی چیز قرآن پاک میں بیان شدہ اصولوں کی نفی نہ کرے۔ اور زیادہ استعمال ان احادیث مبارکہ کا کیا جو واقعاتی تھیں۔ یعنی ان کا تعلق کسی واقعہ سے تھا۔

غیر متعلقہ بحث و مباحثہ: بد قسمتی سے یا کسی سازش کی وجہ سے یا غیروں سے اثرات لیتے ہوئے کچھ لوگوں نے بنوامیہ اور بنو عباس کے زمانوں میں غیر متعلقہ اور فضول بحث شروع کر دی۔ اول تو لفظ مغازی پر ہی اعتراض ہو گیا کہ اب حالت جنگ نہیں تو سیرت اور احادیث کے الفاظ کا استعمال شروع ہو گیا۔ اس سے دین اسلام کے فلسفہ کو بے جان کرنے کی ایک غلطی ہو گئی کہ غیرت کے لئے ضروری ہے کہ جنگ کو بھیانک نہ قرار دیا جائے۔ انیسویں صدی کے شروع کا مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جو آدمی جنگ کو بھیانک کہتا ہے وہ اپنی قوم کو بے جان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکم دیا کہ "اے نبی مسلمانوں کو قتال کی رغبت دلا"۔ اور ایک جگہ فرمایا "وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں"۔ افسوس کہ ہمارے بزرگوں کو یاد نہ رہا کہ جو مرنا جانتے ہیں وہ نہیں مرتے" اور علامہ اقبالؒ بھی کہہ گئے:۔

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی ساں چڑھا کر تجھے تلوار کر دے

ان اختلافات کے علاوہ علماء نے یہ فضول بحث شروع کر دی کہ قرآن پاک مخلوق ہے یا غیر مخلوق ۔ آخر فیصلہ ہو گیا کہ اللہ کی کلام ہے اور بس ۔ تو آگے یہ بحث شروع ہو گئی کہ کیا یہ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں، یا اللہ تعالیٰ نے صرف مفہوم واضح کیا ۔ یہ بحث کئی سال چلی اور وہ لوگ کچھ جیت گئے جو کہتے تھے کہ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں تو پھر یہ بحث شروع ہو گئی کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زبان بھی ہے ۔ اگر زبان ہے تو شکل کیسی ہے ۔ تو کچھ لوگوں نے شکل کے بارے میں فیصلہ کر لیا تو آگے یہ بحث شروع ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے یا لامحدود، پھر ذات و صفات پر بحث اور قضا و قدر کے مسئلوں پر بحث ۔ یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دنیاوی پیمانوں سے ناپنا شروع کر دیا ۔ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں یہ دنیا ایک مچھر کے پر کے بھی برابر نہیں اور ہم خواہ مخواہ "افلاطون" بن رہے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف کہہ دیا کہ ہم لوگوں میں اتنا شعور نہیں کہ ہم روح کو سمجھ سکیں ۔ عاجزی کا مقام تھا ۔ لیکن ہم اپنی وقعت بھول گئے ۔ قرآن پاک کے نہ صرف الفاظ بلکہ ہر حرف اللہ تعالیٰ کا ہے ہماری کتاب قرآن پاک کے نئے نئے معجزات سے استفادہ کریں ۔

تفرقے و اختلافات: قارئین اگر آپ ان تفرقوں اور اختلافات کی مزید تاریخ میں جائیں گے تو آپ کو سب اختلافات بودے نظر آئیں گے ۔ مثال کے طور پر امام اعظمؒ نے کوئی فقہ نہ لکھا اور جو کچھ ان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے لکھا ۔ امام حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے ۔ اور امام ابو یوسفؒ کے بھی ۔ اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے شاگرد تھے ۔ صرف امام شافعیؒ نے کچھ فقہ لکھا ۔ اور سمجھ نہیں آتا کہ فقہی گروہ کیوں بن گئے ۔ امام جعفر صادقؒ نے کوئی فقہ نہ لکھا اور آپ کے پوتے امام رضاؒ کے زمانے تک امام جعفر صادقؒ کے نام پر کوئی فقہی گروہ منسوب نہ تھا ۔ امام اعظمؒ کے استادوں میں امام باقرؒ امام جعفر صادقؒ، امام شبعیؒ اور امام حمادؒ وغیرہ شامل ہیں ۔ اور امام اعظمؒ کی وفات کے سو سال بعد کوئی حنفی یا شافعی گروہ سننے میں نہ آتا تھا ۔ بلکہ ان دنوں امام ابو الحسن اشعریؒ جو پہلے معتزلہ تھے ۔ بعد میں تمام سواد اعظم کے نمائندہ کے طور پر معتزلہ، باطنیہ، جہمنیہ اور قدریہ کی فضول بحثوں کو رد کرتے رہے ۔ ہم صرف مسلمان ہیں ۔ مقلد اور غیر مقلد کے الفاظ بھی گروہ بندی پیدا کرتے ہیں ۔ اس حدیث مبارکہ کو بھی ثقہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ۔ اس عاجز نے دوسری تیسری صدی میں اسلام میں بہتر سے زیادہ فرقے گنے اور اس زمانے میں بھی کئی نئے فرقے سامنے آئے ۔ لیکن ایسے تمام فرقے آہستہ آہستہ اپنی موت آپ مرتے جاتے ہیں ۔ اور کئی گروہوں یا فرقوں کا نام بھی مٹ گیا ہے ۔ بہر حال ایسے لوگوں نے ہمارا بڑا نقصان کیا، کہ نماز اور اسلام کے باقی ارکان بھی زیر بحث آئے کہ نماز کیسے پڑھیں، ہاتھ باندھیں یا چھوڑیں یا کہاں باندھیں صرف امام کچھ پڑھے گا یا مقتدی بھی پڑھے گا وغیرہ ۔ اسی طرح زکاۃ کے سلسلہ میں اختلاف، روزہ رکھنے اور چھوڑنے کے اوقات کے سلسلہ میں اختلافات اور افسوس کہ امت کی وحدت کے سلسلہ میں کچھ زیادہ کام نہ ہو سکا کہ ایسا سوچنے والے بہت کم تھے، جو جاتے کہ ان احکام اور عبادات کے فلسفہ میں جاؤ کہ ان کے ذریعہ جہاد کی تیاری کی جاتی ہے اور پوری قوم کو اللہ کی فوج اور حزب رسولؐ بنایا جاتا ہے ۔ راقم نے اس سلسلہ میں کتاب میں کچھ پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے ۔ کہ نماز کا فلسفہ کیا ہے اور عبادات کا مقصد کیا ہے ۔ اور نماز کا فلسفہ پندرھویں باب میں بیان کیا ہے ۔

سقوط بغداد اور صلیبوں کی یلغار: علم مغازی سے دوری اور ان تفرقات نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ تیرھویں صدی عیسوی ہماری ذلت کی صدی ہے کہ اس صدی میں سقوط بغداد ہوا۔ اور صلیبیوں کی یلغار جاری رہی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تیرھویں صدی اور اس سے تھوڑا پہلے مسلمانوں کے درمیان اتنے زیادہ علماء و فقراء ہو گزرے بلکہ کئی فلاسفر بھی ہو گزرے کہ کسی اور صدی میں ایسا نہ ہوا۔ ان بزرگوں کا علم، جو خالی تبلیغ تھی وہ ہمیں ذلت سے نہ بچا سکا۔ ان علماء و فقراء میں امام غزالیؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ، امام ماتریدیہؒ، امام رازیؒ، پیر دستگیر عبدالقادر گیلانیؒ، ابن عربیؒ، معین الدین چشتیؒ، سہروردیؒ، سہروردی مقتولؒ، مولانا رومیؒ اور جناب فرید الدین عطارؒ وغیرہ شامل ہیں۔ بلکہ ابن سینا، فرابی اور ابن رشد جیسے فلاسفر بھی انہی زمانوں میں تھے۔ چونکہ کوئی ایسا اولی الامر سامنے نہ آیا جو قوم کو جہاد کے تحت منظم کرتا تو ہمیں ذلت دیکھنا پڑی۔ لیکن جہاں عماد الدین زنگیؒ، نور الدین زنگیؒ، صلاح الدین ایوبیؒ یا مملوک بادشاہوں میں بیبرس اور قالون جیسے اولی الامر سامنے آئے تو انہوں نے ہمیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلائی۔

انیسویں اور بیسویں صدی: اب پھر انیسویں یا بیسویں صدی عیسوی میں ہم جہاد سے گریز کی وجہ سے ذلت سے دوچار ہوئے۔ تو چند لوگوں نے اسلام کا نام قائم رکھا۔ ان میں امام شاملؒ، مہدی سوڈانیؒ، انور پاشاؒ یا فخری پاشاؒ جیسے سپاہیوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یا جمال الدین افغانیؒ جیسے لوگوں نے امت واحدہ کا فلسفہ اجاگر کر کے ہمارے بیچ جان پیدا کی۔ اور کامیابیاں اللہ تعالیٰ نے محمد علی جناحؒ جیسے لوگوں کو نصیب کیں کہ اس نے اعلان کیا تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کی صرف ایک پارٹی ہے جس کا نام مسلم لیگ ہے۔ افسوس کہ آج ہم بھی چار قومیتوں کا پرچار کر رہے ہیں۔ اور لاتعداد سیاسی اور فرقہ دارانہ یا طبقاتی گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ بلکہ آدھا ملک بھی گنوا چکے ہیں۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہمارے اس تحقیقی مطالعہ کی بنیاد اسی پہلو پر ہے، کہ اس کتاب میں ہم اسلامی فلسفہ حیات کے وحدت فکر و وحدت عمل کے نظریہ کی نشاندہی حضور پاکؐ کے احکام یا سنت سے کر رہے ہیں۔ اور اس پر تب عمل ہو سکتا ہے کہ ہم میں حضور پاکؐ کا عشق پیدا ہو اور ہم انؐ کی غلامی اختیار کریں:۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے علم کے ہاتھ خالی ہے نیام اے ساقی (اقبالؒ)

اس تحقیق کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم علماء پر کسی قسم کی تنقید کر رہے ہیں۔ یہ عاجز اسلام کے عظیم علماء کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ لیکن میرے علماء وہ ہیں جو حضور پاکؐ کے صحیح جانشین کے طور پر قوم میں وحدت کا پرچار کرتے ہیں۔ نہ کہ وہ جنہوں نے ایک حدیث گھڑلی کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ میری امت میں اختلاف باعث رحمت ہے۔ اس عاجز کو صحاح ستہ کی کسی حدیث مبارکہ کی کتاب میں ایسے الفاظ نظر نہیں آئے۔ اور اگر آتے تو یہ عاجز ان کو رد کر دیتا کہ قرآن پاک کی سورۃ ذاریت میں مختلف قول والے خراصوں کو قتل کا حکم دیا گیا ہے۔

وحدت فکر و وحدت عمل: چنانچہ ان تمام مطالعوں اور حضور پاکؐ کی سنت سے ہم جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کو آخری دو ابواب میں واضح کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پوری امت کو کس طرح اللہ کی فوج ... رسولؐ بنایا جائے اور

قوم میں وحدت فکر کیسے پیدا کی جائے۔ اس عاجز نے اس صدی میں حضور پاکؐ پر لکھی گئی اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ لوگوں نے بڑی محنتیں کی ہیں۔ لیکن اس عاجز کا خیال ہے کہ مطالعہ کو اور بامقصد بنایا جائے۔ مثال کے طور پر مولانا شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ نے بڑی محنت کر کے سیرت پر بہت کچھ لکھا اور مولانا شبلیؒ ایک جگہ یہ لکھ کر کہ حضور پاکؐ کی زندگی جنگوں کی کہانی ہے۔ آگے قوم کو امن کی میٹھی لوری دے دیتے ہیں۔ بلکہ جہاد کو بھی بظاہر ظالمانہ عمل کہہ جاتے ہیں۔ اور سید سلمان ندویؒ اپنی چھ کتابوں میں فلسفہ جہاد کو کل چار صفحے دیتے ہیں۔ اور جہاد کے پہلو کی باقی باتوں یعنی ایمان، صبر اور استقامت کے ابواب کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن یاد رہے یہ غلامی کا زمانہ تھا اور راقم از خود "کرایہ کا سپاہی" رہ چکا ہے۔ تو مولانا شبلیؒ نے مسلمانوں پر انگریز کی وفاداری فرض کر دی تھی اور ان پر کفر کے فتوے بھی لگے۔ اس لیئے ان بزرگوں کی کتابوں سے ایسے کمزور پہلوؤں کو دور کرنا چاہیئے کہ مولانا مودودی کی کتاب جہاد فی الاسلام دراصل اسلام کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے۔ اور سید مودودی نے اپنی تفہیم میں جو جہاد کچھ بے جان کیا ہے یا بے ادبیاں کی ہیں اس سلسلہ میں مصنف کی کتاب "البیان فی تفہیم القرآن" سے استفادہ کریں۔

سیرت کی کتابیں: افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سیرت کی کتابوں میں تحقیق کا عنصر نظر نہیں آتا۔ سوائے ایک راجہ محمد شریف صاحب کی کتاب کے جس نے مختلف کتابوں سے حضور پاکؐ کے زمانے کے سپہ سالاروں پر ایک کتاب لکھ کر قوم پر واضح کیا کہ حضور پاکؐ کتنے عظیم فوجی سپہ سالار تھے۔ لیکن اکثر سیرت کی کتابوں کے بیانات میں تضاد نظر آتے ہیں۔ ایک انعام یافتہ کتاب کا نام جمال مصطفےٰ ہے۔ لیکن جمال کے سلسلہ میں ایک لفظ نہیں لکھا ایک صاحب نے اپنی کتاب کا نام "حکمتیہ انقلاب" رکھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ اوندھے منہ گرنے یا پیچھے مڑنے میں کیا حکمت ہے اور ان کی کتاب انعام یافتہ کیسے بنی۔ ایک صاحب اسلام کو صراط مستقیم بھی کہہ گئے اور انقلاب بھی۔ اب دونوں باتیں کیسے ہو سکتی ہیں۔ یہ صاحب درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ سارا زور جمال پر لگاتے ہیں۔ جو سر آنکھوں پر۔ لیکن کتابیں تضاد بیانی سے بھری پڑی ہیں۔ ان کو بھی سیرت کی کتابوں پر بین الاقوامی انعامات ملے۔ اکثر مصنفوں اور وزارت مذہبی امور کو یہ عاجز ان تضادوں کے بارے آگاہ کر چکا ہے اب اگر ساری کتابوں پر اپنے تبصرے لکھوں تو مجھے ایک الگ کتاب لکھنا پڑے گی۔ کہ نہ کوئی تحقیق ہے اور تضادوں کا حساب نہیں۔ البتہ نقوش کے رسول نمبر پر تبصرہ ضروری ہے۔ اور اس سلسلے میں اپنی آراء سے طفیل مرحوم اور وزارت مذہبی امور کو آگاہ کر چکا ہوں۔

نقوش کا رسول نمبر: مختصر طور پر حضور پاکؐ پر آج تک کسی صاحب نے اتنا مواد اکٹھا نہیں کیا جتنا اللہ تعالیٰ نے طفیل مرحوم کو توفیق دی اور انہوں نے اکٹھا کیا۔ لیکن تحقیق کا پہلو صفر کے برابر ہے اور آئندہ تحقیق کرنے والے کے لیئے مواد کی کوئی کمی نہیں لیکن کوئی اشاریئے موجود نہیں کہ انسان کیا کچھ کہاں ڈھونڈے۔ تضاد بیانی اور تاریخی غلطیاں بے شمار ہیں اور راقم طفیل صاحب کو اس سے آگاہ کر چکا ہے کہ ایسی باتوں کو نشاندہی بھی کی۔ ایک پہلو کو کئی جلدوں میں دو دو یا تین تین دفعہ بیان کیا گیا اور ایک ہی جلد میں ایک مضمون صرف عنوان تبدیل کر کے دو دفعہ شائع کر دیا۔ طفیل صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ میری تمام باتیں اور تبصرے وہ علماء کے بورڈ کے سامنے پیش کر کے ضروری باتوں کو الگ شائع کریں گے۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ

ہوتا کہ وقت گزر گیا تھا۔ اگر ایک طرف ایک مضمون عاشق رسولؐ کا ہے یا معتدل خیالات کے ابو الحسن ندوی کا ہے تو کئی مضامین ایسے لوگوں کے ہیں جو حضور پاکؐ کے شان کو سمجھنے کی کوشش کرنے کو بھی تیار نہیں۔ ان حالات میں نقوش کا رسولؐ نمبر قوم میں کوئی وحدت فکر ہرگز پیدا نہیں کر سکتا۔ کہ قارئین کس کو صحیح سمجھیں۔ ویسے خدا مغفرت کرے طفیل مرحوم کی کہ مواد اتنا اکٹھا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ البتہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بغیر پڑھے کئی لوگ ایسی کتابوں پر تبصرے کر دیتے ہیں کہ بڑا کام کیا۔ اور مصنف خوش ہو جاتے ہیں۔ پی ایس او کے مصباح الدین شکیل کا سیرت پر کام اس زمانے میں بے شک ایک صحیح اور بامقصد کوشش ہے۔ کہ صحیح واقعات کو بڑی ترتیب سے اکٹھا کیا۔ گو جائزوں یا اسباق کے بیانات سے گریز کیا۔

اسلام کے عظیم فرزند: ہمارے ہاں اس زمانے میں ایک غلط فہمی بھی پھیل رہی ہے کہ عملی طور پر اسلام صرف خلفاء راشدین اور وہ بھی پہلے دو عظیم خلفاء کے وقت تک رائج رہا۔ راقم نے جو اختلافات اور تفرقے کی باتوں کا جائزہ پیش کیا ہے وہ اس غلط فہمی میں مزید اضافہ کر سکتا ہے۔ اور ایسے غلط لوگ یہ مطلب نکال سکتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اسلام پر عمل کرنا مشکل یا ناممکن ہے۔ ایسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ یہ عالم خلق ہے اور یہاں پر ہم امتحان کے لئے آئے ہیں اگر اسلام اسی طرح جاری و ساری رہتا جس طرح خلفاء راشدین کے زمانے میں تھا تو مسلمان دنیا کے کناروں سے نکل جاتے یعنی ساری دنیا کو باعمل مسلمان بنا دیتے۔ اور حالات عالم امر کی طرح ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ کو امتحان مقصود ہے تو وہ ایسے حالات رکھنا چاہتا ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل بھی نظر آتا رہتا ہے۔ تاکہ حق اور باطل میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر مقابلہ ہوتا رہے۔ اور کھرا، کھوٹا ظاہر ہوتا رہے۔ بے شک جناب صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کا زمانہ سنہری زمانہ ہے لیکن اسلام کے عظیم فرزند ہر زمانے میں موجود رہے اور انہوں نے اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے مشکل حالات میں راہ حق کی نشاندہی کی اور خود صراط مستقیم پر قائم رہے۔ دونوں عظیم خلفاء نے اسلام کے مرکز کو قائم رکھنے کے سلسلہ میں شہادت حاصل کی۔ اس کے بعد امام حسنؓ نے امت میں تفرقہ کو مٹانے کے لئے حکومت اور سلطنت کو ٹھکرا دیا۔ اور امام حسینؓ نے گئی گزری حالات میں عظیم قربانی دے کر راہ حق کی نشاندہی کی۔ اس عاجز نے اس سلسلہ میں خلفاء راشدین کی چار کتابوں میں اس زمانے کا بامقصد اور تحقیقی مطالعہ کر کے لوگوں کی انکل پچو کہانیوں کو رد کیا ہے اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام نے دنیا کے عظیم حکمران پیدا کئے جن میں امیر معاویہؓ، عبدالملک، ولید، منصور، مہدی، ہادی، ہارون، الپ ارسلان، سنجر، مالک شاہ، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان بیبرس، سلطان قالون، بایزید یلدرم، امیر تیمور، مراد، سلیم، سلیمان ذی شان، یوسف تاشفین، محمود غزنوی، التمش، بلبن، علاؤ الدین خلجی، محمد تغلق، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ ابدالی اور سلطان ٹیپو جیسے ناموں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ فاتحین میں جناب خالدؓ، جناب ابو عبیدہؓ، جناب سعدؓ بن ابی وقاص، جناب مثنیٰؓ بن حارث، جناب عمروؓ بن عاص، جناب عقبہؓ بن نافع، طارقؒ، موسیٰ بن نصیر، حجاج، محمد بن قاسم، اور اوپر بیان شدہ حکمرانوں جیسی ہستیاں شامل ہیں جن کے نام سن کر دنیا اب بھی تھرا جاتی ہے۔

پانچ ہزار صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین کا ذکر الگ ہو چکا ہے۔ چنانچہ علماء و فقراء میں امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ،

امام احمد حنبلؒ ، امام حسینؓ کی اولاد سے متعدد امام ، پیر دستگیر عبدالقادرؒ، حسن بصریؒ، معروف کرخیؒ، سری سقطیؒ، مولانا رومیؒ ، مولانا جامیؒ ، جنید بغدادیؒ ، بایزید بسطامیؒ ، منصورؒ ، ذوالنون مصریؒ ، ابوالحسن نوریؒ ابو الحسن اشعریؒ ، داتا گنج بخشؒ ، ابن عربیؒ ، امام غزالیؒ ، امام رازیؒ ، فرید الدین عطارؒ وغیرہ چند ایسے صاحبان ہیں جو پہلی چند صدیوں میں پیدا ہوئے اور راہ حق کی نشاندہی کرتے رہے۔

اب اس برصغیر میں آئیں تو معین الدین چشتیؒ، بختیار کاکیؒ، فرید الدین شکر گنجؒ، نظام الدین اولیاؒ، چراغ دہلویؒ، گیسو درازؒ، نور محمد مہارویؒ، سخی سرورؒ، شہباز قلندرؒ، بھٹ شاہؒ، سلطان مہدیؒ، سلطان باہوؒ، رحمن باباؒ، میاں میرؒ، بلھے شاہؒ، سلمان طونسویؒ، جلال الدین بخاریؒ، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، شاہ ولی اللہؒ، شیخ عبدالحق محدثؒ، شیخ احمد سرہندی، باقی باللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ شمس الدین سیالویؒ وغیرہ متعدد ایسے بزرگ نظر آتے ہیں جن کے صراط مستقیم پر قائم رہنے کا ڈنکا اب بھی بج رہا ہے۔

اس صدی میں بھی پیر مہر علی شاہؒ، امین الحسینیؒ، اور سید قطب شہیدؒ جیسی ہستیوں کے علاوہ علامہ اقبالؒ جیسے مفکر پیدا ہوئے۔ قائداعظمؒ کا ذکر ہو چکا ہے اور شاہ فیصل شہید نے امت واحدہ کی بنیاد باندھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس برصغیر میں دونوں عظیم جنگوں کے درمیان ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والوں میں مرید حسینؒ، علیم الدین، عبدالرشیدؒ، ملک میاں محمدؒ، دوست محمدؒ، عبدالقیومؒ، عبداللہؒ، محمد صدیقؒ، محمد منیرؒ، اور امیر احمدؒ کا ذکر ضروری ہے جو غازی بھی ہیں اور شہید بھی۔ اور یہ ان کی قربانی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان عطا کر دیا۔ ورنہ ہم نے قوم کے طور پر بڑی بے غیرتیوں کا مظاہرہ کیا۔ آزادی کے وقت ستر ہزار جواں عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے۔ اور عقل اب بھی نہیں آرہی۔ ملک دولخت ہو گیا۔ نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ اور رہبری کیلئے کئی "بونوں" یا بے دین لوگوں کے ہم پیروکار بنے بیٹھے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اس کا قافلہ رواں دواں ہے۔ حضور پاکؐ اس قافلہ کے امیر اعظم ہیں۔ ان کا جمال وجلال ظاہر ہے اور اس پر کوئی نقاب نہیں۔ اس چشمہ سے سیراب ہونے کے لئے "دل بینا" یا "چشم بینا" کی ضرورت ہے۔ کہ سب کچھ قرآن پاک اور آپؐ کی سنت میں موجود ہے۔ ہم نے غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا۔ ایمان کا ایک ایسا درجہ ہے کہ سارے علوم اہل ایمان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی زندگی کے اصولوں کو اپنا کر ہمیں اللہ کی فوج (حزب اللہ) بن جانا چاہیئے۔ اور اس طرح منظم ہوں کہ سیسہ پلائی دیوار (بنیان المرصوص) بن جائیں۔ ترجیح کے طور پر یہی پہلی ضرورت ہے اور یہی اس کتاب کے تحقیقی مطالعہ کا بڑا مقصد ہے:۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں   (اقبالؒ)

از حضور پاک کا سپاہی

پہلا باب

ابتدائیہ ۔ اسلامی فلسفہ حیات کا عملی نقطہ نظر

تمہید حسب وعدہ اس باب میں ہم اسلامی، فلسفہ حیات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں ۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا مطالعہ بامقصد ہے اور یہ عاجز خالی حضور پاکؐ کی سیرت کی کہانی نہیں پیش کر رہا ۔ بلکہ مقصد اپنے لئے نشان راہ تلاش کرنا ہے کہ قافلہ حق کو صراط مستقیم پر رواں دواں ہونے کے طریقے بھی کچھ معلوم ہو جائیں ۔ یعنی یہ عاجز ماضی کو زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق بیان کر رہا ہے تاکہ مستقبل کے لیے نشان راہ تلاش کریں ۔ اور اپنے اندر ایسا وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کریں کہ حزب اللہ اور حزب رسولؐ بن جائیں ۔ بہرحال اس زمانے میں شاید اس سلسلے میں یہ اس قسم کی پہلی کوشش ہو ۔ تو اس عاجز کے بیانات، جائزے اور تبصرے کچھ قارئین کو نرالے نظر آئیں گے ۔ راقم نے اوروں کی طرح تضاد بیانی ۔ سے بچنے کیلئے چونکہ تمام تر بیانات کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر دیا ہے اور آخری ابواب میں اس فلسفہ حیات کے تحت عملی زندگی گزارنے کی سفارشات ہیں ۔ اس لئے یہاں ابتدائیہ کے طور پر اسلامی فلسفہ حیات کے عملی نقطہ نظر کا بیان ضروری تھا ۔ اب اسلامی فلسفہ حیات کیا ہے ؟ یہ سب ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا ہے ۔ کسی بڑے سے بڑے دانشور کو بلا کر پوچھ لیں ۔ اول وہ اس فلسفہ کو صحیح بیان ہی نہ کر سکے گا ۔ یا بات کو کچھ ایسا گڈمڈ کر دے گا کہ بیچ میں باطل اور غیروں کے فلسفے آجائیں گے ۔ انسان کیا ہے ؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے ؟ یا اس دنیا کی کیا حقیقت ہے ؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ آج اہل مغرب یا سوشلسٹ دانشور بھی اس سلسلہ میں حیران و پریشان اور سرگرداں پھر رہے ہیں ۔ ان کی سوچیں تضاد سے بھری پڑی ہیں اور ان کو زندگی بے مقصد نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض نے اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے ۔ اسلام نے مومنوں کے لئے ان کے مقاصد زندگی اس دنیا کی حقیقت اور ازل و آخر کی تمام تر باتوں کو کھل کر بیان کیا ہے ۔ قرآن پاک، احادیث، تفاسیر، صحابہ کرامؓ کے اعمال اور بزرگوں کے اقوال میں سب کچھ موجود ہے ۔ اور آج سے پچاس سال پہلے نماز کے سبق کے ساتھ ہمیں ایمان کی شرائط صفات، رکن اور حقائق پڑھائے جاتے تھے جس میں اس دنیا کی حقیقت اور ہمارے مقاصد زندگی کا ذکر ہوتا تھا ۔ کہ ہمارا ان سب باتوں پر ایمان ہو تو تب ہم مسلمان کہلا سکتے ہیں ۔ اور یہ باتیں زبانی یاد کرانے کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت دی جاتی تھی ۔ مختلف چھوٹی چھوٹی کتابوں یعنی تحتہ الاسلام، بہشتی زیور اور پکی روٹی میں یہ ذکر موجود تھے لیکن وقت آیا کہ ہم نے ان کتابوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور یہ کتابیں ناپید ہو گئیں ۔ ہم نے کچھ انگریزی اور کچھ اسلامی علموں کو آپس میں ملا جلا کر اپنے فلسفہ حیات کو بھی آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کر دیا ۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے ۔ اس لئے ہماری اس کتاب میں اپنے فلسفہ حیات کے مختلف پہلوؤں کے غیروں کے ساتھ موازنے بھی کئے جائیں گے تاکہ ہم فرق سمجھ سکیں ۔ اس لئے سب سے پہلے غیروں کے فلسفہ حیات کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے ۔

غیروں کے فلسفہ حیات غیروں کے فلسفہ حیات میں یونانی فلسفہ اور ہندوانہ فلسفہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کے لئے یہ دھرتی پوتر اور پاک ہے اوران کی ماں ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ موجودہ جغرافیائی نیشنلزم کے باپ یہی لوگ ہیں جہاں وطن کی پوجا کی جاتی ہے۔ یونانی فلسفہ تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے اور عیسائیت یا مذہب ہر آدمی کا نجی معاملہ بن چکا ہے۔ یونانی فلسفہ کے لحاظ سے انیسویں صدی تک یہ خیال عام تھا کہ ایٹم یا ذرہ ٹوٹ نہیں سکتا اور یہ دنیا ایک پکی اور دائمی چیز ہے۔ مرنے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے آدمی "ساکن" ہو جاتا ہے اور پھر جب آدمی دوبارہ زندہ ہوگا تو یہی دنیا ہوگی اور اس پر جنت اور دوزخ بھی ہوں گے۔ ہندوؤں نے آواگون کے چکر میں پڑ کر مرنے کے بعد آدمی کو دوسری مخلوق یعنی حیوانات میں تبدیل کر دیا اور جب گناہوں سے چھٹکارا ملے گا تو آدمی نرک میں جائے گا جو اسی دنیا پر ہوگی اور یہ بھی ایک قسم کا جنت اور دوزخ کا تصور ہے کہ ان فلسفوں کے تحت اپنے اپنے ملکوں کی پوجا ہو رہی ہے کہ میری ماں دھرتی یا مادر وطن جیسے الفاظ لوگوں کے عقیدہ کا حصہ بن چکے ہیں اشتراکیت نے تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے تصور کو ہی ختم کر دیا اور انسان و حیوان میں فرق ختم کر دیا۔ جزا و سزا والا پہلو بھی ختم ہے۔ اور یہی دنیا سب کچھ ہے۔ بہر حال غیروں کے اس فلسفہ کے لحاظ سے یہ دنیا وجہاں ایک حادثہ کے طور پر وجود میں آئے پہلے دھواں تھا یا کاربن پھر اس کاربن سے پانی اور ٹھوس چیزوں نے الگ الگ ہونا شروع کر دیا اور چاروں چیزوں کی ملاوٹ یعنی ہوا، پانی، آگ اور مٹی وغیرہ سے مخلوق یا حیوان پیدا ہونا شروع ہوئے اور چار عنصر دنیا پر چھا گئے۔ آدمی بھی حیوان یا بندر تھا اور اس کی موجودہ صورت اسکی ایک "ترقی پذیر" حالت ہے۔ یعنی انسان بھی دابتہ الارض یا زمین کا کیڑا ہے اور وہ بھی حیوانات میں شامل ہے اور بوزنہ کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کا نظریہ حیات اسلام کے لحاظ سے یہ دنیا اس کائنات میں ایک ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے اور وقت آنے پر اون دھنی ہوئی کی طرح اڑ جائے گی۔ یہ سب کچھ انسان کے کاروان حیات کی گزرگاہیں ہیں اور انسان کو اس کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام، انسان کو حیوانات کے زمرہ میں رکھنے کے حق میں نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ یعنی وہ جن اور ملائکہ سے بھی افضل ہے۔ تو اس انسان کو اس دنیا تک محدود کرنا غیر اسلامی نظریہ ہے ہاں البتہ اسلام ایک دین ہے اور اجتماعی نظریہ ہے کہ کاروان حیات منزل بہ منزل رواں دواں رہے۔ ہم آگے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ ایک حدیث قدسی میں تخلیق کائنات کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔" گویا کائنات کا مقصود انسان ہے اور انسان کا مقصود معرفت الہیٰ ہے۔ یا یہ کہیں کہ حسن ازل نے اپنے جمال کو بے نقاب کرنا چاہا تو اس نے اس امر کو پسند کیا کہ اسے دیکھا جائے اور پہچانا جائے تو اس نے کاروان حیات جاری فرما دیا۔ اپنا عارف تیار کیا کہ اسے اپنے تک پہنچنے کے لئے دور دراز کے راستے پر ڈال دیا۔ یہی صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے جس کی پیش لفظ میں نشاندہی کر دی گئی تھی۔ گو راستے کے ارد گرد کچھ غلیظ اور دل لبھانے والی چیزیں بھی ڈال دیں تا کہ امتحان ذرا صحیح قسم کا ہو۔ بہر حال انسان اور خاص کر مومن اس منزل یا صراط مستقیم پر رواں دواں ہے۔

کاروانِ حق منزل عشق کے یہ مسافر ازل سے چل کر ابد کی طرف رواں دواں ہیں۔ان کے پیچھے یا آگے کوئی زمانی و مکانی حد نہیں ہے۔وہ خدائے ذی المعارج، یعنی سیڑھیوں یا منزلوں والے اللہ کی طرف زینہ بہ زینہ بڑھ رہے ہیں۔ان کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا "چہرہ مبارک" ہے۔کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے (کل شئی ھالک الا وجہہ) اس کاروان محبت کو زمین کی تاریکیوں سے نکال کر سطح زمین پر لایا جاتا ہے جہاں اسے عالم بالا کی گزرگاہوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔عام طور پر ہم جیسے گنہ گاروں کے لئے یہ گزرگاہیں موت کے بعد کھولی جاتی ہیں۔لیکن کچھ اللہ تعالیٰ کے پیارے اس زندگی میں بھی عالم امر کی گزرگاہوں سے کسی قدر واقف ہو جاتے ہیں۔علامہ اقبالؒ نے ان راستوں کا نقشہ اپنی ایک نظم میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے جس کے دو شعر یہاں وضاحت کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

منزلیں یہ مسافر جو فرش سے عرش کی طرف رواں دواں ہیں، وہ سات آسمانوں سے گزر کر ہی میدان قیامت میں قدم رکھیں گے اور یہ مقامات یا آسمان وغیرہ ویسے نہیں پیدا کئے گئے۔ان کے پیدا کرنے میں یہی مقاصد ہیں ربنا ما خلقت ھذا باطلا یعنی یہ سب کچھ ایسے ہی باطل یا بے مقصد طور پر تو پیدا نہیں کر دیا گیا اور قرآن پاک میں اس کی مزید وضاحت بھی ہے۔"کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان و زمین اور ان کے مثل بنائے اور ان میں امر جاری فرما دیا۔" یہ زمین جس پر اب ہم بستے ہیں اور اس پر یہ ستاروں والا آسمان جس کے حدود و حساب موجودہ سائنس کی بصیرت سے فی الحال باہر ہیں۔یہ تو انسانی سفر کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں حالانکہ یہ آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے اس کا نزدیک ترین ستارہ بھی، زمین سے کئی نوری سالوں (Light Years) کی مسافت پر مانا جاتا ہے۔ہم خلفاء راشدین کی تیسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان فاصلوں کی مسافت کا بیان "زمان" کے الفاظ میں فرمایا اور نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ روشنی ایک سال میں اتنا فاصلہ طے کرتی ہے۔یعنی طول کو "زماں" کے حساب سے نوری سالوں میں بیان کیا جاتا ہے۔بہر حال انسان جتنی بڑی دوربین تیار کرتا ہے، اسے مزید ستارے دکھائی دینے لگتے ہیں اور اس "دنیاوی" آسمان کی دوری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔حالانکہ یہ تمام ستارے پہلے آسمان پر ہیں کہ ارشاد ربانی ہے "کہ دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا گیا ہے" اس کے بعد دوسرے آسمان کے محیط میں یہ چھوٹی سی زمین ترتی پھر رہی ہے۔

شاید کہ زمین ہے یہ کسی اور جہاں کی — تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا (اقبالؒ)

سفر جاری ہے خدا جانے ان سات آسمانوں کی وسعتوں میں کاروان حیات کے کتنے قافلے سرگرداں پھر رہے ہیں اور یوم الحساب کے منتظر ہیں۔یہ صرف اس زمین کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا سارا شمسی نظام اس پہلے آسمان کا ایک معمولی جزو یا حصہ ہے کیونکہ شمسی نظام کے ستاروں کی مسافت کے بارے میں جو کئی نوری سال ہے ہم بے خبر ہیں اس لئے چاند تک پہنچ جانے والے ہم نالائقوں کے سامنے بے شک ڈینگیں مار سکتے ہیں لیکن وہ بھی تو ابھی اللہ تعالیٰ کے نظام کے بال برابر حصہ تک نہیں پہنچے۔

تو معنئ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج (اقبالؒ)

یہ سارا بازار اور اس کے ساز و سامان، ان مسافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں جو ان میں سے گزر رہے ہیں اور رخ دوست (چہرہ مبارک) کی طرف بڑھ رہے ہیں۔اس لئے ان بازاروں کی رعنائیاں اور دلچسپیاں مومن کو زیادہ متوجہ نہیں کر سکتیں کیونکہ ان کا مقصود بازار سے بہت آگے ہے اور مقصود وہ ہستی ہے جسے لامکاں میں رونق افروز بتایا جاتا ہے۔اس نے قرآن پاک میں ہمارے لئے واضح کر دیا ہے "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تمام تمہارے تابع فرمان کیا گیا ہے۔" تو ظاہر ہوا کہ اس محفل میں انسان کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہ سارا بازار صرف اسی کے لئے سجایا گیا ہے۔

نہ تو زمین کے لئے نہ آسمان تیرے لئے جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے (اقبالؒ)

دنیا کی حقیقت یہ عالم کون و مکان بے شک عارضی چیز ہے اور جب یہ قافلہ حیات اس میں سے گزر جائے گا تو اسے لپیٹ لیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے نہیں پیدا کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر وقت کے لئے" پھر آگے اللہ تعالیٰ مزید وضاحت کرتا ہے "جب صور پھونکا جائے گا تو ایک ہی پھونک کے ساتھ زمین اور اس کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔" اس طرح کی آیات ربانی کا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا گیا ہے تاکہ ہم پر واضح ہو جائے کہ یہ آسمان اور زمین فانی چیزیں ہیں جو انسان کے استعمال کے لئے بچھائی گئی ہیں۔یہ مقامات کسی مستقبل رہائش کی جگہ نہیں ہیں کہ ایک مقررہ وقت پر ان کی لپیٹ لیا جائے گا لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ایک مستقل چیز ہے اور وہ کائنات کا مرکز ہے۔

کارواں کے پڑاؤ اللہ تعالیٰ نے انسانی قافلہ کی گزرگاہوں کو تیار کرنے کے بعد اس پر کچھ پڑاؤ بھی مقرر فرمائے اور قرآن پاک میں ہے "کہ وہی ہے جس نے موت و حیات کو پیدا فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔" اس آیات ربانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں میں ہمارے لئے امتحان ہیں کہ ہمیں عملی پرچے حل کرنے پڑتے ہیں اور مرنے کے بعد کچھ سیدھے سوال پوچھے جائیں گے۔تو موت بھی ایک امتحان گاہ ہے یا ہمارے لئے پڑاؤ ہے۔قرآن پاک میں ہے "تم کیوں کر اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پس تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موت ہمارے لئے واقع ہو چکی ہے یعنی اس گزرگاہ پر زندگی اور موت کے پڑاؤ دو مرتبہ آتے ہیں۔روز ازل یا عالم ارواح سے نکل کر انسان نے سب سے پہلے موت کے میدان میں قدم رکھا اور اب اس میدان سے نکل کر انسان باری باری حیات دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں۔یہاں سے چلتے چلتے دوسرے عالم میں داخل ہوں گے اور سوالوں کا پرچہ حل کرنے کے بعد پھر حیات دوامی میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کی طرف لوٹیں گے۔

روز ازل یا عالم ارواح اس حالت کی مزید وضاحت یہ ہے کہ روز ازل جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو اپنے روبرو کھڑا کیا تو پوچھا "الست بربکم؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں؟) تو ہم نے جواب میں کہا (قالو ابلیٰ) ہاں کیوں نہیں۔یا ہاں سچ تا نچہ ان سوالات اور جوابات کے ساتھ ہم عالم موت کے امتحان گاہ میں داخل ہوئے جس میں الست بربکم کی صدائیں سنتے رہے اور اللہ تعالیٰ

کی ربوبیت کا اقرار کرتے رہے ۔ انسانی سفر کی یہ ابتدائی منزلیں ہمارے موجودہ شعور کی نگاہوں سے اوجھل ہیں لیکن ثبوت کے طور پر ہمارے لئے قرآن پاک کے الفاظ الست بربکم کافی ہیں ۔ ہاں البتہ موجودہ زمانے میں علم نفسیات کے حوالے سے اس سلسلہ میں کچھ عملی دلائل بھی دیئے جا سکتے ہیں ۔ علم نفسیات کے ماہر اب وہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ انسان کے لاشعور میں اس کے اجداد کے تمام تجربات محفوظ رہتے ہیں ۔ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی عالم شہود میں ظاہر ہونے سے پہلے مادہ کی تاریکیوں میں اس دنیا میں موجود رہتا ہے اور جب اس دنیا میں وہ موجودہ صورت اختیار کرتا ہے تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے تاکہ اس کا تعلق عالم امر کے ساتھ قائم کیا جائے یا پیدا ہو جائے چنانچہ عالم خلق میں ظاہر ہونے کے بعد یہ مسافر اپنی گزرگاہ یا صراط پر چل پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ رہبروں کے ذریعے اس کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایات بھیج دیتا ہے ۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں فرمایا "جو میری ہدایات پر عمل کریں گے انہیں کوئی خوف نہ ہو گا ۔" ساتھ ہی عالم امر کی باتوں کو جذب کرنے یا وہاں پر داخل ہونے کے لئے وہاں سے بھی کچھ مل گیا یا عطا ہوا ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ بس میں نے پھونک دیا اس میں روح اپنی سے" اور پھر روح کے بارے میں فرمایا "کہ روح امر ربی سے ہے" ان دونوں آیات سے استفادہ کرنے کے بعد انسان کو عالم خلق اور عالم امر کے بارے میں کچھ کچھ سمجھ آجانی چاہیے ۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس جہاں میں ہمیں عالم امر میں داخلہ کے لئے تیار کر رہا ہے ۔

عالم خلق اور عالم امر اب ذرا سوچیں کہ جب سے ہم اس عالم خلق میں داخل ہوئے ہیں ، امتحان شروع ہے ہم سے دو سوال اکثر پوچھے جاتے ہیں "من ربک" اور "ما دینک" تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین کون سا ہے ؟ یہ عملی سوالات ہیں اور اس زندگی میں اپنے عملوں سے ہم ان کا جواب دے رہے ہیں ۔ کچھ لوگ اللہ کو مانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ اس دنیا اور مادی چیزوں کو اپنا رب سمجھ بیٹھے ہیں ۔ یعنی کچھ لوگوں کا دین بھی یہی دنیا ہے اور وہ اسی دنیا کو جنت ارضی بنانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر ساری دنیا اسی چکر میں پڑی ہوئی ہے اور ہم پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں ۔ حق تو یہ ہے کہ ہر روز اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں "کہ اے رب تیری بڑی مہربانی ہے کہ تو نے ہمیں اپنے حبیب حضور پاکؐ محمد مصطفیٰؐ کے دین پر پیدا کیا اور اسؐ نے ہمارے لئے تیرے راستے کی نشاندہی کی ۔ پس ہم صرف تیری غلامی کریں گے اور لگا ہم کو سیدھے راستے پر ۔ (اھدنا الصراط المستقیم) آمین ۔ ثم ۔ آمین

حضور پاکؐ کی ذات بہرحال عالم خلق کے یہ دو سوال ، عالم امر میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے لیکن تیسرا سوال بھی ہے جس کو اگر سوال عشق کا نام دیں تو زیادہ بہتر ہو گا ۔ اس سوال کا تعلق ہر روح سے ہے اور یہ سوال مرنے کے فوراً بعد پوچھا جائے گا اس سوال کا تعلق زینت کون و مکان ، فخر انسانیت ، مولائے کل حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے ساتھ ہے ۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور پاکؐ سامنے نظر آئیں گے اور سوال ہو گا "ماتقول فی ھذا الرجل" یعنی اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو ؟" انسانی شخصیت کی تکمیل اس آخری سوال کے صحیح جواب میں مضمر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے ہر باب میں نتائج کے ذکر میں ہم نے حضور پاکؐ کی غلامی کا اکثر ذکر کیا کہ سب کچھ اس سے حاصل ہو سکتا ہے اور

مسلمانوں کے اکثر مکاتب فکر اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ خاک جس نے حضور پاکؐ سے مس کیا عرش بریں سے افضل ہے۔اس سلسلہ میں عزت بخاری فرماتے ہیں۔

ادب گاہست زیر آسمان از عرش نازک تر　　نفس گم کردہ می آید جنیدؒ با یزیدؒ ایں جا

حضور پاکؐ حاضر و ناظر ہیں مہاجر مکیؒ نے پیر مہر علی شاہؒ کو کہا کہ وہ حدیث پاک سے حضور پاکؐ کے حاضر و ناظر ہونے کو ثابت کریں تو پیر مہر علی شاہؒ نے اسی بیان شدہ حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا کہ حضور پاکؐ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں کہ ہر مرنے والے کو نظر آرہے ہیں تو مہاجر مکیؒ عش عش کر اٹھے کہ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ سینکڑوں مرتبہ پڑھی لیکن ان معنی تک نہ پہنچ سکے اور آپ نے پیر مہر علیؒ کو مبارک دی تو پیر صاحب نے فرمایا کہ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں ایسی ہی تفسیر کر گئے ہیں۔بہرحال یہ عشق اور محبت کی باتیں ہیں اور جناب ابن عربیؒ اور پیر مہر علی شاہؒ جیسے خوش قسمت لوگوں کو جلد سمجھ آجاتی ہیں۔علم والوں کو دیر سے سمجھ آتی ہے۔البتہ مہاجر مکیؒ کی قسمت کھل گئی اور قارئین کو بھی یہ عطا مبارک ہو۔اب سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر مخلوق ہر وقت ہر جگہ موجود ہو سکتی ہے۔ (کتاب قیامت اور حیات بعد الموت سے استفادہ کریں۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے　　علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی　(اقبالؒ)

جناب ابوذر غفاریؓ کا تجسس لہٰذا یہ تیسرا سوال منزل کے ایک ایسے پڑاؤ پر پوچھا جائے گا جو نازک ترین ہے۔اور دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہوش و حواس قائم رکھے کہ ہم اپنے آقاؐ کو پہچان سکیں۔کیونکہ اس پڑاؤ پر صحیح حالت میں پہنچنے کے لئے ایک زمانہ درکار ہے۔جو لوگ کارواں محبت میں شامل ہونے کی صحیح تیاری اس عالم خلق میں حضور پاکؐ کی غلامی اپنانے سے کر لیں گے ان کے لئے اس پڑاؤ پر اور قیامت کے روز آسانی ہوگی کیونکہ جب پورا انسانی قافلہ میدان حشر میں اترے گا تو ہر شخص اپنے امام کے ساتھ کھڑا ہوگا۔دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔اور آسانی ان کے لئے ہوگی جو زندگی میں ایسا سوچیں۔

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسولؐ میں　　اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں حضور رسالتؐ پناہ میں　　لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

(علامہ اقبالؒ کی زبان میں جنگ یرموک کے ایک شہید کے آخری لمحے)

لیکن یہاں پر عظیم صحابیؓ اور عاشق رسولؐ جناب ابوذر غفاریؓ کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ایک دن جناب ابوذرؓ نے حضور پاکؐ کے سامنے عرض کیا۔"یارسول اللہؐ ہم لوگ آپؐ کے بتائے ہوئے احکامات پر تو پورے نہیں اترتے لیکن آپؐ سے محبت ضرور کرتے ہیں کہ آپؐ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں اب اللہ تعالیٰ جانے ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ہمیں روز قیامت کہاں رکھا جائے گا۔" حضور پاکؐ نے فرمایا "اے ابوذر! قیامت کے روز تمہارا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تم محبت کرتے ہو۔" (اور اس بات کو تین دفعہ مکرر ارشاد فرمایا) یہ سنتے ہی سیدنا ابوذر غفاریؓ اٹھے اور حضور پاکؐ کے ساتھ لپٹ گئے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے۔"حضورؐ میں آپؐ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، میں آپؐ کے ساتھ محبت

کرتا ہوں، میں آپؐ کے ساتھ محبت کرتا ہوں"۔ اور معلوم نہیں کتنی بار یہ کلام دہرائی۔

قارئین! حضور پاکؐ کے جمال کا چشمہ اب بھی جاری و ساری ہے اگر ہم عاجز تصور میں حضور پاکؐ کے قدموں سے لپٹ جائیں تو ہمارے اندر سے اتھاہ محبت کا دریا امڈ آئے جو اس دنیا میں بھی ہمارے لئے پاکیزگی کا باعث ہوگا اور آخرت کی تیاری بھی ہو جائے گی علامہ مرحوم اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ۔ روز محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

یعنی تو دونوں جہانوں کا خداوند ہے میرے گناہوں کا حساب لینے سے مجھے ہی شرمندگی ہوگی لیکن اگر یہ ناگزیر ہے تو میرے آقا محمد مصطفیٰؐ سے چھپا کر حساب لیجئے گا۔ علامہ مرحوم کی یہ ایک ادا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر حساب کے بخش دے ورنہ وہ کونسی جگہ ہوگی جو حضور پاکؐ کی نگاہ سے چھپی ہوگی۔

روز قیامت یا میدان حشر ارشاد باری تعالیٰ ہے "جب آسمان پھٹ جائے اور جب تارے جھڑ جائیں اور جب قبروں کو کھولا جائے" ظاہر ہے کہ یہ قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسانی قافلہ ارض و سموات سے فارغ ہو کر آگے میدان حشر میں داخل ہوگا۔ اب ذرا اس پہلو پر دھیان دیں کہ قبروں کے کھولے جانے اور آسمان کے پھٹنے کو اکٹھا ایک نسبت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی جہاں قبر کے کھولنے کا ذکر ہے تو اس سے آگے عالم غیب یا عالم امر شروع ہوتا ہے اور ان مقامات سے نکل کر انسان روز حساب کی طرف بڑھے گا۔ عالم خلق میں انسان کی ایک قبر ہے لیکن سب انسانوں کی قبریں نہیں ہوتیں کسی کو جلا دیا جاتا ہے اور کسی کو سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے وغیرہ پھر یہ کونسی قبر ہوگی جس کو کھولا جائے گا؟ ہمارے ہاں کچھ لوگوں نے عالم خلق کی قبر کا ذکر کیا ہے کہ ادھر ہی بارش ہوگی اور انہی قبروں میں انسان کی ہڈیوں پر مٹی چڑھے گی یا انسان کے جسمانی اجزاء کو ادھر ادھر سے اکٹھا کیا جائے گا۔ ہم اس بحث کو تفصیل میں نہیں جانا چاہتے لیکن ہم نے کچھ بزرگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس کے لحاظ سے قبر ایک استعارہ ہے اور عالم برزخ کا دنیاوی نام ہے۔ ہم مسلمان ادب کے ساتھ اپنے مرنے والوں کے جسد خاکی کو ایک مقام میں دفن کر دیتے ہیں۔ قبر کا تقدس اس وجہ سے ہے کہ انسان کا جسد اس زمین کو شرف بخشتا ہے اور بزرگوں کے ایسے نشان اور قبریں مقدس ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضور پاکؐ جب اپنے بیٹے ابراہیمؓ کو دفن فرما رہے تھے تو اوپر سے قبر کی مٹی ٹھیک کرائی اور فرمایا "یہ ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے ورنہ مرنے والے کو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اس ایک فقرہ سے قبروں کے بارے میں تمام اختلافات حل ہو جاتے ہیں کہ پس وہ ہمارے آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہیں لیکن اس کی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی ہم آگے چل کر جسم اور روحانی جسم کے موضوع کے تحت اس پہلو کو اور واضح کریں گے لیکن یہاں پر یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہماری قبروں پر حاضری سے عالم برزخ کی یاد آجاتی ہے۔ بزرگوں کے نیک اعمال یاد آتے ہیں اور اس دنیا کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ فانی جہاں ہے اس سے نیک عمل کرنے کی ترغیب ملتی ہے اور قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ فاتحہ بھی جنازہ کی طرح بخشش

کے لئے ایک دعا ہے اور اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے ۔ اسلام میں قبر پرستی یا بتوں کی طرح ڈالیاں چڑھانے کی کوئی سند نہیں ۔ پس ادب کی جگہ ہے اور قبر پر حاضری کا فرمان خود حضور پاکؐ دے گئے لیکن قبر کی پوجا کی اجازت نہیں ۔ امت میں اس سلسلہ میں اختلافات اس گنہ گار کی سمجھ سے باہر ہیں ۔ حضور پاکؐ نے دوٹوک الفاظ میں اگر ایک طرف قبر کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک سے موسوم کیا ہے ۔ تو دوسری طرف قبر کی پوجا سے سختی سے منع فرمایا ہے ۔

مادی دنیا یا عالم خلق کی حیثیت چنانچہ ہماری یہ مادی دنیا یا عالم خلق، عالم امر کے مقابلے میں اس قدر تنگ و تاریک ہے جتنا بچے کے لئے ماں کا رحم ۔ یعنی عالم امر کو عالم خلق سے وہی نسبت ہے جو عالم خلق کو کسی بچے کے ماں کے رحم میں ہونے سے ہے ۔ ماں کے رحم میں جب بچہ تیرتا ہے تو اس کو وہ جگہ بڑی وسیع نظر آتی ہے جیسے یہ دنیا ہمیں وسیع نظر آتی ہے ۔ بہر حال ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ عالم شہادت یا مادی دنیا، عالم غیب یا عالم امر کے مقابلہ میں ایک رائی کے دانے کے برابر ہے ۔ شیخ اکبر، جناب محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارا مادی جہاں، عالم غیب کے سمندر میں گویا ایک قطرے کے برابر ہے ۔ مثنوی رومی میں ایک روایت ہے کہ حضور پاکؐ ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے اور دفنانے کے بعد جب گھر تشریف لائے تو ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ آپؐ کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھیں تو حضور پاکؐ کی دستار مبارک پر کچھ بوندیں دیکھ کر حیران ہوئیں کہ باہر موسم صاف تھا ۔ حضور پاکؐ نے جناب عائشہؓ کی حیرانگی دیکھی تو بات کو بھانپ گئے کہ جناب عائشہؓ نے اپنا سر حضور پاکؐ کی ایک چادر سے ڈھانپ رکھا تھا کہ ان کو عالم غیب یا برزخ کی بوندیں بھی نظر آگئیں ۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے فرمایا "اے عائشہؓ عالم غیب میں بھی زمین و آسمان، چاند اور ستارے ہیں اور وہاں بارشیں بھی ہوتی ہیں البتہ انہیں بجز اولیائے کاملین کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا ۔" اس حدیث مبارکہ میں اتنی باتیں پنہاں ہیں کہ اس پہلو پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں لیکن ہم صرف دو باتوں پر اکتفا کریں گے کہ وہ مومن کتنا خوش قسمت تھا جس کو ہمارے آقاؐ نے اپنے ہاتھوں سے دنیاوی قبر میں دفن کیا لیکن پھر اس کے ساتھ عالم برزخ تک بھی گئے جس کی بارش کی بوندیں جناب عائشہؓ کو بھی نظر آگئیں ۔ دوم ایسے واقعات سے حضور پاکؐ اپنی امت کے لئے کئی عقدے کھول رہے تھے اور ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان کی اگلی منزل ایک بہتر جہاں کی صورت میں ہو گی ۔

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

مختلف پڑاؤں کی وضاحت اول موت پھر زندگی، پھر موت اور اس کے بعد حیات جاودانی ۔ یہ انسانی سفر کے چار بڑے پڑاؤ تصور کئے جاسکتے ہیں، جن کی گزرگاہ کائنات میں کچھ اسطرح سے تعین ہے ۔ اول موت کا تعلق خالصتاً زمین کی تاریکیوں کے ساتھ ہے ۔ جس میں نظام ربوبیت یا عالم خلق، نفس انسانی کو اس کے اجداد کی پشتوں میں پرورش کرتا رہتا ہے ۔ بہر حال مادہ کی تاریکیوں یا خالص عالم خلق سے نکل کر جب انسان اس حیات دنیا میں قدم رکھتا ہے تو یہاں عالم خلق اور عالم امر کے اختلاط کی وجہ سے اس کے مادی جسم کے ساتھ اس میں روح بھی پھونک دی جاتی ہے ۔ دوسرا عالم موت جس میں مرنے کے بعد انسان گامزن ہوتا ہے، ساتوں آسمانوں پر مشتمل ہے اور اسی لئے معراج کی رات تمام انبیاء علیہ السلام کو وہاں پر ہی حضور پاکؐ نے اپنی ملاقات ۔ بے

نوازا۔ دوسری زندگی یعنی حیاتِ جاودانی کا ظہور زمین و آسمان سے آگے ہوگا جب کہ اس کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا اور نئے میدان بچھائے جائیں گے۔

زمان و مکاں یہ افلاک جن سے ہم گزر رہے ہیں صرف عرض کی حیثیت رکھتے ہیں اور مکان یعنی Space کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اس عرض کے ساتھ طول بھی ہے جسے زمان (Time) یا مسافت کہتے ہیں۔ ایک طرف کی وسعتیں ہیں تو دوسری طرف زمان کی لامتناہیوں سے انسانی سفر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر طویل ہے۔ البتہ زمان و مکان کا مسئلہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور خالی طول و عرض کے الفاظ کے استعمال سے بیان مکمل نہیں ہوتا کہ دنیاوی زبان میں ہمارے پاس نہ ایسے الفاظ ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں اور نہ اس قسم کی کتاب میں اس پہلو کو مکمل طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہم البتہ آگے چل کر قرآن پاک کے الفاظ سے یہ بھی واضح کریں گے کہ وقت محض ایک پیمانہ ہے جس کے ذریعے کائنات کی وسعتوں کا بیان کیا جا سکتا یا ان کو کچھ ناپا جا سکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت جناب علی کرم اللہ وجہ کے قول سے بھی آگے آتی ہے کہ یہ سفر کتنا لمبا ہے۔ چنانچہ زمان و مکان کا مضمون بہت وسیع ہے اور یہاں صرف یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ہمیں بھی غیروں کی طرح اپنے آپ کو اس دنیا میں محدود نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہماری نگاہ پوری کائنات پر ہونی چاہیے اور کائنات کی وسعتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں یوں فرماتا ہے۔ "تدبر کرتا ہے امر کا آسمان سے زمین کی طرف۔ اوپر چڑھ جاتا ہے طرف اس کی وہ امر ایک دن میں کہ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس ہے" اس طرح وقت یا زماں کی مقدار کے سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک اور جگہ یہ الفاظ ہیں "ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔"

اب اندازہ لگائیں کہ ایک ہزار برس کی مقدار کا دن عالم امر کے متعلق ہے جو اس عالم دنیا کے بعد انسان کی اگلی منزل ہے اور اس سے بھی اعلیٰ تر جہاں میں ایک دن ہماری گنتی کے حساب سے پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔ غیروں نے بھی اس مادی دنیا سے نکل کر اب ان زمان و مکاں کے معاملات کو کچھ سمجھنا شروع کر دیا ہے اور جناب ابن عربیؒ کی کتابوں پر روس اور امریکہ میں تحقیق ہو رہی ہے لیکن ہمارے ہاں کچھ لوگ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مرنے کے بعد آدمی اسی جہاں میں رہ جاتا ہے یا محدود مٹی میں سلا دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ سخت غلط فہمی میں ہیں۔ کائنات کا یہ طول و عرض کسی اور مخلوق کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ تمام راستے انسان کے لئے ہیں اور موت پر قصہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ صحیح معنوں میں سفر تو موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔

مسافر کے سفر کے راستوں کی وضاحت اب انسان نے جن راستوں پر سفر کرنا ہے تو ہم معلوم کرتے ہیں کہ مکاں کی وسعتوں کو طے کرنے کے لئے اس کو کون سے وسائل مہیا کئے گئے ہیں چنانچہ اس مادی جسم کی پرورش کے لئے انسان کو چند مادی طاقتیں عطا کی گئی ہیں۔ ایک فوجی سپاہی کی پیدل رفتار، عام طور پر تین میل فی گھنٹہ ہوتی ہے اور اس چھوٹی سی زمین پر بھی اس رفتار کے ساتھ انسان کا دائرہ عمل ایک محدود سے خطہ ارضی پر ہو سکتا ہے۔ شاید انفرادی ضرورتوں کے لئے یہی رفتار کافی

سمجھی گئی مگر زندگی نے جب اجتماعی شکل وصورت اختیار کی تو اس کے لئے تیز رفتار سواریوں کا وسیلہ ضروری ہو گیا۔ انسان نے آج اس دنیا کے فاصلوں کو طے کرنے کے لئے آواز سے بھی تیز اڑنے والے ہوائی جہاز بنائے ہیں جنہوں نے زمین کی وسعتوں کو سکیڑ دیا ہے۔ مگر زمین کے دائرے سے باہر یہ جہاز کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر شاید انسان راکٹوں کے ذریعے تمام نظام شمسی کو اپنے دائرہ عمل میں لے آئے مگر اس سے آگے بڑھنا مادی جسم کے ساتھ کچھ ناممکن ہے۔ نزدیک ترین ستارہ کئی نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اور اگر برقی رفتار کے جہاز بھی بن جائیں تو بھی نزدیک ترین ستارہ تک بمشکل کئی نوری سالوں میں رسائی ہو سکے گی۔ ان آسمانی فاصلوں کو طے کرنے کے لئے روحانی رفتار کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاں روح ایک دن میں آسمان سے زمین اور پھر زمین سے پلٹ کر آسمان میں پہنچ سکتی ہے۔ مگر وہ دن ہمارے حساب کتاب کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ لہٰذا اس زندگی میں اگر کوئی اپنی روحانی طاقتوں کو بیدار کر لیتا ہے اور اس رفتار سے عالم بالا کی سیر کی کوشش کرے تو وہ ایک محدود دائرے تک ضرور پہنچ جائے گا۔ لیکن پورے سموات کا چکر لگانے کے لئے ہمارے حساب سے کم از کم ایک ہزار برس درکار ہوں گے لیکن ان رفتاروں سے بڑھ کر ایک رفتار بھی ہے جس کی بدولت پلک جھپکنے میں فرش سے عرش تک چکر لگایا جا سکتا ہے۔

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام　　اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں　(اقبالؒ)

علامہ مرحوم نے ہمارے لئے اس سفر کے عقدہ کو حل کر دیا کہ ایسی رفتار حضور پاکؐ کے عشق اور غلامی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضور پاکؐ کا عشق دنیا و مافیہا اور عقبیٰ و مافیہا سے بے نیاز بنا کر سیدھا تماشائے ذات کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ کے عشق سے سرشار دنیا و مافیہا سے اکثر بے خبر ہو جاتے تھے۔ پس بشری تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور پاکؐ کے جمال کے نظارہ کو برداشت کرنے کی طاقت دے دی تھی۔ ورنہ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ بعد کے زمانے کے اولیاء اللہ بھی ان باتوں کو سمجھتے تھے۔ اور کچھ اشارے بھی کر گئے ہیں۔ پشتو کے مشہور شاعر رحمن باباؒ کچھ اس طرح فرماتے ہیں۔

پہ یو قدم پہ عرش پورے رسی　　مالیدلے دے رفتار درو یشانو

(یعنی ایک قدم سے عرش پر پہنچتے ہیں۔ میں نے درویشوں کی یہ رفتار دیکھی ہے)

موت کیا ہے اسلامی نظریہ کائنات اور اس میں سے گزرنے والے مسافر کے سلسلہ میں اوپر بیان کئے گئے پس منظر میں اب ہم موت کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔ موت وہ چیز ہے جس سے فرار ناممکن ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ایک دہریہ بھی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ چاروں طرف ہر لمحہ اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ "ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے"۔ اور اس وجہ سے ہر نفس کو موت کا پابند کر دیا گیا ہے۔

غیروں کا نظریہ موت موت کے بارے میں غیر اسلامی نظریات کافی حد تک پریشان خیالی پیدا کرتے ہیں۔ عام طور پر مسلمان ان خیالات سے متاثر تو نہیں ہوتے لیکن کچھ وضاحتیں ضروری ہیں۔ ہندو مت اور بدھ مت کے پیروکار آواگون کے قائل

ہیں جس کے مطابق روحیں اپنی جزا و سزا بھگتنے کے لئے بار بار مختلف صورتوں میں اس زمین پر آتی رہتی ہیں ۔ کبھی انسان کے بہتر یا بدتر روپ میں اور کبھی جانور کے روپ میں ۔ اس فلسفہ کے لحاظ سے بھی سفر تو جاری ہے اور شاید جاری سفر کے صحیح فلسفہ کو اہل ہند نے اپنی عقل لڑا کر محدود یا گھٹیا کر دیا ۔ بہر حال مسلمان آداگون کے فلسفہ سے متاثر نہ ہوئے البتہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن سبا نے ایک شوشہ چھوڑا کہ حضرت علیؓ ہی دابۃ الارض ہیں ۔ اور ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ۔ اس لئے وہ زمین سے باہر نکلیں گے اور دوبارہ دنیا میں حق کی حکومت قائم کریں گے ۔ لیکن قرآن پاک میں دابۃ الارض اچھے معنی میں نہیں استعمال ہوا اور وہ ایک جانور کا ذکر ہے جو بھانت بھانت کی بولیاں بولے گا ۔ یہ ایک استعارہ یا اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ آجکل باطل فلسفہ کے دانشوروں نے انسان کو بھی ترقی پسند بوزنہ بنا دیا ہے اور یہ "ترقی پسند" مادیت کے چکر میں بھانت بھانت کی بولیاں بول رہا ہے اور واقعی مادیت کا یا زمین کا کیڑا ہے ۔ اس لئے دابۃ الارض یہ "ترقی پسند" ہو سکتا ہے ۔ مسلمانوں نے اس زمانے میں بھی عبداللہ بن سبا کو منہ نہ لگایا ۔ اور یہ ماڈرن مسلمان اور ترقی پسند یا باطل فلسفوں کے پیروکار بھی اسلام کی روح کو نہیں سمجھتے ۔

موت کا دوسرا نظریہ مادہ پرستوں کا پیش کردہ ہے ۔ یہ لوگ دہریئے ہیں اور خدا کی ذات اور روح کے منکر ہیں ۔ سوشلسٹ ممالک کے علاوہ اور بھی کافی لوگ اس نظریہ کے قائل ہیں کہ حیات بعد الموت کی کسی صورت میں کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ ایسے لوگ دنیا میں کافی تعداد میں موجود ہیں اور ان کو اس زمانے میں بڑی دنیاوی کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں ہیں اس وجہ سے اہل اسلام میں ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے ۔ جو ان سے متاثر ہے گو ایسے لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر حیات بعد الموت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ لوگ قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو بھی استعارے سمجھتے ہیں اور سر سید احمد ان میں شامل ہے اور کہہ دیتے ہیں "اے جہان وڈا مٹھا اگلا کسے نہ ڈٹھا" یعنی یہ جہان بہت میٹھا ہے اور اگلا جہان کسی نے نہیں دیکھا ۔ ایسے لوگ بڑے خطرناک ہیں یہی لوگ جنت ارضی کے باپ ہیں ان کے ہر بیان اور عمل پر کڑی نظر رکھنی چاہیے ۔ اسلامی معاشرہ میں یہ لوگ ناسور کی طرح ہیں ۔ اور آج ہمارے نوے فی صد لوگ جنہوں نے "دانشوری" کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے ان کا تعلق اس گروہ کے ساتھ ہے ۔

موت کا تیسرا نظریہ جو دراصل یونانی فلسفہ کی پیداوار ہے اب یہودی یا نصرانی لوگوں میں بھی پھیل چکا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو آخری آرامگاہ میں سلا دیا جاتا ہے اور قیامت تک انسان وہاں ہی سوتا رہتا ہے ۔ روز محشر انسان کو جب اٹھایا جائے گا تو اچھے یا برے اعمال کی وجہ سے جنت یا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ بھی نصرانیوں کی پیروی کرتے ہوئے اس نظریہ سے متاثر ہو چکا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد اس جہان دنیا کی قبر کو سب کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں اور قبروں پر لکھا ہوتا ہے "فلاں کی آخری آرام گاہ" یہ لوگ عالم برزخ میں انسانی طاقتوں کے ستر گنا بڑھ جانے کے حضور پاکؐ کے فرمان یا عالم برزخ کی وسعت یا معراج کے موقع پر حضور پاکؐ کے مشاہدات والی باتوں کو کچھ بھول گئے ہیں ۔ اس میں نقصان یہ ہے کہ پہلے دو نظریوں کی طرح یہ نظریہ بھی "مقامی" ہوتا ہے اور اسلام کے فلسفہ حرکت یا سفر جاری اور

صراط مستقیم پر رواں دواں رہنے والی باتوں کی نفی ہوجاتی ہے۔یہودی اور نصرانی بھی اس غلطی کا شکار اس لئے ہوئے کہ غیروں کے فلسفوں سے اثر لے لیا۔ ورنہ صحیح بخاری کے مطابق تمام پیغمبر ایک دین پر ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ تمام نبیوں نے تو فلسفہ موت و حیات صحیح طور پر اس طرح واضح کیا جس طرح اسلام یا دین فطرت میں بیان ہے کہ ایک مسافر کی حیثیت سے انسان نے بلندیوں کی طرف پرواز کرنا ہوتا ہے اور قرآن پاک کے لحاظ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی تعلیم کا نام بھی منطق الطیر ہے یعنی پرواز کی بات ہے۔ اس لئے جب تک ہم غیروں کے فلسفہ حیات و موت سے نجات حاصل نہیں کرتے ہمیں اسلام کا نظریہ حیات و موت سمجھ نہ آئے گا۔

اسلام کا نظریہ موت: اسلام کے لحاظ سے انسان ایک مسافر ہے اور وہ ازل سے ابد کی طرف سفر کر رہا ہے۔ وہ کسی مقام پر رکتا نہیں بلکہ ہمیشہ بڑھے چلا جاتا ہے۔ پڑاؤ کا ذکر جو کیا گیا ہے وہ کوئی پکا قیام نہیں بلکہ منزل کا لفظ استعمال کر کے وہ پڑاؤ ایک "ستانے" والی جگہ بن جاتی ہے تو مرنا انسان کا خاتمہ نہیں، نقل مکانی ہے جس کے مطابق وہ ایک ادنیٰ مقام سے اٹھ کر تکمیل شخصیت کے لئے ایک اعلیٰ مقام میں منتقل ہوجاتا ہے۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے "کہ اولیاء اللہ نہیں مرتے" مگر ایک اور روایت ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ "اسلام غربت سے اٹھا اور پروان چڑھا۔ عنقریب غریبوں کی طرف پلٹ جائے گا اور آخری زمانے میں غریبوں کے ذریعے ہی ایک مرتبہ پھر غلبہ حاصل کرے گا" عربی میں غریب، مسافر کو کہتے ہیں اور اس روایت میں کارواں کا ذکر بھی ہے اور علامہ اقبالؒ بھی ہر زمانہ میں کسی قافلہ یا کارواں کا ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ مسافر رواں دواں ہے اور موت سے ہماری ہلاکت ہرگز نہیں ہوتی۔

کشادہ دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں (اقبالؒ)

موت اور نیند میں مماثلت: قرآن پاک میں ہے "اللہ قبض کرتا ہے نفس کو موت کے وقت اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں۔ پس جن پر موت قضیٰ ہوئی اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے، تحقیق اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں" ۔یہ آیت ربانی ہمیں بتاتی ہے کہ موت اور نیند میں بہت کچھ مماثلت ہے۔ نیند کے دوران انسانی ہستی (نفس) اس جسم سے الگ ہو کر بھی بدستور قائم رہتی ہے اور وہ عالم بالا اور عالم دنیا کی سیر کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جاگ اٹھنے کے بعد ہمیں اکثر باتیں بھول جاتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ خواب میں نفس انسانی اس جسد خاکی کو چارپائی پر چھوڑ کر کسی اور جسم کے ساتھ "زمان و مکاں" میں غوطے لگاتا ہے اور خوابی یا روحانی جسم میں حواس خمسہ پوری طرح کام کرتے ہیں اور یہ خوابی جسم، خوشی یا غم ہر چیز کو محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ نیند کو سمجھنے کے بعد ہم موت کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے "النوم اخ الموت" نیند اور موت دونوں میں اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کرتا ہے اور دونوں میں انسانی ہستی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (اقبالؒ)

جسم کی حقیقت: یہ جسم خاکی یا جسم یا بدن جس پر بیٹھ کر مسافر حیات سفر کر رہا ہے اور جس کے ختم ہونے کا غم اسے کھائے جا رہا ہے اصل میں کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جسم، نفس، بدن، روح، قلب، اور دل وغیرہ کے الفاظ جو انسان کے وجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو بزرگوں نے اپنے خیالات یا تصورات کے لحاظ سے استعمال کیا ہے اور گہرائی میں جائیں تو کوئی فرق نہیں۔ ہاں طرز بیان الگ الگ ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہماری مختلف حالتوں کے لئے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے اور وضاحت کے طور پر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ انسان ایک "خیال" ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں کہ ہمیں شعور دے کر بھی بے شعور رکھا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ ساری دنیا کے قلم اگر سمندروں کا پانی بھی بطور سیاہی استعمال کریں تو بھی اللہ کی ذات و صفات کو بیان نہیں کر سکتے۔

تو بہر حال ہم یہاں پر بات ظاہر جسم کی کر رہے تھے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ لحظہ بہ لحظہ کچھ نہ کچھ بدلتا رہتا ہے۔ ہر لمحہ اس میں جو خون پیدا ہوتا ہے وہ خون ایک سو بیس دن بعد باری باری گل سڑ جاتا ہے۔ یعنی خون کی عمر ایک سو بیس دن یا اس سے کچھ کم ہے اور خون کے خلیوں سے جو جسم بنتا ہے وہ بھی روزانہ اس حساب سے کچھ نہ کچھ ادھڑ جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے اور دس سال کے عرصہ میں ہڈیوں سمیت پورا بدن تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس معاملہ کو سوچا جائے تو مادی دنیا اور مادی جسم کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ بڑی "وقتی" چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے اگایا، تم کو زمین سے ایک قسم کا اگانا پھر لوٹاتا ہے تمہیں اس میں اور نکالتا ہے، ایک قسم کا نکالنا" گویا یہ زمین میں لوٹانے اور نکلنے والا معاملہ موت تک جاری رہتا ہے اور مرنے پر جسم کی آخری کھیپ کو اس طرح زمین کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ خواہ قبر ہو یا کسی اور جگہ ذرہ ذرہ ہو جائے تو اس دنیاوی سوار یا سواری (بدن) کے ساتھ محبت بڑی وقتی قسم کی ہونی چاہیئے۔

روحانی جسم: چنانچہ اس موجودہ جسم کے علاوہ ہم اس دنیا میں ایک اور جسم بھی رکھتے ہیں جس کو ہم خوابی یا روحانی جسم کا نام دے چکے ہیں۔ اس جسم کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے۔ وہ چند لمحوں میں زمین کے گرد گھوم کر آسمان کی بلندیوں کی سیر کر کے واپس آجاتا ہے۔ موت کے وقت یہی روحانی بدن اپنا عارضی تعلق اس دنیا سے ختم کر دیتا ہے اگر مرے ہوئے اپنی آواز کو سنا سکتے تو عزیز و اقارب کو ماتم کرنے سے ضرور منع کرتے۔

مومن کو موت کا تحفہ: حضور پاکؐ نے اس دنیا کو قید خانہ کا نام دیا کہ موت کے بعد مومن آزاد ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں صرف شیطان آزاد ہے اور اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ تو موت کے بعد مومن اس طرح آزاد ہوتا ہے کہ اس کی طاقتیں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ دراصل ستر گنا بھی ایک اصطلاح ہے جس کے معنی بہت اور بہت زیادہ کے ہیں۔ حضور پاکؐ نے مزید فرمایا کہ موت مومن کو تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم   چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

شہادت: شہید کے سلسلہ میں البتہ ہمارے دانشور اور عالم کافی کچھ لکھ چکے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ایک یہ پہلو قوم کی

نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اس لئے ہم شہادت کے فلسفہ کو اور زیادہ بیان نہ کریں گے۔ اور عملی پہلو کو بارھویں باب میں بیان کریں گے۔ ہاں البتہ چند غلط باتوں کی طرف قارئین کی توجہ ضرور دلائیں گے۔ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ کر شہادت حاصل کرے، اپنی بسوں اور لاریوں یا عمارتوں کو آگ لگانے والوں یا فتنہ وفساد کرنے والوں میں سے جو مرجائیں انہیں شہید نہیں کہا جاسکتا اور شہادت کے سلسلہ میں کسی کو شہید وطن کہنے یا اپنا آج ہمارے کل پر قربان کرنے والی اصطلاحوں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ غیروں سے اثر لینے والے ادیبوں سے گزارش ہے کہ وہ خدارا اسلام میں اپنے باطل ادبی گھوڑے نہ دوڑائیں۔ شہادت صرف اللہ اور رسولؐ کی راہ میں ملتی ہے بشرطیکہ اس میں عشق صادق، اخلاص مندی اور حسن نیت موجود ہوں۔ راقم اپنی تمام کتابوں میں یہ پہلو واضح کرچکا ہے کہ حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ رفقاءؓ کے زمانے میں جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ اس وجہ سے ہوئیں کہ مسلمانوں نے اس قسم کے فلسفہ حیات کو اپنایا لیکن یہاں پر ایک اور پہلو کی وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اہل مغرب اور کئی دوسرے مفکر آج ان سوالات میں الجھے ہوئے ہیں کہ وہ کیا ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جائیں گے؟ اس لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کی طرح پریشان ہونے کی بجائے ہم یہ چیز سمجھیں کہ "میں کیا ہوں؟" کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "جس نہ پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو"

میں کیا ہوں؟ جب ہم عقلی اعتبار سے اپنی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس پر تصور ٹھہر سکے اور جسے کہا جائے کہ یہ میری ذات ہے۔ باوجود اس کے کہ احساس ذات (Self) ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ بہرحال انسانی ذات کے بغیر عشق و وجدان کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ مشہور مغربی مفکر ڈیکارٹ نے کہا تھا "چونکہ میں فکر کرتا ہوں اس لئے میں ہوں" لیکن حکیم الامتؒ نے فرمایا "چونکہ میں عشق کرتا ہوں اس واسطے ہوں" یہ عشق نہ صرف زندگی میں استحکام پیدا کرتا ہے بلکہ موت کے بعد بھی "زندگی" کی ضمانت دیتا ہے۔ زمانہ اس کا غلام ہے کیونکہ وہ زمانے سے بالاتر ہے اور روح کا حقیقی جوہر ہے۔ صاحب عشق "سمانہ سکا دو عالم میں مرد آفاقی" کے مصداق زمین وآسمان، حشر و نشر، حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے کوئے یار کی طرف گامزن ہے۔ زمانے کے تھپیڑے اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کرسکتے کیونکہ وہ اپنے سینہ میں ایک سیلاب لئے پھرتا ہے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ ۔۔۔ عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو ۔۔۔ عشق خود ایک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام (اقبالؒ)

آگے چل کر ہم عملی طور پر واضح کریں گے کہ شخصیت میں جب تک عشق کا ظہور نہ ہو انسان اس دنیا میں بھی اور عالم امر میں بھی حیران و سرگرداں رہتا ہے اور اپنی ہستی یا ذات کو نہیں پہچان سکتا۔ جہاں عشق کا ظہور ہوجائے وہاں سب نقاب اٹھ جاتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے رفقاءؓ نے کس طرح اپنی جانیں قربان کیں اور میدان جنگ میں ان کو کیسا لطف آتا تھا وہ سب بیان آگے آئے گا اور آج بھی ایسا ہوسکتا ہے

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے   تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے (اقبالؒ)

غلامانِ محمدؐ   راقم خود ایسا نظارہ دیکھ چکا ہے کہ میرے ساتھیوں نے تھرتھراتے ہوئے آسمان سے گرجتے ہوئے جہازوں، لہراتی ہوئی زمین پر بے پناہ بمباری اور دشمن کی ٹڈی دل فوج کے حملہ پر حملہ کا جواب نعرہ تکبیر اور نعرہ حیدری سے دیا۔جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا یہ عشق کے بغیر ناممکن تھا اور یہ ان کو اس لئے نصیب ہوا کہ وہ حضور پاکؐ کی محبت سے لبریز میدان جنگ میں اترے تھے اور اپنے عشق کا امتحاں دے کر آج لاہور کی ایک گمنام جگہ پر ایک شہید گنج میں دفن ہیں۔اس زمانے میں قوم سے یہ قربانی پوشیدہ رکھی گئی اور لاہور یا کسی جگہ کسی سڑک کو بھی ان شہدا کے ناموں سے منسوب نہ ہونے دیا۔بے شک لاہور کو بچانے والے ان شہدا کی جزا اللہ کے ہاں ہے۔ان کی شہادت کے دو سال بعد قوم کو ان کے بارے میں بتایا گیا۔

تصویر کا دوسرا رخ: لیکن افسوس کہ دنیا کی محبت، عالم اسلام پر ایک جنون کی طرح سوار ہے اور مسلمان کی روح کا ذرہ ذرہ دنیاوی مفادات میں گھس گیا ہے۔اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے موت سے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔اصل میں یہ سازش بنو امیہ کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔یزید بن معاویہ کا بیٹا خالد جس کو مروان نے خلیفہ نہ بننے دیا پہلا مسلمان فلسفی بھی کہا جاتا ہے۔قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں ایسے گروہ نہ تھے کہ فلاسفر کون ہے اور ادیب کون ہے۔اسلام میں شرط ہی حضور پاکؐ کا عشق اور غلامی تھی۔تاہم غیروں سے اثر لیتے ہوئے ان فلاسفر قسم کے لوگوں نے مسلمانوں کو زندگی سے محبت کرنا سکھایا اور موت سے نفرت کا درس دیا۔اس میں حکمران طبقے کا بھی ہاتھ تھا کہ "وہ فاقہ کش جو موت سے نہیں ڈرتا اس کے اندر سے روح محمدیؐ نکال دی جائے" اس سب کاروائی کا نتیجہ بعد میں سقوط بغداد اور صلیبیوں کی یلغار کی صورت میں نکلا کہ ایک منگول نے چالیس چالیس آدمیوں کو ذبح کر دیا بلکہ حکم دیا کہ اس کے تلوار لانے تک وہ لیٹے رہیں اور چالیس میں سے ایک دو افراد نے فرار اختیار کیا ورنہ سب ڈر سے لیٹے رہے اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیئے گئے۔ہمیں ان واقعات سے سبق سیکھنا چاہیئے کہ اسلام غیرت کی زندگی کا درس دیتا ہے اور بھیڑ بکری کی طرح مرنا غیر اسلامی ہے۔حیات دنیا کی حرص اور موت سے فرار کے اثرات ہر زمانے میں ہم پر پڑتے رہے اور ہر عقیدہ جو موت سے نفرت کا باعث بنتا ہے وہ غیر فطری بھی ہے اور غیر اسلامی بھی۔اس خیال خام کو اپنے دل سے نکال دیں کہ حیات انسانی کا مقصود صرف یہی چند روزہ زندگی ہے اور اس کا انجام صرف لحد کی تاریکی ہے خواہ اس میں قیامت تک سونا ہو یا بعد تک۔ایک مسافر الی اللہ کی شایان شان نہیں ہے کہ وہ قیامت تک زمین کی تاریکیوں میں سویا رہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں اکثر آہ بھر کر فرمایا کرتے تھے "سفر دراز ہے اور زاد راہ کم" یہ کون سے طویل سفر کی طرف اشارہ تھا؟ حالانکہ دنیاوی سفر تو آپؓ ختم کرنے والے تھے۔بلاشبہ یہ اسی سفر کا ذکر تھا جس پر انسانی قافلہ آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

وسیع تر مضمون: اسلامی فلسفہ حیات کا مضمون بہت وسیع ہے۔دراصل ساری بات ہی یہی ہے کہ زندگی کس طرح گزاری جائے۔ہم نے اس کا مختصر سا جائزہ پیش کر دیا ہے کہ انسان کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے۔اب چھبیسویں باب میں اس

پہلو کو اور وسعت دی جائے گی کہ اس زمانے میں اسلامی فلسفہ حیات کے تحت کیسے زندگی گزاری جائے اور حکومت و لوگوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ وہاں اسلامی نظام حکومت کا ڈھانچہ بھی دیا جارہا ہے کہ اسلامی فلسفہ حیات کے تابع اور کون کون سی مدیں آتی ہیں اور اس اصول کے تحت قوم کو کیسے اللہ کی فوج اور حزب رسولؐ بنایا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی پچیسویں باب میں اسلامی فلسفہ حیات کی ایک بڑی مد یعنی اسلامی فلسفہ دفاع کا خلاصہ بھی پیش کیا جارہا ہے۔

اس باب میں ہم نے صراط مستقیم کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ تفصیل قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور حضور پاکؐ کے رفقاء کے عملوں میں موجود ہے۔ اور اس کتاب میں ہم ان سب ضروریات کو اجاگر کریں گے۔ اسی وجہ سے اگلے باب میں ہم یہ خلاصہ پیش کر رہے ہیں کہ اس دنیا پر ہمارے رہبروں یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے راہ حق والوں کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کس طرح کی۔ اے رب العالمین! اپنے حبیبؐ کے واسطے سے مجھے توفیق دے کہ میں حق بات کہوں کہ میں نے ایک مشکل عمل شروع کر دیا ہے۔

اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر میری دانش ہے افرنگی میرا ایمان ہے زناری
(اقبالؒ)

خلاصہ دراصل یہ باب ازخود ان نظریات اور عملوں کا نچوڑ ہے یا اسلامی طرز زندگی کا منبع ہے۔ جن کو اس کتاب میں واقعاتی طور پر بیان کیا جارہا ہے۔ جگہ جگہ واقعات کے ساتھ اور ماضی کو حال کی زبان میں بیان کر کے مستقبل میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کرنے کیلئے اس ابتدائیہ میں بیان شدہ مسلمانوں کی فلسفہ حیات کے حوالے ملیں گے کہ اس عاجز نے اپنی تمام تر تحقیقات کو ان نظریات کے تابع کر دیا ہے۔ تب ہی انشاء اللہ قارئین کو اس عاجز کے بیانات میں کبھی کوئی ایسا تضاد نظر نہ آئے گا کہ اسلام صراط مستقیم بھی ہے اور انقلاب بھی ہے۔ یا اسلام میں اللہ کی بھی حاکمیت ہے اور لوگ بھی اس حاکمیت میں شریک ہیں۔ اور مسلمان احکام الٰہی کا بھی پابند ہے اور شیطان کی طرح آزاد بھی ہے۔ ہمارے آجکل کے علماء اور دانشوروں کے تمام تر بیانات ان دوغلہ پنوں کا شکار ہیں اور اس کتاب میں جو الفاظ یا تلمیحات یا نظریات اگلے ابواب میں عملی طور پر آئیں گے ان کا یہ باب منبع ہے۔

دوسرے ایڈیشن کا اضافہ

یہ کچھ اپنی قسم کے آپ کے بامقصد باب میں لکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی معلومات میں اور اضافہ کر دیا۔ تو اپنی کتاب ''اسلامی نظام حکومت'' میں اس مضمون کے عملی پہلوؤں کو اور وسعت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

یہی مضمون ملک کے مشہور سیکولر سائنسدان سلطان بشیر محمود اور میرے درمیان رابطے کا سبب بنا۔ اور اس سلسلہ میں بشیر صاحب کی انگریزی کی کتاب کے ترجمہ کی مجھے سعادت نصیب ہوئی جو ''قیامت اور حیات بعد الموت'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

دوسرا باب

صراط مستقیم اور اہل حق کی رہبری

تمہید: انسان کے مرکز کائنات ہونے اور صراط مستقیم کے سلسلہ میں پچھلے باب میں کچھ نشاندہی ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ پہچانا جائے۔ ہم نے انسان کو مرکز کائنات قرار دیا لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کائنات کی کافی چیزوں کو انسان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ بلکہ کچھ مخلوق کو بھی انسان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ ان میں فرشتے اور جن یا شیطان شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ دولھا کو سامنے لانے سے پہلے کچھ تیاری کی جاتی ہے اور باقی لوگ دولھا کے سامنے ہونے سے پہلے کچھ بندوبست کرتے ہیں۔ اس لئے فرشتوں کو پہلے پیدا کرنے میں تو مقصد اپنے کاردار پیدا کرنے تھے، کہ فرشتے ایک مشین کی طرح ہیں اور بالکل خیر ہی خیر ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بغیر کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔

شیطان یا جن: فرشتوں کے بعد اور انسان سے پہلے شیطان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی، یہ چیز قرآن پاک اور احادیث مبارکہ یا کسی تفسیر میں کھل کر واضح نہیں کی گئی۔ البتہ یہ روایت ہے کہ شیطان کو انسان سے پہلے پیدا ضرور کیا اور اس نے زمین کے چپہ چپہ پر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن اس کے دل میں حرص اور خود غرضی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو زمین پر خلیفہ مقرر کرے۔ حالانکہ شیطان فرشتوں کے مراتب تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس کی خلافت کی امید پوری نہ ہوئی اس لئے حسد نے اس سے نافرمانی کرائی۔ اور آج وہ راندہ درگاہ ہے اور شر کا سرغنہ۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے کہ خیر اور شر دونوں ایک ہی اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور آگے چل کر ہم اس پہلو کی مزید وضاحت کریں گے کہ غیروں کی طرح اسلام میں خیر اور شر کے الگ خدا نہیں ہیں۔ فرشتے خیر ہی خیر ہیں اور شیطان شر ہی شر۔

انسان: انسان کے خمیر میں مٹی کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ اور شیطان میں آگ کا عنصر غالب بتایا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ انسان کے اندر شیطان انسانی خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اور اس کے انسان پر اثرات ہیں کہ انسان کے سامنے شر اور خیر دونوں ہیں۔ شر گمراہی ہے اور خیر صراط مستقیم۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کبھی خیر کا سوچتا ہے اور کبھی شر کا۔ اور ہم گروہ در گروہ اس امتحان کے پرچے دے رہے ہیں۔ اور یہی ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے کہ خوش قسمت انسان خیر کا سوچتے ہیں اور صراط مستقیم پر رواں دواں ہیں۔ نوع انسانی کے جد امجد حضرت آدمؑ بتائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ بھی ذکر ہے کہ انسانوں کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ تو کیا یہ نفس واحدہ حضرت آدمؑ تھے۔ جن کو اس زمین پر خلیفہ بنایا گیا اور جس پر فرشتوں نے اعتراض کیا؟ یہ مشکل سوالات ہیں۔ کسی نے جناب حسن بصریؒ سے پوچھا کہ اگر حضرت آدمؑ نافرمانی نہ کرتے تو کیا انسانیت بہشت میں پھلتی پھولتی؟ تو آپ نے فرمایا "کہ جب پیدا ہی دنیا میں ایک دفعہ آنے کے لئے ہوئے تو یہ سب کچھ تو ہونا تھا"۔ اس تقرر پر فرشتوں نے کیوں اعتراض کیا اور کہا کہ انسان فسق و فجور کرے گا؟ کیا اس تقرر سے پہلے کہیں بنی نوع انسان موجود تھے اور فرشتوں کو ایسے فسق و فجور

کے بارے آگاہی تھی ؟ یا اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دے رکھا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے ۔ بہر حال یہ بہت مشکل معاملات ہیں اور ان پر کوئی حتمی رائے نہیں دی جاسکتی ۔ اور یہ تمام باتیں سمجھنے کا ہم شعور نہیں رکھتے ۔

حضور پاک کا نور: اس سلسلہ میں ہمیں ہمارے آقا حضور پاک ؐ محمد مصطفیٰ ؐ نے جو کچھ بتایا ہے ہمارا شعور صرف وہاں تک جا سکتا ہے ۔ پچھلے باب میں تخلیق کائنات کے سلسلہ میں ایک حدیث مبارکہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے اپنا عارف پیدا کیا ۔ اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضور پاک ؐ کا نور پیدا کیا ۔ محدثین اور راوی اس سلسلہ میں بڑی تفصیل لکھ گئے ہیں اور اس سلسلہ میں مشہور انصار صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کی حدیث ہے ۔ ایک اور حدیث مبارکہ سیرت حلبیہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے منسوب کی جاتی ہے ۔ کہ حضور پاک ؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے ۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی حجاب رابع میں ایک ستارہ ہر ستر ہزار سال کے بعد ظاہر ہوتا ہے جس کو میں بہتر ہزار مرتبہ دیکھ چکا ہوں ، تو حضور پاک ؐ نے فرمایا " مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا " اسی طرح زرقانی نے حضرت علیؓ سے ایک روایت منسوب کی ہے کہ حضور پاک ؐ نے فرمایا کہ میں حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے حضور ایک نور تھا ۔ علاوہ محدثین اور مفسرین نے بڑی محنتیں کر کے قرآن پاک کی متعدد آیات سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں سے پہلے حضور پاک ؐ کے نور کو پیدا کیا ، تب ہی آپ صرف " رحمت العالمان " یعنی دو جہانوں کے لئے رحمت نہیں بلکہ " رحمۃ للعالمین " یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں ۔ اور رحمت جب تک پیدا نہ ہوتی تو عالم کیسے وجود میں آتے ۔ سورۃ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے بعد اور خلق الانسان ، یعنی انسان کی تخلیق سے پہلے علم القرآن کا جو ذکر کیا ہے وہ حضور پاک ؐ ہی ہیں اور آپ ؐ کا آسمانوں پر اسم مبارک احمد ؐ تھا ، اور حضرت عیسیٰؑ نے حضور پاک ؐ کی آمد کے سلسلہ میں بھی احمد ؐ کا لفظ استعمال کیا ۔ تو ظاہر ہے کہ احد یعنی اللہ تعالیٰ نے احمد ؐ یعنی اپنا عارف یا تعریف کرنے والا یا اپنا حبیب ؐ پیدا کیا اور اس دنیا میں آپ ؐ ، احمد ؐ کے علاوہ محمد ؐ یعنی تعریف کیا گیا کے اسم مبارک سے وارد ہوئے ۔ اور آپ ؐ کے اسم مبارک ننانوے بتائے جاتے ہیں ۔ بلکہ ایک صاحب نے یہ تعداد تین سو تک بتائی ۔ اور یہ عاجز صرف یہ گزارش کرے گا کہ نبی کے مقام کو سمجھنے کی ہم عاجزوں میں نہ ہمت ہے اور نہ شعور ۔ اس عاجز کے لحاظ سے حضور پاک ؐ زمان و مکان پر بھی حاوی ہیں ۔ اس کا کچھ ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے اور باقی ذکر ساتویں باب میں حضور پاک ؐ کے معراج کے تحت ہو گا ۔

نور و بشر کی بحث: یہ عاجز آج تک نہ سمجھ سکا کہ ہمارے علما حضور پاک ؐ کے نور یا بشر ہونے کی بحث میں اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں ۔ حضور پاک ؐ اس دنیا میں بشر کی حیثیت سے تشریف لائے ، آپ کے ماں و باپ تھے ، بچپن اور جوانی دیکھی ، شادیاں کیں اور اولاد ہوئی اور قرآن پاک میں واضح ہے کہ " اے میرے نبی کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں " آپ ؐ نور بھی ہیں کہ قرآن پاک کے چھٹے پارہ ساتویں رکوع (سورۃ مائدہ ، آیت ۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " آیا تمہارے پاس نور اور کتاب مبین " ۔ بہر حال اب تو سائنس نے بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر مخلوق توانائی کی ایک صورت ہے ۔ اور توانائی نور ہے ۔ جب

دنیا میں یہ خیال تھا کہ آدم یا ایٹم کو توڑا نہیں جا سکتا، اس زمانے میں تو شاید نور و بشر کی بحث چل سکتی ہے۔ اب تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر شخص میں چونکہ توانائی ہے تو وہ نور بھی ہے۔ پہلے باب میں حاضر و ناظر کے سلسلہ میں پیر مہر علیؒ اور مہاجر مکیؒ کا مکالمہ لکھا گیا تھا۔ وہ بھی اب سائنس کے ذریعہ اور ٹی وی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہر آدمی ہر وقت ہر جگہ ہو سکتا ہے تو حاضر کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ایک معمولی کیمرہ اور فلم اگر ناظر ہو سکتے ہیں تو ہر انسان بھی ناظر ہے۔ اور پھر ہمارے آقا حضور پاکؐ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ یہاں قرآن پاک کے تیسرے پارہ اور سولھویں رکوع کے کچھ الفاظ لکھے جاتے ہیں:۔

" اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت سے دوں۔ پھر آئے گا تمہارے پاس رسولؐ تصدیق کرتا ہوا اس کو جو تمہارے ساتھ ہے، تو تم سب ضرور اس پر ایمان لانا۔ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس (عہد) پر ذمہ لیتے ہو۔ پھر فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں "۔

ان آیات کی تفسیر پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ کہ ہم عام آدمیوں کو تو صرف " الست بربکم " کی جھلک ملی۔ لیکن پیغمبروں کو روز ازل بہت کچھ بتایا گیا اور عہد بھی لیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ تمام پیغمبر اس وقت نبوت کی صفت حاصل کر چکے تھے اور ہمارے آقاؐ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے پیغمبر اعظم کے طور پر پیش کیا۔ اور یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے کہ پیغمبر ہمارے آقاؐ پر ایمان لا کر ان کی مدد بھی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اسی ایک بیان سے حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کے لئے ہماری بودی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ تو ہمارے یہ تفرقات اور فضول بحثیں اس عاجز کو بالکل سمجھ نہیں آتیں کہ جب قرآن پاک میں حضور پاکؐ کو سراج منیر قرار دیا گیا ہے۔ اور نور کا معنی روشنی ہے اور عقلی لحاظ سے اور بشری حیثیت سے بھی حضور پاکؐ کے اس نور کی روشنی اس طرح چمکی یا پھیلی کہ اس اندھیری دنیا کو روشن کر دیا۔ ساتھ ہی حضور پاکؐ نے امت واحدہ کے تصور کے ساتھ زمانے کو ایسا تسلسل دیا کہ آپؐ کے نور سے صراط مستقیم بھی چمک اٹھا:۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا (اقبالؒ)

اور ہمارے بامقصد مطالعہ کے تحت حضور پاکؐ نے اہل حق کے قافلہ کو صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا۔ اس قافلہ کے امیر ازل تا آخر آپؐ خود ہیں۔ اور ہم جو کچھ بیان کریں گے وہ یہ ہے کہ چند سال دنیاوی آنکھوں نے آپؐ کو اس قافلہ کی راہنمائی کرتے دیکھا:۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کے متاع تحصیل ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

صراط مستقیم: صراط مستقیم کے سلسلہ میں عملی طور پر اس کتاب میں بہت کچھ آئے گا اور یہ واضح کیا جاتا ہے کہ دین اسلام صراط مستقیم پر رواں دواں ہونے کا نام ہے۔ اس میں انقلاب والی کوئی بات نہیں۔ اگر نام حکمتیہ انقلاب کر دیا جائے تو بھی یہ موزوں نہیں۔ حضور پاکؐ ناموں یا اصطلاحات کے سلسلہ میں صحیح ناموں کے لئے سخت احکام دیتے تھے۔ کسی کا نام عبد شمس یا برۃ (آزاد) یا صراط مستقیم کے الٹ یا جس لفظ سے شرک کی بو آئے یا گمراہی کی تو ایسے نام تبدیل کر دیتے تھے۔ اسلام یا

صراط مستقیم ہے یا انقلاب۔ اب دو جگہوں کو چھوڑ کر قرآن پاک میں کسی جگہ انقلاب کا لفظ اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوا اور اس کے معنی پیچھے مڑنے، واپس آنے یا اوندھے منہ گرنے کے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز انقلاب کے لفظ کو قرآن پاک کے صحیح لفظ صراط مستقیم کی جگہ استعمال نہیں کر سکتا۔ اس میں ایک اور خطرہ یہ ہے کہ دنیاوی اور مادی تبدیلیوں والے روسی اور فرانسیسی انقلاب کی غلط اصطلاحات اور نظریات کو بھی لوگ اسلام کا لیبل لگا کر ان کو اسلام کا نظریہ بنا دیتے ہیں۔

ہمارے مطالعہ میں ہمیں ازل سے لے کر آخر تک دین حنیف یا اہل حق کی راہ میں کہیں انقلاب نظر نہیں آیا۔ ہمارے لحاظ سے دین حق میں ارتقا اور معراج ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "مومن اگر کل والے مقام پر رہا تو گھاٹے میں رہا" یعنی ساکن ہو جانا بھی ٹھیک نہیں۔ اور پیچھے مڑنا تو الٹ معاملہ ہے۔ اسی وجہ سے پچھلے باب میں حضور پاکؐ کے زمانے کو تسلسل دینے اور زمانے کے اصلی حالت میں آنے کے سلسلہ میں صراط مستقیم کی نشاندہی کردی گئی تھی کہ قرآن پاک میں دین اسلام کے لئے یہ لفظ تقریباً سو دفعہ استعمال ہوا۔ خاص کر سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ، سورۃ عمران، سورۃ یٰسین اور سورۃ فتح وغیرہ میں دین کو کہا ہی صراط مستقیم گیا ہے بلکہ سورۃ ھود، جس کے بارے حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اس سورۃ نے انؐ کو بوڑھا کر دیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے راستے کو بھی صراط مستقیم کے الفاظ کے طور پر یاد کیا گیا۔

اصطلاحیں اور روایتیں: اسلام دین فطرت ہے اس کی اصطلاحوں کے ساتھ بھی غیروں کے کسی فلسفہ یا اصطلاح کا موازنہ کرنا، یا ان کی نقالی کرنا مناسب نہیں کہ زندگی کے مقصود ہی الگ الگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیش لفظ میں اس عاجز نے واضح کر دیا تھا کہ اس کتاب کے ماخذ کیا ہیں۔ اور ان سے کیسے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں البتہ یہ باور کرانا ضروری ہے کہ یہودی و نصرانی بھی کسی زمانے میں دین حنیف کے پیروکار تھے۔ اسی طرح حضور پاکؐ کے خاندان کے لوگ اور حضرت اسماعیلؑ کی ساری اولاد بھی دین حنیف یا دین ابراہیمیؑ کے پیروکار تھے اس لئے اسلام سے پہلے کی کئی روایات یا رواج اگر صحیح تھے اور جہالت کے زمانے میں ان کو اپنایا گیا تھا تو حضور پاکؐ نے ایسی چیزوں کو نہ رد کیا اور نہ ایسے رواجوں سے روکا۔ اس لئے پرانی تاریخی کہانیاں ویسے کی ویسے رہیں۔ البتہ قرآن پاک میں پرانی کہانیاں زیادہ تر تمثیلی ہیں اور کئی تفصیلی بھی نہیں۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ کافی مکمل ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں بھی کافی تفصیلات ہیں لیکن ترتیب ہر جگہ ایک جیسی نہیں۔ اس لئے اس عاجز نے پیغمبروں کے ذکر میں قرآن پاک کو منبع کے طور پر تو اپنا راہنما بنایا لیکن ترتیب دینے کے لیے تاریخی کتابوں سے مدد لی۔

آدمؑ کی تخلیق: اس تمہید کے بعد اب ہم آدم یا انسانوں کی تخلیق کی طرف آتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ سب انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا گیا۔ آدم کی تخلیق اور اس زمین پر خلیفہ یا نائب بنانے کے ذکر بھی قرآن پاک میں اکثر جگہوں پر موجود ہیں۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں فرشتوں کے اعتراض کا ذکر کر چکا ہے۔ بہر حال قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو ایسے حل کیا کہ فرشتوں کو کہا "کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔" اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے تمام اسماء سکھا دیئے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس یا عزازیل جو جن کے رتبے سے فرشتوں

کے رتبے تک پہنچ گیا تھا اس نے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہوا۔

تبصرہ: ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سیکھ کر حضرت آدمؑ، اللہ تعالیٰ کی صفات و ذات کے بارے بہتر طور پر جاننے لگ گئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیچ اپنی روح پھونکی تھی تو وہ اشرف المخلوقات بھی ہو گئے۔ شیطان نے سجدہ تو حسد اور تکبر کی وجہ سے نہ کیا اور کہا میں انسان سے بہتر ہوں۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ لیکن فقرا میں حضرت منصور حلاج اور شیطان کے درمیان ایک تصوراتی مکالمہ چلتا ہے جو علامہ اقبالؒ کے شیطان اور حضرت جبریل علیہ السلام کے مکالمے کی طرح ہے۔ اس مکالمہ میں شیطان کہتا ہے " کہ اس کا امتحان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم دیا تھا کہ صرف اللہ کو ہی سجدہ کیا جائے۔ اور میں اس حکم پر قائم رہا اور امتحان پورا ہو گیا"۔ جناب منصورؒ نے جب یاد دلایا کہ اس سجدے کا حکم بھی تو اللہ تعالیٰ کا ہی تھا تو تاویلوں میں پڑ گیا وغیرہ۔ ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ کے راز ہیں کہ شر بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور علامہ اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ کو گزارش کی " کہ اے رب یہ دنبہ (شیطان) بھی آپ ہی نے پال رکھا ہے۔" ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ ہر برے کام میں لپنے گناہ کو تسلیم کر کے ندامت کریں اور تاویلوں میں نہ پڑیں۔

تخلیق آدمؑ اور احادیث مبارکہ: حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کی صورت گری کی۔ تو جب تک چاہا۔ اس کو لبد میں پڑے رہنے دیا۔ ابلیس اس کے ارد گرد پھرا کرتا تھا۔ جب دیکھا کہ اس کے اندر جوف ہے تو جان لیا کہ یہ مخلوق مستقیم نہ رہے گی۔" جناب عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں " اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھیجا جس نے ادیم زمین کے ہر جز شیریں و شور سے مٹی لی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مٹی سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ ادیم ہی سے آدم کا لفظ نکلا۔ اور اچھی مٹی سے پیدا ہونے والے جنت میں جائیں گے۔ ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ اس لئے بھی نہیں کیا کہ ابلیس ہی مٹی لایا تھا اور اس نے کہا کہ وہ اس کو کیسے سجدہ کرے جو مٹی کا بنا ہوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ"۔

وضاحت: یہ پہلو کچھ وضاحت چاہتا ہے۔ فرشتے نوری ہیں۔ شیطان ناری اور انسان خاکی۔ اب شیطان کو کیسے معلوم ہوا کہ آگ، خاک سے بہتر ہے۔ فرشتوں نے ایسا کیوں نہ کہا۔ تو گزارش ہے کہ فرشتے بدی کو سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان کا پہلا اعتراض بھی وضاحت تھی۔ وہ سمعنا و اطعنا ہیں۔ شیطان نے آزادی کو استعمال کیا۔ عقل دوڑائی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ آگ کی رفتار تیز ہے، مٹی ڈھیلی ڈھالی ہے۔ ٹھوس ہے اس کی رفتار کم ہو گی۔ بصارت کم ہو گی وغیرہ۔ لیکن شیطان نے اس طرف دھیان نہ دیا کہ خالق اپنی روح کو اس میں پھونک رہا تھا۔ اور جو فرشتوں اور اس کو ادنیٰ نظر آرہی تھی اس کو اللہ تعالیٰ اشرف بنا رہا تھا۔ وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم عاجز ہی رہیں کہ مٹی کو بھی اللہ تعالیٰ اشرف بنا دیتا ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو گر مرتبہ چاہیئے   کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

شیطان کے عقلی گھوڑے: یہ کچھ کرنے کے بعد شیطان، شیطانیت سے باز نہیں آتا۔ ہزاروں تاویلیں لئے پھرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے امتحان سے پاس ہو گیا۔ کبھی کہتا ہے کہ قرآن پاک کی فلاں آیت پڑھ کر بخشش حاصل کر لوں گا۔ کبھی کہتا ہے

انسانوں کی زندگی میں وہی رنگ ڈال رہا ہے۔ خدا ان عقلی گھوڑوں سے بچائے۔ اور یہاں شیطان کی ایک تاویل مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے:۔

جبرئیل کھو دیئے انکار سے تو نے مقامات بلند چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو؟

ابلیس ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تار و پو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو اقبالؒ

حق و باطل: بہرحال یہ سب طرز بیانات ہیں۔ ہم جس نکتہ کی طرف آ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ روز ازل یا عالم ارواح میں پیغمبروں کے لئے راہ حق کی تلقین اور وعدہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اب جب حضرت آدم کی تخلیق ہوئی تو حسد اور تکبر کی وجہ سے شیطان نے باطل یا شر کی شکل اختیار کر لی۔ اور حق و باطل کی ٹکر اسی دن سے شروع ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں اگر انسان کا کوئی دشمن نہ ہو تو اسے اپنی طاقت کا اندازہ نہ ہو سکے گا۔ ٹکر کے لیے کوئی مقابلے میں ہونا چاہیئے۔ اس لیے حق کے امتحان کے لئے ضروری تھا کہ کوئی اس کا مقابلہ کرتا۔ ایسا کوئی آدمی نہیں جو یہ کہے کہ وہ حق کے ہر راستہ یا سچائی کو نہیں جانتا۔ یا اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کو نہیں جانتا۔ دہریئے بھی کسی عظیم طاقت کے ہارے تو زبانی بھی مانتے ہیں۔ اور دل سے سب اپنی کمزوری کو جانتے ہیں کہ ان کا خالق کوئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے ذریعے سے ہمیں یاد دلاتا ہے۔ واذ اخذ ربک من بنی آدم --- اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اس سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی شکل وصورت کی تخلیق کے بعد ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر جناب عبداللہؓ قرآن پاک کی یہ پوری آیت پڑھتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں "وہ واقعہ یاد کر جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسلیں نکالیں۔ اور خود انہیں کو ان پر شاہد ٹھہرا کے پوچھا" کیا میں تمہارا پروردگار نہیں" (الست بربکم)۔ "سب نے جواب دیا۔ بے شک، تو ہمارا پروردگار ہے۔ ہم اس پر شاہد ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔ یا یہ کہو کہ پہلے ہمارے بزرگ ہی شرک میں مبتلا تھے"۔ قارئین ہمارے ہر عمل کیلئے ہمارے خود شاہد ہونے والی بات نوٹ کر لیں پہلے باب میں فلسفہ حیات کے تحت، روز ازل کے اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب واقعاتی وضاحت ہو گئی۔ ساتھ ہی ساتھ پشت در پشت آدم کی نسلوں کے منتقل ہونے کا ذکر بھی ہو گیا۔ البتہ پیدائش کے معاملات کا مضمون بہت وسیع ہے۔ کہ آگے مادی دنیا کے مادی عنصر بدن کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بدن یا نفس میں روح کو پھونک دیتا ہے جو امر ربی ہے اور اس کو سمجھنے کا ہم شعور نہیں رکھتے۔ البتہ کتاب "حیات بعد الموت" میں بہتر وضاحت ہے۔

پیدائش۔ اور نر و مادہ کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اس عالم خلق کے لئے البتہ طریق کار یہ بنایا کہ ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا۔ ایک نر اور ایک مادہ اور ان دونوں سے آگے تخلیق کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ چیز صرف انسانوں اور حیوانوں کو لاگو نہیں بلکہ پودوں اور

درختوں کے لئے بھی ہے۔ اور یہ سارا نظام سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں سب نر ہی نر ہوں تو وہاں نر کی بیچ میں یا تو مادہ کے عنصر پیدا ہو جائیں گے یا نر کسی الگ مادہ کو جنم دے گا۔ اور اس طرح سے پھر جوڑا جوڑا بن جائے گا۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی آیت "خلق منھا زوجھا" کی تفسیر میں جناب مجاہد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی قصیری (چھوٹی پسلی) سے پیدا کیا۔ آپؑ اس وقت سو رہے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت حوا کو دیکھ کر فرمایا "انثا" اس لفظ کو اب عورت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ نثا یا نسوانیت اور ایسے لفظ اسی لفظ سے نکلے ہیں۔ یہ تفسیر یہودیوں کی روایتوں سے لی گئی ہے اور کچھ مسلمان علماء اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

جنت سے دنیا میں آمد: جنت میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو کہا گیا کہ "اس درخت کے قریب مت جاؤ" شیطان نے انہیں بہکایا کہ "یہ وہ درخت ہے جس کا پھل کھانے کے بعد تم ہمیشہ کے لئے جنت میں رہو گے" وہ فریب میں آگئے اور اس شجر یا پھل کو کھا لیا۔ تو تب وہ اپنی عریانی سے آگاہ ہوئے جب درختوں کے پتوں سے چھپاتے پھرتے تھے۔ یعنی یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نافرمانی کے بعد تقویٰ کا لباس اتر گیا۔ قرآن پاک کے الفاظ ہیں "ھل ادلکم علی شجرۃ الخلد" حضرت آدمؑ اور مائی حوا چونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے قریب رہنا چاہتے تھے لہذا وہ شجر الخلد کھا بیٹھے۔ قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ پر یہ ذکر ہے۔ "وما جعلنا الرویا التی ارینک الا فتنۃ للناس و الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن" یعنی جو رویا (شعور، تحت الشعور، اور لاشعور) ہم نے دکھایا آپ کو وہ نہیں مگر فتنہ واسطے لوگوں کے اور یہی ہے شجر الملعونہ، قرآن پاک میں "ہر معصوم یا بچہ ایک خاص عمر تک اپنی بے عریانی کے بارے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور بعد میں وہ شرمانا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی ان باتوں کو سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ حضرت آدمؑ اور مائی حوا اس وقت اس سلسلہ میں شعور کی کس سطح پر تھے۔

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جنت میں آپکے اجسام کی کیا شکل تھی۔ کیا مادی دنیا کے بدن کی قسم کی کسی شے سے جنت میں رہائش اختیار کی جا سکتی ہے یا وہاں پر کوئی اور روحانی بدن تھا۔ اور موت کے بعد یا روز قیامت ہمارے اجسام کی بھی شائد ایسی شکل ہو۔ بہرحال ایک بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت اس دنیا یا عالم خلق میں دی۔ روایت ہے کہ جناب حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا زمین کے لئے پیدا ہوئے یا آسمان (عالم بالا) کے لئے پیدا ہوئے تو آپ نے جواب دیا "زمین کے لئے" آگے پوچھا گیا "اگر وہ ضبط کرتے اور درخت کا پھل نہ کھاتے تو پھر" تو جناب حسن بصریؒ نے فرمایا "پیدا ہی زمین کے لئے ہوئے تھے کیونکر نہ کھاتے"۔

مواقع تقدیر: اب یہاں قضا و قدر کا مشکل مسئلہ سامنے آجاتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہم اسی قسم کی ایک بات کے بارے حضور پاکؐ کا فرمان لکھ رہے ہیں۔ جناب عبدالرحمٰنؓ بن قتادہ السلمی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور پاکؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے مخلوق کو ان کی پشت سے نکالا اور پھر ارشاد ہوا۔ یہ بہشت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں"۔ حضور پاکؐ کی یہ بات سن کر مجلس سے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر یہی بات ہے تو پھر ہم عمل کس بنا پر کریں؟" حضور پاکؐ نے فرمایا "مواقع تقدیر کی بنا پر"۔

تبصرہ: قارئین۔ قضا اور قدر کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ پیش لفظ میں گزارش ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ میں بڑے بحث و

مباحثے ہوئے۔ ہمارے قدریہ اور جہنیہ گروہ اسی بحث کی پیداوار ہیں۔ عظیم صحابہؓ کے درمیان بھی اس سلسلہ میں وقتی اختلافات پیدا ہوئے۔ راقم کی کتاب خلفاء راشدین کے حصہ دوم کے آخری باب میں اس کی تفصیل ہے کہ شام میں طاعون کے زمانے میں جناب ابو عبیدہؓ نے جناب فاروق اعظمؓ پر سوال کر دیا "کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر جا رہے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں! کہ ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ایک وادی کے اگر دو کنارے ہوں ایک سرسبز اور ایک خشک تو مختلف طرفوں میں اترنے والے مختلف تقدیر حاصل کریں گے۔ وغیرہ ---" جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی ساتھ تھے اور جناب ابو عبیدہؓ کو تب تسلی ہوئی جب ان کو حضور پاک کا فرمان سنایا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ بہتری کے لئے دعا کریں اور ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے حضور پاکؐ کے ہر بیان میں دانائی کے سمندر بھرے ہوتے ہیں۔ اور ہمیں اس پہلو کو سمجھنا چاہیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند رہیں۔

حضرت آدمؑ زمین پر: روایت ہے کہ حضرت آدمؑ ہندوستان یا سری لنکا کے کسی پہاڑ نوذ پر اترے اور حضرت حوا جدہ میں جناب ابن عباسؓ کے مطابق حضرت آدمؑ کا بہشت میں قیام نصف دن تھا، جو ہمارے حساب سے پانچسو برس بنتا ہے اور اس چیز کی وضاحت پہلے باب میں ہو چکی ہے۔ بہرحال کئی سالوں کی جدائی کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حوا مکہ مکرمہ کے مقام مزدلفہ پر ایک دوسرے کو ملے۔ یہ مقام منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے اور حجاج کرام حج کے بعد عرفات کے مقام سے واپس آکر یہاں ہی رات کو قیام کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ازدلاف کے معنی نزدیک یا جمع ہونے کے ہیں اور یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے۔ آگے ہم رہبری کے علاوہ حضرت آدمؑ یا کسی پیغمبر کی زندگی کے حالات تفصیل سے نہ لکھیں گے کہ ہم یہ مطالعہ صرف رہبری کے لئے کر رہے ہیں۔ ہاں حضرت آدمؑ کی دنیا پر آمد کے سلسلہ میں علامہ اقبالؒ کی نظم "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" کہ پہلے دو اور آخری شعر کو ہم لکھ رہے ہیں کہ اس میں بھی ہمارے فلسفہ حیات کی جھلک ہے:-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ — مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ — ایام جدائی کے ستم دیکھ۔ جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکہ بیم و رجا دیکھ — ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ

رہبری: فلسفہ حیات کے بیان کے مطابق پیدائش اور زمین پر آمد کے بعد قافلے نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کے مطابق صراط مستقیم پر رواں دواں ہونا ہے۔ اس کے لئے رہبری کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں جناب ابو ذر غفاریؓ نے حضور پاکؐ سے پوچھا "سب سے پہلے نبی کون تھا" حضور پاکؐ نے فرمایا "آدمؑ" جناب ابو ذر غفاریؓ نے مزید وضاحت کے لئے عرض کی تو حضور پاکؐ نے فرمایا "حضرت آدمؑ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا" جناب ابو ذرؓ نے مزید گزارش کی "رسول کتنے تھے" حضور پاکؐ نے فرمایا "تین سو پندرہ ایک بڑی جماعت ہے"

تبصرہ: نبی اور رسول میں فرق یہ بتایا جاتا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جسے خاص شریعت دی جائے یا درایت دی جائے کہ لوگ ان کی امت کہلائیں۔ اور رسول کے امتیوں میں آگے نبی بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ تمام رہبر جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا ان کو نبی کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ان نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ہمارے آقاؐ کی امت میں البتہ کوئی نبی نہیں کہ آپؐ خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں۔ ویسے آپؐ کی امت کے بزرگوں کی شان یہ ہے کہ پہلے نبی بھی خواہش کرتے رہے کہ وہ آپؐ کے امتی ہوتے۔ تین سو پندرہ رسولوں کی تعداد ایک لحاظ سے دلچسپ ہے کہ حضرت طالوتؑ کے وہ ساتھی جنہوں نے ان کا حکم مانا، اور نہر سے پانی نہ پیا ان کی تعداد بھی تین سو پندرہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں حضرت داؤدؑ بھی شامل تھے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا جنگ بدر جس کا ذکر آگے دسویں باب میں ہے اور اس کو حق کا پہلا بڑا معرکہ کہتے ہیں، وہاں بھی مجاہدین کی تعداد ایک روایت کے مطابق تین سو تیرہ اور دوسری کے مطابق تین سو پندرہ ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے ساتھ موازنے کے طور پر حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ یا جن مسلمانوں نے حضور پاکؐ کے جمال کی جھلکیاں دیکھیں ان کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خیر یہ "دیدار عام" کی بات ہے۔ "دیدار خاص" کا سلسلہ تو چودہ سو سالوں سے جاری ہے اور اس کی جھلکیاں دیکھنے والے خوش قسمت ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔

دین حق اور زمانے کا تسلسل: بہرحال ہم جس مقصد کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اول تو صحیح بخاری میں روایت ہے کہ تمام نبی ایک دین پر تھے یا ہیں، اور ہر زمانے اور ہر خطے میں اللہ تعالیٰ نے رسول بھی بھیجے ہیں اور نبی بھی، جن کی شریعت ایک تھی۔ علاقے کے ماحول و مزاج یا آب و ہوا کے لحاظ سے چھوٹی موٹی رسم و رواج میں فرق کی اجازت تھی۔ لیکن بنیادی اصول تمام شریعتوں کے ایک جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے اور ہر خطے میں لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راہبری کرتا رہا۔ بے شک حضرت آدمؑ نے معاملات امت واحدہ سے شروع کئے لیکن علاقائی ضرورتوں کے تحت اور فاصلوں کی وجہ سے ہر علاقے کی امتوں میں شریعت کے طریق کار میں کچھ نہ کچھ فرق پڑتا رہا۔ کہ تمام نبی یا رسول محدود علاقے اور محدود مدت کے لئے تھے۔ لیکن اب دنیا کو ایک کرنا تھا اور ہمارے نبی آخر الزمانؐ ہیں، اور انہوں نے امت واحدہ کا تصور دے کر زمانے کے اس تسلسل کو برقرار کر دیا جو تسلسل حضرت آدمؑ نے شروع کیا تھا۔ یعنی صراط مستقیم کی پکی اور مکمل نشاندہی کر دی۔ کہ سورۃ مائدہ کے مطابق دین مکمل ہو گیا اور اسی وجہ سے حضور پاکؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ زمانہ (یا دنیا) اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے۔ اسی وجہ سے پچھلے باب میں بھی اس فلسفہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

امت واحدہ: امت واحدہ کے اس فلسفہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے نہ کہ اختلاف کرنے کی کہ ہمارے علماء میں سے کچھ کہتے ہیں کہ ساری دنیا ایک امت بن گئی ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں صرف مسلمان ایک امت ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے گروہوں میں بٹی ہوئی مخلوق کو ایک امت کا تصور دے دیا کہ آؤ ایک اللہ پر متفق ہو جائیں۔ بھلا کونسا اللہ؟ وہ اللہ جس کا کوئی شریک نہیں یا رب محمدؐ۔ اور نہ کہ وہ اللہ کہ کسی کو اس کا بیٹا بنا دیا۔ اور کسی نے شریکوں کی تعداد کو بڑھا دیا۔ یہ اللہ

وہ ہے جس کی ذات و صفات کا بیان قرآن پاک میں ہے۔ایسا تصور دینے کے بعد اور جگہ جگہ پیغام بھیجنے کے بعد، حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ یا بعد کے مسلمانوں نے بھی یہ کام جاری رکھا اور دنیا کے گوشے گوشے میں ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک امت کا پیغام پہنچا دیا۔اور امت واحدہ کا تصور پورا ہو گیا۔لیکن عملی طور پر حضور پاکؐ کی امت وہی لوگ کہلا سکتے ہیں جو آپؐ کے دین پر چل رہے ہیں۔لیکن ہم یہ بات بھول گئے کہ ہم نے ساری دنیا کو ایک کرنا تھا۔اب بھلا ہم مغلوبہ قوم ہیں ہماری بات کون مانے گا۔اور اگلے زمانے میں لوگ مسلمانوں کا کردار دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔اب ذرا ہم گریبان میں منہ ڈالیں۔دو عالمی جنگوں کی وجہ سے دنیا ایک ہونے کے نزدیک پہنچ گئی ہے۔لیکن افسوس ان کو دین حق کا فلسفہ سمجھانے والا کوئی نہیں کہ کام باتوں سے نہیں بنتے۔عمل سے بنتے ہیں۔اور ہماری حالت یہ ہے کہ:۔

اے راہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک (اقبالؒ)

رہبران یعنی انبیاء کے نام و نسب: چند ایک اشاروں کو چھوڑ کر قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی کتابیں، انبیاء کے نسب اور زمانے کا ذکر تفصیل یا ترتیب سے نہیں کرتیں۔بہر حال ہم اپنی کہانی مکمل کرنے کے لئے چند انبیاءؑ کے نام و نسب کو ابن سعد کی مدد سے اپنے تبصروں کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر رہے ہیں:۔

۱۔ حضرت آدمؑ۔ہمارے جد امجد

۲۔ حضرت ادریسؑ۔آپ کو خنوخ بھی کہتے ہیں۔اور آپ خنوخ بن یازد بن مہلائیل بن منان بن انوش بن شیثؑ بن آدمؑ ہیں۔

۳۔ حضرت نوحؑ بن لمک بن متوشخ بن ادریسؑ

۴۔ حضرت ھودؑ بن عبداللہ بن الخلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ۔آپ قوم عاد میں مبعوث ہوئے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

۵۔ حضرت صالحؑ بن آسف بن کماشخ بن ازوم بن ثمود بن جاتر بن ارم بن سام بن نوحؑ۔آپ قوم ثمود میں مبعوث ہوئے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

۶۔ حضرت ابراہیمؑ بن تارح بن ناجور بن ساروغ بن ارعوا بن فالغ بن عامر بن مشاخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ۔قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر لکھا گیا ہے۔اس سلسلہ میں وضاحت اور تبصرہ آگے آئے گا۔

۷۔ حضرت لوطؑ بن هاراں۔آپ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔

۸۔ حضرت اسمٰعیلؑ بن حضرت ابراہیمؑ

۹۔ حضرت اسحاقؑ بن حضرت ابراہیمؑ

۱۰۔ حضرت یعقوبؑ بن حضرت اسحاقؑ

۱۱۔ حضرت یوسفؑ بن حضرت یعقوبؑ (حضور پاکؐ نے آپ کو چار پشتوں کی لگاتار پیغمبری کی سعادت پر تحسین پیش کی)

۱۲۔ حضرت شعیبؑ بن بویب بن عنقا بن ابراہیمؑ

۱۳۔ حضرت موسیٰؑ بن عمران بن قاہت بن لادی بن یعقوبؑ

۱۴۔ حضرت ہارونؑ بن عمران ۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔

۱۵۔ حضرت الیاسؑ بن تسبتین بن العارز بن ہارونؑ

۱۶۔ حضرت یونسؑ بن متیٰ ۔ کہ آپ کا سلسلہ نسب بھی حضرت یعقوبؑ تک پہنچتا ہے ۔آپ کا وطن نینوا تھا جو کہ موجودہ نجف اشرف کے نزدیک تھا ۔بخاری شریف میں ذکر ہے کہ حضور پاکؐ کی ملاقات نینوا کے ایک آدمی سے ہوئی تو بڑے خوش ہوئے کہ حضرت یونسؑ کے علاقے کا آدمی ہے ۔

۱۷۔ حضرت الیسعؑ بن عدی بن نشوتلخ بن افرایم بن یوسفؑ

۱۸۔ حضرت ایوبؑ بن زراخ بن اقوص بن لیفرن بن العیص بن اسحاقؑ

۱۹۔ حضرت داؤدؑ بن الیشا بن عویذ بن باعرین سلمون بن نخشون عماداب بن ارم بن خصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوبؑ

۲۰۔ حضرت سلیمانؑ بن حضرت داؤدؑ

۲۱۔ حضرت ذکریا بن لبثوا ۔آپ بھی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا کی اولاد سے ہیں

۲۲۔ حضرت یحییٰؑ بن حضرت ذکریا

۲۳۔ حضرت عیسیٰؑ بن مریم بنت عمرانؑ بن ماثاں ۔یہ سلسلہ نسب بھی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا تک جا پہنچتا ہے ۔

۲۴۔ حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰؐ بن عبداللہؓ بن عبدالمطلبؓ ۔ تفصیل پانچویں باب میں ہے

۔۲۵۔ حضرت شیثؑ ۔ابن سعد نے آپ کو نبیوں یا پیغمبروں میں شامل نہیں کیا لیکن آگے کتاب میں لکھتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات پر حضرت جبرئیل نے ان کے جنازہ کے سلسلہ میں حضرت شیثؑ کی رہنمائی کی ۔آپ حضرت آدمؑ کے بیٹے تھے ۔شیثؑ کو عربی میں "شت" سریانی میں "شیات" اور عبرانی میں "سیست" کے ناموں سے بھی لکھا گیا ہے اور باقی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی نبی تھے ۔

۲۶۔ حضرت ذوالکفلؑ ۔اسی طرح قرآن پاک میں پیغمبروں میں جو حضرت ذوالکفل کا ذکر ہے ۔ان کا نام بھی ابن سعد نے نبیوں میں نہیں لکھا ۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ذوالکفل، مہاتما بدھ ہیں کہ وہ کپل کے رہنے والے یعنی "کپل وستو" تھے اور عربی میں "پ" کا لفظ "ف" سے ادا کیا جاتا ہے ۔ہمارے بزرگ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد تمام پیغمبر ان کی اولاد سے تھے ۔چونکہ بدھ ، حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے نہیں تو وہ پیغمبر نہیں ہو سکتا ۔یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے یہ شرف صرف مشرق وسطیٰ کے علاقوں میں ہو ۔لیکن اکثر لوگ بدھ کو اس لئے بھی پیغمبر ماننے کو تیار نہیں کہ بدھ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کچھ منکر تھا ۔بے شک بھارت کے کچھ متعصب ہندوؤں خاص کر کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ نے بدھ پر ایسے الزامات لگائے لیکن برہما میں

راقم کے ایک بزرگ تایا کی نظر سے ایسی کتابیں گزری ہیں جن میں یہ واضح ہے کہ مہاتما بدھ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل تھا بلکہ حضور پاکؐ کے سلسلہ میں پیشینگوئی بھی کی کہ مغرب میں ایک بڑا" بدھ " پیدا ہوگا جو امت واحدہ کا تصور دے گا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ ہر خطہ میں نبی پیدا ہوئے لیکن بدھ کے سلسلہ میں حتمی فیصلہ دینا مشکل ہے کہ عراق میں ایک جگہ کا نام بھی قرین ذوالکفل تھا۔ اور ممکن ہے کہ ذوالکفلؑ پیغمبر اس جگہ کے ہیں۔

۲۷۔ حضرت لقمانؑ۔ اسی طرح قرآن پاک میں حضرت لقمان کا جو ذکر ہے۔ ابن سعد نے ان کو بھی نبیوں میں نہیں لکھا۔ اور عام خیال ہے کہ وہ ایک نیک انسان تھے۔ اور ان کے نبی ہونے کے بارے البتہ شک ہے۔ بہرحال آپ نے بھی صراط مستقیم کی نشاندہی ضرور کی۔ خیال ہے کہ آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ لیکن یہ بھی روایت ہے کہ آپ مصر و سوڈان کے درمیانی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ آگے آٹھویں باب میں صحیفہ لقمانی کا بھی ذکر آتا ہے کہ انصار میں سے جناب سویدؓ بن صامت کے پاس یہ کتاب یا " امثال لقمانی " کے نام سے ایک کتاب بھی موجود تھی۔ ہمارے اکثر لوگ حضرت لقمان کو ڈاکٹری یا حکمت کا بانی سمجھتے ہیں۔

۲۸۔ حضرت ذوالقرنینؑ۔ قرآن پاک میں جو حضرت ذوالقرنین کا ذکر ہے کہ اس سلسلہ میں نہ تو ابن سعد نے کوئی ذکر کیا ہے اور نہ ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ نبی تھے۔ امام غزالیؒ نے سکندر یونانی کو ذوالقرنین کہا اور دنیا کے مشہور سوخطوط والی کتاب بھی کہتی ہے۔ ابوالکلام آزاد نے ایران کے شہنشاہ سائرس اول کو ذوالقرنین کہا۔ اور اسی بادشاہ کی یاد میں آنجہانی رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۷۰ء میں ایران کی بادشاہت کے اڑھائی ہزار سالہ جشن منایا۔ جس کو کچھ لوگوں نے بیسویں صدی کا بہت بڑا " مذاق " کہا تھا۔ اور یہ ایسے ہی ثابت ہوا۔ بہرحال سائرس کو ذوالقرنین بنانا صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ ذوالقرنین کوئی آنے والی شخصیت ہو کہ عربی میں ماضی اور مضارع کا بیان کئی دفعہ ایک جیسا ہوتا ہے ساتھ یاجوج ماجوج کا ذکر ہے۔ اور بعد میں ان کے ہر اونچان سے دوڑنے کا ذکر ہے۔ یہ استعارہ بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل کا ذکر اور ذوالقرنین سے مراد دو صدیاں یا دو صدیوں والا (ذوقرن) بھی ہو سکتا ہے۔

۲۹۔ حضرت طالوتؑ۔ قرآن پاک میں حضرت طالوتؑ کا بھی ذکر ہے۔ آپ کے لشکر میں حضرت داؤدؑ بھی تھے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا۔ تو ظاہر ہے کہ آپ کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا۔ اور آپ حضرت داؤدؑ کے پیشرو تھے۔ اور کچھ روایت کے مطابق آپ حضرت داؤد کے خسر تھے "

۳۰۔ حضرت دانیالؑ۔ ہماری تاریخوں میں حضرت دانیالؑ کا بھی ذکر آتا ہے۔ جس کو اہل یورپ Denial کہتے ہیں۔ راقم نے ان کی قبر کے سلسلے میں پورا ذکر اپنی کتاب خلفاء راشدین حصہ اول میں کیا ہے کہ کس طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے تحت جنوبی فارس فتح کیا تو شوش کے مقام پر حضرت دانیالؑ پیغمبر کی قبر کو دریا برد ہونے سے بچایا

۳۱۔ اصحاب کہف۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا ذکر بھی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کو حضرت عیسیٰ کے زمانے کی بعد کی ہستیاں بتایا ہے۔ آگے ساتویں باب میں ذکر ہے کہ اصحاب کہف (یا ان نوجوانوں) کے بارے قریش مکہ، یثرب (مدینہ منورہ) کے

یہودیوں سے یہ سوال حضور پاکؐ سے پوچھنے کے لئے لائے تھے۔یہودی حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہیں مانتے اور نہ ان کے ماننے والوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔تو ظاہر ہے کہ یہ نوجوان یا تو حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے بھی پہلے ہوئے یا کم از کم حضرت داؤدؑ یا حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے پہلے ہوئے کہ یہودیوں کے حساب سے یہ اچھے لوگ تھے۔ہمارے حساب سے اصحاب کہف بھی دین ابراہیمیؑ اور دین حنیف کے پیروکار تھے۔

۱۲۲۔متفرق۔قرآن پاک میں ایک حضرت عزیرؑ کا بھی ذکر ہے کہ یہودیوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا۔روایت ہے کہ آپ بھی پیغمبر تھے۔لیکن کہیں سے حسب نسب کے بارے تفصیلات نہیں ملیں۔اسی طرح قرآن پاک کی سورۃ کہف میں ایک صاحب کا ذکر ہے، جن کی ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا۔بخاری شریف میں بھی یہ پورا ذکر ہے اور وہاں آپ کو حضرت خضرؑ کہا گیا۔روایت ہے کہ آپ اسی دنیا پر زندہ ہیں اور روز قیامت تک زندہ رہیں گے۔اور کچھ لوگوں کو اب بھی ملتے ہیں اسی طرح قرآن پاک میں فرعون کے دربار میں ایک صاحب کے بارے ذکر ہے کہ انہوں نے اپنا دین اور ایمان پوشیدگی میں رکھا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا۔ایک اور صاحب کا حضرت سلیمانؑ کے درباری ہونے کا ذکر ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان پر اس طرح حاوی کیا ہوا تھا کہ آنکھ جھپکنے کے وقت کے اندر ملکہ سبا کا تخت ہزاروں میل سے لاکر حضرت سلیمان کے دربار میں پیش کر دیا۔فرعون کے اس درباری کو کچھ تاریخوں میں حزقیل نجار کا نام دیا گیا ہے اور حضرت سلیمانؑ کے درباری کو آصف برخیا کا نام۔حضور پاکؐ محمدؐ مصطفٰے کے اباواجداد ہمیشہ دین حنیف کے پیروکار رہے۔اس سلسلہ میں آگے بیانات آئیں گے۔

زمان و مکان: اوپر والے بیان میں مقصد صراط مستقیم کی نشاندہی ہی تھی۔اور حضور پاکؐ کی بعثت سے پہلے قافلہ حق کا ذکر اختصار سے کر دیا گیا ہے۔قرآن پاک میں یہ تمام ذکر تمثیلی اور عبرت پکڑنے کے لئے ہے۔اور حضور پاکؐ نے بھی اپنی احادیث مبارکہ میں ذکر کیا تو اکثر ایسے ہی کیا جیسے ذکر قرآن پاک میں ہے۔یہ پیغمبر جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے مکان کے پہلو تھوڑا آگے جا کر بیان کریں گے۔زمان کے لحاظ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کی عمر نو سو چھتیس برس تھی۔علاوہ ازیں حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرن یعنی ایک ہزار سال کا زمانہ حائل ہے۔حضرت نوحؑ کی عمر نو سو پچاس سال بتائی جاتی ہے۔اور اسی طرح حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان بھی دس قرن۔اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان بھی دس قرن ہیں۔ابن سعد کے مطابق ان تمام واقعات کے راوی تابعین میں سے جناب عکرمہؓ ہیں۔جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔اور ان روایات میں یہ تفصیل نہیں کہ جناب عکرمہؓ نے یہ سب کچھ کس سے سنا۔بہرحال یہ بیانات کسی احادیث مبارکہ کا حصہ نہیں۔اسی لئے ان پر شک کی گنجائش ہے۔خاص کر میعاد کے بارے اور اس سلسلہ میں مزید وضاحت آگے آتی ہے۔یہ بھی روایت ہے کہ معلوم نہیں کتنے حضرت آدمؑ ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ سے پہلے بھی ہوئے (واللہ اعلم بالصواب)

ابن عباسؓ کی روایت: آگے ابن عباسؓ خود راوی ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے یہ کچھ حضور پاکؐ سے سنا۔روایت

یہ ہے: ۔ حضرت موسیٰؑ بن عمران اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے درمیانی عہد میں بنی اسرائیل میں ایک ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے ۔ اور درمیان میں وقفہ ایک ہزار نو سو سال کا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور حضور پاک محمد مصطفیٰؐ کی ولادت کے درمیان پانچسو انہتر برس کا فرق ہے ۔ خود حضرت عیسیٰؑ تقریباً تیس سال زندہ رہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی زمانے کے بارے قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ "وہ واقعہ یاد کر جب ہم نے ان کے پاس دو شخص بھیجے تو انہوں نے ان کی بھی تکذیب کی ۔ آخر ہم نے تیسرے سے ان کو غلبہ دیا" ۔ قرآن پاک کے لفظ "ارسلنا" کی وجہ سے لوگوں نے ان تینوں بھیجے گئے صاحبان کو پیغمبر تسلیم کر لیا ہے ۔ دراصل یہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواری تھے ۔ اور تیسرے جن کی بدولت غلبہ ہوا وہ جناب شمعونؒ تھے ۔ ویسے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی تعداد بارہ ہے ۔ اور جب آخری حواری فوت ہوا تو اس وقت سے حضور پاکؐ کی ولادت تک کا عرصہ چار سو چوتیس سال بنتا ہے ۔

تبصرہ: گزارش ہو چکی ہے کہ اوپر بیان شدہ اکثر باتیں احادیث مبارکہ کا حصہ نہیں ہیں ۔ لیکن ان واقعات کو مکمل طور پر غلط بھی نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ ظاہر ہے کہ اسلام دین فطرت ہونے کی وجہ سے تاریخ یا واقعات کے بامقصد مطالعہ کی اجازت دیتا ہے کہ ان واقعات سے سبق سیکھیں ۔ اسلام کے لحاظ سے حسب نسب کو پہچان کی حد تک استعمال کیا گیا اور اچھے نسب سے ہونا انعام خداوندی ہے کہ اچھے حالات میں پرورش پائی اور خاندانی طور پر بزرگوں کی اچھی مثالیں موجود ہیں ۔ اس سلسلہ میں پانچویں باب اور تنتیسویں باب میں بھی کچھ وضاحتیں ہیں ۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بڑا ہے جو کردار میں بڑا ہو ۔ ہم یقین کے ساتھ کسی حسب نسب کو صحیح نہ کہیں گے کہ اس سلسلہ میں مزید وضاحت اور حضور پاک کا فرمان چوتھے باب میں آئے گا ۔ اسی طرح جو عرصہ یا زماں کا پہلو ہے وہ بھی یقینی نہیں ۔ کئی لوگوں نے دس قرنوں کو طرز بیان ہی کہا ہے کہ مطلب بہت سی قرنیں ہیں ۔ بہر حال اگر اس عرصہ کو صحیح مان لیا جائے تو ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ آج سے صرف چھ سات ہزار سال پہلے ہو گزرے ہیں ۔ موجودہ سائنس کے لحاظ سے کئی ہزار سالوں سے مخلوق اس دنیا پر آباد ہے ۔ تو یہ روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ سے پہلے کئی حضرت آدمؑ ہو گزرے اور فرشتوں کو کچھ آگاہی تھی کہ انسان زمین پر فساد کرتے ہیں ۔ اور ان لوگوں نے کوئی فساد وغیرہ کئے اور مٹ گئے ۔ اور یہ عاجز حضرت آدمؑ کے زمین پر خلیفہ بننے پر فرشتوں کے رد عمل کا ذکر کر چکا ہے ۔

برصغیر ہندو پاکستان: ابن عباسؓ کے لحاظ سے پیغمبر اور خطوں میں مبعوث ہوتے رہے ۔ اس سلسلے میں مہاتما بدھ کے ذوالکفل ہونے یا نہ ہونے پر تبصرہ ہو چکا ہے ۔ مرزا غلام کذاب کے لحاظ سے اس خطہ میں ہندوؤں کے اوتار رام چندر اور کرشن بھی پیغمبر تھے ۔ اب ان دونوں نے نہ کوئی فلسفہ دیا نہ درایت اور دونوں چونکہ بت پرستی کا مظہر ہیں اور ان کے پیروکار ایک خدا کے کئی دیوتا شریک بنائے ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ پیغمبر نہیں ہو سکتے ۔ اور رام چندر تو کوئی افسانوی شخصیت ہیں ۔ ویدوں کو بھی کچھ لوگوں نے الہامی کتابیں کہا کہ ان میں کچھ اچھی اور اونچی قسم کی باتیں ہیں ۔ لیکن اکثر باتوں میں مادیت کی طرف جھکاؤ ہے ۔ شاستر تو ویسے بھی ہنر کی کتابیں ہیں اور ان کو الہامی کتاب نہیں کہا جا سکتا ۔ اسی طرح رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں بھی افسانہ زیادہ ہیں اور ان میں حقیقت کم ہے ۔ ۔ مہابھارت کی باتیں پڑھ کر تو ہنسی بھی آتی ہے ۔ بھگوت گیتا البتہ بڑی علمی کتاب ہے اور

منو سمرتی کا ذات پات کے طریقے کا رائج کرنا شاید اس خطے کی آب وہوا اور جغرافیائی ضرورت تھی جو بعد میں حد سے گذر گئی ۔ اور زراعت پیشہ ملک کا سہارا بیل تھا تو گائے گئو ماتا بن گئی ۔ ویسے ہندوازم کوئی مذہب نہیں ۔ یہ معاشرے میں رہنے اور سماج کا ایک طریق کار ہے ۔ اور عقائد الگ الگ ہوں تو پھر بھی آدمی معاشرہ میں شامل رہ سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں دیوتا اور بتوں کی بھرمار ہے اور کوئی رام یا کرشن کی پوجا کرتا ہے تو کوئی شیو، درگا کی، کوئی اندر کی پوجا کرتا ہے تو کچھ لوگ کالی دیوی کی پوجا بھی کرتے ہیں، سناتن دھرم والے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور آریہ سماج والے بت نہیں پوجتے ۔ معلوم نہیں کتنے دھرم ہیں اور کتنے سماج ۔ بہرحال جو کوئی بھی باہر سے آیا ہندوؤں کا معاشرہ ایسا تھا کہ انہوں نے دھرتی میری ماں کے فلسفہ کے تحت غیروں کو اپنے اندر جذب کرلیا ۔ صرف مسلمان کچھ بچ گئے ۔ لیکن اب پاکستان میں ہم نے بھی "پاک سرزمین شاد باد" اور دھرتی یا سوہنی دھرتی کی پوجا شروع کردی ہے ۔

ہندوؤں کے بارے اس عاجز کے ذاتی مشاہدات بھی ہیں ۔ اور البیرونی کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ۔ البیرونی خود حیران ہے کہ ہندوؤں میں کچھ اچھی باتیں بھی ہیں لیکن بری اتنی ہیں کہ انسان سوچنے لگتا ہے کہ یہ کیسی کھچڑی ہے ۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ہندو بھی کبھی صراط مستقیم پر تھے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کا فلسفہ زنگ آلود ہو چکا ہے ۔ اور ہر جگہ یہی حالت تھی تو نبی آخر الزمان ؐ کے مبعوث ہونے کا وقت آگیا تھا کہ وہ امت واحدہ کا تصور دیں ۔

تاریخی پہلو: امت واحدہ کے تصور اور دین فطرت کے تب و تاب کے ساتھ سامنے آنے سے پہلے ان سب انبیاء کرام کی زندگی کا مختصر خاکہ پیش کرنا ضروری ہے تاکہ صراط مستقیم کی نشاندہی کی جائے ۔ اور روز ازل سے کارواں حق کے رواں دواں ہونے کے واقعات کے تاریخی تانے بانے کچھ مل جائیں ۔

حضرت آدم ؑ: آپ انسانیت کے جد امجد ہیں ۔ ہم روز ازل "الست بربکم" پیغمبروں کے وعدہ، حضرت آدم ؑ کی تخلیق اور بہشت سے دیس نکالے کے پہلو کا مختصر جائزہ پیش کر چکے ہیں ۔ روایت ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد دو سو برس تک آپ میں اور حضرت حوا میں جدائی رہی ۔ پھر اکٹھے ہوئے ۔ اولاد ہوئی جن میں ایک بیٹا قابیل اور جڑواں بہن لبود پیدا ہوئے ۔ اور بعد میں ہابیل اور ان کی جڑواں بہن اقلیما پیدا ہوئے ۔ قابیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور قرآن کے مطابق اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا کہ وہ اس کی جڑواں بہن لبود کے ساتھ شادی نہ کرسکے اور قابیل خود اس کے ساتھ شادی کرے ۔ حضرت آدم ؑ نے قابیل کو الگ کر دیا اور اس نے برے دن گزارے اور اپنی اولاد کے ایک اندھے بیٹے کے ہاتھوں پتھر لگنے سے مر گیا ۔ حضرت آدم ؑ کے ہاں البتہ ایک نیک بیٹے بھی پیدا ہوئے جن کو حضرت شیث ؑ کہتے ہیں اور انکا ذکر ہو چکا ہے ۔ حضرت آدم ؑ نے حکم دیا کہ حضرت شیث ؑ کی اولاد قابیل کی اولاد سے الگ رہے کہ قابیل کی اولاد میں برائی پھیل چکی تھی ۔ روایت ہے کہ جب حضرت آدم ؑ نے وفات پائی تو آپ کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار ہو چکی تھی ۔ حضرت آدم ؑ کی پیدائش، زمین پر اترنا اور وفات تینوں باتیں جمعہ کے دن ہوئیں ۔

حضرت ادریس: ابن عباس ؓ کے مطابق حضرت آدم ؑ کے بعد پہلے پیغمبر مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس ؑ ہی تھے ۔ آپ کو خنوخ بھی کہتے ہیں اور شجرہ نسب میں ایسا ذکر ہو چکا ہے ۔ ایک دن آپ کے جتنے اعمال حسنہ جناب الٰہی میں صعود کرتے تھے

کہ باقی نبی آدم جو آپ کے زمانے میں تھے ان سب کے اعمال حسنہ اتنے نہ ہوتے تھے ۔ ابلیس نے اس پر حسد کیا اور ان کی قوم کو آپ کی نافرمانی پر اکسایا ۔ اور اسطرح حق و باطل کی ٹکر ہوتی رہی اور حضرت ادریسؑ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے رہے ۔

حضرت نوحؑ : ابن عباسؓ کے مطابق حضرت نوحؑ کے والد لمک کی عمر بیاسی برس تھی جب کہ حضرت نوحؑ پیدا ہوئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لمک اس کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہے کہ حضرت نوحؑ چار سو اسی برس کے تھے کہ آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ۔ اس کے بعد آپ ایک سو بیس سال دعوت حق دے کر صراط مستقیم کی نشاندہی کرتے رہے لیکن زیادہ لوگ گمراہ ہی رہے جس کی وجہ سے طوفان نوح آیا ۔ اس میں سزا بھی مقصود تھی اور اللہ تعالیٰ کو دنیا کے رنگ و روپ کو تبدیل کر کے ایک دفعہ نئے سرے سے صراط مستقیم والوں سے دنیا پر خیر سے معاملات کو شروع کرنا مقصود تھا ۔ جب طوفان آیا حضرت نوحؑ کی عمر چھ سو سال تھی ۔ اس طوفان کے بعد بچے ہوئے مسلمانوں یا دین حنیف والوں کے ساتھ حضرت نوحؑ نے اس دنیا کو از سر نو آباد کیا اور مزید ساڑھے تین سو سال زندہ رہے ۔ آپکی ایک بیوی اور بیٹا کنعان جو گمراہ تھے ، اس طوفان میں غرق ہوئے ۔

طوفان نوحؑ : طوفان اور حضرت نوحؑ کی کشتی کا ذکر قرآن پاک میں اکثر ہے خاص کر وہ دعا بسم اللہ مجرھیا و مرسھا ان ربی لغفور الرحیم جو حضرت نوحؑ نے کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھی ۔ قرون اولیٰ میں مسلمان ہر سواری پر چڑھتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے ۔ اور اب زیادہ پڑھنی چاہیئے ۔ کہ مشینوں کا زمانہ آگیا ہے اور ہمارے ایک بزرگ ان کو " شیطانی چرخہ " کا نام دیئے ہوئے ہیں ۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو طوفان کے بارے میں آگاہ کیا اور اللہ کے حکم کے تحت آپ نے ایک کشتی بنوائی جو تین سو ہاتھ لمبی ، پچاس ہاتھ چوڑی ، اور تیس ہاتھ اونچی تھی ۔ ہاتھ کا پیمانہ اس زمانے کے قد و بت کے مطابق تھا تو لوگوں کا جسم بھی اتنا ہی بڑا ہوگا ۔ اسلیئے نسبت وہی رہتی ہے ۔ ویسے کشتی بند تھی اور اسکے تین دروازے تھے جو کھولے اور بند کیئے جا سکتے تھے ۔ کشتی کی ساخت ایسی تھی کہ وہ پانی کی سطح سے چھ ہاتھ اوپر تیر سکتی تھی ۔ کشتی میں حضرت شیثؑ کی اولاد سے تہتر افراد تھے جن میں سے سات حضرت نوحؑ سمیت آپ کے اہل خانہ تھے ۔ حیوانات سے بھی ایک ایک جوڑا تھا ۔ یعنی چرند و پرند جن کو اللہ تعالیٰ نے بچانا تھا انہوں نے خود آکر بروقت کشتی میں پناہ لے لی ۔

روایت ہے کہ اس طوفان کی وجہ سے بلند سے بلند پہاڑ پر بھی پندرہ ہاتھ پانی چڑھ گیا تو یہ بالکل ممکن ہے کہ اس وقت ہماری زمین کی یہ شکل نہ ہو ۔ طوفان نوح کے وقت پانی صرف آسمان سے نہ برسا بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے چشمے بھی کھول دیئے ۔ ارشاد ربانی ہے ۔ " ہم نے لگاتار پانی کی جھڑی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کے سوتے (چشمے) جاری کر دیئے ۔ تو پانی ایک حکم پر جس کا اندازہ ہو چکا تھا پہنچ کے مل گیا ۔ " یعنی پانی کے دو حصے تھے ۔ آدھا پانی آسمان سے اور آدھا زمین سے ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زمین کے سمندروں ، خشکی یا پہاڑوں کی موجودہ شکل طوفان نوح کے بعد بنی ۔ اور اب صرف زمین کے پانی سے بارشیں ہوتی ہیں ۔ طوفان نوح سے پہلے صرف سری لنکا ، ہندوستان اور جزیرہ نمائے عرب کا ذکر آتا ہے ۔ اور طوفان نوح کے بعد اور ممالک کا ذکر بھی آتا ہے ۔ یہ ممالک پہلے موجود تھے یا طوفان کے بعد یہ شکل اختیار کی ، اس سلسلہ میں حتمی رائے دینا مشکل ہے ۔

طوفان کی مزید وضاحت : روایت ہے کہ چالیس دن تک لگاتار بارش برستی رہی ۔ اور یہ چالیس دن شامل کر کے

حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی لگاتار تقریباً چھ ماہ کشتی میں سوار رہے اور کشتی پانی پر تیرتی رہی ۔ روایت ہے کہ حضرت نوحؑ گیارہ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے اور دس محرم کو خشکی پر اترے کہ اسی وجہ سے دس محرم یا عاشورہ کو اب بھی ہم روزہ رکھتے ہیں ۔ کشتی والوں کی تعداد بھی تقریباً بہتر بتائی جاتی ہے اور اسی روز امام حسینؓ نے اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ عظیم قربانی دے کر اسلامی فلسفہ حیات پر عمل پیرا ہونے کا عملی نمونہ پیش کیا ۔ یہ بھی روایت ہے کہ طوفان کے دوران کشتی نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کا طواف بھی کیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

طوفان تھم گیا: روایت ہے کہ کشتی مکہ مکرمہ سمیت مختلف مقامات کا چکر لگاتی رہی اور آخر میں موجودہ عراق میں موصل کے نزدیک جودی پہاڑی پر رک گئی ۔ اس پہاڑی علاقے کی شکل وصورت ہمارے کوہستان نمک کی سطح مرتفع یا پہاڑیوں سے ملتی جلتی ہے ۔ کہ بغداد وغیرہ اور ہرات سے ہوتے ہوئے جب علوی قبائل محمود غزنویؒ کے لشکر کے ساتھ کوہستان نمک آئے تو انہوں نے اس علاقے کی پہاڑیوں کو بھی جودی پہاڑیوں کا نام دیا ۔ موجودہ اعوان قبائل انہی علوی لشکریوں کی اولاد سے ہیں ۔ جن کو محمود غزنوی نے سب سے پہلے مغربی کوہستان نمک کی وادی سون سکسیر میں آباد کیا ۔ اور مورخین نے بعد میں اس علاقے کے لوگوں کو جودہ قبائل اور جنجوعہ قبائل کا مسکن کہہ دیا ۔ علاوہ کچھ پیشنگوئیاں بھی ہیں کہ ان علاقوں کے لوگ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں عظیم خدمت سرانجام دیں گے ۔ ممکن ہے ایسا ہو چکا ہو کہ اس خطہ کے عظیم مجاہد محمود غزنویؒ نے اپنی فوجی حکمت عملی کو اس علاقے میں اسلام پھیلانے کے بعد آگے بڑھایا ۔ بہرحال جیسے ہی حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑی پر رکی تو سب لوگ نیچے اترے اور ہر شخص نے اپنے لئے وہاں ایک گھر بنایا کہ جگہ کا نام بھی "سوق الثمانین" یعنی اسی آدمیوں کے گھر پڑ گیا ۔ لیکن جب وہاں کی آبادی بڑھی تو لوگ آکر بابل میں آباد ہوگئے ۔ بابل کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ وہاں آج بھی پرانے کھنڈرات موجود ہیں ۔ اور یہ عراق میں ہے

اولاد نوحؑ: حضرت نوحؑ کے چار بیٹے تھے ۔ کنعان تو حالت کفر میں طوفان کی نظر ہو گیا ۔ باقی تین سام، حام اور یافث تھے پیغمبر زیادہ تر سام کی اولاد سے ہیں اور جیسا کہ شجرہ ونسب میں واضح کیا گیا حضرت ابراہیمؑ بھی انہی کی اولاد سے تھے ۔ حام کی اولاد بابل سے نکل کر ملک شام اور جزیرہ نما عرب میں بھی پھیلی ۔ حام کی کچھ اولاد تو عراق ہی میں رہ گئی کہ نمرود کا فر اسی کی اولاد سے تھا ۔ اور کچھ جاکر مصر میں آباد ہوئی ۔ کہ مصر جس کے نام پر ملک مصر ہے حام کے بیٹے بسر کا بیٹا تھا ۔ بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ باقی سارے افریقہ میں لوگ بسر کے دوسرے بیٹے فریق کی اولاد سے ہیں اور افریقہ کے نام کی وجہ تسمیہ بھی فریق ہی ہے ۔ البتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حام کی جو اولاد بابل میں تھی ان سے کوئی بڑا قبیلہ بھی جاکر مصر میں آباد ہو گیا اور موجودہ قاہرہ کے نزدیک جو ہماری تاریخوں میں باب الیون کے شہر کا ذکر آتا ہے یہ شہر انہی لوگوں نے آباد کیا ۔ کہ اہل روم کے حوالے سے اہل یورپ نے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ اس شہر کو بھی بابل ہی کہتے ہیں یا دوسرا بابل ۔ راقم نے اپنی کتاب خلفاء راشدین کی تیسری جلد میں، اس پہلو کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ علاوہ ابن سعد میں پرانے قبائل کا جو ذکر ہے تو اس میں قوم عاد و قوم ثمود اور عرب کے کئی قبائل سام ہی کی اولاد سے ہیں ۔ بلکہ محمد بن السائب کے مطابق ہندوستانی اور سندھی (پاکستانی) بھی سام کی اولاد سے ہیں ۔

تبصرہ: شمالی ہندوستان کے لوگوں کے لئے تو یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن جنوبی ہند کے دراوڑ شاید سام کی اولاد سے نہ ہوں بہرحال یہ نکتہ وضاحت چاہتا ہے کہ موجودہ تاریخوں میں جو بابل اور مصر کی تہذیبوں کا ذکر ہے یا ہمارے ملک میں ٹیکسلا، ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی تہذیبوں کا ذکر ہے کیا یہ لوگ حضرت نوحؑ سے پہلے ہوئے یا بعد؟ دونوں صورتوں میں ایک ہزار سال کے وقفے میں اتنی بڑی تہذیبوں کا پنپنا کچھ مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے جو پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ یا تو زمان کا حساب ٹھیک نہیں۔ یا پیغمبروں میں وقفے ضرور زیادہ تھے اور یا ہمارے جدامجد حضرت آدمؑ سے پہلے کئی آدم ہونے والی بات صحیح ہے۔ بارھویں صدی عیسوی کے ہمارے عظیم فلاسفر و بزرگ ابن عربیؒ نے اپنے مکاشفات میں زمان و مکان اور پرانے لوگوں کے بارے کافی کچھ کہا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آجکل ان کی تحریروں پر یورپ اور امریکہ میں تحقیق ہو رہی ہے۔ شاید ایسی تحقیقات حالات کے تانے بانے بہتر طور پر ملا سکیں۔

زبانیں: ہماری پرانی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانے تک ساری دنیا یا لوگوں کی ایک زبان تھی۔ اور حضرت نوحؑ کی اولاد کے پھیل جانے کے بعد دنیا کے خطوں میں الگ الگ زبانیں رائج ہو گئیں۔ یہ بڑی عملی مثال ہے۔ انسان جب کسی علاقے میں محدود ہو جاتا ہے تو نہ صرف اس کی زبان ساتھ والے محدود علاقے سے مختلف ہو جاتی ہے بلکہ لوگوں کے رنگ و روپ بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ افغان اور ہم ہزاروں سال ایک رہے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال سے الگ الگ ہوئے تو ہمارے رنگ و روپ میں فرق پڑ گیا۔ بھارت کے ساتھ ہماری چالیس سال کی علیحدگی نے اثرات دکھائے۔ پاکستانی دن بدن دنیا کی خوبصورت ترین قوموں میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اور بھارت والے جو کچھ پہلے تھے اس سے کمتر ہوتے جاتے ہیں۔

ایک کہانی یا افسانہ: بابل کی تہذیب کے ساتھ ایک کہانی وابستہ ہے کہ ان لوگوں نے ایک مینار بنانا شروع کر دیا کہ اس پر چڑھ کر آسمانوں پر واپس چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو جب فرشتوں نے ان کے ان ارادوں کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی زبانیں الگ الگ کر دی جائیں۔ تو ان میں تفرقہ پڑ جائے گا اور خود بخود اس کام سے باز آجائیں گے اور پھر ایسے ہی ہوا۔

سبق آموز: کہانی بہت سبق آموز ہے اور اس میں فلسفہ بھی ہے۔ مشرقی پاکستان اور ہماری الگ الگ زبان ہو جانے کے بعد ہمیں ملک بھی بانٹنا پڑا۔ اور اب مغربی پاکستان میں زبان یا طبقاتی تقسیم کے چکروں میں پڑ کر ہم اس ملک کو بھی بانٹنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس پہلو کو خوب سمجھتے تھے کہ حکم دیا۔ جہاں جائیں زبان عربی کر دیں۔ راقم نے اپنی خلفاء راشدین کی تیسری اور چوتھی کتاب میں اس فلسفہ پر بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ کہ جس طرح اہل مصر اور افریقہ والوں نے حضرت عمرؓ کی بات مانی اسی طرح ایران والے بھی مان جاتے تو آج ہم سب مسلمان ہونے کے علاوہ "عرب" بھی ہوتے۔ اور اس وقت نہیں تو جب ہم نے اللہ اور رسولؐ کے نام پر یہ ملک بنایا تھا تو اپنی زبان کو عربی کر دیتے۔ فرمایا حضور پاکؐ نے "پسند کرو عربی کو کہ قرآن پاک کی زبان ہے، اہل جنت کی زبان ہے اور میری زبان ہے"۔ حج کے موقع پر اس عاجز کے پاس سب سے بڑا ہتھیار میری ٹوٹی پھوٹی عربی تھی۔ اور بڑی ندامت ہوئی کہ انگریزی کی طرح عربی پر عبور کیوں نہ حاصل کیا۔ اور اب بھی اللہ کے ہاں عرض ہے کہ مجھے عربی زبان پر عبور دے اور پاکستان کی زبان عربی بنا دے۔

بہر حال ہم مضمون کی طرف واپس آتے ہیں اور ہمارے مؤرخین ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے طلوع کے وقت حضرت نوحؑ کی اولاد بہت پھیل چکی تھی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور زبان کے سلسلہ میں یہ حال ہو چکا تھا کہ سام اور حام میں سے ہر ایک کی اولاد کے لئے تقریباً اٹھارہ اٹھارہ مختلف زبانیں ہو چکی تھیں۔ اور یافث اکیلے کی اولاد کی تقریباً چھتیس زبانیں بن چکی تھیں ہمارے آقاؐ نے جہاں امت واحدہ کا تصور دیا تو آپؐ کے غلام جناب عمرؓ نے اہل حق کی زبان بھی ایک کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب موجودہ آغا خان کے دادا سلطان احمد آغا خان مرحوم نے اہل پاکستان کو ۱۹۵۰ء میں عربی زبان اپنانے اور پہلے سو سال کے اسلام کی طرف واپسی کا مشورہ دیا تو بات سنی ان سنی ہو گئی۔ لیکن راقم تو اس کتاب کے لکھنے میں ان دونوں مقاصد کو سامنے رکھے ہوئے ہے۔ کہ امت میں ہر طرح کی وحدت ہو۔

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام اقبالؒ

حضرت ابراہیمؑ : حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ نسب میں آپ کے والد کا نام تارح لکھا گیا۔ لیکن قرآن پاک میں آذر کو آپ کا والد کہا گیا ہے۔ اس عاجز کی تحقیق یہ ہے کہ پیغمبر کا والد کافر نہیں ہو سکتا۔ امام جعفر صادقؒ اپنے والد امام محمد باقرؒ سے اور وہ اپنے والد امام زین العابدینؒ سے اور وہ امام حسینؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ وہ طہارت سے نکلے ہیں۔ یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر حضور پاکؐ کے ماں باپ تک جس سلسلہ نے نور محمدی کو پشت در پشت منتقل کیا وہ سب طاہر یعنی پاک تھے۔ اس لئے بیچ میں کوئی کافر کیسے آئے۔ بد قسمتی سے کئی لوگوں نے حضور پاکؐ کے عظیم والدین کے لئے بھی عجیب و غریب الفاظ استعمال کئے جس کا ذکر بعد میں ہو گا۔ لیکن یہاں ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ آذر، حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ اور عرب میں چچا کو باپ کہنا عام ہے۔ قرآن پاک میں حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں کو جہاں اپنے ابا کے معبود کی عبادت کا حکم دیتے ہیں وہاں آبا میں حضرت ابراہیمؑ، اپنے دادا اور حضرت اسحاقؑ کے والد کے علاوہ حضرت اسماعیلؑ اپنے چچا کو بھی اپنے آبا میں شمار کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عرب رواج میں چچی کو بھی ماں کہتے ہیں۔ آگے بیسویں باب میں حنین کی جنگ کے دوران ذکر آئے گا کہ حضور پاکؐ کے چچیرے بھائی ابو سفیانؓ بن حارث جب حضور پاکؐ کی رکاب پکڑتے ہیں اور حضور پاکؐ ان سے پوچھتے ہیں " کون ہو ؟ " تو ابو سفیانؓ عرض کرتا ہے " میں یارسول اللہؐ۔ آپؐ کی ماں کا بیٹا " اور ہمارے علاقے میں علوی اور قریش قبائل میں اب بھی یہ الفاظ رائج ہیں۔ اور مری کے علاقے کے عباسی بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ایک خاص پہلو بھی ہے۔ ہم ہر نماز کے بعد جب التحیات بیٹھتے ہیں تو آخر میں قرآن پاک میں دی گئی دعا " رب جعلنی مقیم الصلوۃ ـــــــ پڑھتے ہیں جس میں اپنے ماں باپ کی مغفرت کی دعا بھی ہے۔ یہ دعا ہم اپنے جد امجد اور دین حنیف والے حضرت ابراہیمؑ سے سیکھے ہوئے طریقے سے مانگتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ دعا سکھلائی تو کیسے ان کے ماں باپ کی بخشش نہ کرے گا۔ ہمارے عظیم علماء اور بزرگوں نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیقات کیں جن سب کا ذکر معاملات کو لمبا کر دے گا۔ ان سب نے اور خاص کر امام سیوطیؒ نے امام ابن المنصورؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ اور حضرت سلیمانؑ بن حرو کی ایک روایت لکھی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر آگ گلزار ہو گئی تو آپ کے چچا آذر نے کہا " کہ کس نے اس آگ کو دفعہ کیا " ۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر

آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ سب جائزہ پیش کرنے میں مقصد یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والدین دین حنیف کے پیروکار تھے۔ یہی چیز آگے ہمارے آقاؐ کے والدین کے بارے میں پیش کی جائیگی۔

حضرت ابراہیمؑ اور جغرافیہ: (نقشہ دوم سے استفادہ کریں) ابن السائب الکلبی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد شہر حران (موجودہ عراق) کے باشندے تھے۔ اور پھر ایک سال قحط پڑا تو آپ نے ہرمز گرد (موجودہ ایران) کے علاقے میں ہجرت کی ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ نونا بھی تھیں۔ محمد بن عمر الاشلمی کے مطابق البتہ محترمہ کا نام ابنونا تھا۔ بہرحال آپ بھی سام بن نوحؑ کی اولاد سے تھیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہرمز گرد میں پیدا ہوئے لیکن بعد میں ہجرت کر کے کوثی کے مقام پر آگئے جہاں حضرت ابراہیمؑ کے نانا کرتبا نے بابل کے بادشاہ کے حکم پر نہر کوثی کھودی تھی۔ آپ کے چچا آذر بعد میں بابل کے بادشاہ نمرود کے بتوں اور دیوی دیوتا کی رکھوالی پر مامور ہو گئے۔ اس سے آگے ہم قرآن پاک کے حوالے دیں گے کہ بادشاہ (نمرود) حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بحث میں کس طرح بھچکا ہوا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ "میرا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر طاقت رکھتا ہے تو سورج کو مغرب سے نکال"۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے بہت کچھ ہے اور بادشاہ کے حضرت ابراہیمؑ کو قید کرنے یا جلادینے کی کوشش کے بارے بھی ذکر ہے۔ بہرحال آگ پر حضرت ابراہیمؑ نے قرآن پاک میں بیان شدہ مشہور دعا "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" پڑھی۔ اور آگ گل وگلزار ہو گئی۔ یہ دعا امت محمدیہؐ میں آج بھی جاری وساری ہے۔ اور کوثی کا مقام بھی مسلمانوں کے لئے متبرک ہے۔ راقم نے اپنی خلفاء راشدین کی کتاب اول میں تفصیل بیان کی ہے کہ کس طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں قادسیہ کی جنگ کے بعد جب جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن کی طرف پیش قدمی کی تو بابل کے بعد اور سباط سے پہلے کوثی کا مقام آیا۔ مسلمانوں نے اس جگہ رک کر وہ تمام مقامات دیکھے جہاں پر جناب ابراہیمؑ قدم رنجہ فرما چکے تھے اور حضرت ابراہیمؑ پر درود و سلام بھی بھیجا۔ اور ساتھ ہی اپنے آقا حضور پاکؐ پر بھی درود و سلام بھیجا۔ کہ جب تک سرکار دوعالمؐ پر درود و سلام نہ بھیجا جائے، درود و سلام مکمل نہیں ہوتا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس مقام کی زیارت سے مجاہدین کو بڑی روحانی تسکین ہوئی۔

ابن عباسؓ کے مطابق اوپر بیان شدہ واقعہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کی کوشش کی ناکامی کے بعد، حضرت ابراہیمؑ نے حران کے مقام کے نزدیک دریائے فرات کو عبور کیا اور ملک شام (موجودہ سیریا) چلے گئے کہ اس زمانے میں ان علاقوں کو کنعان کہتے تھے۔ یہ نام حام بن نوحؑ کے ایک بیٹے کنعان کی وجہ سے پڑا نہ کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے کنعان کی وجہ سے جو طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ ان کنعان کی اولاد کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک چچا شویل بن ناحور بھی وہاں آباد تھے۔ ان کی ایک بیٹی سائرہ نے اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نکاح کے لئے پیش کر دیا۔ جو آپ نے منظور فرمایا۔ (یہودی اور عیسائی آپ کو سارہ کہتے ہیں) اور جناب سائرہ آپ کے ساتھ ہو گئیں۔ آپ کی عمر اس وقت پینتیس برس تھی اور وہاں سے آپ موجودہ اردن میں گئے جہاں آپ کے بھائی هاران رہتے تھے۔ یہ جگہ وادی یرموک سے نزدیک ہے اور جبل هاران انہی کے نام سے ہے۔ انہی کے بیٹے حضرت لوطؑ بھی پیغمبر ہوئے جن کا نسب میں ذکر ہو چکا ہے۔

اردن سے حضرت ابراہیمؑ مصر گئے اور مشرق سے جنوب کی طرف وہی راستہ اختیار کیا جو جناب عمرؓو بن عاص نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں باب الیون کی فتح کے لیے کیا تھا (جس کی تفصیل راقم کی کتاب خلفاء راشدین حصہ سوم میں ہے) باب الیون، عین شمس اور مصر اس علاقے کے پرانے شہر ہیں اور آج اسی جگہ پر قاہرہ شہر اور فسطاط کی چھاؤنی ہے اس کے علاوہ اسی علاقے میں دریائے نیل کے مغربی کنارے پر منف کا شہر ہے جسے حضرت نوحؑ کے پڑپوتے مصر نے آباد کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا باب الیون تک جانا تو ثابت ہے لیکن منف کے بارے کچھ پکا نہیں کہہ سکتے کہ وہ ملک کا دارالحکومت تھا یا باب الیون۔ مصر میں اس زمانے میں گمراہ لوگوں کی بادشاہی تھی جو بے دین ہو چکے تھے۔ عین شمس جس کو اہل یورپ ھیلوپولس کہتے ہیں ان لوگوں نے آباد کیا تھا جنہوں نے حضرت ہاجرہؓ کے خاندان سے حکومت چھینی تھی اور اس شہر میں سورج کی پرستش کرتے رہے۔ حضرت ہاجرہؓ، مصر کی قبطی قوم سے تھیں جو حضرت نوحؑ کے پڑپوتے مصر کی اولاد تھے اور ان دنوں میں بادشاہ کی ایک باجگزار قوم بنے ہوئے تھے بادشاہ وقت نے حضرت ہاجرہؓ کو حضرت ابراہیمؑ کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔ جنہوں نے ان سے نکاح کر لیا۔ حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو اسی وجہ سے قبطی قوم کے ساتھ بہتر سلوک کے لیے ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی فرما گئے کہ قبطی قوم جلد اسلام کی طرف مائل ہو گی۔ اس لئے مصر آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا اور حضور پاکؐ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

بخاری شریف میں یہ بھی روایت ہے کہ مصر کے کافر بادشاہ نے حضرت سائرہؓ پر دست درازی کرنے کی کوشش کی اور اس کی بری حالت ہو گئی۔ اس خوف اور اپنے ارادہ گناہ کی تلافی کے لیے اس نے جناب ہاجرہؓ کو جناب سائرہؓ کے لیے ایک خادمہ کے طور پر دیا۔ اس چیز کو بھی بعد میں یہودیوں نے بہت اچھالا کہ حضرت اسحاقؑ تو حضرت سائرہؓ کی اولاد تھے اور حضرت اسماعیلؑ حضرت سائرہؓ کی ایک خادمہ کی اولاد سے۔ اس لئے حضرت اسحاقؑ، حضرت اسماعیلؑ سے افضل ہیں۔ ہمارے لئے قرآن پاک کے الفاظ "لا نفرق بین احد" والی بات ہے اور نسب پہچان کے لیے ہے۔ آگے ہر آدمی اپنے کردار کے حساب سے جانچا جائے گا۔ نقشہ دوم میں حضرت ابراہیمؑ کے سفروں کی نشاندہی کی گئی ہے کہ آپ مصر سے واپس شام و فلسطین میں آگئے اور آپ نے موجودہ بیت المقدس کے نزدیک قیام کیا۔ اس جگہ کو اس زمانے میں آور شلم کہتے تھے جسے اہل یورپ نے یروشلم بنا دیا۔

خانہ کعبہ۔ اللہ کا پہلا گھر: ابن سعد کے مطابقؒ خانہ کعبہ کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ پر کی اور مزدلفہ جس کا ذکر ہو چکا ہے وہاں سے آگے بڑھ کر حضرت آدمؑ نے مکہ مکرمہ میں موجودہ حرم شریف کی بنیاد ڈالی۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ طوفان نوحؑ کے اثرات حرم شریف پر بھی ہوئے۔ لیکن پانی پر تیرتے ہوئے اس کشتی نے حرم شریف یا خانہ کعبہ کا طواف بھی کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے مکہ مکرمہ میں آنے کے سلسلہ میں ابن عباسؓ کی روایت کے طور پر پوری کہانی بخاری شریف میں بہت تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مختصراً حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؓ اور اپنے معصوم بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو موجودہ حرم شریف میں چھوڑ گئے۔ یہ ایک قسم کا دیس نکالا تھا کہ حضرت سائرہ سوکن کو دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے راز نرالے ہیں۔ کہ اس نے کیا کر دیا۔ پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہؓ نے صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے اور بیچ میں تیز بھی دوڑیں۔ واپس آئیں تو چشمہ جاری تھا جس کو آپ نے فرمایا۔ زم زم یعنی رک اور یہی نام پڑ گیا۔ حضرت ابراہیمؑ وہاں آتے رہتے تھے اور

حضرت اسماعیلؑ کو بچپن میں اللہ کے نام پر قربان کرنے کے سلسلے کی کہانی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔اور آگے ذکر ہے کہ پانی کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد جرہم قوم کے لوگ بھی مکہ مکرمہ میں آباد ہوگئے اور حضرت اسماعیلؑ نے انہی کے خاندان میں شادی کی۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے خانہ کعبہ کو تعمیر کرنے کا مفصل حال بھی بخاری شریف میں درج ہے۔خانہ کعبہ از خود کے علاوہ مقام ابراہیم۔زمزم کا چشمہ۔صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے نشانات ان تاریخی پہلوؤں کے آج خود گواہ ہیں۔جناب ابو ذر غفاریؓ کی ایک روایت کے مطابق مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی عمارت بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ سے چالیس سال پہلے تعمیر کی گئ مسجد اقصیٰ کے پاس حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو آباد کیا اور وہاں پر جب لوگوں نے آپ کی مخالفت کی تو آپ نے رملہ اور ایلیا کے درمیان بھی ایک مسجد آباد کی۔بہر حال ہم جس نکتہ کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ عمران

کے مطابق اور تاریخی طور پر بھی خانہ کعبہ۔اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہے۔اور بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ البتہ ہم مسجد اقصیٰ کو قبلہ اول اس لئے کہتے ہیں کہ پہلے پہل مسلمان کچھ عرصہ کے لیے مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔اور بعد میں منہ مکہ مکرمہ یعنی خانہ کعبہ کی طرف پھیرنے کا حکم ملا۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد: اب تک حضرت ابراہیمؑ کی دو شادیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر نوے برس کی تھی تو ام المومنینؑ جناب ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔جن کی عمر جب دو برس ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ دونوں ماں بیٹے کو مکہ مکرمہ چھوڑ آئے۔آپکی قربانی کا ذکر ہو چکا ہے اور قرآن پاک میں سورۃ صفٰت میں ہے کہ آپ کو ایک عظیم قربانی کے بدلے بچا لیا گیا۔کچھ مفسرین نے ذبح عظیم کے بارے کہا ہے کہ جنت سے ایک بڑے جسم والا دنبہ آپ کے بدلے قربان ہوا۔اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے اور یہ عاجز دوسرے جائزہ سے متفق ہے۔بہر حال حضرت اسماعیلؑ جب بیس برس کے تھے تو ام المومنین جناب ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔حضرت اسماعیلؑ نے کئ شادیاں کیں اور آپ کے بارہ لڑکے ہوئے۔آپ کے بیٹے قیذر کی اولاد سے حضور پاکؐ اور تمام قریش ہیں۔دما نے دومت الجندل کی بنیاد رکھی وغیرہ۔ علی بن رباحی روایت کرتا ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ سب عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں"۔لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔آگے چوتھے باب میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا تفصیلی ذکر موجود ہے

حضرت اسحاق اور ان کی اولاد: حضرت ابراہیم کے دوسرے مشہور بیٹے حضرت اسحٰق پیغمبر ہیں۔جو حضرت سائرہ کے بطن سے ہیں۔اور اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ بیت المقدس کے علاقے ہی میں رہے۔قرآن پاک میں آپ کا ذکر کثرت سے ہے۔ آپکے بیٹے حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ بھی پیغمبر تھے۔حضرت یوسفؑ کا قصہ قران پاک کی ایک پوری سورۃ میں بیان کیا گیا ہے آپ کو بھی اسی راستے سے بے جا کر عین شمس بیچ دیا گیا جو راستہ تبلیغ کیلیے آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم نے اختیار کیا تھا اور اس کا ذکر ہو چکا ہے (نقشہ دوم سے استفادہ کریں) آگے کہانی سبق آموز بھی ہے اور دلچسپ بھی۔کہ وقت آیا کہ حضرت یوسفؑ عزیز مصر کے وزیر اعظم بن گئے۔اور فیوم شہر آپ ہی نے آباد کیا۔روایت ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے حضرت یوسفؑ کے ستر رشتہ دار آپ کے پاس جا کر مصر میں آباد ہوگئے۔آگے ذکر آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ مصر میں پیدا ہوئے۔تو وہاں

بنو اسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے جو اولاد بڑھی ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اب جو شجرہ نسب ہم ابن سعد کے حوالے سے پیچھے لکھ آئے ہیں۔ اس کے لحاظ سے حضرت موسیٰؑ، حضرت یعقوبؑ کی چوتھی پشت اور حضرت ابراہیمؑ کی چھٹی پشت سے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا چھ پشتوں میں تعداد اتنی ہو سکتی ہے اور دس قرن بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ ہارون رشید، عباسی خلیفہ، حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی آٹھویں پشت سے تھے۔ درمیانی عرصہ تقریباً ڈیڑھ سو سال ہے اور ہارون کے زمانے میں حضرت عباسؓ کی کل اولاد کی تعداد بیس ہزار بنتی تھی۔ خیر ہر زمانے کے حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ہر ایک کی اولاد ایک نسبت سے نہیں بڑھتی لیکن اتنا فرق نہیں ہو سکتا۔ تو ہمیں عرصے اور تعداد میں سے یا شجرہ نسب میں سے کسی ایک پہ شک ضرور پڑتا ہے۔ اور اس عاجز کا یہ جائزہ اور زیادہ تحقیق طلب ہے کہ پرانے زمانے کے "زمان"۔ اور شجرہ نسب میں شک کی گنجائش ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل: حضرت موسیٰؑ اور بنو اسرائیل کا ذکر قرآن پاک میں بہت کثرت سے ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کی زندگی فرعون نے کیسے اجیرن کی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش، فرعون کے گھر میں پرورش اور پھر مصر سے بھاگنے وغیرہ کے سارے ذکر تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جن بزرگ کے ہاں مدین میں حضرت موسیٰؑ نے پناہ لی ان کی بکریاں چرائیں اور ان کی بیٹی کے ساتھ شادی کی ان کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ تھے۔ اب شجرہ نسب کے لحاظ سے حضرت شعیبؑ بن بویب بن عیفا بن ابراہیمؑ بتائے گئے ہیں اور دوسری جگہ وہی ابن سعد، حضرت شعیبؑ کو حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدن یا مدین کی اولاد کہتا ہے۔ تو اس وجہ سے یعنی لفظ مدین کی وجہ سے مفسرین نے حضرت شعیبؑ کو حضرت موسیٰؑ کا خسر بنا دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب) اس عاجز کے لحاظ سے زمانہ کا یہ جائزہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے اور راقم ان پہلوؤں کے مزید تحقیق طلب ہونے کے سلسلہ میں پہلے بھی گزارش کر چکا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور آپ کے بھائی حضرت ہارونؑ نے فرعون کے پنجے سے بنو اسرائیل کو کس طرح چھڑوایا اور فرعون کا لشکر کیسے غرق ہوا۔ ان سب پہلوؤں کا تذکرہ قرآن پاک میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ پیچھے ہم قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی مدد سے حضرت موسیٰؑ اور خواجہ خضرؑ کی ملاقات کا ذکر کر چکے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت الیاسؑ اور خواجہ خضرؑ ایک ہی شخصیت ہیں۔ لیکن راقم شجرہ میں واضح کر چکا ہے کہ حضرت الیاسؑ، حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے بعد ہوئے ہیں۔ بہر حال خواجہ خضرؑ کے "رجال الغیب" ہونے کے سلسلہ میں کافی لوگوں کو اتفاق ہے۔ اور کئی لوگ آجکل بھی خواجہ خضرؑ سے ملاقات کے دعوے کر رہے ہیں۔ اور کچھ علماء خواجہ خضرؑ کے ایسے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتے (واللہ علم بالصواب)

بنی اسرائیل کے دیگر پیغمبر: اس سلسلے میں حضرت یونسؑ کا بھی قرآن پاک میں ذکر ہے کہ آپ کو بھی مچھلی نگل گئی تھی سنتے ہیں کہ آپ نے اپنی قوم سے تنگ آ کر ان کے لئے بد دعا کی۔ اور پھر عذاب کے ڈر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام آنے سے پہلے۔ اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ راستے میں دریا کو پار کرنے کے لیے جس کشتی میں بیٹھے وہ غرقاب میں پھنس گئی اور کسی صاحب نظر نے کہا کہ "کشتی میں کوئی اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک وہ کشتی سے نہیں نکلتا۔ کشتی غرقاب سے نہ نکلے گی"۔ حضرت یونسؑ سمجھ گئے

کہ یہ اشارہ انہی کی طرف تھا تو دریا میں چھلانگ لگادی ۔ اور ایک مچھلی ان کو نگل گئی ۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں قران پاک کی مشہور دعا ۔ لا الہ الا انت سبحانک ان کنت من الظالمین پڑھتے رہے ۔ اور تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی ملی اور مچھلی ان کو دریا کے کنارے پر پھینک آئی ۔ اسی دوران ان کی قوم نے بھی توبہ کرلی اور ان کو معافی مل گئی ۔

حضرت ایوبؑ کا بھی قرآن پاک میں ذکر ہے کہ ان کو جذام ہو گیا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی ۔ لیکن زیادہ تفصیل نہیں ۔ اسی طرح حضرت الیسع کے بارے بھی قرآن پاک میں ذکر ہیں ۔ البتہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بارے میں قرآن پاک میں بڑے تفصیلی ذکر ہیں لیکن مودودی صاحب نے جو ہاروت اور ماروت کو حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی بات لکھا وہ غلط ہے کہ جادو تو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی ہوتا تھا ۔ اور تاریخی طور پر بھی تمام واقعات کے تانے بانے مل جاتے ہیں ۔

حضرت ابراہیمؑ کی باقی اولاد: روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے دو مذکور شدہ شادیوں کے علاوہ دو اور یعنی کل چار شادیاں کیں ، جن میں سے گیارہ لڑکے پیدا ہوئے ۔ اور ان میں سے مدین کی اولاد سے حضرت شعیبؑ پیدا ہوئے ۔ حضرت ابراہیمؑ کے باقی لڑکوں کے نام ۔ مادی ، زمراں ، سرج ، سبق نافس ، کیشان ، احیم ، لوط اور یفسنان تھے ۔ نقشہ دوم سے استفادہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ موجودہ خراسان کے علاقوں تک گئے ۔ تو ظاہر ہے کہ اپنی اولاد کو دور دور تک پھیلاتے رہے کہ ہر جگہ صراط مستقیم کی نشاندہی ہو ۔

نافرمان قوموں کے پیغمبر: بیان کیا جاچکا ہے کہ سام بن نوح کی اولاد سے حضرت ہودؑ ، حضرت صالحؑ ، اور حضرت لوطؑ پیغمبر بھی ہوئے اور تینوں کا شجرہ نسب بھی دے دیا گیا ہے ۔ حضرت لوطؑ ، حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اور ان کی قوم پر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی میں موجودہ اردن کے علاقے ہاراں میں غضب نازل ہوا ۔ شجرہ نسب یہ نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ حضرت ابراہیمؑ سے تھوڑے پہلے ہو گزرے ہیں ۔ نقشہ سوم میں حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے ۔ اکیسویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور پاکؐ تبوک کی مہم پر تشریف لے گئے تو اس جگہ سے گزرے بھی ۔ حضرت ہودؑ کی قوم عاد ، جنوبی عرب میں نجران اور مہرہ کے درمیان بستے تھے ۔ تینوں قوموں کی گمراہی کا قرآن پاک میں تفصیل کے ساتھ اکثر جگہوں پر ذکر ہے ۔ کہ انہوں نے اپنے رہنماؤں کی بات نہ سنی اور غیض و غضب کا شکار ہوئے ۔

بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ۔ حضرت ذکریا ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں ۔ حضرت ذکریا کے بارے میں قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت مریمؑ آپ کو سونپ دی گئیں اور آپ نے دعا مانگی ۔ رب لاتذرنی فردا انت خیرالوارثین ۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا کیا ۔ جو حضرت یحییٰؑ پیغمبر ہوئے ۔ البتہ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں جو بن باپ کے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے ۔ حضرت عیسیٰؑ کی بستی کا نام ناصرہ ہے ۔ اور آپ کے اصحاب کو ناصری بھی کہتے ہیں اور نصاریٰ کا لفظ وہاں سے ہی نکلا ہے ۔ بد قسمتی سے حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والوں نے آپ کو خدا کا بیٹا بنا دیا ۔ اور صراط مستقیم سے ہٹ کر مذہب کو افسانہ بنادیا ۔ منقصود حیات میں تبدیلیاں کر دیں ۔ اور دونوں ماں بیٹے کی پوجا شروع کر دی ۔ ادھر

مخالفین خاص کر یہودیوں نے دونوں پر وہ بہتان لگائے، جن کو بیان کرنے کی قلم کو ہمت نہیں ہوتی۔ تو دنیا مکمل طور پر گروہوں میں بٹ گئی۔ کافروں اور منافقوں کے علاوہ اہل کتاب بھی صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔ اور مکمل گمراہی پھیل گئی۔ یعنی زمانہ نے مکمل طور پر اپنا تسلسل کھو دیا کہ ہمارے آقا نبی آخر الزمان وخاتم النبیین حضرت محمدؐ کے مبعوث ہونے کا وقت قریب آگیا تھا۔

خلاصہ: یہ باب بڑا اہم ہے کہ یہاں قصص الانبیاء کو دین حق کے فلسفہ حیات کے روحانی پہلو کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی رہبروں اور ان کے رفقاء کی زندگی کے عملی پہلوؤں کے تانے بانے تاریخ انسانی کے ساتھ بھی ملا دیئے گئے ہیں۔ یہ عاجز تاریخ کے مطالعہ برائے مطالعہ کا قائل نہیں کہ ہمارے تاریخ کے ایک پروفیسر کے لحاظ سے ہر پرانا پتھر بھی پوتر ہے۔ اسلام کے لحاظ سے یہ بات غلط ہے۔ ہم تو واقعات سے سبق سیکھنے اور ان میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کرنے کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابل مصر اور اس خطہ کی پرانی تہذیبوں کا نام ضرور لیا۔ لیکن ان کی تاریخی گھتن میں نہیں پڑے۔ اس عاجز کا نظریہ وہی ہے جو حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا تھا۔ فرماتے ہیں۔

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سمجھایا مجھ کو — وہ ابوالہول کے ہے صاحب اسرار قدیم!
دفعتہً جس سے بدل جاتی ہے تقدیر امم — ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقل حکیم!
ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اسکی — کبھی شمشیر محمدؐ ہے کبھی چوب کلیمؑ!

فلسفہ حق: ہم فلسفہ حق کی تلاش میں ہیں اور حضور پاکؐ سے پہلے کے زمانے کے فلسفہ حق کا جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔ جس میں چوب کلیمؑ سمیت سب رہنماؤں کی رہنمائی کا مختصر ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم شمشیر محمدؐ کی طرف رواں دواں ہونے والے ہیں۔ لیکن اس طرف آگے بڑھنے سے پہلے باطل فلسفہ والوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ کہ شر کی نشاندہی بھی کر دی جائے۔ کہ حضور پاکؐ کے زمانے سے پہلے شر والوں نے کیا "گل کھلائے" اور آج کل باطل کن شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔

اہل حق کا کارواں البتہ روز ازل سے صراط مستقیم پر رواں دواں ہے اور ہر مشکل وقت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے اور وہ خود اور ان کے پیروکار اللہ کے نام پر سب کچھ قربان کرتے رہے۔ انہوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے آپ کو تیار کیا۔ لیکن بہتر کامیابی تب ہوئی جب تیاری اور عمل نے اجتماعی صورت اختیار کی۔ آگے چل کر جب اپنے آقا محمد مصطفیٰؐ کا ذکر آئے گا تو اسی پہلو پر زیادہ زور ہو گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پھر ہمارے دلوں کو بھی جوڑ دیا تھا۔ کہ ہمارے سامنے مقصود ایک تھا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے حضور پاکؐ کے رفقاءؓ کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کے عشق نے اپنا گھر بنا لیا۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم — عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم (اقبالؒ)

نوٹ: کتاب "اسلامی نظام حکومت" میں اس مضمون کو اور زیادہ وسعت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور وہاں سکندر یونانی کے ذوالقرنین ہونے یا دین حنیف کے پیروکار ہونے کے سلسلہ میں ثبوت بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔

تیسرا باب

باطل فلسفے اور گمراہی

وضاحت باطل فلسفوں یا طریق کار کا مضمون بہت وسیع ہے۔ کہ باطل گرگٹ کی طرح رنگ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ باطل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اور بدی کا بیان از خود بدی کو نزدیک کر دیتا ہے۔ بدی یا شر یا باطل یا جھوٹ وفریب یا دجل سب ایک قسم کی چیزیں ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے یہ تمام چیزیں ایسے لبادے اوڑھ کر سامنے آتی ہیں کہ ان میں کشش بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہمیں امتحان کیلئے بھیجا ہے اور یہ امتحان واقعی بڑا مشکل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں کئی جگہوں پر اس امتحان کو دنیا کی کے ساتھ دودھ یا کسی چیز کو بلونے کے مشابہہ قرار دیا ہے۔ بلونے پر اگر دھیان دیں تو ایک چکر ختم نہیں ہوتا تو دوسرا چکر آجاتا ہے وغیرہ بہر حال ہم جو باطل کا ذکر کر رہے تھے تو اس باطل میں مزہ بھی ہے اور لطف بھی۔ گو یہ بڑی "وقتی" چیزیں ہوتی ہیں۔ اور ہم مانیں یا مانیں باطل کے چکر میں پڑ کر یا گناہ کر کے کچھ ندامت ضرور ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابو جہل کے قسم کے لوگ زبان سے یہ سب کچھ تسلیم نہ کریں گے۔ حق و باطل کی پہچان کی وجہ یہ ہے کہ روز ازل جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ ہاں تو ہمارا خالق ہے اور ہم تیرے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے۔" تو ہر انسان صحیح کام اور غلط کام میں فرق کو ضرور سمجھتا ہے۔ لیکن ہماری کوئی بدی ہمیں گمراہ کر دیتی ہے۔ اب شیطان کو لیجئے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا قائل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو چکا ہے یعنی کافی کچھ جانتا ہے اور بہت بڑا عالم ہے۔ لیکن تکبر اور حسد کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہو گیا اور باقی مخلوق کو بھی گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ فرعون جو حضرت موسیٰ کے زمانے میں تھا اس کے بارے میں روایت ہے کہ لوگوں کے سامنے تو خدا بنا بیٹھا رہتا تھا۔ لیکن تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی بھی کر لیتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے خالق میں مجبور ہوں کہ ایسا کر رہا ہوں اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہوں۔ اور پکھنڈ بنائے ہوئے ہوں ورنہ اپنی ہستی کو پہچانتا ہوں کہ میں کچھ کرنے کے قابل نہیں۔" فرعون ایسا کیوں کرتا تھا۔ صرف دنیاوی بادشاہت کی لذت کے لیے۔ آگے تیئسویں باب میں ذکر ہے کہ قیصر روم ہرقل، اسلام کے صراط مستقیم کو سمجھ گیا تھا اور مسلمان ہونے کو تیار بھی ہوا لیکن بادشاہت چھوٹ جانے کا خطرہ پڑ گیا اور دنیاوی لذتوں کے واسطے اپنے طریقہ پر قائم رہا۔ یعنی حق کی طرف نہ آسکا۔

کافر اور منافق اب کچھ لوگ اپنے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر ہیں اور ہم ان کو دہریئے یا کافر کہتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کے ساتھ تنہائی میں بات کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسا فیشن کے طور پر کرتے ہیں یا دنیاوی لالچ اور لبھ کی وجہ سے۔ ورنہ دل میں تو وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ضرور بر ضرور ان کے پیدا کرنے والا کوئی نہ کوئی ہو گا۔ سرسید احمد سمیت ایسے لوگوں کو نیچریئے بھی کہتے ہیں۔ تو یہ لوگ بھی آخر تسلیم تو کرتے ہیں کہ کوئی طریقہ یا سسٹم ہے کہ یہ سب نظام چل رہا ہے۔ اس کو کون چلا رہا ہے؟ تو ان کا جواب ہو گا۔ "قدرت"۔ اب قدرت کیا ہے۔ یہاں آکر وہ بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ منافقین کے

بارے صحابہ کرامؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کی۔ "یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ نے کافروں کو پیدا کیا کہ وہ خدا کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیدا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ لیکن معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو کیوں پیدا کیا کہ ان کا کوئی اصول نہیں۔ تو حضور پاکؐ مسکرا دیئے۔ اور فرمایا "اگر منافق نہ ہوتے تو بازاروں کی رونق ختم ہو جاتی" ہمارے آقاؐ کی باتوں میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ ان میں بے حساب نکتے ہوتے ہیں۔ اب ذرا دھیان دیں کہ دنیا کا زیادہ کاروبار "منافقت" ہی چلا رہی ہے۔ اور بنتاب بلھے شاہ کہہ گئے "سچ آکھاں تاں بھانبڑ بلدا اے۔ کوڑ ماراں تو کجھ بچ کم چلدا اے" (یعنی سچائی کی صورت میں حق اور باطل کے درمیان آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور جھوٹ سے کچھ گزارہ چل جاتا ہے۔) حق البتہ اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے اور اہل حق نے جب اجتماعی طور پر باطل کا مقابلہ کیا تو باطل پاش پاش ہو گیا۔ لیکن اگر باطل مکمل طور پر ختم ہو جاتا تو یہ عالم خلق بھی عالم امر بن جاتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے امتحان کا سلسلہ جاری رکھنا تھا۔ اس لیے باطل کو بھی اجازت دے رکھی ہے کہ لوگوں کو اپنے جال میں پھنساتا رہے۔

باطل کا تاریخی پہلو یہ ذکر ہو چکا ہے کہ باطل کا سرغنہ شیطان ہے۔ اور شیطانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ شیطان نہ صرف انسانوں پر ڈورے ڈالتے رہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ کچھ انسان بھی شیطانوں والی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔ اور لوگوں سے شیطانی کام کرواتے ہیں۔ یہ چیز انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کروائی جا رہی ہے تب ہی علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک نظم میں کہا کہ شیطان کے تو مزے ہیں کہ وہ ارباب سیاست میں سو ہزار شیطان پیدا کر چکا ہے جو اس کی جگہ لے چکے ہیں۔ دراصل ایسے لوگ زندگی کے کئی شعبوں پر چھا چکے ہیں اور یہ لسٹ بڑی لمبی چوڑی ہے کہ حرام کی کمائی کے سلسلے میں کہیں جوئے کے اڈے ہیں کہیں سود کا بازار گرم ہے۔ اور کیا نہیں ہو رہا۔ بلکہ دنیا کا موجودہ معاشی نظام ہی سود پر چل رہا ہے۔ تو باقی کیا رہا۔ عورت کی "بکری" تو اتنی عام ہے کہ آج اس کی شکل و صورت کے بیچے بغیر کوئی کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ حجام کی دکان سے لے کر اخباروں کے صفحات کو عورت کو فوٹوؤں سے "مزین" کیا جاتا ہے کہ بکری زیادہ ہو اور ذرا ہم ٹی وی کے اشتہاروں پر نظر دوڑائیں کہ عورت ہی عورت نظر آتی ہے۔ بہرحال یہ شیطان ہی تھا کہ حضرت حواؑ کو ورغلانے میں کامیاب ہوا جس کے بعد حضرت آدمؑ اور مائی حواؑ نے جنت کا ممنوعہ پھل کھا کر، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ لیکن شاید ہم غلط فہمی میں ہوں کہ یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ سلسلہ تو اب اور زیادہ زور شور سے جاری ہے۔ ہر روز شیطان اور اس کے چیلے ہمیں یہ "ممنوعہ پھل" کھانے کی ترغیب دینے کے کام میں لگے ہوئے ہیں کہ ہم باطل فلسفوں اور باتوں کی پیروی کر کے گمراہ ہو جائیں۔ شیطان کا جال بہت وسیع ہے۔ وہ ہمیں انفرادی طور پر ہر وقت گناہ یا شر کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے قابیل کو غلط راستے پر لگایا کہ اس نے اپنے سگے بھائی کو قتل کر کے دنیا میں فتنہ و فساد کی بنیاد رکھی۔ البتہ ہم قرآن پاک کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حضور پاکؐ کی سنت سے حلال و حرام کی تفصیلی باتوں کا ذکر یہاں نہیں کر رہے کہ یہ ایک الگ کتاب کا مضمون ہے۔ لیکن ان باتوں سے کوئی مسلمان بے خبر ہو گا اس لئے یہ عاجز زیادہ تر شیطان کے اس فتنہ و فساد کا ذکر کرے گا کہ اس نے مادیت کے بتوں کو ایسی شکل و صورت دی ہے اور

باطل کے فلسفہ اور نظریات پر ایسے لیبل چسپاں کر دیتے ہیں۔ کہ اجتماعی طور پر ہم نے اپنے آپ کو ان نظریات اور بتوں کے تابع کر دیا ہے۔ اور ہم پر ایسا جادو کیا ہے کہ کبھی ہم بھیڑ بکری بن جاتے ہیں اور اپنی قومی غیرت و حمیت کا پاس ہی بھول جاتے ہیں۔ اور کبھی بپھر کر ایسے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ملک میں توڑ پھوڑ کر کے بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ اور وہ فساد مچاتے ہیں کہ ہمیں اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی۔ چنانچہ شر کے تاریخی پہلو کے ذکر کے بعد راقم اسی پہلو کی کچھ وضاحت پیش کرے گا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شیطان ہی تھا جس نے حضرت نوحؑ کی قوم کو نافرمانی اور گمراہی کی صلاح دی اور ان گمراہیوں میں حضرت نوحؑ کی بیوی اور بیٹا کنعان بھی شامل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت صالحؑ کی قوم ثمود، حضرت ہودؑ کی قوم عاد اور حضرت لوطؑ کی قوم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرائی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کے شکار ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے آکر نمرود کو کھڑا کیا۔ حضرت موسیٰؑ کے سامنے فرعون پہلے سے موجود تھا۔ اور ہمارے آقاؐ کے سامنے ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ اسی شیطان کے چیلے تھے۔ شیطان کے ایسے چیلوں کی تعداد بے حساب ہے۔ اور شداد جیسے کافر ہو گزرے ہیں جنہوں نے اسی جہاں میں جنت اور دوزخ بھی بنائے۔ بلکہ یہ سلسلہ جاری ہے اگر طلوع اسلام کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب سامنے آیا تو ان صدیوں میں غلام کذاب اور کئی ایسے لوگ سامنے آئے جن کے ساتھ شیطان کی گاڑھی چھنتی رہی۔

لیکن جیسے اوپر ذکر کیا گیا ہے اب تو شیطان کے طور اطوار نئے ہو گئے ہیں کہ حق کے نظریات اور فلسفوں کے مقابلے میں شیطان کی باطل فلسفے بھی پیدا کر دیا ہے کہ لوگ عقلی طور پر ان فلسفوں کے پجاری بن چکے ہیں اور ان فلسفوں کو اپناتے وقت کہتے ہیں کہ بھائی اس میں یا ایسا کرنے میں کیا برائی ہے What is wrong with it? پرانے زمانوں میں کچھ جہالت تھی کچھ تکبر اور حسد تھا اور لالچ و حرص بھی ہوتی تھی کہ لوگ گمراہی اختیار کر جاتے تھے۔ لیکن اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ لوگ ان باطل فلسفوں کو "جدید" کہہ کر ترقی کا زینہ کہتے ہیں اور اہل حق کو "قدیم" ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ کم علمی کی وجہ سے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور آجکل بے دین علم کی وجہ سے مادیت کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اور باطل فلسفوں کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھ کر اپنا لیتے ہیں۔ اب ان مادر پدر آزاد لوگوں کو کس زبان میں سمجھایا جائے کہ خدارا غیروں کی نقل نہ کرو کہ اس میں مرعوبیت ہے جو ہمیں احساس کمتری میں مبتلا کر دے گی۔ ہم بھیڑ بکریاں تو پہلے بنے ہوئے ہیں اور دنیا کی مغلوب قوم ہیں۔ لیکن یہ مرعوبیت ہمیں مزید غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دے گی۔ خدا کی قسم! راقم کے لیے وہ الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو گئے ہیں جن سے قوم کو یہ پہلو سمجھا سکوں۔

غیروں کے فلسفہ حیات پہلے باب میں غیروں کے فلسفہ حیات کا مختصر بیان ہو گیا تھا۔ اس کو دہرانا ٹھیک نہیں۔ لیکن اس باب میں عملی طور پر ثابت کیا جائے گا کہ ہم نے اپنی زندگی کو غیروں کے نظریات، تلمیحات اور اصطلاحات کے مکمل تابع کیا ہوا ہے اور سیاست میں میکاولی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اب اسی پس منظر کا بیان ہو گا۔

انگریزی دور انگریز نے اپنے دور حکومت میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے کھولے اور ان کے ذریعے پورے برصغیر کو

فرنگی تہذیب کا گرویدہ بنا دیا۔ غیر ملکی فرنگی حکومت نے اقتدار چونکہ مسلمانوں سے چھینا تھا لہٰذا اسلام اور اس کے پیروکار، زیادہ تختہ مشق بنے۔ خاص کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام کے فلسفہ جہاد کو ذہن سے نابود کرنے کی کوشش کی گئی یا اسے کچھ اس قسم کے معانی پہنا دیئے گئے کہ یہ فریضہ معطل ہو کر رہ گیا۔ ترک جہاد کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں اہل اسلام بڑی سفاکی سے بھیڑ بکریوں کی طرح قتل و غارت کا نشانہ بنے یا انہیں بزور شمشیر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا اور ہم ستر ہزار عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے۔ انگریزی تعلیم کا مقصد بابو یا سرکاری نوکر پیدا کرنا تھا یا زیادہ سے زیادہ کچھ ڈاکٹر اور وکیل بن گئے لیکن یہ پیشے بھی مغربی ثقافت میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ وہ ہمیں باطل تہذیبوں کا غلام بنا دیتے ہیں بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے گرد بھی کچھ لادینیت کے چکر لپیٹ دیئے گئے ہیں کہ وہ بھی ہمیں اسلام سے دور کرتے ہیں۔ خیر وکالت یا عدلیہ تو مکمل طور پر یونانی اور رومن قانون کی غلامی ہے جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ معاشرتی علوم یعنی تواریخ یا فرنگی مدنیت اس طرح پڑھائی جاتی ہے کہ ملک صرف جغرافیائی یا لسانی بنیادوں پر بنتے ہیں اور اس لحاظ سے ہم ایک ملک ہو بھی نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ ہم نے ملک کی آزادی کی اینٹ ان علوم کے منت رکھی ہے جو ہمیں ملک نہیں مانتے تو نتیجہ سامنے ہے۔ اس عاجز نے ایک کتاب جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ وہاں پاکستان کے وجود میں آنے کا سارا قصہ بیان ہے۔

پاکستان کا وجود میں آنا اس لئے اس کتاب میں ہم اس تفصیل میں نہ جائیں گے کہ پاکستان کس طرح وجود میں آیا، سوائے اس کے کہ عام آدمیوں کے سامنے یہ فلسفہ پیش کیا گیا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ہے اور پاکستان اس وجہ سے وجود میں آیا نہ کہ فرنگی مدنیت کے چند تعلیم یافتہ لوگوں کی وجہ سے جن کی تعداد پانچ فی صد ہو گی اور ان میں سے بھی آدھوں کے قریب لوگوں نے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ یہاں قائداعظمؒ اور ان کے چند مخلص رفقاء یا علامہ اقبالؒ کی اس سلسلہ میں خدمات البتہ سنہری الفاظ میں لکھی جا سکتی ہیں لیکن پاکستان کے معدود اور "خالقوں" نے برسر اقتدار آکر قوم کے رخ کو مکہ مکرمہ کی طرف کبھی نہ کیا۔ ان لوگوں کو انگریزوں نے اپنی درسگاہوں میں تیار کیا تھا اور یہ لوگ کالجوں میں فرنگی مدنیت پڑھ چکے تھے۔ اس لئے یہ لوگ فرنگی نظام حکومت کے بغیر اور کسی نظام کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ اس سب کا ہمارے اوپر یہ اثر ہوا کہ ایسی بے شمار نظریات تلمیحات اور اصطلاحات ہمارے ایمان یا عمل کا حصہ بن گئیں، اور جن سب کا دین اسلام کے ساتھ کوئی دور کا واسطہ بھی نہ تھا، بلکہ اکثر نظریات اسلام کے فلسفہ حیات کے اصولوں کی ضد تھیں اور ان کی وجہ سے پوری قوم نے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔ اب غیر جانبدار قسم کی تلمیحات یا نظریات یا ایسی تلمیحات جو حق کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ان کو اپنانے میں کوئی حرج تو نہیں ہوتا لیکن بدقسمتی سے یہ تلمیحات ہماری روزمرہ کی زندگی پر ہمارے اوپر اس طرح چھا گئیں کہ ہمارا اپنا نظام ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا اس لئے ان اصطلاحات میں سے یا اس قسم کی چند اور اصطلاحات کا ہم مختصر ذکر ضرور کریں گے کہ انہوں نے ہمیں کیا نقصان پہنچائے۔ حالانکہ علامہ اقبالؒ فرما گئے تھے۔

سوال ہے نہ کروں ساقی فرنگ ہے کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں"

آزادی فکر و آزادی عمل آزادی کا دلفریب نعرہ، دراصل اپنے اندر بڑی کشش اور لبھاؤ رکھتا ہے۔ اس میں ہمارے غلامی کے دور کی وجہ سے کچھ رد عمل والا پہلو بھی ہے۔ غیروں کی غلامی سے جب چھٹکارا حاصل ہوا تو ہم کچھ زیادہ ہی "آزاد" ہو گئے۔ یہ بھول گئے کہ ہمارے آقا حضور پاک کا فرمان ہے۔ من شذ شذہ فی النار یعنی جو اکیلا رہ گیا وہ آگ کے لیے رہ گیا۔ اسلام اجتماعی دین ہے اور جتنی اجتماعیت یعنی ربط و ضبط کے بندھن اسلام میں ہیں۔ اتنے بندھن کمیونزم سمیت کسی نظریہ میں نہیں۔ بے شک حضور پاکؐ نے بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑوایا لیکن مسلمان اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے اور اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسی آزادی حیوانیت کی طرف ایک پیش قدمی ہو گی کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار ہے انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

بقول علامہ اقبالؒ۔ اگر فکر خام ہو تو اس سے انسان حیوان بن جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آزادی عمل نے پہلے تو ہمارے مرکز کو پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ آگے بڑھے کہ مرکز کو سہارا دیں، تو آزاد فکر خارجی پیدا ہوئے جنہوں نے آگے معتزلہ، "معتزلہ" قدریہ، جہمیہ اور باطنیہ وغیرہ گروہ پیدا کیے اور اس سب کے اثرات مسلمانوں پر اس طرح ہوئے کہ گو ہمارے علماء یا اماموں نے خود کسی فقہی گروہ کی بنیاد نہ ڈالی تھی اور اکثر نے فقہ لکھا بھی نہ۔ لیکن ہم خواہ مخواہ فقہی گروہوں میں بٹ گئے۔ اور جب کسی نے ان گروہوں کو ختم کرنے کی کوشش کی تو آگے چل کر ہم "مقلد" اور "غیر مقلد" گروہوں میں بٹ گئے چنانچہ اس آزادی فکر نے "فقہ وحدت" یا "فقہ عسکریت" کے بارے میں کچھ نہ سوچنے دیا۔ اس لیے جو آزادی فکر یا آزادی عمل ہماری وحدت کو پارہ پارہ کرے اس کو اپنانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی مفسدین یا سازشی لوگوں کو حکومت ایسی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ باطل فکر پھیلائیں اور لوگوں کو باطل عمل کی طرف مائل کریں یا لوگوں کو ایسی باتوں پر اکسائیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیویں۔ اسلامی فلسفہ حیات کا بیان پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ اور ہماری ہر فکر اور ہر عمل کو اس فلسفہ حیات کے اصولوں کے تابع ہونا چاہیے۔ آگے حضور پاکؐ کی زندگی میں آپؐ کے احکام اور آپؐ کے رفقاءؓ کی آپؐ کی پیروکاری کی مثالیں دیتے ہوئے چھبیسویں باب میں حکومت اور لوگوں کی ذمہ داری پر مختصر جائزہ پیش کریں گے اور اسلام میں بنیادی حقوق اس طرح پورے ہوتے ہیں کہ ہر آدمی اور حکومت کا اہل کار اپنی ذمہ داری نبھاتا ہے یعنی فرائض پورے کرتا ہے تو کسی کے حقوق غصب نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہمارے ملک میں غیروں کی نقل کر کے بنیادی حقوق کے تحت ہم جو بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ قرآن پاکؐ کی سورت ذاریت کے لحاظ سے ایسے خراصوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ یہ جو ہر قسم کی تقریر، فکر اور عمل کی آزادی کے سلسلہ میں ہم بنیادی حقوق کی آڑ لیتے ہیں یہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ کہ ہم نظریہ ضرورت کے تحت حرام کو حلال قرار دے رہے ہیں غیر اسلامی بنیادوں پر اسلام کی عمارت کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یعنی باطل فلسفہ کے حکومتی اور معاشرتی ڈھانچوں پر اسلام کا نام چسپاں کر کے قوم کو کہتے ہیں یہ اسلام ہے۔ یعنی مغربی فوجی حکمت عملی پر فوج کو منظم کرنا، رومن قانون کے تابع

شریعت بینچ بنانا، نوآبادیاتی سول نظام کو "اسلامی نظام" بنانا اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے غیروں کی نظریات اپنانے والے پڑھے لکھے لوگوں کو "اسلامی دانشوروں" کے طور پر پیش کرنا۔ حالانکہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ ان ابلیسی فکر والوں کے بارے میں بھی ہمیں تنبیہ کر گئے تھے۔

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ . آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد "

کلمہ حق فکر و عمل کا مضمون بہت وسیع ہے۔ اسلام اس سلسلہ میں یہ آزادی نہیں دیتا کہ اپنی ابلیسی فکروں کو اور شیطانی عملوں کو سر بازار لے جائیں۔ اسلام نے اس سلسلے کے لیے طریقہ کار وضع کیے ہیں کہ اسلام وحدت فکر اور وحدت عمل کا دعویدار ہے اور اس کتاب کے لکھنے میں یہ ایک مقصد ترجیحی طور پر سامنے رکھ کر پہلے حضور پاکؐ کی زندگی سے اس اصول کی نشاندہی کی جائے گی اور آخر میں چھبیسویں باب میں اس ضرورت پر عمل کرنے کے طریق کار اجاگر کیے جائیں گے۔ آزادی فکر کو محدود کرنے کا البتہ یا مطلب نہ لیا جائے کہ اسلام میں کلمہ حق کو بھی اجازت نہیں اور لوگوں کے ساتھ مشورہ بھی نہ کیا جائے بلکہ اسلام کے لحاظ سے جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کا کہنا جہاد ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ خلیفہ اول نے فرمایا کہ حاکم وقت کے سامنے سچ بولنا بہت بڑی وفاداری ہے۔ اور سچ کو چھپانا غداری ہے۔ البتہ کلمہ حق کہنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سچ بولنا تو پھر بھی آسان ہوتا ہے لیکن سچ سننا مشکل ہوتا ہے اس لئے کلمہ حق کسی ضرورت یا مدعا کے تحت بولا جائے اس کے لئے وقت اور جگہ اور ماحول کے علاوہ حقیقت کو جاننا بھی ضروری ہے اور کلمہ حق وہ کہے جس کا اپنا دامن یا گریباں صحیح ہو ورنہ وہی افراتفری ہوگی جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی۔ اس لئے اسلام نے مشاورت کا طریق کار وضع کیا اور صرف صائب رائے رکھنے والوں یا ان لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا جاتا ہے جو اس مضمون کو سمجھتے ہوں اور باعمل مسلمان ہوں۔ اس کی کچھ وضاحت آگے آتی ہے اور تفصیل چھبیسویں باب میں ہے۔ کلمہ حق کہنے کے سلسلے میں ہمارے ہاں ایک کہانی چلتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا کہ اس نے دو چادریں لے لیں جبکہ باقی صحابیوں کو صرف ایک چادر ملی۔ اس کہانی سے حضرت عمرؓ کی شان بڑھانا مقصود ہے یا اسلام میں زیادہ فتنہ پیدا کرنے کی یہ ایک سعی ہے راقم کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اس پہلو پر بھرپور تبصرہ کیا ہے کہ وہ کون بے وقوف تھا۔ جس کو حضرت عمرؓ جیسے عادل پر شک گزرا وغیرہ۔ دراصل کسی مستند تاریخ میں یہ کہانی موجود نہیں اور اعتراض کرنے والے کا نام کوئی نہیں بتاتا۔ ایک ضعیف روایت میں جناب سلمان فارسیؓ کا نام لیا گیا ہے۔ جو بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ جناب سلمانؓ کا ذکر پندرھویں باب میں ہے کہ وہ حق کو تلاش کرتے پھرتے تھے۔ بھلا وہ فاروق اعظمؓ پر کیسے شک کرتے۔ پھر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جناب سلمانؓ، جناب ابو بکرؓ ہی کے زمانے سے عراق۔ ایران کی مہمات میں شریک ہو گئے تھے۔ اور آپ دریائے دجلہ کے کنارے دفن ہیں جس جگہ کو سلمان پاک کہتے ہیں۔

البتہ جناب عمرؓ سے جناب خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کرنے کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے کچھ وجوہات بھی بتائیں اور فرمایا کہ خالدؓ ان کی والدہ ماجدہ کا چچیرا بھائی ہے اور اس میں کوئی ذاتی پہلو نہیں۔ اور اس سلسلہ میں جناب خالدؓ اور جناب عمرؓ کے

درمیان مورخین خاص کر جنرل اکرم نے اختلافات کا جو ذکر کیا ہے اس میں کوئی سچائی نہیں کہ جناب خالدؓ نے اپنے وفات کے وقت جناب عمرؓ کو اپنا وارث قرار دیا کہ وہی ان کے مال کو ان کے ورثا میں تقسیم کریں گے۔ تو ظاہر ہوا کہ امت میں یہ اختلافات آزاد فکر لوگوں نے پھیلائے۔ ویسے اسلام میں تفرقہ والی بات نہ تھی۔ وقتی طور پر اہل حق کے درمیان جو اختلاف ہوتا تھا اس کو مشورہ سے طے کر لیا جاتا تھا۔

گروہ بندی اس میں کوئی شک کی بات نہیں کہ اسلام میں گروہ بندی کی بنیاد باندھنے والے یہی آزاد فکر لوگ ہیں اور یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ ہاں بیچ میں سازش کا پہلو بھی تھا اور سطح پر یا سامنے یہ پہلو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آیا۔ آگے خارجی پیدا ہوئے اور وہ کسی کا حکم ماننے کو تیار نہ تھے۔ اسی دوران یونانی فلسفہ والے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور وہ ہر پہلو کو عقلی لحاظ سے پرکھتے تھے۔ انہوں نے امت کو فرقوں میں بانٹ دیا۔ حالانکہ سورۃ انعام میں یہ چیز اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دی کہ بتحقیق جن لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا دین اپنے کو اور ہو گئے گروہ گروہ نہیں تو ان میں سے بیچ کسی چیز کے۔ حضرت عمرؓ اس چیز کو بھانپ گئے تھے۔ اور اپنے زمانے میں گروہ بندی کی سختی کے ساتھ بیخ کنی کی۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے دس سالوں میں تو حالات ٹھیک رہے۔ لیکن پھر ایسی گروہ بندی شروع ہو گئی۔ کہ جناب ابوذر غفاریؓ نے جب شام سے آکر مدینہ منورہ میں ایسے حالات دیکھے تو وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر حالات نے جو شکل اختیار کی وہ وسیع مضمون ہے اور آخر امام حسنؓ نے حکومت کو لات مار کر امت میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور کبھی کبھی قوم میں وحدت پیدا ہوتی رہی۔ لیکن گروہ بندی نے پہلے سقوط بغداد اور صلیبیوں کی یلغار سے قوم کو دوچار کیا۔ اور پچھلے دو سو سال غلامی میں گزر گئے۔ لیکن سبق پھر بھی نہ سیکھا۔ اور آج ہم نے غیروں کے فلسفوں اور نظریوں کو اپنا لیا ہے جہاں پر گروہ بندی ضروری ہے۔ فرد آزاد ہے عقیدہ یا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے معاشرہ نظریہ ضرورت کے تحت سیاسی گروہ بندی کی اجازت دیتا ہے۔ جیسے مزدور، کسان، تجار، نوکری پیشہ لوگ یا مادی ضرور یات کے تحت سیاسی گروہ۔ کہ مختلف گروہوں کے درمیان نفرت پیدا کر کے چند لوگ ابھر آتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ فلاں سے لیں گے اور فلاں کو دیں گے اور اس طرح لوگوں کے نام پر خود حکومت کرتے ہیں اور لوگ بے چارے غلام کے غلام ہی رہتے ہیں اس سلسلہ میں بھی علامہ اقبالؒ ہمیں متنبہ کر گئے۔

گریز از طرز جمہوری کہ غلام پختہ کارے شو　　　که از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

سیاسی پارٹیاں: چنانچہ مغربی نظام حکومت کے تحت سیاسی پارٹیوں کا وجود ضروری ہے اور ہمارے ملک میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ پاکستان سیاسی عمل کا نتیجہ ہے کہ ایک سیاسی پارٹی پاکستان کی "خالق" ہے، اس لئے ہمارے ملک میں سیاسی پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اس منطق کو بھی صحیح مان لیں تو پھر پاکستان میں صرف ایک سیاسی پارٹی ہونی چاہیے کہ قائداعظم نے کبھی کسی اور سیاسی پارٹی کو تسلیم نہ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ ہم ایک قوم ہیں اور ہماری ایک سیاسی پارٹی ہے۔ بہرحال ہم جس نکتہ کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک اور صرف ایک پارٹی ہیں۔ ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور ہم

ایک قوم ہیں ۔ اس کو حزب اللہ کہیں یا ایک سیاسی پارٹی ۔ اسلام میں تفرقہ یا گروہ بندی کی اجازت نہیں اور اسلام کا مزاج کسی سیاسی پارٹی کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ چیز عملی نہیں ۔ کہ اسلام صرف ایک منشور دیتا ہے ۔ موجودہ وقت میں کئی سیاسی پارٹیاں، اب عقائدی گروہوں میں تبدیل ہو گئی ہیں اور کئی فرقہ وارانہ گروہ اپنی سیاسی حیثیت کو تسلیم کرانے کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں ۔ اسلام میں نہ سیاسی گروہوں کی اجازت ہے اور نہ فرقہ وارانہ گروہ بندی کی ۔ اس پہلو کو ہم حضور پاکؐ کی سنت کے مطالعہ سے کتاب میں واضح کریں گے اور آخر میں پچیسویں اور چھبیسویں ابواب میں قوم کو حزب اللہ اور حزب رسولؐ بنانے کے سلسلہ میں سفارشات پیش کریں گے ۔ کہ مغربی طریقہ کی قسم کی سیاسی پارٹیوں کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں ۔ کہ قرآن پاک اور سنت میں سیاست کا لفظ ہی نہیں ۔ اور حکمت کو سیاست کے معنی پہنانا جہالت ہے ۔

سیاسی فلسفہ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہماری قوم اپنے آپ کو کسی سیاسی فلسفہ کے تابع نہیں کر سکی کہ ہمارے معاملات آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کے طور پر چل رہے ہیں ۔ اور یہی چیز ہم حضور پاکؐ کی زندگی سے اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کتاب کے چھبیسویں باب میں یہ سفارشات پیش کریں گے کہ اس فلسفہ یا حکمت کو کیسے اپنائیں ۔ کہ سیاست کا لفظ ہی غیر اسلامی ہے ۔

فرنگی سیاست لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ فرنگی سیاست نے دنیا بھر کو کچھ اس طرح جکڑ رکھا ہے ، کہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اہل اسلام بھی جمہوریت ، سوشلزم ، جغرافیائی نیشنلزم وغیرہ کے بنائے ہوئے دل فریب پھندوں میں پھنس گئے ہیں اور ان نظام ہائے زندگی کے پرستار یا تو سرے سے ہی اس بات کا انکار کر دیتے ہیں کہ دین اسلام نے کوئی اپنا نظام حیات یا سیاسی نظام دیا ہے یا دوسری صورت میں کھینچ تان کر کوئی اس کو جمہوریت بناتا ہے تو کوئی اس کے ڈانڈے سوشلزم سے جا ملاتا ہے ۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ میدان سیاست میں اترنے والے انسان دجل و فریب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں اور عوام الناس سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں ۔ ایسے ہی سیاستدانوں کو اس دجل و فریب میں الجھا کر ابلیس کہیں لمبی تان کر سویا ہوا تھا کہ کسی نے پوچھا "جناب کیا دنیا میں اب کوئی کام باقی نہیں رہ گیا جو یوں مزے سے لیٹے ہوئے ہو" تو شیطان نے جو جواب دیا علامہ اقبالؒ اس کو یوں کہتے ہیں ۔

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

مغربی جمہوریت چنانچہ یہ جمہوری سیاست نہ صرف شیطانی کھیل ہے بلکہ پیچھے جس آزادی فکر کا ہم ذکر کر آئے ہیں اس کی بڑی ماں یہ مغربی جمہوریت ہے جس کو ہمارے "دانشور" ایک جدید سائنسی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اس کو اس زمانے میں اپنانا ضروری ہے ۔ ورنہ لوگ ہمیں قدامت پسند کہیں گے ۔ اول تو اسلام اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے یہاں اللہ اور رسولؐ کا حکم چلتا ہے ۔ دوم جمہوریت یونان میں قبل مسیح سے جاری ہے اور سقراط نے اس کی مخالفت کی اور زہر کا پیالہ بھی سزا کے طور پر پی گیا ۔ حضور پاکؐ کی نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی قبائلی جمہوریت تھی اور یونانی فلسفہ کے تحت حکومت ایک وفاقی تھی ۔ عمرو بن ہشام اس طرز حکومت اور فلسفہ کا ماہر تھا ۔ تب ہی اس کو دانائی کا باب (ابوالحکم) کہتے تھے ۔ لیکن

یہ بدقسمت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور آمریت اور حضور پاکؐ کے لائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دشمن بن گیا تو آج ہم اس کو جہالت کے باپ (ابو جہل) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مغربی جمہوریت، اسلام کی ضد ہے کہ ہمارے لحاظ سے اللہ تعالیٰ حاکم ہے اور اس کو امر چلتا ہے اور مغربی جمہوریت میں لوگوں کی مرضی چلتی ہے اس لئے وہ غیر اسلامی فلسفہ ہے۔ اب بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہم نے بھی اسلامی جمہوریت کے اصطلاحات گھڑلی ہے۔ حالانکہ نہ اسلام کو کسی "اسم صفت" کی ضرورت ہے۔ اور نہ اسلام کو اسم صفت کے طور پر کسی باطل یا غیروں کے فلسفہ کے ساتھ وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سید قطب شہید کی ایک مثال موجود ہے کہ آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام پہلے "مہذب اسلامی معاشرہ" رکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں "مہذب" کا لفظ کاٹ دیا اور کتاب کا نام صرف اسلامی معاشرہ رکھا۔ یعنی کسی صحیح رسم ورواج یا بے ضرر چیز کے ساتھ اسلام کا نام بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اور اسلام ایسی چیز کے لیے اسم صفت بھی بن سکتا ہے۔ لیکن باطل کے ساتھ اسلام کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اسلام کو کسی اسم صفت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہودیوں کی سازش کے تحت جمہوریت اور سوشلزم دونوں دنیا پر چھاچکے ہیں۔ موجودہ مغربی جمہوریت کو دوبارہ دنیا میں "زندہ" کرنے والے بھی یہودی ہیں اور سوشلزم کے باپ بھی یہی یہودی ہیں۔ چنانچہ اہل مغرب میں سے کچھ سیاستدانوں نے اپنے آپ کو "سوشلسٹ" کہنا شروع کر دیا ہے۔ اور سوشلسٹ ممالک نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ بڑے جمہوری ہیں۔ سوشلزم کا تو روس میں کباڑا ہو چکا ہے اب جمہوریت کی باری کب آتی ہے۔

آمریت یا جمہوریت چنانچہ اسلام یا تو جمہوریت ہو سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی آمریت۔ دونوں چیزیں نہیں ہو سکتیں۔ لیکن غیروں کے اثرات کے تحت آمریت ہمارے ملک میں ایک گالی سمجھی جاتی ہے (نعوذ باللہ) حالانکہ قرآن پاک میں صاف صاف بیان کیا گیا۔ "اطیعو اللہ، اطیعو الرسول، واولامر منکم۔ یعنی ہمارے حاکم کو بھی اولامر کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یا جتنے نام بھی ہیں ان میں ایک نام آمر بھی ہے۔ حضور پاکؐ کے اسماء میں بھی ایک نام آمر کا ہے اور آگے کتاب میں خود بخود واضح ہو جائے گا کہ اسلام سراسر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبؐ کی آمریت ہے۔ قرآن پاک میں امر بالعروف کا ذکر سینکڑوں دفعہ ہے اور جمہور کا لفظ شاید ایک آدھ دفعہ بھی نہیں آیا کہ لوگ یا جمہور فیصلہ کرے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی حضور پاکؐ نے فیصلے دیئے نہ کہ لوگوں کو کہا کہ وہ فیصلہ دیں اور مشورہ جس کی تفصیل ہم چھبیسویں باب میں بیان کریں گے وہ بھی امر میں ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ "شاور ھم فی الامر" اور قرآن پاک میں دونوں دفعہ یہ الفاظ خاص واقعات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چنانچہ اس عاجز کے لحاظ سے مغربی جمہوریت اس کی موجودہ شکل وصورت میں ایک باطل فلسفہ ہے اور اس میں سراسر گمراہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آمریت کی ضد ہے۔ دراصل ہماری قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء میں بھی ہم سے بھول ہو گئی کہ اس کی رو سے ہم خلیفتہ اللہ یا اللہ کے نائب بن گئے۔ خلیفتہ اللہ صرف نبی ہوتا ہے اور ہمارے خلفائے راشدینؓ اپنے آپ کو خلیفتہ الرسولؐ کہتے تھے، مغل بادشاہ اکبر خلیفتہ اللہ بنا تو اس پر کفر کے فتوے لگے۔ اب دین مکمل ہو چکا ہے اور اس کو جاری کرنا ہے۔ مشورہ اللہ تعالیٰ کے امر میں ہے۔ قانون مل چکا ہے مقننہ یا قانون ساز اسمبلی یا اور ایسی اصطلاحیں غیر اسلامی ہیں۔ جمہوریت گروہ بندی اور سیاسی پارٹیوں کو جنم دیتی ہے اور انتخاب

کے ذریعہ طبقاتی نفرت پیدا کی جاتی ہے یہ بڑے وسیع مضمون ہیں اور ان تمام طریقوں کی علامہ اقبالؒ بھی مخالفت کر گئے اور کہا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں   نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن ممبری ، کونسل صدارت   بنائے خوب آزادی نے پھندے

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارا سپریم کورٹ تسلیم کر چکا ہے کہ قرار داد مقاصد کو اگر ہمارے قانون کا "سر خیل" مان لیا جائے۔ تو باقی آئین ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے لحاظ سے یہ صرف اسلام کا "تڑکا" ہے۔ اور تڑکے پر گزارہ کیا جائے

وطن کی پوجا اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق ہمارا ایک اللہ ہے۔ ایک رسولؐ، ایک قرآن پاک اور ہم ایک امت ہیں۔ اور اس فلسفے کے تحت ہم نے ایک ملک بنایا۔ اور پاکستان کسی جغرافیائی وحدت یا ضرورت کے تحت وجود میں نہیں آیا۔ ہم مصطفویؐ ہیں اور اس لیئے ہم نے ایک الگ وطن بنایا۔ یہ وطن ہمارے لیئے مقدس ہے کہ ہم اسکو اسلام کا قلعہ بنانا چاہتے ہیں اور یہاں پر اللہ اور رسولؐ کے احکام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ علاقوں یا صوبوں کی ثقافت، دریاؤں کے بہاؤ اور علاقائی لوگ ناچ اور گانے وغیرہ اسلامی فلسفہ حیات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہڑپہ، ٹیکسلا یا موہنجو ڈارو کی تہذیبیں ہمارا ورثہ نہیں۔ مادر وطن اور شہید وطن وغیرہ کی اصطلاحوں کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ سوہنی دھرتی اور وطن کی پوجا کی اجازت نہیں۔ اور نہ ہی وطن کو اللہ کا شریک بنایا جا سکتا ہے۔ بد قسمتی سے ساری امت وطن کے چکروں میں ہے۔ جغرافیائی نیشنلزم دنیا پر چھا چکا ہے۔ اور ہندو فلسفہ کے تحت مادر وطن (بھارت ماتا) کے معاملہ کو ساری دنیا نے اپنا لیا ہے اور ہم نے بھی اس کی نقل کی۔ حالانکہ ہم نے ملک اسلام کے لیئے بنایا تھا اور ہندوؤں کی نظم "بندے ماترم" سے نفرت کی وجہ سے اور اپنے رخ کو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی طرف کرنے کے لیئے ہم نے یہ ملک بنایا تھا۔ اب اگر ہم نے بھی وطن کی پوجا شروع کر دی ہے تو یہ سخت غلطی ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے   جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے (اقبالؒ)

وطن کی پوجا کرنا یا اس کو اللہ کا شریک بنانا جیسے ہم نے کیا ہوا ہے ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ غیر تو غیر ہیں لیکن اللہ والوں کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ہم وطن کو اللہ کے برابر لا کر کھڑا کریں۔ اس سے یا ایسا کرنے سے ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کا بھی شکار ہو سکتے ہیں۔ ہمارے قومی ترانہ پاک سرزمین شاد باد میں سے بھی دھرتی کی پوجا اور بندے ماترم کی بو آتی ہے اور معاملات کچھ چل اس لیئے رہے ہیں کہ "سایہ ذوالجلال" کا ذکر بھی کر دیا۔ ورنہ "بنگال سرزمین شاد باد" ہو کر بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اور اس فلسفہ کے تحت اب۔ "سندھو دیش" "مہا پنجاب" "پختونستان" اور "آزاد بلوچستان" بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چار قومیتوں کی بات تو عام تھی اب پانچویں قومیت والے مہاجر بھی "میدان" میں آگئے ہیں کہ آٹھویں باب میں فلسفہ ہجرت کے تحت ذکر ہے کہ ہجرت تو عقیدہ کی حفاظت اور غیرت کے بچاؤ کے لیے کی جاتی ہے۔ یہاں جو لوگ مادی ضرورتوں یعنی پیسہ کمانے اور "جنت ارضی" والی زندگی کے خواہشمند تھے وہ بھی آکر پاکستان میں "مہاجر" بن گئے۔ نتیجہ سامنے نظر آرہا ہے کہ پاکستان تو امت واحدہ یعنی پورے مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی عمارت کی پہلی اینٹ تھی اب وطن کی پوجا، آزادی فکر، گروہ بندی، طبقاتی نفرت، فرنگی سیاست اور

غیروں کے نظریات اپنا کر کے از خود ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ افسوس کہ ہم بھول گئے کہ "ضرب عرب" کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آئے وہی ہمارا وطن ہے" اور یہ ٹھنڈی ہوا تب آئے گی کہ ہم مصطفوی بنیں۔ یہ عاجز اپنی قوم کو صرف یہ یاد کرائے گا۔

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں   کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں (اقبالؒ)

تعلیم ہماری موجودہ تعلیم کے طور طریقوں یا جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اس پر ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ موٹے لفظوں میں موجودہ تعلیم کا اسلام کا فلسفہ حیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور تعلیم کا مقصد بھی وہ نہیں جو اسلام کے عقائد کے مطابق ہوتا ہے، مشنری سکول یا سرکاری ادارے یا دینی اسکول ہر جگہ پر حالات کو موجودہ ضرورتوں اور اسلام کے فلسفہ حیات کے تابع کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور اتنے سال گزر جانے کے باوجود آج تک ہم نے اس بنیادی چیز کو نہیں سمجھا کہ اسلام میں تعلیم کا اول مقصد اسلامی کردار پیدا کرنا ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں مسلمانوں کی طرح زندگی گزارے۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ تعلیم مرکزی حکومت کا مضمون ہے کہ تعلیم کے ذریعے پوری قوم میں وحدت فکر پیدا کی جائے۔ یعنی تمام سلیبس یا کتابیں یا امتحانات مرکزی حکومت کے احکام کے تحت ہونا چاہییں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ معاملات کو آسانی سے چلانے کے لئے نظام یعنی مدرسوں، عمارتوں یا استادوں وغیرہ کے سلسلے میں کنٹرول صوبائی حکومت کے پاس ہو۔ اس کے علاوہ موجودہ ادب، فلسفہ، یا شیکسپیئر کے ڈراموں کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں بلکہ نفسیات اور معاشرتی مضامین سمیت تمام تاریخ کی کتابوں کو بامقصد کتابیں بنانے کی ضرورت ہے اور تمام تر سلیبس کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہوگا جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ مزید سفارشات چھبیسویں باب میں ہیں۔

ادب، فلسفہ، ثقافت یہی چیز ادب، فلسفہ، ثقافت اور ہمارے ان اداروں کو لاگو ہے جو فن کار پیدا کر رہے ہیں۔ آرٹ ہو یا فائن آرٹ یا وہ ادارے ہوں جو ہم نے مغرب کی نقالی میں کھول رکھے ہیں۔ ان سب چیزوں سے قوم کے اذہان پر ایک عجیب و غریب قسم کی یلغار ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی علاقائی روایات یا طبقاتی رسم و رواج میں بھی بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے غلط ہوتی ہیں۔ چنانچہ زندگی کے ان شعبوں کو بھی اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہوگا۔ اسلام ذہنی عیاشی والے ادب کے بجائے اللہ کے ذکر کے احکام دیتا ہے کہ اس سے دل اطمینان پکڑتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی ادب میں نوحہ خوانی کی بھی کوئی گنجائش نہیں کہ "حیران ہوں روؤں کے پیٹوں جگر کو میں" اب مرزا غالب بے چارہ تو مردہ مغل تہذیب کی نوحہ خوانی کرتا ہے جو تہذیب اسلامی بھی نہ تھی۔ لیکن اس کو ہم کبھی "بندر روڈ" پر لے جاتے ہیں اور کبھی "انار کلی" میں کہ ہماری ذہنی عیاشی ہو۔ یا سعادت حسن منٹو کے "ٹھنڈے گوشت" پر واہ واہ ہوتی ہے کہ اس نے ادب کی بڑی خدمت کی۔ اور جوش ملیح آبادی جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر تھا اس کے دن منائے جاتے ہیں کہ اس نے ادب کی بڑی خدمت کی۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے "ترقی پسندی" کا لبادہ اوڑھ لیا ہے ان کی خرافات کے لفظ لفظ میں اسلام کے فلسفہ حیات کی نفی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر لاہور سے مشرق کی طرف کسی "ادیب" کے ان الفاظ کا ایک بورڈ لگا ہوا ہے جس پر ستمبر ۶۵ کی جنگ کے شہدا کی طرف سے یہ لکھا ہوا

ہے "ہم نے اپنا آج آپ کے کل پر قربان کر دیا" - یہ پڑھ کر ہماری قوم کے لوگ واہ واہ کرتے ہیں لیکن یہ بڑا غلط نعرہ ہے - شہادت صرف اللہ کے راہ پر ہے جو قوم کے لیے قربان ہوا - وہ دوزخی ہے - اور مولوی عبدالمجید سالک نے جو شہید کی موت کو قوم کی حیات بنا دیا وہ بھی غیر اسلامی بات ہے - تفصیل آگے جنگ احد کے تحت بارہویں باب میں آتی ہے - اسلام کا ادب، قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور بزرگوں کے اقوال میں ہے - یا عقیدت، نعت اور رجزیہ شاعری کی اجازت ہے کہ سب کچھ اللہ کے احکام کے تابع کیا جائے - بلھے شاہؒ کہتے ہیں -

" باقی ساری گلاں ہکا اللہ والی گل کجھ رولا پایا عالماں تے کجھ کتاباں وچ جھلی "

(یعنی بات ساری اللہ والی ہے - باقی بہت چھوٹی باتیں ہیں عالموں کی باتیں اور کتابوں کے تحریریں ایسی ویسی ہیں) اور یہ بھی یاد رہے کہ قوم میں ایسے ذہنی عیاشی دینے والے فلسفوں یا بے جان ادب سے نہیں چلتیں - علامہ اقبال کہہ گئے ہیں -

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے "

ویسے ثقافت کا لفظ پڑھ کر اس عاجز کو اکثر ہنسی آجاتی ہے - اور جموں و سیالکوٹ کی خاکروب عورتوں نے جب عیسائی مذہب اختیار کیا اور مغربی ثقافت اپنانے کے لیے جب بازار میں گئیں تو ہر چیز کی تعریف کے اصول کے تحت ایک نے دوسری سے کہا "ہیلو مس بھاگو ویری ویری گڈ گونگو" ان الفاظ کو اردو میں ڈھالنا مشکل ہے پس یہ سمجھیں "شلغم کی تعریف ہو رہی تھی" - علاوہ ازیں میرے ایک گنگا جمنی "ادیب دوست" کو گلہ تھا کہ موجودہ جغرافیائی پاکستان کی ثقافت کوئی نہیں - اور مردہ ثقافت بھی ثقافت نہ ہونے سے بہتر ہے - یعنی ہم مرزا غالب کی بیان شدہ "مردہ ثقافت" کا جو ذکر کرتے تھے تو ان کو یہ بات سخت ناپسند تھی -

اس سلسلہ میں بات لمبی ہو جائے گی - لیکن غیروں سے معاہدے کر کے اور کچھ مردہ مغل اور اودھ کی تہذیب کو پاکستان میں "درآمد" کیا جا رہا ہے - ایک "ناپسندیدہ" سیاسی لیڈر نے اپنی ساری زندگی میں ایک اچھی بات کہی اور وہ یہ تھی کہ یہ مردہ تہذیب و ثقافت ہمیں بھی نامرد یا خسرے بنا دے گی - یاد رہے کہ ہماری ثقافت کا پورا ذکر سورۃ فتح کے آخری رکوع میں ہے - اور قوم سے گزارش ہے کہ اپنے آپ کو اس سورۃ میں بیان شدہ فلسفہ کے تحت ڈھالیں -

ذرائع ابلاغ اس کے علاوہ بد قسمتی سے ہمارے ذرائع ابلاغ اس وقت جتنا قوم کا نقصان کر رہے ہیں اور جتنا تفرقہ یہ پھیلا رہے ہیں اتنا اور کوئی ادارہ نہیں پھیلا رہا - اسلام کے فلسفہ کو انہوں نے گڈمڈ کر دیا ہے کبھی وطن کی پوجا، کبھی باطل فلسفوں کا پرچار اور ان لوگوں نے قوم کے اذہان پر ایسی یلغار کر دی ہے کہ ہمارے ذہنوں کو بھی ماؤف کر دیا ہے - ہم اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل میں نہ جائیں گے - ضرورت یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کے تمام اداروں یعنی اخباروں، ریڈیو اور ٹی وی کی تمام تر کارروائیوں کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر دیں - اس وقت ان اداروں میں ایسے لوگ بیٹھے ہیں جن کو خود نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں -

عدلیہ، قانون اور سول انتظامیہ و مادی ذرائع اور متعلقہ مدیں ہماری حکومت کے تمام ڈھانچے خواہ وہ عدلیہ اور قانونی ادارے ہیں یا سول انتظامیہ اور عسکری ادارے وہ تمام تر مغربی نظام ہائے حکومت اور نو آبادیاتی طریق کار کی پیداوار

ہیں ۔ ان سب چیزوں کے ہر پہلو کو اسلامی فلسفۂ حیات کے طور طریقوں کے تابع کرنا ہوگا ۔ بعض جگہ بالکل نئے ڈھانچے بنانے پڑیں گے ۔ کہ باطل کی بنیاد پر حق کی عمارت نہیں بنائی جا سکتی ۔ مثال کے طور پر انگریزوں کا سول سروس "کالے انگریز" پیدا کرتا ہے یہ لوگ اسلامی قدروں کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کر سکتے ہیں ۔ یہی چیز عدلیہ اور قانون کو لاگو ہے کہ رومن قانون مادی نظریات کی پیداوار ہے اور اسلامی فقہ منطق الطیر کی تعلیم کے تابع ہے یہی بات مادی ذرائع یعنی پیداوار، زراعت، صنعتیات اور ان کی متعلقہ مدیں یعنی مالیات، تجارت، کارخانوں وغیرہ کو بھی لاگو ہے کہ اسلام نے ان تمام ذرائع کے لئے کچھ اصول وضع کئے ہیں ۔

مساوات ہم لوگوں نے مغرب والوں سے ایک قدم آگے بڑھنے کے لئے اسلامی مساوات یا مساوات محمدی کو بھی اسلامی سوشلزم کہنا شروع کر دیا ہے ۔ اور اس طرح یہاں بھی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ۔ اول تو کسی سوشلسٹ ملک میں بھی برابری ناممکن ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو ایک جیسا پیدا نہیں کیا ۔ ہر ایک آدمی نہ سربراہ مملکت بن سکتا ہے نہ عالم دین یا ڈاکٹر یا انجنیئر وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی جگہ برابری کا ذکر نہیں کیا بلکہ اکثر لکھا ہے ۔ کہ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوتے ۔ جاہل اور عالم برابر نہیں ہوتے وغیرہ ۔ اس لئے مساوات کے لفظ کو غلط طور پر اپنا کر ہم نے لوگوں کے درمیان طبقاتی نفرت پیدا کر دی ہے ۔ بے شک اسلام بڑے اور چھوٹے کو الگ الگ مقام نہیں دیتا اور بڑائی صرف اسلامی کردار میں ہے لیکن مکمل طور پر برابری ناممکن ہے ۔ ہاں معاشی انصاف اور برابر مواقع عین اسلامی اصول ہیں ۔ البتہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے کچھ دانشوروں نے اسلامی مساوات کو افسانوی رنگ دے دیا ہے ایک کہانی مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ سے بیت المقدس کا سفر ایک غلام اور سواری کیلئے ایک اونٹنی کے ساتھ کیا اور جب بیت المقدس کے نزدیک پہنچے تو اونٹنی پر سواری کرنے کی غلام کی باری تھی ۔ اور غلام سوار تھا اور حضرت عمرؓ اونٹنی کی مہار پکڑ کر آگے آگے چل رہے تھے ۔ عیسائی (راہبوں) کو معلوم تھا کہ بیت المقدس صرف ایسا حکمران فتح کر سکتا ہے جو اس حالت میں وہاں پہنچے گا اس لئے انہوں نے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے ۔ ورنہ وہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے نہ کرتے ۔

راقم نے خلفاء راشدین کی کتاب حصہ دوم دسویں باب میں اس چیز کو نقشوں اور حالات سے واضح کیا ہے کہ اس کہانی میں کوئی سچائی نہیں ۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس جانے کے لیے پہلے جابیہ تشریف لے گئے جو موجودہ اردن میں وادی یرموک میں ہے ۔ یہاں پر سپہ سالار اعظم جناب ابو عبیدہؓ نے انہیں خوش آمدید کہا ۔ جناب خالدؓ، جناب یزیدؓ بن ابو سفیانؓ اور حمص و دمشق کے کئی امراء وہاں موجود تھے ۔ حضرت عمرؓ نے یہ سفر اکیلے نہیں کیا تھا بلکہ جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے علاوہ ساتھ حفاظتی دستہ بھی تھا جابیہ سے فحل کے راستے دریائے اردن کو پار کیا اور پھر شمال سے جنوب کی طرف بیت المقدس کا سفر کیا ۔ جناب ابو عبیدہؓ کے علاوہ متعدد امراء ساتھ تھے ۔ اور بیت المقدس کے باہر جناب عمروؓ بن عاص اور شرجیلؓ بن حسنہ نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا ۔ ایسی کہانیوں سے ہم اسلام کی کوئی خدمت نہیں کرتے ۔ کہ ایسی مساوات عملی نہیں ۔ حضور پاکؐ کے زمانے

ہیں امیر صحابہ کرامؓ بھی تھے اور اصحاب صفہ بھی تھے۔آپؐ نے کسی سے کچھ زبردستی لے کر دوسرے کو نہیں دیا۔نہ کسی سے مکان خالی کرائے ان اصحاب صفہ کو جگہ دی۔بعض دفعہ غیروں کی نقالی میں ہم اپنے نظریات کو بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے ہیں اور اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔

انقلاب اس قسم کی غلط نقالی کے طور پر ہم لوگوں نے اسلامی انقلاب وغیرہ کی غلط اصطلاحیں اپنا کر اسلامی فلسفہ حیات کا بڑا نقصان کیا ہے حالانکہ مولانا محمد علی جوہرؒ نے قوم کو متنبہ کی کہ اسلام، صراط مستقیم ہے نہ کہ انقلاب اور ایسی اصطلاحیں اپنانے سے ہماری سوچ کے تانے بانے تبدیل ہو جائیں گے۔یہ عاجز اس سلسلہ میں پیش لفظ اور خاص کر دوسرے باب میں خوب تر وضاحت کر چکا ہے کہ غلط اصطلاحیں، اسلام میں غلط اور باطل نظریات کو داخل کر دیتی ہیں۔اور یہی ہمارا المیہ ہے کہ ہم غیروں سے مرعوب ہو رہے ہیں اور ان کی سازشوں کو نہیں سمجھ پاتے۔اسلامی جمہوریت اسلامی سوشلزم، اور اسلامی انقلاب کی تلمیحات نے اسلام یعنی اہل حق کے نظریات اور فلسفہ کو غیروں کے باطل نظریات کے ساتھ گڈ مڈ کر رکھ دیا ہے۔ویسے بھی انقلاب کا لفظ روس اور فرانس کے مادی تبدیلیوں سے وابستہ ہے۔

فقر اور تلوار پیش لفظ میں فقر اور تلوار کے سلسلہ میں گزارش کی تھی کہ حضور پاکؐ نے یہ دو چیزیں امت کے لیے ورثہ میں چھوڑیں۔اور مسند احمد کے مطابق آپؐ کے اسماء مبارک میں ایک نام صاحب سیف بھی ہے اور یہی پہلو یہ عاجز جلال اور جمال کے تحت زیادہ طور پر واضح کرنا چاہتا ہے علامہ اقبالؒ نے البتہ بھانپ لیا کہ ہم یہ دونوں چیزیں کھو چکے ہیں اور لکھتے ہیں۔

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز ورنہ ہے مال فقیر سلطنت روم و شام

لیکن ایک اور جگہ مزید یہ وضاحت کرتے ہیں۔

نہ فقر کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لئے وہ قوم جس نے گنوایا متاع تیموری

اب تیمور تلوار اور علاقوں کی فتوحات میں دنیا میں پہلے نمبر پر ہے کہ ماسکو تک گیا اور اس کے جنگی سفر، چنگیز خاں سے بھی زیادہ ہیں نپولین یا سکندر یونانی تو اس سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔تو علامہ اقبالؒ نے فتویٰ دے دیا کہ ہم کسی حکومت یا فقیری کے لیے موزوں ہی نہیں کہ ہم متاع تیموری اور جنگ کے معاملات کو گنوا چکے ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ جنگ میں خون ضائع ہونے اور جنگ کے ذریعہ حکومت یا پادشاہی وغیرہ کے پہلو سے بھی آگاہ تھے۔اور لکھتے ہیں۔

خریدیں نے ہم جس کو اپنے لہو سے مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی

یہی نہیں بلکہ ہمارے بارے وہ آگاہ تھے کہ ہم بکاؤ مال بن چکے ہیں اور نہ ہماری باتوں میں کوئی جلال ہے، اور نہ ہمارے کردار یا عمل کو دیکھ کر غیروں کو ہم سے کچھ ڈر لگے گا۔اس لئے لکھتے ہیں "اے لا الہ کے وارث باقی نہیں کچھ تجھ میں گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ" بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ تصور میں پاکستان کی فوج کو بھی دیکھ رہے تھے اور ان پر ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے ساتھ سقوط ڈھاکہ جیسی کوئی صورت واقعہ ہو گی کہ لکھتے ہیں۔

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

سازش اگر یہ عاجز علامہ اقبالؒ کے بارے صرف یہ کچھ لکھنے کہ قوم کے عسکری پہلو کے بارے میں انہوں نے کیا کچھ کہا ہے تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں کیونکہ ان کا سارا کلام فلسفہ جہاد کے گرد گھومتا ہے۔ اور یہ عاجز اس پر دو وسیع تر مضامین پاکستان آرمی جرنل میں شائع کرا چکا ہے۔ اب ہر سال میں دو دفعہ علامہ اقبالؒ کے دن منائے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی نے علامہ اور جہاد کے پہلو پر بھی کسی ذرائع ابلاغ سے کچھ کہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! کہ ہم غیروں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم تلوار سے دستبردار ہو جائیں۔ انہوں نے ایک شوشہ چھوڑ دیا کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہمارے علماء، دانشور، سیاستدان اور سب لوگ اس کام پر لگے ہوئے ہیں کہ نہیں جی۔ اسلام سلامتی کا دین ہے اور اسلام ہرگز تلوار سے نہیں پھیلا۔ یہ سازش اتنی گہری ہے کہ ہمارے اہل قلم نے قوم کو تلوار، عسکریت اور جنگ سے نفرت دلانا شروع کر دی ہے۔

یہ بحث بڑی لمبی ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا مسلمانوں کے کردار کو دیکھ کر لوگ اسلام لے آئے یا تبلیغ والوں نے کام کیا یا فقیروں کی نگاہ کام کر گئی۔ بہر حال تلوار ایک عزت والی چیز ہے۔ اور اسلام ایک آدھ جگہ کو چھوڑ کر زیادہ وہاں پھیلا جہاں ہمارے تلوار والے گئے۔ ہم نے کسی کی گردن پر تلوار رکھ کر اس کو یہ نہ کہا کہ مسلمان ہو جا۔ لیکن ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ تلوار نے اسلام کے پھیلاؤ کے سلسلہ میں کوئی حصہ نہ ادا کیا۔ چلو مان لیتے ہیں کہ یہ تلوار جنگ کے بعد نیام میں رکھ لیتے تھے لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ تلوار پاس نہ تھی اور پھر اس بحث سے فائدہ کیا ہے۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ کچھ لوگوں کو اپنے دین میں لے آیا۔ اور ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ اور تلوار والے غیرت مند ہوتے ہیں اور بہتر کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان سے متاثر ہو کر لوگ اسلام میں داخل ہوئے نہ کہ ہیجڑوں اور گانے ناچنے والوں کو دیکھ کر۔ اور ہر عورت پسند کرتی ہے کہ اس کا خاوند بہادر ہو۔ ہر ماں بیٹے کیلئے بہادری کی دعا کرتی ہے۔ پہلے بھی گزارش ہو چکی ہے کہ شہرۂ آفاق جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جو لوگ جنگ کو بھیانک کہتے ہیں وہ بھی اپنی قوم کے دشمن ہوتے ہیں چنانچہ قوم کو گزارش ہے کہ وہ اہل حق کے جنگ کے پہلو کو سمجھیں۔

سرور جو حق و باطل کی کار زار میں ہے   تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہنے   (اقبالؒ)

جہاد سے گریز یا نامردی علامہ اقبالؒ بھانپ گئے تھے کہ فلسفہ جہاد کو بے جان کرنے کی سازش جاری ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ کہا۔ ہم صرف ایک شعر لکھ رہے ہیں۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے   دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

علامہ کا یہ اشارہ غلام کذاب کی طرف تھا۔ لیکن زیادہ تماشہ سیالکوٹ کے ایک مولوی چراغ علی نے جہاد کو کوشش کے معنی پہنا کر جہاد سے رہی سہی جان بھی نکال دی۔ انگریزوں کی ایماء پر نظام حیدر آباد نے اسکو نواب اعظم یار جنگ کا خطاب دیا۔ حالانکہ اس کے لئے بہترین خطاب "فرار جنگ" تھا۔ راقم نے کلاسوٹز فلسفہ جنگ حصہ سوم کے پہلے باب صفحہ ۲۱۱ اور ۲۱۲ پر اس مردود کی سازش کو بے نقاب کیا ہے۔ کہ پاکستان میں کراچی کی نفیس اکاڈمی، اس کی کتاب کو کوڑیوں کے بھاؤ ملک میں بیچ کر فلسفہ جہاد کو بے جان کر رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مولانا مودودی کی جہاد کی کتاب میں "مصلحانہ جنگ" اور "مدافعانہ جنگ" کے الفاظ نے

جنگ کو بھیانک بنا دیا ہے۔ کیونکہ مدافعانہ جنگ کا اصول یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ جارحانہ حالات پیدا کئے جائیں اور جن لوگوں کو فن سپگری کی ذرا بھی شد بد ہے وہ اس پہلو کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے کوشش کے باوجود مودودی صاحب فلسفہ جہاد کے روح تک نہیں پہنچ سکے بلکہ ان کی کتاب جہاد فی الاسلام، اسلام کے ساتھ ایک بہت بڑا مذاق ہے۔ مولانا شبلیؒ اور سید سلمان ندویؒ کے بارے گزارش ہو چکی ہے کہ وہ غلامی کے زمانے میں تھے اور راقم خود کرایہ کا سپاہی رہ چکا ہے کہ وہ مشکل زمانے تھے۔

کیا گیا ہے غلامی میں تجھ کو مبتلا　　کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی (اقبالؒ)

چنانچہ حضور پاکؐ کی زندگی میں ہم فلسفہ جہاد کو تلاش کرنے کے بعد کتاب کے پچیسویں باب میں اسلام کے فلسفہ دفاع کو پیش کر رہے ہیں۔ جس کے بارے میں جنرل ڈار صاحب مرحوم نے تعارف میں یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ ایسا یقیناً پہلی دفعہ ہو رہا ہے۔ ان باطل فلسفوں کو حال کی زبان میں بیان کرنا اور ان کے ہم پر اثرات کا ذکر بہت ضروری تھا۔ کہ اصلی سازش یہ ہے کہ مسلمان کے قلب سے روح محمد کو نکال دیا جائے۔ اور اسلام کے نظریہ جہاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اس کے لئے اس خطہ میں انیسویں صدی میں سرسید اور غلام کذاب کے ذریعہ سے ہمارے ملک میں قادیانیوں اور بے دین لوگوں کی ایک کھیپ تیار کی گئی اور انگریز جاتے جاتے ان کو ہم پر مسلط کر گئے اور آج تک یہی لوگ ہماری حکومت اور معاشرہ پر چھائے ہوئے ہیں۔ سرسید کو حضورؐ پاک کی جگہ دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیا گیا۔ اور قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں بھی کمال ترکی برانڈ کا ماڈرن یا بے دین یا داڑھی موچھ صفاچٹ۔ اسلام نافذ کرنے کی تگ و دو ہو رہی ہے۔ ہمارے مولوی بے چارے خود کوئیں کے مینڈک ہیں اور وہ اس سازش کو سمجھ نہیں پاتے۔ اور ہمیں کافرانہ سیاسی جمہوری نظام، مغربی دفاعی نظام اور معاشی یا دفتری یا عادلانہ نظاموں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ تو ہم معاشرہ کو کیسے اسلامی بنائیں اور رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ کیسے ہو، جب جھوٹے نبی کا مرکز پاکستان کے وسط ربوہ کے مقام پر موجود ہے۔

خلاصہ　کتاب کے پہلے باب میں اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکیاں تھیں اور دوسرے باب میں اہل حق اور صراط مستقیم والوں کا ذکر تھا۔ اب اس باب میں باطل فلسفہ والوں اور گمراہی کا ذکر کر کے اس عاجز نے کتاب کے مقصد کے تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔ کہ اب ہمارے آقاؐ کی بعثت کا وقت قریب ہے اور اگلے باب میں تاریخ کے تانے بانے اس عظیم وقت کے ساتھ ملانے ہیں۔

اس باب میں باطل کی بنیاد اس کا تاریخی پہلو اور باطل و حق کی ٹکر کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ ساتھ ہی باطل کے طریق کار نظریات، اصطلاحات اور تلمیحات کا بھی سرسری ذکر ہو گیا ہے کہ وہ کیا ہیں اور ہم پر ان کے کیا اثرات ہوئے۔ اور یہ چیزیں ہمیں کس طرح گمراہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اور سارے عالم اسلام میں اس سازش کو پروان چڑھانے کیلئے مغرب کے "گھوڑے" موجود ہیں۔ بد قسمتی سے ہماری موجودہ طرز تعلیم سے مومن کے مقصدِ حیات کا پہلو غائب ہے اور دو سو سال کی غلامی کی وجہ سے ہم نے حق و باطل کو ایک دوسرے میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ اور ہم خود آدھے تیتر اور آدھے بٹیر بنے ہوئے ہیں۔ سنتے ہیں مسلمانوں کی کل تعداد نوے کروڑ ہے۔ لیکن ہم دنیا کی مغلوبہ قوم ہیں اور خاص کر پاکستان میں تو آج بھی ہمیں وہ تعلیم دی جا رہی ہے جو لارڈ میکالے ہمارے لئے فیصلہ کر گیا۔ اب زبانی طور پر ہم لارڈ میکالے کو تو برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ لیکن اس کے پروردہ اور

غلام اعظم سر سید احمد کو اپنے سر کا تاج اور پاکستان کا بانی سمجھتے ہیں۔ اور اس کے نام پر بے شمار سکول اور کالج بنا رہے ہیں جن کے بارے اکبر اللہ آبادی نے کہا۔

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی بچوں کے قتل سے یونہی وہ بدنام نہ ہوتا

اس علم سے تو ہم بے علم اچھے تھے کہ یہ علم ہمیں کالج میں ڈینگیں مارنا سکھلاتا ہے اور سراسر غیر اسلامی ہے۔ طالب علم بپھرے پھرتے ہیں اور اٹھ کر اپنی عمارتیں اور موٹریں جلا دیتے ہیں۔ اس سے افغانوں کی "بے علمی" بہتر رہی کہ وہ مسلمانوں کی لاج رکھ رہے ہیں اور انہوں نے دنیا کی ایک سپر طاقت کو پاش پاش کر دیا۔ بہرحال یہ ایک پہلو تھا۔ دراصل جب تک ہم غیروں کے باطل فلسفوں کو بحیرہ عرب میں غرق نہیں کر دیتے ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ اور یہاں تتلی اور گبریلہ کی کہانی بڑی موزوں رہے گی۔

تتلی اور گبریلہ بچپن میں ہمیں ایک تتلی اور گبریلہ کی کہانی سنائی گئی تھی کہ ایک تتلی نے آکر گبریلہ کو کہا کہ سارا دن وہ گوبر میں رہتا ہے اور زمین کا کیڑا بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پر دیئے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ اڑ کر باغ میں چلے۔ گبریلہ بڑی مشکل سے تیار ہوا۔ اور تتلی اس کو باغ میں لے گئی۔ لیکن تتلی حیران تھی کہ گبریلے کو باغ سے ذرا بھر بھی خوشبو نہ آئی۔ اس نے سوچا کہ ایسے کیوں ہو رہا ہے اور جب اس نے غور سے دیکھا تو گبریلہ نے کچھ اٹھایا ہوا تھا۔ تتلی نے پوچھا کہ یہ کیا اٹھائے ہوئے ہو تو گبریلہ نے کہا کہ چلتے وقت تھوڑا سا گوبر ساتھ رکھ لیا تھا کہ باغ میں اگر کھانے کو کچھ نہ ملے تو گوبر استعمال کر لوں گا۔ چنانچہ ہر مسلمان کے لیے سارے باطل فلسفے گوبر کی طرح ہیں۔ جب تک ہم اس گوبر کو پھینک نہیں دیتے۔ ہمیں اسلام کے معطر باغ کی خوشبو کبھی نہ آئے گی۔ ہماری تعلیم "منطق الطیر" ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو ایسی تعلیم دی گئی۔ یہ ہماری بدقسمتی ہوگی کہ ہم گبریلے کی طرح زمین کا کیڑا بن کر گوبر یا مادیات کی تعلیم پر گزارہ کریں اور اڑان والی تعلیم کو نہ اپنائیں تو ظاہر ہے ہمیں اسلام کے معطر باغ سے خوشبو نہ آسکے گی اس لئے باطل فلسفہ کی مختصر نشاندہی کر دی گئی ہے کہ ہم اپنا خانہ کعبہ درست کریں۔

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب ہے (اقبالؒ)

نوٹ: اس کتاب کو زیادہ وسعت کے ساتھ زمانے کے تناظر میں بیان کر کے اسلامی نظام حکومت والی کتاب کا ایک باب بنا دیا گیا ہے۔

چوتھا باب

بعثت رسولؐ

جغرافیائی پہلو اور تاریخ کے تانے بانے

تمہید پچھلے ابواب میں راقم اس دنیا کے تاریخی پہلوؤں کی کچھ جھلکیاں پیش کر چکا ہے۔ گو اس عاجز نے تاریخ کو زیادہ تر رہبران اسلام یا رہبران دین حق کے ذریعہ سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور حضور پاکؐ نے احادیث مبارکہ میں کب اور کہاں پر زیادہ زور نہیں دیا کہ مثالیں صرف اسباق حاصل کرنے کے لیے دی گئیں۔ البتہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بابل اور مصر کی سلطنتیں بھی رہیں اور ہڑپہ یا موہنجوڈارو وغیرہ قسم کی تہذیبیں بھی تھیں۔ چین اور جاپان کچھ الگ تھلگ تھے۔ یورپ اندھیرے براعظم کے نام سے موسوم تھا۔ اور وہاں پر بحیرہ روم کے کنارے بسنے والے دو ملک یونان اور روم (موجودہ اٹلی)، دنیا کی تاریخ پر کچھ اثر ڈال سکے۔ افریقہ، یورپ سے بھی زیادہ اندھیرا براعظم تھا۔ اس کے بھی صرف دو ملکوں مصر اور کار تھیج (موجودہ تیونس) نے دنیا کی تاریخ پر کچھ اثرات چھوڑے۔ بہرحال بحیرہ اوقیانوس کی ڈوبی ہوئی تہذیب یا امریکی براعظم اس مطالعہ میں شامل نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے چند سال پہلے ایک طرف یونان اور بعد میں روم کی سلطنتیں دنیا کی مانی ہوئی حکومتیں تھیں۔ اور ایشیا سے اٹھ کر بخت نصر نے دنیا میں کچھ نام پیدا کیا کہ فلسطین میں بنو اسرائیل کو تہ تیغ کیا اور پھر مصر اور یمن تک بھی گیا۔ روایت ہے کہ حضور پاکؐ کے جد امجد عدنان اور ان کے بیٹے معد جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ دونوں کی بخت نصر نے بڑی عزت کی تھی۔ اسکے علاوہ ایشیا میں ایران کی سلطنت نے نام پیدا کیا۔ لیکن دارا کی سکندر یونانی سے شکست کے بعد اس سلطنت پر ایک دفعہ زوال آگیا، لیکن کچھ سال بعد ایرانی حکومت پھر ایک دفعہ دنیا کی مانی ہوئی حکومت بن گئی۔

حضرت عیسیٰؑ سے چند سو سال پہلے اہل روم اور اہل کار تھیج کے درمیان بڑی جنگیں ہوئیں۔ جس میں کار تھیج کے ہنی بال نے ایک دفعہ تو کمال کر دیا کہ بحیرہ روم کو پار کر کے پہلے سپین میں داخل ہوا اور موجودہ فرانس کے راستے ہوتا ہوا کوہ ایلپس کو عبور کر کے اٹلی یعنی روم کی سلطنت کے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن روم کے جنرل سیکپیو نے یہی طریقہ اس کے خلاف استعمال کیا۔ اور آخر کار ہنی بال ناکام ہو گیا۔ اور اہل روم کچھ عرصہ کے لیے بحیرہ روم کے دونوں کناروں پر چھا گئے۔ ان تمام جنگوں کو "پیونک جنگیں" کہتے ہیں۔ اور عسکری تاریخ کے طالب علم فلسفہ جنگ کا مطالعہ انہی جنگوں کے واقعات اور نتائج سے شروع کرتے ہیں۔ سیزر، آگستس وغیرہ اسی رومی سلطنت کے بادشاہ یا آمر تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے کچھ سال بعد رومی سلطنت کے بادشاہ کانسٹائن نے روم کی جگہ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو اپنا دارالحکومت بنا لیا اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ روم میں رومی سلطنت برائے نام قسم کی سلطنت رہ گئی کہ موجودہ تیونس تک قسطنطنیہ کے بادشاہ کا قبضہ تھا۔

چنانچہ حضور پاکؐ کی ولادت کے وقت ایک طرف قسطنطنیہ والی یہ رومی حکومت دنیا کی ایک عظیم سلطنت تھی تو دوسری طرف موجودہ ایران و عراق پر مبنی ایرانی سلطنت تھی جس کا دارالحکومت دریائے دجلہ کے کنارے مدائن تھا۔ تیسری سلطنت افریقہ میں شاہ نجاشی کی تھی جس میں موجودہ ابی سینیا اور ایریٹریا کے کچھ حصے شامل تھے۔ نقشہ اوّل پر ان سلطنتوں کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے کہ ان کی حدود کیا تھیں دراصل حضور پاکؐ کی مکی زندگی اور بعثت کے وقت اہل روم اور اہل ایران کے مابین جنگ شروع تھی اور ایسا وقت بھی آیا کہ ایرانی فوجوں نے اہل روم کو نہ صرف ایشیا کے تمام ممالک سے نکال دیا بلکہ مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی مکی سورۃ روم میں ہے۔ کہ حالات تبدیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور پاکؐ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو دو سال بعد اہل روم نے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا جس کا کچھ ذکر آگے آتا ہے۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت دونوں سلطنتیں اپنی حدود پر واپس پہنچ گئی تھیں جس کا جائزہ راقم نے اپنی خلفاء راشدین کی پہلی اور دوسری کتابوں میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ بہرحال چونکہ ان تینوں مذکورہ حکومتوں کے ساتھ حضور پاکؐ اور بعد میں آپؐ کے رفقاءؓ کا واسطہ پڑا بلکہ جنگیں بھی ہوئیں تو جغرافیائی پہلو کی وضاحت اور تاریخ کے تانے بانے ملانے کی ضرورت ہے۔

سلطنت روم جیسا کہ نقشہ پر دکھایا گیا ہے سلطنت روم کا دارالحکومت موجودہ استنبول (قسطنطینہ) تھا۔ شمالی حدود کے بارے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ برفانی علاقوں میں زندگی نے مکمل طور پر معاشرت کے طور پر گھر نہ کیا تھا۔ البتہ موجودہ یوگوسلاویہ، رومانیہ، بلغاریہ اور یونان کے کافی علاقے سلطنت روم کا حصہ تھے۔ ایشیا میں بھی آرمینیا۔ اناطولیہ، شام و فلسطین اور افریقہ میں بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ مصر سے لے کر موجودہ تیونس (کارتھیج) تک سب علاقے اسی رومی سلطنت کا حصہ تھے۔ ہمارے زمانے کے یورپین مورخ البتہ اسی سلطنت کو چھوٹا روم یا بازنطینی حکومت کہتے ہیں۔ چونکہ یہ سلطنت پہلے مسلمانوں سے ہار کھاتی رہی اور پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں سے مٹ گئی تو اہل یورپ کا احساس کمتری ان کو اجازت نہیں دیتا کہ سلطنت روما کے مٹ جانے کا ذکر تاریخ کا حصہ بنے۔ کہ یورپ کی سب قومیں یا ملک اپنے آپ کو سلطنت روما کا وارث سمجھتے ہیں۔ پہلے پہل یہ وراثت اسٹریا کے ہیپسبرگ شہنشاہوں نے اختیار کی کہ وہ سیزر کے نام پر قیصر کہلائے اور بڑا عرصہ وسطی یورپ کے حکمران رہے۔ بعد میں جرمنی کا بادشاہ بھی قیصر بن بیٹھا۔ اور زار روس کا لفظ بھی قیصر یا سیزر کو روسی زبان میں لکھنے کا طریقہ تھا۔

بہرحال چونکہ قرآن پاک نے ان علاقوں کو سلطنت روم کہا اور تاریخی ثبوت موجود ہے کہ قسطنطنیہ کا بادشاہ قیصر روم کہلاتا تھا تو ہم "بازنطینی" کے چکر میں نہ پڑیں گے۔ قیصر مذہب کے لحاظ سے عیسائی تھا اور یونانی طرز کے گرجے کا پیروکار تھا۔ دور دراز ملکوں یا علاقوں میں قیصر کی طرف سے مقرر شدہ باجگزار بادشاہ یا گورنر سلطنت کو چلاتے تھے۔ ایسے لوگ یا تو ان علاقوں کے کسی قبیلہ کے سردار ہوتے تھے، یا قیصر کسی بڑے سپہ سالار کو کوئی علاقہ سونپ دیتا تھا۔ قیصر روم کی طرف سے شام و فلسطین اور اردن کے اکثر علاقوں کا بادشاہ قبیلہ غسان سے ہوتا تھا اور اس کا دارالحکومت وادی یرموک میں بصریٰ کے مقام پر ہوتا تھا۔ اوپر

وادی بلقا کا الگ باجگزار بادشاہ بھی سننے میں آتا ہے۔ ویسے قیصر کا اپنا ایک دارالحکومت بھی ایشیا میں ہوتا تھا۔ یا ممکن ہے کہ قیصر آکر صوبائی علاقوں میں دربار لگاتا ہو۔ اور ایسے دربار دمشق اور بیت المقدس میں کئی دفعہ لگائے۔ ایشیا کے دارالحکومت کے طور پر حمص اور انطاکیہ دونوں جگہوں کے نام لئے جاتے ہیں۔ اور آخر حضرت عمرؓ کی خلافت میں اپنے ایشیائی دارالحکومت انطاکیہ سے نکل کر قیصر، ایشیا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ گیا۔ حضورؐ پاک کے زمانے میں قیصر روم کا نام ہرقل (HERCULES) تھا۔ اس نے بڑی لمبی عمر پائی۔ بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضور پاکؐ کے زمانے میں ہرقل ایرانیوں کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ اور ایرانیوں نے اس سے کافی زیادہ ملک چھین کر قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی بھی شروع کر دی، کہ ہرقل کو جاسوسوں نے خبر دی کہ ایرانیوں کا اپنا دارالحکومت باحفاظت نہیں۔ چنانچہ ہرقل نے یورپ کے علاقوں سے ایک بڑی فوج اکٹھی کی۔ اور بحیرہ اسود کو پار کر کے، آرمینیا کے راستے پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے دجلہ کے کنارے مدائن کے نزدیک پہنچ گیا۔ گو وہ مدائن کا محاصرہ تو نہ کر سکا، کہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مدائن۔ شہروں کا شہر تھا اور دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا تو محاصرہ کچھ ناممکن تھا۔ ہاں البتہ ہرقل نے حکومت ایران کے لئے گوناں گوں مسائل کھڑے کر دئے کہ کسریٰ کا محل اور حکومت کے دفاتر شہر کے اس طرف تھے جدھر ہرقل پہنچ گیا تھا۔ اس زمانے میں ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کا دادا خسرو پرویز، کسریٰ ایران تھا۔ تو اس نے ہرقل کے ساتھ صلح کر لی۔ اور اس طرح چار ہجری میں دونوں سلطنتیں اپنی حدود میں واپس چلی گئیں۔ قیصر روم کی یہ کاروائی فوجی حکمت عملی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور عسکری تاریخ کے طالبعلموں کے مطالعہ میں رہتی ہے۔ اور مدائن کا دفاع بھی اپنی قسم کا آپ تھا لیکن چند سال بعد حکمت عملی کے اس ماہر ہرقل کی ساری حکمت عملیاں جواب دے گئیں اور ایشیا سے اس کا بستر گول ہو گیا۔ اور اسی مدائن کے دفاع کو بھی مسلمانوں نے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ نقشہ اول میں سلطنت روم کی یہی پرانی سرحدیں دکھائی گئیں ہیں۔

سلطنت ایران: ایران کی سلطنت بھی بڑی پرانی تھی۔ اور قبل مسیح یہ سلطنت پاکستان کے دریائے جہلم کے کئی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ سکندر یونانی کے ہاتھوں، دارا کی شکست کے بعد ایک دفعہ تو اس سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ لیکن یونانی ایشیا میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے چار سو سال پہلے سائرس اعظم نے اس سلطنت کو دنیا کی ایک عظیم سلطنت بنا دیا تھا۔ یہ وہی سائرس اعظم ہے جس کا دوسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ اس کی یاد منا کر شاہ رضا پہلوی نے بیسویں صدی کا اس کو ایک "مذاق" کہلوایا۔ اور کانگرس کے مولانا آزاد نے اس کو ذوالقرنین بھی بنا دیا۔ (نعوذ باللہ)۔ بہرحال حضور پاکؐ کی ولادت سے چند سال پہلے تک ایران کی سلطنت دنیا کی ایک عظیم سلطنت تھی۔ مشرق میں کوہ ہندوکش اور کابل و وادی زبلستان تک ان کی سلطنت کی حدود تھیں۔ شمال میں دریائے جیحوں اور آرمینیا کے علاقے دونوں دریاؤں دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے یعنی موصل تک موجودہ عراق پورے کا پورے ان کے قبضہ میں تھا۔ البتہ دریائے فرات کے جنوب کے کچھ علاقے یعنی موجودہ نجف اشرف وغیرہ کے گردونواح کے علاقے ایرانیوں نے حیرہ کے باجگزار حاکم کو دیئے ہوئے تھے۔ ایسے بادشاہ عرب النسل تھے۔ پہلے حاتم طائی کے قبیلہ طے نے وہاں حکومت کی۔ اور حضور پاکؐ کے زمانے میں باجگزاری بنولخم کو ملی ہوئی

تھی جن کے آخری حاکم نعمان بن منذر کی حکومت کو جناب خالدؓ نے جناب صدیق اکبرؓ کی خلافت میں ختم کیا۔ بنو لخم کے اس علاقے میں آباد ہونے کا ذکر آگے آتا ہے۔اس کے علاوہ صوبہ فارس کا سارا علاقہ یعنی تستر اور شوش وغیرہ سے لے کر مکران تک کے علاقے ایرانی سلطنت کے حصہ تھے۔ اور موجودہ بصرہ کے نزدیک ابلہ اس زمانے میں دنیا کی مانی ہوئی بندرگاہ تھی جس کے ذریعے اہل ایران، سندھ (موجودہ پاکستان) ہند (بھارت)، جاوا، سماٹرا اور چین کے علاقوں تک تجارت کرتے تھے اس زمانے میں بحری جہاز گہرے سمندروں میں تو نہ جاتے تھے۔ ساحل سے تھوڑا دور رہ کر چلتے تھے اور جگہ جگہ رکتے تھے۔ موجودہ بحیرہ کیسپین کے دونوں کناروں پر بھی ایرانی قابض تھے اور یہ ان کی "جھیل" تھی۔یہی نہیں بلکہ حضور پاکؐ کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد ایرانی سلطنت ابلہ سے کاظمہ (موجودہ کویت میں) سے ہوتی ہوئی موجودہ ابوظہبی اور عمان و مہرہ سے گزر کر یمن تک پھیل گئی تھی جس کا ذکر آگے یمن کے تحت آتا ہے۔

مذہب کے لحاظ سے ایرانی زرطشت کے پیروکار تھے۔اور آتش پرست تھے۔ حضور پاکؐ کی ولادت سے تھوڑا پہلے ایران کی بادشاہت نوشیرواں عادل کے ہاتھوں میں تھی، جو حاتم طائی کی طرح اقوام عالم کی تاریخ میں اپنا مقام رکھتا ہے۔عدل وانصاف اور اپنی رعایا کے ساتھ بہتر برتاؤ کے سلسلہ میں وہ بہت مشہور ہوا اور اہل علم کا بھی قدر دان تھا۔اس لئے اس کا زمانہ ایرانی حکومت کا سنہری زمانہ مانا جاتا ہے۔لیکن ہماری احادیث مبارکہ کی کتابوں میں ایک بناوٹی حدیث ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ ان کو فخر ہے کہ وہ نوشیروان جیسے عادل کے زمانے میں پیدا ہوئے۔یہ "کجا نسبت خاک را بہ عالم پاک" والی بات ہے۔ لیکن ہزار افسوس کہ امام غزالیؒ نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا۔اس کے مرنے کے بعد سلطنت کی پہلی حالت نہ رہی۔اس کا پوتا خسرو پرویز جو حضور پاکؐ کے زمانے میں تھا وہ سلطنت کا پہلا دبدبہ نہ رکھ سکا۔بلکہ کچھ پیشگوئیوں کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے صبور کو شادی بھی نہیں کرنے دیتا تھا۔ کہ نجومیوں نے اس کو بتایا کہ اس کا ایک پوتا ایران کا آخری بادشاہ ہوگا۔لیکن اس کی بیوی نے اپنے بیٹے صبور کی شادی خفیہ طور پر ایک بال سنوارنے والی لڑکی (نیانی) کے ساتھ کر دی، جس سے یزدجرد پیدا ہوا۔جس نے بچپن گمنامی میں گزارا اور وہ واقعی ایران کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔تفصیل راقم کی کتاب خلفاء راشدین حصہ سوم میں ہے۔

ادھر خسرو پرویز کی اپنی یہ حالت تھی کہ اس کے حرم میں ایک روایت کے مطابق تین سو اور دوسری روایت کے مطابق سات سو بیویاں تھیں۔لیکن اولاد بڑھانے کا سلسلہ بند کیا ہوا تھا۔روایت ہے کہ قصر شیریں کی نہر کھودنے والا فرہاد بھی خسرو کے زمانے میں ہوا اور وہ اس کی ایک بیوی شیریں پر لٹو ہوا تھا۔ادھر جنرل نخیرجان جس کا خزانہ نہاوند کی جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگا، وہ اپنی ایک خوبصورت ترین بیوی بادشاہ خسرو پرویز کو پیش کر چکا تھا کہ وہ عورت بادشاہ کے حرم میں داخل ہونے کی خواہش مند تھی۔اور یہ خزانہ نخیرجان کو اسی عورت کے عوض میں ملا۔بہرحال اس زمانے میں لوگوں کی عمریں بھی زیادہ ہوتی تھیں کہ یہ نخیرجان حضرت عمرؓ کی خلافت تک زندہ رہا۔بلکہ حیرہ کا ایک عبدالمسیح جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تک زندہ تھا کہتا تھا کہ وہ نوشیروان عادل کا بھی مشیر رہ چکا تھا۔یہ بھی دانائی اور علم الکلام کا ماہر مانا جاتا تھا۔اور اس کا اور اس کی بیٹی کرامتہ کا ذکر

حضور پاکؐ کی مجلس میں ہوا کہ وہ لوگ حیرہ کے "اشراف" ہیں۔ حضور پاکؐ نے فرمایا۔ حیرہ بہت جلد مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہو جائے گا۔ ایک سادہ قسم کے صحابی حضرت شویلؓ جن کے بارے بعد میں معلوم ہوا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایک ہزار دینار سے اوپر بھی کوئی رقم ہوتی ہے عرض کرنے لگے "یارسول اللہ کرامتہ کا کیا ہوگا"؟۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا" وہ تمہیں مل جائے گی" پھر ایسے ہی ہوا۔ کہ حیرہ کی فتح کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور حضور پاکؐ نے جو فرمادیا وہ ہو کر رہتا ہے۔ تفصیل راقم کی کتاب خلفاء راشدین حصہ اول میں ہے۔ یہ واقعات بیان کرنے میں مقصد یہ ہے کہ آگے تنیسیویں باب میں ذکر آئے گا کہ اسی خسرو پرویز نے حضور پاکؐ کی چٹھی کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ خسرو کی سلطنت کے اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ حضور پاکؐ ہی کے زمانے میں خسرو پرویز قتل ہوا اور اتنی تبدیلیاں آئیں کہ ایران کے تخت پر ایک عورت آکر براجمان ہو گئی۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ جس قوم کو حکومت کرنے کے لیے کوئی مرد نہ مل سکے۔ وہ زیادہ دیر نہیں چل سکتی" پھر سب کچھ ایسے ہی ہوا۔ جیسے ہمارے آقاؐ نے فرمایا۔ بہر حال ایران کی اس زمانے کی سلطنت کی وسعت دیکھنے کے لیے نقشہ اول سے استفادہ کریں۔

سلطنت حبشہ یا ایبے سینیا حضور پاکؐ کے زمانے میں اور اس سے کافی عرصہ پہلے دنیا کی تیسری مشہور سلطنت حبشہ تھی۔ جس کا ذکر تمہید میں ہو چکا ہے۔ قران پاک کی سورۃ نمل میں ایک حکمران عورت کا ذکر ہے۔ جس کو ملکہ سبا بھی کہتے ہیں اور روایت ہے کہ اس کا نام بلقیس تھا۔ پھر ہدہد پرندے کا حضرت سلیمانؑ کو اس بارے آگاہ کرنا اور ملکہ کے تخت کا پل بھر میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں پہنچنا۔ وغیرہ تمام پہلوؤں کو قران پاک میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس ملکہ سے شادی کی اور اس کی اولاد حبشہ کی حکمران چلی آتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن پاک میں جس سبا، کا ذکر ہے وہ یمن کے علاقہ میں ہے۔ بہر حال یمن اور ایبے سینیا پرانے زمانے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ تھے۔ اور سبا یمن میں تھا یا ایبے سینیا میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ حضرت سلیمانؑ سے شادی کے بعد ملکہ کی اولاد پہلے دین موسےؑ (دین حنیف کی پیروکار رہی اور بعد میں انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور حضور پاکؐ کے زمانے تک ایسا تھا۔ ان لوگوں کی عقائد کچھ صحیح قسم کی عیسائیت والے تھے اور مصر کے قبطیوں کی طرح یہ بھی قیصر روم کے یونانی گرجہ کے پیروکار نہ تھے۔ اور مذہب کو افسانہ بھی نہ بنایا تھا کہ حضرت عیسےٰؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ تب ہی نجاشیؓ پر اسلام کے اثرات جلدی ہو گئے کہ آگے ساتویں اور آٹھویں باب میں ہجرت کے سلسلہ میں اور تنیسیویں باب میں حضور پاکؐ کی حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ کو اسلام کی دعوت دینے کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہیں۔ بہر حال عیسائی ہونے کی وجہ سے شاہ نجاشیؓ کے قیصر روم کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی تھے جس کا ذکر اسی باب میں یمن کے تحت آئے گا۔ تو ظاہر ہے کہ مصر جو قیصر روم کا باجگزار تھا، کی جنوبی حد کے بعد دونوں ممالک کے درمیان کوئی بین الاقوامی حدود بھی ہو گی جس کے سلسلہ میں مورخین کچھ خاموش ہیں۔ حبشہ کو بھی یمن اور ایریٹریا کی وجہ سے سمندر کے ساتھ وابستگی حاصل ہو گئی۔ ورنہ سوڈان تو بعد میں مسلمانوں کے زمانوں میں بھی افریقہ کے باقی علاقوں کی طرح اندھیرے میں رہا۔ اس لئے ممکن ہے

سلطنت روم اور سلطنت حبشہ کے درمیان کوئی خاص مارک شدہ بین الاقوامی حد نہ ہو۔ کہ علاقے بڑے دشوار گزار تھے۔

باقی ممالک مسلمان مورخین، اپنی تاریخوں میں ان تین ممالک کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے ملکوں کا کوئی خاص ذکر نہیں کرتے۔ ویسے بھی یورپ میں سردی کی وجہ سے اور افریقہ میں جنگلات کی وجہ سے اس زمانے میں ان علاقوں کا کوئی حصہ تاریخی لحاظ سے کسی گنتی میں نہ تھا۔ اور کسی جگہ آبادی نے کسی بڑے شہروں والی شکل بھی اختیار نہ کی تھی۔ بے شک فطرت کے تقاضوں کو دیہاتی بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ لیکن تہذیب و تمدن کو پھیلانے کے لیے ہمیشہ شہروں نے اہم حصہ ادا کیا۔ چنانچہ جو لوگ یورپ یا افریقہ میں آباد تھے۔ وہ محدود علاقوں میں انفرادی قسم کی زندگی گزار رہے تھے۔ البتہ ہندو پاکستان کے مرطوب علاقوں میں کچھ بڑی بڑی حکومتیں قائم رہ چکی تھیں۔ اور موجودہ پاکستان میں ٹیکسلا، ہڑپہ اور مہانجوڈارو کی تہذیبیں طلوع اسلام سے پہلے کی ہیں۔ اس طرح رامائن و مہابھارت کی کہانیوں میں اگر کوئی حقیقت ہے تو یہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بہت پہلے کے واقعات ہیں۔ یہی چیز چندر گپت موریا اور اس کے چالاک استاد چانکیہ پر لاگو ہے کہ وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کئی سو سال پہلے ہوئے بلکہ بھارت کا مشہور گپتا خاندان جس کے بادشاہ چندر گپت ثانی یا بکرماجیت نے ہندوؤں کے بکرمی سن کو شروع کیا اور یہ واقعہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تقریباً پچاس سال پہلے کا ہے۔ اور اس زمانے کو بھارت کی تاریخ کا سنہری زمانہ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بادشاہ سمندر گپت نے یگیہ منایا۔ جو ایسے گھوڑے کی قربانی تھی جو کئی سال روک ٹوک کے بغیر شمالی ہندو پاکستان کے علاقوں پر پھرایا گیا۔ بہرحال یہ حکومت بھی دریائے سندھ اور گنگا کی وادیوں تک محدود تھی۔ یعنی امن پسندی کی حد ہو گئی تھی کہ لوگ ایسے "خاموش" ہوئے کہ اس زمانے سے لے کر مسلمانوں کے اس برصغیر میں آمد تک اگلے چھ سات سو سالوں کی اس برصغیر کی تاریخ گھپ اندھیروں کے نیچے چلی گئی۔ اس سارے زمانے میں اس برصغیر میں کوئی خاص تاریخی اہمیت کی بات سننے میں نہیں آتی۔ اور صرف دو راجوں کے نام سننے میں آتے ہیں۔ ایک راجہ بھوج اور دوسرا بدھ مذہب کا پیروکار راجہ ہرش۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ چین کا ایک سیاح ہیون سانگ اس خطہ میں آیا اور یہ ذکر کیا۔ ہاں البتہ ان کی سلطنتیں بھی بہت محدود علاقوں میں تھیں۔ اس کے بعد سندھ میں راجہ داہر کا نام سننے میں آتا ہے کہ اسلام کی پہلی صدی کے آخر میں جب محمد بن قاسم آئے تو داہر سندھ کا حکمران تھا یا اسلام کی چوتھی صدی اور دسویں و گیارھویں صدی عیسوی میں سبکتگین اور محمود غزنویؒ کے زمانے میں پنجاب اور کشمیر میں راجہ جے پال اور اس کا بیٹا اننگ پال حکمران تھے اور ملتان میں مسلمان سرداری حکمران تھے۔

اس سارے زمانے کی تاریخ کو ایک بہت بڑی کتاب چچ نامہ میں لکھا گیا ہے انگریز مورخ مسٹر ایلیٹ نے اس کتاب کے چیدہ چیدہ ابواب کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ ساری کتاب میں کوئی کام کی بات نہیں۔ اور واقعات کے تانے بانے بالکل نہیں ملتے۔ ایک بادشاہ سندھ سے ملتان اور پھر کشمیر پہنچ جاتا ہے۔ اور کون کہاں حکمران تھا۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ بالکل افسانوی رنگ ہے۔ ویسے بھی یہ بحث مباحثے کا زمانہ تھا۔ بدھ مذہب والے ویسے بھی دو بڑے گروہوں میں بٹ چکے تھے اور ہندوازم کوئی مذہب نہ تھا بلکہ معاشرے میں رہنے کا ایک طریق کار تھا۔ اس لئے ساری بحث بدھ مذہب کے عقیدے پر ہوتی رہی۔ تو ہندو

دانشوروں کمارل بھٹ اور شنکراچاریہ نے بدھ بھکشوؤں کو چاروں شانے چت گرادیا۔اور بدھ مذہب کو بھارت سے دیس نکالا مل گیا۔چنانچہ ہندومت ایک نئی شکل میں اس طرح واپس آیا کہ ملک بہت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔مندروں میں جس نے جو چاہا وہی بت نصب کر دیا۔اور قارئین آگے پڑھیں گے کہ یہی حالات سرزمین عرب میں ہو رہے تھے۔

خاقان چین دنیا کے باقی علاقوں میں سے چین کا علاقہ الگ تھلگ تھا۔مارکوپولو سے پہلے بہت کم غیر ملکی لوگ چین گئے یا جاکر وہاں کے حالات سے باقی دنیا کو آگاہ کیا۔چینیوں نے شاید اپنے آپ کو محدود کیا ہوا تھا۔یا کسی غیر کو اپنے ملک میں آنے نہ دیتے تھے یا کوئی وجہ ضرور تھی ۔بہرحال حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً دو سو سال پہلے ایک چینی سیاح فاحین اس برصغیر میں آیا اور حضور پاکؐ کی ولادت سے تھوڑا پہلے ایک اور ہیون سانگ بھی اس خطے میں آیا۔ویسے سمندر کے راستے، جاوا، سماٹرا اور موجودہ ملائیشیا کے لوگوں کا واسطہ چین سے ضرور رہا کہ ہم گزارش کرچکے ہیں کہ بصرہ کے نزدیک ابلہ بندرگاہ میں حضور پاکؐ کی ولادت سے پہلے بھی چینی جہاز آتے تھے۔یہ عاجز جو نکتہ واضح کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس بڑے خطے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ضرور کوئی رہبر بھیجے ہوں گے ۔لیکن ہمارے مورخ اس سلسلہ میں خاموش ہیں کہ مسلمانوں کا واسطہ اہل چین کے ساتھ بھی اسلام کی دوسری صدی میں شروع ہوا۔البتہ چین میں تاوازم کا فلسفہ روحانیت کی ایک قسم ہے۔ہمارے ہاں ایک روایت چلتی ہے کہ چین میں جو مسجد وقاص ہے وہ جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے بنائی کہ مسلمانوں میں تفرقہ کی وجہ سے وہ چین چلے گئے۔اس میں کوئی سچائی نہیں ۔جناب سعدؓ، امیر معاویہؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔اور یہ وقاص بہت بعد میں ہوئے جنہوں نے یہ مسجد وقاص بنوائی ۔ایک حدیث مبارکہ کا بھی ذکر ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ علم سیکھو خواہ اسکے لئے چین جانا پڑے "اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں کہ یا تو چین کا علاقہ بہت دور تھا اور وہاں جانا مشکل تھا۔تو حضور پاکؐ کا مطلب تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے مشکلات کی پرواہ نہ کرو۔یا اہل عرب، اہل چین کے فن اور ہنر سے کچھ آگاہ تھے اور حضور پاکؐ کا مقصد تھا کہ ہنر ضرور سیکھا جائے ۔اور غیر جانبدار مضامین غیروں سے سیکھنے میں کوئی ہرج نہیں کہ جنگ بدر کے قریش قیدیوں سے مسلمانوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔البتہ غیروں کے نظریات اور عقائد اور فلسفہ علم کے طور پر سیکھنے کے لیے تردد کی ضرورت نہیں ہوتی ۔کہ ہمارے پاس بہتر نظریات حضور پاکؐ کی وساطت سے آچکی تھیں بہرحال یہ حدیث بھی ثقہ نہیں اور صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ایسی کوئی حدیث دیکھنے میں نہیں آئی ۔یہ تھے حضور پاکؐ کی بعثت کے وقت دنیا کے مشہور خطوں کے جغرافیائی اور تاریخی حالات ۔ممکن ہے برہمار ملایا، جاوا، سماٹرا یا تھائی لینڈ وغیرہ میں بھی اس زمانے میں کوئی بڑی حکومتیں ہوں ۔لیکن یہ مرطوب علاقے تھے۔زندگی کی ساری ضروریات ہر جگہ آسانی سے میسر تھیں اور ان علاقوں کے لوگ کوئیں کی مینڈکوں کی طرح تھے۔تو ظاہر ہے کہ وقت آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو اپنے حبیبؐ کے جمال سے منور کرے ۔کہ ہم ایک دنیا اور ایک امت کے فلسفہ کی طرف پیش رفت کریں۔

سرزمین عرب اب ہم عرب کے علاقوں کی طرف آتے ہیں، جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا کہ اس کے آب و خاک

میں سے اللہ کے حبیبؐ کا ظہور ہوتا تھا۔ کہ ذرہ ریگ طلوع آفتاب سے چمک اٹھے۔ کہ آپؐ ہی سراج المنیر ہیں کہ آپؐ نے اس دنیا میں روشنی پھیلادی۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب　　گنبد آبگینہ رنگ ترے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ　　ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود　　فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب (اقبالؒ)

کیونکہ حضورؐ پاک کے جلال و جمال کے "دیدار عام" کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس لئے اس پہلو کو حکیم الامت کی زبان سے یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ ویسے جہاں تک "دیدار خاص" کا تعلق ہے۔ تو وہ چشمہ تو ازل سے اب تک جاری ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور سے پیدا کیا اور بقول علامہ اقبالؒ

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک　　ایک سرمستی حیرت سے تمام آگاہی

یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے۔ اور اس کی بارگاہ میں عرض ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے تاریکی دور ہو۔ ہمارے دل روشن ہوں اور ہمارے خیالات ایسے پاکیزہ ہو جائیں کہ کتاب کے صفحے حضور پاکؐ کے جمال سے روشن ہو جائیں۔

تاریخی پہلو دوسرے باب میں واضح کیا گیا تھا کہ انسانیت کی بنیاد اس دنیا پر تب پڑنا شروع ہوئی جب حضرت آدمؑ اور مائی حوا کا کئی سال کی جدائی کے بعد مکہ مکرمہ میں مزدلفہ کے مقام پر ملاپ قائم ہو گیا۔ بعد میں حضرت آدمؑ پر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے گھر (خانہ کعبہ) کی نشاندہی کی۔ اور یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی نے بھی خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔ اور موجودہ خانہ کعبہ کی دیواریں دونوں باپ بیٹے نے مل کر چنیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے البتہ دین حنیف کو پھیلانے کے سلسلہ میں جو سفر کئے اور ان کا ذکر ہو چکا ہے اور ہم ساتھ نقشہ دوم لگا رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے سفروں کے علاوہ حضرت اسماعیلؑ کے مکہ مکرمہ میں مکمل آباد ہونے کی اور اس زمانے کے قبائل کی نشاندہی ہو جائے۔ دوسرے باب میں حضور پاکؐ سے منسوب ایک حدیث مبارکہ کا ذکر کیا تھا کہ علیؓ بن رباح لحمی کہتا ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ تمام اہل عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں لیکن یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ اول تو حضرت اسماعیلؑ نے دو شادیاں کیں ایک قبیلہ عمالقہ سے اور دوسری قبیلہ جرہم سے۔ قبیلہ جرہم کے لوگ مکہ مکرمہ کے کسی نزدیک جگہ پر تھے۔ اور پانی کا چشمہ دیکھ کر مکہ مکرمہ آگئے۔ بہر حال ان دو قبائل سے بھی آگے اولاد بڑھی ہو گی۔ عاد کی قوم یمن کے علاقے میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے تھوڑا پہلے تباہ ہو گئی۔ لیکن حضرت ہودؑ یا ان کا کوئی ساتھی ضرور بچ گیا ہو گا اور ان کی بھی کوئی اولاد بڑھی ہو گی۔ اسی طرح ثمود کی قوم وادی خیبر سے تھوڑا شمال کی طرف تھی۔ جہاں وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ لیکن حضرت صالحؑ اور ان کا کوئی ساتھی ضرور بچا ہو گا۔ اور ان سے بھی کوئی اولاد چلی ہو گی۔ قبیلہ عمالقہ کے علاوہ قبیلہ یقطن کے لوگ بھی مہرہ حضر موت ... کے علاقوں میں آباد رہے۔ جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد سے تو ہیں لیکن حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے نہیں

یہی چیز یمامہ کے گرد کے آباد قبائل طسم اور جدلیس کو لاگو ہے۔اور یمامہ و مہرہ کے درمیان قبیلہ امیم بھی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے نہیں۔ان تمام قبائل کی نشاندہی نقشہ دوم پر کر دی ہے کہ تاریخ اور جغرافیہ کے تانے بانے مل جائیں۔قرآن پاک میں ایک قبیلہ سبا کا بھی ذکر ہے جس کے بارے جائزہ بعد میں پیش کیا جائے گا۔یہاں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ میں آبادی خانہ کعبہ کی وجہ سے ہوئی۔اور یمن کے علاقے میں لوگ کچھ زمینداری کرتے تھے اور جب خشک سالی ہو جاتی تھی تو یہ لوگ شام و عراق کی طرف ہجرت کر جاتے تھے۔بہر حال سمندر کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یمن ہمیشہ آباد رہا کہ کچھ نہ کچھ بیرونی تجارت بھی یہاں پرانے زمانے میں ہوتی رہی۔اسی طرح یثرب (موجودہ مدینہ منورہ) میں بھی آکر کئی یمنی قبیلے آباد ہو گئے۔تو ہم یہ کہیں گے سارے عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہیں البتہ سارے عرب حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ضرور ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ از خود بھی سام کی اولاد سے ہیں۔بہر حال زیادہ لوگ چونکہ پہلے یمن میں آباد ہوئے تو پہلے یمن کا ذکر کریں گے۔

یمن روایت ہے کہ سام بن نوحؑ کی اولاد سے جب یقطن بن عامر کی اولاد موجودہ یمن کے علاقوں میں آکر آباد ہوئی تو یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ ان لوگوں نے ادھر ہی "یتامن" کیا تھا۔یعنی قبلہ رخ سے چل کر بجانب یمین آئے تھے یعنی دائیں طرف آئے تھے۔اور گو ملک شام کا نام پہلے حضرت نوحؑ کے پوتے کنعان کے نام سے منسوب تھا۔لیکن چونکہ ان لوگوں نے ادھر تشادم کیا۔یعنی وہ قبلہ سے بائیں رخ تھے۔تو ملک کنعان کا نام ملک شام پڑ گیا۔تو ظاہر ہے کہ جیسے قرآن پاک کی سورۃ واقعہ میں میمنہ (دائیں) اور مشئمہ (بائیں) کے الفاظ کی روحانی لحاظ سے بڑی اہمیت ہے اور شروع سے پیغمبروں کی اولاد میں ان الفاظ کے اثرات ان کی معاشرتی زندگی پر بھی ہوتے تھے۔بائیں کا لفظ چونکہ اسلام میں ناپسندیدہ ہے تو اہل شام اپنے ملک کو اب سیریا یا سوریا کہتے ہیں لیکن ہمارے "ترقی پسند" اب بھی بائیں پر فخر کرتے ہیں۔یمن کا علاقہ کسی مزید وضاحت کا محتاج نہیں۔موجودہ شمالی اور جنوبی یمن دراصل حضرت نوحؑ کی اولاد کے زمانے سے یمن کا علاقہ کہلاتا ہے۔ہاں کبھی سیاسی طور پر ہمدان، نجران یا حضرموت سے مشرق میں مہرہ اور عمان کے علاقے بھی یمن کا حصہ بن جاتے رہے اور کبھی الگ الگ ہو گئے۔یمن میں آباد قوم جرہم، جن کے ہاں حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہوئی ان کا شجرہ نسب جرہم بن عامر بن سبا بن یقطن بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ ہے۔یقطن جن کا ذکر ابھی ابھی ہو رہا ہے ان کو کچھ مورخین نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ایک قحطان سے ملا دیا اور دونوں کو ایک آدمی بنا دیا اسی وجہ سے یہ غلطی فہمی بڑھ گئی کہ سب عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں اور غلطی سے ایک ایسی حدیث مبارکہ حضور پاکؐ کی طرف منسوب کر دی گئی۔حضورؐ پاک حسب نسب کے معاملات میں کچھ پردہ پوشی بھی فرماتے تھے۔کہ کسی نے جو ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہوا ہوتا تھا۔وہ دھڑام سے گر نہ جائے۔اور زیادہ زور ذاتی کردار پر دیتے تھے اور فرماتے تھے اچھا حسب نسب بھی انعام خداوندی ہے۔

قبیلہ سبا یقطن کے ایک بیٹے سبا کا بھی ابھی ابھی بیان شدہ اوپر شجرہ نسب میں ذکر ہے۔مورخین کا خیال ہے کہ قرآن پاک میں قبیلہ سبا کا جو ذکر ہے وہ انہی سبا کی اولاد سے تھے۔روایت ہے کہ ان لوگوں نے بڑے بند باندھے اور ان بندوں میں پانی اکٹھا

کرتے تھے اور اس سے زمینوں کو سیراب کرتے تھے۔ان کے ہاں بڑے باغ تھے اور وقت آیا کہ ان میں سے کچھ نے تکبر کیا تو یہ بن ٹوٹ گئے۔اور قرآن پاک میں جو بن والوں کا ذکر ہے وہ یہی لوگ تھے۔اسی طرح قران پاک میں ملکہ سبا کا جو ذکر ہے اس سلسلہ میں یہ عاجز اسی باب میں ملکہ سبا کے یمنی ہونے اور یمن اور لبے سینیا کے تعلقات کا ذکر کر چکا ہے اور یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا کہ بحیرہ قلزم کو یمن اور حبشہ دونوں ممالک کے لوگ پرانے زمانے سے عبور کرتے رہے۔

قبیلہ سبا کی مزید شاخیں عرب قبائل کے رواج کے مطابق ایک بڑا قبیلہ بھی قبیلہ ہی رہتا ہے۔اور آگے اس کی شاخیں ہو جائیں تو وہ نئے ناموں سے معروف ہو جاتی ہیں۔لیکن بڑے قبیلے سے وابستگی بھی رہتی ہے۔قران پاک میں حسب نسب کے بارے کوئی تفصیل نہیں اور قبائل کا ذکر تمثیلی یا محاسبے کے طور پر ہے۔البتہ حضور پاکؐ نے اچھے نسب اور قبائل کے نسب کے سلسلہ میں جو کچھ فرما دیا اس کو صحیح نسب مانا گیا اور یہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔مثال کے طور پر حضرت فردہؓ بن سبک عطیفی روایت کرتے ہیں "کہ میں نے حضور پاکؐ سے اہل سبا کی طرف مہم بھیجنے کی عرض کی۔تو آپؐ نے مجھے ہی اس مہم کا امیر بنا دیا اور ساتھ حکم دیا کہ قوم سبا کو پہلے اسلام کی دعوت دینا" وہاں مجلس سے کسی صحابی نے حضور پاکؐ سے قوم سبا کے بارے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔"قوم سبا کے چھ قبیلے ملک یمن میں آباد ہیں جن میں ازد، کندہ، حمیر، اشعر" انمار اور مذحج شامل ہیں۔اور چار شمال کی طرف (یعنی شام و عراق) کی طرف چلے گئے، جن میں لخم، خدام، غسان و عاملہ شامل ہیں۔"

تبصرہ قارئین کو ساتھ لے چلنے کے لیے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ان تمام قبائل اور سام بن نوحؑ کی اولاد سے باقی تمام قبائل جن کا ذکر ہو چکا ہے ان کو ساتھ ہی نقشہ سوم پر دکھایا گیا ہے۔علاوہ حضور پاکؐ کی زندگی میں ان سب قبائل کا ذکر آئے گا۔خاص کر بائیسویں باب میں ان سب قبائل کے وفود کا ذکر ہے تو وہاں ان کو سمجھنا آسان ہو گا۔اوپر حضور پاکؐ کی جو حدیث مبارکہ بیان کی گئی ہے اس سے کافی تاریخی معاملات حل ہو جاتے ہیں۔حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب حیرہ کے باجگزار بادشاہ نعمان بن منذر کی تلوار خلیفہ دوم کو پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے نعمان کا نسب جاننے کی خواہش ظاہر کی۔اس لئے انہوں نے جناب جبیرؓ بن معطعم کو بلایا حضرت جبیرؓ کا خیال تھا کہ وہ قانوس بن معد کی اولاد سے ہے لیکن باقی لوگ جو وہاں بیٹھے تھے انہوں نے حضور پاکؐ کی حدیث مبارکہ کے حوالے سے بتایا۔کہ نعمان کا تعلق قبیلہ لخم سے ہے جو قبیلہ یمن سے ہجرت کر کے عراق پہنچا اور بنو لخم قبیلہ سبا کی ایک شاخ ہے‘اور معد بن عدنان کو تو بھول جائیں‘ بنو لخم حضرت اسماعیل کی اولاد سے بھی نہیں۔قارئین کو ساتھ رکھنے کے لیے یہ عاجز بنو لخم کی عراق کی طرف ہجرت کا ذکر بعد میں کرے گا۔یہاں یہ گزارش ہے کہ جناب جبیرؓ، نسب کے جاننے میں بہت مشہور تھے۔اور انہوں نے یہ سب کچھ جناب صدیق اکبرؓ سے سیکھا۔اور جناب صدیقؓ نسب کے معاملے میں خاندانی طور پر بڑا علم رکھتے تھے۔لیکن حضور پاکؐ کے بیان کے سامنے سب باتیں ثانوی ہو جاتی ہیں۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے یمنی قبائل حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ضرور ہیں لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد نہیں اور اب ہم تاریخی طور پر نعمان کے خاندان کو یمن سے ہجرت کرائیں گے۔

یمن کی تاریخ طلوع اسلام سے چند سو سال پہلے یمن کے علاقے کے بادشاہ کا نام ربیع بن نصر تھا۔اور اس کا قبیلہ بتعہ کے

نقشہ اول
طلوع اسلام کے وقت دنیا کی سلطنتیں اور
سرزمین عرب
شمال
قیصر روم
قسطنطنیہ
بحیرہ اسود
آرمینیا
اناطولیہ
سلطنت روم
دجلہ
خراسان
بحیرہ روم
قبرص
حمص
دمشق
فرات
موصل
سلطنت ایران
کسریٰ ایران
مدائن
اصفہان
اسکندریہ
بیت المقدس
یرموک
بصریٰ
عمان
غسانی
مؤتہ
ایلہ
حیرہ
مقوقس
دریائے نیل مصر
تبوک
بنو بعد
فارس
یثرب
خود مختار
عرب قبائل
یمامہ
بحرین
خلیج فارس
مکہ مکرمہ
جدہ
سرزمین عرب
ربع الخالی
سلطنت
ایران
کے
باجگذار علاقے
بحیرہ
قلزم
یمن
صنعا
حضرموت
سلطنت حبشہ
شاہ نجاشی
بحیرہ عرب
میل

نام سے جانا جاتا تھا۔ خیال ہے کہ اس کا دارالحکومت صنعا میں تھا۔ یا اس کے نزدیک ہی کوئی شہر تھا۔ بہرحال اس ربیع کو ایک عجیب و غریب خواب آیا جسے دیکھ کر وہ ڈر گیا۔ اس نے تمام کار کنوں کو بلایا اور کہا کہ وہ اپنے خواب کی تعبیر اس آدمی سے پوچھے گا جو اس کا خواب بھی بتا سکے۔ ابن اسحق اس تمام واقعہ کی بڑی تفصیل میں جاتا ہے۔ اور راقم اختصار سے گزارش کرے گا کہ اس سلسلے میں دو آدمی سیٹ اور شق کامیاب ہوئے۔ دونوں کے بیانات اور الفاظ کچھ الگ الگ تھے کہ دونوں شاعر بھی تھے لیکن دونوں ایک نتیجے پر پہنچے۔ یعنی خواب اور خواب کی تعبیر کو تقریباً ایک جیسے الفاظ میں بیان کیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے خواب اور تعبیر میں ان کے الفاظ کی کچھ نقل پیش کی جا رہی ہے۔

خواب ایک بہت بڑی آگ تم نے دیکھی ضرور۔ اور کیا یہ حیران کن نہیں کہ پیدا کرتا ہے سمندر کا پانی اس آگ کو پھر چھا جاتی ہے یہ آگ نچلے علاقوں میں اور بھسم کر دیتی ہے اس سب کو جو کچھ سامنے آیا" تعبیر مجھے بڑے جن اور جن کی جان کی قسم آجائیں گے تمہارے ملک میں اہل حبش اور کریں گے حکومت ہر جگہ۔ بے شک ابیان سے لے کر جرش تک

بادشاہ نے کہا یہ تو بڑی خراب خبر ہے۔ کیا یہ میرے زمانے میں ہو گا یا بعد میں؟

کاہن "نہیں! " یہ بات تو کم از کم ساٹھ یا ستر سال گزرنے کے بعد بھی کافی دیر سے ہو گی"

بادشاہ۔ "تو کیا ان کی حکومت یعنی اہل حبش کی حکومت چلتی رہے گی۔"

کاہن۔ "نہیں ان کی حکومت کوئی پچاس، ساٹھ سال چلے گی۔ ارم بن ذویزن ان کا خاتمہ کر دیں گے۔

بادشاہ۔ "پھر کیا ہو گا؟"

کاہن۔ "پھر یہ علاقہ غالب بن فہر (حضور پاکؐ کے جد امجد) کی اولاد کی قوم کے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور آخر زمانے تک یعنی وقت کے ختم ہونے تک وہی لوگ یہاں حکمران رہیں گے۔"

بادشاہ۔ "کیا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے؟"

کاہن۔ "ہاں اس دن۔ جب اول اور آخر کو اکٹھا کیا جائے گا۔ حق والوں کو انعام ملے گا۔ باطل والوں کو سزا ملے گی۔ وغیرہ

بادشاہ یہ سب کچھ سن کر ڈر گیا۔ اور اپنی اولاد میں سے کچھ لوگوں کو ایران کے اس وقت کے کسریٰ صبور بن خوانداده کے پاس چٹھی دے کر بھیجا کہ ان کو حیرہ میں آباد کرے۔ انہی کے ایک شاخ آگے بنو لخم کہلائی اور قبیلہ طے کی جگہ یہ لوگ حیرہ کے باجگزار بادشاہ بن گئے جس کا ذکر اسی باب کے شروع میں ہو چکا ہے

تبصرہ ابن اسحق کے اس بیان کو اسی کے الفاظ میں لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی تھی۔ اور لفظ لفظ پورا ہوا اور پورا ہو رہا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کاہن نے نہ صرف طلوع اسلام کی پیشگوئی کر دی۔ بلکہ مسلمانوں کو ایک قوم بھی کہہ گیا۔ کہ یہ نہ کہا کہ فلاں قبیلہ یا ان کی اولاد حکومت کرے گی بلکہ کہا کہ "غالب بن فہر کی اولاد کی قوم" حکومت کرے گی۔ یعنی ہمارے آقاؐ کے جمال کی آمد سے کاہن بھی باخبر تھا۔ سارا خواب اور بات چیت دلچسپ ہے۔ حق اور باطل کا بھی ذکر ہے اور جزا اور سزا کا بھی۔ لیکن بادشاہ نے جب بڑی معصومیت سے پوچھا کہ کیا وقت بھی ختم ہو سکتا ہے؟۔ تو کاہن کا جواب اس دنیا کے وقت کے ختم

ہونے کے بارے تو صحیح ہے کہ ہم بھی اپنے پہلے باب میں میں ذکر کر چکے ہیں کہ اس دنیا کو ایک دن لپیٹ لیا جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت کبھی ختم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ از خود ایک زمانہ بھی ہے۔ اس سے آگے بات بڑھانے سے ڈر لگتا ہے کہ میرا علم یا سوجھ بوجھ شاید اس میدان میں قدم رکھنے کے قابل نہ ہو۔ کہ پہلے ہی وحدت الوجود۔ اور وحدت الشہود کے فلسفوں نے فقرا میں بھی کچھ اختلافات پیدا کر دیئے ہیں۔ اور یہ عاجز فریب نظر اور فریب یقین کو بھی صحیح مانتا ہے۔ پھر عدم میں چلے جانے کا ڈھڈھا ہے۔

ایک اور اشارہ بادشاہ ربیع سے پہلے اسی خاندان کا بادشاہ طبال اسد۔ ابو قریب بھی حضور پاکؐ کی بعثت سے آگاہ تھا۔ وہ یثرب (مدینہ منورہ) کے پاس سے ایک لشکر کے ساتھ گزرا۔ اس کے کچھ آدمیوں نے کھجور کے کچھ درخت کاٹ دیئے، جس کی وجہ سے یثرب کے لوگوں نے بادشاہ کے لشکریوں میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بادشاہ شہر کو تاخت و تاراج کرنے پر تل گیا تو یثرب کے اوس اور خزرج قبائل نے اس کو سمجھایا کہ وہ اس شہر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس شہر کو بہت بڑا شرف حاصل ہونے والا ہے کہ قریش قبیلہ سے ایک پیغمبر یہاں آکر راحت فرمائیں گے۔ بادشاہ دراصل یہودی قبائل کو سزا دینا چاہتا تھا جنہوں نے اس کے ایک آدھ لشکری کو قتل کیا تھا۔ اور اوس و خزرج قبائل (اور آئندہ کے انصار) یہودیوں کے حلیف تھے اس لئے وہ بیچ بچاؤ کر رہے تھے۔ انہوں نے دو یہودی عالم یا ربی بلائے۔ جنہوں نے بادشاہ ابو قریب کو بڑی اچھی باتیں بتائیں اور یثرب کو تاخت و تاراج سے گریز کرنے کے علاوہ وہ ان دو یہودی عالموں سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کو بھی ساتھ رکھ لیا۔ سفر کے دوران اگلے پڑاؤ پر بادشاہ کو ایک قبیلہ کا سردار ھدیل بن مردیکہ ملا جس نے اس کو مشورہ دیا کہ مکہ مکرمہ میں سونا ہی سونا ہے۔ وہ وہاں حملے کرے تو مالا و مال ہو جائے گا۔ بادشاہ نے یہودی عالموں کے ساتھ مشورہ کیا۔ جنہوں نے اس کو بتایا کہ شاید ھدیل اور اس کا قبیلہ بادشاہ کو برباد ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ پر ہرگز حملہ نہ کرے وہ اللہ کا گھر ہے۔ اگر اس نے وہاں حملہ کیا تو وہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ ابو قریب نے ھدیل کے قبیلہ کے کچھ سرداروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گیا۔ وہاں خانہ کعبہ کا طواف کیا، قربانی دی۔ سر کے بال کٹائے اور چھ دن قیام کیا۔ پھر اس کو خواب آیا کہ وہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھائے۔ چنانچہ اس نے بہترین یمنی کپڑے سے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ روایت ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ اس کے بعد بادشاہ یمن واپس چلا گیا۔ اور یہودی عالموں کی کوشش سے اس کے سارے خاندان نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن کچھ صحیح قسم کا یہودی مذہب، جو حضور پاکؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ ابو قریب کے بعد ربیع بن نصر بادشاہ بنا جس کے خواب کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور ربیع کی وفات کے بعد ابو قریب کا بیٹا حسن تخت نشین ہوا۔ اور وہ ایک بڑے لشکر کو لے کر عراق کی طرف ایک مہم پر چلا گیا۔ وہاں کچھ لشکری جو واپس یمن آنا چاہتے تھے وہ باغی ہو گئے اور حسن کے بھائی عمر نے حسن کو قتل کیا اور خود بادشاہ بن کر لشکر کو یمن واپس لے آیا۔ لیکن عمر کی حکومت بھی چند روزہ تھی۔ اس کو ایک لخنی ذوشاطر نے قتل کر دیا اور شاہی خاندان کے متعدد افراد کو تہ تیغ کر دیا۔

یہ لخنی البتہ شیطان کس قسم کا آدمی تھا۔ اور لواطت کے فعل کا شائق تھا۔ خاص کر شاہی خاندان کے نوجوانوں کو وہ اس طرح بے عزت کرتا تھا۔ لیکن آخر شاہی خاندان کے ایک نوجوان ذونواس (یا ذونواز) نے اس لخنی کو بھی قتل کر دیا۔ اور حکومت پرانے شاہی خاندان میں واپس آ گئی۔ جن کے یہودی ہونے کا ذکر ہو چکا ہے اسی زمانے میں ایک نیک آدمی فیمیان کے ذریعہ سے

نجران (نقشہ سوم) کے علاقے میں کچھ صحیح قسم کی عیسائیت پھیل چکی تھی ۔ نئے بادشاہ ذونواس نے ان لوگوں کو یہودی بننے کی دعوت دی ۔ لیکن وہ نہ مانے ۔ تو بادشاہ نے حملہ کر کے ان لوگوں کو مورچوں میں تہ تیغ کر دیا ۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا، جس نے لمبا سفر کر کے قسطنطنیہ میں قیصر روم کو ان حالات سے آگاہ کیا اور مدد مانگی ۔ قیصر خود جنگوں میں الجھا ہوا تھا ۔ تو اس نے اس آدمی کو اپنے خط کے ساتھ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا کہ وہ ان کی مدد کرے ۔ اس طرح حبشہ کے جس لشکر نے یمن پر حملہ کیا اس کا ذکر آگے آتا ہے اس سے پہلے نجران کے عیسائیوں کا کچھ ذکر ضروری ہے

نجران کے عیسائی قران پاک کی سورۃ بروج میں جو ذکر ہے کہ گھاٹی والوں کے مورچوں پر آگ بھی ڈالی گئی ۔ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نجران کے عیسائی ہی تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔ روایت ہے کہ اس زمانے میں ان کا رہبر عبداللہ بن ثمار تھا ۔ اس کی مزید توثیق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک جگہ کھودی گئی تو نیچے سے عبداللہ کی لاش صحیح سلامت حالت میں ملی ۔ بلکہ عبداللہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا کہ جب ہاتھ کو وہاں سے ہٹایا گیا تو خون بہ نکلا ۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر دی گئی تو آپ نے حکم دیا کہ ان کو باعزت طور پر دفن کر دیا جائے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح قسم کے عیسائی بھی حضور پاکؐ کے اسی طرح منتظر تھے جس طرح بادشاہ ابو قریب جو اپنے ایک شعر میں محمدؐ کے اللہ سے جزا کی امید کی بات کرتا ہے ۔ یہ بھی روایت ہے کہ نجران کے کچھ عیسائی ایک وفد کی صورت میں حضور پاکؐ کی مکی زندگی میں بھی آئے لیکن مورخین تفصیل میں نہیں جاتے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا یا نہ ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحیح قسم کے عیسائی جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے وہاں ختم ہو گئے اور بعد میں نجران کے وفود عام قسم کے تھے کہ آگے بائیسویں باب میں نجران سے دو الگ الگ وفود کا مدینہ منورہ میں آنے کا ذکر ہے ۔ بلکہ ایک کے بارے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے حضور پاکؐ کو مباہلہ کی دعوت بھی دی ۔ لیکن پھر گھبرا گئے اور مباہلہ نہ کیا ۔

تبصرہ ۵ البتہ یہاں ایک اور تبصرہ ضروری ہے کہ شہدا اور بزرگوں کے جسد خاکی کے صحیح سلامت ہونے کے واقعات ہر زمانے میں لوگوں کے مشاہدات میں آئے جنگ احد کے شہدا کا واقعہ اکثر تاریخوں میں مذکور ہے ۔ بلکہ آجکل بھی ایسے واقعات سامنے آئے اس صدی کے شروع میں دو عظیم انصار صحابہ کرام جناب جابرؓ بن عبداللہؓ اور جناب خدیفہؓ بن یمانؓ جو صحابی ابن صحابی تھے کا واقعہ پیش آیا کہ جناب جابرؓ اس وقت کے عراق کے بادشاہ فیصل بن شریف کو خواب میں ملے اور کہا کہ ان کے جسد دریا برد ہو رہے ہیں ان کو کسی اور جگہ دفن کیا جائے ۔ اور ایسا کیا گیا اور ان کے جسد صحیح سلامت تھے ۔ ستمبر ۶۵ کی جنگ میں اس عاجز کے ساتھیوں کے ساتھ ایسے واقعات مشاہدے میں آئے کہ چھ ماہ بعد ان کے جسد صحیح سلامت تھے ۔ تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ روز قیامت اسی جسد میں روح واپس آئے گا؟ لیکن جن کے جسد گل سڑ جائیں گے ان کا کیا ہو گا؟ اسی وجہ سے پہلے باب میں فلسفہ حیات کے تحت روحانی جسم کا ذکر کیا گیا تھا ۔ اور خیال اغلب ہے کہ بزرگوں کا یہ جسد صحیح و سلامت اس لئے رہتا ہے کہ تقدس کی بات ہے نہ کہ روح اسی بدن میں واپس آنے کی بات ہے ۔ دوسرا تبصرہ محمدؐ کے اللہ والی بات پر ہے ۔ ہمارا اللہ وہ ہے جو ہمارے آقاؐ نے بتایا ۔ جس کا کوئی شریک نہیں ۔ اور اس کو انسانی پیمانوں سے نہ ناپا جائے ۔ جس نے رب محمدؐ کو سمجھ لیا مراد پا گیا اور قرآن پاک میں جو حکم کہ اے میرے حبیب لوگوں کو کہو کہ آؤ ایک اللہ پر متحد ہو جائیں ۔ وہ رب محمدؐ ہی ہے

اہل حبشہ کا یمن پر حملہ اب کہانی کی طرف واپس مڑتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا بدلہ لینے کے لیے اہل حبشہ کے ستر ہزار لشکر نے بحیرہ قلزم کو پار کر کے یمن پر حملہ کر دیا۔ نزدیکی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ بہرحال یمن کے بادشاہ ذونواس نے شکست کھائی۔ اور شاہ نجاشی کے حکم کے تحت عورتوں اور بچوں کے تیسرے حصے کو غلام بنا کر حبشہ بھیج دیا۔ اور یمن کا علاقہ سلطنت حبشہ کا حصہ بن گیا۔ سالار لشکر عریات (یا ارياط) تھا اور وہی یمن کا گورنر بن گیا۔ اور حکومت چلانی شروع کر دی۔

ابرہہ۔ بدمنہ والا ارياط کے لشکر میں ایک ابرہہ۔ بدمنہ والا بھی تھا جس کے لیے پنجابی کا لفظ "پھٹ مونہا" زیادہ موزوں ہے۔ اس نے ارياط کے خلاف ایک قسم کی بغاوت کی، اور پھر دھوکے سے ارياط کو قتل کر کے خود یمن کا گورنر بن بیٹھا۔ اور سارے لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ شاہ نجاشی نے پہلے تو اس بات کو ناپسند کیا۔ لیکن ابرہہ نے اپنے سر کے بال کاٹ کر ان میں یمن کی مٹی ڈالی۔ اور بادشاہ کو بھیج دیئے کہ وہ ان کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے کہ ابرہہ بادشاہ کا ایک غلام ہے۔ بادشاہ راضی ہو گیا اور ابرہہ کو گورنر بنا دیا۔ ارياط کے ساتھ جنگ کی وجہ سے ابرہہ کے منہ پر ایسے بدنما زخم تھے کہ عربی میں اس کے لئے جو لفظ استعمال کئے گئے ان کے لیے پنجابی کے الفاظ "بدمونہا یا پھٹ مونہا" بڑے موزوں ہیں۔

ابرہہ کا خانہ کعبہ پر حملہ ابرہہ نے صنعا کے مقام پر ایک بڑی عبادت گاہ بنوائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ کسی اور جگہ حج وغیرہ کرنے کی بجائے وہ وہاں پر آکر عبادت کریں۔ بنی کنانہ کے ایک آدمی نے اس عبادت گاہ کے اندر ابرہہ کو برا بھلا کہا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ ابرہہ کے دل میں پہلے ہی مکہ مکرمہ کے خانہ کعبہ کے لیے حسد تھا، کہ وہاں بہت لوگ جاتے تھے۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ بنو کنانہ کا وہ آدمی مکہ مکرمہ میں عبادت کے حق میں تھا تو ابرہہ نے ایک لشکر اکٹھا کیا کہ وہ جا کر خانہ کعبہ کی عبادت گاہ کو اکھیڑ کر زمین کے برابر کر دے گا۔ اس کے ان ارادوں کو بھانپنے کے بعد یمن کے کچھ قبائل ذونفر کے ماتحت ابرہہ کے مقابلہ کے لیے نکلے لیکن شکست کھائی اور ذونفر قید ہوا۔ ابرہہ چلتا گیا، اور کسی جگہ اس کا کوئی خاص مقابلہ نہ ہوا۔ کہ سارے عرب قبائل کافی حد تک خود مختار تھے اور ان میں وحدت کی بجائے قبائلی جمہوریت تھی۔ قبیلہ خثعم کے نوفل بن جیب نے دو اور چھوٹے قبائل شہراں اور نخیس کی مدد سے ابرہہ کا مقابلہ کیا لیکن نوفل بھی قید ہوا اور ابرہہ نے اس کو ساتھ رکھ لیا۔ اس کے بعد بغیر کسی مخالفت کے ابرہہ طائف پہنچ گیا۔ یہاں پر قبیلہ ثقیف کے لوگ خانہ کعبہ کو بہت مقدس سمجھتے تھے، اور تھے بھی جنگجو۔ لیکن ان کو بھی ابرہہ کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے بعد ابرہہ مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور اس نے قبیلہ تہامہ اور قریش کے مال مویشی بھی پکڑ لیے۔ جن میں حضور پاکؐ کے دادا عبدالمطلبؓ کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ قریش کے سردار بھی وہی تھے۔ اور قریش نے مشاورت کے ذریعہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کے قابل نہیں۔ وہ خود پہاڑوں پر چلے گئے اور ابرہہ نے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ جناب عبدالمطلبؓ کو بلایا گیا یا وہ خود آئے انہوں نے ابرہہ سے ملاقات کی اور اپنے دو سو اونٹ واپس مانگے۔ ابرہہ جناب عبدالمطلبؓ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑے وجیہ تھے اور ان کی شخصیت میں اتنا رعب تھا کہ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر کر قالین پر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور ان سے پوچھنے لگا۔ آپ صرف دو سو اونٹ واپس مانگ رہے ہیں۔ اور اس بارے کچھ نہیں کہتے کہ میں آپ کے آباؤ و اجداد کے مذہب کو ختم کرنے آیا ہوں اور اس عمارت یعنی خانہ کعبہ کو ڈھا دوں گا

جناب عبدالمطلب نے فرمایا" میں تو ان اونٹوں کا مالک ہوں اور وہ مانگ رہا ہوں۔ باقی معاملات اس گھر والا (اللہ) جانے جس کا گھر ڈھانے کی نیت سے تو آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔" مورخین نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جناب عبدالمطلبؓ کے ساتھ بنو بکر کے سردار یاموراور بنو ھذیل کے سردار خویلد بھی تھے۔ اور وہ ابرہہ کو اپنے مال کا تیسرا حصہ دینے کو تیار تھے اگر وہ خانہ کعبہ کا نقصان کئے بغیر واپس چلا جائے۔ لیکن بات آگے نہ چلی اور بقول ابن خلدون وہی ہوا جو اللہ کو منظور تھا۔ قریش پہاڑوں پر چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے" کہ ہماری عزت بھی رکھ اور اپنی عزت کا مظاہرہ کر۔" بہر حال ابرہہ نے لشکر کے آگے ایک ہاتھی کو لگایا۔ اور فیل بان کو حکم دیا کہ ہاتھی کو آگے بڑھائے۔ ساتھ قبیلہ خشعم کا مقید نوفل آگے بڑھا اور اونچی آواز میں ہاتھی کے کان کے نزدیک کہا۔" کہ خبردار آگے نہ بڑھو! یہ اللہ کا گھر ہے۔ ادھر واپس جاؤ جہاں سے آئے ہو" ۔ یہ کہہ کر نوفل ابرہہ کے لشکر سے ایسا فرار ہوا کہ آنکھ جھپک کی دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ابرہہ اور اس کے لشکری حیران کھڑے دیکھتے رہے۔ ہاتھی جس کا نام محمود تھا۔ اس نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب آگے بڑھاتے تھے تو سجدہ کرتا تھا۔ اور اگر واپس کرتے تھے یعنی کسی اور رخ کی طرف تو ادھر تیزی سے چلا جاتا تھا۔

تبصرہ خانہ کعبہ کے جلال و جمال کو کچھ محسوس تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہ ہمارے پاس الفاظ ہیں اور نہ ہماری قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اثرات کو بیان کیا جائے جو خانہ کعبہ پر نظر پڑنے سے وارد ہوتے ہیں۔ اور پہلی دفعہ نہیں۔ بلکہ ہر دفعہ۔ اور بعض دفعہ انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اب ابرہہ اور اس کے لشکر پر کیا گزری؟ اللہ کے رنگ دیکھیں۔

ابابیل پرندہ اسی دوران سمندر سے ابابیل پرندوں کے غول کے غول نمودار ہوئے ان میں سے ہر پرندہ تین کنکریاں اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک چونچ میں۔ اور ایک ایک دونوں پنجوں میں۔ انہوں نے یہ کنکریاں لشکر پر گرانا شروع کر دیں اور جس کو کنکری لگتی تھی وہ ادھر ہی مر جاتا تھا۔ تو تھوڑی ہی دیر میں لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر بھی نہ رہی۔ ابرہہ کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بدن سے الگ ہو گئیں۔ اور وہاں پر پھوڑے نکل آئے۔ وہ بھی بھاگا، اور روایت ہے کہ صنعا تک پہنچ گیا اور جاتے ہی مر گیا۔ یہ واقعہ حضور پاکؐ کی ولادت سے پچیس دن پہلے کا ہے اور اپنی قسم کا آپ ہے۔ ابرہہ پر کوئی ڈرانے یا ہلاکت کرنے والی بجلی یا آندھی بھی نہ بھیجی۔ بلکہ کسی بڑے پرندے کو بھی نہ بھیجا۔ جو لشکر پر جھپٹ پڑتے۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں اور معمولی کنکریوں نے ایک لشکر کو بھس کر دیا۔ لشکر کا نام اہل مکہ نے ہاتھی والے رکھا اور اس سال کو ہاتھی والے سال کا نام دیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہمارے آقاؐ کی اس دنیا پر آمد سے چند روز پہلے اپنے جلال کے نظارے دکھا رہا تھا۔ کہ جلدی اس دنیا کو ایک طرف اپنے حبیبؐ کے جمال سے منور کرنا تھا اور دوسری طرف جلال کو بھی اجاگر کرنا تھا۔ حضور پاکؐ نے ایک دفعہ فرمایا اور یہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ان کا جلال۔ ایک ماہ کی مسافت سے بھی زیادہ فاصلے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ بھی ایک طرز بیان ہے ورنہ بات ہی ساری آپؐ کے جلال و جمال کی ہے۔ زماں و مکاں یہاں ہیچ ہیں۔ قران پاک میں اس واقعہ کی اللہ تعالیٰ نے مکی سورۃ فیل کے چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے لیکن ان الفاظ کو معنی میں نہیں بند کیا جا سکتا۔ زمانے کے ساتھ معنی میں وسعت ہوتی جائے گی۔

یمن ایران کے قبضہ میں اس واقعہ سے تھوڑا عرصہ بعد یمن کے پرانے شاہی خاندان تبعہ سے سیف بن ذویژن مدائن گیا، اور کسریٰ ایران سے مدد طلب کی کہ وہ اہل یمن کو اہل حبشہ سے چھٹکارا دلائیں۔ اس سیف کے باپ ذویژن کی ایک اور بیوی پر ابرہہ نے زبردستی قبضہ کر لیا تھا اور اس بیوی سے جو بیٹا مسروق پیدا ہوا وہی بعد میں ابرہہ کا جانشین بنا ہوا تھا۔ کسریٰ پہلے تو سیف کی بات نہ مانتا تھا۔ لیکن ایک بوڑھا اور بہادر سردار وہروز جو اس زمانے میں کسریٰ نے کسی وجہ سے قید کیا ہوا تھا، کسی طرح کسریٰ کو یہ باور کرا سکا کہ وہ تھوڑی نفری سے کسریٰ کے لیے یہ کام کر سکتا ہے۔ چنانچہ کسریٰ نے اس وہروز کے ماتحت تھوڑی نفری سے یمن میں ایک مہم بھیج دی۔ جب ایرانی لشکر کا اور حبشہ کے لشکر کا آمنا سامنا ہوا تو بوڑھے وہروز نے اپنی بھوؤں پر پٹی باندھی اور بڑی مشکل سے دوسروں کی مدد سے دور سے مسروق کو پہچان سکا۔ لیکن بوڑھے تیر انداز نے ایسا نشانہ باندھا اور ایسے زور کا تیر مارا جو مسروق کے سر سے پار نکل گیا۔ پس حبشہ کی فوج میں ایسی بھگدڑ مچی کہ وہ سب کے سب اپنے ملک حبشہ میں واپس چلے گئے۔ وہاں ملک میں اندرونی جھگڑے ہو رہے تھے۔ اور یمن کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کی گئی۔ سیف ایران کی طرف سے یمن کا باجگزار بادشاہ بن گیا۔ اور اس باب کے شروع میں گزارش کی تھی کہ حضور پاکؐ کی بعثت کے وقت ایرانی سلطنت یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور ایسا نقشہ اول میں بھی دکھایا گیا ہے۔ اس طرح تاریخ و جغرافیہ کے تانے بانے روحانی پہلو سے ملائے جا رہے ہیں کہ رہبر اعظمؐ کے ظاہر ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ کہ وہ زمانے کو ایسا تسلسل دیں کہ کارواں حق صراط مستقیم پر رواں دواں ہو جائے۔

سرزمین حجاز یہ شرف سرزمین حجاز کو حاصل ہوا اور دوسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضور پاکؐ کے جد امجد حضرت اسماعیلؑ مکہ مکرمہ میں آباد ہو چکے تھے۔ اب سرزمین حجاز اور اس کے ملحقہ علاقوں کی تاریخ کو حضرت اسماعیلؑ کے زمانے سے لے کر حضور پاکؐ کی ولادت تک بیان کرنا مقصود ہے۔ روایت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ اولاً سب مکہ مکرمہ میں تھے لیکن جب اولاد بڑھی تو اولاد اسماعیلؑ نے اطراف میں پھیلنا شروع کر دیا۔ اب حضرت ابراہیمؑ کی زبان تو عبرانی تھی لیکن حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی زبان کیسے عربی ہوئی۔ اس میں ایک رائے تو محمد بن عمر الاسلمی نے اپنے بزرگوں سے روایت کی ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو عربی زبان ان کو الہام ہوئی۔ اور کچھ کا خیال ہے کہ عبرانی زبان آہستہ آہستہ سرزمین حجاز میں آ کر عربی زبان میں تبدیل ہو گئی (واللہ اعلم بالصواب) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کہاں تک پھیلی اس سلسلہ میں حتمی رائے نہیں دی جا سکتی۔ پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں علیؓ بن رباح سب عربوں کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد بتاتے ہیں لیکن پیچھے یہ بھی ثابت کر دیا گیا تھا کہ سام بن نوحؑ کی اولاد سے کچھ اور لوگ بھی سرزمین عرب میں آباد ہو گئے تھے اور ان قبائل کا ذکر بھی ہو چکا ہے لیکن اب عربی زبان ایسی چھائی کہ سب قبائل کی زبان عربی ہو گئی۔ دوم جب عرب کے سب قبائل مسلمان ہو گئے تو روحانی رشتہ کے علاوہ سب کی یہ خواہش بھی ہو گئی کہ نسبی رشتہ بھی ایک کر دیں۔ تو اکثر عرب قبائل نے اپنے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کہنا شروع کر دیا اور قبیلہ یقطن اور قحطان کا ایک قبیلہ بن جانے کا ذکر ہو چکا ہے اسی طرح قبیلہ خثعم اور قبیلہ بجیلہ والے بھی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔ لیکن بعض مورخین نے ثابت کر دیا کہ وہ یمنی ہیں۔ بہرحال اس

نقشہ دوم
دین حق کو پھیلانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے سفر اور حضرت اسمٰعیلؑ کا مکہ میں آباد ہونا
(کچھ قبائل اور شہروں کے نام جیسے اُس زمانے میں تھے)
شمال
بحیرہ کیپین
یہ نام بعد میں پڑا
اناطولیہ
فناکس
حضرت ابراہیمؑ
حضرت ابراہیمؑ
بحیرہ روم
(یہ نام بعد میں پڑا)
قبرص
سارہ سے شادی
کنعان
لوط بن ہاران
حضرت اسحٰقؑ
اور شلیم
بیت المقدس
نینوا
کوثی
نمرود کی قید میں
بابل
دجلہ
فرات
ابلہ
سکندریہ - آباد نہ تھا
ہاجرہؑ سے شادی
حنف
حضرت ابراہیمؑ
مصر
حضرت ابراہیمؑ
ثمود
سرزمین عرب
یثرب
خلیج فارس
طسم
جدلیس
(یمامہ)
(خانہ کعبہ)
(یہ نام بعد میں پڑا)
مکہ مکرمہ
حضرت ہاجرہؑ
عمالقہ
اور
حضرت اسمٰعیلؑ
جرہم
امیم
ربع الخالی
عاد
یقطن
یمن
حضرموت
عمالقہ (صنعا)
بحیرہ قلزم
بحیرہ عرب
میل
سکیل
ملک سبا
دریائے نیل

سلسلہ میں زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ نقشہ سوم پر سب بڑے بڑے قبائل کے نام اور علاقے جہاں وہ آباد تھے وہ ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ آگے ہمیں سب قبائل سے واسطہ پڑے گا اور بائیسویں باب میں اکثر قبائل سے وفود کا ذکر ہو گا تو ہمارا یہ مطالعہ یا وضاحت اسلام کے پھیلاؤ کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو گا۔

قبیلہ قریش ابن اسحق میں حضور پاکؐ سے لے حضرت آدمؑ تک سب سلسلہ نسب دیا ہوا ہے۔ ابن سعد بھی بڑی تفصیل میں گیا ہے۔ اور دونوں کے مطابق قبیلہ قریش فہر کی اولاد سے ہے۔ چنانچہ فہر سے نیچے حضور پاکؐ تک اور مشہور صحابہ کرامؓ کے سلسلہ نسب کو ہم ایک چارٹ کی شکل میں پانچویں باب میں شجرہ نسب الف کے طور پر دکھارہے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں مادری رشتے یا باقی قرابت والے قبائل کی تفصیل بھی چارٹوں کے ذریعہ سے دے کر تمام معاملات کو آسان کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سب چارٹ پانچویں باب میں موجود ہیں۔ فہر کی اولاد کا نام قبیلہ قریش پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ابن سعد میں ہشام بن محمد کی روایت کے مطابق فہر کے تین بیٹوں میں سے دو ایک ماں سے تھے۔ اور تیسرا بیٹا دوسری ماں سے۔ تینوں نے مکہ مکرمہ اور تہامہ میں الگ الگ جگہ رہائش اختیار کی۔ پھر کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ تینوں باہم مجتمع ہو گئے تو دوسرے لوگوں نے کہا۔ "لقد تقرش بنو جندلہ جندلہ سے مراد بھی بنو فہر ہی تھے کہ جندلہ فہر کی ایک بیوی کا نام تھا اور وہ زیادہ مشہور تھیں۔ ویسے فہر کی اولاد آگے دو بیٹوں سے چلی اور ایسے ہی شجرہ نسب میں دکھایا گیا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں جناب عبدالرحمنؓ بن عوف کے بیٹے ابو سلمہؓ کا خیال ہے کہ قصیٰ نے جب ساری اولاد فہر کو اکٹھا کر کے ان میں وحدت پیدا کی تو یہی "تقرش" تھا اور فہر کی ساری اولاد قریش بن گئی۔ قصیٰ، فہر کی آٹھویں پشت میں تھے اور اسلیئے یہ سارے ذکر آگے آئیں گے۔ لیکن ہمارا مقصد حل ہو گیا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قریش کس کی اولاد سے ہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ فہر کی اولاد سے ہیں۔ اور فہر ہی قریش کے جدامجد ہیں۔

معد بن عدنان ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ جب نسب کا ذکر فرماتے تھے تو اپنے سلسلہ نسب کو معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھاتے تھے اور صرف یہ فرماتے تھے کہ عدنان، حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے اور فہر یعنی قریش کے جدامجد معد کی دسویں پشت سے تھے جس پر کوئی شک نہیں اور نہ فہر سے نیچے جس کا چارٹ ہم اگلے باب میں دے رہے ہیں۔ حضور پاکؐ کے اس شک سے دوسرے باب میں ہمارے زماں کے جائزے کو اور طاقت مل جاتی ہے۔ اور جو وقتوں کا ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال ابن اسحاق خود کو بھی معد سے اوپر شک تھا اور اس نے نسب کے لیے دو شجروں کا ذکر کیا۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ محمد بن عدنان بن اود بن المسیع بن سلامان بن عوض بن یوزین قموال بن ابی بن العوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن ترلاف بن طابخ، بن خاحم بن ناخس بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الوحا بن حمدان بن نسبر بن یثربیٰ بن لحزن بن یلحن بن ارعوی بن عیفی بن ذیشان بن عیصر بن اقتاد بن ابہام بن مقصیٰ بن ناحث بن زراح بن شمی بن مزی بن عرام بن قیذر بن اسماعیل یا

ب۔ معد بن عدنان بن اود بن زید بن یقدر بن یقتیدم بن امین بن مسحز بن صابوع بن المسیع بن یعرب بن العوام بن بنات بن سلیمان بن حمل بن قیذر بن اسماعیلؑ

ابن سعد میں ایک تیسرا شجرہ بھی موجود ہے۔ جو معد بن عدنان بن مقوم بن ناحور بن تبرح بن یعرب یسجب بن نابت بن اسماعیلؑ ہے۔

اوپر بیان شدہ شجرہ نسبوں میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ کوئی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ اختلافی شجرے لکھے بھی اسی وجہ سے ہیں کہ حضور پاکؐ کو جو شک تھا اس کا ثبوت پیش کیا جا سکے۔ حضور پاکؐ نے اتنے دور کے شجروں کو صحیح کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور یہ فرما دیا کہ وہ اولاد اسماعیلؑ ہیں۔ اسلام نسب کو صرف پہچان کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور یہاں روحانی رشتہ کو دین۔ حنیف اور حضرت ابراہیمؑ سے ملانے کی ضرورت تھی۔ تو وہ حضور پاکؐ نے پوری کر دی۔ فہر سے اوپر معد تک شجرہ نسب اس طرح ہے۔ فہر بن مالک بن النضر یا قیس بن کنانہ بن خزیمہ بن مدریکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہ سلسلہ ہم نے شجرہ نسب الف کے اوپر بھی دہرا دیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ویسے جن بزرگوں کے نام یہاں دیئے ہیں ان کے ناموں سے مضری، نزاری، کنانہ اور خزیمہ قبائل وغیرہ بھی موسوم ہیں کہ یہ سارے بھی حضور پاکؐ کے جد امجد یا قریش کے اوپر والے بڑے قبائل تھے۔ اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو ان بڑے قبائل سے وابستہ کیے رکھا۔ ان کا ذکر بھی اکثر آئے گا اور وہ بھی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے تو حضور پاکؐ نے دنیاوی رشتے کا پاس بھی کیا۔ اور ان لوگوں کو اپنا رشتے دار قرار دیا۔ اور قبائل کے ناموں کے سلسلہ میں پیچھے وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

بت پرستی کی ابتداء بت پرستی کی ابتدا کچھ اس طرح شروع ہوئی کہ جب کچھ لوگ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ رہائش اختیار کرتے تو خانہ کعبہ سے کوئی پتھر اٹھا کر بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ اور جہاں آباد ہوتے تھے وہاں یہ پتھر بھی گاڑ دیتے تھے۔ اور اس کو مقدس سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے۔ ان پتھروں کی جگہ بتوں نے کیسے لی اس کا ذکر آگے آتا ہے کہ حضرت اسمعیلؑ کی اولاد سے قبیلہ قحطان یمن میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کے ایک شخص لحی بن حارث نے فہر کے پردادا کے باپ خزیمہ کی چچیری بہن یعنی اس کے چچا قمعہ بن الیاس کی بیٹی سے نکاح کیا اور مکہ مکرمہ میں رک گیا۔ اس نکاح سے عمرو پیدا ہوا اور یہی بدبخت بت پرستی کو رواج دے گیا۔ ابن اسحق کے مطابق جناب ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ پاک نے معراج کے وقت اس بدبخت کو عذاب کی حالت میں دیکھا۔

عمرو بن لحی روایت ہے کہ یہ عمرو تجارت کی غرض سے ملک شام گیا، تو وہاں کچھ بت پرستی دیکھی کہ لوگ ان بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ شیطان نے یہ بات عمرو کو پسند کرائی تو اس نے خانہ کعبہ کے پتھروں کی جگہ بت نصب کرنے کی راہ نکالی۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ نے اپنی مرضی کے مطابق اپنی رہائش کے نزدیک کوئی بت نصب کر دیا۔ اور اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ بلکہ قبائل جب حج کے لیے مکہ مکرمہ آتے تو اپنا بت بھی ساتھ لاتے، اور اس کو خانہ کعبہ میں نصب کر جاتے۔ اور آہستہ آہستہ لوگ دین ابراہیمی سے ہٹ کر باطل فلسفوں والوں کی طرح گمراہ ہوتے گئے۔ قارئین ہم نے یہ ملک اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنایا۔ اور تیسرے باب میں واضح کیا گیا کہ ہم بھی وطن کے بت اور کئی مادی بتوں کے پجاری بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ ساری قوم کے لوگ اللہ کے خلیفہ بنے

ہوئے ہیں ۔اور عوام کو اللہ کا شریک بنا رہے ہیں کہ بجائے اللہ تعالیٰ کی آمریت کو جاری کریں یہ کہتے ہیں کہ جو فیصلہ لوگ کریں وہی صحیح ہوگا ۔تو ذرا اپنی "بت پرستی" پر بھی نگاہ ڈالیں ۔جتانچہ قران پاک کی سورۃ یوسف میں جو ذکر ہے "کہ وہ اوروں کو شریک کیئے بغیر اللہ کی ذات کے بھی منکر ہیں یا وہ میری واحدانیت اور اصلی حقیقت کو نہیں سمجھتے یا مانتے بلکہ وہ میرے ساتھ میری ہی مخلوق کو شریک کر دیتے ہیں" تو یہ بات ان لوگوں کے علاوہ ہمارے لئے بھی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے کئی شریک بناتے رہتے ہیں یعنی

دنیا تو ملی ۔ طائر دین کر گیا پرواز آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل (اقبالؒ)

حضور پاک ، خزیمہ کی سولھویں پشت سے تھے ۔تو ظاہر ہے کہ حضور پاکؐ کی ولادت سے تین چار سو سال پہلے بت پرستی شروع ہو چکی تھی ۔اور مختلف قبائل کو بتوں کی تفصیل یہ ہے ۔

ا ۔بد بخت عمرو بن لحی نے نخلہ میں العزیٰ کا بت نصب کیا

ب ۔خزیمہ کے بھائی ھذیل بن مدریکہ نے بدر کے مقام اور ینبو کے نزدیک ایک جگہ پر سوئی کا بت نصب کیا۔

ج ۔کلب بن ویرہ نے دومۃ الجندل کے نزدیک ود کے بت کو نصب کیا

د ۔قبیلہ طے کے انوم اور قبیلہ مذبح کے لوگوں نے جرش کے مقام پر تیجوت کا بت نصب کیا۔

ر ۔ہمدان کے ایک چھوٹے قبیلہ خیواں نے یمن ۔میں ہمداں کے مقام پر ایک بت بوق کو اپنایا

س ۔قبیلہ حمیر کے ذوالکلاح نے اپنے علاقے میں ایک بت نصر کی پوجا شروع کر دی

ش ۔قبیلہ خولان نے اپنے علاقہ میں امانہ کا بت لگایا۔اور اپنی پیداوار کو اللہ تعالیٰ اور اس بت میں بانٹتے تھے ۔سورہ انعام کی آیت ۱۳۶ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے ۔

ص ۔خزیمہ کے بیٹے کنانہ کی اولاد سے بنوملکان نے اپنے علاقے میں دوسروں کی نقل میں کھلے علاقے کی ایک چٹان پر ایک بت نصب کر دیا۔

ض ۔قبیلہ دوسؓ کے پاس جو بت تھا اس کا نام بھی الدوسی پڑ گیا۔ویسے اس بت کو ذوالکفین کا بت بھی کہا گیا ہے ۔

ض ۔خود قریش نے بعد میں خانہ کعبہ میں ھبل کے بت کو نصب کیا۔بلکہ چاہ زمزم کے نزدیک ایصاف اور نیلہ کے بت نصب کیے اس نام کا ایک مرد اور عورت قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے اور روایت ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر کر دیا۔

ط ۔قبیلہ ثقیف نے طائف میں لات کے بت کو نصب کیا

ع ۔یثرب کے قبائل اوس اور خزرج کا بت مناۃ تھا۔روایت ہے کہ یہ بت بھی عمرو بن لحی نے نصب کیا۔اور یمن کے قبیلہ ازد اور شام کے قبیلہ غسان کے لوگ بھی اس بت پر چڑھاوے چڑھاتے تھے کہ غسانی بھی یمنی ہیں جس کا ذکر حضور پاکؐ کی حدیث

مبارکہ کے تحت ہو چکا ہے

ر غ ۔ قبیلہ خثعم اور بجیلہ کے بت کا نام ذوالخلاصہ تھا ۔ یہ بت بھی عمرو بن لحی نے مکہ مکرمہ کے نچلے حصہ میں نصب کیا تھا ۔

ف ۔ قبیلہ طے کے جو لوگ اوجا پہاڑ کے نزدیک تھے ۔ انہوں نے بنو سلمہ کے ساتھ مل کر ایک بت فال کو نصب کیا تھا ۔

ق ۔ اس کے علاوہ بنی حمیر، بنو تمیم، بنو ربیعہ بنو بکر اور بنو تغلب وغیرہ نے اپنی اپنی الگ عبادت گاہیں بنائی ہوئی تھیں جن میں طرح طرح کے بت نصب تھے ۔

تبصرہ بتوں کی تفصیل دینے میں بڑا مقصد یہ ہے کہ نقشہ سوم میں قبائل کے جغرافیائی پہلو کو سمجھنے کے علاوہ قارئین کو قبائل کے عقائد کا بھی پتہ چل جائے ۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ سارے شجرہ نسب جن کی پشت سے حضور پاکؐ ہیں ان میں سے کسی نے کوئی بت نہ اپنایا ۔ تو حضور پاکؐ کے اباواجداد کے دین حنیف پر ہونے کا ثبوت مل گیا ۔ آگے ان سب قبائل کے ساتھ ہمارے آقاؐ کو واسطہ پڑا اور اندازہ لگائیں کہ ان بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے مختلف العقائد قبائل کو ہمارے آقاؐ نے کیسے ایک لڑی میں پرو دیا ۔ بائیسویں باب میں قبائل کے وفود کا ذکر معاملات کے تانے بانے بہتر طور پر ملا دے گا ۔

بدعتیں اس بت پرستی کے علاوہ بے شمار بدعتوں کا رواج بھی پڑ گیا تھا ۔ بحیرہ اور سائبہ کا چکر کہ فلاں اونٹنی دس بچے جن چکی ہے ۔ اب وہ آزاد ہے ۔ اور یہ وہ بھیڑ ہے جو دس دفعہ جوڑویں بچے جن چکی ہے تو وہ وصیلہ قرار دی جاتی تھی ۔ اسی طرح حامی کا چکر تھا ۔ قران پاک کی سورۃ مائدہ کی آیت ۱۰۲ سورۃ انعام کی آیات ۱۴۲ اور ۱۴۹ اور سورۃ یونس کی آیت ۴۰ میں ان بدعتوں میں سے اکثر کا ذکر ہے ۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل میں نہ جائیں گے ۔ لوگوں نے کافی اٹکل پچو ٹوٹکے گھڑ لیئے تھے ۔ اور ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تھے ۔ بہر حال یہ بدعتیں تو ختم ہو گئی ہیں ہم ذرا اپنے گریباں میں منہ ڈالیں کہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں ۔ ہم مزاروں پر ناچ و گانا کراتے ہیں اور بھانگڑا ڈلتے ہیں ۔ وہاں ایسے ہی ڈالیاں چڑھاتے ہیں جیسے یہ لوگ بتوں کو ڈالیاں چڑھاتے تھے ۔ ہم غیر اللہ کے نام پر منتیں مانتے ہیں اور قبروں پر جا کر سجدہ کرتے ہیں یا لیٹ جاتے ہیں ۔ حضور پاکؐ نے قبروں پر جانے سے منع نہیں فرمایا ۔ اور جب آپؐ کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو قبروں کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہنے کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے ۔ لیکن حضور پاکؐ نے قبر کی بت کی طرح پوجا کی سختی سے ممانعت فرمائی ۔

زمانہ جہالت حضور پاکؐ کے بعثت سے تھوڑا پہلے اس سارے زمانے کو زمانہ جہالت کا نام دیا جاتا ہے ۔ بے شک لوگوں کا علم محدود تھا اور گمراہ کرنے والے بہت تھے ۔ اور پھر حضور پاکؐ کی آمد سے جو علم کے دروازے کھل گئے تو مقابلتاً بھی اس زمانے کو جہالت کا زمانہ کہا گیا ۔ بدعتیں بھی کافی تھیں اور غلط قسم کا تکبر اور غرور تھا ۔ کہ اپنی لڑکیوں کو بھی زندہ در گور کر دیتے تھے کہ لڑکی بدنامی کا باعث نہ ہو ۔ لیکن قریش خاندان میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا اور ہمارے مورخین نے اس میں لفاظی کچھ زیادہ ہی کر دی ہے ۔ بے شک برائی زیادہ تھی ۔ اور بھلائی کم ۔ لیکن پھر بھی کچھ اصول تھے ۔ عورت اور کمزور پر ہاتھ کم اٹھایا جاتا تھا ۔ حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تو پیچھے کسی نے ان کے بال و بچہ کو کچھ نہ کہا ۔ کچھ خاندانی بندھن بھی

نوٹ: قبیلے زیادہ تر خانہ بدوش تھے۔ ویسے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں ہجرت بھی کر جاتے تھے۔ چند قبائل مستقل تھے جو شہروں یا آبادیوں میں رہتے تھے۔

تھے۔ کچھ وعدوں کا پاس بھی تھا۔ زیادہ خرابی البتہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے کئی شریک بنادیئے۔ اور دین ابراہیمؑ سے ہٹ کر مذہب کو قبائلی رواجوں کے ماتحت کر دیا گیا کچھ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیں تھیں ان کو حرام بنادیا اور حرام چیزوں کو حلال بنا دیا گیا۔ شعروشاعری، جوا، شراب اور زناہ عام ہو گئے۔ لیکن ہم نے بھی مادیت کے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے۔ اور فلاحی مملکت کے چکر میں "جنت ارضی" کے فلسفہ کے قائل ہو گئے ہیں۔ جو خرابیاں ان لوگوں میں تھیں وہ آج ہم میں بھی پیدا ہو گئی ہیں بلکہ غیرت نفس میں وہ ہم سے بہتر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غیرت کا درس دیتے ہیں۔ لیکن ہم ایک مردہ قوم ہیں اور احتجاجوں پر گزارہ کر رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا (اقبالؒ)

قریش مکہ اور حج: مختلف عرب قبائل اور ان کے عقیدوں میں تبدیلی اور بت پرستی کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن حج جاری رہا۔ اور حج کے دوران چند ماہ حرام قرار دیئے گئے تھے کہ ان ماہ میں لڑائی نہ ہو سکتی تھی۔ تمام قبائل حج پر آتے تھے لیکن حج اپنی مرضی کے مطابق ادا کرتے تھے۔ حج کا سارا بندوبست قریش مکہ یعنی فہر کی اولاد کے ہاتھ میں تھا۔ فہر کے بعد ان کی اولاد یعنی بیٹا غالب، ان کے بعد ان بیٹا لوی، اس کے بعد ان کا بیٹا کعب، اس کے بعد ان کا بیٹا مرہ اور اس کے بعد ان کا بیٹا کلاب ہی مکہ مکرمہ کے سردار رہے اور حج کا انتظام ان کے ہاتھ میں رہا۔ کلاب نے عرب خاندان کی چوٹی کی ایک عورت فاطمہ بنت سعد سے شادی کی تھی، جو جعشمہ قبیلہ سے تھیں اور انہی کے ایک جد امجد عامر حبن کو جاور بھی کہتے تھے نے خانہ کعبہ کی دیوار (جدار) تعمیر کی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ کلاب جوانی میں وفات پا گئے۔ اور پیچھے دو بیٹے چھوڑے ایک زہرہ جو بڑے تھے اور خاموش طبع تھے۔ اور یہی زہرہ جیسا کہ چارٹ الف سے ظاہر ہے، حضور پاکؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ، جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور جناب سعدؓ بن ابی وقاص کے جد امجد تھے۔ جناب کلاب کے دوسرے بیٹے قصیٰ تھے جو ابھی دودھ پیتے تھے۔ اسی دوران شام کی سرحد کے نزدیک کے امیر ترین قبیلہ قضاعہ کے ربیعہ بن حرام حج پر آئے اور ان کی نظر کلاب کی بیوہ فاطمہ پر پڑ گئی اور وہ ان کو نکاح میں لے کر علاقہ سرغ چلے گئے۔ اور قصیٰ جو چھوٹے تھے وہ بھی ماں کے ساتھ ادھر ہی چلے گئے۔ البتہ زہرہ مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے۔ قریش میں کوئی ایسی شخصیت سامنے نہ آئی جو مکہ مکرمہ اور حج کے معاملات کو سنبھالا دے سکتا، اس لئے حج کے معاملات بنو بکر اور بنو خزاعہ کے ہاتھوں میں چلے گئے۔

قصیٰ بن کلاب: قصیٰ بن کلاب جب جوان ہوئے تو سرغ کے شرفا میں ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ تیر اندازی اور ہر مقابلہ میں لاثانی تھے۔ اور وہاں پر لوگ ان کو قصیٰ بن ربیعہ کہتے تھے۔ لیکن جب قصیٰ کو معلوم ہوا کہ وہ قضاعہ کے قبیلے سے نہیں تو ان کو سخت رنج ہوا۔ اور ماں سے جھگڑا ہو گیا۔ تو ماں کہنے لگی کہ "بیٹا تمہارا قبیلہ قریش، قضاعہ قبیلہ سے زیادہ اشراف ہے" یہ سن کر قصیٰ نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے قبیلہ میں واپس جائیں گے۔ اور اگلے حج کے موقع پر قصیٰ، قبیلہ قضاعہ کے ایک وفد کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ آپ کے بھائی زہرہ کچھ بوڑھے اور اندھے ہو چکے تھے۔ اور اپنے بھائی کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور آواز سننے کے بعد کہنے لگے کہ ہاں یہ میرے ہی بھائی ہیں۔ بنو قضاعہ کے لوگ جب واپس جانے لگے تو بڑی کوشش کی کہ قصیٰ کو بھی ساتھ لے جائیں۔ لیکن قصیٰ نے انکار کیا اور مکہ مکرمہ میں رہ گئے۔

قصیٰ کا مکہ مکرمہ میں جلال: مکہ مکرمہ پہنچنے کے چند دن بعد ہی قصیٰ، سب کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اور قبیلہ خزاعہ کے سردار حلیل جو خانہ کعبہ کے متولی بنے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیٹی حبیٰ، قصیٰ کو نکاح میں دے دی۔ آگے مورخین تفصیل میں گئے ہیں جس کا لب لباب یہ ہے کہ قصیٰ مکہ مکرمہ کے حالات پر چھا گئے۔ فہر کی ساری اولاد یعنی قریش کو اکٹھا کیا۔ اور ان کے سردار بن گئے۔ اور خانہ کعبہ کی متولیت بنو خزاعہ سے واپس مانگی۔ آپ نے بنو قضاعہ کے اپنے اخیائی بھائی زراح کو بھی مدد کے لئے طلب کیا جو تین سو ہمراہیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گیا اور اسطرح کچھ بحث و مباحثہ، اور تھوڑی بہت جنگ یا جھڑپ کے بعد، قصیٰ خانہ کعبہ کے متولی ہو گئے۔ ثالثی بنو کنانہ کے ایک سردار ابن عوف نے کی تھی اور یہ قصیٰ کا حق تھا۔ قدرت دولھا کی آمد سے پہلے کچھ تیاریاں کر رہی تھی کہ مکہ مکرمہ کی سرداری حضور پاکؐ کے جد امجدوں کے ہاتھ رہے۔ اور سارے بندوبست مکمل ہوں۔

دارالندوہ: قصیٰ ہی نے دارالندوہ کی بنیاد ڈالی، اور قریش کی ایک مجلس شوریٰ بنائی، جس کو قبائلی جمہوریت کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ تمام فیصلے ادھر ہی ہوتے تھے یعنی جنگ و صلح سے لے کر لڑکے کے ختنے اور لڑکی کی بلوغت پر پہنچنے کے اعلان تک بھی وہاں ہی ہوتے تھے۔ اور مکہ مکرمہ میں جو لوگ داخل ہوتے تھے قصیٰ ان سب سے عشر وصول کرتے تھے۔ اور خانہ کعبہ میں حوضوں کے ذریعہ حجاج کو پانی پلانے کا بندوبست وہی کرتے تھے۔ غرضیکہ پوری حکومت قصیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ قصیٰ ہی نے قریش کو ابطح یعنی کھلے میدان میں بسایا۔ اور وہاں ہی سے قریش کا نام البطاح پڑا۔ اور ساری وادی کو بطحا کی وادی کا نام دے دیا گیا کہ یہ الفاظ ہمارے لئے حضور پاکؐ کے آباؤ اجداد کی وادی ہونے کی وجہ سے مقدس ہیں۔

قصیٰ کی اولاد: حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے شجرہ نسب الف سے استفادہ کریں گے تو وہاں پر قصیٰ کے چار بیٹوں کے نام نظر آئیں گے۔ لیکن زیادہ مشہور تین ہیں۔ اور چوتھے عبد قصیٰ کا زیادہ ذکر نہیں ملتا۔ ایک بیٹے ابو الدار ہیں۔ جن کی اولاد سے اسلام کے علمبردار جناب مصعبؓ بن عمیر تھے۔ جناب قصیٰ نے حکومت کے کچھ کام ان کے سپرد کر دیئے۔ دوسرے عبد العزیٰ تھے جن کی اولاد سے حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد جناب زبیرؓ بن عوام اور ان کی پھوپھی ام المومنین اول جناب خدیجہؓ تھیں۔ لیکن تیسرے زیادہ مشہور تھے کہ جمال و جلال ان کے حصہ میں آیا۔ آپ عبد مناف تھے جو حضور پاکؐ کے جد امجد تھے۔ ظاہر ہے کہ دولھا کی آمد سے پہلے ہر چیز کا رخ ان کے آباؤ اجداد کی طرف ہو رہا تھا۔ اور قصیٰ کی وفات کے بعد حکومت کا تمام کام عبد مناف نے سنبھال لیا۔

عبد منافؒ کی اولاد: جناب عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ گو بڑے المطلب تھے لیکن زیادہ بقائے دوام حضور پاکؐ کے پردادا جناب ہاشمؒ کو نصیب ہوا۔ آپ نے تجارت کے حقوق قیصر روم سے حاصل کئے ہوئے تھے اور ملک شام کے دور دراز علاقوں تک تجارت کرتے تھے۔ المطلب نے شاہ نجاشی کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے قریش کے لئے تجارت کے حقوق حاصل کئے ہوئے تھے۔ لیکن سب کچھ اپنے بھائی ہاشم کی اولاد کو دے دیا۔ بلکہ آپ کی اولاد بھی ہاشمی کہلاتی ہے کہ حضور پاکؐ کے دادا عبد المطلبؓ انہی کے نام سے موسوم ہوئے۔ اور یہ تفصیل تھوڑا آگے آتی ہے۔ تیسرے جناب نوفل تھے جنہوں نے کسریٰ ایران کی سلطنت میں تجارت کے حقوق حاصل کئے ہوئے تھے۔ یہ مطالعہ دلچسپ ہے کہ دنیا کی اس زمانے کی مانی ہوئی سلطنتوں میں حضور پاکؐ کے آباؤ اجداد کافی بارسوخ تھے۔ عبد منافؒ کے چوتھے بیٹے عبد شمس تھے جو امیہ اور ربیعہ کے باپ تھے۔ شجرہ نسب الف میں اختصار

کے ساتھ اور شجرہ نسب "د" میں وسعت کے ساتھ عبد شمس کی اولاد کا ذکر ہے کہ اس کتاب میں آگے چل کر ان لوگوں کے ساتھ ہمارا بڑا واسطہ رہے گا۔ روایت ہے کہ عبد شمس کے دل میں جناب ہاشمؓ کے ساتھ حسد پیدا ہوا۔ اور قریش کے ایک دو قبیلوں خاص کر بنی مخزوم اور بنی ابو الدار کو اپنے ساتھ ملا کر جناب ہاشمؓ کے ساتھ "منافرہ" کیا۔ یعنی عزت کے ووٹ لئے۔ لیکن مقابلہ ہار گیا۔ اور یہاں سے اختلافات شروع ہو گئے۔ اور قریش دو حصوں میں بٹ گئے اور جنگ کی نوبت آنے والی تھی کہ بات چیت سے صلح ہو گئی۔ روایت ہے کہ اس جھگڑے کا زیادہ سبب عبد شمس کا بیٹا امیہ تھا۔ جو جوان ہو چکا تھا۔ صلح کے طور پر فیصلہ ہوا کہ دار الندوہ کا بندوبست اور جنگ کی علمبرداری ابو الدار کی اولاد کے پاس ہو گی۔ میدان جنگ کی سپہ سالاری عبد شمس کے پاس رہے گی۔ البتہ خانہ کعبہ کا بندوبست اور متولی کی ذمہ داریاں جناب ہاشمؓ اور ان کے بھائی المطلب کے پاس ہی رہیں۔ یعنی روحانی پہلو حضور پاکؐ کے جد امجد کے پاس رہ گیا۔ اور دنیاوی جاہ بنو عبد شمس اور بنو ابو الدار کے پاس۔ یہ بڑا دلچسپ مطالعہ ہے۔ حضور پاکؐ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں تو روحانی پہلو غالب رہا۔ بعد میں دنیاوی جاہ والے بنو امیہ آگئے کہ عالم خلق میں اگر روحانی پہلو زیادہ دیر چلتا تو یہ عالم امر بن جاتا کہ قرآن پاک میں روح کو بھی اللہ تعالے نے امر ربی کہا۔

جناب ہاشمؓ اور ان کی اولاد: جناب ہاشمؓ کا اصلی نام عمرو تھا ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں قحط پڑا۔ آپ تجارتی سفر پر تھے۔ وہاں ملک شام میں بے شمار روٹیاں پکوائیں، ان کو خشک کر کے اونٹوں پر لادا، مکہ مکرمہ میں آکر اونٹوں کو ذبح کر کے گوشت پکوایا اور روٹیاں تڑوا کر اس میں ڈالیں اور اہل مکہ کی خوب دعوت کی تو نام توڑنے والا (ہاشم) پڑ گیا۔ آپ دور دراز سفر کرتے تھے۔ ایک طرف انگورہ (موجودہ انقرہ) تک تو دوسری طرف حبشہ کے عدیس ابابا تک۔ آپ کا جمال وجلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور بادشاہوں کے درباروں میں آپ کی حد سے زیادہ عزت افزائی ہوتی تھی۔ قصیٰ نے خانہ کعبہ میں جو پانی کے حوض بنانے کی طرح ڈالی۔ آپ نے اس نظام کو اور بہتر کر دیا۔ جناب ہاشمؓ مکہ مکرمہ سے ملک شام جاتے ہوئے ایک دفعہ یثرب (مدینہ منورہ) سے گزرے۔ وہاں بازار لگا ہوا تھا، کہ سلمیٰ بنت عمرو کو دیکھا، جو وہاں کے قبیلہ خزرج سے تھیں۔ آپ کو یہ عورت دور اندیش، مستقل مزاج اور صاحب جمال نظر آئیں۔ معلوم ہوا بیوہ ہیں لیکن عام آدمی سے نکاح کرنے کو تیار نہیں۔ جناب ہاشمؓ نے پیغام بھیجا تو آپ کے جمال وجلال اور خاندانی شرافت سے متاثر ہو کر آپ کی زوجیت میں آگئیں۔ مؤرخین نے یہ نہیں لکھا کہ سلمیٰ مکہ مکرمہ گئیں یا نہیں۔ بہرحال جناب ہاشمؓ کے آپ کے ہاں یثرب میں ٹھہرنے کا ذکر ہے اور آپ کے بطن سے ایک بیٹا شیبہ اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئیں۔ رقیہ بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ ویسے جناب ہاشمؓ کی اولاد میں کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں بتائی جاتی ہیں۔ بہرحال جناب ہاشم ایک تجارتی سفر میں تھے کہ فلسطین میں غزہ کے مقام پر وفات پائی اور مکہ مکرمہ خبر بھیجی کہ ان کا وارث ان کا بھائی المطلب ہے۔ بیوی سلمیٰ اور بیٹا شیبہ اس وقت یثرب میں تھے۔

جناب عبد المطلبؓ: یہی شیبہ جناب عبد المطلبؓ ہیں جو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےؐ کے دادا ہیں، کہ مدینہ منورہ کے قبائل جنہوں نے بعد میں انصار بننے کا شرف حاصل کرنا تھا ان کے ساتھ بھی تعلق پیدا ہوتا تھا۔ آپ کا نام شیبہ اس وجہ سے پڑا کہ بچپن ہی سے سر کے کچھ حصہ کے بال سفید تھے۔ بہرحال جناب عبد المطلبؓ بھی قصیٰ کی طرح اپنے خاندان سے دور پرورش پاتے

رہے اور ایسے صاحب حسن و جمال نکلے کہ لڑکپن ہی میں دیکھنے والا ان کو دیکھ کر حیران ہو جاتا تھا۔ روایت ہے کہ یثرب کے ثابت بن منذر (شاعر اسلام جناب حسانؓ کے والد) المطلب بن عبد مناف جن کے وہ دوست تھے، ان کے پاس آکر مکہ مکرمہ میں ٹھیرے۔ تو ساتھ ہی المطلب کو خبر دی کہ ان کے بھتیجے شیبہ کا حسن و جمال اور تیر اندازی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ المطلب کی حب جاگ اٹھی اور یثرب جا کر بڑی تگ و دو اور کوشش سے اپنے بھتیجے کو مکہ مکرمہ لے آئے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے جو شیبہ کا حسن و جمال دیکھا تو ان کو شک گذرا کہ المطلب کثیر رقم خرچ کر کے کوئی خوبصورت غلام خرید لائے ہیں تو لوگوں نے آپ کو عبد المطلبؓ کہنا شروع کر دیا اور آپ اسی نام سے مشہور ہوئے گو آپ عمر میں چھوٹے تھے لیکن اپنے چچا کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ کی سرداری آپ ہی کہ حصہ میں آئی۔ کہ یہ کچھ حضور پاکؐ کے طفیل سے تھا کہ جن پیشانیوں میں پشت در پشت ہمارے آقا کا نور چمکا وہ سب سردار ہی سردار تھے۔ اپنے بھائی ہاشمؓ کی طرح المطلب کا انتقال بھی مکہ مکرمہ سے باہر عمان کے علاقے میں ہوا۔

چاہ زمزم: جیسے جیسے حضور پاکؐ کی ولادت کا وقت نزدیک آتا جاتا تھا، تو ہر طرف سے تیاری ہو رہی تھی۔ زمزم کے چشمہ کا دوسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس سے حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کی والدہ محترمہ ام المومنین ہاجرہؓ سیراب ہوئے۔ بعد میں یہ چشمہ مٹی کے نیچے دب گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ عداوت اور حسد کی وجہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرال کے قبیلہ جرہم سے ایک شخص عمرو بن حرث نے اس چشمہ پر ریت اور مٹی ڈلوا دی۔ یہ کب ہوا؟ اس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ البتہ قصیٰ کے زمانے کا ذکر ہو چکا کہ اس زمانے میں کوئی چشمہ نہ تھی۔ کہ قصیٰ نے پانی کے حوض بنوائے۔ اب اس چشمے نے پھر اوپر آنا چاہا۔ خود ابل کر اوپر آنے کی بجائے اس میں مصلحت تھی اور مشیت ایزدی تھی کہ یہ چشمہ عبد المطلبؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص رہے۔ چنانچہ ان کو خواب آنے شروع ہو گئے کہ "کھود۔ کھود! اور کھود"۔ آپ نے اپنے بیٹے حارث کی مدد سے کھدائی شروع کی اور کچھ دنوں تک پانی نکل آیا، جو آج تک جاری ہے۔ آجکل کنوئیں کی اصل جگہ کو تو اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ خالی وہاں لکھا ہوا ہے کہ "چاہ زمزم" یہ ہے۔ اور اندر پائپوں اور مشینوں سے پانی نکال کر دو تہ خانوں میں منتقل کر دیا گیا ہے، جہاں متعدد ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک جگہ سے مرد اور دوسری جگہ سے عورتیں پانی پیتے ہیں۔ طواف کے بعد خاص کر گرمی کے موسم میں جب انسان اس جگہ سے جا کر پانی پیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دنیا جہاں کی نعمتیں میسر ہو رہی ہیں۔ اور پھر انسان وہاں نفل پڑھتے وقت سر جھکاتا ہے تو سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس پانی کو اللہ تعالیٰ نے اتنی غذائیت عطا کی ہے کہ انسان کچھ دن بغیر کچھ کھائے اسی پانی کے پینے سے زندہ رہ سکتا ہے چنانچہ چاہ زمزم اس زمانے کے لئے بھی ایک جاری معجزہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جگہ جگہ حوض اور کولر اس پانی سے بھرے پڑے ہوتے ہیں اور بھرنے والے بھرتے رہتے ہیں۔ بلکہ خانہ کعبہ کے باہر بھی ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں، جہاں سے پانی بھر کر حجاج یا دوسرے لوگ اپنے ساتھ اپنے گھروں میں یا ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ اور اب تو سینکڑوں میل دور مسجد نبوی میں یعنی مدینہ منورہ میں یہ پانی اسی طرح میسر ہے جس طرح خانہ کعبہ میں۔ حج کے موسم میں بیس لاکھ سے اوپر زائرین نہ صرف اس چشمے کا پانی پیتے ہیں بلکہ اپنے کپڑے بھی تر کرتے رہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

روایت ہے کہ جب پانی نکل آیا تو باقی قبیلوں کے سردار بھی اس میں حصہ دار بننے کے خواہشمند ہوئے۔ اور جناب عبدالمطلبؓ نے ان دعویداروں کے ساتھ کسی کاہن کی تلاش میں لمبے سفر کئے۔ کہ ایک جگہ پیاس سے بے حال آکر رک گئے کہ شاید کوئی آدمی وہاں سے گذرے اور کسی طرف پانی کے سلسلہ میں رہنمائی کر سکے۔ لیکن کوئی آدمی نہ آیا تو جناب عبدالمطلبؓ تیار ہو کر چل پڑے کہ چلو خود پانی تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی چلے تو سواری کے سم سے چشمہ ابل پڑا۔ یہ دیکھ کر چاہ زمزم کے باقی دعویدار جناب عبدالمطلبؓ کے مطیع ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔ کہ تمام قریش میں جناب عبدالمطلبؓ سب سے زیادہ خوش رو، سب سے زیادہ بلند و بالا، سب سے زیادہ بردبار و متحمل مزاج اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ وہ جب بادشاہوں کے درباروں میں جاتے تھے تو ان کی تعظیم کے لئے بادشاہ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور اسی باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ ابرہہ جیسا شیطان ان کے جلال سے دب گیا۔ چنانچہ جناب عبدالمطلبؓ کی یہ شان دیکھ کر بنو خزاعہ نے ان کے قبیلہ کے حلیف بننے کی درخواست کر دی جو جناب عبدالمطلبؓ نے منظور فرمائی۔ انصار مدینہ سے حضور پاک کا تعلق اپنے عظیم دادا کی وجہ سے شروع ہوا اور انہی بنو خزاعہ کو بنو ہاشم کا حلیف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جلد مسلمانوں کا حلیف بننے کی سعادت سے سرفراز کیا۔ یہ ذکر سولھویں باب میں ہے۔

عبدالمطلب کی اولاد: ایک روایت کے مطابق جناب عبدالمطلبؓ کے دس اور دوسری کے مطابق بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ کہ آپ نے پانچ شادیاں کیں۔ بہر حال جب آپ نے زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو آپ کے بیٹوں میں سے صرف حارث نے کچھ ہاتھ بٹایا۔ کہ باقی جو ایک دو بیٹے اس زمانے میں پیدا ہو چکے تھے وہ ابھی چھوٹے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگ زیادہ بیٹوں کے لئے منتیں مانتے تھے اور خاندانی منصوبہ بندی شروع نہ ہوئی تھی اور آج سے چالیس پچاس سال پہلے بھی زیادہ بیٹوں والے کو حکومت سرکاری زمین عطا کرتی تھی۔ انسان کی قدر تھی۔ دوسرے قبیلہ میں جا کر اچھے کردار والے لوگوں کو وہ لوگ بیٹا یا بھائی بنا لیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ بنو قضاعہ، قصیٰ کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ کہ قصیٰ نے مکہ مکرمہ میں رہنا تھا۔

انسانی قربانی: چنانچہ جناب عبدالمطلبؓ کو بھی زیادہ بیٹوں کی خواہش ہوئی۔ اور منت مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہو گئے تو ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کر دوں گا۔ چنانچہ جب دس بیٹے ہو گئے تو قربانی کے قرعہ فال ہمارے آقاؐ کے والد محترم جناب عبداللہؓ کے نام نکلا۔ اب سیدنا عبداللہؓ کا جمال ایک طرف اور جناب عبدالمطلبؓ کا ان کے لئے سب سے زیادہ پیار دوسری طرف۔ لیکن وعدہ پورا کرنے کے لئے جناب عبدالمطلبؓ انسانی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ جناب عبداللہؓ کی چار سگی بہنیں تھیں وہ جناب عبدالمطلبؓ کے ساتھ لپٹ گئیں اور چھری ہاتھ سے لے لی کہ ان کے بدلے کچھ اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ایک اونٹ کی تعداد سے قرعہ ڈالنا شروع کیا لیکن قرعہ جناب عبداللہؓ کے نام ہی پڑتا رہا۔ لیکن جب اونٹوں کی تعداد سو کر دی گئی تو قدرت جس کو انسانی قربانی منظور نہیں اور وہ صرف امتحان لیتا ہے، اس نے قرعہ سو اونٹوں پر ڈال دیا۔ جناب عبداللہؓ کو چند روز اور زندگی مل گئی کہ دین اسلام کے شروع ہونے سے پہلے قربانی کے لئے منت کا مظاہرہ ہونا تھا نہ کہ انسانی قربانی کا۔

جناب عبداللہؓ کا حسن و جمال: جناب عبداللہ کی پیشانی پر حضور پاک کا نور اس طرح چمکتا تھا کہ دیکھنے والے تاب نہ لا سکتے تھے۔ کئی عورتیں آپ کے ساتھ شادی کرنے کی خواہاں تھیں اور ان میں سے ورقہ بن نوفل کی ایک بہن قتیلہ نے ایک دفعہ جناب عبداللہ کا دامن بھی پکڑ لیا۔ لیکن آپ نے شادی سے انکار کر دیا۔ ایک اور عورت فاطمہ بنت مرا نے بھی شادی کی خواہش ظاہر کی بلکہ وہ سو اونٹ بھی دینے کو تیار تھی جو جناب عبداللہؓ کے بدلے قربان ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جناب آمنہؓ سے شادی کے کچھ عرصے بعد یہی فاطمہ، جناب عبداللہؓ کو ملی تو کہنے لگی "کہ نہ وہ بدکار عورت ہے نہ کوئی اور پہلو تھا۔ لیکن جو چیز مجھے آپ میں نظر آئی تھی وہ امانت اب آمنہؓ بنت وہب کے پاس چلی گئی ہے۔" کہتے ہیں یہ عورت کاہنہ تھی۔

جناب عبداللہ کا جناب آمنہؓ سے نکاح: جناب آمنہؓ، زہرہ بن کلاب کے خاندان سے تھیں اور یہ سب ذکر ہو چکا ہے کہ کہ زہرہ، قصیٰ کے بڑے بھائی تھے۔ جناب آمنہ حسب نسب، اور جمال و عادات میں اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے افضل تھیں اور آپکا شجرہ نسب "الف" میں پدری سلسلہ کا ذکر ہے۔ اور شجرہ نسب "ب" میں مادری سلسلہ کا۔ تاکہ قارئین ایک نظر میں سب احوال سے آگاہ ہو جائیں۔ تو جناب عبدالمطلبؓ نے بنو زہرہ میں خود بھی ایک شادی کی اور اپنے پیارے بیٹے عبداللہؓ کا جناب آمنہ سے نکاح کروا دیا۔

حضور پاکؐ کا نور: اس عاجز نے دوسرے باب میں حضور پاکؐ کے نور کا ذکر کر دیا تھا۔ اب حضور پاکؐ کا نور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ اور خاص کر معد بن عدنان سے لے کر جناب عبداللہ تک کا ذکر ہو چکا ہے کہ سب کی پیشانیوں میں آپؐ کا نور چمکتا رہا اور اس کے اثرات کیا تھے۔ اہل محبت نے اس سلسلہ میں بڑی محنتیں کیں۔ کہ ایک ایک صاحب کا ذکر کیا کہ جناب عدنان کو دیکھ کر بخت نصر جیسا جری، ان کے سامنے جھک گیا۔ جناب معد کو حضرت ارمیا پیغمبر اپنی مصاحبت میں رکھتے تھے۔ اور ایسا خوبصورت چہرہ تھا کہ اس کی تروتازگی کی وجہ سے آپ کا نام معد پڑا۔ جناب نزار کے نام کے لفظی معنی تو قلیل ہیں لیکن لوگ آپ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ آپ کبیر العرب کے نام سے مشہور تھے۔ جناب مضر کے دین حنیف پر ہونے کے سلسلہ میں ابن سعد کی روایت کے مطابق خود حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ وہ مسلمان تھے" جناب الیاس کو کہتے ہی سید العرب تھے کہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ سخی اور خوبصورت جوان تھے وغیرہ وغیرہ۔ کہ حضور پاکؐ کے سب اباواجداد کے جمال اور جلال کا ذکر پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ ان بزرگوں کی پشت در پشت حضور پاکؐ کا نور منتقل ہوتا رہا۔ تو رہبر اعظمؐ کے اثرات کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح ظاہر کرتا رہا۔ جیسے آجکل دنیا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی اونچی آواز میں آپؐ کے اللہ کا رسولؐ ہونے کی شہادت دے رہا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہی گزارش ہے کہ عاجزی کے ساتھ حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور یہ یاد رہے کہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ ہیں۔

کرم اے شاہ عرب و عجمؐ کہ کھڑے ہیں منتظر کرم   وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری (اقبال)

حضور پاکؐ کے آباواجداد: دوسرے باب میں گزارش کی تھی کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہیں۔ بلکہ آپ کے باپ تارح ہیں۔ اور وضاحت کی تھی کہ پیغمبروں کے والدین یا جن لوگوں میں حضور پاکؐ کا نور منتقل ہوتا رہا تو وہ کافر نہیں ہو سکتے۔

اس سلسلے میں حضور پاک ؐ کی ایک حدیث مبارکہ کا ذکر بھی کیا تھا۔ کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ آپ ؐ طہارت سے نکلے ہیں ۔ چنانچہ اس عاجز کی تحقیق اور عقیدہ کے لحاظ سے حضور پاک ؐ کے ماں و باپ اور سب آباواجداد دین حنیف کے پیروکار تھے ۔ ہمارے ہاں ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضور پاک ؐ کو اپنی والدہ جناب آمنہؓ کی قبر پر جانے کی اجازت تو مل گئی ۔ لیکن بخشش کی دعا مانگنے کی اجازت نہ ملی ۔ اس غلط روایت کی ہم ہر نماز میں نفی کرتے ہیں اور یہ دعا ہمیں ہمارے آقا نے سکھلائی اور انہوں نے خود یہ دعا مانگی اور یہ دعا "رب اجعلنی ۔۔۔" قرآن پاک کی سورۃ ابراہیم میں ہے ۔ ہمارے کچھ لوگ اس دنیا میں نہ صرف جنت کے وارث بنے رہتے ہیں بلکہ فتویٰ بھی دے دیتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے اور اس سلسلہ میں حضور پاک ؐ کے ماں و باپ اور باقی آباواجداد کو بھی شامل کر دیا ۔ خیر اس کی وجہ ہے کہ حضور پاک ؐ نے جب فرمایا یا قرآن میں یہ ذکر ہو گیا کہ تمہارے ماں و باپ غلط راستے پر تھے ۔ تو لوگوں نے حضور پاک ؐ کے ماں و باپ کو بھی ان میں شامل کر دیا ۔ اس سلسلہ میں یہ عاجز اصول اور اسلامی فلسفہ حیات کے تحت حضور پاک ؐ کی شان کو جو کچھ سمجھا ہے اس لحاظ سے حضور پاک ؐ کے ماں و باپ دین حنیف پر تھے اور جنت میں جائیں گے ۔ کہ حضور پاک ؐ نے فرمایا کہ جو چھوٹے بچے مرجاتے ہیں وہ اپنے ماں و باپ کے بغیر جنت میں نہ جائیں گے ۔ تو کیا حضور پاک ؐ کو اللہ تعالیٰ ایسا شرف نہ دے گا ؟ یہ عاجز احادیث مبارکہ کے ثقہ اور غیر ثقہ کے چکر میں نہیں پڑتا ۔ لیکن ابو لہب انگلی اٹھا کر حضور پاک ؐ کی ولادت پر ثوبیہ کو آزاد کر دے تو سوموار کے دن سزا سے بچتا رہے ۔ اور اس انگلی کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو ۔ اور جس ماں نے سرکار دوعالم ؐ کو جنم دیا ان کے بارے نعوذ باللہ ..... ہم اپنے اٹکل پچو عقل کو نہ استعمال کریں ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ بخاری شریف کی جو تجرید کی گئی ہے ۔ یا صحیح مسلم کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں ۔ ان کے ذریعہ سے ایسی احادیث کو ان کتابوں سے اب خارج کر دیا گیا ہے ۔ حضور پاک ؐ کے آباواجداد کے علاوہ کئی اور لوگ بھی دین حنیف کے پیروکار تھے ۔ حضرت عمرؓ کے چچیرے بھائی (مولانا شبلی اپنی سیرت کی کتاب میں غلطی سے ان کو حضرت عمرؓ کے چچا بنا گئے ہیں) جناب زیدؓ ، جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی جناب سعیدؓ کے والد تھے ۔ وہ نہ صرف دین حنیف کے پیروکار تھے بلکہ انہوں نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بڑی مخالفت کی ۔ ان کے علاوہ ورقہ بن نوفل ، عبیداللہ بن جحش اور عبدالعزیٰ کے پوتے عثمان نے بھی کبھی بتوں کی پوجا نہ کی ۔ قریش کو چھوڑ کر جناب ابو ذر غفاریؓ اور جناب سلمان فارسیؓ بھی حق کی تلاش میں تھے جن کا ذکر بالترتیب ساتویں اور چودھویں ابواب میں ہے ۔ ہمارے اگلے باب میں حضور پاک ؐ کی ولادت کا ذکر ہے اور جناب عبدالمطلبؓ اور جناب آمنہؓ کے تاثرات کا ذکر بھی وہیں ہے جو ثابت کرے گا کہ آپ کے آباواجداد دین حنیف پر تھے ۔ ہم اب ظہور قدسی کی طرف بڑھ رہے ہیں ۔

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں   چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں   (اقبالؒ)

خلاصہ: یہ باب از خود تاریخ عالم کا خلاصہ اور دوسرے باب کی صراط مستقیم پر اضافہ ہے ۔ عام تاریخوں میں جہالت کے زمانے کا ذکر کر کے حضور پاک ؐ کی زندگی کی کہانی پیش کی جاتی ہے ۔ اس عاجز نے پہلے باب میں فلسفہ حیات پیش کیا کہ ہم کیا ہیں ؟ کہاں سے آئے ؟ اور کہاں جا رہے ہیں ؟ ۔ دوسرے باب میں اپنے لئے نشان راہ اور رہبری کو تاریخی اور روحانی پہلو سے پیش کیا ۔ اور اس سے اگلے باب میں گمراہی کا ذکر کر دیا ہے کہ راہ سے بھٹک بھی ہو سکتی ہے ۔ اس باب میں تاریخ عالم کی جھلکیاں اور اجمالی

خاکہ نقشوں کی مدد سے اس طرح پیش کیا کہ سمجھ آجائے کہ کیا کچھ ہوا اور بعثت رسولؐ کے وقت یہ دنیا کس رنگ میں تھی۔ یہ اس لیئے بھی ضروری تھا کہ حضور پاکؐ نے امت واحدہ کا تصور دے کر دنیا کو ایک کرنے کا فلسفہ دیا۔ اور سب ممالک میں سفیر بھیجے۔ اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے غلاموں نے دنیا کے چپہ چپہ میں دین حق کا پیغام پہنچا دیا۔ اور یہ تھا ایک دنیا کا "ورلڈ آرڈر" نہ کہ "امریکن نیو ورلڈ آرڈر" جو بے معنی، بے مقصد اور مادی ضرورتوں یا حالات کو جوں کا توں رکھنے کی سعی ہے۔ جس میں امریکہ سپر پاور کے طور پر اس دنیا کا ٹھیکیدار بن رہا ہے۔ ایسے آرڈر یا نظام کسی فلسفے اور نظریہ کے ایک ہونے کے تحت اپنائے جا سکتے ہیں کہ ہم کیا ہیں؟ اور کس لئے اس دنیا میں وارد ہوئے ہیں۔ اور مقصود حیات کیا ہیں۔ یہ ورلڈ آرڈر آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے آقا دے چکے ہیں۔

سرزمین عرب اور ملحقہ علاقے جن کو اللہ تعالیٰ یہ شرف دے رہا تھا کہ صراط مستقیم پر تسلسل کے لئے کارواں کا ہراول بنیں ان کا ذکر حضرت اسمٰعیلؑ کے مکہ ومکرمہ میں آباد ہونے سے لے کر حضور پاکؐ کے زمانے تک تفصیل سے کر دیا۔ اور ہر قبیلہ کے پھیلاؤ، حسب نسب، جغرافیہ، اور تاریخ کو بھی سرسری طور پر واضح کر دیا۔ یہ عاجز ہر واقعہ اور ہر باب کے ایک دوسرے کے ساتھ تانے بانے ملاتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ اس "دہرائی" کو پسند نہ کریں گے۔ لیکن میرے سامنے قرآن پاک ہے کہ کئی واقعات کو کئی مرتبہ بیان کیا کسی جگہ اشارے کے طور پر کسی جگہ وضاحت کے ساتھ۔ یہی خوبی احادیث مبارکہ میں ہے۔ اس عاجز نے ایک مشکل عمل شروع کیا ہے کہ جن لوگوں نے آگے ایک ہاتھ میں تلوار لے کر اور دوسرے میں قرآن پاک کو لے کر دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا تھا کہ "ہم وہ لوگ ہیں جو موت سے بھی اتنی محبت کرتے ہیں جتنی تم لوگ زندگی سے کرتے ہو" اور یہ فضل ان پر اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے حبیب حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰؐ کی غلامی اختیار کر لی۔ ان کے پس منظر کا بیان بڑا ضروری تھا۔ تو تب جلال و جمال کی کچھ وضاحت ہو سکے گی۔ کہ کس طرح حضور پاکؐ کا جلال و جمال پشت در پشت حضرت آدمؑ سے لے کر جناب عبداللہؓ کی پیشانیوں میں چمکتا رہا۔ اور اس کے کیا اثرات تھے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں اقبالؒ

دوسرے ایڈیشن کی ایک ضروری وضاحت

کتاب میں حضور پاک ﷺ کے لئے جہاں حضور پاکؐ کے لئے سرکار دوعالمؐ کے الفاظ ہیں یہ بھی آپؐ کے محدود صفات میں سے ایک ہے۔ کہ ہمیں جو زمان کے لحاظ سے دو عالموں۔ عالم خلق اور عالم امر کی خبر ہے۔ ان دو عالموں کی آپؐ سرکار ہیں۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ آپ زمان و مکان دونوں کے لحاظ سے سرکار اللعالمین ہیں کہ زمان کے لحاظ سے بھی ان دو عالموں کے علاوہ عالم ارواح یا عالم خلق یا عالم امر وغیرہ کئی عالم ہیں۔ اور مکان کے لحاظ سے تو اس کائنات کے سینکڑوں عالم ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن پاک کے تین الفاظ "رب العالمین۔ رحمۃ للعالمین اور ذکر للعالمین کو سمجھ کر یہ تینوں الفاظ لبدی ہیں تینوں کے تناظر کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے تمام زمانوں اور مکانوں کے لئے رب ہے۔ کہ لفظ رب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پنہاں ہیں۔ اور اس کی ربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح کائنات کے تمام زمانوں اور مکانوں کے لئے حضور پاکؐ رحمت ہیں۔ یعنی ازل میں بھی رحمت تھے۔ عالم خلق میں بھی رحمت ہیں اور عالم امر میں رحمت ہوں گے۔ یعنی حاضر و ناظر ہونا تو چھوٹی سی بات ہے۔ آپؐ اس سے بھی برتر ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک بھی زمان و مکان کے لحاظ سے ذکر ہے اور لبدی ہے۔ معتزلہ نے جو شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن پاک مخلوق ہے اور عالم خلق کے لئے ہے" وہ غلط ہے۔ اس مضمون کو کتاب "قرآن پاک کے لئے نئے سائنسی معجزات" میں وسعت سے بیان کر دیا گیا ہے۔

پانچواں باب

حضور پاکؐ کی ولادت سے نبوت تک

وضاحت:۔ پہلے باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا، تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اپنا عارف پیدا کیا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جو رہبروں کا ذکر ہو چکا ہے وہ سب اپنے علاقوں میں یا جہاں تک پہنچ سکے، وہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے خالق ہونے کا پرچار کرتے رہے۔ اور اس طرح مخلوق کو صراط مستقیم پر لگاتے رہے۔ لیکن مکمل وحدانیت کا زمانہ آگیا تھا کہ کائنات کی اس چھوٹی سی دنیا میں مخلوق کو ایک کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ اور نبی آخر الزمانؐ کو امت واحدہ کا تصور دے کر مبعوث فرمایا۔ عرش معلیٰ یا عالم بالا کے احمدؐ یہاں پر احمدؐ اور محمدؐ اور کئی ایسی صفات لے کر آرہے تھے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے لئے مخصوص فرمائی تھیں۔ اور ان کا ذکر آگے آتا ہے اور یہی ہمارے آقاؐ کی شان ہے۔ اور اسی شان کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ ہمارے مفسرین اور مؤرخین نے پہلے پیغمبروں کی عام اور خاص صفات کے ذکر کے تحت پیغمبروں کی خاص صفات کو الگ بیان کر کے ہمارے آقاؐ کے ان تمام صفات سے موسوم ہونے کا ذکر بڑے پیارے انداز میں تفصیل سے کیا ہے۔ اور یہ عاجز یہ گزارش کرے گا کہ حضور پاکؐ کے ننانوے اسما یا ایک روایت کے مطابق اوپر تین سو اسماء بھی حضور پاکؐ کے شان کو بیان نہیں کر سکتے کہ یار غارؓ اس سلسلہ میں عاجزی کا اظہار کر گئے اور یہ عاجز تو صرف دعا ہی کر سکتا ہے:۔ اور اب کچھ تفصیل کتاب۔ قرآن پاک کے معجزات میں دیئے ہے۔

تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر مری دانش ہے افرنگی میرا ایمان ہے زناری (اقبالؒ)

حضور پاکؐ کی شان: ولادت کے سلسلہ میں اس برصغیر میں نثر میں ولادت کے واقعہ کو چند الفاظ میں بیان کرنے کی جو سعادت مولانا شبلیؒ کو ظہور قدسی کے عنوان کے تحت ہوئی وہ قابل رشک ہے۔ عالم اسلام میں میں ایسی سعادت جناب ابو البصیری کو بردہ شریف کے قصیدہ اور شیخ سعدیؒ کو "بلغ العلیٰ بکمالہ" کے چند الفاظ سے ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ عاجز اس قابل نہیں کہ وہ اس عظیم واقعہ کو جو وسط اپریل میں ۵۷۱ عیسوی یا سنتہ الفیل کے ربیع الاول میں ظہور پذیر ہوا اس کو کسی طرح اپنے الفاظ میں بیان کر سکے۔ کچھ صاحبان نے اس کو تاریخی واقعہ لکھا۔ کسی نے حضور پاکؐ کو تاریخ ساز شخصیت لکھا کہ تاریخ کا دھارا تبدیل کر دیا وغیرہ۔ یہ اپنے اپنے طرز بیانات ہیں۔ اس عاجز کے لحاظ سے حضور پاکؐ کے ادنیٰ غلام بھی تاریخ ساز شخصیتیں ہیں۔ اور انہوں نے نہ صرف تاریخ کا دھارا تبدیل کر دیا۔ بلکہ کارواں حق کو صراط مستقیم پر لگاتے رہے۔ اس لئے تاریخ سازی ہمارے آقاؐ کے لئے ایک بہت چھوٹی سی چیز ہے۔ آپؐ کے پاؤں کی خاک بھی بڑی سے بڑی تاریخ ہے۔ پیش لفظ میں واقدی کا ذکر ہوا تھا کہ اپنے زمانے کے دنیا کے سب سے بڑے حاکم ہارون رشید کو واقدی پوری رات وہ خاک والی جگہ دکھاتا رہا جہاں آپؐ کے قدموں کے نشان تھے۔ اور ساری رات ہارون کے آنسو نہ تھمے۔ آپؐ رحمتہ للعالمین ہیں۔ یعنی معلوم نہیں کتنے عالموں کے لئے رحمت ہیں۔ اور کئی ہزار شمسی نظاموں میں سے ایک شمسی نظام کے اس چھوٹے سے سیارہ جس کو ہم دنیا کہتے ہیں اس کی تاریخ عالم کی، اس لئے

ہمارے آقاؐ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ۔ یہ عاجز اس شاعر کا بھی غلام ہے جس نے صحیح کہا کہ "سو بار گلاب کے عرق کے ساتھ منہ صاف کرنے کے بعد بھی ڈر لگتا ہے کہ کیا ہم اس قابل ہیں کہ حضور پاکؐ کا اسم مبارک منہ سے نکال سکیں"۔ لیکن حسب وعدہ قارئین کے سامنے بامقصد مطالعہ پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے الفاظ کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا "تحقیق آیا ہے پیغمبر تمہارے پاس نفس تمہارے سے ۔ شاق ہے اس پر کہ مشقت میں پڑو تم ۔ حرص کرنے والا ہے اوپر تمہارے بھلائی کے اور ساتھ مسلمانوں کے شفقت کرنے والا مہربان ہے" یہ سراسر جمال والی بات ہے ۔ جلال کا ذکر آگے آئے گا ۔ ذرا گہرائی میں جائیں کہ اللہ تعالیٰ یہاں پر اپنی صفات سے رؤف اور رحیم کی صفات بھی اپنے حبیبؐ کو عطا کر گئے ۔ اور آپؐ کی یہ شفقت ان لوگوں کے لیے ہے جو مسلمان یا مطیع ہوئے ۔ حضور پاکؐ دوسروں کے لیے نذیر یعنی ڈرانے والے ہیں ۔ اور اپنوں کے لیے بشیر یعنی خوشخبری دینے والے ہیں ۔ قرآن پاک میں آپؐ کی صفات کا طرز بیان اور ان صفات کی گہرائی میں تھوڑی سے دیر غوطہ زنی کی جائے تو پھر کچھ کچھ سمجھ آتا ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ کو حضور پاکؐ کے صفات بیان کرتے وقت کیوں ڈر لگتا تھا کہ حق ادا نہ ہوگا ۔ ساتھ ہی اس زمانے کے پیر مہر علی شاہؒ جیسے بزرگ سامنے آجاتے ہیں کہ ثنا اور تعریف کرتے وقت کانپ رہے ہیں اور آنسو رواں دواں ہیں ۔ اس لئے اس عاجز کے عاجزی کے ذکر کو خیال میں رکھنا ۔ علامہ شبلیؒ نے ان تمام معجزات کی تشریح بڑے پیارے انداز میں کی ہے جو آپؐ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے ۔ انہوں نے ایوان کسریٰ کے کنگرے گرنے یا آتشکدہ کے بجھ جانے کے بارے حق کی نشاندہی کی ہے کہ باطل ختم ہو رہا تھا یہ عاجز ان لوگوں کے ساتھ متفق نہیں جو کہتے ہیں کہ علامہ نے شاید دبی زبان میں ان معجزات کے اصلی صورت میں ظہور پذیر ہونے پر شک کیا ۔ اور علامہ نے ان معجزوں کی بجائے یہ معنی لیے کہ حضور پاکؐ کی بعثت کے بعد واقعی کسریٰ کی سلطنت ختم ہو گئی اور آتش پرستی والا معاملہ بھی ختم ہو گیا وغیرہ ۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا پیروکار ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی گیا اور کہا کہ اس نے پڑھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے "کہ جہاں سے حضور پاکؐ گزرتے تھے وہاں درخت جھک جاتے تھے ۔ بھلا یہ کیسے ہو کہ نبی کے لیے تو درخت جھک جائیں اور عام لوگوں کے لیے نہ جھکیں ۔ علامہ اقبالؒ نے کہا "نادان تو بے الوجی کے چکر میں پڑا ہوا ہے کہ درخت جھک سکتے ہیں یا نہیں حضرت عمرؓ والی آنکھ پیدا کر تو تمہیں درخت اب بھی جھکتے نظر آئیں گے" ۔ چنانچہ اس عاجز کو کسریٰ کے محل کے کنگرے گرنے کا ذرا بھی شک نہیں ۔ ایک عام تاریخی واقعہ ہو یا کوئی بڑا آدمی مر جائے ۔ تو آندھی و گرد و غبار کے آثار ہوتے ہیں ۔ جب سرکار دو عالمؐ یا سارے عالموں کے لیے رحمت والے سرکار اس دنیا میں تشریف لائے تو کچھ بھی ہو سکتا تھا ۔ آپؐ کے سلسلہ میں معجزے ہونا معمولی بات ہے ۔ کہ اس عاجز کے لیے حضور پاکؐ کی ذات از خود ایک بہت عظیم معجزہ ہے ۔ اہل محبت نے آپؐ کی ولادت کے سلسلہ میں بڑی محنتیں کر کے بہت کچھ لکھا ہے ۔ اور اس سب کو یہ عاجز صحیح سمجھتا ہے ۔ اس عاجز کے لحاظ سے عالم وہ ہے جس کا عقیدہ اللہ تعالیٰ اور حضور پاکؐ کے سلسلہ میں صحیح ہو ۔ ویسے اس زمانے میں قدریں تبدیل ہو چکی ہیں ۔ باطل نظریات والے بھی "عالموں" کی نفری میں داخل ہو چکے ہیں کہ علم کا مقصد دنیاوی جاہ حاصل کرنا ہوتی ہے ۔ لیکن اس عاجز نے فلسفہ حیات کے باب میں یہ ذکر کیا تھا کہ مرنے کے بعد ہم سے تین

شجرہ نسب "الف"
خاندان قریش کی جھلک
حضور پاک اور چند عظیم صحابہ کا شجرہ نسب
جدِّ امجد قریش
فہر بن مالک
اسد
نوٹ: ۱. یہ شجرہ نسب مکمل نہیں اور صرف ضروری نام شامل کئے گئے ہیں۔
۲. کنیت کی جگہ نام کو زیادہ استعمال کیا ہے لیکن شاید کہیں کنیت لکھی گئی ہو۔
۳. نام کے ہجوں میں غلطی ہو سکتی ہے کہ انگریزی کی کتابوں سے لیے کر اردو میں کتابت کی غلطی تھی۔
۴. ہر ایک مقام پر ہر آدمی کے سب لڑکوں کے نام نہیں کہ جگہ نہیں۔
غالب
لوی
کعب
سمع (عمان چلے گئے)
عوف
بنو غطفان کے علاقہ میں چلے گئے
مرہ
حصی
عمرو
کلاب
یقظہ
جمح
سہم
مخزوم
خذافہ
سعد
قصی
زہرہ
عمر
وائل
عدی
عبد مناف
عبد مناف
حارث
وہب
العاص
قیس
عبداللہ
ہاشم
عبد شمس
وہب
وہب
عبد
مغیرہ
ہلال
اسد
خلف
خذافہ
عمرو
فاتح مصر
عبدالمطلب
اسد
آمنہ
حضور پاک کی والدہ
مالک
عبد عوف
ابو امیہ
ولید
عبداللہ
عبد مناف
مظعون
عبداللہ
خنیس
حضرت حفصہ کے پہلے خاوند
عبداللہ
عباس
سعد بن ابی وقاص
(عشرہ مبشرہ میں شامل)
فاتح ایران
عوف
ارقم
عبدالاسد
خالد
سیف اللہ
ام سلمہ
(ام المومنین)
مہاجر
عثمان
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عبدالرحمن
عشرہ مبشرہ میں شامل
ابو سلمہ
ابی
امیہ
صفوان
امیہ
عبدالعزیٰ
ابی العاص
حرب
ربیع
عفان
ابوسفیان
ابوالعاص
عثمان غنی
ام حبیبہ (ام المومنین)

فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
عبد قصی
عبدالعزیٰ
ابوالدار
عبد شمس
ہاشم
نوفل
المطلب
عبدالمطلب
اسد
عمرو
حارث
عبیدہ
شہید بدر
عبداللہ
عباس
حمزہ
ابی طالب
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
علی
فاطمہ
رقیہ
ام کلثوم
زینب
ابراہیم
عبداللہ
قاسم
اسد
خویلد
عوام
خدیجۃ الکبریٰ
ام المومنین
زبیر
عبد مناف
ہاشم
عمیر
مصعب
تیم
سعد
کعب
عمر
عمرو
عامر
عثمان
عثمان
عبیداللہ
ابوبکر صدیق
طلحہ
عائشہ
ام المومنین
عدی
زراح
قرط
عبداللہ
ریاح
عبدالعزیٰ
نفیل
خطاب
عمرو
عمر فاروق
زید
حفصہ
سعید
تیم
عامر
حصل
مالک
نصر
عبدالود
ابوقیس
عبد شمس
عبدالعزیٰ
عمرو
قیس
ابورہم
سہیل
زمعہ
سکران
ابوسبرہ
عبداللہ
ابوجندل
سودہ
ام المومنین
الحارث
ضبعہ
اہیب
ہلال
جراح
عبداللہ
ابوعبیدہ

سوال پوچھے جائیں گے اور تیسرا سوال حضور پاکؐ کی ذات کے بارے ہوگا اور وہی مشکل سوال ہے کہ حضور پاکؐ کے عرفان کی اس زندگی میں تیاری کی جائے تاکہ پہلے دو سوالوں کا جواب دے سکیں کہ دراصل یہ دونوں سوال ہم سے اس دنیا میں ہر وقت پوچھے جارہے ہیں۔ اور یہ امتحان شروع ہے اور یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ دراصل یہ تیسرا سوال بھی اس دنیا میں ہر وقت ہم سے پوچھا جارہا ہے۔ پہلے باب میں یہ گزارش ساتھ ہی کر دی تھی کہ حضور پاکؐ بشر ضرور ہیں کہ آپؐ جناب آمنہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ لیکن آپؐ کی شان عام انسانوں سے بشریٰ لحاظ سے بھی اتنی زیادہ بالا ہے کہ ہم اس چیز کو سمجھنے کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

ابن سعد کے مطابق روایت ہے کہ جناب آمنہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیٹ میں تھے تو انہوں نے ایسی گرانی کبھی محسوس نہ کی جس طرح عام حاملہ عورتیں محسوس کرتی ہیں۔ اور آپ نے ایسے سن رکھا تھا تو انہیں کچھ شک بھی گزرا کہ شاید وہ حاملہ نہ ہوں تو سوتے جاگتے میں ان کو آگاہ کیا گیا۔ "تو امت واحدہ کے سردار اور پیغمبر کی حاملہ ہے"۔ پھر سوتے جاگتے میں آپ کو حکم ہوا کہ یہ دعا پڑھ میں ہر ایک حاسد کی شر سے اس بچہ کیلئے اللہ واحد و صمد سے پناہ مانگتی ہوں"۔

جناب عبداللہ کی وفات حضور پاکؐ کے والد سیدنا عبداللہؓ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی کہ آپ کسی تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے تو بیمار ہو گئے اور اپنے والد جناب عبدالمطلبؓ کے ننھیال کے گھر ان کی تمارداری ہوتی رہی۔ لیکن صحت یاب نہ ہوئے اور وفات پائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا راز تھا کہ دو جہانوں کے سردارؐ نے دنیاوی شفقت پدری نہیں دیکھنا تھی۔ کہ حضور پاکؐ کے لیے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی اور طریقہ سے اجاگر کرنا تھا۔ زیادہ وضاحت نہیں کی جارہی کہ مشکل میدان ہے۔ شاید جو دل میں ہے اس کو ٹھیک طرح سے پیش نہ کر سکوں۔ بہرحال جناب آمنہؓ نے اپنے عظیم خاوند کی ذات پر چند شعر کہے جن میں آپ کی سخاوت، فیاضی کی تعریف اور آپ کے لاثانی ہونے کا جو سماں باندھا وہ پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔

ولادت حضور پاکؐ کی ولادت کے سلسلہ میں اہل محبت اور خاص کر زرقانی نے جس محنت سے اور رنگ میں واقعات کو پیش کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اس عاجز کو ان کے لفظ لفظ کے ساتھ اتفاق ہے۔ البتہ واقعات میں توازن پیدا کرنے کے لئے یہ عاجز ابن سعد سے حضرت آمنہؓ کی اس روایت کو اختصار سے بیان کر رہا ہے۔

"حضور پاک صاف، طاہر و مطہر پیدا ہوئے۔ اور اسی وقت ایک ایسا نور برآمد ہوا کہ جس سے دور دور تک یعنی ملک شام کے قصروں اور ایوانوں تک کئی مقامات روشن ہو گئے"۔ (دوسرے الفاظ میں حضرت آمنہؓ نے آپؐ کے جمال کی جھلک سے دور دراز مقامات بھی دیکھ لیے۔ یعنی زماں و مکاں پر حاوی ہو گئیں)۔ اور پھر آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلبؓ کو خبر دی۔ وہ آئے اور انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ پاک ختنہ شدہ اور ناف بریدہ ہیں۔ تو جناب عبدالمطلبؓ نے حضور پاکؐ کو اٹھایا اور خانہ کعبہ لے گئے اور وہاں پر کھڑے ہو کر ابن اسحاق کے مطابق یہ دعا کی۔"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ پاکیزہ لڑکا عطا فرمایا۔ ایسا لڑکا ہے کہ گہوارہ میں تمام لڑکوں پر سردار ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اور اس کے لیے خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس کو پختہ بنیاد رسیدہ

دیکھوں ۔ اور میں اس کی نسبت بغض رکھنے والوں کی شر سے پناہ مانگتا ہوں ۔ میں اس حاسد سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو مضطرب العنان ہو"

تبصرہ ۔ جہالت یا سازش   اب لطف کی بات یہ ہے کہ دو سو سال بعد طبری اپنی کتاب میں اسی دعا میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ "ھبل" کے الفاظ بڑھا دیتا ہے ۔ یہ خود طبری نے کیا یا اس سے ایسا ہوا کہ کسی نے طبری کے بعد اضافہ کر دیا ۔ یہ عاجز جس نکتہ کی طرف آنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ بعد زمانے میں، پہلے حضور پاکؐ کے آباؤ اجداد کو غیر مسلم قرار دے کر حضور پاکؐ کی شان گھٹانے کی کوشش کی گئی ۔ اور اب حضور پاکؐ کے غلاموں کے دلوں میں سے روح محمدؐ نکال کر سب مسلمانوں کو خراب کر رہے ہیں ۔ اور اس عاجز نے ان تمام سازشیوں اور جاہلوں کو ننگا کرنے کیلئے قلم ہاتھ میں لی ہے ۔

حضور پاکؐ کی پیدائش کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ ہر طرف سے اشارے مل رہے تھے کہ دنیا میں کسی عظیم ہستی کا ظہور ہونے والا ہے ۔ البتہ حضور پاکؐ کی مکمل شان کو سمجھنا نہ اس زمانے کے لوگوں کی بس کی بات تھی اور نہ اب ہے ۔ البتہ کچھ لوگ تعصب بھی رکھتے ہیں ۔ خاص کر اہل یورپ، کہ پچھلی صدی تک تو انہوں نے تعصب کے علاوہ بد نیتی کی بھی کوئی کثر نہ چھوڑی ۔ کسی نے نسب کے بارے شک کیا ۔ کسی نے لکھا آپؐ بڑے غریب خاندان میں پیدا ہوئے کسی نے لکھا بکریاں چراتے تھے اور بڑے معمولی آدمی تھے ۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ آپؐ کے چچا ابو طالبؓ، آپؐ کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے ۔ لیکن جب کسی لپنے کی تعریف کرنے لگتے ہیں تو اس افسانے پر پہنچ جاتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے سب کچھ شام کے ایک سفر کے دوران بحیرا راہب سے سیکھا ۔ ہمارے بزرگوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان انگل پچو والوں کی ہر بات کو دلائل دے کر بڑی خوبصورتی سے رد کیا ہے ۔ البتہ یہ عاجز ان لوگوں کے اعتراضات اور ان کو دلائل سے رد کرنے کی تفصیل میں جانے کی بجائے صرف حقیقت بیان کرے گا کہ قارئین اس قابل ہو جائیں کہ خود ایسے فضول خیالات کو وقعت نہ دیں ۔ اب بحیرا راہب کے ذکر کو لیں کہ یہ عاجز بحیرا راہب پر حضور پاکؐ کے جمال کے اثرات کا مختصر ذکر کرے گا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحمت کر دی کہ دین حنیف پر تھا تو دیدار عام سے لطف اندوز ہوا ۔ ورنہ اس بے چارے نے چند گھنٹوں میں دو جہانوں کے سردارؐ پر اپنا کیا اثر چھوڑنا تھا، تو اہل مغرب کے سارے خرافات اسی قسم کے ہیں ۔ البتہ اسی صدی میں اہل یورپ نے اسلام اور حضور پاکؐ کی شخصیت کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ اور ایسے لوگوں کو ہم مستشرقین (Orientalist) کہتے ہیں ۔ لیکن یاد رہے کہ ان لوگوں اور ابو جہل کے درمیان کوئی فرق نہیں ۔ اور ان میں سے چند کو چھوڑ کر اکثر نے تعصب بھی دکھایا ہے اور اکثر کے پیمانے بھی سخت بودی عقل کے تابع ہیں ۔ البتہ خوشی کی بات ہے کہ ان میں سے چند لوگ حقیقت کے نزدیک آرہے ہیں ۔ لیکن ان سب کے بارے ہمارا پیمانہ یہ ہونا چاہیے کہ جب تک ایسا محقق مولانا اسد نہیں بن جاتا ۔ اور لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہؐ نہیں پکار اٹھتا ہمیں اس کی تحقیق کی اچھی بات کو بھی کوئی وقعت نہیں دینا چاہیے کہ ہمارے پاس لپنے اچھے لوگوں کی بڑی اچھی باتیں موجود ہیں اور گو شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بہت بہتر طور پر سمجھتا ہے ۔ لیکن وحدانیت کا سبق ہم شیطان اور اسی کے چیلوں سے کبھی نہ حاصل کریں گے ۔

حضور پاک کی رضاعت حضور پاکؐ کو آپؐ کے چچا ابو لہب کی لونڈی ثوبیہؓ نے دودھ پلایا۔ کہ ابو لہب نے اس کو ہاتھ کے اشارہ سے کہا" کہ جا میرے بھتیجے کو دودھ پلایا کر" روایت ہے کہ اسی ثوبیہؓ نے حضور پاکؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور پھوپھی زاد بھائی ابو سلمہ مخزومیؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ جناب حمزہؓ کے بارے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے بھی حضور پاکؐ کی طرح اپنی رضاعت کا وقت بنو بکر کے ہاں گزارا اور ان کی پرورش کرنے والی خاتون نے بعد میں حضور پاک کو بھی ایک دن دودھ پلایا۔ بہر حال حضرت حمزہؓ اور جناب ابو سلمہؓ دونوں حضور پاکؐ کے رضائی بھائی ہیں۔ جناب علیؓ نے حضور پاکؐ کو گزارش کی کہ وہ جناب حمزہؓ کی بیٹی امامہؓ سے شادی کر لیں تو حضور پاکؐ نے رضاعت کے رشتہ سے امامہؓ کو اپنی بھتیجی کہا۔ اس طرح جب کسی نے کہا کہ حضور پاکؐ درہؓ بنت ابو سلمہؓ کے ساتھ شادی کر رہے ہیں تو حضور پاکؐ نے فرمایا۔ کہ اگر درہؓ کی والدہ ام سلمہؓ ان کے نکاح میں نہ بھی ہوتیں تو درہؓ کے ساتھ ان کا نکاح ناجائز تھا کہ وہ رضاعت کے لحاظ سے ان کی بھتیجی ہے۔ حضور پاکؐ نے رضاعت کو یہ پاکیزگی عطا فرمائی اور کہانی میں ہمارے فقہا کے لیے عملی پہلو موجود ہے کہ ماں بیٹی ایک خاوند کے ہاں نہیں رہ سکتیں۔ اور رضاعت کو وہی حق مل گیا جو بہن بھائی۔ یا دو بھائیوں یا دو بہنوں کے درمیان ہوتا ہے۔" سبحان اللہ"

پچھلے باب میں بھی اشارتاً ابو لہب کا ذکر تھا کہ اپنی لونڈی کو حضور پاکؐ کو دودھ پلانے کے لیے بھیجا تو اس سلسلہ میں روایت ہے کہ مرنے کے بعد ابو لہب کسی کو خواب میں ملا۔ پوچھا گیا کہ کیا حالت ہے؟ کہنے لگا ثوبیہؓ کی وجہ سے کچھ راحت ملی اور جس ہاتھ کے اشارہ سے اس کو دودھ پلانے کے لیے کہا اس ہاتھ کی انگلیوں کو کچھ آرام ہوتا ہے" یہاں اول تو جاری زندگی کا کچھ ثبوت ملتا ہے کہ برزخ میں بھی کچھ حساب کتاب ہوتا ہے اور یہ کچھ حضور پاکؐ نے معراج کے وقت بھی دیکھا دوسری بات حضور پاکؐ کی شان کی ہے۔ کہ ابو لہب کو ایک لمحہ کی۔ حضور پاکؐ سے وابستگی کا اجر مل رہا ہے اور آباؤ اجداد جن میں آپؐ کا نور منتقل ہوتا رہا۔ یا ماں جس کے بطن میں رہے وغیرہ۔ تو ان کو کتنی راحت اور اجر ملتا ہوگا۔ لیکن افسوس کہ غیروں کی سازش کے تحت ہم نے شیطان کی پیروی شروع کر دی کہ وہ حضور پاکؐ کی آباؤ اجداد کے سلسلہ میں بودی تاویلیں دے کر حضور پاکؐ کی شان کو گھٹانے کی سازش کو نہ سمجھے۔

تری سزا ہے نوائے سحر سے محرومی مقام شوق و سرور و نظر سے محرومی (اقبالؒ)

شجرہ نسب چنانچہ حضور پاکؐ کے ساتھ نسبی اور روحانی تعلقات کو بہتر طور پر سمجھنے اور ایک نظر میں بہت کچھ حاصل کرنے کے لیے شجرہ نسب کے تین خاکے وضاحت کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ شجرہ " الف " قریش خاندان کے اکابر کا شجرہ ہے جہاں زیادہ سے زیادہ عظیم صحابہؓ اور ان کے آباؤ اجداد کا اجمالی خاکہ ہے۔ شجرہ "ب" حضور پاکؐ کے مادری سلسلہ کی ایک جھلک ہے اور شجرہ "ج" حضور پاکؐ کے دادا جناب عبدالمطلبؓ کی اولاد کی تفصیل ہے۔ آگے چل کر شجرہ " د" ان دو خاندانوں کا شجرہ ہے جنہوں نے حضور پاکؐ کی زیادہ مخالفت کی۔ لیکن ان میں ایسے صاحبان بھی ہیں جن پہ حضور پاکؐ کے جمال کی جھلک بہت پہلے اثر کر گئی ان چارٹوں کے بنانے کے کئی مقاصد ہیں۔ اول جو غلطیاں غلط العام ہو کر اب صحیح سمجھی جا رہی ہیں ان کا ازالہ کرنا ہے۔ دوم یہ

ثابت کرنا ہے کہ روحانی رشتہ کو نسبی رشتہ پر ہر لحاظ سے برتری حاصل ہے۔ البتہ ایک نسب یا اچھے نسب کے لوگ جب روحانی رشتہ میں بندھ جائیں تو سونے پر سہاگہ ہے۔ ساتھ ہی اپنے آقا کے عظیم ترین نسب سے ہونے کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے کہ ہمارے مسلمان مورخین نے تاریخ کے ہر پہلو پر ایسا قابو پا لیا۔ جس کے مقابل موازنہ کی اس زمانہ میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آج کی "ترقی پسند" دنیا تیسری اور چوتھی پشت سے بے خبر ہے اور مادری سلسلہ کا تو کسی کو علم ہی نہیں ہوتا۔ بے شک اسلام کی شان نرالی ہے۔ اور اہل یورپ تعصب کرتے ہیں۔ تو ان کو تعصب کرنے دیا جائے۔

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور

بنو سعد و بکر کے ہاں مکہ مکرمہ کے نزدیک بڑے قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنو سعد و بکر آباد تھے۔ یہ لوگ دیہات اور کھلی فضاؤں میں رہتے تھے ان لوگوں کی عورتیں مکہ مکرمہ جا کر روساء مکہ مکرمہ کے بچوں کو لے آتی تھیں۔ ان کو اپنا دودھ پلاتی تھیں اور کھلی فضاؤں میں ان کی پرورش ہوتی تھی۔ اور بچوں کو جب واپس مکہ مکرمہ جا کر چھوڑتی تھیں تو ان بچوں کے ماں باپ سے بڑا انعام حاصل کرتی تھیں۔ شہر تہذیب کا گہوارہ ہیں۔ اور دیہات کے کھلی فضا کی پرورش وسعت نظری پیدا کرتی ہے جس کا راقم کو بھی کچھ عملی تجربہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے روساء کی پرورش کے اس سارے نظام کی بنیاد شاید اس لئے باندھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی ایسی پرورش چاہتا تھا۔

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن بنتی ہے بیاباں میں فاروقیؓ و سلمائیؓ (اقبال)

قبیلہ بنو سعد و بکر نے بھی حضور پاکؐ کے جمال کی جھلکیاں دیکھنا تھیں اور ان کو یہ سعادت حلیمہ سعدیہؓ کی وجہ سے نصیب ہوئی کہ حلیمہؓ آج بھی امت کی ماں ہے اور مسلمان گھرانے اپنی بچیوں کے نام حلیمہ رکھتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان ہے یہ اللہ کی عطا ہے جس کو چاہتا ہے عزت سے نواز دیتا ہے۔ لیکن یہ پہلو عجیب و غریب ہے کہ ہمارے مورخین نے جناب حلیمہؓ کے حضور پاکؐ کو حاصل کرنے کے سلسلہ میں کہانی کو اتراؤ اور چڑھاؤ دینے کے لیے افسانوی رنگ پیدا کر دیا ہے۔ دونوں ابن اسحاق اور ابن سعد لکھتے ہیں کہ قبیلہ سعد سے دس عورتیں مکہ مکرمہ سے دودھ پلانے کی غرض سے بچے لینے آئیں۔ تو اور کو تو بچے مل گئے۔ لیکن حضور۔ پاکؐ چونکہ یتیم تھے اس لئے ان کی طرف کوئی دائی مائل نہ ہوئی۔ اور حلیمہؓ بھی مجبور تھی کہ اس کو کوئی اور بچہ نہ ملا تو پھر وہ حضور پاکؐ کو لے جانے پر تیار ہو گئی۔ آگے حلیمہؓ کی مجبوریوں کی تصویر کھینچ کر بیان کو بہت نیچا کر کے کہتے ہیں کہ اس کو کیا معلوم کہ اس کی قسمت کھل گئی وغیرہ۔ اس عاجز کو یہ طرز بیان اپیل نہیں کرتا۔ اور راقم کا جائزہ ہے کہ دو جہانوں کے سردار اور ہمارے آقا مکہ مکرمہ کے سردار جناب عبدالمطلبؓ کے پوتے تھے جو چند سال پہلے اپنے بیٹے اور حضور پاکؐ کے والد ماجد کے بدلے سو اونٹ قربان کر چکے تھے اس لئے کوئی دائی بھی آپؐ کو بڑی خوشی سے تلاش کر کے لے جاتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ جناب حلیمہؓ کی قسمت اس لئے کھل گئی کہ اس کے دل میں عاجزی تھی۔ قحط تھا۔ وہ ایک کمزور گدھی اور اونٹنی لے کر اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لائیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق سفر کی وجہ سے ان کی چھاتیوں میں دودھ سوکھ گیا تھا اور ان کا لڑکا بھوک کی وجہ سے

شجرہ نسب "ب"

امہات جناب رسول پاکؐ ۔ یعنی حضور پاکؐ کے مادری سلسلہ کی ایک جھلک

کلاب ۔ آپکی ماں ہند بنت سریر، بنی کنانہ سے تھیں

فاطمہ ۔ زوجہ کلاب کا نام ام قصیٰ بھی تھا ۔ یا یہ کنیت ہوگی

زہرہ ۔ دونوں بھائیوں کی والدہ فاطمہ ہی تھی

عبد مناف آپ کی والدہ جمل بنت مالک خزاعہ سے تھیں

وہب

آپ کی والدہ کا نام قیلہ (ہند) بنت وجز (ابو قیلہ) تھا جو قبیلہ خزاعہ سے تھیں ۔ قیلہ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت لوی بن غالب بن فہر تھا ۔ سلمیٰ کی والدہ مادیہ بنت کعب قبیلہ خزاعہ سے تھیں

حضرت آمنہ

حضرت آمنہؓ کی والدہ برۃ بنت عبدالعزیٰ، قصیٰ کی اولاد سے تھیں ۔ برۃ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بھی قصیٰ کی اولاد سے تھیں ۔ ام حبیب کی والدہ برہ بنت عوف، کعب بنولیحان سے تھیں ۔

قصیٰ

فاطمہ بنت سعد قبیلہ ازد سے تھیں ۔ فاطمہ کی والدہ ظریفہ بنت قیس بنو جعشم سے تھیں ظریفہ کی والدہ صخرۃ بنت عامر قبیلہ انمار سے تھیں

عبد مناف

آپ کی والدہ حبیٰ بنت خلیل بن حبشنہ الخزاعی تھیں ۔ حبیٰ کی ماں فاطمہ بنت نصر بن عوف قبیلہ خزاعہ سے تھیں

ہاشم

آپ کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بنو ثعلبہ سے تھیں ۔ عاتکہ کی والدہ مادیہ (صفیہ) بنت حوزہ بنو ہوازن سے تھیں ۔ ان کی والدہ رقاش بنت الاتخم بنومزحج سے تھیں اور رقاش کی والدہ کبشہ بنت الرافقی بن مالک بن الجاس بن ربیعہ بن کعب بن حارث تھیں

عبدالمطلب

آپ کی والدہ سلمی بنت عمرو مدینہ شریف میں قبیلہ خزرج سے تھیں ۔ سلمی کی ماں عمیرہ بن صخر تھیں ۔ ان کی والدہ سلمی بنت عبدالشمل تھیں ۔ اور سلمی کی والدہ اشلیہ بنت زعور تھیں ۔ آپ سب بنو خزرج کے قبیلہ نجار سے تھیں

جناب عبداللہؓ

آپ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمراں بن مخزوم تھیں ۔ فاطمہ کی والدہ صخرہ بنت عبد بن عمراں بن مخزوم تھیں ۔ صخرہ کی والدہ تخمر بنت عبد بن قصیٰ تھیں

حضور پاکؐ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "میں فواطم و عواتک کی اولاد ہوں" یعنی جس طرف سے آپ کا مادری سلسلہ چلتا ہے وہ خواتین شرافت میں ضرب المثل تھیں اور ان کے جمال کی بھی یہی حالت تھی ۔ ہمارے مورخین نے پانچسو ایسی خواتین کے نام لکھے کی ہیں ۔ لیکن ہم اختصار کے تحت صرف ایک جھلک ہی دے رہے ہیں

ساری رات بلبلاتا رہا۔اب جناب حلیمہؓ سوچ رہیں تھیں کہ وہ کسی اور بچے کو کیا دودھ پلائیں گی۔اور پھر قحط کا زمانہ کیسے گزرے گی۔ان کی یہ عاجزی والی بات اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی اور موقع پیدا کر دیا" کہ اے حلیمہ تو میرے حبیبؐ کو لے جا اور اپنی آغوش کو ٹھنڈا کر یہی نہیں بلکہ امت واحدہ کی ماں بن جا"۔قارئین! اگر آپ حضور پاکؐ کی شان اور اپنے عاجز ہونے کے پہلو کو سمجھ گئے تو اس کتاب میں میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو گے ورنہ اللہ کی مرضی۔مخبر صادقؐ کی والدہ جناب آمنہؓ نے فرمایا" مہربان اور شریف دائی ان یعنی حضور پاکؐ کی طرف سے خبردار رہنا کیونکہ عنقریب ان کی ایک شان ہو گی مجھے تین دن متواتر شب کو کہا گیا ہے کہ اپنے بچے کو اول بنی سعد بن بکر میں پھر آل ابو ذویب میں دودھ پلانا" دائی حلیمہؓ کا تعلق تو ظاہر ہے قبیلہ سعد بن بکر سے تھا۔لیکن اب اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ حضور پاکؐ کے رضاعی باپ حارث کی کنیت ابو ذویب تھی۔اور جناب حلیمہؓ یہ باتیں سن کر باغ باغ ہو گئیں اور جب واپس چلیں تو چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں۔کمزور اور لاچار گدھی اور اونٹنی کی چال میں وہ مستی تھی کہ ان کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔اور جناب حلیمہؓ پکار اٹھیں۔"خدا کی قسم جتنے بچے میں نے دیکھے ان سب میں بہترین مولود و بزرگ ترین برکت والے کو میں نے لے لیا" اور سارے افسانوی رنگ یہاں اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔حضور پاکؐ کی دو رضاعی بہنیں تھیں جن کے نام انیسہ اور جد امہ تھا۔جد امہ کو شیما بھی کہتے تھے اور ان کا ذکر بیسویں باب میں جنگ حنین کے تحت بھی آئے گا۔بہر حال حضور پاکؐ نے ان علاقوں میں دو سال گزارے اور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ چار سال کے تھے۔

شق صدر جناب حلیمہ سعدیہؓ دو سال کے بعد حضور پاکؐ کو مکہ مکرمہ واپس لے آئیں اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں کچھ وبا پھیلی ہوئی تھی اور جناب حلیمہؓ بھی برکت کے لیے آپؐ کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں کہ آپؐ کے جمال کے جھلک نے جناب حلیمہؓ پر بھی اثر کر دیا تھا اس لئے جناب حلیمہؓ، آپؐ کو اپنے ساتھ واپس لے گئیں۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد "شق صدر" کا واقعہ پیش آیا۔جس سے جناب حلیمہؓ ڈر گئیں۔کہ آپؐ کے بچوں نے آپ کو خبر دی کہ کچھ لوگوں نے ان کے قریشی بھائی کو لٹا دیا ہے اور سب کچھ دیکھ کر جناب حلیمہؓ کے بچے بہت ڈرے ہوئے تھے۔مورخین نے اس واقعہ کو اپنے اپنے الفاظ میں لکھا ہے۔یہ عاجز اس واقعہ کو حضور پاکؐ کے اپنے الفاظ میں جو ابن اسحاق میں ہیں ان کو دہرا رہا ہے۔

" دو سفید پوش برف سے بھری ایک سونے کی طشتری کے ساتھ آئے انہوں نے میرے شکم کو پھاڑ دیا۔پھر میرے دل کو باہر نکالا اور اس کو چیر دیا۔تب اس کے بیچ سے ایک سیاہ مادہ نکال کر باہر پھینک دیا پھر انہوں نے میرے شکم کو اور اس کے اندر سے تمام حصوں کو برف سے دھویا۔اور سارا شکم صاف کر دیا پھر ان میں سے ایک کہنے لگا ان کا وزن دس آدمیوں کے ساتھ کرو۔انہوں نے ایسا کیا تو میں بھاری نکلا۔تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ بات ختم کی جائے۔اگر ان کی ساری امت کے ساتھ تولا جائے تو یہ بھاری نکلیں گے۔

تبصرہ یہ ایک طرز بیان ہے۔آپؐ نے حضرت حلیمہؓ یا باقی ہمدردوں کو ان الفاظ میں یہ کہانی سنائی۔اب سوچیں کہ اتنا بڑا اپریشن ایک منٹ یا لحظہ میں کیا گیا۔اور اس زمانے میں تو ویسے بھی پیٹ چیرنے کے کاموں میں تیزی آگئی ہے لیکن اس زمانے میں

یہ بہت ہی عجیب و غریب بات تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اپریشن کی کوئی ضرورت تھی کہ بشر کا کوئی حصہ معصومیت کے بعد جب بڑھتا ہے تو اس میں انسانی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور حضور پاکؐ کو معصوم رکھنا تھا ۔ علاوہ ازیں اس میں آپؐ کے جلال کا پہلو بھی ہے ۔ کہ پوری امت پر بھاری ہوئے ۔ یہ بھی طرز بیان ہے جیسا کہ روایت ہے کہ آپؐ کی طاقت چالیس مردوں کے برابر تھی وغیرہ ۔ تو اصل بات یہ ہے کہ آپؐ اس مقام پر ہیں کہ مافوق البشر ہیں جس کو انسان نہیں سمجھ پاتا ۔ اس عاجز کے لحاظ سے آپؐ بے پناہ اور ان گنی طاقت کے مالک ہیں ۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور پاکؐ طاہر المطہر پیدا ہوئے تو ایسے اپریشن کی ضرورت نہ تھی ۔ اس عاجز کے ایسے لوگوں کی نیت پر ذرا شک نہیں یہ لوگ بھی حضور پاکؐ کو مافوق البشر سمجھتے ہیں بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا اور اس کی ضرورت تھی ۔

بہرحال اس واقعہ کے بعد کچھ اور واقعات بھی ہوئے کہ جناب حلیمہؓ گھبرا گئیں کہ ابے سینیا کے کچھ لوگوں کی آپؐ پر نظر پڑی اور ان کو آپؐ کا جمال کچھ نظر آیا تو ان کو خیال ہوا کہ ایسا خوبصورت بچہ اٹھا کر لے جائیں اور اپنے بادشاہ کو جا کر پیش کریں ۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کو بھی کچھ کاہنوں اور کچھ اپنوں سے بھنک پڑی تھی کہ نبی آخر الزمانؐ کے ظہور کا وقت آگیا تھا ۔ اور ایسا بچہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں پیدا ہو چکا ہے تو ان کا حسد عود کر آیا کہ آپؐ کو کچھ نقصان پہنچائیں ۔ تو جناب حلیمہؓ حضور پاکؐ کو مکہ مکرمہ لے آئیں ۔ جب جناب حلیمہؓ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں تو وہاں تھوڑی دیر سستانے لگیں تو حضور پاکؐ آپ سے علیحدہ ہو گئے ۔ جب تلاش بے سود ثابت ہوئی تو جناب حلیمہؓ روتی دھوتی اور دوڑتی جناب عبد المطلبؓ کے پاس پہنچ گئیں ۔ جناب عبد المطلبؓ نے یہ ماجرا سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور دیوانہ وار پکار رہے تھے اور "میرا محمدؐ میرا محمدؐ پکارتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچ گئے اور عرض کی "اے اللہ میرے شہسوار محمدؐ مجھ کو دے دے ۔ تو ہی نے تو ان کا نام محمدؐ رکھا ہے "۔

روایت ہے کہ اس تلاش کے دوران جناب حلیمہؓ جو ہر جگہ اعلان کرتی پھرتی تھیں اور پوچھتی پھرتی تھیں کہ میرا محمدؐ گم گیا ان کو تو کوئی اللہ کا بندہ (رجال الغیب) مل گیا تو اس نے کہا "اے حلیمہؓ محمدؐ اس کائنات میں گم نہیں ہو سکتے ۔ ہاں یہ کائنات محمدؐ میں گم ہو سکتی ہے "افسوس ان دانشوروں پر جو جناب عبد المطلبؓ کو دین حنیف کا پیروکار نہیں مانتے ۔ ان کو محمدؐ پکارنے کی ادا ہی آپ کی بخشش کے لیے کافی ہے کہ ساتھ دائی حلیمہؓ کے سامنے حضور پاکؐ کی شان کا بھی بیان ہے کہ کائنات ان کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی ۔ بہرحال حضور پاکؐ جلدی مل گئے اور جناب عبد المطلبؓ اور دائی حلیمہؓ آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کے پاس لے آئے جہاں جناب حلیمہؓ نے جناب آمنہؓ کو حضور پاکؐ کے سلسلہ میں کچھ غیر مرئی باتوں اور معجزات سے آگاہ کیا کہ وہ ڈر گئی تھیں اور امانت واپس کرتی ہیں ۔

پاس رضاعت روایت ہے کہ مکی زندگی میں جناب حلیمہؓ نے کم از کم دو دفعہ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا ۔ ایک نبوت سے پہلے اور ایک نبوت کے بعد ۔ جب پہلی دفعہ آئیں تو وہ قحط کا زمانہ تھا اور حضور پاکؐ نے جناب حلیمہؓ کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں تحفہ کے طور پر دیں ۔ دوسری دفعہ آئیں تو حضور پاکؐ کے علاوہ جناب صدیق اکبرؓ اور

جناب عمر فاروقؓ نے بھی آپ کو تحفے دیئے۔ حضور پاکؐ آپ کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے تھے اور فرماتے تھے "میری ماں ۔ میری ماں آگئی" بہن شیماؓ کا ذکر بیسویں باب میں ہے۔

حضرت آمنہؓ کی وفات حضور پاکؐ تین سال سے کچھ اوپر بنو سعد و بکر کے ہاں ٹھہرے ۔ اور پھر تقریباً تین سال حضرت آمنہؓ نے آپؐ کی پرورش کی ۔ آپؐ کی عمر چھ سال کی تھی کہ حضرت آمنہؓ آپؐ کو لے کر یثرب گئیں جہاں اپنے عظیم خاوند جناب عبداللہ کی قبر کی زیارت مقصود تھی ۔ اور بیٹے کا انتظار تھا کہ بیٹا کچھ بڑا ہو جائے تو تب چلیں ۔ دو اونٹ سواری کے لیے تھے اور ام ایمنؓ باندی ہمراہ تھیں ۔ وہاں پر جناب عبدالمطلبؓ کے ننھیال قبیلہ خزرج کے نابغہ کے ہاں قیام فرمایا ۔ اور حضور پاکؐ نے ہجرت کے بعد جب یثرب کو مدینۃ النبی بنا دیا تو اکثر اس گھر کی نشاندہی فرماتے تھے کہ آپؐ وہاں ٹھہرے بلکہ ایک لڑکی انیسہ کا بھی ذکر فرماتے تھے کہ وہاں پر وہ ان کے ساتھ کھیلتی تھیں ۔ اور وہاں ہی ایک حوض میں حضور پاکؐ نے تیراکی سیکھی ۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر جحفہ کے نزدیک ابوا کے مقام پر جناب آمنہؓ کا انتقال ہو گیا اور آپ وہیں دفن ہیں ۔ مورخین نے بیماری کی تفصیل نہیں بتائی ۔ بس اتنا لکھتے ہیں کہ ام ایمنؓ، حضور پاکؐ کو مکہ مکرمہ لے گئیں اور حضور پاکؐ کی سرپرستی جناب عبدالمطلبؓ نے سنبھال لی ۔ مورخین البتہ حضور پاکؐ کے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر جانے کا ذکر کرتے ہیں ۔ ایک روایت میں فتح مکہ سے واپس مدینہ منورہ جاتے ہوئے اور دوسری روایت میں حجۃ الوداع کے بعد ۔ لیکن آگے بیانات عجیب و غریب ہیں ایک روایت میں ہے کہ قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی ۔ بخشش کی دعا مانگنے کی اجازت نہ ملی ۔ یہ حیران کن بات ہے حضور پاکؐ ہر روز اپنے ماں و باپ کی بخشش کی دعا مانگتے تھے اور ہمیں بھی یہ سکھلا گئے ۔ جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے تو یہ روایت تو غلط ہو جاتی ہے لیکن ایسے ہی ایک راوی نے لکھا ہے کہ حضور پاکؐ کو بخشش کی دعا مانگنے سے روک دیا گیا تو اس پر حضور پاکؐ رو پڑے تو تمام صحابہ کرامؓ جو ساتھ تھے رو پڑے ۔ خدا جانے حضور پاکؐ کے رونے کا کیا سبب تھا کچھ صاحب نظر کہتے ہیں کہ بشریت کے کچھ پردے ہٹنے شروع ہوئے تو رونا ضرور آیا ۔ لیکن پھر پردے رک گئے ۔ باقی رہی بخشش والی بات تو آپ نے کون و مکان کی دولت کو اپنے پیٹ میں رکھا ۔ ایسی ماں نہ دنیا پر پہلے تھی نہ بعد ہو گی ۔ لیکن ایسی فضول بحثوں سے تنگ آکر زرقانی میں جناب عائشہؓ سے روایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ کے ماں باپ کو تھوڑی دیر کے لیے زندہ کیا ۔ وہ حضور پاکؐ پر ایمان لائے ۔ اور بخشش ہو گئی اور آگے مردوں کے زندہ ہونے کے معجزات کا ذکر کرتا ہے ۔ وغیرہ واللہ اعلم بالصواب اس سلسلہ میں آخری گزارش یہ ہے کہ فی الحال دوزخ اور جنت کو بھول جائیں کہ اس میں کون کون جائے گا ۔ اپنی عاقبت سیدھی کرنے کے لیے حضور پاکؐ کے آباؤ اجداد کا بہت زیادہ ادب کریں ۔ اور بودے تبصروں سے گریز کریں ۔

ام ایمنؓ ام ایمنؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جناب آمنہؓ کی وفات کے بعد آپ ہی نے حضور پاکؐ کی ایک ماں کی طرح خبر گیری کی سو چنانچہ حضور پاکؐ نے جب جناب خدیجہؓ سے شادی کی تو ام ایمنؓ کو آزاد کر دیا اور آپ کا عبید بن زید سے نکاح ہو گیا ۔ جن سے ایمنؓ پیدا ہوئے جو صحابی تھے اور انہی کی وجہ سے آپ ایسے ام ایمنؓ بنیں کہ اصلی نام کسی کو یاد ہی نہ رہا ۔ کچھ عرصہ بعد عبید

فوت ہو گئے ۔ اس وقت اسلام کا چراغ طلوع ہو چکا تھا تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "اگر کسی کو جنتی عورت کے ساتھ شادی کرنے میں لطف آتا ہو تو وہ ام ایمنؓ کے ساتھ شادی کرے ۔ یہ سعادت حضور پاک کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارث کو نصیب ہوئی ۔ اور جناب اسامہؓ جن کو حضور پاکؐ کے لاڈلے کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے انہی کے بطن سے پیدا ہوئے ۔ ام ایمنؓ جنگ احد و خیبر میں بھی شریک ہوئیں اور حضور پاکؐ کی وفات تک زندہ رہیں آپ کو برکتہ بھی کہتے ہیں ۔ سبحان اللہ ! ہمارے آقاؐ کے جمال کی جھلک نے ایک باندی کو ہماری اماں اور سر کا تاج بنا دیا

جناب عبدالمطلبؒ کی سرپرستی تو اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلبؒ پر یہ رحمت کی کہ دو جہانوں کے سردارؐ کی پرورش ان کے حصہ میں آ گئی ۔ جب آپ کھانا کھانے بیٹھتے تو کہتے "میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ" اور جب تک حضور پاکؐ نہ آجاتے ۔ کھانا نہ کھاتے اور حضور پاکؐ کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے ۔ علاوہ ازیں جناب عبدالمطلبؒ جب استراحت فرماتے یا سوتے تو ان کے کسی بیٹا یا بیٹی کو اجازت نہ تھی کہ ان کے پاس یا ان کے کمرے میں جا سکے ۔ لیکن حضور پاکؐ کسی وقت بھی جا سکتے تھے اور اپنے دادا کے بستر یا نشست پر بیٹھ جاتے تھے ۔ جب حضور پاکؐ کے کسی چچا نے ان کو وہاں سے اٹھانے کی ایک آدھ بار کوشش کی تو عبدالمطلبؒ کہتے ۔ "میرے بیٹے کو رہنے دو، وہ ملک و سلطنت سے مانوس معلوم ہوتے ہیں"

مکہ مکرمہ میں قحط انہی دنوں میں مکہ مکرمہ کے علاقے میں سخت قحط پڑا تو جناب عبدالمطلبؒ کی بھتیجی رقیہ بنت ابی صیفی، جو ویسے جناب عبدالمطلبؒ کی ہم عمر تھیں اور جن کو عرب "لدہ" کہتے تھے ۔ ان کو ایک خواب آیا" کہ یہ پیغمبر جو مبعوث ہونے والا ہے تم ہی لوگوں سے ہو گا ۔ ان کے ظہور کا یہی زمانہ ہے اور ان کے طفیل اہل مکہ اور خاص کر قریش کو فراخی و کشائش نصیب ہو گی اب ایسا شخص تلاش کرو جو نہایت شریف بلند و بالا سفید رنگ یعنی گورا چٹا گٹھا ہوا بھرے رخساروں والا، پتلی ناک والا، بھویں ملی ہوں اور پلکیں دراز ہوں ۔ وہ نکلے اور اس کی اولاد بھی ساتھ ہو ۔ ہر گھر سے ایک پاک اور طہارت والا آدمی نکلے ۔ پھر اس کی سرکردگی میں حرم کو بوسہ دیں اور کوہ قبیس پر چڑھ کر بارش کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا مانگیں ۔

باران رحمت یہ خواب سن کر سب لوگ جناب عبدالمطلبؒ کے پاس جمع ہو گئے کہ یہ صفات صرف ان میں تھیں ۔ جناب عبدالمطلبؒ رسول پاکؐ کو جو بچے تھے، لے کر نکلے اور خواب کے مطابق طریق کار اپنا کر دعا کی ۔ لوگ ابھی گھر واپس بھی نہ پہنچے تھے ۔ کہ اتنی بارش ہوئی کہ وادیاں بھر گئیں ۔ یہ تھے اثرات ہمارے آقاؐ کے جمال کے ۔ جناب عبدالمطلبؒ کی وفات سے چند دن پہلے قبیلہ مذجح کے کچھ لوگوں نے ان کو بتایا "اے عبدالمطلبؒ اس لڑکے کی حفاظت کر کیونکہ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیمؑ پر حضرت ابراہیمؑ کے جو قدم کے نشانات ہیں اس کے ساتھ اس لڑکے کے قدم مشابہ ہیں" ۔ جناب ابو طالبؒ بھی پاس بیٹھے تھے، تو جناب عبدالمطلبؒ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا" سن یہ لوگ کیا کہتے ہیں" اس طرح جناب عبدالمطلبؒ نے اپنے عظیم بیٹے کو اشارہ سے بتا دیا کہ حفاظت کا یہ کام انہوں نے کرنا ہو گا ۔ اسی ایک بات میں جناب ابو طالبؒ اور حضور پاکؐ کے عظیم دادا کی شان پنہاں ہے ۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ حضرت علیؓ کی مخالفت میں ان کے عظیم والد کی شان کو گھٹانے کے لیے یہ مشہور کر دیا گیا کہ

وہ اسلام نہ لائے تھے ۔ پھر ایسی کہانیاں گھڑلیں کہ سب پرانے لوگوں کو دوزخ میں ڈال دیا۔ اور اس میں دو جہانوں کے سردار کے آباؤ اجداد کو بھی شامل کر دیا۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں کافی کچھ کہہ چکا ہے ۔ اور جناب ابو طالبؓ کے اسلام کا معاملہ ساتویں باب میں آپ کی وفات کے وقت بیان کیا جائے گا جناب عبد المطلبؓ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے معاملات کو اور زیادہ کھول دیا اور ام ایمنؓ تک کو وصیت کی ۔" اے برکہ میرے بیٹے سے غافل نہ رہنا کہ یہود و نصاری بھی گمان کرتے ہیں کہ میرا یہی بیٹا پیغمبر آخر الزمان ہے "۔

جناب ابو طالبؓ کی سرپرستی جناب عبد المطلبؓ نے اپنی وفات سے پہلے صرف دو وصیتیں کیں اول اپنی تمام لڑکیوں کو بلایا۔ اور ان کو بتایا کہ میرا وقت قریب آگیا ہے کیا وہ بتا سکتی ہیں کہ وہ ان کے مرنے کے بعد کیا مرثیہ کہیں گی ۔ وہ سب شاعرہ تھیں ۔ انہوں نے اپنے اپنے مرثیے بیان کئے ۔ دراصل جناب عبد المطلبؓ اپنے خاندان اور عزیزوں کو اپنی موت کا صدمہ برداشت کرنے اور آنے والی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار کر رہے تھے ۔ وہ وسط النسب تھے (شجرہ الف سے استفادہ کریں) اور ان کو معلوم تھا کہ ان کے خاندان پر بھاری ذمہ داری آنے والی ہے ۔ نبی کے شرف سے حسد بھی پیدا ہو گا ۔ اور دراصل آگے قارئین دیکھیں گے کہ ابو جہل وغیرہ اسی حسد کیوجہ سے سب کچھ کرتے تھے اور مار بھی کھا گئے ۔ چنانچہ خاندان کی اس بھاری ذمہ داری کا بوجھ وہ اپنے عظیم بیٹے سیدنا ابو طالبؓ پر ڈال رہے تھے ۔ اور پھر سیدھی طرح دوسری وصیت بھی کر دی " میرے بیٹے یعنی رسول پاکؐ کی حفاظت و احتیاط ابی طالبؓ کے ذمہ ہے ۔" یہاں جناب ابو طالبؓ کی زوجہ محترمہ فاطمہؓ بنت اسد کا ذکر ضروری ہے کہ انہوں نے سب کچھ کیا ۔

تبصرہ قارئین دونوں وصیتوں میں اصل مقصد ایک ہی تھا کہ حضور پاکؐ کی حفاظت ۔ لیکن ذرا ٹھہریے ۔ اللہ کی حبیب کی حفاظت تو خود اللہ کرتا ہے ۔ تو کیا یہ تضاد بیانی نہیں ۔ نہیں نہیں یہ تضاد بیانی نہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا تھی اور اللہ کا شرف تھا ۔ جو اللہ تعالیٰ نے جناب عبد المطلبؓ اور جناب ابو طالبؓ کو عطا کر دیا ۔ اس عاجز نے اس کتاب کو شروع ہی اس بات سے کیا کہ " اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر کہ تو نے ہمیں اپنے حبیبؐ کی امت میں پیدا کیا اور قارئین حضور پاکؐ کے فرمان میں مواقع تقدیر کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔

ام ایمنؓ روایت کرتی ہیں کہ جب جناب عبد المطلبؓ کا جنازہ اٹھا تو حضور پاکؐ بھی تابوت کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور رو رہے تھے ۔" اے اہل محبت یہ عاجز آپ سے سوال کرتا ہے کہ حضور پاکؐ اس جہان میں اپنے عظیم دادا کی جدائی پر آنسو بہا رہے تھے تو کیا روز قیامت آپؐ اپنے دادا کو جنت سے باہر دیکھنا پسند کریں گے ؟ اپنے دل کو ٹٹولیں اور اس نکتہ کو سمجھیں "۔

جناب ابو طالبؓ کا شرف اللہ تعالیٰ کے رنگ بھی عجیب و غریب ہیں کہ جناب عبد المطلبؓ تو مکہ کے سردار تھے ۔ لیکن جناب ابو طالبؓ کے اپنے والد کی جائداد میں دسویں حصہ سے بھی کم ملا ۔ وہ خود بھی کوئی زیادہ امیر نہ تھے ۔ لیکن حضور پاکؐ جب ان کے گھر آئے تو ساتھ برکت اور رحمت بھی آگئی ۔ جب کھانا شروع ہوتا تو جناب ابو طالبؓ اپنی اولاد کو روک دیتے اور فرماتے " ٹھہرو میرے بیٹے کو آنے دو ، ان کی وجہ سے گھر میں برکت آگئی ہے ۔ ورنہ تم لوگ تو کھانے سے سیر ہی نہ ہوتے تھے " جناب ابو طالبؓ

نے حضور پاکؐ کے ساتھ اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کی۔ جب سوتے تو حضورؐ پاک بھی ان کے پہلو میں سوتے تھے جب باہر نکلتے تو حضورؐ پاک بھی ساتھ ہوتے۔ " اے اہل محبت ایک سوال کا جواب دیتے جانا۔ سنتے ہیں کہ حوض کوثر پر سب کچھ بانٹنے والے ہمارے آقا ہی ہوں گے۔ تو کیا جناب ابو طالبؓ پیاسے رہیں گے ؟ اگر یہ استعارہ ہے تو آپ بھی استعارہ کے طور پر جواب دیں۔ "

حضور پاک کا بچپن جن لوگوں نے بچپن بیابانوں یا گاؤں میں گزارا ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ کافی دیر رات گئے تک بچے کھیلتے رہتے ہیں۔ اور تھک کر چارپائی پر بے خبر ہو کر لیٹ جاتے ہیں۔ صبح اٹھتے ہیں تو بال بکھرے ہوتے ہیں اور آنکھوں میں چیڑ ہوتی ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں بھی سب بچوں کی یہی حالت ہوتی تھی۔ اور حضور پاکؐ کھیل میں ان بچوں کے ساتھ ہوتے تھے۔ لیکن آپؐ جب اٹھتے تھے تو سراسر جمال ہی جمال ہوتا تھا۔ بالوں میں تیل لگا ہوا ہوتا تھا اور وہ سنورے ہوئے ہوتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ ہوتا تھا۔ دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے تھے۔ یہ ہیں جمال کی جھلکیاں۔

شام کا پہلا سفر حضور پاکؐ کچھ بڑے ہوئے یعنی تقریباً دس بارہ سال کے تھے کہ جناب ابو طالبؓ نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر اختیار کیا۔ طبری کے مطابق جب سواریاں کس دی گئیں تو رسول اللہؐ بے حال ہو گئے کیونکہ آپؐ ساتھ نہ جا رہے تھے۔ سیدنا ابو طالبؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی رو پڑے اور قسم کھائی کہ حضور پاکؐ بھی ان کے ساتھ جائیں گے کہ نہ آپؐ ہمارے بغیر رہ سکتے ہیں۔ اور نہ ہم آپؐ کے بغیر۔ بہر حال جب یہ قافلہ وادی یرموک میں بصریٰ کے مقام کے نزدیک پہنچا تو بحیرا راہب اپنی عبادت گاہ سے باہر نکل آیا اور ایک آدمی بھیج کر اہل قافلہ کو شام کے کھانے پر اپنے ہاں مدعو کیا۔ یہ کہانی مورخین اور راویوں نے بڑے پیارے انداز میں بیان کی ہے۔ بلکہ آجکل کے یورپین مورخ بھی اس پر فخر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی ان کے ایک عیسائی راہب نے "رہنمائی" کی۔ تو یہ عاجز اس کہانی کو اپنے الفاظ میں بیان کرے گا۔

بحیرا راہبؒ بحیرا راہب صحیح عیسائی مذہب کا پیروکار تھا جس کو ہم اس وقت کا دین حنیف کہیں گے۔ وہ موجودہ عیسائیوں کی طرح تین خداؤں والی بات کو نہ مانتا تھا اور نہ ان افسانوں کو جانتا تھا جو آج عیسائیوں نے مذہب کے گرد لپیٹ دیئے ہیں۔ بحیرا کو سرکار دو عالمؐ کی خوشبو آ گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک قافلہ آ رہا ہے اور ایک بادل ان پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب اس درخت کے نیچے پہنچے جہاں قیام کرنا تھا تو درخت کی شاخیں جھک گئیں تو بحیرا پکار اٹھا۔ بخدا ایسا کسی نبی کے لیے ہو سکتا ہے اسی باب کے شروع میں حضور پاکؐ کی شان کے بیان میں اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے بیان پر ایک " دانشور " نے جو تبصرہ کیا اور علامہ اقبالؒ نے جو اس کا جواب دیا۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔ بحیرا جو کچھ دیکھ سکتا تھا وہ بھلا دوسروں کو کہاں نظر آتا ہے۔ دل بنیا اور چشم بنیا کا ذکر اور وضاحت پیش لفظ میں ہو چکی ہے۔ یہ دنیا اس طرح نہیں ہے جس طرح ہمیں نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عجب راز ہیں کچھ لوگوں کے سینے کو وہ کھول دیتا ہے۔ اور ضروری نہیں کہ صرف مسلمان یا دین حنیف والوں کو یہ عطا ہو۔ یہ سائنس بھی ہے۔ تبت کے طبی لاما کی تیسری آنکھ کی کہانی اس سلسلے میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اب اہل یورپ اور اہل امریکہ اس سلسلہ میں مزید تحقیقات کر رہے ہیں۔ لیکن دین حنیف والوں کی روحانیت کے سامنے باقی سب ہیچ ہیں۔

بہرحال شام کو اہل قافلہ جب کھانے کے لیے بحیرا کے پاس پہنچے تو بحیرا کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو سکیں ۔ حیران ہو کر پوچھا "کیا کوئی پیچھے تو نہیں رہ گیا" اہل قافلہ نے کہا ہاں ایک بچہ رہ گیا ہے ۔ بحیرا کہنے لگا "اس کو بھی ضرور لاؤ" اور یہ ہمارے آقا حضور پاک محمد مصطفیٰ تھے ۔ بحیرا کے دل کی آنکھیں جب حضور پاکؐ کے حسن و جمال پر مرکوز ہوئیں تو اس کو دونوں جہاں حاصل ہو گئے ۔ کئی سوال پوچھے ۔ عربوں کے رواج کا پاس کرتے ہوئے لات و عزیٰ کو بھی بیچ لے آیا تو ہمارے آقا نے فرمایا "دیکھو میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں" میرا خالق ایک اللہ اور اکیلا اللہ ہے" ۔ روایت ہے کہ بحیرا نے مہر نبوت کی زیارت بھی کی کہ ان کو اس سلسلہ میں بھی آگاہی تھی ۔ بحیرا کو جب ہر طرح سے تسلی ہوئی تو جناب ابو طالبؓ کو گزارش کی کہ بہتر ہے لمبے سفر اختیار نہ کیئے جائیں ۔ یہودیوں میں حسد رکھنے والے لوگوں میں بھی کچھ مردم شناس لوگ ہوتے ہیں ۔ ان کو خبر لگ گئی تو وہ شر سے باز نہ آئیں گے" ۔ جناب ابو طالبؓ کو یہ بات پسند آئی اور تجارت کا مال ادھر ہی بیچ کر مکہ مکرمہ واپس چل پڑے ۔ بحیرا نے اس سلسلہ میں جو کچھ "رہنمائی" کی وہ یہ کچھ ہے ۔ اور اہل مغرب خوش ہوتے ہیں تو بڑی اچھی بات ہے کہ ہم بھی خوش ہیں کہ بحیرا کو دیدار عام کا شرف حاصل ہو گیا کہ بحیرا بھی حضور پاکؐ کے جمال کے چشمہ سے سیراب ہو گیا

مکہ مکرمہ کا معاشرہ اب حضور پاکؐ لڑکپن سے جوانی کی طرف بڑھ رہے تھے اور آپؐ نے اپنی زندگی عام آدمیوں کی طرح گزاری ۔ بے شک اوروں کی طرح بتوں کی پوجا نہ کی ۔ اور شاید آپؐ کے سارے گھرانے والے ایسے تھے ۔ کہ لڑکپن میں آپؐ نے بحیرا کو بتایا کہ ان کا بتوں سے کوئی واسطہ نہیں ۔ لیکن باقی کام آپؐ نے بھی اسی طرح کیئے جس طرح آپؐ کے خاندان والے کرتے تھے ۔ حتیٰ کہ بکریاں تک چرائیں اور انسانی معاشرہ میں جو ذمہ داری آئی وہ پوری کی ۔ ہاں زمینداری کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کم واسطہ پڑا ۔ لیکن جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں زمینداری میں بھی پوری دلچسپی لی ۔ آپؐ نے کسی راہب کی طرح زندگی نہ گزاری ۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وہ گھر میں کی یا خانہ کعبہ میں کی یا کسی تنہائی والی جگہ پر کی ۔ لیکن جب عبادت ختم کی اور باہر نکلے تو عام آدمیوں کے بیچ گھل مل گئے ۔ لوگ آپؐ کے لیے طرح طرح کی پیشگوئیاں کر رہے تھے ۔ اور شاید آپؐ بہت کچھ جانتے ہوں گے کہ آپؐ کی عبادت کسی مقصد کے تحت تھی ۔ استغراق ، ذکر ، فکر ، تجسس اور اپنے نفس کی پہچان ۔ کہ تب جا کر اللہ تعالیٰ کو پہچانا ۔ لیکن آپؐ معاشرے میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ آپؐ نے کبھی کوئی تاثر نہ دیا کہ آپؐ پر ایک طرف بھاری ذمہ داری آنے والی ہے تو دوسری طرف آپؐ کے جمال کا چشمہ بھی جاری ہونے والا ہے ہاں البتہ سب لوگ آپؐ کے حد سے زیادہ عزت کرتے تھے ۔

حرب الفجار قوم کے سب سے پہلے جس بڑے اجتماعی کام میں حضور پاکؐ نے شرکت کی اس کو حرب الفجار کہتے ہیں ۔ یہ ایک جنگ تھی ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ہر سال سرزمین عرب میں نخلہ اور طائف کے درمیان حج سے تھوڑا پہلے ایک بازار لگتا تھا جس کو عکاظ کہتے تھے ۔ اور وہاں خرید و فروخت خوب ہوتی تھی ۔ ایک سال وہاں پر ایران کی حکومت کے باجگزار قبیلہ لخم کے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر جس کی تلوار ، اور نسب کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے ۔ اس نے فروخت کے لیے کچھ لطیمہ

(مشک وخوشبائیت) بھیجا، اور اس مال کو قبیلہ قیس کے عروہ بن عتبہ نے پناہ دی۔ لیکن عروہ کو ایک شخص بران نے قتل کر دیا۔ اور وہ خیبر سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ آگیا اور وہاں حرم شریف (خانہ کعبہ) میں پناہ لے لی۔ اب کچھ قبائل پناہ دینے کے حق میں تھے اور کچھ کہتے تھے کہ بران کو قبیلہ قیس کے حوالے کیا جائے۔ اس وجہ سے ایک سال بازار بھی نہ لگا اور اس سے اگلے محرم میں پناہ دینے والے اہل مکہ یعنی قبیلہ قریش اپنے حلیفوں بنو کنانہ وغیرہ کے ساتھ ایک متحارب گروہ بن گیا اور دوسری طرف قبیلہ قیس اپنے حلیفوں خاص کر ہوازن کے بڑے قبیلہ کے کئی چھوٹے قبیلوں سے مل کر دوسرا متحارب گروہ بن گیا۔ ان میں قابل ذکر بنو جشم اور ان کا سردار درید بن الصمہ ہیں جن کا ذکر آگے چل کر بیسویں باب میں بھی ہوگا۔ روایت ہے کہ قبیلہ قریش سے بنو عبد شمس کے ابوسفیانؓ کے باپ حرب بن امیہ اور عتبہ بن ربیعہ جن کا ذکر آگے بہت ہوگا۔ دونوں نے اس جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ ویسے شرکت تو بنو مخزوم نے بھی ابوجہل کے باپ ہشام کے ماتحت کی۔ بنو ہاشم نے حضور پاکؐ کے چچا زبیر کے ماتحت اور باقی قبائل نے عبداللہ بن جدعان کے ماتحت کی۔ حضور پاکؐ جن کی عمر اس وقت بیس سال تھی وہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ اس جنگ میں شریک ضرور ہوئے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ اپنے چچاؤں کی طرف جو تیر آتے تھے ان کو روک کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے کہ وہ ان کو استعمال کریں۔ یہ جنگ اسی محرم میں ہوئی اور قریش کا پلہ بھاری رہا۔ بہرحال عتبہ بن ربیعہ کے ذریعہ سے قبائل میں صلح ہو گئی۔

میثاق حلف الفضول حضور پاکؐ اور آپؐ کے چچاؤں کو یہ جنگ پسند نہ تھی۔ اور خاندانی مجبوریوں اور قبائلی بندھنوں کے تحت جو پرانے وعدے اور معاہدے ہوئے تھے ان کے تحت بنو ہاشم جنگ میں شامل اس لئے ہوئے کہ ان پر کمزوری یا وعدہ خلافی کا الزام نہ لگے۔ اس لئے جنگ کے جلدی بعد حضور پاکؐ کے چچا زبیر نے میثاق حلف الفضول کا بندوبست کیا۔ اور پچھلی جنگ جو حرام مہینوں میں ہوئی اس کو غلط جنگ یا حرب الفجار کا نام دیا اور آئندہ کے لیے اعلان کیا کہ جنگ صرف کسی مظلوم کی مدد کے لئے کی جا سکتی ہے۔ اسلام کے بعد بھی حضور پاکؐ نے اس میثاق کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ اس پر قائم ہیں۔

شام کا دوسرا سفر اس جنگ کے تھوڑا بعد حضور پاکؐ نے ملک شام کا دوسرا سفر بھی تجارت کی غرض سے کیا۔ اور جناب خدیجہؓ کے مال کے ذریعہ سے تجارت کی۔ ساتھ جناب خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ اور بصریٰ کے نزدیک ایک اور عیسائی راہب نسطوارؒ سے ملاقات کا ذکر ابن سعد نے تفصیل سے کیا ہے لیکن تمام کہانی اس بیان کے ساتھ ملتی ہے جو بحیرا راہبؒ کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے اسی بیان کو دہرایا نہیں جارہا۔ بہرحال جناب خدیجہؓ نے تجارتی قافلے کو واپس آتے دیکھا کہ ایک بادل نے ان پر سایہ کیا ہوا ہے تو بڑی متاثر ہوئیں۔

جناب خدیجہؓ کا مقام جناب خدیجہؓ کا مقام بہت اونچا ہے۔ اور ان کی عمر حضور پاکؐ سے زیادہ ہونے میں بھی کوئی خاص حکمت پنہاں تھی۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ عورت دنیاوی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حضور پاکؐ نے اپنی عظیم والدہ کی شفقت چند دن دیکھی۔ کوئی بہن نہ تھی۔ پھوپھیوں کے علاوہ کوئی محرم عورت نہ تھی۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہتی تھیں۔ تو

شجرہ نسب "ج"
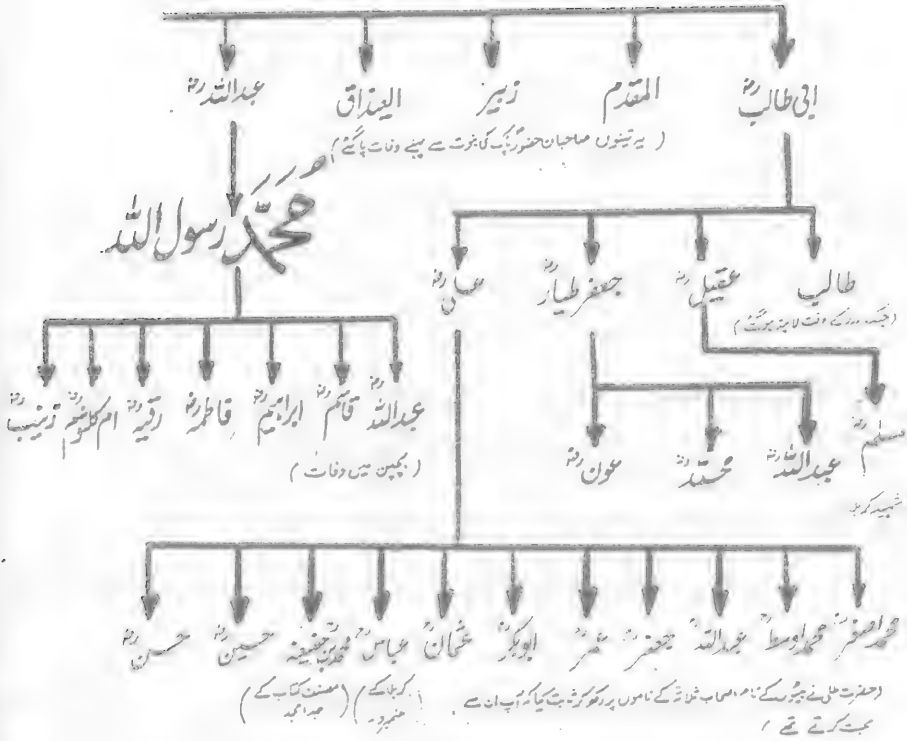
حضور پاکؐ کی پھوپھیاں

ا۔ام حکیمؓ۔ان کی شادی کریز بن ربیعہ ابن حبیب بن عبد شمس سے ہوئی۔اور ان کی بیٹی اروی حضرت عثمانؓ کی والدہ تھیں۔

ب۔امیمہؓ۔ان کی شادی جحش بن رباب سے ہوئی جو عبد شمس کا حلیف قبیلہ تھا۔عبداللہؓ بن جحش شہید احد، اور زینبؓ بنت جحش (ام المومنین) آپکے بیٹا، بیٹی ہیں

ج۔برۃ۔آپ کی شادی عبداللہ ابن ھلال مخزومی کے ساتھ ہوئی۔ابو سلمہ مخزومیؓ اپنے خاندان سے اول اسلام لانے والے انہی کے بیٹے تھے۔آپ ام سلمہؓ کے پہلے خاوند تھے۔

د۔صفیہؓ۔آپ کی شادی عوام بن خویلد سے ہوئی۔عشرہ مبشرہ میں جناب زبیرؓ بن عوام آپ ہی کے بیٹے تھے۔

ہ۔اروىؓ۔زمانہ جاہلیت میں آپ کی شادی عمیر بن وہب کے ساتھ ہوئی۔وہاں علیحدگی کے بعد دوسری شادی ارطاۃؓ بن شرجیل بن ہاشم کے ساتھ ہوئی

و۔عاتکہؓ۔زمانہ جاہلیت میں شادی ابوامیہ مخزومی کے ساتھ ہوئی۔وہاں اسلام کے بعد علیحدگی ہوگئی۔آپ ہی کو کفار کی بدر میں تباہی کا خواب آیا۔اور آپ مدینہ شریف ہجرت کر گئیں۔
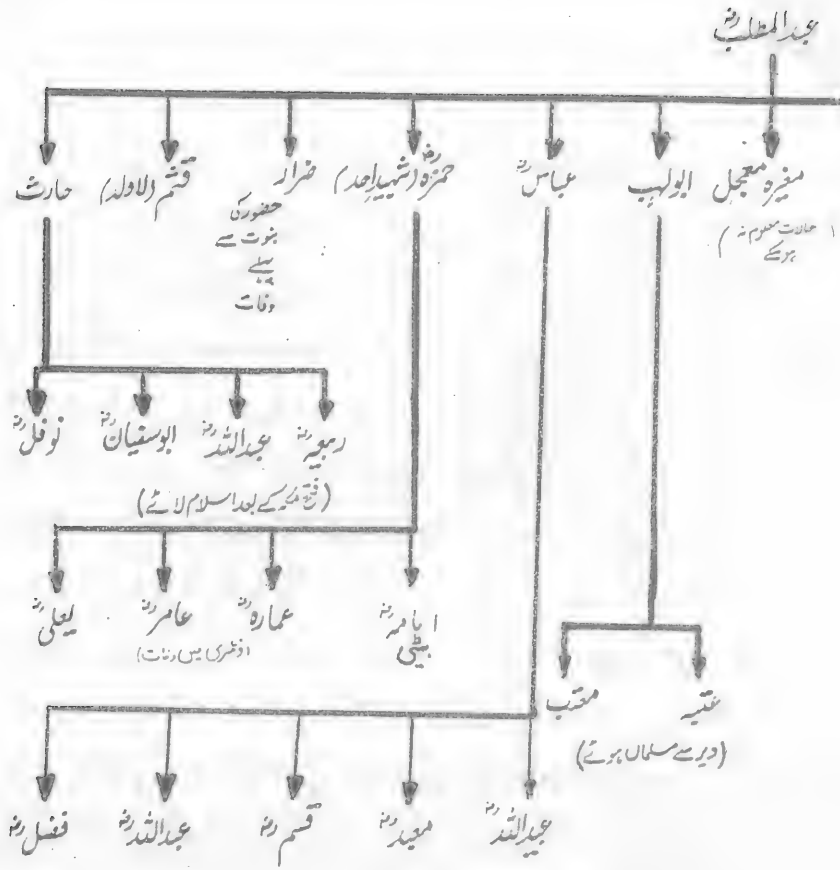
حضور پاکؐ کے چچاؤں کی بیٹیاں

ا۔ ابی طالبؓ = ام ہانیؓ، ام طالبؓ، جمانہؓ

ب۔ حمزہؓ = امامہؓ

ح۔ عباسؓ = ام حبیبؓ

د۔ زبیر = خباعةؓ، ام الحکمؓ، صفیہؓ، ام زبیرؓ

ہ۔ مقوم = ہندؓ، اروئؓ، ام عمرؓ

و۔ حارث = اروئؓ

ز۔ ابولہب، درہؓ، عزہؓ، خالدہؓ

حضور پاکؐ کے لیے ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جس میں محبت کے علاوہ شفقت بھی ہو۔ اور ایسا کام کوئی بڑی عمر والی عورت کر سکتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جناب خدیجہؓ کو یہ شرف بخش دیا۔ طبقات ابن سعد کی آخری جلد میں ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ کی کافی عورتیں خانہ کعبہ میں بیٹھی تھیں۔ کہ ایک فرد (شاید کوئی رجال الغیب سے) وہاں سے گزرا اور کہا کہ تمہارے ہاں نبی پیدا ہونے والا ہے۔ جن کو محمدؐ بھی پکارا جائے گا۔ وہ اللہ کا پیغام پہنچائیں گے۔ لہذا تم میں سے جو خاتون ان کی زوجیت حاصل کر سکے وہ ضروری ایسا کرے۔ معاشرہ کے بندھنوں کی وجہ سے کوئی خاتون بھی ایسی بات سن کر ہاں نہ کرے گی۔ لیکن روایت ہے کہ جناب خدیجہؓ نے یہ بات سن کر نگاہ نیچی کر لی۔ اور باقی عورتوں نے اس آدمی کو سست بھی کہا اور اس پر کنکریاں بھی پھینکیں

جناب خدیجہؓ سے نکاح شرافت و حسب نسب میں جناب خدیجہؓ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ بھی قصیٰ کی اولاد سے ہیں۔ شجرہ الف سے استفادہ کریں کہ آپ کا نسب حضور پاکؐ کے نسب کے ساتھ قصیٰ پر جا ملتا ہے۔ آپ کے دو خاوند یکے بعد دیگر جوانی میں وفات پا چکے تھے۔ آپ کی ان سے اولاد بھی تھی۔ لیکن قدرت، ایک بیوہ عورت کو عظیم شرف دینا چاہتی تھی اور اسلام دین فطرت کے طور پر عورت کے لیے ایک مقام پیدا کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جناب خدیجہؓ کو بے پناہ دولت سے بھی نوازا تھا۔ اور آپ بڑے بڑے روساء کے شادی کے پیغاموں کو ٹھکراتی رہیں تھیں۔ لیکن یہاں خود متمنی ہوئیں کہ حضور پاکؐ ان کو زوجیت میں قبول فرمائیں اور اپنی بہن کے ذریعہ پیغام بھجوا دیا جو حضور پاکؐ نے منظور فرمایا۔ جناب خدیجہؓ کے والد اس وقت فوت ہو چکے تھے اور جناب خدیجہؓ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل نے جناب خدیجہؓ کی طرف سے تمام معاملات طے کرائے۔ لیکن اس عاجز کے لحاظ سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب خدیجہؓ کو ام المومنینؓ اول ہونے کا شرف بخشا۔ اور ہمارے آقا حضور پاکؐ کو دنیاوی زندگی میں جو راحت جناب خدیجہؓ نے پہنچائی اس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن ساتھ ہی جو لطف حضور پاکؐ کے جمال کا جناب خدیجہؓ نے اٹھایا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ تقریباً بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ آپ اکیلی ہی حضور پاکؐ کی زوجیت سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ انہی کے بطن سے حضور پاکؐ کی عظیم بیٹیاں جناب زینبؓ جناب رقیہؓ جناب ام کلثومؓ اور جناب فاطمہ الزہراؓ پیدا ہوئیں۔ انہی کو شرف ہے کہ ایک طرف جناب حیدر کرار اللہ کے شیر اور ہر جنگ کے دولہا جناب علیؓ ان کے داماد ہیں۔ تو دوسری طرف حیا کے مجسمہ بیعت رضوان کا سبب اور سخی و غنی جناب عثمانؓ بھی ان کے داماد ہیں۔ آپ ہی حضور پاکؐ کے دو بیٹوں، عبداللہؓ اور قاسمؓ یعنی الطاہرؓ اور الطیبؓ کی والدہ ہیں۔ اور آپ ہی جناب حسنؓ و حسینؓ وام کلثومؓ اور زینبؓ کی نانی ہیں۔

آپ ہی کی اولاد سے تمام اولیاء کے سردار پیر دستگیر متعدد امام اور سادات پیدا ہوئے۔ جن کو ہم شاہ جی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اے رب العالمین جناب خدیجہؓ کے شان کے بیان سے ہمارے دماغوں اور اس کتاب کے صفحات کو معطر کر دے۔ اور ساری امت ان کی یادیں منانا شروع کر دے۔ افسوس کہ اس سلسلہ میں ہماری کوتاہی حد سے گزری ہوئی ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اب حضور پاکؐ کی عمر مبارک تیس پینتیس سال ہونے والی تھی۔ نبوت کا سورج بھی طلوع ہونے والا تھا۔ اور دولھا کی آمد کے لیے تیاری ہو رہی تھی۔ چشمہ زمزم آپؐ کی ولادت سے پہلے جاری ہو چکا تھا اور اس کا پچھلے باب میں ذکر ہو چکا

ہے ۔اب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے گھر کو دوبارہ تعمیر کروے کہ اس کا حبیبؐ جب اہل حق کے ساتھ حق کے گھر میں داخل ہو تو گھر بھی نیا بنا ہوا ہو ۔ایک داخلہ تو صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ہو گیا تھا۔لیکن اصلی داخلہ فتح مکہ کے وقت ہوا جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ انیسویں باب میں آتا ہے ۔لیکن اب ضرورت یہ تھی کہ نبوت کے اعلان سے پہلے اللہ تعالیٰ کا گھر تیار ہو جائے ۔کہ قارئین دیکھیں گے کہ نبوت کے اعلان کے بعد نہ صرف مکہ مکرمہ میں اختلافات آڑے آئے بلکہ ساری سرزمین عرب میں اختلافات نے جنگ کی شکل اختیار کر لی ۔اس میں اللہ تعالیٰ کی کچھ حکمت پنہاں تھی کہ دنیا کے کونے کونے میں اللہ کا پیغام پھیلانے والوں کو اللہ تعالیٰ بھٹی سے نکال کر اہل حق بنانا چاہتا تھا ۔بہر حال اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو موجودہ شکل دلانے کا یہ سبب بنایا کہ ایک جہاز جدہ کی بندرگاہ کے نزدیک آکر کنارے کے ساتھ ایسا ٹکرایا کہ جہاز ٹوٹ گیا۔قریش مکہ کو جب یہ خبر ملی تو ان کو خیال ہوا کہ کیوں نہ جہاز کی اس لکڑی سے خانہ کعبہ پر چھت ڈال دیں ۔اور ساتھ ہی نئی دیواریں بھی نئی بنالیں ۔چنانچہ آئندہ کے سیف اللہ جناب خالدؓ کے باپ ولید بن مغیرہ کی کوشش سے نہ صرف جہاز کی لکڑی قیمتاً حاصل کر لی گئی ۔بلکہ ایک معمار بھی مل گیا۔اب کعبہ کی پرانی دیواریں گرانے سے ڈر لگتا تھا کہ ابرہہ کا حال اکثر لوگ دیکھ چکے تھے ۔لیکن ولید نے ہمت کی اور عرض کی "اے اللہ نیا خانہ کعبہ بنانے کا ارادہ ہے ورنہ کون تیرے گھر کو اکھاڑ سکتا ہے" تو ولید نے پہلی گینتی چلائی ۔تو ٹھیک نیت ہونے کی وجہ سے کچھ نہ ہوا تو باقی لوگ بھی دیواروں کو ڈھانے لگ گئے ۔اور جب دیواریں ڈھا کر زمین کے برابر کر دیں تو مزید بنیادیں کھودنے کی ہمت نہ ہوئی کہ مزید کھدائی سے سارا مکہ مکرمہ ہل گیا۔بہر حال چاروں دیواروں کے لیے قریش نے اپنے آپ کو چار حصوں میں بانٹ لیا۔ اور اس طرح حضور پاکؐ کا خاندان بنو ہاشم اور بنو عبد شمس وغیرہ مل کر بنو عبد مناف بن گئے ۔اور قرعہ ڈال کر چاروں گروہوں میں برابر کام تقسیم کر دیا گیا۔حضور پاکؐ نے بھی اپنے کنبہ اور قبیلہ کے ساتھ مل کر کام کیا ۔اور سب کام بخیر وخوبی انجام پایا۔

حجر اسود کا نصب لیکن جب حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو جھگڑا شروع ہو گیا کہ ایسا کون کرے ۔اور ہر گروہ یا قبیلہ اپنا حق جتانے لگا۔اور معاملات جنگ تک پہنچ جاتے کہ ام المومنین ام سلمہؓ کے والد اور جناب خالدؓ کے چچا ابو امیہ نے تجویز پیش کی کہ یہ فیصلہ وہ کرے گا جو کل صبح سویرے خانہ کعبہ میں پہلے داخل ہوگا ۔سب نے اس پر اتفاق کیا اور اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ حضور پاکؐ ہی سب سے پہلے وہاں پہنچے اور یہ قرعہ آپؐ کے نام پر نکلا ۔اب آپؐ امین کہلاتے تھے ۔صادق کہلاتے تھے اور شخصیت میں سراسر جمال تھا۔کسی ایک آدمی کے دل میں بھی آپؐ کے خلاف نہ کوئی حسد تھا نہ کوئی شک ، اس لئے سب خوش ہو گئے ۔ حضور پاکؐ نے اپنی چادر پھیلا دی اور حجر اسود کو اٹھا کر اس پر رکھ دیا۔ پھر چاروں گروہوں کو اپنا نمائندہ یا امیر منتخب کرنے کی فرمائش کی کہ وہ آکر چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں ۔اور مل کر چادر کو اٹھائیں ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اور جب اس جگہ پہنچے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو حضور پاکؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب کر دیا۔حجر اسود کو مضبوطی کے ساتھ دیوار کا حصہ بنانے کے لیے جو پتھر ساتھ لگایا گیا اس کو اٹھانے کی سعادت حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو ہوئی ۔

شرارت ایک نجدی جس کے بارے میں خیال ہے کہ شیطان تھا اس نے شرارت کرنے کی کوشش کی اور تفرقہ اور اختلاف

کاراستہ پیدا کرنے کی سعی بھی کی ۔ اور زور سے کہا "بخدا یہ نوجوان تم سے سب کچھ لے لے گا یعنی امارت حکومت وغیرہ اور خوش بختی بھی تم سے بانٹ لے گا"۔

شرارت کا قلع قمع اس نجدی یا شیطان کی بات ٹھیک ہی تھی کہ اثرات ظاہر کر رہے تھے کہ آپؐ باقی لوگوں سے بہت بلند ہیں ۔ اور اصل بلندی کے بارے تو نہ کوئی اس وقت سوچ سمجھ سکا اور نہ اب ہماری وہاں تک پہنچ ہے ۔ البتہ نجدی یا شیطان کی بات سے جو حسد پیدا ہو سکتا تھا اس کو جناب ابو طالبؓ نے ایک فی البدیہہ نظم پڑھ کر ختم کر دیا ۔ اس نظم میں خانہ کعبہ کی شان بیان کی اور پھر بڑے پیارے الفاظ میں اپنی سعادت اور شرف کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چن لیا ۔ اور ہم سے یہ کردار رہا ہے وغیرہ ان الفاظ کے جادو نے سب پر رقت طاری کر دی اور نجدی کی بات خاک کی طرح اڑ گئی ۔ یہ ہے جناب ابو طالبؓ کی شان کہ وہ اپنے عظیم بھتیجے کے بارے آگاہ تھے کہ وہ کوئی عظیم ہستی ہیں ۔ اور ان کے ساتھ حسد بھی ہو گا اور ان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں البتہ نرالی ہیں ۔ مورخین کہتے ہیں کہ چادر کے چار کونے پکڑنے والوں میں سے کسی کو مسلمان ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا ۔ تین جن کے نام نہیں لیے گئے وہ حضور پاکؐ کی اسلام کی دعوت دینے سے پہلے مر گئے ۔ جو تھا عتبہ بن ربیعہ تھا جو اتنا خراب آدمی نہ تھا اور اس کا اکثر ذکر آئے گا لیکن اس کی قسمت نے یاوری نہ کی ۔ یہ اللہ کی عطا ہوتی ہے کہ وہ کس پر رحم کر دیتا ہے ۔ چنانچہ عاجزی سے ہر وقت دعا کی جائے ۔ "اے رب العالمین روز قیامت اپنے حبیبؐ کی امت میں سے اٹھانا ۔ اور ان کے جمال و جلال کے چشموں سے ہمیں بھی کچھ عطا کر دے"۔

حطیم روایت ہے کہ جہاز کی لکڑی کافی نہ تھی کہ پورے خانہ کعبہ پر اس سے چھت ڈالا جا سکے ۔ اس لئے دیواریں اتنی چنی گئیں جن پر چھت پورا ہو سکے ۔ اور خانہ کعبہ کی کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی ۔ البتہ کچھ نشانات چھوڑ دیئے گئے ۔ اب اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسے ہوا کہ چند سال بعد حق نے خانہ کعبہ کی متولیت اور نظام اہل حق کو عطا کر دیا ۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اس جگہ کو ایسے ہی رہنے دو ۔ اس جگہ پر نفل کی ادائیگی کا اتنا ہی شرف اور ثواب ہو گا جتنا خانہ کعبہ کے اندر نوافل ادا کرنے کا ثواب ہوتا ہے ۔ یہ جگہ آج بھی بغیر چھت کے ہے اور حطیم کہلاتی ہے ۔ اس زمانے میں جب حج کے موسم کے علاوہ بھی شاید لاکھ سے زیادہ آدمی ہر روز خانہ کعبہ میں حاضری دیتے ہوں گے تو خانہ کعبہ کے اندر نفل کی باری کب آ سکتی ہے ۔ چنانچہ حطیم میں نوافل ادا کر کے زائرین اپنے دلوں کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور وہاں پر سجدہ کے وقت کی کیفیت کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی ۔ اس عاجز کو کچھ خیال آیا کہ "شہود" اور "وجود" سب ایک ہو گئے ہیں ۔ کہ شاید دونوں ایک چیز ہوں ۔ شاید دونوں طرز بیان ہوں ۔ شاید الگ مزاجوں کے لیے الگ کیفیت کی ضرورت ہے ۔ شاید الگ الگ مرحلے ہوں ۔ واللہ اعلم بعد میں فقرا کی تلمیحات "وحدت الوجود" اور "وحدت الشہود" یاد آئیں ۔ ایک بات ظاہر تھی کہ ان نوافل کی ادائیگی کے دوران ماحول میں صرف جمال ہی جمال کی کیفیت تھی ۔

جمال نبوت کی نشانیاں اب ہم مضمون کی طرف واپس آتے ہیں ۔ ہر پیغمبر جو اس دنیا میں مبعوث ہوا وہ حضور پاکؐ کی آمد کی خبر دیتا گیا ۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی سورۃ عمران کی چند آیات کا ترجمہ دوسرے باب کے شروع میں دیا تھا کہ روز ازل

سب پیغمبروں نے اور باتوں کے علاوہ یہ عہد بھی کیا تھا کہ وہ حضور پاکؐ کی بعثت و آمد کی شہادت بھی دیں گے۔ ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں یہ راقم اپنی عاجزی کا ذکر بھی کر چکا ہے۔ کہ ان الفاظ کو معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ مشکل میدان ہے البتہ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ فرمایا "بخدا میں نے دیکھا ان کو اور ان کی تعریف کی تو یہ سب کچھ اسی کی بدولت ہے"۔ حضور پاکؐ کے جمال کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ لیں کہ حضرت عیسیٰؑ فرما گئے کہ جو کچھ ان کو ملا یا انہوں نے حاصل کیا وہ سب، کچھ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے حضور پاکؐ کے جمال نبوت کو دیکھا اور اس کی تعریف کی یا اس سے متاثر ہوئے وغیرہ تو یہ سب کچھ مل گیا۔ تو اب مذکورشدہ آیات کی معنی کچھ کھلتے ہیں کہ پہلے پیغمبر جو کچھ اپنے زمانے میں کر گئے۔ وہ بھی حضور پاکؐ کے سچے دین کی مدد میں تھا۔ کہ وہ بھی زمانے کو کچھ تسلسل تو دیتے رہے لیکن صحیح تسلسل امت واحدہ کا تصور دے کر حضور پاکؐ نے دیا۔ تو بات یہاں پہنچتی ہے کہ اہل حق خواہ اس جہاں میں وارد ہو چکے ہوں یا برزخ میں جا چکے ہیں وہ سب ایک قافلہ یا کارواں ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں اور اس چیز کو پہلے باب میں اہل حق کے فلسفہ حیات کے تحت بھی واضح کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ پیغمبر جو شہادت یا گواہی دے گئے کہ آنے والا آرہا ہے تو ہر زمانے میں نیک لوگ آپؐ کے جمال کے جلوے کے منتظر تھے۔ خاص کر اہل کتاب میں جو لوگ دین حنیف پر قائم رہے ان میں سے کچھ زمان و مکان کے پہلو کو بھی سمجھتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہماری امت میں کچھ صاحب نظر لوگوں اور فقراء نے زمان و مکان کے سلسلہ میں آنے والے واقعات کا ذکر کیا ہے تو عیسائی راہبوں یا یہودی عالموں نے جو آپؐ کی آمد کا ذکر کیا وہ ہم جگہ بجگہ بیان کر چکے ہیں۔ علاوہ کاہنوں اور قیافہ شناسوں کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ کہ بنتھ خاندان کے بادشاہ ربیع کے خواب اور کاہنوں کی تعبیر کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی آپؐ کے قدم مبارک کو قیافہ شناسوں نے حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک کے مشابہ قرار دیا۔ تو جمال کا اندازہ لگائیں۔

روحانیت سائنس ہے اب اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور سب مخلوق کا خالق ہے اور اس نے غیر مسلموں کو بھی کچھ نہ کچھ روحانی علم دے رکھا ہے کہ یہ بھی سائنس ہے۔ سائیک (Physc) یونانی زبان میں روح کو کہتے ہیں اور یہ جو سائیکالوجی کے معنی ہم نے نفسیات کر دیا دراصل اس کے صحیح معنی روحانیت ہی تھی۔ افلاطون ایک یونانی فلاسفر نے Thought projection یعنی خیالات کو وسعت دینے میں جو مہارت حاصل کی یا سقراط، فیثاغورث یا دوسرے ماہر فلاسفروں نے باطنی اور غیر مرئی معاملات کو سمجھنے کے علم میں بڑی مہارت حاصل کی۔ اور ہمارے فلاسفروں میں ابن سینا، فرابی اور ابن رشد وغیرہ ان غیروں سے بڑے متاثر بھی تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایسے کئی لوگوں کو بھی زمان و مکان پر کسی حد تک ضرور حاوی کیا ہوگا کہ ان کی بھی کئی پیشگوئیاں درست ثابت ہوئیں۔ علاوہ ازیں حضور پاکؐ کی بعثت سے پہلے جنوں اور شیطانوں کو بھی کچھ آزادی تھی کہ وہ عالم بالا کی کچھ باتوں سے آگاہ ہو جاتے تھے لیکن اب یہ سلسلہ بند ہے۔ تو حضور پاکؐ کے سلسلے میں ہر قسم کے اشارے ہو رہے تھے اور لوگ کئی غیر مرئی چیزیں دیکھ رہے تھے حیوان آپؐ کو دیکھ کر سر جھکا لیتے تھے اور جب آپؐ غار حرا کی طرف عبادت کے لیے جاتے تھے تو پتھر بول اٹھتے تھے اور آواز آتی تھی "اسلام علیک یا رسولؐ اللہ" اب اس سلسلہ میں اگر وہ تمام واقعات لکھے جائیں تو یہ

ایک الگ کتاب کا مضمون ہے لیکن یہ چند باتیں لکھنے میں ایک مقصد یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے ایسے اچانک یہ اعلان نہ کر دیا تھا
کہ میں اللہ کا نبی ہوں ۔ اس سلسلے میں بڑی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ چند عملی مثالوں کا ذکر ضروری ہے کہ جناب سلمان فارسیؓ جیسے
لوگ مدتوں سے آپؐ کی تلاش میں تھے ۔ صہیب رومیؓ در در کی غلامی کرتے رہے کہ مکہ مکرمہ میں آکر آپؐ کے جمال سے فیضیاب
ہوناتھا ۔ بلال حبشیؓ اپنے ملک سے دور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے پھر رہے تھے کہ کچھ عطا ہونے والا تھا ۔ اور بات مواقع تقدیر
سے فائدہ اٹھانے کی ہے ۔ کہ اس سلسلہ میں کچھ لوگ بدقسمت اور بدبخت نکلے مثلاً زبیر بن باطا یہودی عالم پہلے کہتا رہتا تھا کہ
نبی آخر الزمانؐ سرزمین قرط میں پیدا ہوں گے لیکن جب حضور پاکؐ کا ظہور ہوا تو وہ کتاب ہی چھپا ڈالی جس سے حوالے دیتا تھا ۔
ابن السیان یہودی ملک شام سے یثرب آیا ۔ وہاں تمام یہودیوں کو بتایا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے یہی ان کی ہجرت گاہ ہے
اور میں ان کے انتظار میں آیا ہوں ۔ یا کم از کم آپ لوگوں کو اس سے مطلع کرنے آیا ہوں ۔ وہ خود بے چارہ تو پہلے فوت ہو گیا ۔
لیکن صرف چند نوجوان یہودی ، ثعلبہ اور اسد فرزندان سعید ، اور اسعید بن عبید مسلمان ہوئے اور انہوں نے یہودیوں کو یہ بات
یاد دلائی ۔ لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا ۔ جبیرؓ بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی بعثت سے ایک ماہ پہلے ایک بت کے پیٹ
میں سے شور سنا گیا " وحی کا چرانا بند ہو گیا ہمیں شہاب (انگارے) مارے جا رہے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک نبی مبعوث ہونے والا
ہے اور ان کی ہجرت گاہ یثرب ہو گی " ۔

سفیانؓ الہذلی روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک قافلہ کے ساتھ زرقا اور معان کے درمیان رکے تو ایک سوار (رجل
الغیب) اعلان کرتا پھرتا تھا " اے سونے والو بیدار ہو جاؤ کہ یہ وقت سونے کا نہیں ہے ۔ احمدؐ ظاہر ہو گئے ہیں " حضرت عمرؓ کے
بہنوئی جناب سعیدؓ کے والد جناب زیدؓ بن عمرو ، جو جناب عمرؓ کے چچیرے بھائی بھی تھے اور ان کا پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے ، فرمایا
کرتے تھے " اولاد اسماعیلؑ کی شاخ بنی عبدالمطلب میں سے ایک نبی کا انتظار ہے ۔ میں شاید انؐ کو نہ پاؤں ۔ لیکن میں غیر حاضری
میں ان پر ایمان لاتا ہوں ۔ اور انؐ کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں اے مخاطب (عامرؓ بن ربیعہ) اگر تمہاری
عمر دراز ہو اور تم انہیں دیکھو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا اور تم انؐ کو ضرور پہچان لو گے " اور عامرؓ بن ربیعہ کو یہ سعادت نصیب
ہوئی اور اس نے جناب زیدؓ کا سلام حضور پاکؐ کے سامنے پیش کیا ۔ تو حضور پاکؐ نے سلام کا جواب دیا ۔ ان کے لیے دعائے
رحمت کی اور فرمایا کہ میں نے انہیں (یعنی جناب زیدؓ کو) جنت میں ناز سے ٹہلتے دیکھا ہے (سبحان اللہ) ۔ جناب عائشہؓ صدیقہؓ روایت
کرتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا اس نے کہا آج شب تم لوگوں میں کوئی بچہ ہوا ہے ۔ وہ نبی ہو گا ۔ آگے فرماتی ہیں کہ سب
روایتوں کے مطابق اسی شب و روز حضور پاکؐ کی ولادت ہوئی تھی ۔ جناب خالدؓ بن سعید نے خواب میں ایک نور دیکھا جو زمزم
سے نکلا ۔ مثل چراغ کی طرح روشنی اور یہ روشنی (نور) بہت پھیل گئی ۔ یہ خواب اپنے بھائی عمروؓ سے بیان کیا ۔ اس نے کہا کہ
زمزم جناب عبدالمطلبؓ نے کھودا ، تو ظاہر ہے اس خاندان سے روشنی (نور) پھیلنے والی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ۔ بنو عبد شمس
سے حضرت عثمانؓ کے بعد اور ابو حذیفہؓ کے علاوہ یہی دونوں بھائی اولین مسلمانوں میں ہیں ۔ دونوں نے شام کی جنگوں میں

شہادت پائی۔ جب کہ ان کے باقی بھائی العاص، اور عبیدہ جنگ بدر میں مارے گئے کہ وہ کفار کے لشکر میں تھے۔ اس طرح حضور پاکؐ کے جمال کے چشمے تو ازل سے جاری ہیں۔ ہاں یہ اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔ جس کے دل میں حضور پاکؐ کی محبت اور عشق پیدا ہو گیا۔ اس کو سب کچھ مل گیا

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ عشق خدا کا رسولؐ عشق خدا کا کلام۔ (اقبالؒ)

خلاصہ یہ باب حضور پاکؐ کی مکی زندگی کے چالیس سالوں کے واقعات کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ یہاں بیان کیا گیا کہ نبوت سے پہلے معاشرے میں حضور پاکؐ کا کیا مقام تھا اور آپؐ نے ایک فرد کے طور پر زندگی کیسے گزاری۔ یعنی ایک طرف معاشرہ میں مکمل طور پر سمو چکے تھے اور اپنی غیرت یا خاندانی عزت کو قائم رکھا۔ لیکن ساتھ ہی عقائد کے سلسلہ میں اپنی انفرادیت پر قائم رہے ویسے آپؐ صرف اس دن سے نبی نہ تھے جب نبوت کا اعلان کیا۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق آپ روزِ ازل سے نبی آخر الزمان ہیں اور اس سلسلہ میں قرآن پاک میں پیغمبروں کے میثاق کا ذکر اس باب اور دوسرے باب میں ہو چکا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ نبوت کے اعلان کا وقت مقرر تھا اور ان چالیس سالوں میں اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی، کئی اور طریقوں سے کر رہے تھے۔ اگر باقی باتوں کو چھوڑ دیں اور صرف ان پہلوؤں پر خیال دوڑائیں جو آپؐ کے سلسلہ میں اب تک اس کتاب میں بیان ہو چکی ہیں۔ تو اگلا سوال ذہن میں یہ آتا ہے۔ کہ کیا آپؐ ان عجیب وغریب واقعات سے بے خبر تھے جو آپؐ خود مشاہدہ کر رہے تھے یا لوگ بیان کر رہے تھے آپؐ ضرور باخبر تھے۔ لیکن آپؐ کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ آج تک کسی راوی یا محدث یا مورخ یا مفسر نے اس سلسلہ میں آپ کا کوئی رد عمل بیان نہیں کیا۔ بلکہ کسی خاص تاثر کا ذکر بھی کہیں نہیں ملتا۔ یہی آپ کی شان کا اعلیٰ ترین وصف ہے کہ آپؐ اس زمانے میں بھی ان واقعات پر حاوی تھے۔ اور لوگوں کے تاثرات سننے کے بعد زبان پر کسی لفظ نے تو کیا آنا تھا۔ کسی راوی نے آپؐ کے چہرے کے تاثرات تک کا ذکر نہیں کیا۔ کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ آیا تھا کہ آپؐ عملی طور پر کچھ کریں۔ آپؐ نے ان چالیس سالوں میں جو عبادت کی یا جو ذکر وفکر کیا یا تجسس کرتے رہے اس پر سے آج تک کسی صاحب نے پردے نہیں ہٹائے شاید ان باتوں کو سمجھنے کا ہم شعور نہ رکھتے ہوں۔ البتہ ایک بات ظاہر ہے کہ آپؐ اپنے بارے باخبر تھے۔ اور اپنے نفس کو پہچان چکے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان بھی ہو گئی۔ کہ آپ ان چالیس سالوں میں کبھی کسی شرک یا بت پرستی کی طرف بھی مائل نہ ہوئے تھے۔ لیکن محمدؐ کے خدا کا نام بلند کرنے کا وقت اب آنے والا تھا۔ اور اس کی بسم اللہ آپؐ کے جمال وجلال سے ہونا تھی۔ اس لئے اس کے دو مرحلے ہیں اول مکی زندگی جس کا اجمالی خاکہ اگلے دو ابواب میں ہے۔ اور یہ ابواب زیادہ تر جمال کے مظہر ہیں۔ جلال والا معاملہ نویں باب سے پرزور طریقہ سے شروع ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں بہت کچھ کہیں گے لیکن فی الحال اگلے باب سے معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کی پہچان تک محدود ہے۔ کہ اس سے پہلے اگر خدا یا اللہ تعالیٰ کا کوئی تصور تھا بھی تو وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے بتایا لیکن جلد لوگوں نے دیوی دیوتاؤں کی طاقتیں اتنی زیادہ کر دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک بن گئے۔ پھر خیر کا الگ خدا تھا اور شر کا الگ یعنی دو عملی یا دوئی تھی۔

دنیا کے باقی مذاہب میں آج کل جو اکیلے خدا کا ذکر ہوتا ہے وہ ان لوگوں نے مسلمانوں سے سیکھا ہے اور وہ لوگ اپنے بودے اور دقیانوسی طریقوں میں ترمیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ کئی "خداؤں" کا ایک دوسرے کے ساتھ حسد اکثر ان کے افسانوی عقائد میں افراتفری مچائے ہوئے تھا۔ بدقسمتی سے یہ لوگ ہمارے آقا حضور پاک حضرت محمدؐ کے ساتھ فی الحال کچھ بغض قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں اس بغض میں کافی کمی آتی جاتی ہے۔ اور یہ غیر ہمارے حضور پاکؐ کی شان کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دہریئے کافر اور غیر مسلم بھی حضور پاکؐ کی جماعت بندی، قوم میں نظم ونسق، وربط وضبط کے طریق کار وغیرہ سے بڑے متاثر ہیں۔ لیکن اپنوں نے کچھ عجب رویہ اختیار کر لیا ہے۔ کہ کچھ بے چارے حضور پاکؐ کی بشریت کے چکر میں ایسے چکرا گئے ہیں کہ آپ کے آخر الزمان نبی الرحمۃ، رحمۃ العالمین، جلال اور اللہ کے حبیبؐ ہونے یا آپؐ کے نور یا جو روشنی آپؐ نے پھیلائی اس سلسلے میں باتوں کی طرف دھیان ہی کم دیتے ہیں۔

محبت کا جنون باقی نہیں ہے   مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے۔ (اقبالؒ)

اس باب میں تین شجرہ نسب کے چارٹ دیئے گئے ہیں۔ ان کا تعلق صرف اس باب کے ساتھ نہیں بلکہ پوری کتاب میں خاندانی رابطوں کو سمجھنے کے لیے یہ چارٹ بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔ ان میں عظیم صحابہ کرامؓ یعنی تمام عشرہ مبشرہ میں شامل صحابہ کرامؓ حضور پاکؐ کی والدہ ماجدہ، قریش میں سے وہ صحابیات جن کو حضور پاکؐ کی زوجیت نصیب ہوئی وغیرہ سب کو ان چارٹوں میں دکھایا گیا ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لیے یہ چارٹ بڑے اہم ہیں جو حضور پاکؐ کے سلسلے میں نسبی حالات میں زیادہ غوطے لگانا چاہتے ہیں کہ نسب اور عقیدہ بھی ایک ہو گیا تو سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو تاریخی غلطیاں ہیں وہ دور ہو جائیں گی۔ یا جنرل اکرم کی طرح سے جن لوگوں نے اسلام کی ایک آدھ کتاب پڑھ کر اپنی "افلاطونی" کے تحت سب رشتے رد کر دیئے۔ تو قارئین کو ثبوت مل جائے گا کہ اسلام کا سمندر بہت گہرا ہے۔ علاوہ ازیں جب عقیدہ ایک نہ تھا تو قرابت کام نہ آئی۔ اور مقصد یہ بھی ہے کہ اسلام کے قافلہ کے درخشندہ ستاروں کو بہتر طور پر جاننے میں یہ چارٹ مددگار ثابت ہوں گے۔ ساتھ ہی یہ ثابت ہو گا کہ ایک کنبہ یا خاندان نے دنیا کے کتنے عظیم سپہ سالار، حاکم، عالم، محدث، منتظم اور فقیہہ اور پتہ نہیں کیا کیا پیدا کیے۔ اور یہ سب ہم زمانہ تھے۔ دنیا میں اس کے عشر عشیر تو چھوڑیئے سینکڑواں یا ہزارواں حصہ بھی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ ہمارے آقاؐ کی نگاہ کے طفیل تھا کہ آپؐ کے جمال نے انسانیت کو یہ اوج نصیب کر دیا، کاش ہم یہ بات سمجھ جاتے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے   عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب (اقبالؒ)

آیئے ہم حضور پاک ﷺ کی شان کو سمجھنے میں عاجزی کریں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد ایک شرعی ضرورت تھی۔ ورنہ اللہ کے حبیب ﷺ روز ازل سے رحمۃ للعالمین ہیں۔

چھٹا باب

آفتاب رسالت کا طلوع ۔ اور اثرات

جمال نبوت اس باب کا آدھا عنوان مولانا شبلیؒ کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کو بڑا پیارا عنوان دیا ہے ۔ اس عاجز نے ساتھ "اثرات" کا لفظ اس لئے بڑھایا کہ بامقصد مطالعہ کے تحت حالات کا تجزیہ بھی ہو جائے ۔ تو اصلی بات یہ ہے کہ رسالت یا نبوت کے معاملات کو سمجھنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ۔ اور نبوت یا رسالت کیا ہیں ایسی باتوں کو چند الفاظ میں سرسری طور پر بیان کرنا بھی آسان نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیارے کو چن لیتا ہے کہ وہ نبی ہوگا ۔ پھر اس کی مدد بھی کرتا ہے ۔ لیکن دنیاوی معاملات کو چلنے دیتا ہے ۔ اس میں کچھ حکمت یا مصلحت ہوتی ہے ۔ اگر نبوت سے سرفراز شدہ شخصیت کو مکمل امر حاصل ہو جائے ۔ تو عالم خلق میں عالم امر کی جھلکیاں ملنی لگ جائیں گی اور وقتی طور پر ساری دنیا یا جو جہاں موجود ہوں وہ ایک امت میں تبدیل ہو جائیں گے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو امتحان شروع کیا ہوا ہے ۔ اس لئے خیر اور شر دونوں کی جنگ جاری رہتی ہے اور ہوتا ہے وہ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ۔ تو نبی یا رسولؑ بھی وہی چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام اتنا اونچا ہے جس کو سمجھنے کا ہم شعور ہی نہیں رکھتے ۔ ہاں البتہ ہمارے آقا نے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جو اپنی عاجزی کا ذکر کیا تو ہمارے کوتاہ عقلوں نے حضور پاکؐ کی شان کو کمتر سمجھنا شروع کر دیا ۔ اور ایسے لوگوں کے لیے علامہ اقبالؒ یہ فرما گئے ۔

اپنی حکمت کے پیچ و غم میں الجھا ایسا   آج تک فیصلہ نفع و ضرر نہ کر سکا

دوسری بات یہ ہے کہ نبوت کی ذمہ داری اتنی بھاری ہے کہ ہمارا یہ مادی جسم بڑی مشکل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جھلک برداشت کرتا ہے ۔ کہ حضرت موسیٰؑ جیسے عظیم پیغمبر پہلی تجلی کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ اور یہاں تو ذمہ داری بھی سونپی جا رہی تھی ۔ تو ہمارے آقا کی تربیت سلسلہ در سلسلہ اور مرحلہ در مرحلہ اللہ تعالیٰ کرتا رہا ہے کہ آپؐ سب کچھ برداشت کر گئے ۔ روایت ہے کہ پہلے سچے خواب آنے شروع ہوئے اور پھر آپؐ نے غار حرا میں عبادت کے لیے جانا شروع کر دیا ۔ یہ عبادت کیا تھی اس سلسلہ میں اکثر مورخین اور محدثین حضرات خاموش ہیں ۔ کچھ اہل نظر کا خیال ہے اور یہ عاجز پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ یہ عاجزی تھی ۔ ذکر تھا ۔ فکر تھی اور تجسس تھا ۔ بالکل اسی قسم کا تجسس جیسا حضرت ابراہیمؑ نے کیا اور اس سلسلے میں قران پاک کی سورۃ انعام میں اشارے موجود ہیں ۔ اس ذکر اس فکر اور اس تجسس نے ایک دن حضور پاکؐ کے سینہ مبارک کو کھول دیا ۔ اور وہ اپنے آپؐ کو پہچاننے لگے تو وحی کے نزول کا وقت آ گیا ۔

پہلی وحی چنانچہ ایک دن حضور پاکؐ غار حرا میں ایسے ذکر و فکر میں مصروف تھے کہ وحی جبرئیلؑ نازل ہوئے ۔ یعنی حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی کلام سورۃ اقراء کا نزول ہوا ۔ اور نبوت و رسالت کی بسم اللہ ہوئی ۔ یہاں یہ وضاحت

ضروری ہے کہ بشریت سے ایسی شخصیت کی تکمیل ہو گئی جہاں سے نہ صرف نبوت بلکہ حضور پاکؑ کے خاتم النبین ہونے کے پہلو کی بسم اللہ شروع ہوئی تھی جس کی تکمیل معراج کے بعد ہوئی۔ اس کے بعد مکمل دین کی تکمیل شروع ہوئی اور وہ بھی ہجرت کے بعد۔ ان مرحلوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ آگے مزید وضاحت بھی آئے گی اور ہم جو زیادہ تر بشر کے چکر میں پڑ کر حضور پاکؑ کی شان تک نہیں پہنچ پاتے اس کی یہی وجہ ہے کہ ہم ان مرحلوں اور مرحلات میں تسلسل یا ارتقاء کے پہلو سے بے خبر ہیں۔ اور ہاتھی کو ٹٹولنے والے اندھوں کی طرح کوئی ایک بات سن کر فیصلہ دے دیتے ہیں۔ حضور پاکؑ کے بعثت کے مقصد کے سمجھنے کے لیے آپؑ کی پوری زندگی اور اسلامی فلسفہ حیات کو سمجھنا ضروری ہے لیکن ہم بے چارے ادھر کہاں پہنچیں ہم اپنے بارے بے خبر ہیں۔

عجب نہیں کہ خدا تک تیری رسائی ہو تیری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام ۔ (اقبالؒ)

بہر حال حضور پاکؑ اور پہلی وحی کے سلسلہ میں کچھ راویوں نے لکھا ہے کہ آپؑ گھر واپس گئے تو کپڑا اوڑھ لیا۔ اور آپؑ کچھ پریشان بھی تھے اور کچھ ڈر بھی گئے۔ اس عاجز کو یہ طرز بیان پسند نہیں۔ کہ راویوں کے یہ اپنے تاثرات ہوں گے۔ خیال ہے کہ حضور پاکؑ صرف متردد ہوئے ہوں گے اور کپڑا اوڑھ لیا کہ ایسا واقعہ اس شکل میں پہلی دفعہ ہوا۔ ڈر الگ چیز ہے اور بے شک حضور پاکؑ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے اس وقت بھی بہت ڈرتے تھے جب نبوت کی تکمیل ہو چکی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ وہ ڈرنا بھی ہمیں ڈرانے کی غرض سے ہوتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حبیبؑ ہوتے ہوئے بھی آپؑ تسلیم و رضا کے ایسے مقام پر تھے کہ ہر وقت جبار و قہار سے ڈر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ لیکن وحی کے نزول میں ڈر کی کوئی بات اللہ کے حبیبؑ کے ساتھ نہ تھی۔ پہلا رابطہ تھا اور اس میں جمال کی جھلکیاں بھی تھیں۔ ابھی نبوت کی تکمیل نہ ہوئی تھی اس لئے ممکن ہے کہ حضور پاکؑ نے یہ اندازہ نہ لگایا ہو کہ ان کو ایک ایسی ذمہ داری سونپی جانے والی ہے جس کی دنیا میں نہ اس سے پہلے کوئی مثال ہے اور نہ کسی اور ایسے واقعہ کے ساتھ اس کا مکمل موازنہ نہ ہو سکتا ہے۔ تو بہر حال صحیح بات یہ آشکارا ہوتی ہے، کہ غار حرا میں وحی کے نزول کے بعد سرکار دو عالمؐ کچھ متردد ہوئے، گھر آئے اور کپڑا اوڑھ لیا۔ ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کی پرسش پر حضور پاکؑ نے ان کو غار حرا کے وحی کے نزول کے واقعہ سے کچھ آگاہ کیا۔

ورقہؓ بن نوفل اب اکثر مورخین اور محدثین لکھتے ہیں کہ حضور پاکؑ کی باتیں سن کر جناب خدیجہ، حضور پاکؑ کو ورقہؓ بن نوفل اپنے چچیرے بھائی کے پاس لے گئیں اور انہوں نے تسلی دی وغیرہ۔ اس عاجز کو اس کہانی پر ہمیشہ شک رہا۔ لیکن خدا بھلا کرے ابن اسحق کا جب ان کی بنیادی تاریخ یا مغازی پڑھی تو انہوں نے صاف لکھا کہ جناب خدیجہؓ نے جب حضور پاکؑ کے غار حرا کے تجربات اور مشاہدات سنے اور ان کے تاثرات دیکھے، تو آپ جناب ورقہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان کو ان باتوں سے آگاہ کیا۔ تو جناب ورقہؓ نے کہا "بخدا یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ جناب محمدؐ، حضرت موسیٰؑ کی طرح پیغمبر ہیں" آگے ابن اسحق لکھتا ہے اس کے کچھ دن بعد حضور پاکؑ جناب ورقہؓ کو قدرتی طور پر خانہ کعبہ میں مل گئے تو جناب ورقہؓ نے کہا "بخدا مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آپؑ کو لوگوں کی طرف پیغمبر مبعوث کیا گیا ہے اور آپؑ کے پاس بھی وہ ناموس آئے ہیں جو

حضرت موسیٰ کے پاس آتے تھے ۔ لوگ آپ کی باتوں پر یقین نہ کریں گے ۔ اور آپ کے ساتھ اتنا خراب برتاؤ کریں گے کہ آپ کو ہجرت کرنا پڑے گی ۔ خدا اگر میں تب تک زندہ رہا تو اللہ کی راہ میں جتنا مجھ سے ہوسکے گا آپ کی مدد کروں گا"

تبصرہ راقم نے اس چیز پر شک ظاہر کیا کہ کیا جناب خدیجہ، حضور پاک کو ورقہ کے پاس لے گئیں ۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو جو کام سونپ رہا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حبیب اوروں کے پاس جاکر مشورہ کرے گا؟ ۔ خیر یہ مسئلہ تو ابن اسحاق نے حل کر دیا کہ حضور پاک خود نہ گئے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب ورقہ نے بزرگوں کو کتابوں میں کچھ پڑھا ہوگا اور ان نشانیوں کا ذکر ہوگا ۔ اور ممکن ہے خود بھی صاحب نظر ہوں ۔ تو تیسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور پاک ایسی باتوں سے آگاہ نہ تھے ؟ تو اس عاجز کا ایمان ہے کہ ضرور آگاہ تھے ۔ چند سال بعد جناب ابو ذر غفاری آئے جن کا ذکر آگے ساتویں باب میں ہے تو حضور پاک نے فرمایا " کہ کھجوروں والی زمین پر ملنا " یہ مدینہ منورہ اور ہجرت کی طرف اشارہ تھا ۔ لیکن ابھی وحی کے شروع ہونے کے ساتھ ایسے اعلانوں کی ضرورت نہ تھی کہ لوگ آپ کی بات نہ مانیں گے اور ہجرت وغیرہ کرنا پڑے گی ۔ یہی حضور پاک کی شخصیت کا کمال ہے ۔ اور یہی تسلیم و رضا کا مظاہرہ ہے ۔ کہ آپ نے ہر کام عملی طور پر تسلسل کے ساتھ مقررہ وقت پر کرنا تھا ۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو معجزوں اور آگے آنے والے حالات وغیرہ کی تفصیل بتا کر جاری نہ کرنا چاہتا تھا ۔ بلکہ عملی دین کو عمل کے طور پر عملی حالات میں جاری و ساری کرنا چاہتا تھا ۔ اور انہی باتوں میں غوطہ لگا کر ہم عاجز، حضور پاک کی شان کو سمجھنے کی سعی کر سکتے ہیں سمجھ تھی بات اب یہ سامنے آتی ہے کہ آخر حضرت خدیجہ کو جناب ورقہ کے پاس جانے کی ضرورت کیوں پڑ گئی ؟ ۔ تو اس میں حکمت کی بات تھی کہ بجائے اس کے کہ حضور پاک خود جگہ جگہ اعلان کرتے پھرتے کہ یہ ہو گیا وہ ہو گیا، جس میں خود نمائی کا ڈر تھا کوئی آپ کو کاہن کہتا کوئی شاعر اور آگے کچھ کوتاہ عقلوں نے ایسا کہا بھی تو ان کے اپنوں نے بتایا کہ آپ نہ کاہن ہیں نہ شاعر وغیرہ اور اس کا ذکر آگے ساتویں باب میں آتا ہے ۔ تو اس طرح حضور پاک کا جو تعلق وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوا تو اس کی خبر ضرور پھیل گئی ۔ بہر حال یہ سب اس عاجز کے ذاتی جائزے ہیں اور میں غلط بھی ہو سکتا ہوں ۔

سورتوں کی ترتیب عام روایت ہے کہ سورۃ اقراء کے بعد سورہ ضحیٰ نازل ہوئی وغیرہ وغیرہ ۔ اور اس طرح تمام مکی سورتوں کے بارے کہ ان کی ترتیب کیا ہے کہ کون سی سورۃ کب نازل ہوئی اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے تحقیق کی ہے جن میں ایک غیر مسلم جرمن بھی ہے ۔ لیکن یہ عاجز اس تفصیل میں نہ جائے گا کہ اس طرح کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا ۔ یہ عاجز اس پہلو کو اس طرح بیان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کچھ مشکل نہ تھا کہ ایک اکٹھی کتاب آسمان سے نازل کر دیتا کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی باتیں ہوتیں ۔ لیکن امتحان مقصود تھا ۔ اور اس کو یہ طریق کار پسند آیا کہ اپنے احکاموں کو اپنے چنیدہ لوگوں یعنی پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کو پہنچائے گا ۔ بہر حال قران پاک کا شان نزول اور اوقات، وقت کے لحاظ سے مقرر کیا کہ عملی طور پر جو کچھ پہنچانا چاہا وہ پہنچاتا رہا ۔ مکی سورتوں کا زیادہ ذکر بعد میں ساتویں باب میں آئے گا ۔ کہ ان میں مثالوں کے ذریعہ زیادہ تر تبلیغ تھی فلسفہ اور نظریہ تھا اور تکمیل نبوت کا پہلو مد نظر تھا ۔ مدنی سورتوں کا ذکر بعد کے ابواب میں ہوگا ۔

وحی کے لیے مزید روایات بہر حال حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو پیغام پہنچاتا رہا۔ اور نبوت کی تکمیل کی طرف عروج جاری تھا۔ لیکن کبھی وحی رک جاتی تھی کہ اس کے لئے وقت اور میعاد کے بندھن نہ تھے۔ اب اس سلسلہ میں کچھ مورخین اور محدثین لکھتے ہیں کہ جب کبھی وحی رک جاتی تھی تو حضور پاکؐ گھبرا جاتے تھے اور کئی دفعہ خیال ہوا کہ جاکر اپنے آپؐ کو کسی پہاڑ سے گرا دیں۔ اس عاجز کو یہ طرز بیان بھی اپیل نہیں کرتا۔ اور یہ کچھ راویوں کی ذہنی اختراع معلوم ہوتی ہے ممکن ہو ان کی نیت صحیح ہو کہ اکثر مسلمانوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضور پاکؐ ایک معصوم کی طرح تھے جن کو نہ کوئی شوق تھی اور نہ ان کو کوئی خواہش تھی۔ پس جو کچھ حکم ملتا تھا ایسا کرتے تھے۔ یہ رائے سر آنکھوں پر کہ ایسی باتیں مسلمانوں نے اس لئے بھی لکھیں کہ غیروں نے کہا کہ مسلمانوں کا پیغمبر بڑا Ambitious تھا وغیرہ۔ لیکن یہ عاجز ایسی بات نہیں تسلیم کرتا کہ حضور پاکؐ گھبرا جاتے تھے اور پہاڑ سے گرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ ابن اسحاق کے مطابق وحی آپؐ کے سینہ مبارک پر بیٹھ جاتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کلام کے بڑے روحانی اثرات ہوں گے تو حضور پاکؐ کی فکر نے ذ... سعت اختیار کر لی ہو گی اور ممکن ہے اپنے رب سے کوئی سوال کیا ہو کہ اے میرے رب اب کیا ہو گا یا میں کیا کروں؟ ۔ اور میں تیری راہ پر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔" اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ کہہ دیا ہو کہ میں اپنے رب کے لیے اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرانے کو تیار ہوں۔ تو اس میں گھبراہٹ والی بات نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں پیش کرنے کی سعی ہے۔ ابن اسحاق نے اس پہلو کو بھی اچھی طرح سے واضح کیا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ حضور پاکؐ نے جب کبھی وحی یا ایسی باتوں کے لیے مزید فکر کی تو آپؐ کو حضرت جبرئیلؑ سامنے نظر آجاتے تھے کہ وہ آسمان دنیا پر براجمان ہو جاتے تھے اور حضور پاکؐ کو یہ گزارش کرتے کہ آپؐ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں بلکہ مزید روایت ہے کہ حضور پاکؐ جہاں یا جس طرف نظر اٹھاتے تھے، تو آگے سے حضرت جبرئیل نظر آتے۔ آسمان دنیا یا سات آسمانوں کی وضاحت اسی لئے پہلے باب میں کر دی گئی تھی۔ مزید ہماری نئی کتابوں میں ہے

حضور پاکؐ کی شان نبوت کے ابتدائی دور کے تجربات اور مشاہدات کو مورخین نے جس طرح سے بیان کیا ہے اس کے کچھ اثرات ایسے ہوئے کہ لوگوں نے حضور پاکؐ کے تصرف کو محدود کر دیا۔ گزارش ہو چکی ہے کہ یہ نبوت کی بسم اللہ تھی۔ اور حضور پاکؐ خود فرماتے ہیں کہ "جو کل والے مقام پر رہا وہ گھاٹے میں رہا"۔ یعنی مومن کے لیے بھی معراج ضروری ہے۔ یہی چیز حضور پاکؐ کے لیے تھی کہ بشریت کی تکمیل کے بعد اب نبوت کی تکمیل کا Process یا تانا بانا شروع تھا۔ اور معراج پر حضور پاکؐ کے تشریف لے جانیکے بعد نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اس لئے ہم عاجز جب کبھی حضور پاکؐ کی شان کا ذکر کریں۔ تو ان ابتدائی دور کی احادیث مبارکہ یا بیانات کو حرف آخر نہ سمجھ لیں۔ حضور پاکؐ کی شان یا مقام سمجھنے کی کوشش کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ساری زندگی کے حالات کو مد نظر رکھ کر انسان ان کے پاؤں کی خاک بن جائے۔ تو تب یہ پہلے مرحلے آسانی سے سمجھے جا سکیں گے۔

اسلام کی آغوش کن عظیم ہستیوں کو اسلام کی آغوش میں آنے کی جلدی سعادت نصیب ہوئی اس میں حضور پاکؐ کے

رفقاء کی شان ہے۔اور یہ صاحبان حضور پاکؐ کی شان کو بھی بہتر طور پر سمجھتے تھے اور بہتر طور پر بیان کرتے تھے۔یہ عاجز اس سلسلہ میں "نمبر شمار" کے چکر میں نہ پڑے گا۔بہرحال یہ سعادت گھر سے شروع ہوئی۔اور جناب خدیجہؓ نے جیسے ہی حضور پاکؐ سے وحی اور نبوت کے بارے سنا تو آپؐ پر ایمان لے آئیں۔ان کے ساتھ ہی جناب علیؓ جو اس وقت دس بارہ سال کے لڑکے تھے۔اور حضور پاکؐ کے گھر رہتے تھے ان پر حضور پاکؐ کے جمال کا اثر ہوا اور لڑکپن ہی میں حضور پاکؐ پر ایمان لے آئے۔تیسرے جناب زیدؓ بن حارث تھے جن کو غلامی سے آزادی مل گئی تھی لیکن وابستگی توڑنے کو تیار نہ تھے۔اور ماں باپ سے جدائی منظور کر کے بھی نبوت سے پہلے بھی حضور پاکؐ کے قدموں میں رہنا شرف سمجھا تو اب ایمان لا کر دائمی غلامی حاصل کر لی۔کیا شان ہے جناب زیدؓ کی۔چوتھے کا ذکر زیادہ ضروری ہے۔رفیق تھے۔دوست تھے۔لیکن عطا بہت کچھ ہو گیا۔یار غار بنے۔صدیق کہلائے۔اور دائمی رفاقت کو وہ اوج دیا کہ آج قلم اس سلسلہ میں کچھ لکھنے سے عاجز ہے۔جناب ابو بکر صدیقؓ کی شان کو بیان کرنے کی کس کو ہمت ہے۔

مکہ مکرمہ کے معاشرتی حالات حضور پاکؐ کی نبوت کے جمال کی یہ جھلک دے کر یہ عاجز مکہ مکرمہ اور قریش کے عین اس وقت کے حالات کا اجمالی خاکہ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔کہ ہم ساتھ ساتھ چلیں۔قریش مکہ ایک قبائلی جمہوریت کے بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے جو کافی حد تک یونانی فلسفہ والی جمہوریت کے متشابہ تھی۔قریش جن قبائل میں بٹے ہوئے تھے ان کا ذکر آگے آتا ہے اور ہر قبیلہ کو کچھ ذمہ داریاں دی ہوئی تھیں۔اور ہر قبیلہ کا ایک امیر یا لیڈر ہوتا تھا۔بعض قبائل میں ایک سے زیادہ با اثر لوگ ہوتے تھے اور تمام کام دارالندوہ جس کا ذکر ہو چکا ہے اس میں بیٹھ کر مشورہ سے حل کئے جاتے تھے۔قبائل کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

ا۔ خاندان ہاشمؓ یعنی حضور پاکؐ کا خاندان۔جناب عبدالمطلبؓ کی وفات کے بعد حضور پاکؐ کے چچا زبیر، خاندان کے کچھ عرصہ سربراہ رہے۔لیکن نبوت کے اعلان سے پہلے وہ فوت ہو گئے۔اور اب ایک طرف جناب ابو طالبؓ کو لیڈر مانا جاتا تھا۔تو دوسری طرف، ابو لہب اپنی ڈفلی بجاتا رہتا تھا۔جناب عباسؓ کے سپرد حجاج کو پانی پلانا تھا۔اور جناب حمزہؓ اپنے شکار اور سیر و تفریح میں مصروف رہتے تھے۔جناب ہاشمؓ کے بھائی المطلب جن کی اولاد نے مکمل طور پر اپنے آپ کو بنو ہاشم کا حصہ بنا دیا تھا ان میں المطلب کے پوتے جناب عبیدہؓ بن حارث کا ذکر ضروری ہے۔جو جلدی آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔

۲۔ خاندان نوفل جناب ہاشمؓ کے تیسرے بھائی نوفل کی اولاد۔غریب حجاج کی خبر گیری کرتے تھے اور اس زمانے میں ان کا سردار حارث بن عامر تھا۔

۳۔ خاندان عبد شمس جناب ہاشمؓ کے چوتھے بھائی عبد شمس کی اولاد والے ایک خاندان بھی تھے اور آگے دو حصوں میں بھی بٹ چکے تھے۔اس خاندان کی تفصیل شجرہ نسب "د" پر ہے۔انہوں نے حضور پاکؐ کی بہت مخالفت کی۔ایک حصہ بنو امیہ کہلاتا تھا اور ابو سفیان بن حرب ان کا لیڈر تھا۔دوسرا حصہ بنو ربیعہ تھا جن کا لیڈر ابو سفیان کی بیوی ہندہ کا باپ عتبہ بن ربیعہ تھا

جنگ میں اہل قریش کی سپہ سالاری اس خاندان کے ہاتھ میں ہوتی تھی ۔ البتہ اس خاندان کے جناب عثمانؓ بن عفان عتبہ کے بیٹے جناب ابو خدیفہؓ ، اور سعید بن عاص کے دو بیٹوں جناب خالدؓ اور جناب عمروؓ پر نبوت کے جمال کا بہت جلد اثر پڑ گیا ۔ ام المومنین ام حبیبہؓ بھی اسی خاندان سے تھیں ۔ یعنی ابو سفیان کی بیٹی تھیں ۔

۴ ۔ **خاندان ابو لدار** جناب ہاشمؓ کے چچا الولدار کا خاندان ، جو قریش کی علمبرداری کا کام کرتے تھے ۔ اسلام کے علمبردار اور شہید احد جناب معصبؓ بن عمیر اسی خاندان سے تھے لیکن طلحہ اور عثمان بھی اسی خاندان سے تھے جو قریش کے علمبردار تھے اور جنگ احد میں مارے گئے

۵ ۔ **خاندان اسد** جناب ہاشمؓ کے چچا عبد العزیٰ کے بیٹے اسد کی اولاد کا خاندان ، جو قریش میں باہمی مشورہ کا بندوبست کرتے تھے ۔ ان کا سردار یزید بن ربیعہ تھا ۔ ویسے ام المومنین جناب خدیجہ الکبریٰؓ اور حضور پاکؐ کے پھپھی کے بیٹے اور عشرہ مبشرہ میں شامل جناب زبیرؓ بن عوام بھی اسی خاندان سے تھے ۔ (اوپر بیان شدہ پانچوں خاندان قصیٰ کی اولاد سے تھے)

۶ ۔ **خاندان زہرہ** قصیٰ کے بڑے بھائی زہرہ (جن کا ذکر ہو چکا ہے) کی اولاد ۔ سرکار دو عالمؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ ، جناب عبد الرحمنؓ بن عوف اور جناب سعدؓ بن ابی وقاص اسی خاندان سے تھے ۔ یہ دونوں عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ۔

۷ ۔ **خاندان تیم** قصیٰ کے دادا مرہ کے بیٹے تیم کی اولاد ۔ کچھ مورخین اور کتابت کی غلطی کی وجہ سے اس خاندان اور بنو تمیم جن کا ذکر بائیسویں باب میں ہے کو ایک خاندان بنا دیا ۔ بہرحال بنو تیم قریش میں خون بہا کر فیصلہ کرتے تھے ۔ اور گو اس زمانے میں جناب صدیق اکبرؓ کے والد عثمانؓ (ابو قحافہؓ) زندہ تھے ۔ لیکن سرداری جناب ابو بکرؓ کے ہاتھ میں جا چکی تھی ۔ عشرہ مبشرہ میں شامل جناب طلحہؓ بن عبید اللہ بھی اسی خاندان سے تھے اور ظاہر ہے ام المومنین جناب عائشہ بھی اسی خاندان سے تھیں ۔

۸ ۔ **خاندان مخزوم** قصیٰ کے دادا مرہ کے پوتے مخزوم بن یقیظہ کی اولاد ۔ اس خاندان کی تفصیل بھی شجرہ و نسب "د" پر موجود ہے ۔ اس خاندان کے لوگوں نے حضور پاکؐ کی بہت مخالفت کی ۔ ان کا سردار جناب خالدؓ کا والد ولید بن مغیرہ تھا ۔ لیکن ولید کا بھتیجا ، عمرو بن ہشام (ابو جہل) بھی سردار اور مشہور آدمی تھا کہ سارا یونانی فلسفہ پڑھے ہوئے تھا اور زمانہ جہالت میں " دانائی کا باپ " مانا جاتا تھا ۔ یہ لوگ جنگ کے دوران قریش کے رسالہ کی افسری بھی کرتے تھے ۔ اور اصطبل و خیمہ کا بندوبست بھی کرتے تھے ۔ ویسے یہ اللہ کی عطا ہے ۔ ام المومنین جناب ام سلمہؓ ، ابو سلمہ مخزومیؓ اور جناب ارقمؓ بھی اسی خاندان سے تھے جن پر نبوت کے جمال کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اولین مسلمانوں میں شامل ہو گئے ۔ صلح حدیبیہ کے بعد اس خاندان کے جناب خالدؓ اور فتح مکہ کے بعد جناب عکرمہؓ بن ابو جہل بھی اسلام لے آئے اور ان کی تلوار نے اسلام کی بڑی خدمت کی ۔

۹ ۔ **خاندان عدی** قصیٰ کے پردادا کعب کے بیٹے عدی کا خاندان ۔ یہ لوگ قریش کی سفارت کا کام اور خاندانی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے ۔ خاندان میں عمر کے لحاظ سے جناب زیدؓ بن خطاب بڑے تھے ۔ لیکن سرداری ان کے چھوٹے اور سوتیلے بھائی جناب عمرؓ فاروق کے پاس تھی ۔ شاید ان کے ننھیال بنو مخزوم کے زور کی وجہ سے ایسا تھا ۔ حضرت عمرؓ کے بہنوئی جناب

سعیدؓ بن زیدؓ بھی اسی خاندان سے تھے جن کو عشرہ مبشرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی اسی خاندان سے تھیں۔

۱۰۔ **خاندان سہم** قصیٰ کے پردادا کعب کے پڑپوتے سہم بن عمرو بن حصیص کی اولاد۔ یہ لوگ خزانہ کے سردار تھے اور سرداری حارث بن قیس کے پاس تھی۔ لیکن فاتح مصر حضرت عمروؓ کے والد العاص زیادہ بااثر تھے۔ اس خاندان نے بھی حضور پاکؐ کی بہت مخالفت کی۔ لیکن خنیسؓ اور عبداللہؓ جو حذافہ کے بیٹے تھے ان پر جمال نبوت جلدی اثر کر گیا۔ جناب خنیسؓ، ام المومنینؓ جناب حفصہؓ کے پہلے خاوند تھے اور جناب عبداللہؓ کو کسریٰ ایران کو اسلام کی دعوت دینے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۱۔ **خاندان جمح** قصیٰ کے پردادا کعب کے پڑپوتے جمح کا خاندان۔ جمح، سہم کا بھائی تھا۔ اور سہم و جمح کو اکٹھا کر کے ان کو خاندان حصیص بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑا امیر خاندان تھا۔ اور حضور پاکؐ کی بڑی مخالفت کی۔ اس خاندان کا امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا اور ابی بن خلف جنگ احد میں صفوان بن امیہ نے فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت کی اور اس وقت مسلمان ہوا البتہ فقیر منش صحابی جناب عثمانؓ بن مظعون بھی اسی خاندان سے تھے۔

۱۲۔ **خاندان عامر بن لوئی** قصیٰ کے دادا لوئی کے بیٹے عامر کا خاندان۔ یہ لوگ ذرا دور سے جا کر حضور پاکؐ کے خاندان سے ملتے ہیں اور انہوں نے بھی حضور پاکؐ کی بہت مخالفت کی۔ خاص کر سہیل بن عمرو جو صلح حدیبیہ کے وقت قریش کا نمائندہ تھا اور آخر مسلمان بھی ہو گیا۔ لیکن ان کے بیٹے عبداللہؓ صحابہ بدر ہیں اور ابو جندلؓ بھی صلح حدیبیہ کے وقت اسلام لے آئے جس کا دلچسپ ذکر سولھویں باب میں ہے۔ علاوہ ام المومنینؓ جناب سودہؓ بھی اسی خاندان سے تھیں اور حضور پاکؐ کے پھپھی زاد جناب ابو سبرہؓ بھی جو اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں، اور اس خاندان سے ہیں۔

۱۳۔ **خاندان الحارث** فہر کے بیٹے الحارث کا خاندان۔ یہ خاندان بہت ہی دور یعنی قریش کے جد امجد فہر پر جا کر حضور پاکؐ سے ملتا ہے۔ اور اس خاندان کو فاتح شام و فلسطین امین لامت جناب ابو عبیدہؓ بن جراح پر ہمیشہ فخر رہے گا اور اسی وجہ سے اس عاجز نے خاندان کے لیے جمال نبوت کی جھلک کے سلسلہ میں ان کے ذکر کو ضروری سمجھا۔

(ان تیرہ کے تیرہ) خاندانوں کی نشاندہی شجرہ نسب "الف" پر کر دی گئی ہے۔ (اس کتاب میں جن لوگوں کا اکثر ذکر ہوا، خاص کر صحابہ کرامؓ تو ان کے نام بھی شجرہ میں موجود ہیں۔ باقی نام بھی اس شجرہ یا باقی شجروں میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔)

حلیف قبائل اوپر بیان شدہ قریش قبائل کے علاوہ ہماری کتاب میں چند حلیف قبائل اور ان سے صحابہ کرامؓ کا ذکر آئے گے۔ یہ لوگ قریش نہ تھے یعنی فہر کی اولاد سے نہ تھے۔ لیکن عرب النسل ضرور تھے۔ یا فہر سے اوپر جا کر ان میں سے کچھ کا شجرہ نسب حضور پاکؐ کے ساتھ مل جاتا تھا۔ ان میں سے چند کا ذکر ضروری ہے۔ اور حلیف کا مطلب یہ تھا کہ ایسے لوگوں کے کسی بڑے نے اپنے آپ کو قریش مکہ کے کسی قبیلہ کے ساتھ ایسے وابستہ کر دیا کہ وہ ان قبیلوں کے دکھ سکھ کے علاوہ مکمل قبائلی بندھنوں میں بھی اس قبیلہ کے لوگوں والی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور یہ سلسلہ ان کی اولادوں کو بھی لاگو تھا
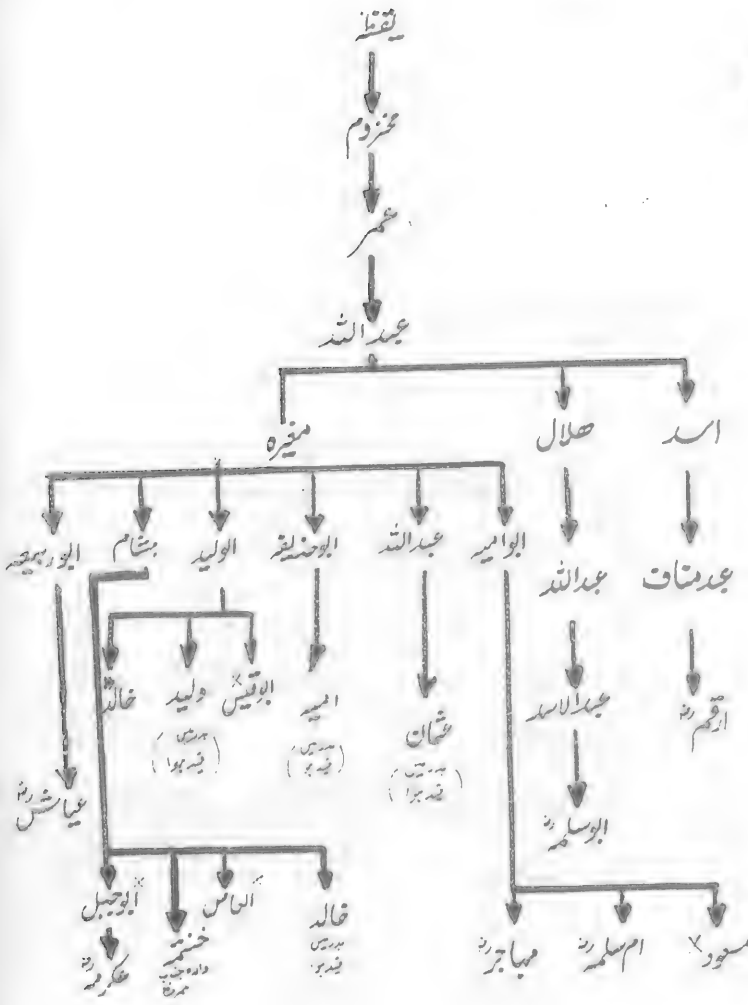
بنی مخزوم نے اسلام کی سخت مخالفت کی ۔ جن پر وہ جنگ بدر میں مارے گئے ۔ لیکن کل مخزومیوں اور ان کے حلفاء جو مارے گئے ان کی تعداد سترہ بنتی ہے ۔ یعنی بدر میں مرنے والوں کا ایک چوتھائی ۔ قید ہونے والوں کی تعداد پندرہ ہے لیکن یہ سب لوگ ذرا دور سے تھے اور اتنے مشہور نہ تھے ۔ اس لئے نام نہیں لکھے گئے ۔ لیکن بنی مخزوم میں جناب ارقمؓ، ام سلمہؓ، اور ابو سلمہؓ، اولین مسلمان ہیں ۔ خالدؓ، اور اس کا بھائی ولیدؓ، اور عکرمہؓ بھی بعد میں اسلام بھی لے آئے

بنو عبد اشمس کے جن آدمیوں کے نام کے اوپر × لگا ہوا ہے وہ سب جنگ بدر میں مارے گئے ۔ تو خاندان کی مخالفت کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی حضرت عثمانؓ، حضرت ابو خذیفہؓ، اور حضرت خالدؓ اولین اسلام لانے والے ہیں ۔ ابو سفیانؓ، اور اس کے دو بیٹے یزیدؓ اور معاویہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے ۔

مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر
کلاب رح
جن دو خاندانوں نے حضور پاکؐ کی زیادہ
مخالفت کی اُن کے شجرہ ونسب کا خاکہ
قصی رح
عبد مناف رح
(بنو عبد شمس)
ہاشم رح
عبد شمس
ربیعہ
امیہ
عبدالمطلب رض
عتبہ×
شیبہ×
حرب
ابی معیط
العاص
عبداللہ رض
ابوحذیفہ رض
ولید
ابوسفیان رض
محمد
صلی اللہ علیہ وسلم
عقبہ×
عفان
حکم
سعید
حنظلہ×
عمرو
جنگ بدر میں قید ہوا
یزید رض
فتوحات شام میں سالار لشکر
معاویہ رض
عثمان رض
مروان
یزید پلید
خالد رض
العاص×
عبیدہ×
عمرو رض
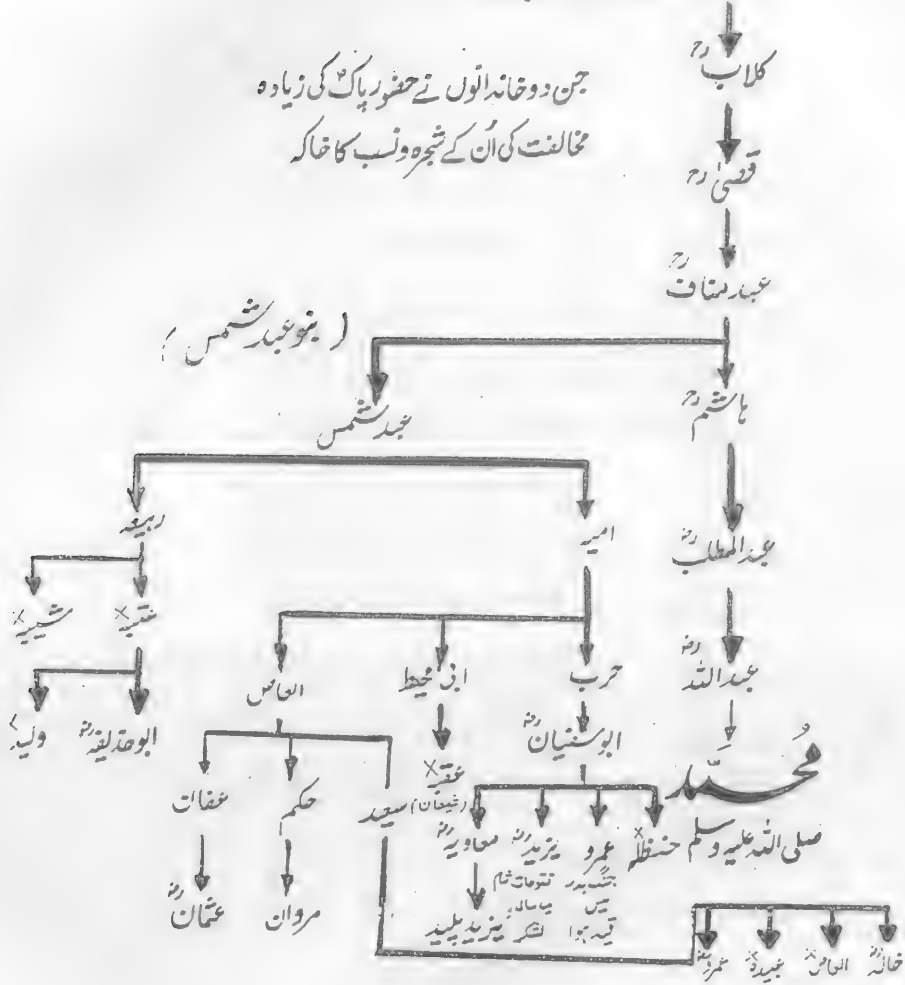
ا۔ بنو خزیمہ کی ایک شاخ بنو عبد شمس کا حلیف قبیلہ بنا ہوا تھا۔ اس قبیلہ سے حضور پاکؐ کی پھپھی زاد حضرت زینبؓ جن کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا اور ان کے بھائی جناب عبداللہؓ بن جحش اولین مسلمانوں سے ہیں۔ اس کے علاوہ بدری صحابہ جناب عکاشہؓ بن محصن ان کے بھائی خذیفہؓ اور جناب شجاعؓ بن وہب کا تعلق بھی اسی حلیف قبیلہ سے تھا۔

ب۔ جناب عتبہؓ بن غزوان کا تعلق بھی ایک حلیف قبیلہ سے تھا اور انہوں نے خاندان نوفل (اوپر نمبر شمار ۲) کے ساتھ اتحاد کیا ہوا تھا۔

ج۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے خاندان نے خاندان مخزوم (اوپر نمبر شمار ۸) کے ساتھ اتحاد کیا ہوا تھا۔ آپ کا قبیلہ یمن سے آیا تھا۔

د۔ حضرت مقدادؓ بن عمرو اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے قبیلوں نے خاندان زہرہ (اوپر نمبر شمار ۶) سے اتحاد کیا ہوا تھا

یہ تھے وہ خاندان، سیاسی حالات اور مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل کے بندھن جب حضور پاکؐ پر وحی جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ گزارش ہو چکی ہے کہ سورۃ اقراء کے بعد سورہ ضحیٰ اتری جس میں اس دنیا میں بھی خیر اور آخرت میں جزا کے ذکر کے علاوہ متعدد اور اہم آیات ہیں جو اسلامی فلسفہ حیات کا بیان چند الفاظ میں نہایت وسیع اور پر معنی پیرائے میں کر دیتی ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے حضور پاکؐ کو وضو اور نماز (صلوۃ) کا طریقہ سکھایا۔ کہ مل کر عبادت کیسے کی جائے۔ روحانی اور بدنی وحدت کا مظاہرہ کیسے ہو وغیرہ کہ اس وقت تک ایک طرف نبوت کے جمال کے اثرات دوسری طرف جناب صدیق اکبرؓ کی دعوت یا ان کے ساتھ مشورہ کی وجہ سے چند ہستیاں کارواں حق کا ہراول بن چکی تھیں۔ ان کا مختصر ذکر ضروری ہے۔

۱۔ **حضرت عثمانؓ بن عفان** (بنو عبد شمس) جناب عثمانؓ، حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ وہ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ وہ لوگ معان اور الزرقا کے درمیان سو رہے تھے۔ کہ ایک شخص (رجل الغیب) کی منادی نے ہمیں جگا دیا۔ وہ کہتا تھا۔ "اے سونے والو جلدی ہوا کی طرح چلو۔ کیونکہ محمدؐ مکہ میں آگئے"۔ یہاں آئے تو جناب ابو بکرؓ نے بھی اسی راستے کی نشاندہی کی۔ اب آپؐ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہو گیا ہوں"۔

۲۔ **حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ** (بنو تیم) آپ دور سے جناب ابو بکرؓ کے بھتیجے بھی تھے۔ آپ نے حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "کہ وہ وادی یرموک میں بصریٰ کے مقام پر تھے کہ ایک راہب مکہ مکرمہ کے کسی آدمی کی تلاش میں تھا۔ تو وہ جناب طلحہؓ کو مل گیا اور ان کو کہا "احمدؐ ظاہر ہو گئے"۔ جناب طلحہؓ کچھ حیران ہو رہے تھے تو راہب نے کہا کہ "عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے بیٹے" اور پھر اس راہب نے مجھے نصیحت کی "کہ ان کا دامن پکڑ رکھنا۔ ان کی ہجرت گاہ کھجور کے باغ اور پتھریلی اور شوریا پانی سے بلند زمین کی طرف ہو گی۔ میں یہاں آیا تو جناب صدیق اکبرؓ نے بھی آپؐ کے دین میں آنے کی دعوت دی۔ تو اب غلامی کے لیے حاضر ہو گیا ہوں"۔

۳۔ **جناب زبیرؓ بن عوام (بنو اسد)** آپ حضورؐ پاک کی پھپھی حضرت صفیہؓ کے بیٹے ہیں۔ گو عمر صرف سولہ سال تھی۔ لیکن اپنے باقی پھپھی زاد جناب عبداللہؓ بن جحش اور ابو سلمہؓ مخزومی جیسے اولین اسلام لانے والوں پر بھی سبقت لے گئے۔ کہ

حضور پاکؐ کے جمال کے اثرات پر بہت جلد ہو گیا۔

۴۔ **حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف** (بنو زہرہ) حضورؐ پاک کے ننھیال سے۔آپ پر حضور پاکؐ کے جمال کا اثر بہت جلدی ہو گیا اور خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔آپ کا نام عبد عمرو تھا۔یعنی کسی عمرو کا غلام۔حضور پاکؐ نے فرمایا کہ رحمن کی غلامی اختیار کرنے کے بعد تم اب "عبدالرحمن" ہو۔اور اس طرح آپ کا نام تبدیل ہو گیا

۵۔ **حضرت سعدؓ بن ابی وقاص** (بنو زہرہ) حضورؐ پاکؐ کے ننھیال سے آپ دوسری ہستی ہیں جن پر حضور پاک کا جمال جلدی اثر کر گیا۔آپ حضور پاکؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ کے جناب عبدالرحمنؓ سے بھی زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں کہ پہلے یہ مشہور ہوا کہ آپ حضور پاکؐ کی والدہ کے بھائیوں کے خاندان سے ہیں تو کسی نے آپ کو حضور پاک کا ماموں لکھ دیا۔اور اس زمانے میں یہ روایت عام ہو گئی تو اللہ کی تلوار کی مصنف جنرل اکرم نے تحقیق کر کے اپنی کتاب میں کہہ دیا کہ جناب سعدؓ کا حضور پاکؐ سے کوئی رشتہ نہ تھا۔اس جیسی اور کئی اور غلط تحقیقوں نے اس عاجز کو مجبور کیا کہ وہ بھرپور تحقیق کرے اور یہ شجرہ نسب کے چارٹ دینے میں یہی مقصد ہے کہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔چنانچہ یہ شجرہ ظاہر کرے گا کہ آپ کے والد کا نام مالک تھا اور وہ جناب آمنہؓ کے چچیرے بھائی اور حضور پاکؐ کے ماموں بنتے ہیں اور جناب سعدؓ ماموں زاد بھائی۔جناب سعدؓ فاتح ایران ہیں اور اسلام یا حق کے لیے پہلا تیر چلانے کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہے۔اور اسی باب میں آگے ایک جھڑپ میں ان کے ہاتھ سے ایک کافر کی مرمت کا ذکر بھی ہے۔

اسلام لانے کی سعادت (تیسرا گروہ) پہلے اور دوسرے گروہ کی شان بیان ہو چکی ہے اب تیسرے گروہ کا سرسری ذکر ضروری ہے کہ ان صاحبان پر بھی حضور پاکؐ کے جمال کے ایسے اثرات ہوئے کہ کھلی دعوت سے پہلے ایمان لے آئے اور پھر قافلہ حق میں نمایاں کام کئے

۱۔ **ابو عبیدہؓ بن جراح** (بنو حارث) آپ کا نام عامر یا امیر تھا اور باپ کا نام عبداللہ تھا لیکن کنیت ابو عبیدہ اور دادا کے نام جراح سے مشہور ہوئے۔آپ ہی امین الامت کہلائے اور عشرہ و مبشرہ میں شامل ہیں۔آپ ہی فاتح شام ہیں۔

۲۔ابو سلمہؓ بن عبدالالہ (بنو مخزوم) آپ حضور پاکؐ کے پھپھی زاد بھی ہیں اور ام المومنین ام سلمہؓ کے پہلے خاوند۔ایک جنگ میں زخموں کی وجہ سے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۳۔ام سلمہؓ بنت ابو امیہ۔ زوجہ ابو سلمہؓ اور بعد میں ام المومنین

۴۔الارقمؓ بن عبد مناف (بنو مخزوم) آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور پاکؐ آپ کے گھر میں بیٹھ کر مجلس لگاتے اور دین حق کی تبلیغ فرماتے

۵۔عیاشؓ بن ابو ربیعہ بن المغیرہ۔(بنو مخزوم)

۶۔عاصمہؓ بنت سلامت۔زوجہ عیاش بن ابو ربیعہ

۷۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون (بنو جمع یا بنو حصیص)

۸۔ جناب قدامہؓ بن مظعون

۹۔ جناب عبداللہؓ بن مظعون

۱۰۔ جناب سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون

جناب عثمانؓ آپ کے دو بھائی اور بیٹا تقریباً اکٹھے ایمان لے آئے۔ جناب عثمانؓ ایک دن حضور پاکؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضور پاکؐ کچھ اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے یا کوئی پیغام مل رہا تھا۔ پس جیسے حضور پاکؐ کی نظریں واپس آئیں تو نگاہ ساتھ بیٹھے حضرت عثمانؓ پر پڑ گئی۔ پھر کیا تھا جناب عثمانؓ کا دل بنیادہ حاصل کر گیا جو ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہوتی ہے۔ دوسرے دن خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔ آپ فقیر منش تھے اور دنیا سے تارک ہونا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی سے بھی کنارہ کش ہونا چاہتے تھے۔ لیکن حضور پاکؐ نے اجازت نہ دی۔ کہ اسلام دین فطرت ہے اور مسلمان سب کام کریں گے۔ آپ پہلے مہاجر ہیں جو حضور پاکؐ کی زندگی ہی میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔

۱۱۔ جناب عبیدہؓ بن الحارث۔ (بنو ہاشم) آپ دراصل جناب ہاشمؓ کے بھائی المطلب کے پوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی اولاد کو بنو ہاشم میں شیر و شکر کر دیا تھا۔ آپ جنگ بدر میں زخموں کا تاب نہ لا کر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے راستے میں وفات پا گئے۔

۱۲۔ جناب جعفر طیارؓ بن جناب ابی طالبؓ۔ حبشہ میں مسلمانوں کے امیر اور جنگ موتہ کے دوسرے سالار اور شہید

۱۳۔ جناب اسماءؓ بن عمیس۔ زوجہ جعفر طیارؓ شہید

۱۴۔ جناب سعیدؓ بن زیدؓ (بنو عدی) عشرہ مبشرہ میں شامل۔ جناب عمر فاروقؓ کے چچا کے بیٹے کے بیٹے جن کا کافی ذکر ہو چکا ہے۔

۱۵۔ جناب فاطمہؓ بنت خطاب زوجہ جناب سعیدؓ (جناب فاروقؓ کی بہن)

۱۶۔ جناب اسماءؓ بنت ابو بکرؓ (بنو تیم) بعد میں جناب زبیرؓ بن عوام کے ساتھ شادی کی

۱۷۔ جناب عائشہؓ بنت ابو بکرؓ جو بعد میں ام المومنین بنیں۔

۱۸۔ جناب عمیرؓ بن ابی وقاص (بنو زہرہ) جناب سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی۔

۱۹۔ جناب عبداللہؓ بن مسعود (بنو زہرہ کے حلیف قبیلہ سے) اسلام کے عظیم عالم۔ حضورؐ پاک کے جمال کی جھلک کا بیان بعد میں۔

۲۰۔ جناب حبابؓ بن ارط۔ (بنو زہرہ کے حلیف قبیلہ سے)

۲۱۔جناب مسعودؓ بن القارہ (بنو زہرہ کے حلیف قبیلہ سے جو تیر اندازی میں مشہور تھے)

۲۲۔جناب سلیطؓ بن عمرو (بنو عامر بن لوئی)

۲۳۔جناب خنیسؓ بن حذافہ (بنو سہم) ام المومنین جناب حفصہؓ بنت عمرؓ کے پہلے خاوند

۲۴۔جناب عامرؓ بن ربیعہ (بنو سہم کے حلیف قبیلہ سے)

۲۵۔عبداللہؓ بن جحش (بنو خزیمہ سے جو بنو عبد شمس کے حلیف تھے) آپ ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی اور حضور پاکؐ کی پھپھی حضرت امیمہؓ کے بیٹے ہیں۔جنگ احد میں شہادت پائی

۲۶۔ابو احمدؓ بن جحش۔جناب عبداللہ کے بھائی

۲۷۔جناب حاطبؓ بن الحارث۔حذافہ بن لوئی کی اولاد سے

۲۸۔جناب فاطمہؓ بنت المجلیل۔جناب حاطبؓ کی زوجہ محترمہ

۲۹۔جناب خطابؓ بن الحارث۔(خاندانی تفصیل کہیں سے نہ مل سکی)

۳۰۔جناب الفکیہؓ بنت یاسر۔جناب خطابؓ کی زوجہ محترمہ

۳۱۔جناب المطلبؓ بن اظہر۔حارث بن لوئی کی اولاد سے

۳۲۔جناب رملہؓ بنت عوف۔جناب المطلبؓ کی زوجہ محترمہ

۳۳۔جناب نائمؓ بن عبداللہ۔اسد بن لوئی کی اولاد سے

۳۴۔جناب امیرؓ بن فہیرہ۔جناب ابو بکر صدیقؓ کا آزاد کردہ غلام

۳۵۔جناب خالدؓ بن سعید بن العاص (بنو عبد شمس) آپ کے خواب کا ذکر ہو چکا ہے۔آپ مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کے افسر مہمانداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔جناب صدیقؓ کے زمانے میں شام میں ایک لشکر کے سپہ سالار تھے۔جناب فاروقؓ کے زمانے میں ملک شام کی ایک جنگ میں شہادت پائی۔آپ کے بھائی جناب عمروؓ بھی اسلام لائے۔

۳۶۔جناب آمنہؓ بنت خلف بن اسد۔جناب خالدؓ کی زوجہ محترمہ

۳۷۔جناب حاطبؓ بن عمرو۔عبد شمس بن لوئی کی اولاد سے

۳۸۔جناب حضیفہؓ (ہشم) بن عتبہ بن ربیعہ (معلوم ہوتا ہے کہ مورخین یا کتابت والا کوئی آدمی یہ نام صحیح نہ لکھ سکا۔اور آپ ابو حذیفہؓ بن عتبہ ہیں اور آپ کا تعلق بنو عبد شمس سے ہے۔اور آپ کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے آگے بھی ذکر آئے گا)

۳۹۔جناب واقدؓ بن عبداللہ۔آپ غلام تھے۔اور حضرت عمرؓ کے والد خطاب نے ان کو خرید اتھا آپ بجیلہ یا ابو خفیفہ کے نام

سے مشہور تھے بعد میں جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ اپنے والدین کے ناموں سے پکارے جاؤ تو تب آپ نے اپنا اور اپنے والد کا نام ظاہر کیا

۴۰۔جناب خالدؓ بن البقیار۔آپ بنو عدی کے ایک حلیف قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے

۴۱۔جناب عامرؓ

۴۲۔جناب عقیلؓ آپ تینوں جناب خالد کے بھائی تھے۔

۴۳۔جناب الیاسؓ

۴۴۔جناب عمارؓ بن یاسرؓ آپ کا قبیلہ بنو مخزوم کا حلیف قبیلہ تھا اور آپ کے والد جناب یاسرؓ اور والدہ جناب سمیہؓ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے اور اتنی تکلیف برداشت کیں کہ جناب سمیہؓ اس مار پٹائی سے وفات پا گئیں اور اسلام کی پہلی شہیدہ مانی جاتی ہیں۔جناب عمارؓ، حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو کر آپ جنگ صفتین میں شہید ہوئے۔

۴۵۔جناب صہیبؓ بن سنان۔آپ ہی صہیب رومیؓ کے نام سے مشہور ہیں۔گو آپ کا تعلق موصل سے تھا۔لیکن جب بچے تھے تو کوئی اٹھا کر لے گیا اور اناطولیہ میں جا کر بیچ دیا آپ کا رنگ بھی گورا تھا اور غلامی کی حالت میں مکہ مکرمہ، اناطولیہ سے آئے۔تو رومی مشہور ہوئے۔آپ بعد میں جناب ابوبکرؓ کے قبیلہ تیم کے حلیف بن گئے۔آپ نے حضور پاکؐ کے حکم پر مدینہ منورہ ہجرت کی اور حضور پاکؐ کے زمانے میں ہر جنگ میں شریک ہوئے۔حضرت عمرؓ اپنی وفات کے بعد نئے خلیفہ کے چناؤ تک آپ ہی کو امام مقرر کر گئے اور آپ ہی نے حضرت عمرؓ کا جنازہ پڑھایا۔سبحان اللہ۔اللہ کی کچھ عطا ہونے والی تھی تو کہاں سے کہاں تک پھرائے گئے۔

اب تک جو لوگ جمال نبوت کی جھلکیوں سے اپنے دلوں کو منور کر چکے تھے ان کی تعداد تقریباً چون پچپن ہو سکتی ہے یا اس سے کچھ زیادہ۔کہ جو لوگ ایمان لائے ان میں سے کچھ کے ماں و باپ یا کنبہ کے کچھ لوگ ضرور اسلام لائے ہوں گے۔آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایمان لانے والوں میں سے اکثر ایسے لوگ بھی ہیں جو غریب تھے یا اتنے مشہور نہ تھے تو ظاہر ہے کہ ان سب کا مقام بہت اونچا ہے۔آئینہ صاف تھا جمال کی جھلک پڑ گئی تو دل روشن ہو گئے۔پھر دل جوڑ بھی دیئے گئے

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی اخوت کی جہانگیری۔محبت کی فراوانی (اقبالؒ)

اعلانیہ تبلیغ تین سال تک حضور پاکؐ نے نئے دین کے بارے ہمیشہ محدود یا با اعتبار لوگوں میں تبلیغ کی۔اور ان خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہو چکا ہے۔جو اس سے فیضیاب ہوئے۔اس وقت تک دین اسلام کے ان پیروکاروں کے

خلاف کوئی خاص رد عمل نہ ہوا۔ کہ مکمل آزادی تھی اور فرد آزاد تھا۔ کوئی کسی کو کچھ کیوں کہتا۔ لیکن اب سورہ الحجر میں کچھ وضاحت کی گئی۔" کہ نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو مگر ساتھ حق کے۔ اور نہ ہوں گے اس وقت ڈھیل دیئے گئے۔ اور تحقیق اتارا ہم نے اپنا ذکر (نظریہ) اور ہیں ہم واسطے اس کے نگہبان" ظاہر ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ بہت کچھ کہہ گیا۔ اول تو کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج کر ہمیں ہدایت کیوں نہیں دے دیتا۔ تو یہ اس کا جواب تھا۔ ساتھ ہی نہ ماننے والوں کے لیے کہا گیا کہ جب وقت آئے گا تو ان کو ڈھیل نہ دی جائے گی۔ آگے اپنے نظریہ کے اتارنے اور اسکی حفاظت کا اعلان بھی ہو گیا۔ یہ عاجز پہلے ذکر کر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک کو آہستہ اتارنے میں کچھ مقاصد تھے کہ عمل ساتھ ساتھ ہو وغیرہ۔ اب جو یہ کھلی وضاحت آئی تو دین حق کو نہ ماننے والوں کے دل میں کچھ فکر پیدا ہوا کہ ساتھ ہی اسی سورۃ الحجر میں حکم آگیا۔" پس آشکارا کر اس چیز کو کہ حکم کیا جاتا ہے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے"۔ اسی دوران سورۃ الشعراء میں یہ حکم آیا" ڈراؤ اپنے قبیلہ اور نزدیک والوں کو"

اولاد عبدالمطلبؒ کی دعوت ابن اسحٰق کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کے یہ واضح احکام مل گئے تو حضور پاکؐ نے اپنے دادا کی اولاد سے تقریباً چالیس افراد کی دعوت کا بندوبست کیا۔ حضور پاکؐ نے جناب علیؓ کو فرمایا کہ بکری کی ایک ٹانگ گوشت لے آئیں۔ اس کو پکوایا۔ کچھ روٹیاں پکوائیں اور دودھ کا ایک پیالہ منگوا لیا۔ ان تینوں چیزوں پر حضور پاکؐ نے اپنا لقمہ ڈال دیا۔ اور تمام مہمانوں کو کھانے کے لیے بسم اللہ کرنے کو کہا۔ اب جناب علیؓ کے مطابق کھانا صرف اتنا تھا کہ اس کو ایک دو آدمی کھا جاتے۔ لیکن یہاں سب مہمان کھانے سے سیر ہو گئے اور کھانا ویسے کا ویسا رہا۔ اب حضور پاکؐ کچھ فرمانے ہی لگے تھے کہ ابولہب جو کچھ حیران ہو رہا تھا جلد بول اٹھا۔" اے اولاد عبدالمطلبؓ تم پر جادو ہو گیا ہے۔ یہاں سے بھاگ نکلو" چنانچہ حضور پاکؐ اپنے خاندان والوں کو دعوت اسلام نہ دے سکے۔

تبصرہ قارئین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ اس ابولہب کے باپ کے گھر اللہ تعالیٰ نے چشمہ جاری کیا۔ ساری دنیا سیراب ہو گئی۔ ابولہب ویسے کا ویسا رہ گیا۔ یا ابولہب کے باپ کے گھر سراج المنیر طلوع ہوا جس سے ساری دنیا روشن ہو گئی۔ لیکن وہ بے چارہ اندھیرے میں رہا۔ کتنا بدقسمت تھا ابولہب۔ کیا یہ عبرت کا مقام نہیں ہے؟ لیکن ہم کہاں کے اچھے ہیں۔ ہم بھی آج غیروں سے علم حاصل کر رہے ہیں۔ اور اپنے سراج منیر سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

دوسری دعوت بہر حال حضور پاکؐ نے جلد ہی دوسری دعوت کا بندوبست کیا۔ اور ایسے جلال کا مظاہرہ کیا کہ کسی کو جلد اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپؐ نے تفصیلی خطبہ دیا۔ اور فرمایا" میں تمہارے لئے اس جہاں اور اگلے جہاں کی بھی بہتری لایا ہوں۔ اور جو میری ہمراہی کرے گا اس کو دونوں جہاں حاصل ہو جائیں گے"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا۔" یہ میرا بھائی ہے اس کی

بھی اطاعت کرو" یہ سن کر ابو لہب اور اس جیسا ایک آدھ اور ہنس پڑے۔ بے چارے بد قسمت تھے لیکن باقی لوگوں پر کافی اچھے اثرات پڑے۔

کوہ صفا پر دعوت ابن سعد کے مطابق انہی دنوں میں ایک دن حضور پاکؐ کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ اور پکار اٹھے "اے گروہ قریش، اے بنو عبد المطلب!۔ اے بنو عبد مناف!۔ اے بنو زہرہ۔ وغیرہ" (تقریباً سب قبائل کے نام لئے) اور پھر فرمایا۔ "اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کی جڑ میں ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟" لوگوں نے کہا "جی ہاں آپؐ ہمارے نزدیک امین اور صادق ہیں اور ہمیں آپؐ کے کذب کا کوئی تجربہ نہیں "آپؐ نے فرمایا۔ "میں ایک عذاب شدید سے تمہیں ڈرانے والا ہوں۔" آپ نے پھر تمام قبائل کے نام لئے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں۔ اور میں نہ تو دنیا کی تمہاری کسی منفعت پر قادر ہوں اور نہ آخرت کے کسی حصہ پر سوائے اس کے کہ تم لاالہ الااللہ کہو۔ حضور پاکؐ تفصیل میں گئے اور فرمایا "بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ"۔ تو آگے سے دنیا کا بد قسمت ترین انسان ابو لہب پکار اٹھا "کیا اسی لئے آپؐ نے ہمیں جمع کیا تھا؟" پھر کچھ نازیبا الفاظ بھی استعمال کئے تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابی لھب نازل فرمائی۔ کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے۔ اور یہ ذکر آج بھی جاری و ساری ہے

تبصرہ حضور پاکؐ کی عام لوگوں کے سامنے اس پہلی تقریر کو اکثر مبصرین نے بڑے پیارے انداز میں پیش کیا۔ خاص کر بریگیڈیر ملک نے انگریزی کے ایک مضمون "لیڈر شپ" میں اس طرز بیان اور بیان کی کشش کو ایک عظیم مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن ایک صاحب جو فقر کا کچھ دعوی کرتے ہیں انہوں نے اس بیان کو پیشگوئی بنا دیا۔ کہ یہ فتح مکہ کے وقت آنے والے لشکر کا وقت سے پہلے اعلان تھا۔ اس عاجز کے خیال میں یہ صرف طرز بیان تھا۔ اور اس کو حضور پاکؐ کے فتح مکہ کے وقت آنے والے لشکر سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ وہ اہل حق کا لشکر تھا۔ جو سراسر جمال و جلال کا مظہر تھا۔ جس کی تفصیل انیسویں باب میں موجود ہے کہ اہل حق کا وہ لشکر چاروں سمت سے خوشخبری کے ساتھ سر جھکائے اللہ تعالیٰ کے گھر میں داخل ہوا۔ اس کو قریش کا دشمن لشکر کہنا یا ایسی تشبیہ دینا ٹھیک نہیں۔ اور ہمیں حضورؐ پاک کے الفاظ کے ہمارے اپنے بودے معنی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

دعوت عام پر رد عمل گزارش ہو چکی ہے کہ قبائلی بندھنوں کو چھوڑ کر قریش معاشرہ میں فرد آزاد تھا۔ اور عقیدہ کے لحاظ سے جو چاہتا کر سکتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی کچھ لوگ عیسائی ہو گئے تو کسی نے پرواہ نہ کی، کچھ موحد تھے۔ کہ صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ کچھ دین ابراہیمؑ یا دین حنیف کے پیروکار تھے۔ یا اس دین میں جو غلط راہیں نکل آئی تھیں ان سے بیزار تھے۔ لیکن ایسے لوگ فرد تھے یا فرداً فرداً تھے کہ کسی نے پرواہ نہ کی۔ لیکن مسلمانوں کے دین کو کئی وجوہات کے

تحت ناپسند کیا گیا۔ بڑی بات یہ تھی کہ مسلمان ایک جماعت تھے تو اس طرح قریش کے طرز معاشرت قبائلی جمہوریت اور فرد آزادی کی جگہ اسلام اللہ تعالیٰ کی آمریت کو جاری وساری کرنا چاہتا تھا تو قریش کو اپنی آزادی فکر اور آزادی عمل کو دھچکا لگتا نظر آیا۔ دوم ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اسلام میں سرداری اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام کے تابع تھی اور سردار وہ بنتا جس کو حضور پاکؐ مقرر کرتے۔ سوم اسلام نے بت پرستی بدعتوں اور معاشرہ میں غلط روایتوں کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے پرانے خیالات کے لوگ یا قبیلہ کا سردار یا متوقع اور مستقبل کے امیدوار سردار اسلام کے خلاف ہو گئے۔ قارئین اس پہلو کو قبائل کے بیان کے تحت بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ سوائے جناب ابو بکر صدیقؓ کے قبیلہ تیم کے اور بعد میں حضرت عمرؓ کے قبیلہ عدی کے باقی اکثر قبائل کے "بڑے بڑے" یا تو حالت کفر میں مارے گئے یا فتح مکہ کے نزدیک اسلام لے آئے۔

مخالف قبائل: البتہ بہت زیادہ مخالفت دو قبائل نے کی جن کا تفصیلی ذکر شجرہ نسب "د" ظاہر کرے گا کہ ایک قبیلہ بنو عبد شمس تھا۔ عبد شمس کی اپنے بھائی حضرت ہاشمؒ کے ساتھ رقابت کا ذکر چوتھے باب میں ہو چکا ہے۔ یہ رقابت اور سب کچھ جناب ہاشمؒ کی اولاد میں جاتا ہوا ان کے سرداروں کو ضرور نظر آیا۔ اس لئے انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضور پاکؐ کی خوب مخالفت کی۔ لیکن حق کے پہلے معرکہ جنگ بدر میں اس قبیلہ کا بڑا نقصان ہوا۔ ربیعہ بن عبد شمس کا خاندان تو تقریباً مٹ ہی گیا۔ باقی فتح مکہ تک مخاصمت کرتے رہے۔ اور بعض لوگ بعد میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ یا واقعہ کربلا کو بھی اسی دشمنی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن یہ عاجز الیمانہ کہے گا کہ بنو امیہ کے جو لوگ اسلام لے آئے ان کے اسلام پر شک مناسب تو نہیں۔ البتہ حکومت کی چاہت بنو امیہ والوں کو زیادہ تھی۔ دوسرا قبیلہ بنی مخزوم تھا، جو دراصل پہلے ہی سے قصیٰ کی اولاد کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ پھر عبد مناف کے ساتھ حسد کیا۔ اور بعد میں جناب ہاشمؒ کے ساتھ عبد شمس اور اس کے بیٹے امیہ نے جو اختلاف کیا تو بنی مخزوم نے عبد شمس کا ساتھ دیا۔ اب جب حضور پاکؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو اس قبیلہ کے عمرو بن ہشام (ابو جہل) نے صاف لفظوں میں کہا کہ "بنو ہاشم ہمارا حریف قبیلہ ہے۔ ہم بنو ہاشم سے کسی پیغمبر پر ایمان نہیں لا سکتے"۔ یعنی دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ ابو جہل سے پوچھتا کہ وہ کس کو پیغمبر بنائے۔ (توبہ اللہ)۔ بنی مخزوم کا اور ان کے حلیف قبائل کا بھی حق کے پہلے معرکہ جنگ بدر میں بے پناہ نقصان ہوا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان دو قبائل میں دو سنجیدہ آدمی بھی تھے جن کا آگے بھی ذکر آتا رہے گا۔ وہ بنو مخزوم میں جناب خالدؓ کے والد ولید بن مغیرہ اور بنو عبد شمس میں عتبہ بن ربیعہ تھے۔ لیکن دونوں کی "سنجیدگی" ان کے ذرا بھر بھی کام نہ آئی۔ ہاں دونوں کے بیٹوں پر جمال نبوت کی جھلک پڑی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

بیت المقدس سے تعلق: مسلمانوں کے خلاف کفار یا قریش مکہ کی عداوت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

مسلمانوں کا مذہب عیسائیوں کی کئی باتوں کے ساتھ ملتا تھا اور شروع شروع میں مسلمان نماز بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے ۔ قریش عام طور پر عیسائیوں کو ناپسند کرتے تھے کہ انہی میں سے ایک ابرہہ نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش بھی کی تھی ۔ انہی دنوں میں اہل ایران (آتش پرست) اور اہل روم (عیسائی) کے درمیان جنگ بھی جاری تھی ۔ ایران کو فتوحات حاصل ہو رہی تھیں اور قریش خوشیاں منا رہے تھے ۔ تب ہی اللہ تعالیٰ نے مکی سورۃ روم میں فرما دیا کہ یہ فتوحات وقتی ہیں بعد میں حالات تبدیل ہو جائیں گے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کچھ تسلی بھی دینا چاہتا تھا ۔ کہ قریش اپنی طاقت کے گھمنڈ اور اہل روم کی ایران کے ہاتھوں شکست کی وجہ سے کچھ تکبر بھی کر رہے تھے ۔ حضور پاکؐ البتہ مسلمانوں کو تسلی دے رہے تھے کہ ان کو صرف یہ فکر کرنا چاہیے ۔ کہ ان کا اپنا مقصد حیات کیا ہے ۔

جہاد بالنفس: اسلامی فلسفہ حیات کی بنیاد جہاد بالنفس پر ہے ۔ اور حضور پاکؐ اپنی تبلیغ اور تعلیم کے ذریعہ سے ہر فرد کے ذاتی کردار کو صحیح راستے پر استوار کر رہے تھے ۔ اس چیز کو فوجی زبان میں ذاتی تربیت (Individual Training) کہتے ہیں ۔ اور تب ہی ہم کہتے ہیں کہ دنیاوی فوجیں، مسلمانوں (اللہ کی فوج) کی کچھ نہ کچھ نقل ضرور ہیں ۔ ایسی تربیت کے لئے اسلام کے لحاظ سے اول ضرورت ایمان اور عقیدہ کی ہوتی ہے ۔ اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے کاربند رہنے کو اپنایا جاتا ہے ۔ اس سلسلہ میں ہمارے آقا حضور پاکؐ ایسے اعلیٰ کردار کا ذاتی نمونہ پیش کر کے اپنے غلاموں کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی فرما رہے تھے ۔ حضور پاکؐ کے عظیم رفقاء ان حق والی باتوں پر ذاتی طور پر سختی سے کاربند ہو رہے تھے ۔ اور پھر تیسری ضرورت کو ساتھ شامل کر دیا گیا اور وہ عبادات ہیں ۔ اول صلوٰۃ (نماز) اور ذکر و فکر آئے ۔ روزہ پہلے نفل کے طور پر تھا اور بعد میں وہ بھی فرض ہو گیا کہ نماز اور روزہ سے روح اور جسم کو ایک کر کے اللہ تعالیٰ کے تابع کیا جاتا ہے ۔ زکوٰۃ اور قربانی یا اسلامی طرز کی اجتماعی ضرورتیں ہیں ۔

اجتماعی جہاد: چنانچہ اسلام دین فطرت کے طور پر ذات سے بڑھ کر جماعت کو اولین حیثیت دیتا ہے ۔ اور مسلمانوں کی تعداد اب پچاس ساٹھ کے قریب ہو گئی تھی ۔ تو مسلمانوں نے اپنی نماز کو باجماعت پڑھنا شروع کر دیا ۔ لیکن ایسا وہ کفار کی نظروں سے دور کسی وادی یا گھاٹی میں کرتے تھے ۔ ایسی ہی ایک گھاٹی میں جب مسلمان عبادت کر رہے تھے تو چند کفار بھی وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر آوازے کسنے شروع کر دیئے جس سے جھگڑا ہو گیا ۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک مردہ اونٹ کی ہڈی سے ایک کافر کی کچھ زیادہ ہی مرمت کر دی کہ اس کا خون بہنا شروع ہو گیا ۔ اور کفار بھاگ گئے ۔ لیکن دشمنی نے اب جھڑپ کی صورت اختیار کر لی ۔ اور اجتماعی جہاد کی بسم اللہ ہو گئی ۔ لیکن مسلمان ابھی تیار نہ تھے اور جہاد کا وقت نہ آیا تھا ۔ جہاد کے لئے تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ پہلو اس عاجز کی تحقیق میں خاص مقام رکھتا ہے ۔ اور اس سلسلہ میں قارئین بہت کچھ پڑھیں گے ۔ یہ زبانی جمع تفریق نہیں اور صرف فتووں سے کام نہیں چلتا ۔

امیر حمزہؓ اور جناب عمرؓ آغوش اسلام میں: بہر حال گھاٹی میں ہاتھا پائی کی وجہ سے مسلمانوں اور کفار میں جھگڑا بڑھ گیا اور ابو جہل نے ایک عام مجلس کے دوران حضور پاکؐ کے خلاف بڑے برے الفاظ استعمال کیے۔ حضور پاکؐ کے نوجوان چچا سیدنا امیر حمزہؓ، حضور پاکؐ کو پسند تو بہت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت تک وہ ایک شہزادہ کی طرح رہتے تھے۔ اور اپنے شکار اور پرلطف زندگی کے علاوہ انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو مذہب سے بالاتر سمجھتے تھے۔ لیکن جب ابو جہل کی اس حرکت کا ان کو پتہ چلا تو دنیا ہی تبدیل ہو گئی۔ اول ابو جہل کی مرمت کی۔ اور پھر علی الاعلان اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے۔ اور ساتھ ہی کفار کو تنبیہہ بھی کر دی کہ اب کسی مسلمان کو کچھ کہنے یا ہاتھ لگانے سے پہلے ذرا کچھ سوچ بھی لینا۔ اس اعلان کے بعد کسی مسلمان کو ہاتھ لگانا آسان نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کا معاملہ بڑا دلچسپ ہے۔ ان کے ننھیال اسلام کے سخت دشمن تھے کہ ان کی والدہ حنتمہؓ ابو جہل کی بہن تھیں اور ان کے قبیلہ مخزوم کی دشمنی کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری طرف آپ کی بہن جناب فاطمہؓ اور بہنوئی جناب سعیدؓ بن زیدؓ کے اسلام لانے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے اسلام پر کچھ پردہ ضرور رکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ شجرہ نسب میں دکھایا گیا ہے۔ جناب سعیدؓ، حضرت عمرؓ کے خاندان سے بھی تھے اور بھتیجے لگتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے سلسلہ میں کئی کہانیاں اس عاجز کی نظر سے گزریں۔ جن میں ایک یہ بھی ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ حضور پاکؐ کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے تو راستے میں یہ ہوا اور وہ ہوا۔ راقم اس کہانی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ قریش کے رواج کے مطابق کسی کو قتل کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ایسی نیت ابو جہل بھی نہ کر سکا۔ اور چند سال بعد جب سب تیار بھی ہوئے تو تجویز ایسی بنائی کہ بات کسی ایک آدمی یا قبیلہ پر نہ آئے۔ یہ عاجز جس نتیجہ پر پہنچا وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بات چیت کے دوران مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پر تشویش کا اظہار کیا تو آگے سے کسی نے کہا کہ اپنے گھر کی خبر لو یعنی تمہاری بہن بھی مسلمان ہو چکی ہے۔ بہن کے گھر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی کلام سن لی یعنی اللہ تعالیٰ نے "موقع تقدیر" پیدا کر دیا۔ تو چاروں طبق روشن ہو گئے۔ باقی تمام باتیں اس عاجز کو افسانے یا "اضافے" نظر آئے۔

حضور پاکؐ کا شان: لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی اصلی وجہ اور تھی۔ چند دن پہلے حضور پاکؐ نے اپنے رب کے آگے عرض کی "اے رب! اسلام کو عمرو بن ہشام (ابو جہل) یا عمرؓ بن خطاب کے ذریعے سے طاقت دے" اگر آپؐ دونوں کے لئے دعا فرماتے تو دونوں اسلام کی آغوش میں داخل ہو جاتے۔ یہ قسمت کی بات ہے اور اللہ کی عطا ہے۔ خطاب کے اونٹوں کو چرانے والا عمرؓ آج فاروق اعظمؓ ہے۔ یونانی فلسفہ کا عالم اور دانائی کا باپ (ابو الحکم) آج جہالت کا باپ (ابو جہل) ہے۔ یہ عاجزی اور ڈرنے کا مقام ہے۔ شیطان اور ابو جہل میں ایک قدر مشترک ہے۔ دونوں سرداری کے خواہاں تھے اور بڑے متکبر تھے۔ ابو جہل کے بارے روایت ہے کہ جنگ بدر میں مارا گیا تو کہنے لگا سر ذرا نیچے سے کاٹنا کہ سر بڑا

اور کسی سرداد کا سر معلوم ہو۔ایسے متکبر پر حضور پاکؐ کی نگاہ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

حضور پاکؐ کا نگاہ: قارئین! بات ساری حضور پاکؐ کی نگاہ کی ہے جو سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔لیکن یہ نگاہ عاجزوں پر اثر کرتی ہے۔کہ جناب عبداللہؓ بن مسعود غریب چرواہے تھے۔ان کے ریوڑ کے پاس سے حضور پاکؐ اور جناب صدیق اکبرؓ گزرے۔اور بکری کے دودھ کی فرمائش کی۔جناب عبداللہؓ نے معذوری ظاہر کی کہ مالک کی اجازت نہیں۔حضور پاکؐ نے پوچھا کہ کوئی نوجوان بکری (پٹھ) جس نے ابھی بچہ نہ دیا ہو اس کا دودھ وہ استعمال کر سکتے ہیں؟جناب عبداللہؓ نے عرض کی "بے شک" اور وہ ایک پٹھ لے آئے۔حضور پاکؐ نے کچھ پڑھا تو پٹھ کے تھن بڑے ہو گئے اور ان سے حسب ضرورت دودھ نکال لیا۔خود پیا، جناب ابو بکرؓ اور جناب عبداللہؓ کو بھی دیا۔اس کے بعد پھر کچھ پڑھا تو پٹھ کے تھن اصلی حالت میں آ گئے۔جناب عبداللہؓ نے یہ سب کچھ دیکھا تو ان کے دل میں عاجزی آ گئی اور حضورؐ پاک جناب عبداللہؓ کی دیانتداری سے متاثر ہو چکے تھے۔پس نگاہ کی اور جناب عبداللہؓ اس دن سے آپؐ کے ہو گئے۔کہ ساری عمر حضور پاکؐ کی نوکری کی۔اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک زندہ رہے۔اور حضور پاکؐ کے دین کے علم کو وہ پھیلاو دینا نصیب ہوا کہ آج آپ اسلام کے ایک عظیم عالم مانے جاتے ہیں۔کیا دنیا میں کوئی ایسی مثال ہے کہ کوئی ان پڑھ چرواہا اس طرح کا یا اس قسم کے علم کا ہزارواں حصہ علم بھی حاصل کر سکے گا؟ یاد رہے۔حضور پاکؐ معجزے دکھانے نہ آئے تھے۔بلکہ عملی زندگی میں عمل کر کے اپنے غلاموں کو عمل سکھلانے آئے تھے۔اوپر بیان شدہ معجزہ میں زمان و مکان کے پہلو پر حضور پاکؐ کے حاوی ہونے کا ایک مظاہرہ تھا۔معراج شریف کے سلسلے میں اس کی مزید وضاحت ہو گی۔

خلاصہ: اس باب کے بعد آٹھویں باب سے حق و باطل کی ٹکر ہونے کی بنیاد بندھ جائے گی۔تو دونوں ابواب کا اکٹھا خلاصہ پیش کیا جائے گا

تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے (اقبالؒ)

ساتواں باب

مکی زندگی کی جھلکیاں

گذشتہ سے پیوستہ: پچھلے دو ابواب میں حضور پاکؐ کی مکی زندگی کے تقریباً چھیالیس سال کی عمر تک پہنچنے تک کا جائزہ مختصر طور پر پیش ہو چکا ہے۔ اس میں تقریباً چھ سال نبوت کے ہیں اور اس دوران بھی مسلمانوں کی کل تعداد پچاس ساٹھ سے تجاوز نہ کر سکی۔ اگلے سات سال یا نبوت کے تقریباً تیرہ سالوں میں مکی زندگی کے دوران مسلمانوں کی تعداد سو دو سو کے قریب ہی رہی بلکہ ان سو دو سو سے بھی کافی صحابہ کرامؓ کو حبشہ میں ہجرت کر کے جانا پڑا۔ حالانکہ مکی زندگی میں مدنی زندگی کی طرح دین اسلام کو ترجیح کے طور پر اولین حیثیت حاصل نہ تھی۔ اور جماعت بندی زیادہ تر عقیدہ کی حفاظت یا عبادات کے لئے تھی۔ مسلمان معاشرتی طور پر قریش کے کسی فیصلہ میں مخل نہ ہو رہے تھے۔ بہر حال زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ مکی اور مدنی زندگی کا موازنہ واقعات کے بیانات سے خود بخود ہو جائے گا۔ اور ساتھ ساتھ تبصرہ ہوتا رہے گا۔

قرآن پاک کی سورتیں: لیکن ایک پہلو کو یہاں پر ہی سمجھنا ہو گا کہ قرآن پاک کی کونسی سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور کونسی مدینہ منورہ میں۔ سورۃ بقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ نسا، سورۃ مائدہ، سورۃ انفال، سورۃ توبہ، سورۃ احزاب، سورۃ محمدؐ، سورۃ فتح، اٹھائیسویں پارہ کی اکثر سورتیں اور پھر آخری پارہ کی سورۃ زلزال، اور سورۃ نصر وغیرہ مدنی ہیں۔ حضور پاکؐ کا اسم مبارک "محمدؐ" قرآن پاک میں چار دفعہ انہی سورتوں عمران، احزاب، محمدؐ اور فتح میں آیا۔ لیکن کسی مکی سورۃ میں اس اسم مبارک کو بیان نہ کیا گیا۔ اور حضور پاکؐ کو اور طرحوں سے مخاطب کیا گیا یا بیان فرمایا۔ اور زیادہ مواد بھی مقابلتاً ان سورتوں میں ہے۔ مدنی سورتوں کے فلسفہ یا حکمت کو بعد میں بیان کیا جائے گا۔ یہاں پہلے مکی سورتوں کو سمجھنے کی کچھ ضرورت ہے

مکی سورتیں: چند مکی سورتوں خاص کر سورۃ اقرا، سورۃ ضحی، سورۃ انعام، سورۃ حجر اور سورۃ الشعرا کے چند آیات مبارکہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان سورتوں میں علم زیادہ ہے۔ یعنی فلسفہ حیات کے پہلو کا بیان زیادہ ہے اور جہاد بالنفس کے لئے یہ سورتیں بنیادی پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان میں غلط یا صحیح راستوں، حدود، حلال و حرام میں فرق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تفصیل ہے ساتھ ہی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ اشارے بھی ہیں۔ خطاب بھی ہے، یاد بھی کرایا گیا اور عبرت وغیرہ بھی ہے۔ گزارش کی تھی کہ مکہ مکرمہ میں نبوت کی ابتدا ہوئی اور اس عاجز کا یہ خیال ہے کہ نبوت کی تکمیل بھی معراج کے وقت مکہ مکرمہ میں ہو گئی۔ کہ ان آیات اور سورتوں کے ذریعہ سے مکہ مکرمہ میں حضور پاکؐ کے مقامات عروج کرتے کرتے معراج کو پہنچ گئے۔

"و جبرئیل خادمہ و البراق مرکبہ و المعراج سفرہ

یعنی حضرت جبرئیلؑ جو پڑھانے آئے تھے وہ خادم بن گئے۔ رفتار بجلی کی طرح تیز ہو گئی کہ زمان و مکان پر حاوی ہو گئے۔ اور سفر

معراج پر پہنچ گیا ۔ یا معراج ہی سفر کا مقصود تھا ۔ ہاں البتہ دین کی تکمیل مدنی زندگی میں سورۃ مائدہ کے الفاظ " اکملت " کے وقت ہوئی ۔ مکی سورتیں مقابلتاً چھوٹی ہیں ۔ ویسے مکہ مکرمہ میں بہت چھوٹی چھوٹی سورتیں نازل ہوئیں جن میں چند آیات کے ذریعہ سے وہ کچھ بیان کر دیا گیا کہ لوگ پکار اٹھے کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہو سکتا ۔ تبرک کے طور پر سورۃ اخلاص کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے : ۔

" اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے پرواہ ہے ۔ نہ اس نے کسی کو جنا ، نہ اس کو کسی نے جنا اور کوئی اسکا ہمسر نہیں " ۔ اب اسی سورۃ کا ایک اور صاحب اس طرح ترجمہ کرتے ہیں " کہ وہ ذات پاک جس کا نام اللہ ہے وہ ایک اور اکیلا ہے ۔ نہ کسی کا باپ نے کسی کا بیٹا اور اس جیسا کوئی اور نہیں " ۔

اب ہمارے مفسرین نے قرآن پاک کے ایسے الفاظوں کی مزید وضاحت کے سلسلہ میں بہت محنتیں کیں اور پھر بھی تجسس ختم نہ ہوا ۔ کہ افسوس کرتے گئے کہ مضمون تک نہ پہنچ سکے یا بیان میں کمی رہ گئی ۔ قارئین اوپر بیان شدہ سورۃ کے معانی میں جائیں ۔ " اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق ضرور ہے لیکن ماں و باپ چھوٹی چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے نام دیئے جاتے کہ خالق ہوتے ہوئے بھی وہ تو بے پرواہ ہے اور اس جیسا کوئی اور ہے ہی نہیں ۔ ان چھوٹی سورتوں سے مغرب کے کئی دانشور بڑے متاثر ہوئے اور اس صدی کے وسط میں امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر روم لنڈ واتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسلام پر ایک کتاب لکھ ڈالی ۔ راقم نے اہل مغرب کی یہ پہلی کتاب دیکھی جس میں زیادہ تعصب کا مظاہرہ نہ کیا گیا تھا ۔ کہ روم لنڈ ولکھتا ہے کہ " ان سورتوں کا انداز بیان ایسا پیارا ہے کہ اس بیان کا سیدھا قلب سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے " ۔ ایک اور مغربی دانشور پروفیسر جیمز جو فلکیات کا ماہر مانا جاتا تھا اس کے ساتھ ہمارے علامہ عنائیت اللہ مشرقی باتیں کر رہے تھے کہ بیچ میں قرآن پاک کی مکی سورۃ فاطر کی آیت نمبر ۲۷ کا ذکر آ گیا جس میں پہاڑوں میں مختلف رنگ ، انسانوں اور جانوروں میں مختلف رنگ اور اللہ تعالیٰ کا اہل علم وغیرہ کو ڈرانے کا ذکر ہے ۔ یہ سب سن کر پروفیسر جیمز حیران ہو گیا کہ اس کو یہ بات پچاس سال کے مطالعہ کے بعد کچھ سمجھ آئی ۔ اور مسلمانوں کے پیغمبر جو امی تھے ان کو کیسے معلوم ہوئی ۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک الہامی کتاب ہے اس میں ایسی صحیح باتیں نہ ہوں گی تو اور کہاں ہوں گی ۔ ایک اور پروفیسر آرنلڈ کا ذکر بعد میں آئے گا کہ وہ بھی مکی سورتوں سے متاثر تھا ۔ لیکن مسلمانوں کی مدنی زندگی اور مدنی سورتوں کے برخلاف اس نے بہت کچھ لکھا ۔ افسوس کہ ہمارے لوگ اس کی سازش کو نہ سمجھ سکے ۔ اس سلسلہ میں ہماری نئی کتاب قرآن پاک کے معجزات سے استفادہ کریں ۔

ہمارے لئے سبق : پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قریش کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا مذہب عیسائیوں سے ملتا جلتا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ آجکل بھی اہل مغرب کہتے ہیں کہ مکی دور کا اسلام عیسائیت کے بہت قریب ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ مکی سورتوں کی تعریف کرتے ہیں ۔ انہیں تو مسلمانوں کی مجاہدانہ زندگی ناپسند ہے جو مدنی دور میں شروع ہوئی ۔ اس سلسلہ میں ان کی سازش اتنی سخت ہے کہ ہمارے کئی علماء اب صرف " تبلیغ " پر گزارہ کر رہے ہیں کہ اہل مغرب نے نہ صرف جہاد کو ختم کرانے کی کوشش کی ہے بلکہ ایک منظم طریقے سے ہمیں باور کرا رہے ہیں کہ یہ زمانہ مدنی زندگی کی قسم کی زندگی کی اجازت نہیں دیتا ۔ علامہ اقبال ؒ اس سازش کو سمجھتے تھے اور اپنی نظموں میں یہ باور کرایا کہ خود اہل یورپ تو ہتھیاروں کے ڈھیر لگا رہے ہیں اور

ہمیں ترک جہاد کی تعلیم دیتے ہیں ۔اس عاجز کی تحقیق میں اس لئے یہ پہلو اتم طور پر موجود ہے کہ ہمیں غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا اور ہمارے لئے وہ اچھی بات کریں تو یاد رہے کہ یہ اچھی بات ادھوری ہوگی اور ان غیروں کے سامنے کوئی مقصد ہوگا کہ ہم اسلام کی روح سے دور رہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی صفات: تو مکی سورتوں کے گہرے مطالعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے کچھ نہ کچھ سمجھ لگنا شروع ہو جاتی ہے ۔اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم یا کچھ لوگوں کے حساب سے لاتعداد اسم ہمارے بزرگوں نے قرآن پاک کی آیات سے ہی نکالے ہیں ۔اصل میں ہماری دنیاوی زبان میں وہ الفاظ بھی موجود نہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے کچھ بیان کیا جائے کہ ہم شعور ہی نہیں رکھتے کہ ایسی بات کو سمجھ سکیں ۔آگے روح کا ذکر آئے گا تو اس سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہم پر واضح کر دیا کہ اس کو سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں ۔لیکن تماشہ یہ تھا کہ لوگوں نے تو بتوں کو خدا بنا دیا تھا ۔جن کو اپنے ہاتھوں سے بناتے اور پھر انہی کے آگے سجدے کر کے دعائیں مانگتے ۔چنانچہ خوش قسمت لوگوں کی قسمت کھل گئی اور انہوں نے اللہ کے حبیبؐ کی صدا پر لبیک کہا ۔اور پھر مقامات میں عروج ہوا کہ وہ "سمعنا" و "اطعنا" بن گئے ۔یعنی سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے ۔یہی مسلمان کی شان ہے ۔نہ کہ بغاوت جس کو آجکل ہم نے اپنایا ہوا ہے ۔یا مادر پدر آزادی ۔

عاشقوں کی ادا: چنانچہ جو صاحبان حضور پاکؐ پر جلد ایمان لائے ۔ان کے عشق کی یہ حالت تھی کہ وہ دن بدن ترقی پر تھا ۔ اور وہ سب کچھ حضور پاکؐ کے نام پر سے قربان کرنا چاہتے تھے ۔چند کا ذکر ضروری ہے ۔اول بلال حبشیؓ ۔آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے ۔لیکن حضور پاک محمد مصطفےٰؐ کے جمال کی جھلک سے انؐ کی غلامی اختیار کر لی ۔ان کے دنیاوی مالک امیہ نے ہر قسم کی ایذا دی کہ وہ اسلام سے منحرف ہوں ۔لیکن بے چارہ امیہ عاشقوں کے مقامات سے بے خبر تھا ۔ایک اور عاشق صدیق اکبرؓ آگے بڑھے اور فرمایا "اے امیہ! منہ مانگی دولت لے لو اور بلالؓ کو میرے حوالے کر دو" اور امیہ سے جناب بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اور جگہوں پر عاشقوں میں رقابت ہوتی ہے ۔یہاں عاشقوں کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے ۔اور آج بھی بلالؓ موذن کے نام پر نام رکھنا اپنے تعلق کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے ۔ حضرت عمارؓ کے والد جناب ۔یاسرؓ، یمن سے مکہ مکرمہ آئے اور ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سمعیہؓ کے ساتھ ان کی شادی کر دی ۔تینوں پر حضور پاکؐ کے جمال کے نور کا اکٹھا اثر ہوا ۔اور اسلام لے آئے ۔ابو جہل نے وہ ایذائیں دیں کہ جناب سمعیہؓ کو تو شہید ہی کر دیا ۔اور جناب یاسرؓ بھی ایذا کے ان زخموں کی تاب نہ لاسکے اور جلد ہی جناب عمارؓ کو بھی ہجرت کرنا پڑی ۔جناب حبابؓ بن الارت قبیلہ تمیم سے تھے ۔ مکہ مکرمہ میں غلامی میں آکر بیچ دیئے گئے ۔یہاں حضور پاکؐ کے جمال نبوت سے دل کو تو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ۔لیکن باقی بدن پہ داغ ہی داغ تھے ۔خاص کر آپ کی پیٹھ کو داغ دیا گیا ۔لیکن آپ کے عشق میں کوئی کمی نہ آئی ۔انہی حالات سے جناب صہیب ۔رومیؓ گزرے ۔اور اسی طرح کی تکالیف جناب عامرؓ بن فہیرہ کو دی گئیں ۔چنانچہ جناب صدیق اکبرؓ نے جناب عامرؓ، اور چند کنیزوں جناب سبنیہؓ، جناب زہرہؓ، جناب سندیسہؓ، جناب ام غیسؓ کو بھاری قیمت ادا کر کے خود خرید لیا ۔اور پھر آزاد کر دیا ۔خاندانی بندھن

اتنے زیادہ تھے کہ جناب عثمانؓ بن عفان اور جناب زبیرؓ بن عوام کو ان کے اپنے چچا باندھ کر مارتے تھے اور ان کو یہ مار سہنا پڑتی تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت: ان حالات کی وجہ سے اور حضور پاکؐ کی اجازت سے حضرت عثمانؓ، ان کی زوجہ محترمہ اور دخترِ رسولؐ حضرت رقیہؓ، جناب ابو خذیفہؓ بن عتبہ اور ان کی زوجہ حضرت سہلہؓ بن سہیل، حضرت ابو سلمہؓ مخزومی اور ان کی زوجہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت عامرؓ بن ربیعہ، اور حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رحم کو حبشہ میں ہجرت کرنا پڑی۔ ان سب ہستیوں میں سے اکثر کے نام شجرہ نسب "الف" میں موجود ہیں۔ اور پچھلے باب میں ان کے اسلام لانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال کا ہے۔

ولید بن مغیرہ: قریش نے حضور پاکؐ کے رفقا کو اس طرح ہجرت پر مجبور کرنے کے بعد ولید بن مغیرہ کی سرداری میں حضور پاکؐ کے خلاف ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا۔ حج کا موسم آنے والا تھا۔ اور قریش کو معلوم تھا کہ حضور پاکؐ حج پر آنے والے عرب قبائل کو اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ تو یہ متحدہ محاذ قریش میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرنے کے لئے بنایا گیا۔ کہ سب قریش کی سوچ ایک جیسی ہو۔ اور عمل ایک جیسا ہو کہ مکہ مکرمہ میں آنے والے قبائل کے سامنے سب لوگ حضور پاکؐ کے بارے ایک قسم کے خیال کا اظہار کریں۔ کہ ان لوگوں پر حضور پاکؐ کا کوئی اثر نہ پڑے اور اگر پڑے تو اس کو زائل کیسے کیا جائے۔ اس لئے ایک مجلس مشاورت طلب کی گئی کہ حضور پاکؐ کے بارے ایک رائے قائم کریں۔ ولید جو جناب خالدؓ کا باپ تھا کہنے لگا "کہ تم اپنی رائے دو کہ یہ شخص (یعنی حضور پاکؐ) کیا ہے۔ پھر میں اپنی رائے دوں گا"۔

قریش: "یہ کاہن ہے"۔

ولید: "بخدا ایسی بات نہیں ہے۔ اس (یعنی حضور پاکؐ) میں نہ کاہنوں والی جھجک ہے اور نہ کاہنوں کی طرح بھول بھلیوں والی باتیں کرتا ہے جن کے ایک سے زیادہ معنی ہوتے ہیں"۔

قریش: "تو پھر یہ (یعنی حضور پاکؐ) شاعر ہو سکتا ہے"۔

ولید: "ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہم شاعری کی اونچ نیچ جانتے ہیں۔ یہ صاحب شاعری کی طرف بھی مائل نہیں"۔

قریش: "تو پھر یہ جادوگر یا شعبدہ باز ہے"۔

ولید: "ایسا بھی نہیں ہے۔ ہم نے شعبدہ باز اور جادوگر دیکھے ہیں۔ وہ کئی گانٹھیں اور کنجیاں اٹھائے پھر رہے ہوتے ہیں"۔

قریش: "تو پھر یہ صاحب کیا ہیں"؟۔

ولید: ہاں! جادو یا سحر والی بات کا معاملہ کچھ زیادہ نزدیک ہے۔ کہ یہ شخص ایسا پیغام لایا ہے کہ باپ کو بیٹے سے، بھائی کو بھائی سے اور میاں کو بیوی سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کی کلام میں لبھاؤ ہے۔ یعنی کشش ہے اور وہ کھجور کے درخت کے تنا کی طرح قائم دائم ہے۔ اور اس کی ٹہنیوں پر پھل ہوتا ہے"۔

اس کے بعد ولید نے قریش کو مشورہ دیا" کہ تم سب اپنی باتوں میں لبھاؤ پیدا کرو اور طرز بیان سے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرو" کہ اس شخص (یعنی حضور پاکؐ) سے بچو کہ خاندانوں کے خاندانوں کو ایک دوسرے سے الگ کر رہا ہے"

تبصرہ: اب ولید کی بات میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ وہ بے چارہ غیر مرئی طاقت والی بات تک نہ پہنچ سکا اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی عظیم غیر مرئی طاقت ہے اور حضور پاکؐ پر وہی اثر تھا۔ لیکن ولید یہ ضرور بھانپ گیا کہ کلام کھجور کے درخت کی طرح قائم و دائم ہے۔ اور ٹہنیوں پر پھل پھول بھی ہیں۔ اور جس کا دل آپؐ کے جمال کے نور سے منور ہو گیا اس کو ماں و باپ، بہن و بھائی بھول گئے اور وہ آپؐ کا ہو گیا۔ ولید کی بد قسمتی کہ حقیقت کو سمجھ جانے کے بعد وہ اس کو غلط معنی پہنا رہا تھا۔ شاید حسد یا تکبر کی وجہ سے ایسا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورۃ مدثر میں یہ ارشاد فرمایا:۔

" چھوڑ مجھ کو اور اس شخص کو کہ پیدا کیا ہے میں نے اکیلا۔ اور کیا واسطے اس کے مال پھیلا ہوا، اور بیٹے حاضر ہونے والے۔ اور بچھایا میں نے واسطے اس کے بچھونا۔ پھر طمع رکھتا ہے کہ زیادہ دوں میں۔ ہرگز نہیں! تحقیق وہ ہے واسطے نعمتوں ہماری کے عناد کرنے والا۔ شتاب چڑھاؤں گا اسکو صعود پر۔ تحقیق اس نے فکر کی اور اندازہ کیا۔ پس مارا جائیو! کیونکر اندازہ کیا۔ پھر مارا جائیو۔ کیونکر اندازہ کیا۔ پھر دیکھ لیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ اس نے کہا، نہیں! یہ مگر جادو یا سحر۔ نقل کیا جاتا ہے۔ نہیں۔ مگر بات آدمی کی۔ شتاب داخل کروں گا اس کو دوزخ میں۔ اور کیا جانے تو کیا ہے دوزخ؟"

اب یہ آیات مبارکہ واقعاتی ہیں کہ جو کچھ ہوا اس کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں فیصلہ بھی سنا دیا۔ اور اس سورۃ میں آگے دوزخ کا پورا بیان ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے چند الفاظ میں ولید کی سوچ، طمع و لالچ اور تکبر کی تصویر کھینچ دی کہ بے چارے کو قناعت بھی نہ تھی۔ مال و دولت، اولاد، قریش میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے بعد۔ یا مزید کا ایسا لالچ پڑا کہ اس کی فکر غلط رنگ اختیار کر گئی۔ پس ڈرنے والی بات ہے اور عاجزی کی ضرورت ہے کہ ولید جیسا بہادر، مدبر اور دانائی کا کچھ حصہ رکھنے والا، صراط مستقیم کو نہ بھانپ سکا اور اس کا دل حضور پاکؐ کے جمال کے نور سے منور نہ ہو سکا۔ تیسرے باب کا اختتام، تتلی اور گوبر والے گبریلا کی کہانی سے کیا تھا۔ یاد رہے کہ باطل اور شر کی باتیں گوبر کی طرح ہیں۔ جب تک گناہوں کی اس گٹھڑی سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاتا، تو اسلام کے معطر باغ سے خوشبو نہ آسکے گی۔

جناب ابو طالبؓ کا رد عمل: قریش کے اس فکری محاذ اور ولید کی رہنمائی میں بڑی شرارت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس پر لعنت بھیج دی۔ جناب ابو طالبؓ بھی ولید کی شرارت کو سمجھ گئے۔ کہ ولید کے "فلسفہ" سے متاثر ہو کر کوئی سر پھرا یا کوئی شیطان قسم کا آدمی حضور پاکؐ کو کوئی ایذا بھی پہنچا سکتا ہے۔ یا مکہ مکرمہ سے باہر کا کوئی قبیلہ قریش کی ان باتوں میں آکر حضور پاکؐ پر حملہ بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ جناب ابو طالبؓ نے تقریباً سو شعروں کی ایک نظم کہہ دی، جو بنو ہاشم کے بچے بچے کی زبان پر آگئی۔ جس سے سب لوگوں کو پتہ چل گیا کہ حضور پاکؐ اکیلے نہیں۔ اور بنو ہاشم، حضور پاکؐ پر قربان ہو جائیں گے۔ یہ ساری نظم ادب میں بھی ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے بڑے اچھے نتائج حاصل ہوئے۔ لیکن موجودہ زمانے کی ہماری

تاریخوں کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ نظم کے شعر تو دور کی بات ہے۔اس رد عمل کا ذکر بھی کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔چنانچہ اس نظم کے چند شعروں کا اختصار پیش ہے کہ قارئین جناب ابو طالبؑ کے "رد عمل" کے فلسفہ کے روح تک پہنچ جائیں:۔

"افسوس کہ لوگوں کے دلوں سے ہماری محبت ختم ہو رہی ہے۔اور وہ خون کے رشتے بھولتے جاتے ہیں۔ہمارے دشمنوں کی باتوں میں آکر ہمارے اوپر تیوری چڑھا رہے ہیں اور انگلیاں کاٹ رہے ہیں تو پھر مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں۔چمکتی تلوار میرے ہاتھوں میں ہے اور میرے خاندان کے لوگ بھی میرے ساتھ ہیں۔اور ہم بھی اپنی جانوں کی قسم اٹھا چکے ہیں۔"

آگے نظم میں جناب ابو طالبؑ تمام متبرک چیزوں یا مشہور چیزوں کی قسم ادبی انداز میں اٹھاتے ہیں۔مثلاً خانہ کعبہ کی قسم یا حجر اسود کی قسم (اور ساتھ ہی ان کے صفات کا بھی ذکر کرتے ہیں) اس کے بعد دنیا جہاں کی سچائی اور عظمت والی تقریباً چالیس چیزوں کا نام لے کر کہتے ہیں "۔آگاہ رہو کہ تم لوگ محمدؐ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ہاں البتہ ایسا ہماری لاشوں پر ہو سکے گا۔ وغیرہ۔اور ہم عورتیں اور بچے بھی قربان کر دیں گے" اس کے بعد بنو ہاشم کو چھوڑ کر بنو عبد مناف کے باقی خاندان والوں اور ان کے سرداروں سے مخاطب ہوتے ہیں:۔"اے ابو سفیان تو نے بھی ہم سے منہ پھیرا۔اور اے عتبہ بن ربیعہ تم پر افسوس ہے کہ تم ہمارے دشمنوں کی باتیں سنتے ہو" اس کے بعد قصیٰ کی ساری اولاد اور حلیف قبائل کو شرم دلاتے ہیں:۔" کہ آج بنو مخزوم اور بنو سہم ہماری مخالفت پر تل گئے ہیں تو تم لوگوں کو خاندانی پاس بھی نہ رہا۔لیکن فکر مت کرو ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنائیں گے"

اس عاجز نے نظم کا نچوڑ ابن اسحاق کی تاریخ سے نکالا ہے۔لیکن جو لطف اس نظم کو عربی زبان میں پڑھنے سے آتا ہے یا جو رقت اس نظم کے الفاظ طاری کرتے ہیں۔ان سے جناب ابو طالبؑ کی شان کو اور وسعت مل جاتی ہے۔یہ نظم بنو ہاشم کے بچہ بچہ کی زبان پر تھی۔" ہم قربان ہو جائیں گے۔ہم محمدؐ کا بال بیکا نہ ہونے دیں گے" اور پھر اس نظم کے ایسے ہی اثرات ہوئے۔اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے سورۃ حجر کی چند آیات مبارکہ سے غلط عمل والوں کو تنبیہ کر دی اور حضور پاکؐ کو تسلی دی۔الفاظ یہ ہیں:۔

"پس قسم ہے رب تیرے کی! (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو تسلی دینے کے لئے اپنے نام کی قسم لیتا ہے) البتہ ہم سوال کریں گے ان سب سے۔اس چیز سے کہ تھے عمل کرتے۔پس آشکارا کر اس چیز کو کہ حکم کیا جاتا ہے تو۔اور منہ پھیر لے مشرکوں سے۔ تحقیق ہم نے کفایت کیا ہے، تجھ کو ٹھٹھا کرنے والوں سے وہ جو مقرر کرتے ہیں، ساتھ اللہ کے معبود اور پس البتہ جانیں گے۔اور ہاں! تحقیق جانتے ہیں ہم یہ کہ تنگ ہو جاتا ہے سینہ تیرا۔ساتھ اس چیز کے کہ کہتے ہیں۔پس پاکی بیان کر ساتھ تعریف رب اپنے کے اور ہو سجدہ کرنے والوں سے اور عبادت کر پروردگار اپنے کی یہاں تک کہ آوے تم کو موت"۔

ذکوانؓ ابن قیس: قریش کے متحدہ محاذ کی فکر زیادہ کامیاب نہ ہوئی۔کہ قران پاک کی آیات اور جناب ابو طالبؑ کی رجزیہ نظم نے کسی قبیلہ کو حضور پاکؐ کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہ دی بلکہ مدینہ منورہ (یثرب) کے جناب ذکوانؓ ابن قیس نے مکہ مکرمہ میں آکر یہ نظم کہہ دی۔"اے قریش آپس میں مت لڑو۔لڑائی تباہی لاتی ہے۔ہم اوس اور خزرج کے قبیلے اس امید میں

بیٹھے ہیں، کہ دین حنیف، قریش سے کوئی شروع کرے گا۔ اور تم اللہ والے ہو جاؤ گے "۔ یعنی انصار مدینہ نے اپنی " انتظار " کا اظہار کر دیا" بلکہ انہی ہی دنوں میں بنو امیہ کے ایک حلیف قبیلہ سے جناب حکیمؓ بن امیہ بن حارث نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ایک خوبصورت نظم کے ذریعہ سے باور کرایا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو گیا ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کی کوشش جناب حکیمؓ معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کے اثرات تھے اور قریش حیران تھے کہ ان کی ملی جلی کوشش بھی کچھ حاصل نہ کر رہی تھی تو انہوں نے ایک اور تجویز سوچی کہ عتبہ بن ربیعہ جس کی سنجیدگی کا ذکر ہو چکا ہے اس کے ذریعہ سے حضور پاکؐ کو دین اسلام کی تبلیغ سے روکیں۔ چنانچہ عتبہ نے ایک دن موقعہ نکالا کہ حضور پاکؐ جب خانہ کعبہ میں عبادت کر رہے تھے تو عتبہ بھی آہستہ سے حضور پاکؐ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ "اے میرے بھائی کے بیٹے! آپؐ ہم میں سے ہیں۔ اور شرافت خاندانی میں بہت بلند ہیں۔ اب جو کچھ آپؐ کر رہے ہیں اس سے خاندان اور قوم میں تفرقہ پڑ چکا ہے۔ اور آپؐ ہماری روایات کو ختم کر رہے ہیں ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ گمراہ تھے۔ اب میرے پاس ایک مشورہ ہے بہتر ہے آپؐ سن لیں"

حضور پاکؐ نے فرمایا۔ ہاں! بات کیجئے عتبہ کہنے لگا۔ "اگر آپؐ کو دولت کی ضرورت ہے تو ہم اپنی تمام دولت اکٹھی کر کے آپؐ کے پاس لاتے ہیں۔ اگر عزت چاہتے ہو تو آپؐ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں اور کوئی کام آپؐ کے مشورہ بغیر نہ کریں گے۔ اگر حکومت چاہتے ہو تو آپؐ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر خوبصورت بیوی چاہتے ہو تو نام لیں۔ ہم اس کو آپؐ کے نکاح میں دیں گے۔ اور یہ غیر مرئی روح یا جن جو آپؐ کے پاس آتا ہے اور آپؐ پر اثر کرتا ہے ہم اس کا بھی علاج کرانے کو تیار ہیں۔ اور اس کے لئے ماہر طبیب یا حکیم کو بلا لائیں گے"۔

حضور پاکؐ نے فرمایا۔ "اب میری بات بھی سنیں" "بسم اللہ الرحمن الرحیم اتاری ہوئی ہے بخشنے والے مہربان کی طرف سے کتاب ہے کہ جدا کی گئیں ہیں اس کی آیات (یعنی ایک کتاب ہے جس کی آیات صاف صاف بیان کی گئیں ہیں) قرآن پاک عربی میں ہے واسطے اس قوم کے کہ جانتے ہیں خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی کتاب۔) حضور پاک اس طرح پوری سورۃ حم۔ سجدہ کے چار رکوع پڑھ گئے اور جب پانچویں رکوع کی ان آیات پر پہنچے "تسبیح کرتے ہیں واسطے اللہ تعالےٰ کے۔ رات اور دن اور نہیں تھکتے۔ تو حضورؐ پاک سجدے میں چلے گئے۔ (قارئین کو معلوم ہو گا کہ آج بھی ہم جب قرآن پاک کی ان آیات پر پہنچتے ہیں تو سجدے میں چلے جاتے ہیں) بہر حال سجدہ سے سر اٹھا کر حضور پاکؐ نے فرمایا۔ "اے ابا ولید (عتبہ کی کنیت) تم نے جو کچھ سننا تھا، سن لیا۔ آگے تمہاری قسمت" یعنی حضور پاکؐ نے عتبہ کے تمام سوالوں کے جوابات۔ سورہ حم سجدہ کی یہ آیات پڑھ کر دے دیئے۔

عتبہ قریش کے پاس واپس چلا گیا اور کہا" کہ جو کچھ اس نے سنا ہے۔ ایسا اس نے کبھی نہیں سنا۔ نہ یہ شاعری ہے۔ نہ کبت نہ شلوک۔ اور میری بات سنو اس شخص (یعنی حضور پاکؐ) کو باقی عربوں پر چھوڑ دو۔ اگر وہ اس کو قتل کر دیتے ہیں تو تمہارا مقصد

حل ہو جاتا ہے اور اگر یہ ان پر حاوی ہو جاتا ہے تو تمہارا فائدہ ہے ۔ کہ اس کی طاقت تمہاری طاقت ہے ۔ اس کی حکومت سے تمہیں فائدہ ہو گا ۔ کہ یہ تمہارا آدمی ہے " قریش نے آگے سے کہا ۔ " اے عتبہ ! تم پر بھی اس (یعنی حضور پاکؐ) کی زبان کے جادو کا اثر ہو گیا ۔ "

تبصرہ سورۃ حم سجدہ کی تمام متعلقہ آیات مبارکہ لکھنے میں بھی بڑا لطف ہے اور خیر ان کی تفسیر کو لکھنا تو اس عاجز کے بس سے باہر ہے کہ قران پاک کی آیات کو معنی میں بند نہیں کیا جاسکتا ۔ گزارش کی گئی تھی کہ مکی سورتوں میں زیادہ تر فلسفہ حیات، یا نظریہ کے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ چنانچہ ان آیات میں بھی مختصر طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار بد قسمت ہیں کہ ان کو دلوں پر اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ اور ان کو بتادو کہ میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں اور اللہ واحد میرا معبود ہے ۔ آگے کچھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت ہدایات ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس زمین اور آسمانوں کی تخلیق کی بات کرتا ہے ۔ جو پہلو ہم پہلے باب میں بیان کر آئے ہیں ۔ اور دراصل پہلے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے تو اس سورۃ سے خاص کر استفادہ کیا گیا تھا اور قارئین نے پہلے باب میں اسلامی فلسفہ حیات کا اختصار پڑھ لیا تو اس کتاب میں ہم ساتھ ساتھ چلیں گے ۔ دوسری بات عتبہ کے بارے ہے کہ آگے دسویں باب میں ذکر آئے گا کہ اس نے جنگ بدر کے وقت بھی قریش کو یہی مشورہ دیا، جواب دیا ۔ لیکن اس کی بات نہ مانی گئی ۔ اب عتبہ کے لیے بہتر تھا کہ اگر اسلام نہ بھی قبول کرتا ۔ تو قریش سے الگ ہو جاتا ۔ لیکن خاندانی بندھنوں کو حق پر ترجیح دی ۔ بات اس کی پوری ہوئی کہ حضور پاکؐ کی کامیابی سے قریش نے بعد میں دنیاوی فائدہ بھی اٹھایا ۔ لیکن اہل حق بن کر ۔ نہ کہ عتبہ کی طرح موقع شناسی کا فائدہ اٹھا کر ۔ یہ پہلو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اصل بات حق کی پیروی ہے ۔ نہ کہ یہ سوچ کر کہ مجھے کیا ملے گا ۔ ؟ چنانچہ یہ عتبہ جنگ بدر میں مارا گیا ۔ لیکن اس کے ایک بیٹے جناب ابو حذیفہؓ کا دل اسلام کے نور سے بہت پہلے سے منور ہو چکا تھا اور یہ ذکر ہو چکا ہے ۔ لیکن ولید جس کے نام پر کنیت تھی وہ بھی بدر میں مارا گیا ۔

کفار کی مشاورت عتبہ کے ناکام ہونے کے بعد کفار کے چند سردار اکٹھے ہوئے ۔ ابن اسحٰق میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۔ مختصر طور پر کفار کے سرداروں کے نام یہ ہیں عتبہ اس کا بھائی شیبہ ، ابو سفیان بن حرب ، ابو النضر بن حارث ، ابو البختری بن ہشام ، الاسود بن المطلب ، زمعہ بن الاسود ، الولید بن المغیرہ ، ابو جہل بن ہشام ، عبداللہ بن ابو امیہ ، العاص بن وائل ، نبیہ اور مینبہ پسران الحجاج اور امیہ بن خلف ۔ شاید ایک آدھ اور بھی تھا ۔ ان سب نے مل کر حضور پاکؐ کو دعوت دی کہ وہ ان کو خانہ کعبہ میں آکر ملیں ، جب حضور پاکؐ آئے تو ان لوگوں نے وہی باتیں کیں جو عتبہ حضور پاکؐ سے کر چکا تھا ۔ یعنی دولت ، حکومت عورت ہر چیز کی پیشکش کی ۔ تو حضور پاکؐ نے وہی جواب دیا جو وہ دے چکے تھے ، کہ وہ تو بشیر اور نذیر ہیں ۔ جو حکم ملتا ہے وہ کرتے ہیں ۔ تو اس دفعہ کفار نے یہ اضافہ کیا کہ اگر حضور پاکؐ ان کی پیشکش نہیں قبول کرتے تو قریش کے لیے یہ کریں کہ ہماری زمین میں دریا ہو جائیں اور وہ اتنی ہی زرخیز ہو جائے جتنی عراق اور شام کی زمینیں ہیں ۔ اور ساتھ ہی ہمارا جد امجد قصیٰ بن کلاب ہمارے لئے پھر زندہ ہو کر آئے تاکہ اس کے ساتھ ہم آپؐ کے بارے مشورہ کر سکیں ۔ اگر آپؐ یہ کچھ

کر سکیں تو ہم آپ ؐ پر یقین کر لیں گے ۔

حضور پاک ؐ نے فرمایا۔" میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہوں ۔ نہ کہ تمہاری خواہشات یا مقاصد پورا کرنے کے لیے " ۔

کفار نے کہا" تو پھر اپنے لئے کچھ کر لو ۔ ایک فرشتہ منگوا کر اپنی باتیں تصدیق کرواؤ ۔ اور اپنے لئے خزانے اور باغ اکٹھے کر لو ۔"

حضور پاک ؐ نے فرمایا ۔" میرا پہلا جواب میرے لئے بھی ہے " ۔ (کہ میں پیغمبر ہوں نہ کہ خواہشات کا بھوکا)

کفار نے کہا ۔" پھر ہمارے اوپر آسمان کا ٹکڑا گرا دو ۔

قران پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کے دسویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی ان خواہشات کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

" ہرگز نہ مانیں گے ہم واسطے تیرے یہاں تک کے پھاڑ دیوے تو واسطے ہمارے زمین سے چشمہ یا ہووے واسطے تیرے باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا ۔ پس پھاڑ لاوے تو نہریں درمیان اس کے پھاڑ لانے کر ۔ یا ڈال دے تو آسمان کو جیسا کہا کرتا ہے تو اوپر ہمارے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آوے تو اللہ کو اور فرشتوں کو مقابل ۔ یا ہووے واسطے ترے ایک گھر سونے کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ ۔" (یعنی مادیت کی غلامی آج کی طرح اس زمانے میں بھی زوروں پر تھی) ۔

بہر حال حضور پاک ؐ نے قران پاک ؐ سے جواب دیا" کہہ دو کہ پاک ہے پروردگار میرا ، نہیں ہوں میں مگر ایک پیغمبر ۔"

کفار نے کہا" کیا آپ ؐ کے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ ہم آپ ؐ سے ایسے سوال پوچھیں گے ۔ اس نے آپ ؐ کو تیار کیوں نہ کیا ؟"

تبصرہ اب حضور پاک ؐ ان لوگوں کی کیسے تسلی کرتے ۔ اور اگر حضور پاک ؐ اپنے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے کفار کی خواہشات پوری بھی کر دیتے ۔ تو کیا وہ چپ ہو جاتے ۔ ہرگز نہیں ! ان کی خواہشات اور بڑھ جاتیں ۔ دنیاوی امتحان کے اس پہلو کو یاد رکھیں کہ ہماری ایسی خواہشات نے ہمیں آج دنیا میں ذلیل کر دیا ہے ۔

بہر حال حضور پاک ؐ کفار کی خواہشات سن کر بہت مایوس ہوئے ۔ اور وہاں سے چل پڑے جیسا ذکر ہو چکا ہے ، ان لوگوں میں حضور پاک ؐ کا پھپھی زاد عبد اللہ بن ابو امیہ بھی تھا جو ام المومنین جناب ام سلمہؓ کا والد کی طرف سے بھائی تھا ۔ وہ اٹھ کر حضور ؐ پاک کے ساتھ چل دیا اور اس نے اور باتیں کر کے حضور ؐ پاک کو بہت مایوس کیا اور کفار کی مجلس مشاورت بھی جاری رہی ۔

ابو جہل کی تجویز اب ابو جہل اہل مجلس کو کہنے لگا کہ تم سب لوگ وعدہ کرو کہ تم میں سے کوئی آدمی میری مخالفت نہ کرے اور سب میرا دفاع کریں ۔ تو میرے پاس تجویز ہے اور وہ یہ ہے کہ صبح سویرے جب مسلمانوں کے پیغمبر (حضرت محمدؐ) خانہ کعبہ میں آئیں گے اور عبادت کے بعد سجدہ میں جائیں گے تو وہ ایک بڑے پتھر کو ان ؐ کے اوپر پھینک کر ان ؐ کا کام تمام کر دے گا ۔ سب نے ابو جہل کی مدد کا وعدہ کیا اور سب صبح سویرے آئے اور چھپ کر ایک جگہ بیٹھ گئے ۔ ابو جہل آیا ضرور ۔ پتھر اٹھانے کی جسارت بھی کی ۔ لیکن راستے سے واپس مڑ آیا ۔ اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ جب ابو جہل اس طرح بڑھا تو ایک مست اونٹ ابو جہل کو لتاڑنے لگا تھا یا منہ میں لینے لگا ۔ لیکن باقی لوگوں نے کچھ نہ دیکھا ۔ اس سلسلہ میں ابن اسحاق روایت کرتا ہے کہ حضرت جبرئیل ؑ حضور پاک ؐ کی حفاظت کرتے تھے یا کوئی فرشتہ آجاتا تھا ۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ؐ کی حفاظت کرتا

تھا۔اور کوئی انسان نبی کو کیسے ختم کر سکتا۔اسی وجہ سے قران پاک میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارشاد ہے۔کہ ان کو سولی نہیں چڑھایا گیا۔ہمارے آقاؐ حضور پاکؐ کا اپنا فرمان ہے کہ میرا جلالؐ ایک ماہ کی مسافت تک اثر کرتا ہے۔یہ بھی طرز بیان ہے۔ ہاں ابو جہل بے چارہ کیسے پتھر پھینک سکتا۔نبیؐ کی طاقتوں کو سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

قریش کے تین شیطان مسلمانوں نے قریش کے تین بدبخت آدمیوں کو قریش کے تین شیطانوں کے نام سے موسوم کیا ہوا تھا۔ان میں ایک النصر بن حارث تھا۔جو اس بیان شدہ مشاورت میں بھی شامل تھا۔وہ اکثر حیرہ جاتا رہتا تھا اور کسریٰ ایران کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔رستم سہراب یا اسفندیار کی کہانیوں سے بھی وہ واقف تھا اور کہتا تھا۔"کہ میں محمدؐ سے بہتر کہانیاں سنا سکتا ہوں"۔روایت ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ قلم میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"کہ شتاب داغ دیویں گے اس کو اوپر ناک کے" یہ اسی شیطان کا ذکر ہے۔دوسرے کا نام نوفل بتایا جاتا ہے۔لیکن سب سے زیادہ بدبخت عقبہ بن ابی محیط تھا۔یہ بنو امیہ سے تھا اور شجرہ نسب "د" میں اس کا نام ہے۔اس بدبخت نے حضرت عثمانؓ کے والد عفان کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کی والدہ جناب ارویٰؓ سے نکاح کیا ہوا تھا۔جناب ارویٰؓ جو بعد میں اسلام لائیں۔حضور پاکؐ کی پھپھی زاد بہن بھی تھیں۔لیکن اس عقبہ کی بدبختی بڑھی ہوئی تھی کہ ابو جہل کے کہنے پر ایک دفعہ یہ مردود مرے ہوئے اونٹ کی اوجھ حضور پاکؐ پر اس وقت ڈال چکا تھا جب آپؐ سجدے میں تھے۔

شیطانوں کی تجویز ان تینوں شیطانوں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ یثرب (مدینہ منورہ) جا کر وہاں سے اہل یہود سے کچھ سوال لا کر حضور پاکؐ کا امتحان لیں۔مورخین تفصیل میں گئے ہیں کہ یثرب، مکہ مکرمہ سے دو سو اسی میل دور ہے۔اور کم از کم دس گیارہ دن کا سفر ہے۔لیکن ان شیطانوں نے تیز رفتار سواری کا بندوبست کر کے یہ سفر پانچ دن جانے اور پانچ دن آنے میں طے کر لیا۔اور وہاں یہود سے تین سوالات لائے اور وہ یہ تھے۔

۱۔ان نوجوانوں کا کیا ہوا جو پرانے زمانے میں غائب ہو گئے؟

۲۔اس سفر کرنے والے کے بارے کیا جانتے ہو جس نے مشرق سے مغرب تک سفر کیا؟

۳۔روح کیا چیز ہے؟

روایت ہے کہ حضور پاکؐ سے جب یہ سوال پوچھے گئے تو آپؐ نے فرمایا۔"کہ وہ کل جواب دیں گے" اور ساتھ لفظ "ماشاءاللہ" کہنا بھول گئے۔نتیجہ یہ ہوا کہ کئی دن تک وحی جبرئیلؑ نازل نہ ہوئے کہ حضور پاکؐ ان سے پوچھتے اور کفار نے کچھ مذاق بھی اڑایا۔

تبصرہ واللہ اعلم! اس عاجز نے جہاں تک حضور پاکؐ کی شان کا مطالعہ کیا ہے مجھے اس بیان پر کچھ شک پڑتا ہے۔اگر ایسا صحیح بھی ہے تو پھر یہ ہمارے لئے سبق تھا کہ "ماشاءاللہ" کہنا نہ بھولیں وغیرہ۔علاوہ ازیں نبوت کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔تو ابھی شاید وہ مقام نہ حاصل ہوا تھا جو معراج کے بعد حاصل ہوا۔کہ معراج کے بعد کفار نے سوال پوچھا تو بیت المقدس آپؐ کی آنکھوں کے سامنے

آگیا تھا یا مدینہ منورہ میں کبھی کسی نے سوال پوچھا تو جواب کے لیے مہلت نہ مانگی ۔ یہ عاجز جس نکتہ کی طرف آنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک بحث چلتی ہے کہ حضور پاکؐ غیب کا علم جانتے تھے یا نہیں اور اکثر لوگ اس واقعہ کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور پاکؐ غیب کا علم نہ جانتے تھے ۔ یہ بڑی فضول بحث ہے ۔ حضور پاکؐ مامور من اللہ تھے اور آپؐ وہ کچھ جانتے تھے جو ان کا اللہ ان کو بتاتا تھا ۔ اور حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کے لیے ان کی ساری زندگی کا مطالعہ ضروری ہے خاص کر ان کی شان کی تکمیل معراج کے بعد ہوئی ۔

سورہ کہف کا نزول بہرحال چند دنوں کے بعد وحی جبرئیل کے ذریعہ سے سورۃ کہف کا نزول ہوا ۔ قرآن پاک کی ہر سورۃ کی الگ شان ہے ۔ سورۃ یٰسین اگر قرآن پاک کا دل ہے تو سورۃ رحمٰن زینت ۔ اور یہ پہلو اتنا وسیع ہے کہ اس پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔ بہرحال سورۃ کہف کے بارے گزارش ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی ۔ تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے ۔ جمعہ کے روز اس کو پڑھنے سے دل منور ہو جاتا ہے اور جو شخص اس سورۃ کی پہلی اور آخری دس آیات روزانہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں سر سے پیر تک نور یا روشنی پیدا کر دیتا ہے ۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان کرنے کے علاوہ اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکیاں بھی دیتا ہے اور اس میں بڑا علم ہے ۔ علاوہ ازیں کفار کے پہلے سوال کا جواب اصحاب کہف کا قصہ بیان کر کے دیا ۔ اور دوسرے کا جواب ذوالقرنین کا قصہ بیان کر کے ۔ علاوہ ازیں اس سورۃ میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور برگزیدہ بندے سے ملاقات کرائی ۔ جن کو حدیث مبارکہ (بخاری شریف) میں خواجہ خضر کا نام دیا گیا ہے ۔ دوسرے باب کے پیراگراف ۲۸، ۳۱ اور ۳۲ میں ان تینوں قصوں کا ذکر اختصار سے کر دیا گیا ہے ۔ جس کو یہاں دہرانا ضروری نہیں ۔

روح کیا ہے تیسرا سوال بڑا اہم ہے ۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کے دسویں رکوع میں ان الفاظ میں دیتا ہے ۔ "سوال کرتے ہیں تجھ کو روح (جان) سے کہہ ! روح (جان) حکم پروردگار میرے (امر ربی) کے سے ہے ۔ اور نہیں دیئے گئے تم علم سے مگر تھوڑا" قرآن پاک کے الفاظ کو معانی میں بند نہیں کیا جا سکتا ۔ اب تھوڑے علم سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے کہ ہم میں سے تھوڑے لوگ روح یا جان کی باتوں کو کچھ جانتے یا سمجھتے ہیں ۔ یا ہم روح کے بارے تھوڑا سا علم رکھتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے ۔ بہرحال اس عاجز نے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی مدد سے پہلے باب میں چند پیراگراف "روز ازل یا عالم ارواح" اور "عالم خلق اور عالم امر" کے تحت اس پہلو کی وضاحت کچھ کر دی تھی ۔ کہ روح "امر ربی" ہے اور اگر ہم "امر" کو عالم خلق میں سمجھنے لگ جائیں تو "امر" پر شاید عمل بھی کریں تو عالم خلق ۔ عالم امر بن جائے گا ۔ تو امتحان والا معاملہ ختم ہو جائے گے ۔ اس لئے یہ عاجز اس کلیہ کو واضح کر چکا ہے کہ ہم "امر ربی" یا "روح" کے معاملات کو سمجھنے کا شعور بھی نہیں رکھتے ۔

یہودیوں کی غلط فہمی روایت ہے کہ حضور پاکؐ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو یہودیوں نے سوال کیا ۔ کہ قرآن پاک کے لفظ "تم" صرف قریش کے لیے تھا ۔ یا یہودی بھی اس میں شامل تھے ۔ یعنی کیا یہودی بھی روح کے معاملات میں اتنے

"نابلد" ہیں جتنے قریش ۔ تو اب حضور پاکؐ نے بغیر کسی انتظار کے جواب دیا۔ "کہ یہ جواب سب کے لیے ہے اور تمہارے لئے بھی ہے"۔ یعنی اس وقت نبوت کی تکمیل ہو چکی تھی اور دین کی تکمیل کی طرف پیش رفت شروع تھا۔ تو حضور پاکؐ کو تمام علموں پر عبور حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہودیوں کی غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ اپنی کتابوں سے روح کے بارے وہ کوئی بات بھی نہ پیش کر سکے۔ علاوہ ازیں حضور پاکؐ تو پوری دنیا کے لیے مبعوث ہوئے تھے تو ان کو یہ پیغام ملا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لوگوں کو خطاب کیا۔ بہرحال روح اور نفس کو کتاب" حیات لبعد الموت" میں وسعت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

انسان ظالم اور جاہل ہے سورۃ حشر اور سورۃ احزاب میں یہ ذکر ہے کہ انسان ظالم اور جاہل ہے کہ قرآن پاک کے خطاب یا نزول کو برداشت کر گیا اور اگر یہ قران پاک پہاڑوں پر نازل ہوتا۔ تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ وہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اس دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے تو ایک مچھر کے پر کے بھی برابر نہیں۔ لیکن انسان مرکز کائنات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات بنایا۔ لیکن پورا شعور پھر بھی نہ دیا کہ ہم "جاہل اور ظالم" اس کی خدائی میں شرکت کے دعویٰ نہ کرنے لگ جائیں۔ اپنے پیغمبروں اور پیاروں کو البتہ کچھ وافر علم دیا۔ اور شاید روح کے بارے میں اللہ کے پیارے کچھ زیادہ جانتے ہوں۔ لیکن ایسی باتیں عام فہم نہیں۔ ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر یہ پردے ہٹ جائیں تو اس دنیاوی زندگی والا معاملہ ختم ہو جاتا ہے کہ دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت ادنیٰ ہے۔ جہالت اور ظلم کو انسان اپنا لیتا ہے اس تو بہ کرنا چاہیئے۔

عاجزی کا مقام ہے پس یہ یاد رہے کہ ہم عاجز لوگ ہیں اور خداوند تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ تب ہی جناب ابو بکرؓ فرمایا کرتے تھے "کہ کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا" بھلا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ کہ اس سورۃ کہف کی آخری آیات میں ارشاد ربانی ہے۔ "کہ اگر ہووے دریا سیاہی۔ واسطے باتوں پروردگار میرے کے۔ البتہ تمام ہو جاوے دریا۔ پہلے اس سے کہ تمام ہوں باتیں رب میرے کی"۔ سورۃ لقمان میں اسی پہلو کی مزید وضاحت فرمائی"۔ اور اگر ہو یہ کہ جو کچھ بیچ زمین کے ہے درختوں سے قلمیں۔ اور دریا ہوں سیاہی۔ اس کے۔ پیچھے اس کے ہوں سات دریا۔ نہ تمام ہوویں گی باتیں اللہ کی تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا۔" سورۃ فرقان سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ سبا میں کئی جگہوں پر جہاں تمثیلی باتوں پر بحث کی گئی ہے تو قرآن پاک میں کفار کے ان فضول سوالات اور فضول خواہشات کا بھی ذکر ہے۔

قرآن پاک کے بیانات گزارش کی تھی کہ قرآن پاک کے بیانات زیادہ تر واقعاتی ہیں کہ ساتھ ساتھ سمجھ آتی جائے اور عمل بھی ہوتا رہے۔ کچھ اشارے بھی ہوتے تھے اور اسی طرح ایک جگہ نام لئے بغیر ابو جہل کی حرکتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا "وہ گھسیٹا جائے گا" چنانچہ بدر کے میدان میں جس کا ذکر دسویں باب میں ہے۔ وہاں ابو جہل کو چند اور کے ساتھ گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ کفار کی مشاورت میں شامل تھے اور سوال کرتے تھے کہ ان میں ابو سفیان یا ایک آدھ اور کو چھوڑ کر جو پہلے مر گیا یا ویسے بچ گیا سب کو گھسیٹ کر گڑھے میں اکٹھا ڈالا گیا ابو سفیان بھی شاید ام المومنین جناب ام حبیبہؓ کے صدقے بچ گیا کہ وہ ان کی بیٹی تھیں۔ روایت ہے کہ جب حبشہ میں ایک کنیز

نے جناب ام حبیبہؓ کو شاہ نجاشی کے ذریعہ سے موصول ہونے والا حضور پاکؐ کا ان کو اپنی زوجیت میں لینے کا پیغام پہنچایا تو اپنے تمام زیورات اتار کر اس کنیز کے حوالے کر دیئے۔ یہ مقام شکر کا ایک مظاہرہ تھا۔ قارئین! حق کی ضرورتوں اور حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سردار گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ اور ایک معمولی چرواہے، جناب عبداللہ بن مسعود ہمارے سر کا تاج ہیں، اور روایت ہے کہ حضور پاکؐ کی اجازت سے مکہ مکرمہ میں قرآن پاک کو بلند آواز پڑھنے کی سعادت بھی جناب عبداللہؓ بن مسعود کو ہوئی۔ لیکن ٹھہریئے! اب مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے قران پاک پڑھنے والے ایک اور صاحب بھی وارد ہونے والے ہیں۔ اور یہ عاشق رسولؐ جناب ابو ذر غفاریؓ ہیں۔

جناب ابوذر غفاریؓ چوتھے باب میں گزارش کی گئی تھی کہ حق کی تلاش کرنے والوں میں سے ایک کا ذکر ساتویں باب میں ہے۔ کتنے بد قسمت تھے قریش کے وہ سردار جن کے گھر میں چشمہ بلکہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا میٹھا سمندر موجود تھا اور وہ پیاسے رہ گئے۔ لیکن قبیلہ غفار کے جندبؓ بن جنادہ نے حق کی تلاش میں نکل کر کئی دن تو صرف آب زمزم پر گزارہ کیا۔ پھر جب حضور پاکؐ اپنے رفیق خاص کی معیت میں اس جندبؓ کو نظر آئے تو انہوں نے اسلامی طریقہ سے "اسلام علیکم" کے الفاظ ادا کیے۔ حضور پاکؐ اور ان کے رفیقؓ نے اسلامی طریقے سے۔ "وعلیکم السلام" کے الفاظ میں جواب دیا۔ اور سرکار دو عالمؐ مسکرائے بھی اور اپنے رفیق جناب ابو بکرؓ کو ان کا میزبان بننے کے لیے فرمائش کی اور جناب صدیقؓ نے کشمش کھلا کر ان کو تواضع کی اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آنے کے بعد کئی دن آب زمزم پی کر گزارا کیا۔ اور پہلی دفعہ کچھ کھانے کو ملا۔ اور یہ جندبؓ جو اب ابو ذرؓ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں صبح سویرے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں قران پاک کو جو آیت مبارکہ یاد کر سکے اونچی آواز میں پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور پاکؐ کے رسالت پر بلند آواز میں شہادت دیتے پھرتے تھے۔ بڑی مار کھائی۔ حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے چھڑایا۔ یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ کونسی مار؟ اور کیسی مار؟ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر سے سب کچھ قربان۔ اس دنیا کی ہستی ہی کیا ہے؟ جب حضور پاکؐ مل گئے تو سب کچھ مل گیا۔ ہاں! جناب ابو ذرؓ کافی حد تک ہم راز تھے۔ آقاؐ نے فرمایا "کہ کھجوروں والی زمین میں ملنا" اور ہمارا اگلا باب اسی کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کا بیان ہے۔ اور جو صاحب عاشق رسولؐ جناب ابو ذر غفاریؓ کے بارے زیادہ تجسس رکھتے ہیں تو اس عاجز کی کتاب خلفاء راشدین حصہ سوم پڑھیں جہاں جناب ابو ذرؓ کو اسلام کا "مثالی سپاہی" کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ پھر اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ہمارے آقاؐ کا فرمان ہے۔ ابو ذرؓ سے بڑھ کر سچا آدمی اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوا"۔

کفار کہ اور حضور پاکؐ کے پروانے حضور پاکؐ نے جو جناب ابو ذرؓ کو اپنے قبیلہ میں جانے کی اجازت دے دی کہ بعد میں کھجوروں والی زمین پر ملاقات ہو گی تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابو ذرؓ جیسے حضور پاکؐ کے پروانوں کا مکہ مکرمہ میں گزارہ مشکل تھا اور ایسے صاحبان بھی حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے۔ جس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔ لیکن ابو ذرؓ کو اپنے قبیلہ میں جانے کی اجازت کی ایک خاص وجہ بھی تھی۔ ابو ذر کا آئینہ صاف تھا۔ حضور پاکؐ کے جمال سے سینہ ایسا منور ہوا کہ

مزید تبلیغ یا اللہ کا دین سیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضور پاکؐ کی غلامی نصیب ہو چکی تھی۔ اور کیا چاہیے۔ اب ابو ذر غفاریؓ کا قبیلہ مکہ مکرمہ اور یثرب کے درمیان رہائش پذیر تھا۔ اور تجارتی قافلے وہاں سے گزرتے تھے تو اس عاشق رسولؐ کی وجہ سے حضور پاکؐ کی بعثت کی خبر دور دراز علاقوں میں پھیل رہی تھی۔ حبشہ میں ہجرت کے سلسلہ میں دس بارہ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ آہستہ آہستہ جاری رہا۔ گو مورخین نے دوسری اور تیسری ہجرت میں الگ الگ صحابہ کرامؓ کے اسماء لکھے ہیں۔ لیکن راقم ایک خاص وجہ سے جس کا بیان آگے آئے گا اس ہجرت کی چند جھلکیاں ضرور دے رہا ہے۔ ورنہ یہ پہلو اور زیادہ اختصار سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

حبشہ کے سیاسی حالات چوتھے باب میں سلطنت حبشہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے تنتیسویں باب میں پھر ذکر آئے گا۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں حبشہ کا جو بادشاہ تھا وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے چچا کے بہت زیادہ بیٹے تھے۔ حبشہ کے امراء نے سوچا کہ ایک بیٹے والے باپ کی نسبت زیادہ بیٹوں والا باپ بہتر ہے۔ تخت کے لیے وارث کافی ملتے رہیں گے۔ اس لئے ان امراء نے نجاشی کے باپ کو قتل کر کے اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور شاہ نجاشی کو لڑکپن میں پہلے قید رکھا پھر بیچ دیا۔ لیکن اسی دن بجلی ایسی پڑی کہ نجاشی کا چچا جو بادشاہ بنا ہوا تھا وہ اور کئی امراء جل گئے اسی وجہ سے جو امراء بچ گئے وہ ڈر گئے اور بہت لڑکوں میں سے کسی کو تخت پر بٹھانے کے بجائے بیان شدہ شاہ نجاشی کو تخت پر بٹھایا۔ چنانچہ یہ سختیاں جھیلنے کی وجہ سے یہ بادشاہ بڑا مدبر، نرم دل اور سنجیدہ انسان تھا۔ اور مسلمان پناہ گیروں کے ساتھ وہ بڑی اچھی طرح سے پیش آیا۔ اسئے حبشہ میں ہجرت والوں کے لیے ہم "پناہ گیر" کا لفظ استعمال کریں گے اور مدینہ منورہ والوں کے لیے "مہاجر" اور اس کی وضاحت اگلے باب میں آئے گی تو قارئین کو اسلام کا فلسفہ ہجرت سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

حبشہ میں جانے والے مزید صحابی مسلمان حبشہ میں جا کر پناہ لیتے تھے۔ کہ مکہ مکرمہ کے کفار نے ان لوگوں کے لیے مکہ مکرمہ میں زندگی تنگ کر دی تھی۔ حبشہ میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرتے تھے اور اپنے عقیدہ پر قائم رہتے تھے۔ حکومت ان کو کچھ نہ کہتی تھی۔ اس طرح حبشہ میں وقتاً فوقتاً پناہ لینے والوں کی تعداد تقریباً تراسی بتائی جاتی ہے۔ چند کے نام یہ ہیں۔ بنو ہاشم سے جناب جعفرؓ بن ابی طالبؓ اور آپ کی زوجہ محترم اسمٰؓ بنت عمیس۔ بنو عبد شمس سے جناب خالدؓ بن سعید اور ان کی زوجہ محترمہ امنیہؓ۔ جناب خالدؓ کے بھائی عمرؓ اور ان کی زوجہ محترم فاطمہؓ بنت صفوان بنو عبد شمس، کے حلیف قبیلہ بنو خزیمہ سے حضور پاکؐ کے پھپھی زاد جناب عبداللہؓ بن جحش۔ جناب عبداللہؓ کے بھائی عبیداللہ (جو بعد میں عیسائی ہو گیا تھا) اور عبیداللہ کی زوجہ محترمہ جناب آم جیبیہؓ بنت ابو سفیان جن کو بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب قیسؓ بن عبداللہ اور ان کی زوجہ محترمہ برکہؓ بنت یاسر۔ اور جناب مقیبؓ بن ابو فاطمہ۔ بنو عبد شمس ہی سے جناب ابو خدیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بنو نوفل بن عبد مناف کے حلیف قبیلہ سے جناب عتبہؓ بن غزوان بنو اسد سے جناب زبیرؓ کے علاوہ تین اور صحابہ کرام بعد میں حبشہ گئے بنو عبد بن قصیٰ سے جناب طلیبؓ بن عمر بنو عبد الدار سے جناب مصعبؓ بن عمیر کے علاوہ چار اور صحابی بنو زہرہ سے جناب عبد الرحمٰنؓ اور

جناب سعدؓ کے علاوہ چار اور صحابی بنو تیم بن مرہ سے جناب الحارثؓ بن خالد اوران کی زوجہ محترمہ راتیہؓ بنت الحارث بنو مخزوم سے جناب ابو سلمہؓ کے علاوہ سات صحابی بنو جمع سے جناب عثمانؓ بن مظعون کے علاوہ دس صحابی جن میں آپ کے دو بھائی اور ایک بیٹا شامل تھے۔ بنو سہم سے جناب عبداللہؓ بن حارث کے علاوہ تیرہ صحابی بنو عدی بن کعب سے جناب معمرؓ بن عبداللہ کے علاوہ چار صحابی بنو عامر بن لوئی سے جناب ابو سبرہؓ کے علاوہ سات صحابی بنو حارث بن فہر سے جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے علاوہ سات صحابی

یہ تعداد تقریباً تراسی چوراسی بن جاتی ہے اور یہ عاجز یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد تقریباً اتنی تھی۔ کہ مکہ مکرمہ میں حضور پاکؐ، جناب ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب حمزہؓ یا جناب عبداللہؓ بن مسعود یا جناب عمارؓ بن یاسرؓ جیسے چند صاحبان رہ گئے تھے۔ اور یہ تھی حالت کفار کی سختیوں کی کہ ہر خاندان سے متعدد لوگوں کو جا کر حبشہ میں پناہ لینی پڑ گئی۔ لیکن ایک غلط فہمی کی وجہ سے حبشہ میں ان پناہ لینے والوں میں سے کافی لوگ واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔ جن میں سے کچھ مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور کچھ پھر واپس حبشہ چلے گئے۔

غلط فہمی یہ غلط فہمی کیا تھی اس کی مکمل وضاحت کی ضرورت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں ایک حادثہ رونما ہوا جس کو غیروں نے تو خوب اچھالا اور اہل مغرب آج تک اچھال رہے ہیں۔ لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اپنوں میں سے کئی مورخ پہلے زمانوں میں بھی بات کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور آج کے مورخ بات کو سمجھنے کی بجائے واللہ عالم کہہ کر یا گول مول باتیں کہہ کر اپنوں کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیتے ہیں۔ دراصل اس زمانے میں بھی کچھ لوگ بات کو نہ سمجھے اور کچھ راویوں نے بھی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ اب ہوا یہ کہ حضور پاکؐ خانہ کعبہ میں قرآن پاک پڑھتے پڑھتے جب لفظ "لات" تک پہنچے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ کوئی آدمی آپؐ کی آواز میں آواز ملانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضور پاکؐ اس "شیطان" کی شرارت بھانپ گئے۔ اور یہ آیت مکمل کی یا ایک آیت آگے والی پڑھی کہ آپ اللہ اکبر کہہ کر رکوع و سجود میں چلے گئے۔ آواز ملانے والے شیطان قسم کے آدمی نے اس وقفہ کا فائدہ اٹھایا جب حضور پاکؐ رکوع سے پہلے رکے اور اس نے اپنی طرف سے یہ کہہ دیا تلک العزیٰ و تین العلیٰ و ان شفاعتہن ترتجی "یعنی یہ (بت) بہت معظم و محترم ہیں اوران کی شفاعت قبول ہے"۔ یہ آواز سن کر قریش کے کفار بھی جو وہاں بیٹھے تھے وہ بھی حضور پاکؐ کی طرح سجدہ میں چلے گئے اور ولید بن مغیرہ جیسے بوڑھے جو جھک نہ سکتے تھے۔ وہ بھی معمولی جھکے اور مٹی اٹھا کر ماتھے پر لگائی کہ سجدے کا موشن ہو گیا۔ اب پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ سارے مسلمان تو حبشہ پہنچے ہوئے تھے صرف چند جو مکہ مکرمہ میں تھے ان کا ذکر ہو چکا ہے تو زیادہ آدمی کفار قریش کے تھے انہوں نے حضور پاکؐ سے پوچھے بغیر مشہور کر دیا کہ حضور پاکؐ نے (نعوذ باللہ) بتوں کی بڑائی تسلیم کر لی ہے۔ کہ وہ سفارش کر سکتے ہیں۔ قریش نے کہا چلو فیصلہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی تو ہم بھی تسلیم کرتے تھے لیکن ساتھ ہم بتوں کو کچھ شراکت دیتے تھے۔ کہ وہ بھی بہت بڑے ہیں اور ان کی شفاعت والی بات حضور پاکؐ

نے تسلیم کر لی ہے ۔اس لئے اب ہمارا مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا ختم ہے ۔یہ خبر ایسے پھیلی کہ جن مسلمانوں نے حبشہ جا کر پناہ لی ہوئی تھی ان میں کافی لوگ واپس آگئے ۔ تفصیل آگے آتی ہے ۔

بات کا بتنگڑ

اب بد قسمتی کی بات ہے ۔کہ فتح مکہ کے بعد جو قریش مسلمان ہو گئے ۔انہوں نے اس زمانے میں حضور پاکؐ کے نقطہ ونظر کو تو سمجھا نہ تھا ۔سنی سنائی باتوں کو بعد میں روایت کر دیا اور ایسی کئی فضول باتیں ہماری تاریخوں کا حصہ بن گئیں اور آج بھی ہیں ۔کسی راوی نے کہا کہ ابلیس نے حضور پاکؐ کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیئے تو حضور پاکؐ نے بھی ایسے ہی کہہ دیا (نعوذ باللہ) کسی نے کہا شیطان نے یہ فقرے ادا کئے اور زبان ایسے تبدیل کی کہ حضرت محمدؐ کی آواز معلوم ہوتی تھی ۔یعنی بات کا بتنگڑ بن گیا اور یہ ساری باتیں مسلمان لوگ اپنی طرف سے حضور پاکؐ کے دفاع میں کرتے رہے ۔

غیروں کے حلوے مانڈے

اب اس غلط دفاع سے غیروں کے حلوے مانڈے ہو گئے اور وہ لوگ اپنی طرف سے یہ بات اس طرح پیش کرتے ہیں ۔کہ مسلمان راوی خود مانتے ہیں کہ ان کے پیغمبر نے ایسے لفظ کہے ضرور ۔اور اصلی بات یہ تھی ۔کہ مسلمانوں کا پیغمبر کفار کے ساتھ یا قریش کے ساتھ بتوں کے سلسلہ میں سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا ۔اور ایسے سمجھوتہ کے لیے یہ الفاظ ادا کئے اور سمجھوتہ ہو گیا ۔لیکن حضرت محمدؐ کے مشیروں نے بعد میں منع کر دیا تو مسلمانوں کا پیغمبر اس خیال یا عمل سے پھر گیا یعنی یہ لوگ حضور پاکؐ کی نبوت اور وحی کو تو تسلیم نہیں کرتے تو جو کچھ ہمارے آقاؐ نے کہا اس کو یہ غیر ہمارے آقاؐ کا ذہنی اختراع اور مشیروں کا مشورہ کہتے ہیں ۔تو اس کلیہ کے تحت اوپر والی بات غیروں کا جائزہ کا حصہ بن گئی ۔کہ غیر اسلام کو صرف وقت کی ضرورت کا فلسفہ کہتے ہیں اور اس کو دین فطرت نہیں مانتے ۔

یہ عاجز پیش لفظ اور پہلے باب میں واضح کر چکا ہے کہ حدیث مبارکہ ہے کہ حضور پاکؐ کی زبان سے صرف حق بات نکلتی ہے ۔اور شیطان نہ تو حضور پاکؐ کے دل پر کوئی اثر کر سکتا ہے نہ زبان پر الفاظ ڈال سکتا ہے ۔بلکہ وہ عام آدمی کے خواب میں بھی حضور پاکؐ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا ۔دراصل حضور پاکؐ نے اور مسلمانوں نے اس آدمی کو شیطان کہا کہ پہلے قریش کے تین شیطانوں کا ذکر ہو چکا ہے اور شاید یہ آدمی ان ہی تین میں سے کوئی ہو ۔تو کچھ راویوں نے یہ ساری کارکردگی شیطان کی سمجھی اور حضور پاکؐ کا نا سمجھی کا دفاع کرتے ہوئے یہاں تک چلے گئے کہ چونکہ حضور پاکؐ خود خواہشمند تھے کہ قریش اور ان کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے اور جب شیطان یہ الفاظ آپؐ کی زبان مبارک پر ڈال رہا تھا تو آپؐ نے اس کو وحی سمجھ کر ادا کر دیا ۔(نعوذ باللہ) بلکہ اسی شام کو کچھ راوی حضرت جبرئیلؑ کے آنے کا ذکر بھی کرتے ہیں اور یہاں تک چلے جاتے ہیں ۔کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہہ دی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی تھی ۔(نعوذ باللہ) یہ ہے نادان لوگوں کا دفاع ۔اس میں کچھ غیروں کی سازش بھی شامل ہے ۔اس کا بیان آگے آتا ہے ۔

حضور پاکؐ معصوم ہیں:

حضور پاکؐ سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ان سے حضرت آدمؑ سمیت چھوٹی موٹی خطا ہو گئی ۔تو غیر چاہتے تھے کہ ہم مسلمان بھی تسلیم کر لیں کہ (نعوذ باللہ) ہمارے آقاؐ سے بھی خطا ہو گئی ۔اور یہ معمولی بات ہے ۔اور پیغمبر سے خطا ہو سکتی ہے ۔ہم یہ چیز ہر گز تسلیم نہیں کرتے ۔ہمارے آقاؐ معصوم ہیں اور ان سے کوئی خطا نہیں ہو سکتی تھی اور اس سلسلہ

ہیں قرآن پاک گواہ ہے کہ حضور پاکؐ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بغیر اس کے بتائے نہیں کہہ سکتے اور قرآن پاک کے صحیح الفاظ یہ ہیں "تقول علینا بعض الاقاویل الاخذنا بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین" بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مشرکوں، شیطانوں اور کفار کی اس سلسلہ کی سازش کے بارے میں بھی اپنے حبیبؐ کو آگاہ کیا ہوا تھا۔ ارشاد ربانی ہے کہ "اگرچہ قریب ہے کہ یہ لوگ جو وحی ہم نے آپؐ کو بھیجی ہے اس سے آپ کو باز رکھیں تاکہ آپؐ اس وحی کے خلاف ہم پر بہتان باندھیں اور اس وقت یہ لوگ آپؐ کو دوست بنائیں۔" قارئین دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ حضور پاکؐ کے شان کو عاجزی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے علم کی زیادہ ضرورت نہیں۔ محبت اور غلامی کے شوق کی ضرورت ہے۔ حضور پاک نے کوئی غلط الفاظ نہ ادا کیئے۔

علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے (اقبالؒ)

حبشہ کے معاملات: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ خبر پھیل گئی ہے کہ مسلمانوں اور کفار قریش کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے تو ساتھ حبشہ میں ابن اسحق کے مطابق یہ بات بھی پھیل گئی کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ خبر سننے کی وجہ سے پناہ گیروں کی ایک بڑی تعداد مکہ مکرمہ واپس آگئی۔ لیکن یہاں حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے کچھ لوگ تو واپس حبشہ چلے گئے اور جنگ خیبر کے زمانے تک حبشہ ہی میں رہے۔ جس کا ذکر سولھویں باب میں موجود ہے۔ البتہ اس طریق کار کی حکمت کا جائزہ اگلے یعنی آٹھویں باب میں پیش کیا جائے گا۔ جو لوگ واپس حبشہ نہ گئے ان کی تعداد کوئی تینتیس کے قریب بتائی جاتی ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

بنو عبد شمس سے حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ محترمہ جناب رقیہؓ بنت رسول، جناب ابو خذیفہؓ بن عتبہ اور ان کی زوجہ محترمہ جناب سہلہؓ بن سہیل حلیف قبیلہ بنو خزیمہ سے حضرت عبداللہؓ بن جحش (حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد)

بنو نوفل کے حلیف قبیلہ سے جناب عتبہؓ بن غزوان

بنو اسد سے جناب زبیرؓ بن عوام (حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد)

بنو عبدالدار سے جناب مصعبؓ بن عمیر اور ایک صحابی۔

بنو عبد بن قصیٰ سے جناب طلیبؓ بن عمیر

بنو زہرہ سے جناب عبدالرحمنؓ بن عوف، جناب سعدؓ بن ابی وقاص اور ان کے حلیف قبائل سے جناب عبداللہؓ بن مسعود اور جناب مقدادؓ بن عمرو

بنو مخزوم سے جناب ابو سلمہؓ، ان کی زوجہ محترمہ جناب ام سلمہؓ اور چار یا پانچ اور صحابی

بنو سہم سے جناب خنیسؓ بن خذافہ، اور ہشامؓ بن العاص، جناب ہشام کو اس کے خاندان والوں نے مکہ مکرمہ میں زنجیروں میں باندھ دیا اور انہوں نے کئی سال ایسے گذارے

بنو عدی بن کعب سے جناب عامرؓ بن ربیعہ اور ان کے حلیف قبیلہ کے ایک صحابی اور ان کی زوجہ محترمہ

بنو عامر بن لوئی سے جناب عبداللہؓ بن مخزمہ اور جناب عبداللہؓ بن سہیل۔ جن کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ لیکن کسی طرح بھاگ

کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی طرف تھے۔ جناب ابو سبرہؓ بن ابو رحم (حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد) اور ان کی زوجہ محترمہ جناب ام کلثومؓ۔ جناب سکرانؓ بن عمر اور ان کی زوجہ محترمہ جناب سودہؓ بنت زمعہ (جناب سکرانؓ بعد میں مکہ مکرمہ میں وفات پا گئے اور ان کی وفات کے بعد جناب سودہؓ ام المومنین بن گئیں کہ جناب خدیجہؓ کی وفات کے بعد گھر کی دیکھ بھال کریں۔)

بنو عامر کے حلیف قبیلہ سے جناب سعدؓ بن خولہ

بنو حارث بن فہر سے جناب ابو عبیدہؓ بن جراح اور ایک صحابی

جناب عمارؓ بن یاسر کے بارے شک ہے، کہ وہ حبشہ گئے بھی یا نہیں۔ اگر گئے تو وہ بھی واپس تشریف لے آئے۔ اسی طرح بنو مخزوم سے جناب سلامہ بن ہشام جو ابو جہل کے بھائی تھے ان کے خاندان والوں نے حبشہ سے ہجرت کے واپس آنے پر ان کو زنجیروں میں باندھ دیا اور جنگ خندق تک آپ اپنے خاندان کی قید میں رہے۔ علاوہ جناب عیاشؓ بن ابو ربیعہ بھی حبشہ سے واپس آکر کافی عرصہ قید رہے، لیکن کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن وہاں گھات لگا کر ان کے بھائی ان کو پکڑ کر لے آئے اور آپ بھی جنگ خندق تک قید رہے۔

تبصرہ: ہمارے پرانے مورخین نے بڑی محنت کے ساتھ ایک ایک صحابہ اور اس کے خاندان کی تفصیل لکھی کہ راہ حق میں ان کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑی۔ یہ تھے حضورؐ کے جمال کے اثرات۔ ہماری موجودہ تاریخوں سے ناموں کی تفصیل ختم ہو رہی ہے اور جہاں نام لکھے جاتے ہیں وہاں ان کے نام اور والدین کے ناموں کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے۔ یہ عاجز بہت اختصار کے ساتھ ہر جگہ نام اور خاندان کی تفصیل لکھ رہا کہ قارئین کو معلوم ہو کہ کس صحابی نے کتنی کتنی تکلیف اٹھائی۔ تعداد میں ایک آدھ کا فرق ہو سکتا ہے اور اب یہ نام دینے میں یہ مصلحت تھی کہ ان سب صاحبان نے مکہ مکرمہ میں کفار قریش کے ہاتھوں دوبارہ تکلیفیں اٹھائیں۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور سب جنگوں میں شرکت کی اور کافی تعداد میں مسلمان گھر سے دور پناہ کی حالت میں حبشہ میں کئی سال رہے۔ گو قریش کو یہ بھی پسند نہ تھا۔

عمرو بن عاص کی سفارت: عمرو کے باپ عاص بن وائل کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ عمرو از خود بھی جوانی ہی میں قریش میں ایک مقام پیدا کر چکا تھا۔ وہ بہت تیز دماغ، علم الکلام کا ماہر اور سیاستدان تھا۔ (یہی بعد میں اسلام لے آئے اور فاتح مصر ہیں۔ ان کی زندگی پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس کتاب میں بھی ان کا اکثر ذکر آتا رہے گا۔) بہر حال کفار قریش جب اپنی چال سے سب مسلمانوں کو حبشہ سے واپس نہ لا سکے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ ربیعہ حبشہ جائیں اور وہاں شاہ نجاشی کو کچھ تحفے دیں اور ان کو کہیں کہ جو مسلمان ان کے ہاں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے بھگوڑے ہیں اور ان کو واپس کر دیا جائے۔ کفار قریش کی اس مانگ پر تبصرہ آگے آتا ہے۔ اس زمانے میں حبشہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے فرائض جناب جعفرؓ طیار بن ابو طالبؓ نے ادا کئے۔ اور مکہ مکرمہ میں جناب ابو طالبؓ نے فی البدیہہ ایک نظم پڑھ دی جو ابن اسحق میں موجود ہے کہ انشااللہ کفار کی شرارت کا شاہ نجاشی پر کوئی اثر نہ ہو گا کہ وہ مدبر اور خاندانی آدمی ہے عمرو بن عاص نے بھی البتہ تحفے دے کر اور اپنی تقریر سے

شاہ نجاشی کو متاثر کیا۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے جناب جعفرؓ کو کہا کہ " وہ اللہ کی وہ کلام پڑھیں جو آپ کے پیغمبر پر نازل ہوتی ہے " تو جناب جعفرؓ نے سورۃ مریم کی چند آیات پڑھیں ۔ تو شاہ نجاشی کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور اس پر رقت طاری ہو گئی اور کہا " بخدا یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو یا روشنی ہیں ۔ اے عمرو! تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلوموں کو ہرگز مکہ مکرمہ واپس نہ کروں گا " اس کے بعد عمرو بن عاص نے آخری حربہ استعمال کیا اور دوسرے دن دربار میں رسائی حاصل کر کے شاہ نجاشی کو بھڑکایا کہ ان مسلمانوں کے خیالات حضرت عیسیٰؑ کے بارے تمہارے ساتھ نہیں ملتے ۔ نجاشی نے جناب جعفرؓ کو بلا کر وضاحت چاہی تو جناب جعفرؓ نے کہا " ہمارے پیغمبر نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا بندہ پیغمبر اور کلمتہ اللہ ہے " شاہ نجاشی نے کہا " بخدا میرا بھی یہی ایمان ہے " روایت ہے کہ یہ نجاشیؓ مسلمان ہو گئے تھے اور جب فوت ہوئے تو حضور پاکؐ نے ان کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا تھا۔ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل تیئیسویں باب میں آتی ہے ۔

تاریخی پہلو : گزارش ہو چکی ہے کہ اس شاہ نجاشی کو تخت بڑی مشکل سے ملا تھا ۔ اپنا اسلام ظاہر کرنے کے بعد ان کی تکلیفات مزید بڑھیں اور مسلمان ادھر ہی تھے کہ ان کے خلاف بغاوت ہو گئی تھی ۔ لیکن بادشاہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا روایت ہے کہ یہ خوشخبری حضور پاکؐ کو جناب زبیرؓ بن عوام نے آ کر مکہ مکرمہ میں دی ۔ اب جناب زبیرؓ کے بارے پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ آ چکے تھے ۔ لیکن یہ عاجز اس جائزہ کو صحیح سمجھتا ہے کہ مسلمان حبشہ میں نہ اکٹھے گئے نہ اکٹھے واپس آئے ۔ آنے جانے کا سلسلہ چلتا رہتا تھا ۔ اور جناب زبیرؓ کی مکہ مکرمہ واپسی کے ثبوت ہیں کہ پھر آپ نے مدینہ منورہ کی ہجرت کی ۔ حبشہ شاید افریقہ کا واحد ملک ہے جہاں کبھی کسی غیر نے حکومت نہ کی سوائے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء تک جب حبشہ کے آخری بادشاہ نجاشی کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور اطالیہ کے مسولینی نے وہاں قبضہ کر لیا ۔ یہ آخری نجاشی ملک کا دو سو پچیسواں بادشاہ تھا اور اب چند سال ہوئے ایک کرنل نے اس ملک پر قبضہ کر کے بادشاہت کو ختم کر دیا ہے ۔ روایت ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں شاہ نجاشی مسلمان ہو گیا تھا اور اس آخری " ھیل سلاسی " کے باپ نے اس مسلمان بادشاہ سے سلطنت چھین لی تھی ۔ یہ بھی روایت ہے کہ حبشہ کے یہ تمام نجاشی بادشاہ اسی نجاشی کی اولاد سے تھے جو حضور پاکؐ کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے ۔ اور ان کے بیٹے بھی مسلمان ہو گئے تھے ۔ لیکن وہ مدینہ منورہ کی طرف سفر کرتے ہوئے بحیرہ قلزم میں وفات پا گئے کہ جس جہاز میں وہ سفر کر رہے تھے وہ ڈوب گیا تھا اور بعد میں حبشہ کے تخت پر شاہ نجاشی کی ایسی اولاد کا قبضہ ہو گیا جو کم عمر تھے اور امرا نے ان کو عیسائی بنا لیا یا عیسائی رہنے دیا ۔ ادھر مسلمانوں کی لج پالی کی یہ کیفیت رہی کہ اپنے بڑے سے بڑے عروج کے زمانے میں بھی حبشہ پر حملہ نہ کیا ۔ اور اسی نجاشی کی اولاد کو لیبے سینا پر حکمرانی کرنے دی ۔ حالانکہ وہاں کافی آبادی اسلام لا چکی تھی ۔ اب بھی مسلمان وہاں پر کافی تعداد میں ہیں ۔ حبشہ کے اسلام سے پہلے کے تاریخی پہلو پر چوتھے باب میں ذکر کر دیا تھا ۔

تبصرہ : وعدہ کیا تھا کہ کفار قریش کے حبشہ جا کر مسلمانوں کو واپس لانے کی سعی پر تبصرہ بعد میں کریں گے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہجرت یا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کا رواج عربوں میں بڑا عام تھا ۔ اور اس سلسلہ میں چوتھے باب میں

قبائل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واقعات کا ذکر ہے۔ لیکن کبھی کسی قبیلہ کو بھگوڑا نہ قرار دیا گیا۔یہاں کفار قریش مسلمانوں کے بارے یہ رویہ کیوں اختیار کر رہے تھے؟۔ یہ پہلو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ قریش کفار سمجھ گئے تھے کہ مسلمان ایک دین لائے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی آمریت کو جاری وساری کر دیں گے۔ مسلمانوں کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔ ایک اللہ والے یعنی حزب اللہ۔ جس کو اللہ کی فوج کہہ لیں یا اللہ کے سپاہی اور دوسرے کفار۔ قریش کفار میں آتے تھے۔ ان کے معاشرہ، رسم ورواج، قبائلی جمہوریت، آزادی فکر، ان کو ختم ہوتی نظر آتی تھی اس لیے وہ مسلمانوں کا ہر حربے سے مقابلہ کر رہے تھے اور انہوں نے باطل کی صورت میں بڑا سخت مقابلہ کیا۔ لیکن آخر حق کے سامنے گھٹنے ٹیک گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عاجز نے اکثر عنوانوں اور بیانوں میں حق و باطل کی ٹکر کا ذکر کیا ہے۔ کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ اور باطل کفار قریش کے روپ میں باطل کا ہراول دستہ تھا۔

قریش کا وفد ابو طالبؓ کے پاس: ویسے تو قریش کا کوئی نہ کوئی سردار یا دو تین آدمی ملکر اکثر جناب ابو طالبؓ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اور کبھی کوئی دباؤ ڈالتے۔ کبھی کوئی شرط پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب ابو طالبؓ نے حضور پاکؐ کو گزارش بھی کر دی "اے بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ ڈالو جتنا میں برداشت کر سکوں" تو حضور پاکؐ نے فرمایا "اے محترم چچا! مجھے اس کا بڑا خیال ہے۔ لیکن خواہ کچھ ہو جائے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پورے کروں گا" تو جناب ابو طالبؓ نے کہا "بے شک آپؐ اپنا کام جاری رکھیں میں اپنی طاقت کے مطابق آپؐ کی حفاظت کروں گا" اب اصل بات یہ ہے کہ اپنے حبیبؐ کی حفاظت تو خود اللہ تعالیٰ کرتا تھا۔ جناب ابو طالبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شرف عطا کر دیا۔ بہرحال کفار قریش کو جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو تمام بڑے بڑے کافر اکٹھے ہو کر جناب ابو طالبؓ کے پاس گئے۔ اور جناب خالدؓ کے بھائی عمارہ بن ولید کو لے گئے جو حسب نسب کے علاوہ بہادری، خوبصورتی، تدبر اور شعر گوئی میں بہت اونچا مقام رکھتا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں کوئی آدمی اگر کسی کو بیٹا بنا لیتا تو وہ اس کا وارث بن جاتا تھا اور اس زمانے کی ضرورت تھی کہ اچھے لوگوں کو تلاش کر کے بیٹا یا بھائی بنایا جاتا تھا۔ حلیف قبائل کی رسم اسی اصول کی پیداوار ہے۔

بڑا غریب اور ذلیل سودا: چنانچہ کفار قریش سرداروں نے جناب ابو طالبؓ کو عمارہ پیش کیا کہ اسکو اپنا بیٹا بنا لو۔ اور اس کی بجائے اپنا بھتیجا (جناب محمدؐ) ہمارے حوالے کر دو۔ اور ہم انؐ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں گے۔ جناب ابو طالبؓ نے فرمایا "واللہ تم لوگ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ میں اپنا بیٹا تمہیں دے دوں کہ تم اس کو (نعوذ باللہ) قتل کر دو اور میں تمہارے بیٹے کی پرورش کروں گا۔ بڑا غریب و ذلیل سودا ہے"

تبصرہ: قارئین الفاظ کی فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں جائیں اور جناب ابو طالبؓ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

شعب ابی طالبؓ: اس کے بعد کئی اور واقعات ہوئے جن کی تفصیل میں جانے سے کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ بہرحال ایک دن ایسا ہوا کہ حضور پاکؐ کے لاپتہ ہو جانے کی خبر پھیل گئی۔ جناب ابو طالبؓ نے اپنے خاندان کے بچے بچے کو اکٹھا کیا اور تلواریں کپڑوں کے اندر ڈالیں۔ آگے سے کفار قریش ملے تو جناب ابو طالبؓ نے یہ اعلان کیا "اے قریش سنو! (اور پھر سب

ہاشمیوں نے اپنے کپڑوں کے اندر سے تلواریں نکال لیں) کہ اگر تم میں سے کسی نے حضرت محمدؐ کا بال بیکا کیا تو یہ تلواریں تب تک چلتی رہیں گی جب تک تم مٹ نہ جاؤ یا ہم ختم نہ ہو جائیں۔ لیکن اسی دوران حضور پاکؐ تشریف لے آئے کہ کہیں عبادت میں مشغول تھے، تو اس وقت معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن قارئین جناب ابو طالبؓ کے مقام اور شان میں ذرا غوطہ لگائیں۔ یہ حالات دیکھ کر کفار قریش کے تمام سرداروں نے فیصلہ کیا کہ ایک معاہدہ مرتب کیا جائے کہ جب تک جناب ابو طالبؓ، حضرت محمدؐ کو قریش کے حوالے نہیں کرتے، کوئی شخص نہ بنو ہاشم کے ساتھ رشتہ کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کو لکھنے والا بنو عبد الدار سے منصور بن عکرمہ تھا۔ روایت ہے کہ بعد میں اس کی انگلیاں سڑ گئیں۔ کچھ روایت میں یہ معاہدہ النضر بن حارث نے لکھا جس کا قریش کے شیطانوں کے تحت ذکر ہو چکا ہے۔ جناب ابو طالبؓ نے اپنے تمام خاندان سمیت یعنی ہاشمیوں کے علاوہ المطلب بن عبد مناف کی اولاد کو بھی شامل کر کے اپنے مکہ مکرمہ میں الگ الگ گھروں میں رہنے کی بجائے اپنے میراث کے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیا کہ سب لوگ ایک جگہ اکٹھے رہ کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں آسانی سے شریک ہو سکیں گے۔ البتہ ابو لہب اور اس کے گھر والے نہ آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو کفار قریش کا حصہ بنا دیا۔ جناب ابو طالبؓ نے باقی قبائل کے مسلمانوں کو بھی اس جگہ پناہ دی۔ ان میں حبشہ سے واپس آنے والے جناب ابو سلمہؓ اور ان کی زوجہ محترمہ ام سلمہؓ بھی شامل تھے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا کہ جناب ابو سلمہؓ کا قبیلہ مخزوم اس وجہ سے بہت سٹپٹایا۔ علاوہ ازیں جناب ابو طالبؓ نے بنو زہرہ سے جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو بھی اس شعب میں پناہ دی اور شاعر ہوتے ہوئے ایک نظم کہہ ڈالی۔ جس کا نچوڑ پیش کیا جا رہا ہے۔

"اے بنو لوئی۔ اور خاص کر لوئی بن غالب کی اولاد۔ آگاہ رہو کہ ہماری ہے یہ حالت۔ لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمیں مل گئے ہیں محمدؐ وہ بھی ہیں، پیغمبر جس طرح تھے حضرت موسیٰ اور ہے ان کا ذکر پرانی آسمانی کتابوں میں" اس کے بعد آپ اپنوں کو ڈھارس بندھاتے ہیں اور دشمن کو خبردار کرتے ہیں:۔

"ہم اس وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں جب بڑے بڑے بہادر دل چھوڑ دیتے ہیں"

تبصرہ: جناب ابو طالبؓ کے اسلام پر شک یہاں ختم ہو جاتا ہے کہ جناب ابو طالبؓ "لا الہ الا اللہ" تو پہلے بھی کہتے تھے اب اس نظم کے ذریعے سے "محمد الرسول اللہ" کا اعلان بھی کر دیا۔ اب اور اسلام کیا ہے؟

معاہدہ کو دیمک کا چاٹنا: شعب ابی طالبؓ میں مسلمانوں نے تین سال کا عرصہ بڑی مشکل سے گزارا۔ قریش میں بھی کئی اس چیز کو ناپسند کرتے تھے۔ ہاشمیوں اور المطلب کی اولاد سے کچھ ایسے لوگ بھی اس شعب میں تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے یا اپنے اسلام کا اعلان نہ کیا تھا۔ بہر حال باہر رہنے والوں میں سے بھی ابو البختری بن ہشام اور حکیم بن حزام جیسے لوگوں نے اس معاہدہ کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ اور حکیم تو مسلمانوں کو کھانے کا سامان بھی پہنچاتا رہتا تھا۔ اور بعد میں مسلمان بھی ہو گیا اب اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اب اس معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی۔ حضور پاکؐ نے اپنے چچا ابو طالبؓ کو یہ خبر دی اور انہوں نے

قریش کو شرم دلایا۔ تو دیکھا تو واقعی دیمک اس معائدہ کا کام تمام کر چکی تھی۔ اسی دوران ایک گروہ تیار ہو گیا جس میں ابو البختری اور حکیم کے علاوہ ہشام بن عمرو، زہیر بن ابو امیہ، المعطم بن عدی اور زمعہ بن الاسود سب نے معائدہ کو ختم کرنے کی کوشش کی اور جب یہ معائدہ خانہ کعبہ سے اتارا گیا تو اللہ تعالیٰ کے لفظ کو چھوڑ کر باقی سارا کاغذ ختم تھا۔

جناب خدیجہ الکبریٰؓ اور جناب ابو طالبؓ کی وفات: مسلمانوں کی ناقہ بندی کو ختم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ جناب خدیجہؓ اور جناب ابو طالبؓ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ دونوں نے حضور پاکؐ کے لئے بڑی شفقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یہ شرف بخشا۔ ویسے اللہ کے حبیبؐ کے لئے اکیلا اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ تھا۔ بہرحال اب مشکل وقت آرہے تھے۔ یعنی جو کچھ ہو چکا اس سے بھی بہت مشکل، تو اللہ کے حبیبؐ نے سب کام خود سرانجام دینے تھے نبوت کی تکمیل ہونے والی تھی۔ تو بشری تقاضے کے تحت بڑوں کی شفقت والا معاملہ بھی ختم ہوا۔ جناب خدیجتہ الکبریٰؓ کی شان پانچویں باب میں خاص کر بیان کر دی گئی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیوہ کو کتنا بڑا شرف دیا اور جو راحت جناب خدیجتہ الکبریٰؓ نے حضور پاکؐ کو پہنچائی یا حضور پاکؐ کے جمال کا جو لطف انہوں نے اٹھایا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ چھٹے باب میں آپ کے سب سے پہلے حضور پاکؐ پر ایمان لانے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ پس یہ مشیت ایزدی تھی کہ اب جدائی کا وقت آگیا تھا اور جناب خدیجتہ الکبریٰؓ مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں دفن ہیں۔ قبر تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ ایک سوراخ سے آپ کی قبر مبارک نظر آجاتی ہے۔ ساتھ دو اور چھوٹے چھوٹے نشانات ہیں جو حضور پاکؐ کے بیٹوں قاسمؓ اور عبداللہؓ (طاہر اور طیب) کی قبریں ہیں۔ پس وہاں نگاہ پڑتے ہی انسان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور ایسے خیالات میں کھو جاتا ہے جن کو پس پردہ ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اور بس

جناب ابو طالبؓ کا اسلام: جناب ابو طالبؓ کی شان بھی یہ عاجز پانچویں باب سے بیان کرتا آرہا ہے اور وعدہ کیا تھا کہ جناب ابو طالبؓ کے اسلام کے بارے میں ساتویں باب میں جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اور اب یہ عاجز ایک افسوسناک پہلو کی طرف آتا ہے کہ ہمارے کچھ محدثین اور مورخین نے یہ لکھ دیا کہ ابو طالبؓ اسلام نہ لائے۔ چنانچہ ان روایتوں اور بیانات کا جائزہ ضروری ہے۔ ایک روایت جناب ابو سعید حذریؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ "قرآن پاک میں جو ارشاد ہے کہ مشرکین اگر قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں ان کے لئے استغفار مناسب نہیں" تو جناب ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ یہ بات جناب ابو طالبؓ کے لئے ہے۔ اول تو اس بات کو حدیث مبارکہ کہنا کچھ عجیب لگتا ہے۔ اس کو جناب ابو سعیدؓ کی قرآن پاک کی تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ دوم جناب ابو سعیدؓ انصار تھے اور جنگ کربلا میں عمرو بن سعد کے لشکر میں موجود ضرور تھے۔ گو عملی طور پر شاید حصہ نہ لیا ہو۔ یہ بات انہوں نے کہی یا بنوامیہ نے جناب ابو سعیدؓ کا نام استعمال کیا کہ وہ ان کے ساتھ تھے۔ اس لئے اس بیان کو ثقہ قرار دینے والے کی باقی جائزوں پر بھی شک کیا جا سکتا ہے۔

دوسری روایت بخاری شریف کے مطابق حضرت مسیبؓ کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جناب ابو طالبؓ اسلام نہ لائے تھے۔ اب جناب مسیبؓ بنو مخزوم سے ہیں اور جناب ابو طالبؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر چار سال تھی۔ ایسے لوگوں کے اسلام پر تو ہمیں

کوئی شک کرنے کی گنجائش نہیں لیکن حضور پاکؐ کی مکی زندگی کے بارے ایسے لوگوں کو امام بخاریؒ نے کیسے ثقہ قرار دیا۔ یہ عاجز اس باب میں ایسے لوگوں کی واقفیت پر تبصرہ کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں بنو مخزوم سے ابو جہل اور ولید کہتے تھے کہ نبوت بنو ہاشم کے گھر کیوں آئی۔ ہم بڑے سردار تھے۔ تو جناب مسیبؓ نے کچھ وقت ابو جہل اور ولید کے ساتھ گذارا تھا اور ان کے خاندان کا حصہ تھے، ان سے بنو ہاشم کے کسی سردار کے بارے اچھی بات کی توقع کرنا مشکل ہے۔ اور ممکن ہے ایسی دشمنی کے تحت بنو امیہ نے ان کا نام استعمال کیا ہو۔ تیسری روایت عباسی خاندان کے عبداللہ بن عباسؓ یعنی جن میں خلافت چلی نے سینہ بہ سینہ محدثوں تک پہنچائی اور امام بخاریؒ بھی عباسیہ کے زمانے میں تھے۔ وہ روایت جناب عباسؓ (حضور پاکؐ کے چچا) سے منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضور پاکؐ سے پوچھا "کہ ابو طالبؑ نے جو ان کی حفاظت کی اس کا ابو طالبؑ کو کیا فائدہ ہوا" تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "میری وجہ سے وہ دوزخ کے نچلے درجے میں ہیں" (نعوذ باللہ) اس عاجز کو اس سے بڑھ کر کوئی بناوٹی حدیث نظر نہیں آتی۔ کہ مطلب جناب ابو طالبؑ کو دوزخ میں "ڈالنا" تھا اور سوال ان کے ساتھ ہمدردی ظاہر "کرتا" ہے۔ افسوس! صد افسوس!

قارئین بات بہت لمبی ہے اگر جناب امام بخاریؒ وغیرہ لاکھوں حدیثوں کو غیر ثقہ قرار دے سکتے ہیں تو ہم عاجزوں کو بھی حدیثوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے پر تبصرہ کی اجازت ہونا چاہیے لیکن قارئین کہیں گے کہ راقم بھی کوئی ثبوت پیش کرے۔ جائزہ بعد میں ہو جائے گا۔ تو یہ عاجز اس سلسلہ میں بہت ثبوت پیش کر چکا ہے۔ اور اب ایک غیر جانبدار صاحب کے الفاظ میں ثبوت پیش ہے۔

ابن اسحاق کی روایت: ابن اسحاق کے مطابق جناب عباسؓ کے بیٹے جناب معبدؒ (جو خلیفوں کے جد امجد نہیں) روایت کرتے ہیں کہ جناب ابو طالبؑ اپنی موت کے وقت لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ پڑھ رہے تھے اور یہ الفاظ ان کے والد جناب عباسؓ نے خود سنے اور انہوں نے حضور پاکؐ کو بتایا کہ میرا بھائی تو اب بھی تیرا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ تو حضور پاکؐ مسکرا دیئے۔ قارئین! اب جو جناب عباسؓ کی طرف روایت منسوب ہے کہ انہوں نے جناب ابو طالبؑ کے بارے حضور پاکؐ سے پوچھا کہ ابو طالبؑ کس حالت میں ہیں تو وہ روایت غلط ہو جاتی ہے کہ جناب عباسؓ نے خود اپنے بھائی کو کلمہ پڑھتے سنا۔ ہاں البتہ حضور پاکؐ مسکرائے اس لئے کہ جناب عباسؓ نے حضور پاکؐ کو گزارش کی کہ میرا بھائی ہونٹ ہلا رہا ہے اور کلمہ پڑھ رہا ہے تو حضور پاکؐ کو اپنے چچا کی ساری شفقتیں یاد آ گئی ہوں گی۔ قارئین! جناب ابو طالبؑ کے ہونٹ تو اس دن سے ہل رہے تھے جس دن سے جناب عبدالمطلبؑ نے اپنے پوتے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ اور آخری وقت جناب ابو طالبؑ اپنے بھائی جناب عباسؓ کو تیار کر رہے تھے کہ "بھائی جان اب تم ہونٹ ہلاؤ" اور بیشک اس کے بعد جناب عباسؓ کافی عرصہ خاموشی سے ہونٹ ہلاتے رہے اور پھر ایک دن اعلان بھی کر دیا۔ "لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ" اس کے بعد جو یہ پہلو نہ سمجھے تو علامہ اقبالؒ کو بیچ لاتے ہیں:۔

زمانہ اپنے حوادث، چھپا نہیں سکتا — تیرا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

متعلقہ روایت کی بنیاد اس عاجز نے اس پہلو کی خوب چھان بین کی ہے۔ یہ بات سب سے پہلے جناب امیر معاویہؓ نے کی کہ میرا باپ ابو سفیانؓ مسلمان ہو گیا تھا اس لئے میں خلافت کا جناب علیؑ سے زیادہ حق دار ہوں، جن کے باپ مسلمان ہونے کا

کوئی ثبوت نہیں ۔ پھر بنو امیہ کے زمانے میں بات بڑھ گئی ۔ کہ جناب ابو طالبؑ حالت کفر میں فوت ہوئے (نعوذ باللہ) ۔ تمام ہاشمی جن میں عباسی اور علوی شامل تھے انہوں نے بنو امیہ کے اس الزام کو غلط کہا ۔ لیکن جب خلافت بنو عباس کے پاس آئی تو علویوں کو خلافت سے دور رکھنے کے لئے انہوں نے بنو امیہ کے شوشہ میں یہ اضافہ کیا کہ ہمارے دادا عباسؓ مسلمان تھے اس لئے خلافت ہمارا حق ہے ۔ نہ کہ اولاد ابی طالبؑ کہ ابو طالبؑ مسلمان نہ تھے ۔ امام بخاریؒ نے اور باقی محدثین نے احادیث عباسیوں کے زمانے میں مدون کیں وہ راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ کے پہلو میں تو جاتے تھے ۔ لیکن شاید تاریخی پہلو میں نہ گئے اور پھر کتنی بناوٹی احادیث کو ختم کرتے ۔ کوئی ایک آدھ رہ بھی سکتی ہے ۔ یہ عاجز امام بخاریؒ کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ۔ لیکن یہ میرا ذاتی جائزہ ہے ۔ اور امام بخاریؒ معصوم نہیں ۔ انہوں نے احادیث مبارکہ کو قرآن پاک میں بیان شدہ باتوں کے تحت نہ پرکھا ۔ اور قرآن پاک کے احکام کے باوجود کہ لوگ اپنے باپوں کے نام سے جانے جائیں ۔ آپ نے صحابہؓ کے لئے وہ نام استعمال کیا جس نام سے وہ مشہور تھے ۔ قارئین میرے ساتھ اختلاف کر سکتے ہیں ۔ لیکن یہ عاجز آگے بھی ثبوت پیش کرے گا ۔ آخر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ کے زمانوں میں ایسی احادیث کا ذکر کیوں نہیں ملتا ۔ کہ وہ جناب علیؓ کو ہمیشہ ابن ابو طالبؑ جیسے پیارے نام سے پکارتے تھے ۔ کہ حضرت علیؓ، کو جب امیر معاویہؓ کے اس معاملے سے آگاہ کیا گیا ۔ تو آپ نے فرمایا میرے والد مرحوم و مغفور، حضور پاکؐ کو بیٹا بیٹا کہتے نہ تھکتے تھے ۔ تو جس کا بیٹا حوض کوثر کا مالک ہو ۔ کیا وہ آخرت میں پیاسے رہیں گے ؟ تو ساری غلط باتیں یہاں ختم ہو جاتی ہیں ۔ بھلا ہو کرنل انور مدنی کا جنہوں نے جناب ابو طالبؓ کے اسلام پر ایک کتاب ان دنوں لکھ کر عالم اسلام کی بڑی خدمت کی ہے

معراج نبوی انہی دنوں اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرنے سے تقریباً سال ڈیڑھ سال پہلے حضور پاکؐ کو معراج نصیب ہوا ۔ یہ نبوت کی تکمیل تھی ۔ ہماری سمجھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی کہ ہم تو شخصیت کی تکمیل کے پہلو تک بھی نہیں پہنچ پاتے ۔ ہم تو احکام سمجھ سکتے ہیں اور "سمعنا" "واطعنا" ہیں چونکہ نبیؐ کی شان سمجھنے کا ہمیں شعور نہیں ۔ تو نبی کے مشاہدات کو بھی ہم مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتے ۔ اسلئے معراج کے مشاہدات کو کسی دنیاوی زبان میں بیان کرنا مشکل ہے ۔ قران پاک کی سورۃ نبی۔ اسرائیل میں لفظ اسٰری کے ساتھ مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جانے کا ذکر ہے ۔ بخاری شریف ، ابن۔ اسحاق اور ابن سعد میں زیادہ تفصیل ہے یعنی قران پاک میں اشارہ ہے اور احادیث مبارکہ میں وضاحت ہے ۔ تو ان مشاہدات کے بارے اول اختلاف یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ خواب میں ہوا یا یاد میں ۔ ہم چونکہ نبی کی شان تک نہیں پہنچ پاتے ۔ اس لئے یہ بحث فضول ہے ۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ نبیؐ کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا تو ظاہر ہوا کہ نبیؐ کی نیند اور یاد میں کوئی فرق نہیں کہ نبیؐ کا شعور دونوں حالتوں میں ایک جیسا ہوتا ہے ۔ پھر معراج اگر خواب ہوتا تو حضور پاکؐ ویسے اڑان کے ذریعہ سے سب کچھ دیکھ سکتے تھے کہ عام آدمی بھی خواب میں اڑاں کے ذریعے پتہ نہیں کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے اور کیا کیا دیکھتا ہے بلکہ خواب میں کئی دفعہ موجودہ شعور اور رویہ میں بھی تبدیلی ہوتی ہے ۔ اور انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو نہ اس دنیا میں موجود ہوتی ہیں نہ ایسا اس دنیا میں ہوتا ہے اور نہ ایسی چیزوں کو بیان کرنے کے لیے دنیاوی زبان میں الفاظ موجود ہیں ۔ یہاں تو حضور۔ پاکؐ نے فرمایا کہ ان کے پیٹ کو اسی طرح دوبارہ چاک کیا گیا جس طرح بچپن میں شق الصدور ہوا تھا اس کے بعد آپؐ کو ایک

براق پر سوار کیا گیا جس کے پر بھی تھے۔اس زمانے میں سواری گدھے گھوڑے، اور اونٹ وغیرہ کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ بات لوگوں کے اذہان کے مطابق کرو۔ تو تمام باتیں ایسے کیں کہ اس زمانے کے لوگ سمجھ سکیں کہ اس زمانے میں جہاز یا دراکٹ یا اور تیز رفتاری کا موجودہ تصور انسان کے ذہن میں نہ تھا۔اس لئے سواری کو براق کا نام دیا گیا۔ یعنی تمام مشاہدات کسی ذریعہ اور کسی رہنما کی مدد سے کرائے۔

علاوہ ازیں اس زمانے میں زمان ومکان کے موجودہ عقدے نہ کھلے تھے۔یا اس دنیا اور اس دنیا کے آسمانوں یا مزید آسمانوں یا پہلے آسمان کے ہمارے شمسی نظام یا اور ہزاروں شمسی نظاموں کی موجودگی یا نوری سالوں (Light Years) یعنی مسافت ناپنے کے یہ پیمانے وغیرہ ان چیزوں سے حضور پاکؐ کے زمانے کے لوگ واقف نہ تھے۔ تو ان لوگوں کے لیے حیرانگی کی بات تھی کہ حضور پاکؐ رات کے کچھ حصے میں اتنے مشاہدات کر سکتے تھے۔ بات تو سیدھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر خواب میں ایک سیکنڈ کے عرصے میں عام انسان کو لمبے چوڑے مشاہدات کرا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو یاد میں بھی یہ سب مشاہدے کرا سکتا ہے۔جو لوگ یہ پہلو نہ سمجھے انہوں نے حضور پاکؐ کے معراج کے مشاہدات کو خواب ہی سمجھا۔اس عاجز کے لحاظ سے بشری حالت میں یہ عروج اور ارتقاء تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو زماں ومکاں پر حاوی کر کے نبوت کی تکمیل کر دی۔ اب کچھ لوگ کہیں گے کہ راقم خود لکھ چکا ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعود کی (چھٹا باب) بکری کا دودھ دہتے وقت حضور پاکؐ زماں پر حاوی ہو گئے تھے۔ تو گزارش ہے کہ وہ مظاہرہ تھا یا جھلکی تھی۔ یہ تکمیل تھی۔ وہ اس طرح سے کہ جب آپؐ بچے تھے تو شام کے سفر کے دوران بحیرا راہب کو آپؐ کے سامنے درخت جھکتے نظر آئے۔ وہ نبوت کی نشانیاں اور جھلکیاں تھیں۔ کہ ہم مانتے ہیں کہ حضور پاکؐ روز ازل سے نبی ہیں۔ لیکن بشری لحاظ سے چالیس سال کی عمر میں شخصیت کی تکمیل ہوئی تو نبوت شروع ہوئی۔ اور معراج کے وقت نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اسی وجہ سے گزارش ہے کہ ہمیں حضور پاکؐ کے سلسلہ میں بشر بشر کہنے کے چکر سے نکل کر نبوت اور نبیؐ یا رسولؐ کے پہلوؤں سے حضور پاکؐ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور اس کے لیے دنیاوی مثال بھی ہے کہ ایک سپاہی جب کرنل یا جنرل بن جاتا ہے تو اسے سپاہی کے بجائے کرنل یا جنرل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ اس معراج کے بعد حضور پاکؐ کو کئی اور معراج نصیب ہوئے۔ یہ بھی طرز بیانات ہیں۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ اس ارتقاء کے بعد حضور پاکؐ کسی وقت بھی حالت معراج میں ہو سکتے تھے۔ اور یہ مشاہدات کر سکتے تھے۔ اور حضور پاکؐ کی زندگی اور احادیث مبارکہ میں اس کے ثبوت موجود ہیں۔ ایک ابھی آتا ہے۔ ایک جنگ موتہ کے وقت آئے گا۔ ایک جنت میں حضرت عمرؓ کے مقام دیکھنے والی بات ہے اور اگر احادیث مبارکہ کی کتابوں کو غور سے پڑھا جائے تو یہ پہلو کھل کر سامنے آجائے گا۔یہاں یہ پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضور پاکؐ غیب کا علم جانتے تھے، یا نہ۔ سورۃ جن میں ہے "وہ ہے جاننے والا غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو کہ پسند کرتا ہے پیغمبروں میں سے۔ پس تحقیق وہ چلاتا ہے آگے اس کے اور پیچھے اس کے نگہباں ۔۔۔۔۔۔ وغیرہ" صاف ظاہر ہے کہ یہ ہمارے آقاؐ کے علم غیب پر حاوی ہونے کا ذکر ہے کہ جب سب کائنات اور اس کے علاقے کا مشاہدہ کروا دیا۔ تو باقی کیا رہ گیا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے سامنے وہ تمام منزلیں کھول کر رکھ دیں جن سے کارواں حیات نے گزرنا ہے یہی وجہ

ہے کہ پہلے باب میں ان منزلوں کا ذکر کر دیا تھا کہ قارئین اور ہم ساتھ ساتھ چلیں۔

زماں۔ اور رفتار بخاری شریف کے مطابق براق ایک ایک قدم منتہائے نظر پر رکھتا تھا۔ ابن سعد کے مطابق جب براق نے کان ہلائے (یعنی اس کا انجن سٹارٹ ہوا) تو ایک قدم لیا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ دنیا زمین اس کے سامنے لپیٹ دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں براق کے رانوں کے ساتھ پر تھے جن کی مدد سے وہ اڑتا تھا۔ یہ سب رفتار کے لیے طرز بیان ہیں اور بے شک بڑے پیارے بیان ہیں یعنی منتہائے نظر کے الفاظ اور افتاد کے پہلو کو یہ عاجز پہلے باب میں بیان کر چکا ہے۔ آج انسان بھی کافی تیز رفتار سواریاں بنا چکا ہے۔ لیکن ابھی معراج کی وقت کی رفتار کو نہیں پہنچ سکا۔ کہ یہ روحانی رفتار ہے اور اس کا ذکر بھی پہلے باب میں ہو چکا ہے۔

جاری زندگی حضور پاکؐ نے مسجد اقصیٰ میں نبیوں کی امامت کی کہ مزید مشاہدات سے پہلے اللہ تعالیٰ آپؐ کی اس شان کو عملی طور پر دکھانا چاہتے تھے کہ آپؐ تمام انبیاء کے امام ہیں۔ پھر برزخ کے نظارے بھی دکھائے جہاں لوگوں کو سزا کی حالت میں بھی دیکھا۔ پھر سب آسمانوں کی سیر کی جہاں مختلف انبیاء سے ملاقات بھی کی۔ یہ سب کچھ جاری زندگی کے ثبوت میں جاتا ہے کہ موت ایک دروازہ ہے اور پہلے باب میں وضاحت ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کتنی نزدیکی حاصل ہوئی اس سلسلہ میں سورۃ نجم میں جو قاب و قوسین کا ذکر ہے بعض مفسرین کے لحاظ سے یہ معراج کے وقت حضور پاکؐ کی اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا بیان ہے کہ ایک کمان کا فیصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کچھ کم۔ کچھ علماء اس کو حضرت جبرئیلؑ سے نزدیکی کہتے ہیں۔ لیکن یہ عاجز ان علماء کی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ حضرت جبرئیلؑ حضور پاکؐ کے دل پر نازل ہوتے تھے۔ آسمان پر براحمان نظر آئے۔ انسانی شکل میں حضور پاکؐ کے پاس آئے۔ یہ قاب و قوسین کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور پاکؐ اپنے خالق کے بہت نزدیک پہنچ گئے۔ لیکن ٹھہرئیے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہے اور ہماری شہ رگ کے نزدیک ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی اس کا ایک گھر ہے۔ جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ محدود ہے۔ تو یہاں پھر اللہ تعالیٰ کی ذات والا معاملہ آتا ہے۔ جہاں ہمارا شعور نہیں پہنچ سکتا۔ وہ لامحدود ہے اور ضرور بر ضرور اپنے آپ کو محدود بھی کر سکتا ہے یہ ہمارا ایمان ہے اور ضرور بر ضرور اپنے حبیبؐ کی بشری صورت کے سامنے اللہ تعالیٰ نے لامحدود ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو محدود کیا ہوگا۔ اور اپنے حبیبؐ سے خاص بات کی کہ ایک کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ قارئین کو اس عاجز کے ساتھ اختلاف کرنے کا حق ہے۔ اس عاجز کے لحاظ سے جب حضور پاکؐ عالم ارواح میں کتنے سال اللہ تعالیٰ کے تعریف کرتے رہے اور آج بشریٰ حالت میں بھی ارتقاء اور معراج سے وہ نزدیکی حاصل ہو گئی تو آپؐ نے لامحدود کو محدود صورت میں کچھ دیکھا ضرور۔ بہرحال ایسی باتیں ہماری سمجھ سے بہت دور ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے امر (امر ربی) یعنی روح کو سمجھنے کا بھی شعور نہیں رکھتے۔ یہ عاجزی کا مقام ہے۔ اور ہماری حالت تو اور بھی خراب ہے کہ ہم ان چیزوں تک کہاں پہنچیں کہ ہم برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔

اے لاالہ کے وارث باقی نہیں کچھ تجھ میں گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ (اقبالؒ)

دیدار الٰہی کا مضمون بہت وسیع ہے اور محدثین اور راویوں کے بیانات کے الفاظ سے کچھ لوگ تفرقہ کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ طبرانی کے مطابق جناب ابن عباسؓ کی روایت زیادہ بہتر ہے کہ حضور پاکؐ نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ایک بار سر کی آنکھوں سے اور ایک بار دل کی آنکھوں سے۔ امام احمد جنبلؒ جناب حسن بصریؒ اور امام ابو الحسن اشعریؒ نے اسی حدیث مبارکہ کو صحیح سمجھا۔ ویسے بہت احادیث مبارکہ ہیں، جن سب کو یہاں لکھنا ضروری نہیں لیکن حضور پاکؐ نے فرمایا کہ روز قیامت سب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو ثابت ہوا کہ دیدار ہو سکتا ہے۔ اور یہاں سورۃ نجم کے الفاظ "مازاغ و ما بصر" اور وہاں ہی قاب و قوسین کا ذکر، سب عقدے کھول دیتا ہے۔ لیکن بات قسمت کی ہے۔ معراج نبوت کی تکمیل نظر آتا ہے۔ اور اب دین کو جاری کرنے کا وقت آگیا تھا اور حضور پاکؐ نے عملی طور پر نمونے دے کر دین کو جاری کرنا تھا اور اپنے رفقاء کو عملی زندگی کے لیے تیار کرنا تھا کہ اس دنیا میں سے امتحان پاس کرنے کا آسان طریقہ کیا ہے۔ اور یہی صراط مستقیم کی عملی نشاندہی تھی۔ اور اگلے چند سالوں میں حضور پاکؐ کے رفقاءؓ نے عملی زندگی سے دین اسلام کو ساری دنیا میں جاری و ساری کر دیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی مشکل نہ تھا کہ جو ساری کائنات کا مشاہدہ اپنے حبیبؐ کو رات کے تھوڑے سے حصے میں کروا سکتا تھا۔ وہ اس چھوٹی سی دنیا کو تو حضور پاکؐ کے لیے ایک لمحہ میں فتح کرا سکتا تھا۔

جاہلوں کو جھٹلانا حضور پاکؐ نے معراج والے دن و رات اپنی پیاری بہن ام ہانیؓ بنت ابو طالبؓ کے گھر میں قیام فرمایا تھا یہ عاجز حج کے ایام میں کوشش کرتا تھا کہ آتے جاتے خانہ کعبہ کے ہر دروازے سے داخلہ یا گزر ہو۔ لیکن بھیڑ کی وجہ سے کبھی رخ کسی طرف ہو جاتا تھا۔ اور کبھی کسی طرف۔ گھر واپس لوٹنے سے دو دن پہلے جو رخ تبدیل ہوا تو خانہ کعبہ سے باہر نکلتے وقت باب ام ہانیؓ سے گزر ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ شاید یہیں یا یہاں کے نزدیک ہی محترمہ ام ہانیؓ کا گھر ہوگا۔ جہاں سے حضور پاکؐ معراج پر تشریف لے گئے۔ پھر آم ہانیؓ کے لیے حضور پاکؐ کے الفاظ "میری پیاری بہن" یاد آئے اور کیا ذکر کریں کہ ایک تصور آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ دروازے کے ساتھ لپٹے کھڑے تھے۔ شکر ہے کوئی "جاہل" وہاں نہ ملا جو کہتا کہ یہ شرک ہے تو جواب تیار تھا کہ یہ محبت کے بوسے اور لپٹ ہے۔ وغیرہ بھلا وہاں کون آکر کچھ کہتا۔ آنسوؤں کی لڑی سے سب کپڑے بھیگ رہے تھے۔ اور سب جواب تیار تھے۔ محترمہ ام ہانیؓ کا کچھ ذکر آٹھویں باب میں ہے۔ اور بعد میں بھی ان کے ذکر آتے رہیں گے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق نہ آبلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند (اقبالؒ)

اور یہ سب کچھ یاد آیا کہ حضور پاکؐ نے جب آم ہانیؓ کے اپنے معراج کے مشاہدات بتلائے اور باہر جانے لگے کہ اوروں کو بتاؤں تو جناب ام ہانی نے آپ کا دامن تھام لیا اور کہا "کہ اے اللہ کے رسولؐ لوگوں کو یہ مت بتلائیں کہ وہ آپؐ کو جھٹلائیں گے (قارئین یقین کریں کہ یہ باتیں یاد آنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ایک دفعہ مکمل کھو بیٹھے اور آج بھی جب وہ لمحہ یاد آتا ہے تو وہ لمحہ زندگی کا ایک عزیز ترین لمحہ تھا) معراج کے وقت رحمتہ للعالمین۔ لبشر کے طور پر زمان و مکان پر حادی ہوتے۔ ورنہ آپ ہر وقت سب عالموں کی سرکار اور رحمت ہیں۔

بہر حال جب حضور پاکؐ نے معراج کا ذکر کیا تو جاہلوں نے ساری بات کو جھٹلایا۔ لیکن جناب صدیق اکبرؓ نے فرمایا "کہ اگر میری آقا خود فرما رہے ہیں تو پھر میں سارے واقعہ کی تصدیق کرتا ہوں۔" اور اس طرح اپنی صدیقیت پر ایک اور مہر ثبت کروا

ڈالی ۔ظاہر ہے جب آقاؐ نے کچھ فرمادیا تو پھر شک کیسا ۔بے وقوفوں نے فضول قسم کے سوال پوچھے کہ مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں ؟ حضور پاکؐ فرماتے ہیں کہ جب لوگ یہ سوال پوچھ رہے تھے تو مسجد اقصیٰ میرے سامنے لاکر کھڑی کی گئی تو میں نے لوگوں کو جواب دیا یعنی حضور پاکؐ ضرورت کے وقت حالت معراج میں ہوجاتے تھے یا زمان و مکان پر حاوی ہوجاتے تھے ۔نبوت کی تکمیل ہوچکی تھی ۔اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں تھی ۔کہ حضور پاکؐ پہلے کی طرح فرماتے کہ بعد میں جواب دیں گے ایک قافلہ کے بارے پوچھا کہ وہ کہاں تھا ۔وہ بھی حضور پاکؐ کو نظر آگیا ۔آپؐ نے فرمایا " کہ اب فلاں مقام پر ہے " یہ بد قسمت لوگوں کی کارگردیاں تھیں ۔کہ اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کا امتحان لیتے تھے ۔یا معجزے طلب کرتے تھے جنہوں نے ایسا کیا ۔ان کا دل حضور پاکؐ کی نبوت کے جمال سے کبھی منور نہ ہوا ۔یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو آجکل بھی ایسی فضول بحث میں پڑتے ہیں کہ حضور پاکؐ یہ کرسکتے تھے اور وہ نہ کرسکتے تھے ۔یعنی خاتم النبینؐ کو اپنے بودے بشری پیمانے سے ناپنے تولنے کی کوشش کرتے ہیں ۔انہی لوگوں کے بارے علامہ اقبالؒ نے کہا ۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ   کہ تو وہاں کے عمارات گروں کے ہے تعمیر

مکی زندگی اور احادیث مبارکہ   محدثین نے چند واقعاتی احادیث مبارکہ کو چھوڑ کر عام احادیث مبارکہ کے وقت اور مقام کا تعین نہیں کیا ۔لیکن گہرے مطالعے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث مبارکہ زیادہ تر مدنی ہیں اور مکی احادیث مبارکہ بہت کم ہیں ۔اس کے لئے بڑے ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ سب سے زیادہ احادیث مبارکہ کے راوی جناب ابوہریرہؓ جنگ خیبر سات ہجری میں ایمان لائے ۔دوسرے جناب انسؓ بن مالک مدینہ منورہ کے انصار ہیں اور ان کے علاوہ باقی بڑے بڑے محدثین میں جناب جابرؓ بن عبداللہؓ جناب معاذؓ بن جبل اور جناب ابو سعید حذریؓ وغیرہ انصار ہیں ۔اور ان سب بزرگوں کی بیان شدہ احادیث مبارکہ مدنی ہیں ۔قریش میں سے بڑے بڑے محدث جناب عبداللہؓ بن عمرؓ مکی زندگی میں بچے تھے ۔یہی حالت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ کی ہے ۔تیسرے بڑے محدث جناب عبداللہؓ بن عباسؓ بھی مکی زندگی میں بچے تھے اور ان کے خاندان نے اسلام میں شامل ہونے کا اعلان یا ہجرت بھی فتح مکہ مکرمہ کے بعد کی ۔یہی حالت جناب عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص کی ہے ۔اب بڑے محدثین میں صرف حضرت علیؓ باقی رہ جاتے ہیں جن کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں مقامات پر رفاقت کا شرف حاصل ہے ۔ایسا کیوں ہے اس کی تفصیل مدنی زندگی میں گیارہویں باب میں آتی ہے تو ثابت ہوا کہ مکی زندگی کے زمانے کی احادیث مبارکہ مقابلتاً بہت کم ہیں ۔وجہ یہ ہے کہ نبوت کی تکمیل مرحلہ در مرحلہ ہورہی تھی اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق وہ صرف حق بات ہی کہتے ۔اس لئے انتظار ہوتا تھا اور احادیث مبارکہ زیادہ ترویج میں بیان شدہ باتیں ہی ہوتی تھیں یا قرآن پاک کے احکام کی وضاحت ہوتی تھی ۔اس لئے اس بیان کے شروع میں گزارش کردی تھی کہ قران پاک زیادہ تر مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتیں مقابلتاً تعداد میں زیادہ ہیں ۔

مکی سورتیں   مکہ مکرمہ میں حضور پاکؐ کی نبوت کے تیرہ سالوں میں اسلام کا فلسفہ حیات قران پاک کے ذریعہ سے تھم تھم کر نازل ہوتا رہا ۔یہ سارا نزول واقعاتی ہے کہ ساتھ ساتھ رہنمائی بھی ہوتی رہی اور لوگوں کے اعتراضات کے جواب بھی ملتے رہے ۔

لوگوں کے رویہ پر اللہ تعالیٰ تبصرہ بھی کرتے رہے۔ اور حضور پاکؐ کو ڈھارس بھی بندھاتے رہے۔ کچھ مثالیں بھی دیں۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور قران پاک فوجی زبان میں ہے اور طرز بیان ایسا ہے کہ آج تک انسان اس کی نقل نہ کر سکا۔ جس نے کوشش کی وہ عاجز آ گیا اور تسلیم کیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ہدایات ہر لحاظ سے واضح ہوتی تھیں جیسے سورۃ انعام میں فرمایا۔ "جو کوئی عمل کرے تم میں سے برا، ساتھ نادانی کے۔ پھر توبہ کرے پیچھے اس کے اور نیکیاں کرے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" اس بیان کی وسعت کو سمجھیں۔ العاص بن وائل نے کہا کہ حضور پاکؐ کا کوئی بیٹا نہیں اور اولاد نہ ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے "سورۃ کوثر اتاری کہ میرے حبیبؐ میں نے آپؐ کو کوثر عطا کی ہے۔ تحقیق دشمن تیرا بے نسل ہے۔" اب لفظ کوثر کو معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس دنیا میں دیکھ لیں کہ حضور پاکؐ کی اولاد (ذرایت) اور اہل کا کوئی شمار نہیں۔ لیکن العاص کا نام تو کوئی نہیں لیتا اسی طرح سورۃ انعام میں واضح کر دیا" کہ ہم اگر فرشتہ کو لوگوں کی ہدایت پر مامور کرتے تو اس کو بھی آدمی ہی ہونا ہوتا پھر اس پر بھی ایسے ہی شک کیے جاتے"۔ آگے فرمایا" کہ پہلے جو پیغمبر آتے تھے تو ان کے ساتھ بھی لوگ ٹھٹھا کرتے تھے"۔ کئی چیزیں بار بار دہرائی گئیں کہ قران پاک اپنی تفسیر آپ ہے۔ مقصد یہ تھا کہ باتیں لوگوں کے دل میں گھر کر جائیں اور سورۃ حجر میں فرما دیا "کہ ہم نے ہی اتارا ہے ذکر (قران) اور ہم ہیں واسطے اس کے نگہبان" یہی قرآن پاک کا بڑا معجزہ ہے۔ کہ لاکھوں انسان قران پاک کو سینہ میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور اب کتابوں کے علاوہ کیسٹوں اور فلموں میں اللہ تعالیٰ کی کلام جگہ جگہ دنیا پر چھا گئی ہے۔ قران پاک کی تمام مکی سورتوں کو اگر واقعاتی طور پر بیان کیا جائے تو کئی کتابوں کی ضرورت ہے اور یہ عاجز اپنے بامقصد مطالعہ کے تحت نبوت کے تاریخی پہلو کو قران پاک کے ساتھ صرف مختصر طور پر وابستہ کر رہا ہے کہ کوشش عملی اسلام پیش کرنے کی ہے۔

جہاد بالنفس کو آگے عملی طور پر اجتماعی جہاد میں تبدیل کیا جائے گا۔ جس کے لئے طاقت اور جلال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

جلال مصطفیٰؐ حضور پاکؐ کے جلال کا ذکر ہو چکا ہے کہ ابو جہل آپؐ پر پتھر نہ پھینک سکا۔ ایک اور واقعہ بھی ہے کہ قبیلہ اراشی کے ایک آدمی نے ابو جہل کے ساتھ اونٹ کا سودا کیا۔ ابو جہل نے رقم دینے سے انکار کر دیا۔ وہ آدمی مسافر تھا اور قریش کی مجلس میں آکر پکار کی "کہ تمہارا ابو الحکم بن ہشام میری رقم نہیں دیتا"۔ وہاں پر کچھ شیطان قسم کے لوگ بیٹھے تھے۔ انہوں نے دور بیٹھے حضور پاکؐ کی طرف اشارہ کیا۔ "کہ وہ شخص تمہاری مدد کر سکتا ہے۔" وہ آدمی حضور پاکؐ کے پاس آیا اور اپنا قصہ بیان کیا۔ حضور پاکؐ اس کے ساتھ چل پڑے اور ابو جہل کے گھر گئے۔ حضور پاکؐ کو دیکھ کر ابو جہل پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ اور مسافر کو پوری رقم ادا کر دی۔ مسافر نے واپس آکر قریش کے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کیسے نیک آدمی کی نشاندہی کی کہ اس کا کام بن گیا۔ قریش کے یہ شیطان حیران و پریشان دوڑ کر ابو جہل کے پاس گئے۔ وہ اس وقت بھی پسینہ پونچھ رہا تھا اور کپکپاہٹ ابھی مکمل طور پر ختم نہ ہوئی تھی۔

رکانہ پہلوان مکہ مکرمہ میں انہی دنوں حضور پاکؐ کے جد امجد عبد مناف کی اولاد سے ایک رکانہ بن عبد یزید پہلوان تھا۔ جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ آدمی اپنے آپ کو مذہب کے معاملات سے بالا سمجھتا تھا۔ ایک دن راستے میں وہ حضور پاکؐ کو

مل گیا اور کہنے لگا "میرے ساتھ کشتی کر کے مجھے گرالو تو میں آپ کا دین قبول کر لوں گا" رکانہ پہلوان، حضور پاکؑ کے نزدیک آیا، تو حضور پاکؑ مسکرا دیئے ۔ اور ہاتھ کا معمولی اشارہ کیا کہ وہ چت زمین پر گر گیا وہ حیران ہوا ۔ اور کہنے لگا "اے محمدؐ ایک دفعہ پھر موقعہ دو" تو دوسری دفعہ یہی ہوا ۔ حتیٰ کہ تیسری دفعہ یہی ہوا ۔ رکانہ حیران ہوا اور کہنے لگا ۔ "اے محمدؐ آپؐ یہ کیسے کر لیتے ہیں" حضور پاکؑ نے فرمایا ۔ یہ تو معمولی بات ہے ۔ میں اس درخت کو بلاتا ہوں ۔ وہ بھی میرے پاس آجائے گا ۔"

تبصرہ گزارش ہے کہ حضور پاکؑ کے شان کے طور پر آپؐ کے جمال کی جھلکیاں تو شروع ابواب سے اور خاص کر پچھلے ان تین ابواب میں دی جاتی رہیں ۔ لیکن اب ہم مکمل طور پر حضور پاکؑ کے جلال کی طرف پیش رفت کر رہے ہیں، تو یہ جلال کی جھلکیاں دینا بھی ضروری تھا ۔ البتہ آگے بارھویں باب میں جنگ احد کے موقع پر یہ عاجز حضور پاکؑ کی ذاتی جلال کی ایک جھلکی تفصیل سے دے گا کہ ہم لوگ نبیؐ کے مقام کو بہتر طور پر سمجھیں کہ حضور پاکؑ کیا نہ کر سکتے تھے ۔ اور گزارش ہو چکی ہے کہ چالیس مردوں کے برابر طاقت والی بات بھی طرز بیان ہے ۔ حضور پاکؑ ان باتوں سے بہت بلند تھے ۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ نہ بدقسمت رکانہ حضور پاکؑ کے شان کو سمجھ سکا ۔ اور نہ اب تک کئی لوگ مسلمان ہوتے ہوئے حضور پاکؑ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ ہمارے ہاں جنرل اکرم مرحوم نے ۱۹۶۹" میں "اللہ کی تلوار" ایک کتاب لکھی ہے جس میں حضور پاکؑ کے بارے لکھتے ہیں "کہ شاید لوگوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ ۔ حضور پاکؑ ذاتی مقابلہ میں بھی اونچا مقام رکھتے تھے" ۔ بسر و چشم لیکن وہی تاریخ ساز شخصیت والی بات ہوئی ۔ اب اپنی طرف سے تو جنرل اکرم مرحوم حضور پاکؑ کی شان بیان کر رہے ہیں لیکن یہ بڑی ادھوری بات ہے حضور پاکؑ انگلی کے اشارہ سے لشکروں کے لشکر تباہ کر سکتے تھے ۔ اب ان جنرل اکرم مرحوم نے بنیادی طور پر اسلام کا اور اسلامی فلسفہ حیات کا مطالعہ نہ کیا تھا اور غیروں کی عسکری تاریخوں سے متاثر ہو کر اسلام کی تاریخ سے "عسکریت" کو تو کچھ ڈھونڈ نکالا ۔ لیکن حضور پاکؑ کی شان کو نہ سمجھ سکے البتہ بڑی اچھی اسلامی عسکری تاریخ پر کتابیں ضرور لکھیں جو دودھ کی طرح شفاف ہیں ۔ لیکن اس دودھ میں مکھیاں گرا دیں کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ نہ صرف بے ادبی کی بلکہ خواہ مخواہ ان کے "تفرقوں" کو بھی اچھالا ۔ اس عاجز نے خلفاء راشدین کی کتابوں حصہ اول اور حصہ دوم میں جنرل اکرم کے اس غلط طرز پر بھرپور بحث کر کے اور واقعاتی حوالوں سے ان کے ان "خرافات" کو غلط قرار دیا ہے اور جنرل اکرم مرحوم نے اپنی وفات سے پہلے اس عاجز کے سامنے تسلیم کیا کہ کاش وہ اس زمانے میں میری باتوں پر زیادہ دھیان دیتے ۔ بہرحال ان کی اس ندامت پر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے گا ۔ دونوں کی یہ کتابیں فوجی لائبریریوں میں موجود ہیں ۔ محقق استفادہ کر سکتے ہیں ۔

قبائل کو دعوت اسلام: اب ہم حضور پاک کی مکی زندگی کی کہانی کے اختتام پر پہنچنے والے ہیں ۔ تو یہاں ہم یہ باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ حضورؐ پاک نے مکی زندگی کے ان تیرہ سالوں میں اللہ تعالیٰ کا پیغام ہر اس آدمی یا قبیلے تک پہنچایا جو مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے ۔ قبائل کا ذکر زیادہ تر چوتھے باب میں ہو چکا ہے اور نقشہ سوم میں جغرافیائی پہلو واضح ہے ۔ قارئین اس سے استفادہ کریں اور ابن سعد کے مطابق یہ قبائل بنی عامر بن صعصہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، قرۃ حنیفہ، سلیم، عبس،

بنو نصر، بنو البکا، کندہ، حارث بن کعب، عذرہ اور خضار مہ وغیرہ تھے۔ بے شک مکہ مکرمہ کے نزدیک آباد قبائل یعنی بنو کنانہ بنو خزاعہ اور بنو بکر کے لوگوں کے سامنے بھی حضور پاکؐ نے اسلام پیش کیا۔ ان سب قبائل کا آگے چل کر کتاب میں کئی جگہوں پر ذکر آئے گا اور خاص کر بائیسویں باب میں اکثر قبائل کا ذکر ہوگا۔ لیکن قبیلہ کے طور پر ان قبائل میں سے کسی کی قسمت نے یاوری نہ کی۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں آنے والے کئی لوگ دین حق کو سمجھ بھی گئے اور بعد میں جب مسلمان ہوئے تو افسوس بھی کیا کہ اولین مسلمانوں میں کیوں نہ شامل ہوئے۔ لیکن کوئی دنیا کی چکر میں تھا اور کوئی حکومت کے چکر میں۔ کوئی آدھی آدھی بانٹ کا دعویدار بن بیٹھا اس لئے کوئی اثر نہ ہوا۔

مضبوط گھر: لیکن اثر نہ ہونے کی بڑی وجہ ایک اور بھی تھی کہ قریش کو یہ شرف تو حاصل ہو گیا کہ حضور پاکؐ ان کے گھر میں مبعوث ہوئے لیکن قریش نے مبعوث ہونے والے کے گھر کو مضبوط نہ کیا بلکہ اس کو تنگ کیا۔ جس کا گھر یا مرکز مضبوط نہ ہو۔ لوگ کبھی بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہوں گے۔ آج غیر، اسلام کی بڑائی کو سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ مسلمان اس لئے نہیں ہوتے کہ ہم مسلمانوں میں وحدت نہیں۔ ہمارا مرکز مضبوط نہیں اور ہم مغلوبہ قوم ہیں۔ چنانچہ حضور پاکؐ اب کسی مضبوط گھر یا مرکز کی تلاش میں تھے۔ کیا حبشہ ایسا مرکز بن سکتا تھا؟ جہاں پر مسلمان ہجرت کر گئے تھے یا انہوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔ یہ بحث اگلے یعنی آٹھویں باب میں ہوگی۔ ہاں طائف کا قبیلہ ثقیف مکہ مکرمہ کے نزدیک تھا، تو وہاں پر بھی حضور پاکؐ جناب زیدؓ کو ہمراہ لے کر اپنے جمال نبوت کے ساتھ گئے۔ لیکن اس قبیلہ کی قسمت نے بھی یاوری نہ کی اور انہوں نے حضور پاکؐ پر پتھر پھینکے۔

یثرب کا شرف: اللہ تعالیٰ اس شرف کے لیے کسی اور سرزمین اور دو قبیلوں کے اس شرف کے لیے تیار کر رہا تھا۔ بیان ہو چکا ہے کہ جناب عبدالمطلبؓ کے ننھیال یثرب میں تھے اور حضور پاکؐ کے والد جناب عبداللہؓ بھی وہاں ہی دفن ہوئے۔ حضور پاکؐ خود بچپن میں اپنی عظیم والدہ کی ہمراہی میں یثرب میں چند روز گزار کر اس زمین کی خاک کو کچھ شرف دے چکے تھے۔ پس اسی کھجوروں والی زمین اور یثرب کو اب پورا شرف ملنے والا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ اور اس یثرب نے اللہ کے حبیب کا شہر (مدینۃ النبی) بننا تھا اور اسلام کے مرکز کے طور پر استعمال ہونا تھا۔ ہم اس بامقصد مطالعہ کی تلاش میں اب تک قدم بقدم چل چکے ہیں۔ کہ ہم اس دین کے اجتماعی پہلو، اور ان کی ضروریات کو سمجھیں۔ اور اسلامی فلسفہ حیات جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے اس کے عملی مظاہرہ کو دیکھیں کہ دین کی تکمیل مدینہ النبی میں مدنی زندگی میں ہونا تھی۔ بے شک حضور پاکؐ کی مکی زندگی سراسر آپؐ کے جمال کا مظہر تھی لیکن جلال بھی ساتھ موجود تھا۔ جس کی جھلک ہم ابھی ابھی دے چکے ہیں لیکن اب زیادہ زور جلال پر ہی ہوگا۔

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک (اقبالؒ)

حضور پاکؐ اور عشق بلاخیز کا یہ قافلہ سخت جان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اس مرکز کی طرف رواں دواں ہونے والا ہے۔ جہاں سے اسلام کی روشنی ساری دنیا میں پھیلنی تھی۔ کہ مکہ مکرمہ میں طلوع ہونے والے سراج المنیر نے اوج جا کر مدینہ منورہ میں

حاصل کرنا تھا۔ اور اس سارے عمل کو ہم ہجرت کا نام دیئے ہوئے ہیں۔ اور یہی ہمارے اگلے باب کا موضوع ہے اور اسی تاریخ سے ہمارا اسلامی کیلنڈر شروع ہوتا ہے۔ اور یہی دن اسلام کی تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہجرت کے عمل کے علاوہ اگلے باب میں فلسفہ ہجرت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔

بیعت عقبہ ثانی لیکن اس ہجرت سے بھی زیادہ اہم بیعت عقبہ ثانی ہے جہاں اس ہجرت کے لیے عہد پیمان باندھے گئے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی کسی کتاب میں فلسفہ ہجرت پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ اور کوئی مورخ یا راوی بیعت عقبہ ثانی کو اس کی جائز اہمیت نہیں دیتا۔ بہت تلاش کے بعد انصار صحابی جناب کعبؓ بن مالک سامنے آئے۔ جن کا ذکر تبوک کی مہم کے وقت اکیسویں باب میں بھی آئے گا۔ جناب کعبؓ بیعت عقبہ ثانی کو صحیح مقام دیتے ہیں اور فرماتے ہیں بیعت عقبہ ثانی کو تمام غزوات یا جنگوں پر فوقیت حاصل ہے کہ اس دن اسلام کی اجتماعی طرز زندگی اور فلسفہ حیات پر عمل پیرا ہونے کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں ہی سے حضور پاکؐ کے جلال کا نمود شروع ہوتا ہے۔

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن   تیری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی (اقبالؒ)

اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ مرید ہندی کے روپ میں پیرِ رومی سے دین نبیؐ کے بارے سوال کرتے ہیں۔

کاروبار خسروی یا راہبی ؟   کیا ہے آخر غایت دین نبیؐ

مولانا رومیؒ کا جواب آپ کی مثنوی میں موجود ہے۔

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ   مصلحت در دین عیسیٰؑ غار و کوہ

تو اسلام غیر تمند لوگوں کا دین ہے۔ اور مسلمان جنگ اپنے عقیدہ کی حفاظت اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام بلند کرنے کے لیے لڑتے تھے۔ اور ہماری طرح احتجاجوں پر گزارہ نہ کرتے تھے۔ اس وقت ایسی جنگ کی تیاری کے لیے ایک مرکز کی ضرورت تھی۔ کہ اسلام جنگ کی تیاری کو جہاد اکبر اور اصلی جنگ کو جہاد اصغر کے نام دیئے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ جو لوگ جنگ کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ وہ جنگ شروع ہونے سے پہلے آدھی جنگ جیت چکے ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے "دانشوروں" کی طرح جنگ کو بھیانک نہیں قرار دیتے۔ وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ حضور پاکؐ اور ان کے رفقاء اب آنے والی جنگوں کے لیے تیاری کی بنیاد باندھ رہے تھے اور یہی اگلے باب میں بیان کیا جائے گا۔

دما دم رواں ہے یم زندگی   ہر اک شے سے پیدا رم زندگی (اقبالؒ)

خلاصہ مکی زندگی پر دو ابواب کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تبلیغ نے بے شک بڑے اثرات کئے اور حضور پاکؐ نے بڑی محنت، تربیت، جانفشانی اور مشکل حالات میں مرحلہ در مرحلہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن نتائج کچھ حوصلہ افزاء نہ نکلے۔ اہل حق کو پناہ کے لیے حبشہ تک جانا پڑ گیا۔ لیکن اب انہیں کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی۔ جہاں دین اور اجتماعی اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو عطا کیا۔ اور قافلہ حق ہجرت کے لیے رواں دواں ہونے والا ہے۔

آٹھواں باب

ہجرت کا عمل اور فلسفہ ہجرت

تمہید یثرب کی طرف ہجرت ایک حقیقت ہے ۔ لیکن یہ سب کچھ ایک مقصد کے تحت ہوا ۔ کیا حضور پاکؐ اور باقی مسلمان یثرب میں پناہ حاصل کرنے گئے ؟ کیا وہ پناہ گیر تھے یا مہاجر ؟ دین فطرت نے دنیا میں ایک نئی طرح ڈالی ۔ پناہ صرف جان کی حفاظت کے لیے کی جاتی ہے ۔ لیکن ہجرت عقیدہ کی حفاظت کے لیے کی گئی ۔ کہ جان کی تو اسلام میں پرواہ نہیں کی جاتی ۔ وہ ہتھیلی پر ہوتی ہے ۔ مسلمان مکہ مکرمہ میں لڑ کر اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تو بھی مقصد حاصل ہو جاتا ۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں خون وخرابہ نہ کرنا چاہتے تھے ۔ وہ عقیدہ کی حفاظت کے لیے کسی مستقر کی تلاش میں تھے ، جہاں ایک نقطہ کو وسعت دیکر پھیلاؤ اختیار کریں ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مکہ مکرمہ کے خانہ کعبہ میں بھی قوت اور طاقت کے ساتھ داخل ہوں کہ حق ، اہل حق کو اپنے گھر میں قوت کے ساتھ داخلہ کو پسند کرے گا ۔ یہ چیز انیسویں باب میں فتح مکہ کے وقت قارئین پر بہتر طور سے واضح ہو گی ۔

وضاحت مسلمانوں کے لیے ہجرت کا عمل سنت پیغمبری ہے ۔ اور یہ فلسفہ سمجھنا ضروری ہے ۔ حبشہ میں ہجرت بھی کافی حد تک عقیدہ کی حفاظت کے لیے تھی ۔ لیکن وہ پناہ زیادہ تھی اور ہجرت کم ۔ آگے چل کر قارئین اس پہلو کو خود بخود سمجھنے لگیں گے ۔ بہر حال حبشہ کی ہجرت یا پناہ بھی ہمارے لیے ایک نشان راہ ہے ۔ کہ جب کسی جگہ اپنے عقائد پر عمل نہ کر سکو تو کسی ایسی جگہ پناہ لے لو کہ کمزور ہوتے ہوئے بھی اپنے عقیدہ کی حفاظت کر کے رہ سکو ۔ یعنی جہاد بالنفس کا پہلو جاری رہے ۔ پچھلے چودہ سو سالوں میں مسلمانوں نے ایسی زندگی کئی ملکوں میں گزاری اور آج بھی گزار رہے ہیں ۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ کچھ ملکوں میں مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا جاتا ، لیکن زیادہ ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت کے طور پر رہتے ہیں وہاں ان کو تنگ ضرور کیا جاتا ہے اور فساد بھی ہوتے ہیں ۔ کہ باطل کو جب بھی موقعہ ملتا ہے ، وہ حق پر ضرور بر ضرور وار کرتا رہتا ہے ۔ بے شک یہ لمبا مضمون ہے ۔ کتاب کے آخری ابواب میں اس سلسلہ میں امت مسلمہ کی ذمہ داریوں کا اختصار سے ذکر ہو گا یہاں واقعات کو تسلسل دینا مقصود ہے ۔

حبشہ کی ہجرت اور فوجی حکمت عملی تو ظاہر ہوا کہ حبشہ کی ہجرت زیادہ تر پناہ تھی ۔ اور شاہ نجاشی نے مسلمانوں کو جہاد بالنفس کی اجازت دے رکھی تھی ۔ لیکن اب یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک کافی بڑا گروہ فتح خیبر تک حبشہ میں مقیم رہا ۔ کتاب میں واقعات کو تسلسل دیتے ہوئے سولھویں باب میں جا کر قارئین پر یہ بات واضح ہو گی کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان اپنی دفاعی حکمت عملی میں بچاؤ کے مرحلہ سے نکل کر اب ایک طاقت بن چکے تھے ۔ تب ہی جنگ خیبر سے پہلے فلسفہ جہاد

جاتے ہیں " یہ تھی بیعت عصبہ ثانی کی کاروائی کی ایک جھلک کہ ان باتوں کے بعد حضور پاکؑ نے ہاتھ اٹھایا۔ اور انصار مدینہ نے اس مبارک ہاتھ کو تھام کر کے یا بیعت کر کے دونوں جہان لوٹ لیے۔ (سبحان اللہ)

شیطان اور منافق اوپر بیان شدہ کاروائی کے دوران کچھ آوازیں شور کی شکل اختیار کر گئیں تو جناب عباسؓ بن عبدالمطلبؓ نے ہاتھ کے اشارے سے خاموشی کی تلقین کی۔ کہ کئی شیطان سن رہے ہوں گے۔ اور شیطان قسم کے آدمیوں کو کسی بہانے ادھر لے آئیں گے۔ بہر حال کچھ شیطانوں نے سن ہی لیا۔ کہ بیعت عقبہ ثانی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ابلیس کے گھر کے در و دیوار ہل گئے۔ اور کفار مکہ کے لیے بھی یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ وہ دیوانہ وار دوڑ رہے تھے اور دوسرے دن صبح ہر جگہ سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن بعض دفعہ منافق بھی بڑے کام آتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بھی یثرب سے حج کرنے آیا ہوا تھا اس کے کان میں یہ بھنک پڑی تو کہنے لگا۔ " میری اجازت یا مشورہ کے بغیر اہل یثرب کوئی بات ہرگز نہ کر سکیں گے " عبداللہ بن ابی کے اس اعلان نے " بھنک " کو ٹھنڈا ضرور کیا اور انصار مدینہ یثرب کی طرف رواں دواں ہو چکے تھے۔ لیکن جناب سعدؓ بن عبادہ پیچھے رہ گئے تھے ان کو پکڑ کر قریش کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان کو پکڑا بھی۔ لیکن پھر چھوڑ دیا کہ قریش کی شام کے ملک کے ساتھ تجارت یثرب کے نزدیک سے گزر کر ہوتی تھی۔

بارہ نقیب مورخین نے بیعت عقبہ ثانی کی کاروائی تفصیل سے بیان کی ہے لیکن ہم نچوڑ کے طور پر صرف بارہ نقیبوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ انصار مدینہ سے صلاح کے بعد حضور پاکؑ نے تین نقیب قبیلہ اوس سے اور نو قبیلہ خزرج سے مقرر کئے۔ یہ عزت افزائی بھی تھی اور اسلام میں حکم ہے کہ اگر دو ہو تو بھی ایک کو اپنا امیر مقرر کر لو۔ اس لئے حضور پاکؑ چھوٹی سطح پر امیر یا نقیب مقرر فرما گئے۔ ویسے بیعت عقبہ کے شرکاء کی تعداد ابن اسحق نے پچھتر لکھی ہے جن میں دو عورتیں ہیں اور سب شرکاء کے نام اور ان کا حسب نسب بھی دیا ہے۔ ابن اسحق نے یہ بھی لکھا ہے کہ کچھ انصار نے یثرب میں اپنے حلیفوں اور پرانے معاہدوں کا بھی ذکر کیا۔ تو حضور پاکؑ نے فرمایا۔ " کہ ہر حق بات میں وہ ان کے ساتھ ہوں گے "۔ قارئین شاید یہ تو سمجھ گئے ہوں گے کہ انصار تو ہر قسم کے وعدے کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے آج کل کی طرح یہ تو نہ پوچھا کہ ان کو اس کے بدلے کیا ملے گا۔ کہ اس وقت " فلاحی مملکت " اور " پیٹ نہ پیاں روٹیاں " والا چکر نہ شروع ہوا تھا۔ اور اسلام میں آج بھی اصولی طور پر ایسی باتوں کی کوئی وقعت نہیں۔ سب کچھ اللہ اور رسولؐ کے لیے ہوتا ہے۔ نقیبوں کے اسما یہ تھے۔

۱۔ جناب الہیثمؓ بن التیہان جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲۔ جناب آسیدؓ بن حضیر۔ جناب اسیدؓ کے والد جناب حضیر جنگ بعاث میں اوس کے سردار تھے۔

۳۔ جناب سعدؓ بن خیثمہ۔ آپ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔

۴۔ جناب اسعدؓ بن زرارہ

۵۔ جناب عبادہؓ بن صامت ان تینوں صاحبان کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔

۶۔جناب رافعؓ بن مالک

۷۔جناب براؓ بن معرور۔آپ اس زمانے میں بنو خزرج کے سردار تھے۔اور قافلے کی سرداری بھی انہیں ہی ملی۔آپ ہجرت نبوی سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔آپ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ (مکہ مکرمہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حق میں تھے۔

۸۔جناب سعدؓ بن ربیع۔آپ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۹۔جناب عبداللہؓ بن رواحہ۔انصار کے مشہور پہلوان اور شاعر۔جنگ موتہ میں شہادت پائی۔

۱۰۔جناب سعدؓ بن عبادہ۔جناب براؓ کی وفات کے بعد قبیلہ کے سردار بن گئے۔

۱۱۔جناب منذرؓ بن عمرو۔آپ بیر معونہ کے سانحہ میں شہید ہوئے۔

۱۲۔جناب عبداللہؓ بن عمرو۔آپ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ عظیم محدث صحابی جناب جابرؓ انہی کے بیٹے ہیں۔

حضور پاکؐ کا جمال پچھلے دو ابواب میں قریش مکہ میں سے چیدہ چیدہ ہستیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے انکے سینوں کو حضور پاکؐ کے جمال سے جلدی منور کر دیا لیکن یہ سلسلہ جاری تھا اور جاری ہے ان قریش مکہ جن کو اب ہم مہاجر کہیں گے ان میں ابھی جناب خالدؓ بن ولید جناب عمروؓ بن عاص، جناب شرجیلؓ بن حسنہ۔جناب یزیدؓ بن ابو سفیانؓ حضور پاکؐ کے چچا جناب عباسؓ اور انکے بیٹوں اور متعدد عظیم ہستیوں نے آکر شریک ہونا ہے۔اسی طرح انصار کے ہراول دستے اور عظیم صحابی جناب سعدؓ بن معاذ کا غائبانہ تعارف تو ہو گیا کہ ان لوگوں کے سینے اللہ تعالیٰ نے منور کر دیئے۔لیکن ان میں ابھی۔جناب۔ ابو ایوبؓ انصاری، جناب معاذؓ بن جبل۔جناب ابو لبابہؓ، جناب جابرؓ، جناب عبداللہؓ بن جبیر، جناب ابو دوجانہؓ، جناب ابی الاعورؓ سلمیؓ جناب ابی طلحہؓ، جناب عبداللہؓ بن عرفطہ، جناب حبابؓ بن المنذر، جناب انسؓ بن مالک۔دو شہادتوں والے جناب خزیمہؓ بن ثابت۔وہ سترہ صحابہ جنہوں نے احد کے میدان میں حضورؐ پاک کے گرد ایک انسانی دیوار بنا کر دنیا کی آہنی دیواروں کو پس پردہ کر دیا اور متعدد ہستیاں باقی ہیں۔جو مشیت ایزدی کے تحت آکر اپنے وقت کے تحت جمال سے مستفیض ہونگی۔

قبیلہ مزنی یا مزینہ یہاں ایک اور پہلو کا ذکر ضروری ہے، جس پر مورخین نے زیادہ روشنی نہیں ڈالی۔معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے نزدیک ایک چھوٹا قبیلہ مزنی یا مزینہ بھی آباد تھا جو لوگ انصار کے کسی قبیلہ کے حلیف تھے یا جو کچھ تھا ان کے جناب عبیدؓ بن اوس کے مسلمان ہونے اور جنگ بدر میں شرکت کا ذکر ہے۔اور وہاں انہوں نے دو قیدیوں کو گرفتار کر کے ایک رسی سے باندھا تو نام مقرن پڑ گیا۔آگے چل کر وفود کی آمد کے تحت مورخین اس قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں اور ہم بھی بائیسویں باب میں ذکر ضرور کر رہے ہیں لیکن پوری تفصیل کہیں سے نہیں ملی۔سوائے اس کے کہ جناب مقرنؓ کے دس بیٹے تھے۔جن میں جناب نعمانؓ بن مقرن فاتح نہاوند اور پانچ اوروں نے اسلام کی تاریخ میں بہت اونچا مقام حاصل کیا اور ان کے نام سویدؓ، عبداللہؓ، نعیمؓ، معقلؓ، اور ضرارؓ تھے۔

فلسفہ ہجرت ہجرت کے اسلامی فلسفہ کا مختصر جائزہ اس باب کے شروع میں پیش کر دیا تھا۔کہ ضروری نہیں ہجرت سر چھپانے

کے لیے کی جائے ۔ اور وہ ایک پناہ گاہ ہو ۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی زمین کے وارث ہیں اور اگر وہ سر چھپا کر یا احتجاج کر کے دن گزاریں گے تو وہ مغلوبہ قوم بن جائیں گے جیسے ہم آج کل بنے ہوئے ہیں ۔ حضور پاکؐ نے یثرب میں ہجرت کر کے ہمارے لئے اپنی سنت کی نشاندہی کر دی اور آگے کی ساری کتاب اسی عملی پہلو پر کار بند ہونے کی کاروائی ہے ۔جو یہ ہے کہ ایک مرکز تلاش کرو پھر اس مرکز میں ایک نقطہ کی طرح وحدت اختیار کرو ۔ اور اس کو فوجی مستقر بھی بنا دو پھر اس نقطہ کو پھیلاؤ دیتے جاؤ یہاں تک کہ ساری دنیا میں اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کر دو ۔ ابھی ابھی بیان ہوا کہ یثرب کی زمین فوجی لحاظ سے اس تمام کاروائی کے لیے نہایت موزوں تھی ۔ ساتھ ہی فقراء کا نقطہ ونظر بھی بیان کر دیا ہے کہ اس میں حکمت تھی کہ غریب لوگوں کی مدد سے اسلامی علم اور ثقافت کو پھیلایا گیا ۔ اس عاجز کے لحاظ سے ۔ اصحاب صفہ فوجی ہرکارے بھی تھے ۔ اور انہوں نے جنگ کی تیاریوں میں اور اصلی جنگ کی صورت میں رابطے کے کام کیے ہجرت اپنے فلاح یا لوٹ مار کا مال بانٹنے کے لیے نہیں کی جاتی اور اگلے باب میں یعنی نانویں باب میں عملی طور پر دنیا کی اور ہجرتوں پر چھوٹا سا تبصرہ دیا جا رہا ہے ۔یہاں پر دو پہلو قارئین کے سامنے کھل کر آئیں گے ۔ کہ غربت یا دولت کی کمی کبھی مسلمان کے عروج میں رکاوٹ نہ بنی اور علامہ اقبالؒ کہہ گئے

زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے

دوسرے پہلو کا مظاہرہ بیعت عقبہ ثانی کے عہدہ وپیمان کے وقت کیا گیا کہ ہر وقت جنگ کے لیے اور باطل کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار رہو اور علامہ یہاں بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں ۔

مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے

ہجرت کا عمل اس وضاحت کے بعد ہم ہجرت کے عمل کی تفصیل میں نہ جائیں گے کہ ہمارے لحاظ سے یہ سب ایک فوجی کاروائی تھی ۔ بیعت عقبہ ثانی میں رات کے اندھیرے میں جس طرح رابطہ قائم کیا اور جو کچھ اندھیرے میں طے پایا یا جو پوشیدگی اپنائی گئی اس میں ہمارے لئے سینکڑوں فوجی اسباق ہیں ۔ اور گو مکہ مکرمہ میں صرف جہاد بالنفس کی تربیت دی گئی ۔ لیکن سالار لشکر سرکار دو عالمؐ تھے ۔ اور دنیا کا عظیم سے عظیم سالار اعظم آپؐ کے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ آپؐ نے اس ہجرت کے عمل سے مسلمانوں کو حزب اللہ ۔ یعنی اللہ کی فوج بننے کا پہلا سبق عملی طور پر پڑھایا کہ جہاں طاقت کمزور ہو وہاں متبادل پوزیشن اختیار کیا جاتا ہے ۔ اور وہاں مضبوطی حاصل کر کے دشمن کو اپنے اشاروں پر نچایا جاتا ہے ۔ نہ کہ رد عمل کے طور پر یا جیسے ہم آجکل حالات کا جائزہ کر کے اپنی کاروائی کرتے ہیں ۔ اسلام کا فوجی سبق ان باتوں سے بہت بالا ہے ۔ کہ حالات ہی اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیئے جاتے ہیں ۔ اور دشمن کو رد عمل کرنے کی راہ پر لگایا جاتا ہے اور چونکہ ہمیں دشمن کے وہ رد عمل معلوم ہوتے ہیں یا ہم نے سوچے ہوئے ہوتے ہیں تو دشمن کے خلاف ہم اگلی کاروائی کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں ۔ قارئین! کتنی افسوس کی بات ہے کہ ہمارے گھر میں یعنی حضور پاکؐ اور آپکے رفقا کے فوجی عملوں میں ہمارے لئے فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا میٹھے پانی کا سمندر موجود ہے لیکن ہم غیروں کی کھاڑیوں کے کھارے پانی اور گندے پانی کی نالیوں سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں ۔

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ سے میں　　　کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں　(اقبالؒ)

متبادل پوزیشن　فوجی صاحبان یا فوجی ذہن رکھنے والے صاحبان ہجرت کے تمام عمل کا ایک متبادل پوزیشن اپنانے کی کاروائی کے ساتھ موازنہ کر سکتے ہیں۔ اور جس مقصد کے تحت یہ کیا گیا وہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے کھسکنے کا مرحلہ (Thinning out) شروع ہوا۔ جس کسی کو طاقت نہ تھی یا جو سواری کا بندوبست نہ کر سکے یا کمزور قسم کے صحابہ کرامؓ جن کے قبیلے مضبوط نہ تھے یا ان کی مدد نہ کر رہے تھے وہ پہلے مرحلے میں مکہ مکرمہ سے نکل گئے۔ آخری وقت تک دشمن کے سامنے طاقتور محاذ ظاہر کیا گیا۔ کہ حضور پاکؐ، جناب صدیقؓ، جناب فاروقؓ، جناب علیؓ اور جناب حمزہؓ مکہ مکرمہ میں موجود رہے۔ چنانچہ کفار مکہ نے اس ہجرت کو بھی ہجرت حبشہ کی طرح ادھوری ہجرت سمجھا۔ جب جناب فاروقؓ اور جناب حمزہؓ بھی چلے گئے تو پھر کفار کو شک ضرور پڑا کہ شاید حضور پاکؐ بھی چلے جائیں۔ بہرحال ان کو یہ بھی خیال تھا کہ حضور پاکؐ خانہ کعبہ یعنی اللہ کے گھر کو نہ چھوڑیں گے۔ لیکن حضور پاکؐ، یار غار کے ساتھ مل کر تیاری مکمل کر چکے تھے۔ اور جس دن کفار نے (نعوذباللہ) حضور پاکؐ کو شہید کرنے کی صلاح کی، اسی رات آپؐ دشمن کی آنکھوں میں دھول ڈال کر مکہ مکرمہ سے نکل گئے۔ اور عقبی ٹولی (Rear Party) کے طور پر حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر چھوڑ گئے۔ ایک طرف فوجی تجویز کی سادگی۔ دوسری طرف جناب صدیقؓ اور جناب علیؓ کی اسلامی فلسفہ حیات کے وعدہ، رابطہ اور جان ہتھیلی پر رکھنے کے پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں۔ معلوم نہیں ہمارے لوگ سبق سیکھنے کے لئے لندن اور واشنگٹن کیوں جاتے ہیں:۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ　　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف　(اقبالؒ)

عورتیں اور بچے　اب لطف کی بات یہ ہے کہ اکثر صحابی اور خود حضور پاکؐ اپنے گھر والوں یا عورتوں اور بچوں کو مکہ مکرمہ ہی میں چھوڑ گئے اور بعد میں مدینہ منورہ بلا لیا۔ ہمارے پرانے مورخین نے زمانہ جہالت کا نام پرانی رسموں کے لئے مقابلتاً استعمال کیا۔ کہ سرکار دوعالمؐ جو سراج منیر کی طرح چمکے تو پرانے زمانے کی رسموں کو اندھیرے یا جہالت کا نام دیا۔ یہ عاجز چوتھے باب میں گزارش کر آیا ہے کہ ہم سے وہ لوگ کئی باتوں میں بہتر تھے۔ عورتوں، بچوں، اور کمزوروں پر حملہ نہ کرتے۔ کسی کو اس کے گھر میں قتل نہ کرتے۔ خاندانی بندھنوں اور وعدے کا پاس تھا۔ بہادر تھے۔ جان پر کھیل جاتے تھے وغیرہ۔ اور ہماری حالت مسلمان ہوتے ہوئے جو ہے جو علامہ اقبالؒ ہمیں بتا گئے ہیں:۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں　　　اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی

مکہ مکرمہ کو الوداع　کفار نے تجویز بنائی تھی کہ حضور پاکؐ کے گھر کا محاصرہ یا گھیراؤ کر لیا جائے اور صبح جیسے ہی حضور پاکؐ اپنے گھر سے نکلیں تو سب قبیلہ کے لوگ مل کر ان پر حملہ کر دیں اور ان کو شہید کر دیں کہ قتل کا ذمہ کسی ایک آدمی کے سر نہ آئے۔ چنانچہ سب قبائل سے لوگ آئے لیکن بنو عبد شمس کے دونوں سردار عتبہ اور ابو سفیان نہ آئے۔ ان کی جگہ بنو عبد شمس سے حضرت عثمانؓ کے چچا حکم اور قریش کا شیطان عقبہ بن ابی محیط آئے۔ باقیوں میں بنو مخزوم سے ابو جہل، بنو سہم سے امیہ اور

بیعت عقبہ اول اس عاجز کی تحقیق کے مطابق جو کچھ پہلے ہوا اور اوپر بیان کیا گیا ہے وہ بیعت عقبہ اول کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اور بیعت عقبہ اول ۔ بیعت عقبہ دوم کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ۔ اور یہ دونوں بیعتیں اجتماعی تھیں اور وادی عقبہ میں حج کے دنوں میں پوشیدگی میں ہوئیں ۔ وادی عقبہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان ہے ۔ اور جن شیطانوں کو لوگ حج کے موقع پر پتھر مارتے ہیں وہ انہی علاقوں میں ہیں ۔ یہ دونوں بیعتیں اسلام کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ بیعت عقبہ اول حج کے ایام میں رات کے اندھیرے میں ہوئی اور اس بیعت کے نتیجہ کے طور پر جناب مصعبؓ بن عمیر کو یثرب بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو اسلام سکھلائیں گے ۔ ساتھ ہی وعدہ کیا گیا کہ اگلے حج پر زیادہ سے زیادہ لوگ یثرب سے آئیں گے ۔ اور اسی علاقہ میں حضور پاکؐ کی بیعت کریں گے اور تجویز بنائیں گے کہ انصار مدینہ کس طرح حضور پاکؐ کی مدد کریں (یعنی اس وقت تک ہجرت کا فیصلہ نہ ہوا تھا ۔) بہرحال ابن اسحاق اور ابن سعد کے مطابق جن بارہ ہستیوں نے اس عظیم کام میں شرکت کا شرف حاصل کیا ان کا تعارف ضروری ہے ۔

بنو خزرج ا ۔ جناب اسد بنؓ زرادہ آپ کے اسلام کا ذکر ہو چکا ہے ۔ آپ ہی نے یثرب میں جمعہ کی نماز کے اجتماع کا بندوبست کیا ۔ آپ والدہ کی طرف سے قبیلہ اوس کے جناب سعدؓ بن معاذ کے رشتہ دار یعنی خالہ زاد بھائی تھے ۔ اس لئے دونوں قبیلوں کے اتحاد کے سلسلہ میں اہم کام کیا ۔ اور حضور پاکؐ کی ہجرت کے پہلے ہی سال میں آپ وفات پا گئے تھے ۔

۲ ۔ جناب معاذ بن حارث ۔ آپ کے اسلام کا ذکر ہو چکا ہے اور آپ زیادہ تر اپنی ماں عفرا کے نام سے پہچانے جاتے تھے ۔ اس کے بعد آپ کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا ۔ ہمارے مورخین جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ معاذؓ اور مویذؓ دو بھائیوں نے بدر کی جنگ میں ابو جہل پر حملہ کیا تو وہ معاذؓ بن عمرو تھے جن کی ٹانگ بھی زخمی ہوئی ۔ جناب مویذؓ نے ضرور حملہ کیا اور ابو جہل کو ادھ موا کر دیا ۔ اور خود بھی شہید ہوئے کہ ابو جہل سر کاٹنے کی سعادت جناب عبداللہؓ بن مسعود کو ہوئی ۔ جناب مویذؓ کو بھی عفرا اور حارث کو بیٹا بتایا گیا ہے اور جنگ بدر سے پہلے ان کا ذکر نہیں ملتا اس لئے جیسے پہلے گزارش ہو چکی ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ معاذؓ اور مویذؓ ایک ہی شخصیت ہوں ۔

۳ ۔ جناب عوفؓ بن حارث ۔ آپ جناب معاذؓ کے بھائی تھے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے آپ بھی بدر کی جنگ میں شہید ہوئے ۔ جناب عوفؓ اپنے بھائی جناب مویذؓ اور جناب عبداللہؓ بن رواحہ کے ساتھ ان تینوں مجاہدین میں شامل تھے ۔ جو جنگ بدر کے روز قریش کے تین سرداروں کے مقابلے کے لیے نکلے ۔ لیکن وہ مقابلہ قریش کی خواہش کے مطابق ان سے حضور پاکؐ کے خاندان والوں نے کیا ۔ بہرحال جناب عوفؓ ہر لحاظ سے پہلے ہی پہلے رہے ۔ بیعت میں پہلے ۔ مقابلے میں نکلنے میں پہلے اور شہادت میں پہلے

۴ ۔ جناب ذکوانؓ بن قیس ۔ آپ کے اسلام کا ذکر ہو چکا ہے ۔ بیعت کے بعد آپ مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے ۔ اور حضور پاکؐ اور انصار مدینہ کے درمیان رابطہ کا کام کیا جس کو آج کل لیزن افسر کہتے ہیں ۔ آپ نے حضور پاکؐ سے تھوڑا پہلے ہجرت کی اور حضور پاکؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی ۔

۵۔ جناب عبادہؓ بن صامت ۔آپ کے بھائی جناب سویدؓ اور امثال لقمانی کا ذکر ہو چکا ہے ۔آپ نے حضور پاکؐ کے زمانے اور خلفاء راشدین کے زمانے میں بہت جنگوں میں حصہ لیا۔خاص کر فتوحات مصر میں آپ نے اہم ذمہ داریاں نبھائیں ۔بڑے لمبے چوڑے جواں تھے اور رنگ زیادہ گندمی مائل تھا تو کچھ مغربی مورخین نے رومیوں کے حوالے سے آپ کو حبشی النسل کہہ دیا۔

۶۔ جناب یزیدؓ بن ثعلبہ ۔آپ کی کنیت ابو عبدالرحمن تھی اور بعض جگہ نام یزیدؓ بن المنذر بھی لکھا ہوا ملا۔آپ کی بدر اور احد کی جنگوں میں شرکت ثابت ہے۔باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۷۔ جناب عباسؓ بن عبادہ ۔آپ کو العباسؓ بھی کہتے ہیں۔بیعت عقبہ ثانی میں شاید عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے کہ وہاں اہم کام کیا۔اور حضور پاکؐ کے مدینہ منورہ جانے کے تھوڑے عرصہ کے بعد وفات پا گئے۔

۸۔ جناب رافعؓ بن مالک ۔آپ کے اسلام کا ذکر ہو چکا ہے ۔آپ اخوت کا جذبہ دکھانے میں لاثانی تھے اور جنگ بدر میں شرکت کی اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۹۔ جناب عقبہؓ بن عامر بن امیہ ۔ایک جگہ نام عقبہؓ بن وہب لکھا ہوا ہے۔بیعت کے بعد کچھ عرصہ مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔اور حضور پاکؐ کے رابطہ افسر بھی کہلاتے تھے اور کچھ لوگ ان کو مہاجر۔انصار بھی کہتے تھے۔سب جنگوں میں جو حضور پاکؐ کے زمانے میں ہوئیں۔ان میں شرکت کی۔لیکن وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۰۔ جناب قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ ۔ان کے دادا کا نام لکھنے میں مقصد یہ ہے کہ آپ جناب عقبہؓ کے بھائی نہ تھے ۔آپ نے حضور پاکؐ کے زمانے میں سب جنگوں میں شرکت کی اور تیر اندازی کے ماہر مانے جاتے تھے۔جنگ احد میں نو زخم کھائے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وفات پائی

بنو اوس

۱۱۔ جناب ابو الہیثم بن التیہان ۔آپ کے اسلام کا ذکر ہو چکا ہے۔حضور پاکؐ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں اسلام کا پھیلاؤ کے سلسلہ میں اکثر مہمات اور جنگوں میں شرکت کی۔کچھ لوگوں نے وفات حضرت عمرؓ کے زمانے میں بتائی لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ حضرت علیؓ کے زمانے میں جنگ صفین میں شہید ہوئے

۱۲۔ جناب عویمؓ بن ساعدہ ۔آپ مرد صالح اور مطہر کے نام سے مشہور ہوئے۔حضور پاکؐ آپ کو ان صالح لوگوں میں شمار فرماتے تھے جہاں قران پاک میں صالحین کا ذکر ہوتا تھا حضور پاکؐ کی وفات کے بعد جو انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں اکٹھے ہو کر خلافت کا فیصلہ کرنے لگے تھے ۔تو آپ ہی نے جناب صدیقؓ، جناب فاروقؓ اور جناب ابو عبیدہؓ کو خبر دی کہ ایسا ہو رہا تھا اور اس طرح آپ مسلمانوں میں وحدت کا باعث بنے۔وفات حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ہوئی۔تو بیعت عقبہ اول میں دس صحابہ کرام قبیلہ خزرج سے اور دو قبیلہ اوس سے تھے۔ساتھ ہی مختلف کتابوں اور تاریخوں کی مدد سے ان عظیم ہستیوں کو متعارف کرانے کی کوشش بھی کر دی۔کنیت اور ناموں میں فرق کی چھوٹی موٹی غلطی ہو سکتی ہے۔انصار کے لیے نہ حکومت ہے نہ شہرت

ان کے لیے اکیلے حضور پاکؐ کافی ہیں ۔اس سلسلہ میں یہ عاجز مکمل جائزہ بیسویں باب میں پیش کرے گا، کہ انصار کی تاریخ یا ناموں کا جاننا بڑا مشکل عمل ہے ۔ان کی جزا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اگر کوئی صاحب تجسس کر کے انصار مدینہ کے بارے زیادہ جاننے کی کوشش کرے گا تو اول تو کتابوں کے صفحے اس سلسلہ میں خالی ملیں گے ۔اگر کچھ مل گیا تو وہ یاد نہ رہے گا ۔اس عاجز کو انصار مدینہ میں مشہور ہستیوں کے نام یاد کرنے میں جو تجربات ہوئے اس پر ایک مضمون لکھا جا سکتا ہے ۔آخر یہ اسماء لکھ کر اپنے قرآن پاک میں رکھے ہوئے ہیں ۔اس کے برعکس مہاجرین کے سینکڑوں نام اپنے آپ یاد ہو گئے ۔یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید دوسرے جہان یا عالم امر میں ان کو بہت زیادہ شہرت دینا چاہتا ہے ۔

درمیانی وقفہ دونوں بیعتوں کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے ۔اور اس ایک سال میں بڑا کام ہوا ۔مدینہ منورہ میں قبیلہ اوس کی سرداری جناب سعدؓ بن معاذ کے پاس چلی گئی ۔کہ آپ جناب مصعبؓ بن عمیر سے قران پاک سن کر مسلمان ہو گئے تھے ۔پھر آپ پر آپ کے بڑے بھائی جناب ایاسؓ مرحوم کے بھی اثرات تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے ۔دونوں قبیلوں کے سینکڑوں آدمی مسلمان ہو گئے لیکن ابھی ان کو اپنے اسلام پر کچھ پردہ بھی رکھنا تھا کہ اگلے سال حج کے دوران دونوں قبیلوں سے تقریباً بہتر آدمیوں نے پوشیدگی میں پھر وادی عقبہ میں اکٹھا ہونا تھا اور اکٹھے ہوئے ۔کچھ صاحبان وہی تھے جو بیعت عقبہ اول میں بھی حاضر ہو چکے تھے ان کی مدد، رابطے اور رہنمائی کے ساتھ یثرب کے ان ستر مرد اور دو عورتوں نے خاموشی اور پردہ پوشی کے ساتھ حضور پاکؐ کے ساتھ پیمان باندھے ۔اسی کو بیعت عقبہ ثانی کہتے ہیں ۔سبحان اللہ ۔اسلام کی تاریخ کا یہ ایک عظیم ترین واقعہ ہے ۔

بیعت عقبہ ثانی اسلام میں وعدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس اصول کو کتاب میں عملی طور پر اکثر اجاگر کیا جائے گا ۔لیکن جو اہمیت بیعت عقبہ ثانی کے وعدوں کو ہے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال تو کیا، کوئی بھونڈی نقل بھی نہیں مل سکتی ۔تاریخ کے دھارے تو دین فطرت کے لحاظ سے ویسے بھی معمولی چیزیں ہیں ۔کہ ہم یہ کہیں کہ اس نے تاریخ کے دھارے تبدیل کر دیئے ۔البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کارواں حق کے راستوں اور منزل میں بیعت عقبہ ثانی ایک بہت بڑا سنگ میل ہے کہ حضور پاکؐ انصار کے ساتھ ایسے وابستہ ہوئے کہ ان کے یثرب کو مدینہ النبی بنا دیا ۔اور انصار نے اپنا سب کچھ حضور پاکؐ پر قربان کرنے کا جو وعدہ کیا اس کو پورا کر دیا ۔بہر حال اس عہد و پیمان کے لیے رابطے کا کام دو انصار صحابہ جناب ذکوانؓ اور جناب عقبہؓ کر رہے تھے ۔یثرب سے حج پر تو تقریباً پانچ سو مرد اور عورتیں آئے ۔لیکن یہ ستر مرد اور دو عورتیں ایک تجویز کے تحت باقیوں سے ۱۲ ذوالحجہ کو الگ ہو گئے ۔تجویز دونوں طرف سے مکمل تھی ۔حضور پاکؐ بھی اکیلے نہ تھے ان کے چچا حضرت عباسؓ ساتھ تھے ۔شاید انہوں نے کلمہ حق کے لیے جناب ابو طالبؓ کے ہونٹ ہلتے دیکھ کر دل سے تو اسلام اختیار کر لیا تھا ۔لیکن اپنا اسلام ظاہر نہ کیا تھا ۔اس میں مصلحت ہو گی اور تھی اور امید ہے کہ سب کچھ حضور پاکؐ کی مرضی سے ہو رہا تھا ۔یثرب سے آنے والوں کی طرف سے رابطے کا کام جناب رافعؓ بن مالک نے کیا کہ حضور پاکؐ نے ان کو رات کے اندھیرے میں پہچان لیا ۔پھر خاموشی کے ساتھ مجلس بیٹھ گئی اس مجلس میں انصار مدینہ نے خالی اپنے اسلام کا اعلان نہ کرنا تھا ۔بلکہ اسلام والے بھی ان کو شرف بخشش رہے تھے ۔کہ ہجرت کر کے ان کے

ہو رہیں گے ۔ بڑے عجیب حالات تھے ۔ اللہ کا نبی اور حبیبؐ اللہ کے گھر کو الوداع کر رہا تھا ۔ کیا ہمیشہ کے لیے ؟ نہیں ہر گز نہیں ۔ یہ تو ایک مرحلہ تھا ۔ کیا انصار اس سے آگاہ نہ تھے کہ اللہ کا نبیؐ ، اللہ کے گھر سے نہ خود پکے طور پر جدا ہو سکتا ہے اور نہ اپنے غلاموں کو لے کر اللہ کے گھر سے بھاگ رہا ہے ۔ افسوس کہ مورخین اور راویوں نے اس مجلس کے عہدو پیمان یا ان عہدو پیمان کے نتائج کو وہ وقعت نہیں دی جا دنیا چاہیے تھی ۔ اس لئے کسی ایک راوی یا مورخ کے الفاظ کو لکھنے کی بجائے یہ عاجز پورے واقعہ کے نچوڑ کو مختلف تاریخوں سے مطالعہ کر کے بیان کر رہا ہے ۔

بیعت عقبہ ثانی کی کاروائی سب مجلس خاموشی کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ گئی ۔ حضور پاکؐ نے قران پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں ۔ اور جو لوگ اس وقت تک اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کئے ہوئے تھے ۔ ان کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ۔ کافی لوگ جناب مصعبؓ بن عمیر سے اسلام سیکھ چکے تھے ۔ سب نے لبیک کیا ۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے کلمات مل کر آہستہ آواز میں ادا کئے تو ساری وادی خوشبو سے معطر ہو گئی (سبحان اللہ) اب جناب اسدؓ بن زرارہ نے جناب عباسؓ بن عبد المطلبؓ کو گزارش کی " کہ بہتر ہو گا کہ آپ انصار مدینہ کو آگاہ کریں کہ اس عہدو پیمان سے ان پر کیا ذمہ داری پڑتی ہے " تو جناب عباسؓ یوں گویا ہوئے ۔ " اے گروہ اوس و خزرج ! حضرت محمدؐ اپنے خاندان میں ہمیں سب سے عزیز ہیں ۔ ہم میں سے جو ، ان کے دین پر ہیں وہ اس وجہ سے اور باقی نسب کی وجہ سے انؐ کی حفاظت کرتے ہیں ۔ اب حضرت محمدؐ نے سوائے تمہارے سب لوگوں کی اعانت ختم کر دی ہے ۔ اگر تم لوگ صاحب قوت اور شوکت ہو ۔ اور جنگ میں ماہر ہو تو آپس میں مشورہ کر لو ۔ یاد رہے کہ تم لوگ سارے عرب قبائل کی عداوت مول لے رہے ہو ، جو تم پر ایک ہی کمان سے تیر اندازی کریں گے ۔ باہم اختلاف نہ کرو ۔ جو کچھ کرو ۔ اتحاد و اتفاق سے کرو ۔ سب سے بہتر بات وہی ہے جو سب سے زیادہ سچی ہو ۔ "

جناب براؓ ابن معرور " آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سنا ۔ واللہ ہمارے دلوں میں اس کے سوا کچھ اور ہوتا جو کچھ آپ کہتے ہیں تو ہم وہ کچھ ضرور کہہ دیتے ۔ ہم تو وفا اور صدق کے ساتھ اللہ کے رسولؐ پر اپنی جانیں نثار کرنا چاہتے ہیں "

جناب الہیثم من الہیتان ۔ " میں اس کی تصدیق کرتا ہوں "

جناب العباسؓ بن عبادہ ۔ " ہاں ! اس ذات کی قسم جس نے اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کو حق سے مبعوث فرمایا ہے ۔ ہم حضور پاکؐ کی حفاظت اس طرح کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں ۔ ہم سے بیعت لے لیجئے ۔ اے اللہ کے رسولؐ ! ہم بخدا لڑنے والے لوگ ہیں ۔ ہم میں حوصلہ بھی ہے اور جی داری بھی ۔ اور ہم نے یہ جی داری بڑوں سے ورثہ میں پائی ہے " ۔

جناب اسدؓ بن زرارہ نے بھی کچھ ایسے ہی لفظ کہے ۔ لیکن یاد رہے کہ جناب اسدؓ ان تمام عہدو پیمان کے بانیوں میں سے ہیں اور وہ اپنے سے بڑوں یا بزرگوں کو موقع دے رہے تھے ۔ عمر کے لحاظ سے جناب براؓ اور حباب العباسؓ کو باقیوں پر فوقیت حاصل تھی دریں چہ شک کہ یہ امر پہلے سے طے شدہ ہے کہ مومن کو حضور پاکؐ پر ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے مدنی سورتوں میں یعنی سورۃ توبہ میں واضح الفاظ میں فرمایا " کہ مومن قتل کرتے ہیں اور قتل کئے

کو اجتماعی طور پر اپنانے کا اعلان کر دیا گیا تھا اور انہی دنوں حبشہ سے مسلمان پناہ گیر واپس آ گئے۔ لیکن اس سے پہلے مدینہ منورہ کے ایک فوجی مستقر بن جانے کے باوجود مسلمانوں کا ایک گروہ دفاعی حکمت عملی کے تحت حبشہ ہی میں مقیم رہا۔ کہ خدانخواستہ اگر مدینہ منورہ کا دفاع نہ ہو سکے اور مسلمانوں کو مدینہ منورہ کو بھی خیرباد کہنا پڑ جائے تو حبشہ میں ان کے لئے پناہ کا ایک مرکز موجود تھا۔ جہاں موجودہ فوجی زبان کے لحاظ سے ان کی کلر پارٹی یا TENTACLES " ٹینٹیکلز" موجود تھے یہی پہلو واضح کرنے کا پچھلے باب میں وعدہ کیا گیا تھا۔

ہجرت حبشہ کا عسکری پہلو اپنے کسی مورخ یا راوی نے آج تک حبشہ کی ہجرت کے فوجی یا عسکری پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن غیروں نے اپنے بودے پیمانوں سے اس پہلو میں غوطے ضرور لگائے ہیں۔ ایک یورپین مؤرخ مارگولیس لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے اپنے ساتھیوں کو حبشہ اس لئے بھیجا تھا۔ کہ وہ چاہتے تھے کہ شاہ نجاشی سے حملہ کرا کے مکہ مکرمہ میں کفار قریش کے زور کو اس طرح توڑ دیں جس طرح ابرہہ نے حملہ کر کے قریش یا باقی عرب قبائل کے زور کو توڑ دیا۔ لیکن مسلمانوں کے پیغمبرؐ نے بعد میں سوچا کہ ان کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس لئے اس سوچ کو آگے نہ بڑھایا۔ مارگولیس صاحب نے تبصرہ کرتے وقت نہ تو ابرہہ کے حشر کے بارے سوچا اور نہ یہ سوچ سکا کہ اس زمانے میں عدن اور یمن کے علاقے ایران کے باجگزار تھے۔ اور ایران ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ جس کے مقابلے میں اہل روم بھی شکست کھا چکے تھے اور ایرانی فوجیں مصر میں داخل ہو گئی تھیں۔ ہاں البتہ ایک جائزہ صحیح بھی پیش کیا کہ شاہ نجاشی کے مکہ مکرمہ پر حملہ سے حضور پاکؐ اور مسلمانوں کو کچھ نہ ملتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اگر کسی کو دعوت دے کر کسی جگہ پر حملہ کرایا جائے تو حملہ آور کبھی واپس نہیں جاتا۔ اب ہمارے آقا حضور پاکؐ دنیا کے عظیم ترین فوجی مدبر ہیں اور سپہ سالار اعظم ہیں وہ ایسی بات کیسے سوچتے۔ ہاں حضور پاکؐ ایک فوجی مستقر کی تلاش میں تھے جہاں دنیا کے فاتحوں کی عملی فوجی تربیت کریں۔ حضور پاکؐ ذاتی طور پر طائف بھی گئے کہ وہاں کے لوگ جنگجو تھے اور ذہنی لحاظ سے بھی وہ علاقہ فوجی مستقر بن سکتا تھا۔ لیکن حبشہ کے بارے حضور پاکؐ نے شاید سوچا ہی نہ ہو۔ بہرحال یہ اسلام کا مرکز اور مستقر بننے کا شرف یثرب کو ملنا تھا اور حبشہ و یثرب کی ہجرتوں میں اب یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہے۔ ایک پناہ گاہ تھی اور دوسرے نے مرکز اور فوجی مستقر بننا تھا۔

یثرب کا فوجی پہلو یثرب کے قبائل جنگجو اور رج پال تھے۔ اس کی وضاحت آگے اسی باب میں آتی ہے۔ لیکن جس پہلو کے بارے مورخین بالکل خاموش ہیں وہ یثرب کی زمینی اور جغرافیائی اہمیت ہے کہ فوجی لحاظ سے یثرب میں ایک مرکز اور فوجی مستقر بننے کی تمام خصوصیات موجود تھے۔ آگے واقعات بھی اس کے ثبوت میں جائیں گے۔ اور چودھویں باب یعنی جنگ خندق کے وقت اس چیز کی مزید تفصیل بتائی جائے گی۔ مکہ مکرمہ کی زمین نیچی ہے اور چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں تو دفاع کے لیے بہت بڑی فوج کی ضرورت ہے کہ دشمن کو دور سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ مدینہ منورہ یا یثرب کے دفاع کے لیے زمین بہت موزوں ہے۔ ارد گرد کا علاقہ فوجی تربیت کے لیے بہت موزوں ہے اور اس مستقر کے گرد و نواح میں حضور پاکؐ نے اپنے رفقاء کو عملی فوجی

سبق دے کر ایسے تیار کیا کہ انہوں نے چند سال میں دنیا فتح کر لی۔ بہر حال اس کے تمام اسباق اور حکمت عملیوں پر کئی مضمون لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے سب مورخین اور مبصرین آج تک اس پہلو پر خاموش ہیں۔ سوائے عثمانیہ سلطنت کے مدینہ منورہ کے آخری گورنر فخری پاشا کے مدینہ منورہ کے دوسری جنگ عظیم میں عملی دفاع میں زمینی اہمیت کے تبصرے کے، کہ انہوں نے اس کی ایسی اہمیت کا فائدہ بھی اٹھایا۔

صوفیاء کرام کا ہجرت مدینہ پر تبصرہ بہر حال بہت تلاش کے بعد ایک دن اس عاجز کا سر عاجزی سے جھک گیا کہ کم از کم صوفیا میں جناب رکن الدین سہروردیؒ اور نظام الدین اولیاءؒ کی علاؤالدین خلجی کے زمانے میں دہلی کی ایک ملاقات کے دوران ہجرت مدینہ کی مصلحت یا حکمت زیر بحث ضرور آئی۔ اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں جا کر اصحاب صفہ کی تربیت مقصود تھی تا کہ یہ لوگ آگے اسلام میں لوگوں کو حسن خلق، آداب علم اور عبادات سکھلانے میں ایسی روایتیں چھوڑیں کہ اسلام کے سرچشمہ ہدایت سے پیاسے اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ یہ پڑھ کر اس عاجز پر رقت طاری ہو گئی۔ کہ واقعی اسلام میں بڑی وسعت ہے اور ہم سب ان اندھوں کی طرح ہیں کہ جنہوں نے ہاتھی کے جس حصہ پر ہاتھ پھیرا اس کو ہاتھی سمجھ لیا۔ یہ عاجز مدینہ کے فوجی پہلو اور اس سلسلہ میں فوجی حکمت عملی کو ہی سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ لیکن اب سمجھا کہ اس ہجرت میں حکمت ہی حکمت تھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے نام سے ایک شہر کو موسوم کر کے اللہ اور رسولؐ کے دو گھروں کو حرمین شریف کا نام دینا تھا۔

یثرب کا تاریخی پہلو یثرب کب آباد ہوا۔ مورخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ یہودی قبائل کا یثرب، فدک اور خیبر میں آباد ہونے کا ذکر، کہ وہ تبعہ خاندان کے بادشاہ ابو قریب کے زمانے میں موجود تھے چوتھے باب میں ہو چکا ہے۔ یہ یہودی بنو اسرائیل نسباً بھی تھے یعنی کیا حضرت یعقوب کی اولاد تھے؟ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان یہودیوں کے نام حضرت اسماعیل کی باقی اولاد یعنی عربوں کی طرح تھے اور خیر زبان بھی عربی تھی۔ تو ایک روایت ہے کہ یہ یہودی کسی عرب قبیلہ سے تھے اور بعد میں انہوں نے حضرت موسیٰؑ کا مذہب اختیار کر لیا۔ بہر حال قارئین یہ یاد رکھیں کہ حضور پاکؐ کے زمانے میں جو یہودی یثرب میں آباد تھے وہ تین قبیلوں میں منقسم تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔

انصار مدینہ یہودیوں کے علاوہ، جو لوگ آئندہ کے صفحات میں انصار مدینہ کے نام سے موسوم کئے جائیں گے یہ یثرب کے دو قبائل اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ یمن میں آباد تھے اور جب ارم یا عرم کا بن ٹوٹ گیا تو جیسا چوتھے باب میں ذکر ہے علاقے کے غیر آباد ہو جانے کی وجہ سے قبیلہ قحطان کے دو بھائی اوس اور خزرج یمن سے ہجرت کر کے آکر یثرب میں آباد ہو گئے۔ نقشہ سوم پر قبیلہ قحطان کا علاقہ دکھایا گیا ہے اور یہ پہلو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قحطان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ بلکہ اوس اور خزرج آگے بنو ازد سے تھے۔ ویسے یثرب کے گرد و نواح میں یہودیوں کے ان تین بڑے قبیلوں سے آگے بیس اکیس چھوٹے چھوٹے قبیلے بن چکے تھے۔ اور انصار مدینہ کی نفری بھی بڑھتی رہی۔ کچھ عرصہ وہ یہودیوں سے الگ رہے۔ لیکن پھر اوس اور خزرج قبیلوں نے کچھ یہودی قبیلوں کو اپنا اپنا حلیف بنا لیا۔

یہودی رئیس فطیون یہودیوں میں فتنہ ازل سے موجود ہے۔ کہ حضور پاکؐ کی بعثت سے تھوڑا پہلے ایک یہودی رئیس فطیون تھا۔ جو بڑا ہی عیاش اور مکار نکلا۔ اور کسی طرح اپنے لئے یہ حق حاصل کر لیا تھا کہ یثرب کی ہر دوشیزہ شادی کا پہلا دن اس کے شبستان عیش میں گزارے گی۔ یہودی تو چپ کر گئے۔ لیکن انصار سے ایک شخص مالک بن عجلان کی بہن کی شادی کا وقت آیا تو اس کی بہن بے پردہ ہو کر اپنے بھائی کے پاس سے گزری۔ بھائی ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی "کہ یہ ناراضگی یا شرم کیسا؟ کل میرے ساتھ جو کچھ ہو گا اس پر تمہیں شرم نہ آئے گی۔" مالک کو غیرت آئی۔ عورتوں کا لباس پہن کر اور اپنی بہن کی سہیلی بن کر فطیون کے شبستان عیش پہنچ گیا۔ اور وہاں اس مردود کا کام تمام کر دیا۔ اور یثرب سے بھاگ کر شام کی سرحد کے نزدیک غسانی قبائل کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ ان لوگوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ بنیادی طور پر یہ لوگ بھی یمنی تھے۔ اور آگے بھی ان کا ذکر آئے گا۔ کہ اس وقت یہ قبیلہ عیسائی ہو چکا تھا۔ بہر حال مالک ان عیسائیوں یا نصرانیوں کی فوج کو اپنے ساتھ یثرب لے آیا۔ اور یہودیوں کے ایک ایک سردار کو باری باری دھوکے سے قتل کراتا رہا۔ اس طرح یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا اور انصار کو دوبارہ قوت حاصل ہو گئی۔

یہودیوں کی علمی فوقیت انصار مدینہ بھی باقی عرب قبائل کی طرح بت پرست ہو گئے تھے جس کا ذکر چوتھے باب میں ہو چکا ہے کہ ان کا بت مناۃ تھا۔ لیکن انصار یہودیوں کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے کیونکہ انہوں نے یثرب میں بیت المدارس قائم کئے ہوئے تھے۔ جن کا بخاری شریف میں بھی ذکر ہے۔ یہودی یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر انہی دنوں میں مبعوث ہونے والا ہے۔ اور چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہودیوں کو یہ امید تھی کہ وہ پیغمبر ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ چنانچہ انصار مدینہ بھی اس سے آگاہ تھے۔ اور ان کو اپنی خوش بختی کی بھی کچھ امید تھی۔

انصار کی خانہ جنگی لیکن یہودیوں کی مکاری اور شرارت کی وجہ سے انصار کے دونوں قبائل اوس اور خزرج میں اکثر خانہ جنگی رہتی تھی۔ اوس مقابلتاً تعداد میں کم تھے لیکن متحد زیادہ تھے۔ خزرج تعداد میں زیادہ تھے لیکن ان میں وحدت کی کمی تھی۔ اسلئے لڑائی کے نتائج بین بین رہتے تھے۔ جب حضور پاکؐ مبعوث ہوئے۔ تو اس زمانہ میں بھی دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ بعاث ہوئی جس میں طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ بہر حال کچھ سمجھوتہ ہو گیا۔ اور ایک رائے تھی کہ خزرج قبیلہ کے عبد اللہ بن ابی کو یثرب کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ لیکن اوس کے سارے قبیلہ اور ان کے حلیف یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے سخت مخالفت کی۔ علاوہ ازیں یہودیوں کا بڑا رئیس کعب بن اشرف بھی رقابت یا حسد کی وجہ سے اس رائے کے خلاف تھا۔ ان حالات میں انصار مدینہ کے دونوں قبیلے تذبذب میں تھے۔ ایک طرف ہر قبیلہ کسی اور حلیف کی تلاش میں تھا۔ دوسری طرف دونوں قبیلے کسی پیغمبر کی آمد اور اپنی خوش بختی کی امید بھی لئے بیٹھے تھے۔

انصار مدینہ کا تجسس انصار مدینہ سے کون پہلے اسلام لے آیا قبائلی رقابت کی وجہ سے اس سلسلہ کے دعوے کچھ اختلافات ظاہر کرتے ہیں اور یہ عاجز اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ سارے انصار مدینہ میرے لئے اتنے عظیم ہیں کہ میں سب کو نمبر شمار ایک پر رکھتا ہوں۔ بہر حال پچھلے باب میں جناب ذکوانؓ بن قیس کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ ایک عظیم نظم لکھ چکے تھے "۔ کہ

اے قریش آپس میں مت لڑو۔" روایت ہے کہ انہوں نے حضور پاکؐ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا تو اولین مسلمانوں میں ایک تو جناب ذکوانؓ ہیں۔ دوسرے جن صاحب کا ذکر ملتا ہے وہ عظیم صحابی جناب عبادہؓ بن صامت کے بڑے بھائی جناب سویدؓ تھے۔ دوسرے باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ آپ کے پاس "امثال لقمانی" ایک کتاب بھی موجود تھی۔ روایت ہے کہ انصار کی جنگ بعاث سے بھی پہلے آپ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قران پاک سنا تو بڑے متاثر ہوئے کہ آپ تو لقمانؑ کی کہانی کو بھی آسمانی کتاب سمجھے ہوئے تھے، تو جناب سویدؓ مسلمان ہو گئے۔ لیکن آپ جنگ بعاث میں کام آئے۔ لیکن وہ اپنے قبیلہ پر اسلام کے اثرات چھوڑ گئے۔ آپ بنو خزرج سے تھے۔ عظیم صحابی جناب سعدؓ بن معاذ کے بڑے بھائی جناب ایاسؓ، ایک وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے۔ یہ وفد قبیلہ اوس کے سردار الجلیس کے تحت قریش مکہ سے کچھ امداد لینا چاہتا تھا۔ لیکن جناب ایاسؓ نے حضور پاکؐ کو دیکھ لیا۔ اور حضور پاکؐ کے جمال کا ان پر ایسا اثر ہوا۔ کہ وہ قبیلے کی خواہشات کو بھول گئے۔ اور حضور پاکؐ پر ایمان لے آئے۔ گو آپ بھی حضور پاکؐ کی یثرب کی طرف ہجرت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ لیکن اپنے قبیلہ اوس پر اپنے ایمان کے اثرات ضرور چھوڑ گئے۔ اس کے بعد قبیلہ اوس اور خزرج دونوں کے لوگ اپنی دشمنی کو بھول کر حق کی تلاش میں مکہ مکرمہ کے چکر لگاتے رہے۔ انہی دنوں مشہور صحابی جناب اسدؓ بن زرارہ، جناب ذکوانؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ آئے اور عتبہ بن ربیعہ کے مہمان ٹھہرے۔ گو عتبہ ایمان نہ لایا تھا۔ لیکن ان کے بیٹے جناب ابو حذیفہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور عتبہ نے بھی حضورؐ پاک کے خلاف کوئی بات نہ کی۔ جناب ذکوانؓ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ یا اس دن اعلان کیا۔ بہر حال یثرب واپس جانے سے پہلے جناب اسدؓ اور جناب ذکوانؓ دونوں اپنے اسلام کا اعلان کر چکے تھے۔

انہی دنوں جناب عبادہؓ بن صامت، جناب یزیدؓ بن ثعلبہ اور جناب عویمؓ بن عوف نے مکہ مکرمہ میں آکر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ روایت یہ بھی ہے کہ ان صاحبان سے چند دن پہلے جناب ابو الہیثمؓ بن التیہان، جناب رافعؓ بن مالک اور جناب معاذؓ بن عفرا جو عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو وہاں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر گئے۔ عفرا۔ معاذؓ کی والدہ کا نام تھا۔ باپ کا نام حارث تھا۔ آپکے دونوں بھائی مویذؓ اور عوفؓ کا جنگ بدر میں شہید ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے معاذؓ اور مویذؓ ایک ہی شخصیت ہوں کہ اس کے بعد میں معاذؓ کا نام سننے میں نہ آیا۔

اس طرح اوپر بیان شدہ آٹھ انصار صحابہ کے مسلمان ہونے کے عمل کو بعض مورخین نے بیعت عقبہ اول کا نام دیا ہے اور ہم آگے جن دو بیعتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کو بیعت دوم اور سوم قرار دیا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جو کچھ بیان ہو چکا ہے یہ الگ الگ کاروائی تھی۔ اور اوپر بیان شدہ صاحبان نے ہمارے حساب سے آکر ایک اور بیعت میں بھی شرکت کی جس کو ہم بیعت اولیٰ کہہ رہے ہیں تو اس لیئے اس الگ الگ کارروائی کو کسی اجتماعی بیعت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ مورخین نے ناموں کے چکر میں، ہیر پھیر کر کے معاملات کو کچھ مبہم کر دیا تو اس وجہ سے مولانا شبلیؒ نے بیعت اولیٰ میں گیارہ یا بارہ اصحاب کے بجائے کل چھ صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے۔

ابی دونوں بھائی، بنوہاشم سے ابولہب، قریش کا دوسرا شیطان نضر بن الحارث، ابن الغیطلہ، طعمیہ بن عدی، اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منیبہ شامل تھے۔ حضور پاکؐ، جناب صدیق اکبرؓ کے ساتھ مشورہ کے بعد ہجرت کی تجویز بنا چکے تھے۔ دو اونٹنیاں تیار تھیں ابن اریقط گو مسلمان نہ تھا لیکن بااعتبار تھا، اور اس نے رہنمائی کرنا تھی۔ جناب اسمأؓ نے ازار بند کو کاٹ کر سفری کھانا باندھا تو تاریخ میں ذوالنطاقین کا خطاب پایا۔ پس کفار کے سروں پر حضور پاکؐ دھول پھینکتے اور سورۃ یٰسین پڑھتے نکل گئے۔ پہلے مرحلہ میں غار ثور میں رکنا تھا اور اس وجہ سے آج بھی زائرین اس غار کی زیارت کے لئے جبل ثور کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ غار ثور میں پناہ لینے کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ علاوہ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ببول کے درخت کو ایسا پھیلاؤ دیا کہ غار کا منہ بند ہو گیا۔ کبوتری نے وہاں انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی نے جالا تن دیا۔ اوران کو بھی اللہ تعالیٰ نے شرف دے دیا۔ قریش آپؐ کو نہ پاسکے۔ اور تین دن غار میں قیام کے بعد آپ نے یثرب کے لئے روانگی اختیار کی۔

ہجرت کا سفر فوجی لحاظ سے محاذ آرائی ختم ہو گئی یعنی Clean Break ہو گئی۔ اور کاروائی حیران کن بھی تھی۔ جناب ابو بکرؓ کے خادم جناب عامرؓ بن فہیرہ دو اونٹنیاں لے کر مقررہ وقت اور مقرر جگہ پر پہنچ گئے۔ اور عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں سفر شروع کر دیا۔ قریش کے اعلان اور انعام کی امید پر سراقہ بن جشم نے پیچھا کیا۔ لیکن گھوڑے سمیت زمین میں دھنسنے لگا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔ ساتھ ہی حضور پاکؐ کے جمال کی جھلک پڑی تو مسلمان ہو گیا۔ بعد میں فتوحات ایران میں نمایاں کام کی وجہ سے اس کو کسریٰ کے کنگن پہننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ کہ آقاؐ ایسے فرما گئے تھے۔ اور جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔ جو راستہ اختیار کیا اس میں رابغ کو چھوڑ کر باقی مقامات کے نشانات اب موجود نہیں۔ شاید کبھی کوئی اہل محبت ان نشانوں کو تلاش کر کے زمین پر اس کا جگہ جگہ اظہار کر دے۔ فی الحال تو یہ نام ہماری موجودہ تاریخوں سے بھی خارج ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز ان مقامات جہاں پر ہمارے آقاؐ کے قدم پڑے ان کو کتاب کا حصہ ضرور بنائے گا کہ شاید کبھی کوئی اہل محبت ان مقامات کے نشانات کو زمین پر اجاگر کر دے۔ اور وہ ہیں خرار، شینتہ المرہ، لقف، مذلجہ، مردج، حدائد، اذاخر، رابغ، ذوا سلم، عثانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوتیہ عقیق اور جنجانہ۔

ام معبدؓ کا شرف راستے میں ام معبدؓ کے خیمہ یا پڑاؤ میں قیام فرمایا۔ ام معبدؓ کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ وہ قوی اور دلیر تھیں چادر اوڑھے اپنے خیمہ کے آگے بیٹھی رہتی تھیں، اور مسافروں کی حسب طاقت میزبانی کرتی تھیں۔ لیکن قحط کی وجہ سے سرکار دوعالمؐ کے قافلہ کو کچھ بھی نہ پیش کر سکیں۔ ان کی بکری کا دودھ بھی سوکھ چکا تھا۔ حضور پاکؐ نے ام معبدؓ کی اجازت سے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا مانگی۔ پس وہاں دودھ کا ایسا سیلاب آیا کہ حضور پاکؐ کا قافلہ دودھ سے سیراب ہو کر چلا گیا تو ام معبدؓ کے خیمہ میں سب برتن دودھ سے بھرے پڑے تھے۔ ام معبد کے خاوند جب آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے اور ام معبدؓ سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟۔ اب جو کچھ ام معبدؓ نے جواب دیا اس کے لکھنے سے پہلے گزارش ہے کہ ترمذی اور مشکوۃ کے مطابق حضور پاکؐ جیسا حسین و جمیل نہ انؐ سے قبل دیکھا گیا نہ ان کے بعد۔ یہی کچھ جناب براؓ بن عاذب بخاری شریف اور مسلم میں کہتے ہیں۔ اس سلسلہ

میں اگر سب روایات اکٹھی کی جائیں تو یہ مضمون ایک کتاب میں بھی نہیں سما سکتا۔ لیکن ام معبدؓ نے جس سادگی اور معصومیت سے ہمارے آقا کا ذکر کیا یہ عاجز انہی الفاظ سے اپنی پیاس بجھائے گا۔ اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

حضور پاک کا حسن و جمال تو ام معبدؓ یوں گویا ہوئیں۔ "اے ابا معبدؓ! ہمارے پاس سے ایک بابرکت بزرگ گزرے اور یہ انہی کی وجہ سے ہے۔ وہ ایسے شخص تھے جن کی صفائی اور پاکیزگی بہت صاف اور کھلی ہوئی ہے۔ چہرہ نہایت نورانی ہے۔ اخلاق بہت اچھے ہیں۔ ان میں پیٹ بڑا ہونے کا عیب نہیں۔ نہ ان میں کوتاہ گردن اور نہ چھوٹا سر ہونے کی خرابی ہے۔ وہ حسین و جمیل ہیں کہ ان کو دیکھ دیکھ کر جی نہیں تھکتا۔ آنکھوں میں کافی سیاہی ہے۔ پلکوں کے بال خوب گھنے اور لمبے ہیں۔ آواز میں لبھاؤ اور کشش ہے۔ آنکھوں میں جہاں سیاہی ہے وہ خوب سیاہی ہے۔ اور جہاں سفیدی ہے وہ خوب شفاف اور سفید ہے۔ ابروئیں باریک ہیں اور آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ بالوں کی سیاہی خوب سیاہ اور تیز ہے۔ گردن میں بلندی اور ڈاڑھی میں گھنا پن ہے جب خاموش ہو جاتے ہیں تو سراسر وقار چھا جاتا ہے۔ اور جب بات کرتے ہیں تو حسن کا غلبہ ہوتا ہے۔ گفتگو تو نگینوں کی لڑی ہوتی ہے جو گر رہے ہوتے ہیں۔ وہ شیریں گفتار ہیں۔ قول فیصل کہنے والے ہیں۔ ایسے کم گو نہیں، جس سے مقصد ادا نہ ہو۔ اور فضول گو بھی نہیں۔ دور سے دیکھو تو سب سے زیادہ بارعب اور حسین ہیں۔ قریب سے دیکھو تو سب سے زیادہ شیریں گفتار اور جمیل ہیں۔ ایسے متوسط اندام ہیں کہ درازی قد کا عیب نہ لگاؤ گے۔ اور نہ کوئی آنکھ کوتاہ قد ہونے کی وجہ سے انہیں کم تر جانے گی۔ وہ دو شاخوں (ابو بکرؓ اور عامرؓ) کے درمیان ایک شاخ تھے۔ اور دیکھنے میں وہ تینوں بڑے بارونق تھے۔ اور انؐ کے یہ دونوں رفقا ایسے تھے جو ان کو گھیرے رہتے تھے۔ وہ جو کچھ فرماتے تھے تو یہ دونوں رفقا مخدوم بن جاتے تھے"۔

حضور پاکؐ کے جمال کو کوئی قلم بیان نہ کر سکے گا۔ آپؐ کے پسینے کی خوشبو سے پوری محفل مہک جاتی تھی۔ آپؐ کی شیریں کلام سے فضا کا ماحول تبدیل ہو جاتا تھا، اور آپؐ کی پاکیزگی و طہارت فضا میں اس طرح بکھر جاتی تھی کہ جس مقام پر آپؐ موجود ہوتے اس کا رنگ ہی نرالا ہوتا۔ اس سلسلہ میں اہل محبت نے کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن ایک اکیلی کتاب مولانا جامیؒ کی "شواہد النبوۃ" تقریباً چار سو واقعات کی جھلکیاں دیتی ہے۔ جن کو پڑھ کر اور آپؐ کے تصور سے سرور حاصل کر کے کئی لوگ زندگی گزارتے ہیں۔ البتہ کوتاہ نظر بشر کے چکر میں پڑ کر "کامل انسان" تک ہی پہنچ پاتے ہیں۔ ان کا عروج آگے جا کر رک جاتا ہے کہ حضور پاکؐ کے مطابق وہ "کل" والے مقام پر رہتے ہیں۔ اور گھاٹے میں رہتے ہیں۔ جس نے آپؐ کی شان کو سمجھنے میں عاجزی برتی اس کے مقامات بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اور علم بھی اس کے سامنے آ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ "کہ آؤ ہم سے استفادہ کرو"

یثرب میں آمد یہ تو صرف جمال والا پہلو تھا۔ جس میں ام معبدؓ نے بارعب اور وقار کے الفاظ استعمال کر کے کچھ جلال کی جھلکیاں بھی دی ہیں۔ اور ہمارے آقا تو جلال و جمال دونوں کے ساتھ سب سے پہلے یثرب کے بالائی علاقے میں پہنچے جہاں مسجد قبا کی بنیاد رکھی گئی۔ اور سورۃ توبہ میں ارشاد ربانی ہے کہ پہلے ہی دن سے اس مسجد کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی۔ حجاج جب اس

مسجد میں نوافل ادا کرتے ہیں تو اکثر حضور پاکؐ کے یہاں پر قدم مبارک رکھنے کے تصور میں کھو جاتے ہیں ۔ بہر حال یثرب میں داخلہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوا ۔ اور اسی تاریخ سے سن ہجری مقرر ہوا ۔ اس کے بعد آپؐ نے وہاں قیام فرمایا جہاں اونٹنی جا کر بیٹھ گئی ۔ اور یہ شرف جناب ابو ایوب انصاریؓ کو حاصل ہوا ۔ جناب سعدؓ بن معاذ، جناب سعدؓ بن عبادہ اور جناب عمارہؓ بن حزم کو ہمسائیگی کا شرف حاصل ہوا ۔ اور جو خدمت ان عظیم ہستیوں نے حضور پاکؐ کی انجام دی اس پر کئی مضامین بھی تھوڑے ہوں گے ۔ اسی جگہ پر بعد میں ازواج مطہرات کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے ۔ اور اسی جگہ آج مسجد نبوی ہے ۔ جس کی موجودہ عمارت سلطنت عثمانیہ کے زمانے کی ہے ۔ جس طہارت ۔ محبت اور خلوص سے کئی سو سال پہلے ترکوں نے یہ کام کیا ۔ وہ ایک الگ کتاب کا مضمون ہے ۔ اور اب جو توسیع ہو رہی ہے تو کافی پرانے نشانات تقریباً ختم ہو جائیں گے کہ یہ بڑا عظیم منصوبہ ہے ۔

یثرب کی بچیاں حضور پاکؐ جب یثرب میں داخل ہوئے اور جہاں جاتے تھے تو چھوٹی چھوٹی بچیاں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتی تھیں یا کسی گلی کے موڑ پر اکٹھی ہو جاتی تھیں ۔ اور کچھ اس قسم کے گانے گاتی تھیں

"چاند نکل آیا ۔۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ۔۔۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے ۔۔۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ۔۔۔ ہم فلاں خاندان کی لڑکیاں ہیں ۔۔۔ جناب محمد مصطفیٰؐ کیسے اچھے ہمسائے ہیں"

روایت ہے کہ اس قسم کے گانے بچیاں ہر دفعہ گاتی تھیں ، جب حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے زیادہ عرصہ غیر حاضر ہوتے تھے ۔ تو ایسے الفاظ میں ہر دفعہ خوش آمدید کے گانے گائے جاتے تھے ۔ اور مسلمانوں کی کوئی دعا حضور پاکؐ پر درود و سلام پڑھے بغیر ایسے ہے جیسے بغیر پتہ کے لفافہ ۔ یہ بچیوں کی طرف سے سلام ہوتا تھا ۔

مکمل ہجرت مورخین نے ہجرت کے عمل کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ جناب صہیب رومیؓ کو اپنا تمام مال مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا کہ کفار نے کہا کہ وہاں کمایا تھا ۔ کئی صحابہؓ اپنے بال وبچہ کو مکہ مکرمہ چھوڑ آئے تھے ۔ حضور پاکؐ کی زوجہ محترمہ سودہؓ ، دونوں بیٹیاں جناب ام کلثومؓ اور جناب فاطمہؓ کو آپؐ نے سواری پر پانچ سو درہم خرچ کر کے جناب زیدؓ بن حارث کے ذریعہ سے منگوایا ۔ کہ ساتھ جناب ام ایمنؓ اور اسامہؓ بن زیدؓ بھی آگئے ۔ جناب سودہؓ کے خاوند جناب سکرانؓ کی وفات اور حضور پاکؐ سے نکاح کا ذکر ہو چکا ہے ۔ آپ واحد ام المومنین ہیں جنہیں ام المومنین کی حیثیت سے ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی ۔ حضور پاکؐ کی بیٹی جناب رقیہؓ نے اپنے خاوند جناب عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کی ۔ اور جناب زینبؓ کا خاوند مسلمان نہ ہوا تھا وہ بعد میں آئیں اور ذکر بعد میں آتا ہے ۔ جناب ابو بکرؓ اور کئی صحابہ نے اپنے بال وبچہ کو مکہ مکرمہ سے بعد میں منگوایا ۔

ازواج مطہرات یہاں پر حضور پاکؐ کے ازواج مطہرات اور آپؐ کے عورتوں کو شرف دینے ، اور نکاح کی پاکیزگی کے سلسلہ میں کچھ ذکر ضروری ہے ۔ جناب خدیجہؓ الکبریٰ کی وفات کے بعد اور جناب سودہؓ سے نکاح سے پہلے ۔ حضور پاکؐ کے چچا جناب ابو طالبؓ کی بیٹی حضرت ام ہانیؓ جن کے خاوند انہی دنوں فوت ہوئے ان کو حضور پاکؐ نے نکاح کی پیش کش کی ۔ حضرت ام ہانیؓ جن کا ذکر ساتویں باب میں معراج شریف کے سلسلہ میں ہو چکا ہے ۔ انہوں نے عرض کی " کہ یا رسول اللہ میرے چھوٹے

چھوٹے بچے ہیں ۔ڈر لگتا ہے کہ ان کی طرف توجہ کرنے سے آپؐ کی پوری خدمت نہ کر سکوں یا کوئی بے ادبی ہو جائے اور یہ جو بہن کا مقام ہے اس کو بھی کھو بیٹھوں " حضور پاکؐ مسکرا دیئے اور فرمایا" تو پھر آپ بہن ہی بہتر ہیں " تو جناب سودہؓ کو زیادہ عمر کا ہوتے ہوئے یہ شرف حاصل ہو گیا کہ وہ حضور پاکؐ کی بیٹیوں کی دیکھ بھال کریں ۔ حضرت ام ہانیؓ کی شادی بنو مخزوم کے ہاں ہوئی تھی اور خاندانی بندھنوں کی وجہ سے وہ ہجرت نہ کر سکیں ۔فتح مکہ کے وقت حضور پاکؐ کو عرض کی کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں اور حضور پاکؐ بے شک ان کو زوجیت کا شرف بخش دیں ۔ حضور پاکؐ پھر مسکرا دیئے اور فرمایا" نہیں ام ہانی ۔ تمہارا یہی شرف قائم رہے کہ تم میری بہن ہو "اس پہلو پر مزید تبصرے آگے آتے رہیں گے ۔

خلاصہ ہجرت کے حالات بخاری شریف ، ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں ۔ اس عاجز نے بامقصد مطالعہ کے تحت اور کہانی کو تسلسل دینے کے لئے ان تینوں کتابوں کی مدد سے واقعات کا نچوڑ پیش کیا ہے ۔البتہ ہجرت کے فلسفہ یا نظریہ اور حکمت کی جھلک ساتھ پیش کر دی ہے ۔ کہ ہجرت کرنے میں کیا مقاصد تھے ۔ یعنی ایک مرکز اور فوجی مستقر بنانا مقصود تھا ۔ جس کے لئے عہد و پیمان باندھے گئے ۔ پھر اس اہل حق والوں کے مرکز اور فوجی مستقر میں اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کر کے اسلام کی ایک عمارت کھڑی کی گئی ۔جہاں سے روشنی کا پھیلاؤ اس طرح سے شروع کیا گیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے گھر اور اللہ کے حبیبؐ کے گھر کو ایک کیا گیا ۔اب ایک اللہ ، ایک رسول ، ایک قرآن اور ایک امت کا پہلو مکمل ہو گیا ۔ اور اس کو تھوڑا پھیلاؤ دے کر حضور پاکؐ اپنے رفقاؓ کو ایک سپرنگ بورڈ پر کھڑا کر گئے ۔جہاں ان کے دلوں کو جوڑ دیا گیا تھا ۔ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی ۔ انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی بنیاد کیسے باندھی ۔یہی ہمارے اگلے باب کا موضوع ہے ۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا (اقبالؒ)

نواں باب

مدینہ منورہ کا مستقر اور جنگی کاروائیاں

مدینۃ النبی یثرب اب مدینتہ النبی ہو گیا۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پہلا مرحلہ ختم ہوا۔ اس کے آگے کئی مرحلے ہیں کہ انفرادی اور اجتماعی ہجرت جاری رہی۔ بہرحال فتح مکہ کے بعد جب اللہ اور رسولؐ کے گھر ایک رابطے میں بندھ گئے تو ہجرت کا عمل ختم ہوا۔ یعنی حضور پاکؐ نے ہجرت کا مقصد حاصل کر لیا تو وقتی طور پر ہجرت ختم ہو گئی۔ البتہ ہجرت ہمارے لئے سنت بن گئی کہ مسلمان اپنے عقیدہ اور دین کی حفاظت کے لئے ہجرت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے چودہ سو سالوں میں مسلمانوں نے کئی اجتماعی ہجرتیں کیں۔ انفرادی ہجرت الگ بات ہے۔ بہرحال بعض جگہوں پر یہ اجتماعی ہجرتیں وقتی تھیں۔ اور مسلمانوں نے جلد اپنی کھوئی ہوئی زمین یا علاقے پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سپین سے مسلمانوں کی ہجرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو مسلمان وہاں باقی رہ گئے تھے وہ بھی چند سال بعد ختم ہو گئے۔ انیسویں صدی عیسوی اور اس صدی کے شروع میں روسی ترکستان اور وسط ایشیا سے بھی مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن مہاجر جہاں گئے وہیں کے ہو رہے اور روسی ترکستان کے مسلمانوں کو ہم نے روس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ تو ہجرت سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔ البتہ اب وہاں بھی اللہ کی رحمت شروع ہو گئی ہے۔ اس صدی میں فلسطین کے مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن وہ پہلے عرب ہیں اور بعد میں مسلمان، تو اس کا خمیازہ آج تک بھگت رہے ہیں۔ کہ عرب ازم، ایک سازش ہے، اور سب جغرافیائی اور لسانی نیشنلزم غیر اسلامی نظریے ہیں۔ لیکن اس صدی میں جو ہجرت ہمارے خطے میں ۱۹۴۷ء میں ہوئی اور پھر جاری رہی اس جیسی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دوسرے پارہ کے سولھویں رکوع میں جس ہجرت کا ذکر ہے وہ یہی ہماری ہجرت تھی کہ ماضی میں کوئی اتنی بڑی ہجرت نہ ہوئی۔ پھر الفاظ بھی کچھ ہمارے اوپر صادق آتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے کہ "موت سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں" یعنی چونکہ ہم نے فلسفہ جہاد سے گریز اور ناسمجھی اختیار کی ہوئی تھی۔ تو یہ بھیڑ بکریوں والی بھگدڑ تھی۔ ہجرت کے مقصد کو سامنے نہ رکھا۔ ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے۔ نہ غیرت آئی نہ ندامت کی اور الٹا حب الدنیا اور کراہیت الموت کے چکروں میں پڑ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کشمیر میں جہاد کا راستہ نکالا۔ اور ڈیڑھ سال تک ہم ہنستے لڑتے رہے اور جہاد کی برکت سے کچھ حاصل بھی کر لیا۔ حالانکہ بہت زیادہ غداریاں ہوتی رہیں اور آخری بڑی غداری ۱۹۴۹ء کی فائر بندی تھی کہ جہاد کو پکا جمود دے دیا۔ اور آئندہ کے لئے بھی غیروں کا فلسفہ دفاع اپنا لیا اور اپنے فلسفہ دفاع یعنی جہاد سے گریز کیا تو اتنے ہتھیاروں کے ہوتے ہوئے ستمبر ۱۹۶۵ء میں چند دن لڑائی لڑ سکے۔ اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں نوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔ ملک بھی دولخت ہو گیا۔ اور سبق پھر بھی نہ سیکھا۔ اور کراچی میں "مہاجر" کا نام اپنا کر کیا سمجھے نہیں کیا جا رہا
اس سب کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کر کے کئی ایسے لوگ بھی مہاجر بن گئے جو دولت اور فلاح کی غرض سے اس ملک میں آئے یہی ہمارے کرتا دھرتا اور "دانشور" بن گئے۔ اور "انصار" نے بھی خوب لوٹ مچائی۔ تو یہ چھیالیس سال ذلت کی زندگی تھی۔ جو

صاحب اس جائزہ کی تفصیل میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ راقم کی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" اور "پنڈورہ باکس" سے استفادہ کریں۔ کہ غیر ہمیں کافرانہ سیاسی، عسکری، معاشی، دفتری اور عادلانہ نظاموں میں حکڑ گئے۔ لنگڑا لولا پاکستان اینگلو امریکن بلاک کی ضرورت تھی۔ اور غلام کذاب و سرسید کی مدد سے انیسویں صدی سے انگریز، بے دین، بے کردار، اور ابن الوقت لوگوں کی ایک کھیپ تیار کر رہا تھا جس کو جاتے جاتے ہم پر وہ ہمارے حکمرانوں کے طور پر مسلط کر گیا۔ اور آج تک ایسے ہی لوگ ہمارے حکمران ہیں۔ کبھی مسلم لیگ کی شکل ہیں۔ کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں اور کبھی مارشل لا کے ڈنڈے کے طور پر۔

امید کی کرن قرآن پاک کے بیان میں آگے آتا ہے کہ "میں نے ان لوگوں کو کہا کہ مرجاؤ اور وہ مر گئے۔ پھر جلا دیا ان کو" اللہ کرے کہ ہماری موت یا ذلت کی گھڑیاں بنی اسرائیل کے امتحان کی طرح چالیس پینتالیس سال ہی ہوں اور اب ہمیں اللہ "زندہ" کر دے یعنی جلا دے۔ کہ اب ہمارے ملک کے دوسرے سرے پر یہی ہجرت کا پہلو جو شروع ہوا ہے وہ ہجرت جاندار تھی۔ " کہ تیری بے علمی نے لاج رکھ لی" کہ افغانستان میں کوئی سرسید یا کمال ترکی پیدا نہ ہوا تھا۔ جو ان کو "ماڈرن" بناتا۔ یہ ہجرت رنگ لائی کہ "ہر لحہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی" اور افغان مجاہدین نے روس جیسی سپر پاور کو پاش پاش کر دیا۔

مقصد اس تمہید کو لمبا کرنے میں مقصد یہ تھا کہ ہمارے "مسلمان دانشور" اور "اسلام پسند حکمران" اکثر حضور پاکؐ کی مدنی زندگی کے اپنانے کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ پاکستان میں یہ اپنائے بغیر چارہ نہیں۔ بلکہ بڑی بد قسمتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت تبلیغ کے سلسلہ کو جاری کر کے ہمیں مکی زندگی کے راہ پر لگا رہی ہے۔ کہ مذہب ہر کسی کا ذاتی اور نجی معاملہ بن جائے اور یہی غیر چاہتے ہیں۔ آگے کیا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ عاجز باور کرانا چاہتا تھا کہ آج تک اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا۔ بلکہ بنیادی باتوں کو سمجھے ہی نہیں۔ اور آگے کیا ہوتا ہے۔ تو یہ عاجز اب ساری کتاب ہی مدنی زندگی پر لکھ رہا ہے۔ اور قارئین اس میں ایسی چیزیں پڑھیں گے جن پر اب تک پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور اب تک قوم کے سامنے ایک بھی ایسا لیڈر نہیں آیا جو ایسی زندگی کی نشاندہی کر سکا ہو۔ حالانکہ علامہ اقبالؒ اشارہ بھی کر گئے تھے:۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق   جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست   زندگی تیرے لئے اور دشوار کرے

عملی تیاری پہلے باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ دین فطرت کے لحاظ سے انسان ہی مرکز کائنات ہے۔ چنانچہ اسلام کے لحاظ سے سب سے پہلے قوم میں سیاسی وحدت پیدا کی جاتی ہے۔ اور اسی وحدت پر دفاعی فلسفہ کی بنیاد باندھی جاتی ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر وقت تیار رہو۔ "خذوا حذرکم" تو ہمارے آقا حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ پہنچ کر پوری قوم کو سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ تاکہ اپنے دفاعی فلسفہ کی بنیاد اس پر باندھیں اور اس طرح پوری قوم اللہ تعالیٰ کی فوج (حزب اللہ) بن جائے۔ دشمن کی نشاندہی بیعت عقبہ ثانی میں ہو چکی تھی کہ سارے عرب قبائل نے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آنا تھا۔ لیکن اس وقت قریش ذرا جلدی میں تھے۔ اور فوری دشمن کفار مکہ ہی تھے۔ اور ان کے ساتھ مقابلہ کے لئے اہل مدینہ کو تیار کرنے کی ضرورت تھی۔ مہاجر اور انصار کو ملا کر اس وقت

تک مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ چنانچہ دشمن کے ساتھ طاقت میں توازن پیدا کرنے کے لئے کچھ عملی کاروائیاں کی گئیں۔ اور اپنے ذرائع کو بہتر طور پر استعمال کرنے کی راہ نکالی گئی۔ یہ فوجی عمل اس زمانے کی بھی اہم ضرورت ہے۔ لیکن حضور پاکؐ کی سنتوں میں ایسے اسباق کو تلاش کرنے کی بجائے ہم نے منٹگمری اور ویول سے ایسے سبق سیکھنے شروع کر دیئے:

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن　　پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں　(اقبالؒ)

روحانی وحدت ان عملوں میں سب سے پہلے حضور پاکؐ نے مسلمانوں کی روحانی وحدت کے سلسلے میں کچھ عملی کام کئے۔ فکری طور پر " لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ " کیوجہ سے وحدت تھی۔ لیکن یہ معاملہ انفرادی بھی تھا۔ جماعت بندی کے لئے مل کر عبادت کرنے کی ضرورت تھی۔ اور اس کے لئے اوقات مقرر کرنے تھے۔ اور ان اوقات پر مسلمانوں کو بلانے یا اکٹھا کرنے کے طریق کار کو بھی اپنانا تھا۔ چنانچہ اذان کا سلسلہ شروع ہوا۔ کہ نمازوں کے اوقات پر اذان سے بلاوا دیا جاتا۔ یا ویسے بھی جب اکٹھا ہونے یا اجتماع کرنے کی ضرورت پڑتی تو اذان دی جاتی۔ تو ڈھول وغیرہ کی بجائے زبانی الفاظ کا مشورہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن زید کی طرف منسوب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے رفقاؓ اور غلاموں کو شرف دے دیتا تھا کہ وہ ایسے مشورے دیں۔ کہ وہ اذانیں ہماری اذانوں کی طرح بناوٹ والی نہ تھیں بلکہ:۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود　　ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا　(اقبالؒ)

اذان اور نماز باجماعت وحدت فکر اور وحدت عمل کو شیر و شکر کر دیتی تھیں۔ اور بے شک اسلام میں تمام عبادات کی مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری کے لئے تیار کیا جائے۔ اطاعت امیر، ربط و ضبط، وقت کی پابندی، جسمانی اور روحانی یک رنگی اور جماعت بندی یہ تمام پہلو نماز یا الصلوۃ سے پھوٹتے ہیں یا نماز کی ٹہنیاں ہیں۔ اور مسجد کا محراب، لفظ حرب سے ہے کہ حضور پاکؐ کے زمانے میں مسلمان نماز پڑھتے وقت اپنے ہتھیار (حرب) امام کے آس پاس رکھ چھوڑتے تھے۔ تو امام کے کھڑے ہونے والی جگہ کا نام بھی محراب پڑ گیا۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں جنگ لڑنے کے لئے کھڑی صف بندی کی جاتی تھی۔ اور سب کا ایک رخ ہوتا تھا۔ جو عام طور پر دشمن کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن ضرورت پڑنے پر ساری صف کا رخ تبدیل ہو سکتا تھا۔ جیسے ہم فوجی ڈرل میں کرتے ہیں۔ اور ایسی ڈرل کا بانی اٹھارویں صدی کا جرمنی کا بادشاہ فریڈرک تھا جس نے مسلمانوں کی روایت سے استفادہ کیا۔ تو نماز میں صف بندی بھی جنگ کی تیاری ہے۔ اور اسی صف بندی نے آجکل مورچہ بندی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور اسی مورچہ بندی کو بھی جنگ میں مسلمانوں نے اسلام کی پہلی صدی میں اپنانا شروع کر دیا۔ اہل یورپ نے بارود کے استعمال کے بعد پندرھویں صدی عیسوی سے مورچہ بندی کو کچھ اپنایا اور زیادہ تر پہلی جنگ عظیم میں جو اس صدی کے شروع میں تھی۔ کہ مشین گن نے فوجوں کو مورچہ بند کر دیا تھا۔

حالات سے فائدہ اٹھانا مدینہ منورہ کے حالات مکہ مکرمہ سے بہتر تھے۔ گو کہ مکہ مکرمہ میں بھی مسلمانوں میں کچھ روحانی وحدت موجود تھی۔ لیکن مدینہ منورہ میں عملی طور پر ایک قوم، ایک ملک اور ایک حکومت کی وجہ سے جو اجتماعی وحدت

نصیب ہوئی، تو مدینہ منورہ بہت جلدی اسلام کا مرکز اور ایک فوجی مستقر بن گیا۔ تو انہی دنوں میں حضور پاکؐ نے ایک خطبے میں فرمایا" زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اور آپؐ زمانے کو تسلسل دینے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں "آپؐ کی نبوت کو تیرہ سال ہو گئے تھے۔ لیکن یہ الفاظ آپؐ نے مدینہ منورہ میں آکر استعمال کئے۔ تو ظاہر ہے کہ آپؐ یہ فرما رہے تھے کہ "اب متحدہ طور پر ہم سب کارواں حق، اجتماعی طور طریقوں سے زمانے کو تسلسل دیں گے"۔ یعنی دین کا مظاہرہ مدنی زندگی سے شروع ہوا۔ پیش لفظ اور پہلے و دوسرے ابواب میں صراط مستقیم کی وضاحت کے تحت زمانے کو تسلسل دینے کا ذکر ہوا تھا۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ یہ دنیا حضرت آدمؑ نے امت واحدہ کا تصور دے کر شروع کی۔ الگ الگ خطوں کی آب و ہوا اور مزاجوں سے دنیا کے معاشرت کے طور طریقوں میں تبدیلیاں ہوئیں۔ اور لوگ گروہ گروہ ہو گئے۔ الگ الگ ملک بن گئے۔ الگ الگ قومیں بن گئیں۔ پیغمبر مبعوث ہوئے۔ انہوں نے صراط مستقیم کی نشاندہی ضرور کی۔ لیکن وہ محدود علاقوں یا لوگوں کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ ہمارے آقاؐ پوری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے اور امت واحدہ کا تصور دیا۔ اور کارواں حق کو ایک امت اور ایک دین کے پیروکار کے طور پر صراط مستقیم پر رواں دواں کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ یہی زمانے کو تسلسل دینے کا فلسفہ تھا۔ اور مدنی زندگی میں اسی مقصد اور ضرورت کے تحت دین اسلام کو جاری وساری کیا۔ جب حضور پاکؐ اپنا فرض پورا کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ مائدہ میں دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔ اور حضور پاکؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا" کہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا" یعنی انہوں نے تسلسل دے دیا۔ آگے ہماری قسمت۔

اندرونی وحدت اس صراط مستقیم پر چلنے کو لیے روحانی وحدت نے مسلمانوں کو دلوں کو تو مضبوطی کے ساتھ نماز اور عبادات کے ذریعہ سے جوڑ دیا۔ لیکن کچھ اور عملی اقدام کی بھی ضرورت تھی۔ کہ فطری اور اندرونی وحدت پیدا ہو۔ اس کے لئے کچھ وعدوں اور پیمانوں کے باندھنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ لگن پیدا ہو سکے۔ ایسا کرنے کے لیے لوگوں کو گروہ بندی کے لیے نہیں بلکہ نظام وحدت میں پرونے کے لیے حصے بنائے جاتے ہیں۔ انصار اور مہاجر دو بڑے قبیلے موجود تھے۔ دو بڑے قبیلوں میں سے بھی لوگ آگے کئی قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مہاجرین کے قبیلوں کا ذکر ہو چکا ہے جو ٹوٹی پھوٹی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ چنانچہ پوری قوم میں وحدت پیدا کرنے کے لیے اور ان قدرتی یا واقعاتی گروہوں کو ایک کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کو حضور پاکؐ نے بھائی بھائی بنا دیا۔ (کل مسلم اخوۃ) لیکن بھائی بندی کی ایک اور راہ نکالی جس کو عقد مواخذہ کہتے ہیں۔ جس کے تحت اول مہاجرین کا ایک دوسرے کے ساتھ عقد مواخذہ کرایا اور پھر ہر مہاجر کا ایک انصار بھائی بن گیا۔ اور ہر انصار نے اپنے مہاجر بھائی کو اپنی ملکیت میں بھی شریک کر دیا۔ گو بہت کم مہاجرین نے اس ملکیت سے فائدہ اٹھایا، یا جس کسی نے کچھ فائدہ اٹھایا۔ وہ چند دن کے لیے تھا۔ یہ ایک جذبہ تھا جس کو قائم رکھا گیا، ورنہ حضور پاکؐ نہ چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان دوسروں پر بوجھ ہو۔ ہر ایک مسلمان کو کام کرنے اور عملی زندگی گزارنے کے احکام دیئے گئے۔ مؤرخین اس عقد مواخذہ کی تفصیل میں گئے ہیں اور دونوں طرف کے اسماء مبارک بھی لکھے ہیں۔ مثلاً جناب ابو بکرؓ کا عقد مواخذہ حضرت خارجہؓ بن زید سے حضرت عمرؓ کا حضرت

عتبانؓ بن مالک سے حضرت عثمانؓ کا حضرت اوسؓ بن ثابت سے ، حضرت ابو عبیدہؓ کا حضرت سعدؓ بن معاذ سے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا حضرت سعدؓ بن ربیعہ سے وغیرہ ۔ ناموں اور صحابہ کرامؓ کے زندگی یا مزاجوں کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ نے عام طور پر دو ہم مزاج صحابہ کرامؓ کو ایک بندھن میں باندھا، جس سے بڑی اندرونی وحدت پیدا ہوئی ۔ انصار کے ایثار پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے کہ جناب سعدؓ بن ربیعہ اپنی ایک عورت کو طلاق دے کر جناب عبدالرحمٰنؓ کے نکاح میں دینے کو تیار تھے ۔ جناب حارثؓ بن نعمان نے اپنے ساری زمین مہاجرین کے بنوزہرہ کے خاندان کو دے دی ۔ جناب زبیرؓ جناب عثمانؓ ، جناب مقدادؓ اور جناب عبیدہؓ کو ان کے انصار بھائیوں نے مکان بنانے کے لیے زمین دے دی ۔ مسلمانوں میں بھائی بھائی بننے کی روایت اب بھی قائم ہے ۔ لیکن کئی دفعہ یہ بھائی بندی دنیاوی غرضوں کے تحت کی جاتی ہے ۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ " حب للہ اور بغض للہ " کو اس سلسلہ میں اولین حیثیت دی جائے اور دنیاوی غرضوں کو اس اصول کے تابع یا ثانوی حیثیت دی جائے ۔ کہ بنیاد قائم دائم رہے اور تمام اغراض اخوت کے تابع ہوں ۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز سلطانی   اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی (اقبالؒ)

اصحاب صفہ   اسلام کے پھیلاؤ میں مسجدوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ہجرت کے بعد اسلام مسجد نبوی سے پھیلا ۔ وہی مرکز تھا ۔ حکومت بھی وہاں ہی سے کی جاتی تھی ۔ انصاف بھی ادھر ہی سے مہیا ہوتا تھا ۔ اور فوجی حکمت عملی بھی وہاں ہی پر تعین کی جاتی تھی ۔ چنانچہ معاشرہ کا ہر کام ادھر سے ہی جاری و ساری ہوتا تھا ۔ یعنی یہاں باقی مذہبوں والی بات نہیں ہے کہ عبادت گاہ میں جا کر تھوڑی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے لو لگالی ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کسی وقت لو لگ سکتی ہے اور اس کے ذکر سے دل اطمینان پکڑتے ہیں لیکن یاد رہے کہ مسجد ایک ادارہ ہے ۔ جہاں ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے لے کر قوم کے بڑے سے بڑا فیصلہ ہوتا ہے ۔ اور اس طرح سے حضور پاکؐ نے مسجد کو قصر حکومت بھی بنا دیا اور جب تک مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو وہ دنیا پر چھائے رہے ۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے مسجدوں کے ایسے استعمال کیلئے مسجد نبوی کے ساتھ سائبان بنوایا اور اس سائبان کے نیچے جو لوگ رہتے تھے ان کو سائبان والے یا اصحاب صفہ کہتے تھے ۔ یہ صحابی حضور پاکؐ یا حکومت کے کارندے تھے ۔ اور ایک وقت آیا کہ ان کی تعداد چار سو کے قریب ہو گئی تھی ۔ ہمارے مورخین نے البتہ ایسے تمام صحابہؓ کے نام نہیں لکھے ۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ چار سو کے قریب نادار لوگ مسجد نبوی میں لوگوں کے ٹکڑوں کو انتظار کر رہے ہوتے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مورخین نے اس سلسلہ میں کچھ زیادتی کی ہے کہ حضور پاکؐ نے نادار لوگوں کا ایک گروہ بنا دیا جو مسجد کے قریب پڑے رہتے تھے ۔ اس عاجز کے لحاظ سے حضور پاکؐ کی امت کی لوگ حضور پاکؐ کی آنکھوں کے سامنے کیسے نادار ہو سکتے تھے ۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ رزق کی بہت فراغت نہیں تھی ۔ کچھ تنگیاں تھیں اور اس میں مصلحت تھی کہ قناعت سکھلانا مقصود تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کل چار سو کے قریب صحابہ کرامؓ کو باری باری سائبان کے نیچے بیٹھ کر حکومت کے کارندے کے طور پر کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ اور یہ ایک ادارہ تھا جس میں جناب عبداللہؓ بن مسعود جناب ابو ہریرہؓ اور جناب انسؓ بن مالک جیسے عظیم

محدثین نے کام کیا اور بعد میں اسلام کے پھیلاؤ میں اور اسلامی علوم کے پھیلانے میں اہم فریضہ انجام دیا۔ اس ادارے میں کچھ عاشقوں کو حضور پاکؐ کے جمال سے مستفیض ہونے کا انتظار رہتا تھا۔ ان میں جناب عثمانؓ بن مظعون، جناب بلالؓ، جناب ابو ذر غفاریؓ، جناب عمارؓ بن یاسرؓ، جناب سلمان فارسیؓ اور جناب صہیب رومیؓ وغیرہ شامل ہیں۔ بہر حال اس ادارے میں زیادہ تر رضاکار تھے۔ اور ایسے لوگ ہوتے تھے۔ جن کی ازدواجی یا معاشرتی ذمہ داریاں زیادہ نہ ہوتی تھیں یا کسی نے اس وقت شادی نہ کی ہوئی تھی۔ یا کوئی صاحب اس وقت شادی کی استطاعت نہ رکھتے تھے اور روکھی سوکھی روٹی یا جو کچھ مل گیا اس پر گزارہ کر لیتے تھے۔ حکومت کے پاس اتنا خزانہ نہ تھا کہ سب ایسے کارندوں یا کارداروں کو پورا خرچ دیا جاتا اس لئے کئی دفعہ کھانا نہ ملا۔ یا حضور پاکؐ کی برکت سے تھوڑا کھانا بھی ان کے لئے کافی ہو گیا تو ان روایتوں پر ایسے افسانے ہوتے گئے کہ ان صحابہ کرامؓ کو بالکل فقیر اور صوفی بنا دیا گیا۔ بے شک ہم سب مسلمان فقیر ہیں اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔ لیکن اصحاب صفہ کے معاملات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ حکومت کے کارندے تھے۔ اور حضور پاکؐ کے حفاظتی دستہ کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔ آگے کتاب میں قارئین پر عملی طور پر واضح ہو گا کہ کتنی حفاظت کی ضرورت تھی۔ یہی لوگ پیغام رسانی کا کام کرتے تھے۔ اور لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے وغیرہ پھر حضور پاکؐ کے جمال کا جو اثر ہوا تو یہی لوگ بعد میں اسلام کے مبلغ اور معلم بن گئے۔ اور پچھلے باب میں یہ عاجز جناب نظام الدین اولیاءؒ اور جناب رکن الدین سہروردیؒ کے ہجرت کی حکمت کے تحت اصحاب صفہ کے سلسلہ کے جائزہ کو خراج تحسین پیش کر چکا ہے۔ بہر حال جو بھی وہاں رہے وہ نظریہ ضرورت کے تحت وہاں ٹھہرے۔ کچھ کا قیام وقتی تھا اور کچھ نے اپنی عمر ہی وہاں صرف کر دی یا جو کوئی جو کچھ کر سکا اس نے وہ کیا۔ جناب ابو ہریرہؓ وہاں پر سات ہجری میں تشریف لے آئے لیکن پھر وہیں کے ہو رہے اور آج سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں۔ گو وہاں قیام صرف تقریباً ساڑھے تین سال رہا۔ یاد رہے کہ اصحاب صفہ نے اسلامی نظام کے کارندوں کے طور پر بھی اہم کام کئے۔

سیاسی وحدت روحانی وحدت، اندرونی وحدت، اور نظامی وحدت کا اپنا اپنا مقام ہے۔ لیکن قوم کے لیے اصلی وحدت سیاسی تعلقات۔ یا سیاسی بندھن ہوتے ہیں کہ کسی سیاسی نظام سے قوم کے حصوں یا گروہوں کے شیر و شکر کر دیا جائے۔ اسلام تفرقہ والی گروہ بندی کے سخت مخالف ہے اور مکی سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں تنبیہہ کر چکے تھے تو حضور پاکؐ نے دو گروہوں یعنی مہاجر اور انصار کو تو کچھ بندھنوں سے باندھ دیا۔ لیکن ایک تیسرا گروہ تھا اور ان کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ یہودی تھے۔ ان تین گروہوں کے علاوہ ایک پوشیدہ یا چھپا ہوا گروہ بھی تھا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کا نام دیا۔ ان کی نشاندہی مشکل تھی یہ وقتی لوگ تھے اوپر سے مسلمان اور اندر سے کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ عبداللہ بن ابی کو ان کا سردار کہتے ہیں۔ باقی کون کون تھے۔ اس کو ظاہر نہ کیا گیا کہ یہ لوگ کبھی عبداللہ کا ساتھ دیتے تھے۔ اور کبھی اپنے آپ کو بڑے وفادار مسلمان کے طور پر پیش کرتے تھے جب عبداللہ کا ساتھ دیتے تھے تو کوئی عجیب و غریب بہانہ تلاش کر دیتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ کئی دفعہ عبداللہ کی رہنمائی کے بغیر بھی کوئی شرارت کرتے رہتے تھے یا کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے تھے۔ حضور پاکؐ ہر تجویز یا حکمت عملی تعین کرتے وقت ان

منافقین کے ردعملوں کو ذہن میں رکھتے تھے، کہ مہاجرین اور انصار میں عقد مواخذہ ہو جانے کے بعد مکمل طور پر گروہ بندی ختم ہو سکتی تھی لیکن کوئی نہ کوئی منافق بیچ میں کوئی شوشہ چھوڑتا رہتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک دن صحابہ کرامؓ نے حضور پاکؐ کو گزارش کی کہ اللہ تعالیٰ نے کافر پیدا کئے کہ ان کا کوئی اصول ہے دہریئے ہیں۔ مسلمان پیدا کئے کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ تو یہ منافق پیدا کرنے کا کیا مقصد تھا؟" حضور پاکؐ یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا" بازاروں کی رونق کے لیے" قارئین اس میں بڑا سبق ہے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں دنیا کا زیادہ کاروبار یہی منافق لوگ چلا رہے ہیں۔ اہل حق، تعداد میں ہمیشہ کم ہی رہے۔ اور اہل حق و باطل والوں کی ٹکر میں بھی یہ منافق اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور دیکھ لیں کہ یورپ کی جو قومیں اپنے آپ کو مہذب کہتی ہیں وہ پردہ تہذیب کے تحت کیا نہیں کر رہی ہیں۔ آدم کشی، فحاشی، غارت گری۔ اور جہاں دنیا کے عیبوں پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں

ایسے تمام پہلوؤں کو حضور پاکؐ نظر غائر سے دیکھ رہے تھے۔ پھر مدینہ منورہ کے لوگ کچھ معاشرتی اصولوں کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے کچھ قبائلی معاہدے تھے۔ انصار مدینہ اور یہودی ایک دوسرے کے حلیف قبیلے بنے ہوئے تھے۔ تو ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور پاکؐ نے تمام اہل مدینہ کو میثاق مدینہ کے ذریعہ سے ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ اور میثاق میں جہاد کو رہبر اصول مانا گیا۔ بدقسمتی سے ہمارے اس زمانے کے مورخین نے میثاق مدینہ کے حلیہ اور رنگ کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ مولانا شبلیؒ جیسے محقق نے اپنے تاریخوں میں تمام میثاق کو چھ سات چھوٹے چھوٹے فقروں میں بیان کر دیا۔ یہ عاجز پرانی تاریخوں میں ابن سعد اور ابن اسحٰقؒ کی مدد سے پورا میثاق تبصرے کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ کہ اگر پاکستان بنانے کے بعد "قرارداد مقاصد" کی جگہ اس میثاق سے استفادہ کر کے احکام جاری کر دیئے جاتے تو آج اس برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

میثاق مدینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ قرطاس حضرت محمد الرسولؐ اللہ کی طرف سے ہے۔ جو قریش مسلمانوں اور یثرب کے مسلمانوں کے تعلقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یا جو اور لوگ ان میں شامل ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ یہ ان کے لئے بھی ہے یہ سب اب ایک قوم یا امت ہیں اس سے ذرا بھر بھی باہر جانے کی گنجائش نہیں۔

۱۔ قریش مسلمان قصاص کے لیے خون بہا یا فدیہ اسی طرح ادا کریں گے جس طرح پہلے رواج چلا آتا ہے۔

۲۔ قبیلہ خزرج کے تمام چھوٹے چھوٹے قبائل (نام) بھی قصاص کا خون بہا پرانے رسم و رواج کے مطابق ادا کریں گے۔

۳۔ قبیلہ اوس کے تمام چھوٹے قبائل (نام) پر بھی یہ پہلو اسی طرح لاگو ہے۔

۴۔ سب اہل ایمان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ قصاص کے خون بہا یا فدیہ کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی نہ برتیں گے جس سے دوسرے کا نقصان ہو رہا ہو۔

۵۔ کوئی مسلمان کسی اور مسلمان کے آزاد کردہ کو اس مسلمان کی مخالفت میں اپنی حلیف نہ بنائے گا۔

۶۔ تمام اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو منہ نہ لگائیں گے جو بغاوت پھیلانا چاہے، ناانصافی کی راہ دکھائے، دشمنی کرے اور گناہ کا مرتکب ہو۔ اور سب مسلمان ایسے آدمی کی مخالفت کریں گے خواہ وہ کسی کا قریبی رشتہ دار یا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے کہنے پر نہ کسی مسلمان کو شہید کرے۔ اور نہ ہی غیر مسلم کو ایسا کرنے میں مدد دے۔

۸۔ پناہ صرف اللہ کے نام پر دی جائے گی۔ اسکے علاوہ کسی کو پناہ دینے کا حق نہیں۔

۹۔ تمام اہل ایمان یک جان ہیں۔ اور اس میں نہ ذرا بھر شبہ ہے اور نہ کچھ فرق کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ یہودیوں میں سے جو ہمارے ساتھ ہو گا اس کے لئے ہمارے ساتھ برابری ہے۔ اور ہم اس کی مدد کریں گے۔ نہ اس کو کوئی دکھ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے دشمنوں کو کوئی مدد دی جائے۔

۱۱۔ مسلمانوں کے اندرونی امن اور یک جہتی میں کوئی رخنہ نہ ڈالا جائے۔

۱۲۔ جب اللہ کی راہ میں جنگ ہو رہی ہو تو کسی اکیلے دکیلے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو امان دے یا امن کا کوئی معاہدہ کرے۔ حالات سب کے لئے ایک جیسے اور موزوں رکھے جائیں۔

۱۳۔ ہر جنگ یا مہم کے لیے کوچ کے وقت ہر سوار پر فرض ہے۔ کہ وہ ایک پیدل کو بھی اپنے ساتھ سوار کرے۔

۱۴۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اللہ کے راستے میں جو شہید ہوں ان کا بدلہ لے، کیونکہ اللہ کے فرمانبردار مسلمان صراط مستقیم پر رواں دواں ہیں۔

۱۵۔ کسی بدو یا مدینہ منورہ کے گردونواح کے قبائل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کفار قریش کو امان دے۔ یا اس کا مال اپنے پاس رکھ لے۔ اور یہ کہ کفار قریش مسلمان یعنی مہاجرین کے معاملات میں رشتہ داری کے بہانے دخل نہیں دے سکتے۔

۱۶۔ جب کسی پر کسی مسلمان کا قتل کرنا ثابت ہو جاتا ہے، تو جب تک مقتول مسلمان کے وارثوں کو تسلی نہیں ہو جاتی تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایکا کر کے اس قاتل کی مخالفت کریں اور اس کے خلاف کاروائی میں مدد دیں۔

۱۷۔ کسی مسلمان پر واجب نہیں کہ وہ کسی شرپسند کو امن دے یا اس کی مدد کرے جو ایسا کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو گی اس کے لیے نہ توبہ ہے اور نہ قصاص۔

۱۸۔ اور تم جب کسی مسئلے کے بیچ اختلاف کرتے ہو تو وہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کے سپرد کر دو

۱۹۔ یہود بھی جب جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوں تو جنگ کا خرچ ان کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

۲۰۔ بنی عوف کے یہودی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

۲۱۔ یاد رہے کہ وفاداری ہی، غداری کو قلع قمع کرتی ہے اور بے شک یہودی قبائل کو اندرونی آزادی ہے۔ اسے برقرار رکھ کر بھی

دوستی کا ماحول قائم رہ سکتا ہے۔

۲۲۔یہودی قبائل کسی جنگ میں حضور پاک محمد مصطفیٰ کی اجازت کے بغیر شرکت نہیں کر سکتے۔خواہ یہ معمولی جھگڑا ہو۔ہاں زخموں کا بدلہ مانگ سکتے ہیں۔

۲۳۔وہ جو کسی اور کو قتل کر دیتا ہے۔اس نے اپنے آپ اور اپنے کنبہ کو قتل کیا۔ہاں قصاص کے فیصلہ کی الگ بات ہے۔

۲۴۔ویسے ہر جنگ یا لڑائی کی صورت میں مسلمان اپنی جنگ کا خرچ برداشت کریں گے اور یہودی اپنا حصہ۔ہاں البتہ اس میثاق والوں پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں، ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کرتے رہیں۔اور ایک دوسرے کو عملی وفاداری دکھائیں کہ غداری کا شک نہ پڑے۔

۲۵۔کوئی بھی اپنے اتحادی کی شرپسندی کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا البتہ مظلوم کی مدد ضروری ہے۔اور اہم ہے۔

۲۶۔یہودیوں کی یثرب کے دفاع میں مکمل شرکت کرنا ہو گی۔اور یثرب ایک مستقر اور ایک قلعہ ہے۔اور اس کی حفاظت اس میثاق والوں پر لازم ہے۔

۲۷۔جب کوئی اجنبی کسی کی حفاظت کے نیچے آجائے تو محافظ اور اجنبی دونوں کو اس میثاق پر سختی سے عمل کرنا ہو گا۔

۲۸۔کسی عورت کو تب امن یا امان دیا جائے گا جب ایسی گزارش اس کے وارثوں کی طرف سے ہو۔

۲۹۔اگر کوئی جھگڑا یا اختلاف پیدا ہوتا ہے تو اس کو اللہ کے سپرد کیا جائے، اور اللہ کے رسول محمدؐ کے سپرد۔اللہ تعالیٰ کو صرف صالح عمل پسند ہیں۔(یہ پہلو نمبر شمار ۱۸ کے متشابہہ ہے۔صرف لفظ جھگڑا۔اور آگے صالح عملوں کا ذکر فالتو ہے۔لیکن تضاد نہیں)

۳۰۔قریش مکہ اور ان کے حلیف قبائل کو امان بالکل نہ دی جائے گی۔اور سب گروہوں کو مدینہ منورہ کے دفاع میں حصہ لینا ہو گا اور ہر حملہ آور کے خلاف کاروائی مل کر کرنا ہو گی۔اگر ان کو امن کے لیے حکم دیا جائے گا (یعنی یہودیوں کو) تو ان کو امن کے ساتھ رہنا ہو گا۔اور یہودی بھی مسلمانوں کو امن کے تلقین کر سکتے ہیں۔لیکن جہاد کے سلسلہ میں وہ مسلمانوں کو نہیں روک سکتے۔

۳۱۔ہر کسی کو وہ کچھ کرنا ہو گا جو اس کے لئے لازم قرار دے دیا گیا ہے۔خاص کر قبیلہ اوس کے حلیف یہودیوں کو یہ امید رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ ٹھیک رہیں تو وہ مسلمانوں سے بڑی امیدیں وابستہ رکھ سکتے ہیں

۳۲۔ہم پھر دہراتے ہیں کہ وفاداری سے غداری کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔اور ہر ایک کو اس کا حق ملے گا۔اللہ تعالیٰ اس میثاق کو منظور فرماتے ہے۔ہاں البتہ یہ قرطاس شرپسند اور فتنہ کرنے والوں کو کوئی حفاظت نہ دے گا۔

۳۳۔جو آدمی باہر جا کر حکم کے مطابق لڑائی کے لیے نکلتا ہے۔یا جو امن کے ساتھ مدینہ منورہ میں بیٹھا رہتا ہے اس کو کسی قسم کا کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے جب تک وہ فتنہ اور شرپسندی سے باز رہتا ہے اللہ تعالیٰ صالح لوگوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کی حفاظت کرتا ہے۔اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

تبصرہ و جائزہ دودھ کا دودھ۔اور پانی کا پانی۔یہ عاجز ایسے دعوے تو نہیں کرتا ہے کہ یہ سب میثاق کا لفظی ترجمہ ہے۔کہ

کئی کتابوں سے استفادہ کرنا پڑا۔اور ذو معنی الفاظ کے ایک سے زیادہ معنی لکھے ۔کچھ دہرائی بھی ہے ۔علاوہ ازیں ادب کو ملحوظ رکھتے حضورؐ یا حضور پاکؐ کے الفاظ بھی اس عاجز کے ہیں ۔لیکن انشاءاللہ قارئین کسی ایک شق کو دوسری کا تضاد نہ کہہ سکیں گے ، کہ بڑی محنت سے صحیح میثاق کو پیش کیا جارہا ہے ۔کچھ مورخین نے البتہ اس کو عہد نامہ کا نام دیا یا عہد وپیمان وغیرہ کہا۔اس عاجز کے لئے یہ میثاق ہے اور حضور پاکؐ کی طرف سے ہے ۔عہد نامہ بھی ہے ۔ذمہ داریاں اور حقوق بھی ہیں اور احکام بھی ہیں ۔ایک ایک شق کے الفاظ پر کئی مضمون لکھے جاسکتے ہیں ۔اور فلسفہ اور نظریہ بے مثال ہے ۔شرپسند کو امن دینے والے کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا کہ ایسے جرم کیلئے نہ توبہ ہے نہ قصاص ۔یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ حدیث صحیح نہیں کہ "اختلاف میری امت کیلئے باعث رحمت ہے" ۔یہاں حکم ہے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی مدد سے ایسا اختلاف ختم کیا جائے ۔یہ میثاق اللہ تعالیٰ نے منظور کیا ۔اور عورت کی حفاظت پر بھی ذرا دھیان دیں ۔اب یہ سوچیں کہ اس سال کے شروع میں اس عاجز کی استدعا پر ہمارے سپریم کورٹ نے یہ تسلیم کرلیا ہے اور فیصلہ دے دیا ہے کہ قادیانیت کوئی مذہب نہیں اور وہ اسلام پر "ڈاکے" مارنے سے گریز کریں ۔اب قادیانیوں کا اجتماع ہی ایک شرپسندی ہے کہ وہاں وہ اسلام پر "ڈاکے" بھی مارتے ہیں اور مزید "ڈاکے" مارنے کی تجویز بناتے ہیں ۔اس سے بڑھ کر شرپسندی کیا ہوگی ۔تو بھلا ہم قوم کے طور پر ان قادیانی شرپسندوں کو کیوں امان دیتے ہیں اور جو لوگ ان کی معاشرتی بائیکاٹ نہیں کرتے کیا وہ مسلمان ہیں ؟

یہ ہے حضور پاکؐ کی سنت ، نہ کہ ہمارے علما کے بائیس نکات یا قرارداد مقاصد ۔پاکستان میں ہمیں پہلے دن سے اس میثاق کو جاری و ساری کرنے کی ضرورت تھی ۔کہ حاکم وقت اولی الامر کی طرح حکومت سنبھال کر ہمیں اللہ کی فوج بنا دیتا ۔ بہر حال اس میثاق کے ذریعہ ہمارے آقاؐ نے ایک سیاسی حاکم کی طرح مدینہ منورہ کا انتظام سنبھال لیا۔یہودی بھی اس میثاق میں شامل تھے ۔انہوں نے جب میثاق کی خلاف ورزی کی تو نتیجہ بھی بھگت لیا۔ہر ایک کی کہانی باری باری آئے گی ۔اس میثاق میں بڑا سبق یہ ہے کہ اسلامی فلسفہ حیات کے تحت ہم سب اللہ تعالیٰ کے سپاہی ہیں ۔کہ میثاق کے لفظ سے عسکری یا فوجی پن کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔اور اسلام اللہ کی آمریت ہے ۔یہاں پر نہ لوگوں کو اللہ کا شریک بنایا جاتا ہے نہ وطن کی پوجا کی جاتی ہے ۔یہاں وحدت فکر اور وحدت عمل کے تحت حضور پاکؐ کی غلامی اختیار کی جاتی ہے:۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے (اقبالؒ)

دشمن کے ارادوں کا جائزہ بیعت عقبہ ثانی میں واضح ہو چکا تھا کہ فوری دشمن کفار مکہ تھے ۔اس لئے حضور پاکؐ نے فوجی حکمت عملی متعین کرنے کے لئے ایک طرف اپنی طاقت کو بڑھایا جس کا ذکر ہوچکا ہے تو دوسری طرف دشمن کی تعداد اور ارادوں کا جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ حضور پاکؐ کو معلوم تھا کہ قبائلی جمہوریت کی وجہ سے سب عرب قبائل جلدی جلدی اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے ۔دوم کفار مکہ شروع میں کسی ایسے اتحاد کی کوشش بھی نہ کریں گے ، کہ مدینہ منورہ والوں کی تعداد کفار قریش کے مقابلہ میں کم تھی ۔اور ان کا خیال ہوگا کہ وہ مدینہ منورہ کو کسی وقت تاخت و تاراج کر سکیں گے ۔

سوم کفار قریش جلدی میں ضرور تھے۔ لیکن وہ مدینہ منورہ پر جلد حملہ کر کے سارے یثرب کے گردونواح کو اپنا دشمن بھی نہ بنانا چاہیں گے۔ کہ ایسے حملہ کی صورت میں یثرب کی تمام آبادی اور نزدیک کے قبائل ضرور مل کر مقابلہ کرتے۔ تو کفار مکہ نے یثرب میں اپنے حلیف یا ہمدرد تلاش کرنے شروع کر دیئے۔

قریش کا عبداللہ بن ابی کو خط سارے عرب میں مشہور ہو گیا تھا کہ یثرب کے قبیلہ اوس اور خزرج عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنا رہے ہیں۔ اور وہ تاجپوشی کی تیاریوں میں مصروف تھا، کہ حالات تبدیل ہو گئے۔ کہ اوس اور خزرج کے کافی لوگ نہ صرف مسلمان ہو گئے بلکہ بیعت عقبہ ثانی کے تحت انہوں نے حضور پاکؐ کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا۔ اب اس سارے معاملہ میں عبداللہ ایک زخمی سانپ کی طرح تھا اور اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ قریش نے اس کا فائدہ اٹھانے کے لئے اور عبداللہ کو سرداری کی شہہ دے کر اس کو ایک خط لکھ دیا۔ مختصر طور پر اس خط کے الفاظ یہ تھے کہ:۔

" تم نے ہمارے آدمیوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا یثرب سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے۔ اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔" ۔ حضور پاکؐ کو اس خط کا پتہ چلا تو آپؐ خود عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس کو تنبیہہ کی کہ وہ مدینہ منورہ میں خانہ جنگی سے گریز کرے۔ اور قریش کا یہی مطلب ہے۔ کہ تم اور ہمارے وفادار لوگ ایک دوسرے کے ساتھ لڑ کر کمزور ہو جائیں۔ عبداللہ بن ابی معاملات کو کچھ سمجھ گیا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ اس کے وفادار لوگ زیادہ نہیں۔ اس لئے اس نے قریش کے خط کا کوئی اثر نہ لیا۔ قریش کا خط بظاہر جنگ کی دھمکی تھی۔ لیکن حضور پاکؐ ان کے ارادوں کو سمجھ گئے تھے۔ تو عبداللہ سے مل کر قریش کی شرارت کو ختم کر دیا۔

انہی دنوں جناب سعدؓ بن معاذ، عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو اپنے پرانے دوست امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا۔ ابو جہل نے ان کو دیکھ لیا اور کہا "اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس یثرب نہ جا سکتے۔ اور آئندہ تم خانہ کعبہ نہ آسکو گے" جناب سعدؓ نے جواب دیا کہ "اگر تم نے ہمارا راستہ روکا تو ہم تمہارا شام جانے کا راستہ روک لیں گے"۔

یہ دو واقعات آئندہ ہونے والے حالات پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ کہ فریقین میں لڑائی کسی وقت بھی چھڑ سکتی تھی۔ کفار قریش نے مدینہ منورہ کے یہودیوں۔ خاص کر کعب بن اشرف، عبداللہ بن ابی جیسے منافقوں اور مدینہ منورہ کے نزدیک بسنے والے قبائل کے ساتھ رابطہ رکھا ہوا تھا۔ اور بھرپور تیاری کر رہے تھے کہ کسی وقت مہاجرین اور انصار کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ابو جہل اور اس کے حواری جلدی میں تھے۔ لیکن عتبہ بن ربیعہ التوا چاہتا تھا۔ قارئین چھٹے باب میں قبائل کی ذمہ داریوں پر نگاہ کریں اور حالات کا جائزہ لیں تو یہ ظاہر ہو گا کہ کفار قریش قبائل بھی اب پہلی حالت میں نہ تھے۔ اور وہاں پر بھی یک لخت فیصلہ مشکل تھا۔ لیکن اگر کوئی بہانہ مل جاتا کہ قریش کی عزت کا سوال ہے تو عتبہ کو تو ہر حالت میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا تھا کہ وہ سپہ سالار تھا۔ حضور پاکؐ ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لئے ہوئے تھے اور اپنی طاقت جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے ایک فوجی حکمت عملی وضع کی۔

حضور پاکؐ کی فوجی حکمت عملی یا سٹریٹیجی ساتھ نقشہ چہارم ہے، اس کو ایک نظر دیکھنے سے حضور پاکؐ کی ساری فوجی حکمت عملی سمجھ میں آجاتی ہے۔ جنگ بدر جس کو حق کا پہلا معرکہ کہا جاتا ہے دراصل اسلام کا نواں جنگی معرکہ ہے۔ اس سے پہلے مدینہ منورہ سے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں آٹھ جنگی مہمات ظہور پذیر ہوئیں۔ ہمارے اس زمانے کے مورخ اور اسلام پسندے دانشور اہل مغرب سے ایسے مرعوب ہوئے ہیں کہ ان کو ہر وقت ڈر لگتا رہتا ہے کہ اہل مغرب کہیں ان کو "جنگجو" نہ کہہ دیں۔ اس لئے ہر جنگ سے پہلے وہ ہزاروں "مجبوریوں" کی آڑ لیتے ہیں۔ اور جنگ کو کبھی "مصلحانہ" بناتے ہیں اور کبھی "مدافعانہ" اور ان میں مولانا شبلیؒ، سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مودودیؒ شامل ہیں۔ اس لئے یہ عاجز سب سے پہلے یہ پہلو باور کرانا چاہے گا کہ دس سالہ مدنی زندگی میں ہمارے آقاؐ نے ستائیس جنگوں اور فوجی مہمات میں از خود سپہ سالار کے طور پر کام کر کے فن سپہ گری پر احسان فرمایا اور اٹھاسٹھ جنگی مہمات یا جنگوں کے لئے دوسرے سپہ سالاروں کے ماتحت لشکر بھیج کر اپنے عظیم رفقاء کو عظیم عسکری قوت بنا دیا۔ یہ عاجز ان پچانویں جنگوں اور مہمات کو نمبر شمار دے کر اس کتاب کا حصہ بنا رہا ہے کہ کوئی شک نہ رہے۔ اور اگر اوسط نکالی جائے تو ہر سال میں دس جنگیں یا مہمات ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں سے اکثر مہمات پر ہفتہ یا دس دن تو ضرور باہر رہنا پڑا۔ لیکن ایک دو مہمات ایسی بھی ہیں جب حضور پاکؐ یا باقی لشکری دو اڑھائی ماہ مدینہ منورہ سے باہر ان جنگی منقوں یا حربی مظاہروں میں مصروف رہے۔ ہر مہم بھیجنے سے پہلے کچھ تیاری کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ فوجی ذہن رکھتے ہیں وہ آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقا نے سال میں آدھے سے زیادہ وقت "نیلے تنبو" کے نیچے گزارا اور طاقت حاصل کی۔ کہ ضعیف کا اس دنیا میں گزارہ نہیں:۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات (اقبالؒ)

حفاظت اور مخبری چنانچہ حضور پاکؐ نے حفظ ماتقدم کے طور پر مسجد نبوی اور اپنی رہائش گاہ کے نزدیک اصحاب صفہ کو اسی لئے ٹھہرایا کہ وہ آپؐ کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ اور خبر گیری کا کام بھی کرتے تھے۔ حضور پاکؐ نے ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ مسلمان رات کو ہتھیار بند ہو کر سویا کریں۔ اس کے علاوہ پہرہ داری کا بندوبست کیا۔ اور جگہ جگہ مخبر رکھے، جو ہر مشکیہ آدمی پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ پہرہ دینے کا سلسلہ میں خود حضرت سعدؓ بن ابی وقاص راوی ہیں کہ یہ ذمہ داری انہوں نے از خود کئی دفعہ نبھائی۔ یہ تو مدینہ منورہ کا اندرونی دفاع تھا۔ بیرونی دفاع کے لئے مخبروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے دستے ہر وقت مدینہ منورہ کے گردونواح کی گشت کرتے تھے۔ اور نزدیکی قبائل کے ساتھ معاہدے کئے گئے کہ وہ مسلمانوں کے وفادار رہیں گے۔ ان میں خاص کر جہنیہ کا قبیلہ قابل ذکر ہے جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر کوہستانی علاقوں میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

اگر یہ عاجز اپنے "مجبور، مرعوب، امن پسند اور اسلام پسندے" دانشوروں کے بیانات اور تبصروں کو رد کرنے یا اس سلسلہ میں جائزے پیش کرنے لگ گیا تو یہ کتاب ان کی "لاعلمی" دور کرنے کی باتوں سے بھر جائے گی۔ لیکن ایک بیان رد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ "امن پسندے" کہتے ہیں کہ اسلام میں بالکل جنگ کی اجازت نہ تھی۔ اور لڑائی تو تب شروع کی گئی جب سورۃ بقرہ

نقشہ چہارم
مدینہ منورہ کا مستقر
جنگ بدر سے پہلے کی
فوجی کاروائیاں
شمال
۱۔ سریۃ البحر، رمضان یکم ہجری
۲۔ رابغ کی مہم۔ شوال یکم ہجری
۳۔ خرار کی مہم۔ ذی قعد یکم ہجری
۴۔ ابواکی مہم۔ صفر دو ہجری
۵۔ بواط کی مہم۔ ربیع الاول دو ہجری
۶۔ کرز بن جابر کا مدینہ پر حملہ۔ ربیع الاول دو ہجری
۷۔ العشیرہ پر دھاوا۔ جمادی الثانی دو ہجری
۸۔ نخلہ کی جھڑپ۔ رجب دو ہجری
خیبر
البرق
مدینہ
ذو قصہ
بدر
ابوجہل
ابوالحمزہ
سریۃ البحر
حضور پاک
بواط کی مہم
ابواکی مہم
خرار کی مہم
سعد بن ابی وقاص
العشیرہ
بحیرہ قلزم
جحفہ
عبیدہ بن حارث
رابغ کی مہم
کرز بن جابر
ابوسفیان
قرۃ الغمیم
عبداللہ
بنو جحش
نخلہ کی جھڑپ
سکیل
عمر حضرمی کا قتل
مکہ مکرمہ
حدیبیہ
جدہ
طائف

میں لڑنے کی اجازت ملی کہ " اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں " ۔اس عاجز کا اس بیان کے ساتھ ہرگز اتفاق نہیں ۔شان نزول کے تحت سورۃ بقرہ کی یہ آیات سریتہ البحر، رابعہ کی مہم اور حرار کی مہمات وغیرہ جن کا آگے ذکر آنے والا ہے ان سے بعد میں اتریں ۔اور یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی جنگی کاروائیوں کو اور زیادہ واضح کرتی ہیں یعنی مسلمانوں کے ان عملوں کو تقویت دیتی ہیں ۔اس عاجز نے واضح کر دیا ہے کہ جنگ کا فیصلہ بیعت عقبہ ثانی میں ہو گیا تھا۔جو فرق تھا وہ میثاق مدینہ نے نکال دیا اس لئے جب واقعات اس عاجز کے جائزوں کے ثبوت میں جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں مزید بحث فضول ہے ۔اور جنگ وجہاد کو ظالمانہ عمل کہنے یا لڑائی کے مناظر کو بھیانک بیان کر کے ہمارے دانشوروں اور کچھ علماء نے قوم کو بے غیرت اور ذلیل کر دیا ہے ۔کاش ایک ارب کی بجائے ہم صرف ایک کروڑ ہوتے ۔لیکن ہوتے غیرت مند ۔یہ عاجز اس جائزے اور اپنے ہر جائزے کو قرآن پاک اور سنت نبوی کے واقعات کے تابع کر رہا ہے ۔اور میری ذاتی رائے صفر کے برابر ہے ۔

متحرک طرز جنگ حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ کے اندرونی اور بیرونی دفاع کے علاوہ ایک اور فوجی حکمت عملی بھی متعین فرمائی کہ وہ متحرک طرز جنگ (Mobile Warfare) کو اپنائیں گے ۔کہ جب نفری کم ہو تو یہ بہترین طریقہ جنگ ہے لیکن اس کے لئے بہت محنت اور جسمانی مضبوطی کی ضرورت ہے ۔اس کے علاوہ جنگی منتقوں کی بھی ضرورت ہے ۔اور حضور پاکؐ نے ان سب پہلوؤں پر خاص توجہ دی ۔ تفصیل ساتھ ساتھ آئے گی ۔یورپ میں اٹھارویں صدی میں جرمنی کے فریڈرک اعظم نے جب مسلمانوں کی نماز اور دیگر جنگی چالوں کے مطالعہ کے بعد موجودہ فوجی ڈرل کو اپنایا، تو ساتھ اس طرز جنگ کو تدبیراتی (Tactical Doctrine) کے طور پر بھی اپنایا۔کلاسوٹز اس سلسلہ میں فریڈرک کو بڑی داد دیتا ہے ۔کلاسوٹز جو غیر متعصب اور غیر جانبدار قسم کا فوجی ماہر مانا جاتا ہے وہ بھی یہ ذکر نہیں کرتا کہ انہوں نے سب کچھ مسلمانوں سے سیکھا۔اپنے تو خیر ویسے بھی امن پسندی کی لوریاں دے کر ہمیں بے جان کر رہے ہیں ۔لیکن یورپین دانشور جو بڑے محقق بنے پھرتے ہیں ان میں سے کبھی کسی نے یہ نہیں تسلیم کیا کہ مسلمان ہی اس طریقہ جنگ کے بانی ہیں:۔

فقط اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر دوسرا نام اس دین کا ہے فقر غیور (اقبالؒ)

زمین کے مطالعہ اور استعمال کو اس طرز جنگ میں اہم حیثیت حاصل ہے ۔ہلکے پھلکے دستے حرکت میں رہتے ہیں ۔بڑے دستے دراصل متحرک ہوتے ہیں ۔جب داؤ لگا دشمن پر جھپٹا مارا یا گھات لگائی ۔اگر کسی جنگ میں دشمن کی طاقت زیادہ نظر آئی اور جنگ ناگزیر ہو گئی تو اپنی چنی ہوئی زمین پر متحرک دفاع (Mobile Defence) اختیار کیا۔اگر دشمن پر کامیابی حاصل ہو گئی تو بہتر، اگر حالات خراب ہونے لگے تو بروقت وہاں سے طریقے کے ساتھ اٹھ کر کسی اور جگہ دفاعی پوزیشن اختیار کر لیا۔زمین کے علاوہ موقع اور محل کے استعمال میں ایسا ربط ضروری ہوتا ہے کہ اپنا کم سے کم نقصان ہو اور دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔ ریگستان یا کھلا علاقہ اس طرز جنگ کے لئے نہایت ہی موزوں ہے ۔حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی طرز جنگ اپنایا۔ جنگ سلاسل، اجنادین اور یرموک میں یہی طریقہ جنگ بڑی سطح پر استعمال کیا گیا اور مسلمان متحرک رہے ۔دراصل اسلام از خود

ایک متحرک نظریہ ہے کہ اہل اسلام کا قافلہ صراط مستقیم پر رواں دواں ہے۔ نماز میں حرکت، زکوۃ میں مال کی حرکت، قربانی میں گوشت کی حرکت اور حج میں پوری قوم کی اکٹھی حرکت۔

عملی کاروائیاں اس فوجی حکمت عملی کے تحت جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے حضور پاکؐ نے ہجرت سے لے کر جنگ بدر تک آٹھ فوجی کاروائیاں کیں۔ جن کو نقشہ چہارم پر دکھایا گیا ہے۔ نقشہ اور واقعات کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ دشمن کو مدینہ منورہ سے دور رکھا گیا۔ اور اپنی نفری اور ہتھیاروں کی کمی کو متحرک طرز جنگ اپنا کر دشمن کے ساتھ توازن پیدا کیا گیا۔ ان آٹھ مہمات کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ سریۃ البحر یا بحر کی مہم (رمضان یکم ہجری): یہ اسلام کی پہلی جنگی کاروائی ہے۔ حضور پاکؐ کو مدینہ منورہ میں آئے ہوئے چھ ماہ گزرے تھے کہ ابو جہل کفار مکہ کے دو یا تین سو کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ملک شام کی طرف راستے کی دیکھ بھال کے لئے نکلا۔ مقصد یہ تھا کہ بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے چلتا رہے، اور دیکھے کہ مسلمان کتنے چوکنے ہیں۔ اور اگر موقع ملے تو ان پر کوئی دھاوا کرے یا شبخون مارے۔ حضور پاکؐ کو مخبروں نے اطلاع دے دی اور حضور پاکؐ نے جناب امیر حمزہؓ کو اپنے بیس یا پچاس مجاہدین کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر بھیجا کہ ابو جہل پر نگاہ رکھیں کہ اس کے کیا ارادے ہیں۔

فضول اختلاف اکثر راوی یہاں ایک فضول اختلاف کے چکر میں پڑجاتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس لشکر میں سب مہاجرین تھے۔ اور کسی کا خیال ہے کہ آدھے مہاجر تھے اور آدھے انصار۔ اور آجکل کے مورخ اس خیال کے حامی ہوگئے ہیں کہ سب مہاجر تھے۔ کہ انصار تو صرف مدینہ منورہ کے دفاع کے ذمہ دار تھے اور باہر جاکر گشتی کاموں کی ذمہ داری انصار پر نہ تھی۔ یہ بہت ہی فضول جائزہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ شروع شروع میں حضور پاکؐ گشتی دستوں اور لشکروں میں زیادہ تر مہاجرین کو بھیجتے تھے کہ وہ لوگ علاقے اور زمین کی دیکھ بھال کرلیں۔ انصار میں سے ایک دو صحابہ رہنمائی کے لئے ساتھ ہوتے تھے۔ یار لوگوں کو کوئی بات مل جائے پس اختلاف ڈھونڈنے میں دیر نہیں لگاتے۔ اس عاجز نے بیعت عقبہ ثانی کے الفاظ اور میثاق مدینہ کی شقوں کو اسی لئے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے۔ انصار مدینہ نے حضور پاکؐ کو ان معاہدوں کے تحت اپنا روحانی پیشوا اور سیاسی امیر تسلیم کرلیا تو بات ادھر ختم ہوجاتی ہے۔ اس مہم میں ممکن ہے کہ تیس مہاجر ہوں اور بیس انصار ہوں۔ تو تیس اور پچاس والا اختلاف بھی یہاں ختم ہوجاتا ہے۔

جناب حمزہؓ نکلے اور چونکہ آپ کی نفری مقابلتاً کم تھی اس لئے آپ نے ابو جہل کے لشکروں کی حرکتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک جگہ گھات لگائی۔ لیکن جھڑپ ہونے سے پہلے قبیلہ جہنیہ کے مجدی بن عمرو کو حالات کا پتہ چل گیا۔ وہ کفار مکہ اور مسلمانوں یعنی دونوں فریقین کے ساتھ معاہدہ امن کئے ہوئے تھا۔ اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا علاقہ میدان جنگ بنے۔ اس نے بیچ بچاؤ کیا اور ابو جہل کو مکہ مکرمہ جانے کے لئے مجبور کردیا۔ جس کے بعد جناب حمزہؓ بھی مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد کفار مکہ کو مدینہ منورہ کے اتنا نزدیک آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان کو پتہ چل گیا کہ مسلمان چوکنے تھے اور ان کو مسلمانوں کے عزم کی بھی خبر

تھی:۔

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو　　خوفِ باطل کیا! کہ ہے غارت گر باطل بھی تو　(اقبالؒ)

مہم کی اہمیت　اس مہم کے لئے حضور پاکؐ نے جناب امیر حمزہؓ کو ایک جھنڈا عطا فرمایا جس کا رنگ سفید تھا اور اس لشکر میں جناب ابو مرثدؓ بن حصین کو یہ جھنڈا اٹھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جناب حمزہؓ شاعر تھے اور انہوں نے اس مہم کے بارے ایک لمبی چوڑی نظم کہہ دی جس کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:۔ (یعنی ان کا مفہوم بیان کیا جا رہا ہے)

"وہ سب جنہوں نے خواہ مخواہ ہمیں تنگ کیا، اور ہم پر ظلم کیا، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ہم نے تو ان پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ ہم تو صرف انصاف اور سچائی کو چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ اس کو مذاق سمجھتے ہیں۔ اب میں ان پر جوابی حملہ کے لئے تیار ہوں۔ کہ ہمارے پیغمبر نے ہمیں ایسا حکم دیا ہے۔ اور ایسے جھنڈے کے تحت جو اس سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوا۔ اور ہمارے پیغمبر نے مجھے جنگی کاروائی کے لئے بھیجا ہے۔۔۔"

تبصرہ　یہ اور اس قسم کی بے شمار نظمیں ہماری پرانی تاریخوں خاص کر ابن اسحاق میں موجود ہیں۔ افسوس کہ ہمارے شاعر یا ادیب کبھی ادھر دھیان نہیں دیتے۔ کہ ان نظموں کو اردو شعروں میں ڈھال کر قوم میں جذبہ جہاد پیدا کریں۔ دوم ان نظموں میں تاریخ کا بیان بھی ہے مثلاً ابھی ابھی ذکر ہوا کہ ہمارے علما یا "امن پسندے" دانشور کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں پہنچنے کے ایک سال بعد جب وحی نازل ہوئی تو تب جنگ کی اجازت ملی۔ یہ عاجز اپنے جائزہ میں اس رائے کو رد کر چکا ہے۔ اب جناب حمزہؓ جو ہجرت کے چھ ماہ بعد لشکر لے کر باہر نکلے وہ کہتے ہیں کہ وہ جوابی حملہ اور جنگی کاروائی کے لئے گئے۔ ہمارے یہ "امن پسندے" کہیں گے۔ ہاں! ہاں! یہ مدافعانہ کاروائی تھی۔ لیکن یہ نہ سوچیں گے کہ مدینہ منورہ سے باہر تقریباً پچاس میل دور گھات لگانی کتنی مدافعانہ کاروائی ہے۔ یہ لوگ کسی سوچی سمجھی سازش کے نتیجہ کے طور پر ہمیں خصی کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ عاجز ان لوگوں کے بارے یہ کہے گا:۔

بے چارے کے حق ہے یہی سب سے بڑا ظلم　　برے پر اگر فاش کریں قاعدہ شیر　(اقبالؒ)

۲۔ رابعہ کی مہم (شوال یکم ہجری)　یہ اسلام کی دوسری جنگی کاروائی ہے۔ کفار مکہ، مدینہ منورہ کے نزدیک اسی طرح آتے رہتے اور ان پر صرف نظر رکھنے سے معاملات بالکل دفاعی صورت و شکل اختیار کر جاتے۔ اس لئے حضور پاکؐ نے پہلی کاروائی کے بعد جو دوسری کاروائی کی وہ مکہ مکرمہ کی طرف ایک گشتی کاروائی تھی جو فطرت میں جارحانہ تھی۔ لیکن کسی حملہ وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ اس کے لئے حضور پاکؐ نے جناب عبیدہؓ بن حارث کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ہمراہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیانی علاقہ میں دیکھ بھال کے لئے بھیجا۔ جناب عبیدہؓ کے باپ حارث، حضور پاکؐ کے دادا جناب عبد المطلبؓ کے چچیرے بھائی تھے اور جناب ہاشمؒ کے بھائی المطلب کے بیٹے تھے۔ جنہوں نے جیسا کہ چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے اپنی اولاد کو بنو ہاشم کا حصہ بنا دیا۔ اس لئے جناب عبیدہؓ بھی حضور پاکؐ کے رشتہ کے لحاظ سے چچا تھے۔ اس مہم کا بڑا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو بتا دیا جائے کہ اگر تم

ہمارے علاقے کی دیکھ بھال کر سکتے ہو تو ہم بھی تمہارے گھر آکر تمہارا کوئی نقصان کر سکتے ہیں۔ دوسرا مقصد زمین اور علاقے کا مطالعہ تھا۔ اور مہم میں زیادہ تعداد مہاجرین کی تھی۔ چند انصار صرف رہنمائی کے لئے تھے تو مورخین کو موقع مل گیا کہ کہ لکھیں کہ انصار اپنے گھروں سے اتنا دور کسی مہم پر جانے کو تیار نہ تھے (نعوذ باللہ)۔ پس موقع ملے کہ قوم میں تفرقہ ڈالیں۔

بہر حال دشمن بھی خاموش نہ تھا۔ کہ ایک جگہ کفار مکہ کا دو سو کا لشکر کسی دیکھ بھال یا گشتی کاروائی کے لئے نکلا ہوا تھا۔ جن کی کمانڈ ابو سفیان یا عکرمہ بن ابو جہل میں سے ایک کر رہا تھا۔ مسلمانوں کو حملے کا حکم نہ تھا۔ نفری بھی کم تھی۔ ایک جگہ دبک کر بیٹھ گئے۔ قریش کفار کا لشکر مسلمانوں کی اتنی دور موجودگی کے بارے سوچ ہی نہ سکتا تھا کہ ایک جگہ وہ مسلمانوں کے نزدیک ہوئے تو جناب سعدؓ بن ابی وقاص جو لشکر میں تھے انہوں نے ایک تیر چلادیا۔ قریش کفار میں کچھ بھگدڑ مچ گئی۔ ان کے لشکر میں دو مسلمان بھی تھے اور ابھی ابھی بیان ہوا ہے کہ مجبوری کے تحت مکہ مکرمہ کے مقیم لوگوں کو قریش مکہ کی ہر کاروائی یعنی مہمات اور جنگوں میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ چنانچہ کفار کی یہ افراتفری دیکھ کر یہ دونوں مسلمان نظر بچا کر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ ان میں ایک جناب عتبہؓ بن غزوان تھے جو اولین مسلمانوں سے تھے اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ آپ نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بصرہ کے گورنر بھی رہے۔ دوسرے جناب مقدادؓ بن عمرو تھے جو اولین اسلام لانے کے علاوہ حبشہ کی طرف ہجرت بھی کر چکے تھے۔ اگلے باب میں جنگ بدر کی مشاورت میں آپ اہم کردار ادا کریں گے۔ آپ کا خاندان جاہلیت کے زمانے میں الاسود بن یعوث (بنو زہرہ) کا حلیف بن گیا۔ اور آپ کو لوگ کہتے بھی مقدادؓ بن الاسود تھے۔ جب قرآن پاک میں احکام نازل ہوئے کہ لوگوں کو ان کے اپنے ناموں سے پکارا جائے تو پھر آپ اپنے باپ کے نام سے مقدادؓ بن عمرو بن گئے۔ بخاری شریف نے کسی پرانی بات کی وجہ سے آپ کو مقدادؓ بن الاسود ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ عاجز قرآن پاک کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ اور یہاں یہ دوسرا ثبوت ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی احادیث کو قرآن پاک کے احکام کے تحت کوئی چھان پھٹک نہ کی۔

مہم کے نتائج اور جناب عبیدہؓ کا شرف اس مہم نے قریش کو حیران کر دیا کہ مسلمان اتنے دور تک آکر ان کے خلاف کوئی کاروائی کر سکتے ہیں۔ اور ان کے تجارتی قافلوں کی اب سخت حفاظت کی ضرورت ہوگی۔ قریش کفار کا گزارہ ہی تجارت پر تھا۔ تو اب ان کی طاقت بٹ گئی کہ جو قافلہ تجارت کے لئے جاتا انہیں ساتھ کافی نفری اس قافلہ کی حفاظت کے لئے بھی بھیجنا پڑتی۔ مسلمانوں اور اہل مدینہ کے لئے ایسا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مدینہ منورہ میں زمینداری پر گزارہ تھا اور تجارت زیادہ شمالی علاقوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ یا سمندر کے راستے۔ جناب عبیدہؓ کی بھی اس مہم کے لئے حضور پاکؐ نے جھنڈا عطا فرمایا۔ اور اس کے بعد جو مہم بھی گئی اس کو حضور پاکؐ نے جھنڈا عطا فرمایا۔ یا خود نکلے تو اپنے لشکر میں کسی کو جھنڈا برداری یا علمبرداری کا شرف عطا فرمایا۔ جناب عبیدہؓ کی اولاد سے کچھ لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پہلا جھنڈا جناب عبیدہؓ کو عطا ہوا اور اس کے بعد یہ رسم پکی ہوئی۔ لیکن راقم نے تمام پرانی تاریخوں کی چھان بین کی ہے تو پہلے جھنڈے کی سعادت جناب حمزہؓ شیر خدا کو ہی حاصل ہے۔ جناب عبیدہؓ کا

البتہ اپنا مقام ہے ۔آپ جنگ بدر میں زخموں کی تاب نہ لاکر شہید ہوئے اور صفرا کے قریب دفن ہوئے ۔جنگ بدر کے کچھ سال بعد حضور پاکؐ کا ان علاقوں سے ایک مہم کے دوران گزر ہوا اور وہاں تھوڑا قیام کیا ۔تو خوشبو کے ساتھ سارا ماحول مہک گیا ۔صحابہ کرامؓ نے اس کو حضور پاکؐ کے پسینہ کی خوشبو سمجھا اور گزارش کی کہ سفر سخت تھا اور حضور پاکؐ کا بہت زیادہ پسینہ بہہ رہا تھا ۔تو حضور پاکؐ نے فرمایا" دراصل بات یہ ہے کہ حق و باطل کے پہلے بڑے معرکہ کے شہید اول جناب عبیدہؓ بن حارث آپ کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں "۔یہ ہے شہدا کی شان :۔

مرے خاک وخون سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا صلہ شہید کیا ہے ؟ تب و تاب جاودانہ ۔(اقبالؒ)

حرار کی مہم (ذی قعد ۔یکم ہجری) یہ اسلام کی تیسری جنگی کاروائی ہے ۔دراصل یہ کاروائی دوسری مہم کی (Follow up) تھی ۔یعنی دوسری مہم کے اثرات کو قائم رکھنے کے لئے اسی علاقہ میں ایک مہم بھیجی گئی ۔جس نے حرار کے مقام تک جانا تھا ۔لیکن سفر راستے سے ہٹ کر کرنا تھا ۔دستہ چھوٹا تھا کہ اس میں کل آٹھ سوار تھے ۔جناب سعدؓ بن ابی وقاص دستے کے امیر تھے ۔حضور پاکؐ نے جو جھنڈا عطا فرمایا اس کا رنگ سفید تھا اور جھنڈا اٹھانے کی سعادت جناب مقدادؓ بن عمرو کی ہوئی ۔مہم میں بڑا مقصد قریش کفار پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ مسلمانوں کے جھپٹنے والے دستے دور دور تک علاقوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں ۔نقشہ چہارم ظاہر کرے گا کہ یہ مہم جعفہ تک گئی اور علاقے پر اپنے اثرات دکھائے جس کو آجکل کی فوجی زبان میں (Domination of Land) یعنی علاقے پر چھا جانے کو کہتے ہیں کہ دشمن پر جارحانہ موجودگی کا اظہار ہو جائے ۔کہ دشمن کو اپنے دفاع یا حفاظت کے لئے زیادہ اقدام پر مجبور کر دیا جاتا ہے ۔تو یہ مہم اس لئے اپنے مقصد میں کامیاب تھی کہ ان کو ضرورت کے وقت دشمن پر جھپٹنے کی بھی اجازت تھی :۔

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر ! وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں نہیں (اقبالؒ)

۴۔ابوا کی مہم (صفر دو ہجری) یہ اسلام کی چوتھی جنگی کاروائی ہے ۔اب سرکار دو عالمؐ بنفس نفیس مدینہ منورہ سے نکلے ۔لشکر کی تعداد کوئی سو ڈیڑھ سو کے قریب بتائی جاتی ہے ،اور حضور پاکؐ نے مشہور انصار صحابی جناب سعدؓ بن عبادہ جن کا بارہ نقیبوں اور آپؐ کے ہمسایہ کے طور پر ذکر ہو چکا ہے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب چھوڑا ۔ہمارے جلد باز اور ایک ایک بات سے غلط اثر لینے والے اس زمانے کے مورخین کو پھر موقع مل گیا کہ چونکہ مدینہ منورہ میں نیابت انصار کی تھی تو کہہ دیا کہ انصار مدینہ منورہ میں رہ گئے اور لشکر میں صرف مہاجرین تھے ۔یہ نہ سوچا کہ مہاجرین جنگ بدر میں بھرپور شرکت کر کے بھی اپنی نفری تراسی سے اوپر نہ کر سکے ۔ان کی تعداد سو ڈیڑھ سو کیسے ہو گئی ۔دراصل ایسی باتوں کے پیچھے اہل مغرب اور خاص کر انگریز مفکروں کی سازش ہے کہ کسی طرح ثابت کیا جائے کہ یہ مکہ مکرمہ کے مہاجرین اور کفار قریش کا قبائلی جھگڑا تھا ۔غریب لوگ مسلمانوں کے پیغمبر کے ساتھ تھے اور سرداران قریش دوسری طرف ۔انصار ،مہاجرین کو پناہ دے کر حادثاتی طور پر اس جھگڑے میں شامل ہو گئے ورنہ پہلے پہل وہ لڑائی سے دور رہے ۔لیکن جب لڑائی سے فائدہ ہوا تو وہ مسلمانوں کے پیغمبر کے ساتھ مل گئے ۔اور فتح کی صورت

کے بعد سارے عرب قبائل مسلمانوں کے پیغمبر کے جانشینوں کے تحت ایک ہو گئے اور بھوکے عرب دنیا پر چڑھ دوڑے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح بھوکے منگول یا بھوکے یورپین نے کیا ۔ یعنی اسلام دین فطرت نہیں ۔ ضرورت اور حالات کی پیداوار ہے ۔ اس ساری سازش کے سرغنہ ایک انگریز مفکر مسٹر آرنلڈ ہو گزرے ہیں ۔ اور انیسویں صدی میں اس برصغیر میں رہے ۔ جہاں سر سید اور مولانا شبلیؒ جیسے لوگوں نے بھی اس "مستشرقین" سے تاثرات لیئے ۔ اور وہ کہتا تھا کہ سارا جھگڑا Haves اور Have not ۔ یعنی امیر اور غریب کا ہے ۔ اس واسطے اسلام کی ساری تاریخ کو اس نے اپنے رنگ میں پیش کیا اور شوشے چھوڑے ۔ ہمارے جلد باز مورخین نے بے سوچے سمجھے ایسے "ابو جہلوں" کی باتوں کو بڑا فلسفہ سمجھ لیا ۔ اور یہ صحیح مان لیا کہ انصار مدینہ شروع شروع میں کسی لشکر میں مدینہ منورہ سے باہر نہ جاتے تھے ۔ یہ عاجز اس کلیہ کو غلط ثابت کر چکا ہے اور اس مہم میں مزید ثبوت ہے کہ ایک جناب عبداللہ انصاری صحابی جن کا تعلق بنو مزین (انصار کا ایک چھوٹا سا قبیلہ) سے تھا اس کی اولاد دو سو سال بعد بھی فخریہ کہتی تھی کہ ان کے جد امجد نے نہ صرف جنگ بدر میں شرکت کی بلکہ حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ سے جو پہلا لشکر ابوا کی طرف نکالا اس میں بھی ان کے جد امجد جناب عبداللہ نے شرکت کی اور ابن سعد نے طبقات میں اس پہلو کا خاص طور پر ذکر کیا ہے ۔ ان مغربی "ابو جہلوں" سے تاثر لینے کی بجائے ان کو کھری کھری سنانی چاہیئیں ۔ اس عاجز پر کئی اعتراض کئے جاتے ہیں کہ میں نے مولانا شبلی، سید سلیمان ندوی، اور اس زمانے کے سب علماء ۔ سیاستدانوں اور دانشوروں کو خوب "لتاڑا" ہے اور کیا میں اکیلا ٹھیک ہوں ۔ یہ عاجز اپنی کوتاہیوں اور کرایہ کے سپاہی ہونے تک سب باتوں کا ذکر کر چکا ہے ۔ اور میں نے خود ان لوگوں کے سو سالے منائے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ستمبر ۶۵ میں لاہور محاذ پر بی آر بی کے آگے میدان جنگ میں میری تمام کوتاہیوں کو بھی پرداد کر دیا اور تب سے ندامت کرتے ہوئے ان غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی اپنے سمیت نا سمجھیوں سے پردے اٹھاتا پھرتا ہوں ۔

پردہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے ۔ لا نہ سکے فرنگ میری نواؤں کا تاب (اقبالؒ)

مہم کی کاروائی یہ پندرہ دن کا سفر تھا کہ حضور پاکؐ ودان گئے اور وہاں سے چھ میل آگے ابوا کے مقام تک گئے ۔ وہاں پر قبیلہ کنانہ کا چھوٹا قبیلہ ضمرہ آباد تھا ۔ اور ان کے سردار فحشی بن عمرو کے ساتھ معاہدہ کیا ۔ کہ وہ لوگ مسلمانوں کے دشمن کو کوئی مدد نہ دیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ یا لڑائی میں شرکت کریں گے ۔ نقشہ چہارم پر اس مہم کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ یہ ایک حربی مظاہرہ تھا ۔ علمبرداری کی سعادت جناب حمزہؓ شیر خدا کو ہوئی ۔ جو ایک سفید جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے ۔ گو مورخین صحابہ کرام کے ناموں کی تفصیل میں نہیں گئے ۔ لیکن ظاہر ہے سب عظیم صحابہ ساتھ ہوں گے کہ یہ ایک جنگی مشق بھی تھی کہ آنے جانے کے سفر پر ویسے تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ خرچ ہوتا کہ فاصلہ اتنا کم تھا ۔ لیکن جو دو ہفتے "نیلو نبنو" کے نیچے گزرے تو اپنے جلال کے اثرات بھی چھوڑنے تھے اور اپنے رفیقوں کی تربیت بھی مقصود تھی ۔ اس مہم کا خاص فائدہ یہ ہوا کہ قریش کے جو قافلے تجارت کی غرض سے ملک شام جا رہے تھے وہ واپس مڑ گئے کہ نقشہ چہارم یہ ظاہر کرے گا کہ تمام

حربی مظاہرہ اسی راستے پہ تھا جو ملک شام کو جاتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ایسے پھیلا۔ ویسے پھیلا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ نے اسلام کا پودا لگانے میں بڑی محنتیں کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے یہ سلسلہ جاری رکھا تو تب یہ بات بنی:۔

نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا ۔ پھل ہے سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا (اقبالؒ)

۵۔ بواط کی مہم (ربیع الاول دو ہجری) یہ اسلام کی پانچویں فوجی کارروائی ہے۔ قریش کی تجارت کو سخت نقصان ہو رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اڑھائی ہزار اونٹوں کا ایک تجارتی قافلہ تیار کیا۔ ساتھ ایک سو محافظ لگائے اور امیہ بن خلف کو قافلہ کا سردار بنایا۔ حضورؐ پاک کو مخبروں نے قافلہ کے چلنے کی اطلاع دے دی۔ آپؐ کو چوتھی مہم سے واپس آئے ہوئے صرف چند دن ہوئے تھے لیکن قافلے والوں کو روکنا ضروری تھا۔ تو آپؐ نے دو سو صحابہ کرام کا لشکر تیار کیا، جس میں انصار اور مہاجرین تقریباً برابر تھے مدینہ منورہ میں نیابت کا کام ایک روایت کے مطابق بنی اوس کے مشہور صحابی جناب سعدؓ بن معاذ کے سپرد کی۔ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ بن مظعون کے نوجوان فرزند حضرت سائبؓ کو۔ لیکن ممکن ہے دونوں صحابی مدینہ منورہ میں رہے ہوں تو پھر نیابت جناب سعدؓ ہی نے کی ہو گی۔ جناب سائبؓ کی شاید طبیعت ٹھیک نہ ہو۔ حضور پاکؐ کے علمبردار بننے کی سعادت اس دفعہ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو ہوئی اور جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ نقشہ چہارم پر اس مہم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور گو جانا، اسی علاقے میں تھا، جہاں پچھلی مہم میں گئے تھے۔ لیکن جیسا نقشے سے ظاہر ہے اس دفعہ تھوڑا لمبا چکر لگایا اور راستہ تھوڑا الگ قسم کا اختیار کیا۔ اور جس راستے سے گئے۔ واپسی اس راستے سے نہ ہوئی۔ حضور پاکؐ بواط کے مقام تک گئے جو مدینہ منورہ سے پچاس میل دور ہے۔ یہ جگہ ذوخشب کے نزدیک تھی اور قبیلہ جہنیہ کے کوہستانی علاقہ میں ہے۔ قبیلہ جہنیہ کا ذکر بحر کی مہم میں ہو گیا ہے۔ حضور پاکؐ کی ان متحرک کارروائیوں نے قریش کو حیران کر دیا۔ اور امیہ بن خلف کا تجارتی قافلہ شام نہ جا سکا، بلکہ وہ پریشان ہو رہے تھے۔ وہ تو مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے لئے ذرا بھر بھی تیاری نہ کر سکے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ سوچا ضرور کہ آگے ان کی ایک جھپٹ کا ذکر آتا ہے۔ لیکن ان کے سامنے جو بڑا مقصد تھا اس سلسلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ ان کی تجارت کے گھاٹے کیوجہ سے ان کے مالی حالات بھی خراب ہو رہے تھے۔ تو قارئین یہ ہیں ہمارے آقاؐ کی حکمت عملی کے نتائج۔

"کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا خبر میں، نظر میں، اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اسؐ نے اپنایا انہی کے جگر میں۔ (اقبالؒ)

۶۔ کرز بن جابر کا جھپٹا (ربیع الاول دو ہجری) یہ اسلام کی چھٹی جنگی کارروائی ہے۔ قریش بہت متردد ہو رہے تھے۔ انہوں نے قبیلہ فہر کے کرز بن جابر کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ اور اس کی شہ دی کہ وہ مدینہ منورہ پہ چھاپہ مارے تاکہ مسلمانوں کی توجہ کچھ اس طرف ہو۔ اور وہ شام کے راستے پر اپنی جارحانہ گشتی کارروائیوں میں کچھ کمی کریں۔ ممکن ہے کہ کرز بن جابر نے یہ چھاپہ اس

زمانے میں مارنا ہو جب ادھر سے قریش کے تجارتی قافلہ نے امیہ بن خلف کے تحت مدینہ منورہ کے نزدیک سے گزرنا ہو۔ لیکن یہ جھپٹا ربیع الاول کے آخر میں مارا گیا۔ اور تب تک مسلمان امیہ بن خلف کی ناکہ بندی کی سعی کر کے واپس بھی آگئے تھے۔ بہر حال یہ کارروائی قریش یا ان کے حلیفوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف دوسری جارحانہ کوشش تھی۔ جابر نے ایک نہایت ہی تیز رفتار دستہ تیار کیا۔ اس کا قبیلہ فہر مدینہ منورہ کے نزدیک ہی آباد تھا اور آگے ان کا ذکر آتا رہے گا۔ اور کرز کی اپنی ایک بڑی چراگاہ العقیق کے علاقے ابجروخا میں تھی۔ جہاں اس کے جانور چرتے تھے۔ لیکن اس نے اپنے جانور وہاں سے نکال کر کہیں اور بھیج دیئے اور تیز دستہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا، اور مسلمانوں کے کافی اونٹ ہانک کر اپنے اثر کے علاقوں میں لے جانے لگے۔ مسلمان چوکنے تھے اور ایسی کارروائیوں کیلئے ان کا ایک دستہ تیاری یا آجکل کی زبان کے مطابق نوٹس میں ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ فوری کارروائی والا دستہ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی سرداری میں نکلا اور کرز کے دستہ کو جنگ میں الجھا دیا۔ لیکن حضورؐ پاک ایسے حالات میں خود بھی باہر نکلتے تھے۔ چنانچہ جو صحابہؓ مل سکے، ان کا لشکر تیار کیا۔ اور جلدی سے جا کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے دستوں کے ساتھ مل گئے۔ لیکن تیاری مکمل تھی علمبرداری کی سعادت جناب علی کرم اللہ وجہ کو نصیب ہوئی۔ اور جلدی کیوجہ سے نیابت جناب زیدؓ بن حارث کے سپرد کی۔ اب کرز کیا مقابلہ کرتا۔ تمام اونٹوں کو چھوڑ کر خود جان بچا کر پہاڑوں میں چھپ گیا لیکن حضورؐ پاک کے جلال و جمال کی جھلک کرز پر پڑ گئی۔ اور جناب کرزؓ کچھ عرصہ بعد نہ صرف مسلمان ہو گئے بلکہ فتح مکہ کے روز شہادت کے درجہ سے بھی سرفراز ہوئے۔ اس مہم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کتنے چوکنے اور تیاری میں رہتے تھے۔ اور یہ عاجز اس باب کے شروع میں گزارش کر چکا ہے کہ ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہتے تھے اور ہتھیار پہن کر سوتے تھے۔ قومیں ایسے نہیں بنتیں، اور اسلام ایسے آسانی سے نہیں پھیلا۔ لیکن افسوس ہم ملا سے اسلام سیکھنا چاہتے ہیں:۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے　　اس کو کیا جانے یہ بے چارہ دو رکعت کا امام　　(اقبالؒ)

العشیرہ پر دھاوا (جمادی الثانی دو ہجری)　یہ اسلام کی ساتویں جنگی کارروائی ہے۔ اس کارروائی کو مورخین نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے بلکہ صحیح بخاری، جس میں باقی احادیث مبارکہ کی کتابوں کی طرح جنگوں یا فوجی مہمات کی کہانیاں کم ہیں، اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ یہ بیان کریں گے کہ حضورؐ پاک ازخود مدینہ منورہ سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ نکلے جس کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں۔ لیکن آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کام بہت اہم تھا اور لفظ بڑے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ پہلے لشکروں سے تعداد ضرور کچھ زیادہ ہوگی۔ جو کم از کم دو سو ہوگی۔ مدینہ منورہ میں آپؐ نے جناب ابو سلمہ مخزومیؓ کو نائب مقرر کیا، اور جناب حمزہؓ کو علمبرداری کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ جھنڈے کا رنگ سفید بتایا جاتا ہے۔ آپؐ نے بنو دینار والا راستہ اختیار کیا، اور فیافہ الخبار سے گزرتے ہوئے ابن ازہر کی وادی میں پہنچ گئے جس کو ذات السق بھی کہتے ہیں اور وہاں پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس میں عبادت کی۔ وہاں سے ایک چشمہ پر تشریف لے گئے جس کو المشتریب کہتے ہیں وہاں الخلائق کو اپنے بائیں چھوڑتے ہوئے ایک وادی جس کو عبداللہ کہتے ہیں وہاں گئے، پھر

بائیں مڑے اور یلیل کے نالہ کے بہاؤ کے ساتھ ادھر پہنچے جہاں وہ الزبو یہ سے ملتا ہے ۔یہاں پانی سے سیراب ہوئے اور پھر ملال کے میدان میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے سخر تیہ الیمام کی پگڈنڈی ینبو کی وادی میں العشیرہ تک پہنچتی ہے ۔وہاں بنو مدیج اور بنو ذومرہ کے ساتھ عہد نامہ کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے ۔قارئین نقشہ چہارم سے استفادہ کریں کہ یہ کافی لمبا سفر تھا ۔کم از کم سو میل جانا تھا اور اس طرح کل سفر دو سو میل سے کم نہیں ۔ہفتہ ، دس دن تو صرف سفر کیلئے چاہئیں ۔ لیکن یہ حربی مظاہرہ بھی تھا ، اور راقم نے پرانی تاریخوں سے اس سفر کی وسعت کو اختصار سے بیان کیا ہے ۔ورنہ ہماری موجودہ تاریخوں میں مہم کے ذکر کے علاوہ کوئی تفصیل موجود نہیں ۔چنانچہ یہ تمام کارروائی ایک جنگی مشق بھی تھی ۔اور مشکل علاقے میں سفر کیا ۔اور ساتھ خیمے وغیرہ نہ ہوتے تھے کہ سواری کیلئے اونٹ اور گھوڑے کم تھے ۔تو قارئین یہ پہلو سمجھیں کہ ہمارے آقاؐ اور سرکار دو عالمؐ ، رات عام لشکریوں کی طرح کھلے آسمانوں کے نیچے گزار دیتے تھے ۔اور اسلام ایسے آسانی سے نہیں پھیلا ۔علاوہ ازیں اس مہم کے بارے میں ابن سعد کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ سے ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کو بھی دھیان میں رکھنا تھا ، اور اتنا دور جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی ، لیکن قریش بڑی مار کھا چکے تھے ۔معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی قافلہ کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر یا کوئی ایسا طریقہ اختیار کر کے ابو سفیان نظر بچا کر جمادی الثانی دو ہجری کے آخری دنوں میں مدینہ منورہ کے پاس سے گزر گیا ۔رجب کے آخری دنوں میں ملک شام پہنچ گیا ۔اور شعبان کے آخری دنوں میں اس کا واپسی کا پروگرام تھا ۔اور اس نے شام سے واپس چلنے سے پہلے اپنے متوقع پروگرام سے کفار قریش کو اطلاع دے دی ، جس کے نتیجہ میں بدر کی جنگ ہوئی جو ہمارے اگلے باب کا موضوع ہے ۔ جو لوگ جنگ بدر کو ایک حادثہ سمجھتے ہیں ۔ان کو اب سمجھ آجانا چاہیئے کہ تیاریاں دونوں طرف سے ہو رہی تھیں ۔اب صرف جھڑپ کی کثر رہ گئی تھی ۔روایت ہے کہ اسی مہم کے دوران حضرت علیؓ کو ابو تراب کا خطاب دیا گیا ۔وجہ یہ ہوئی کہ دن کے وقت ایک جگہ آرام ہو رہا تھا ۔حضرت علیؓ پسینہ میں شرابور ہو گئے ۔ہوا چل رہی تھی ۔مٹی سے بھر گئے ۔ حضور پاکؐ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو انہیں فرمایا "اٹھو او مٹی کے باپ" (ابو تراب) بعض لوگوں کا خیال ہے ایسا مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں ہوا ۔ یہ ایک وقتی بات تھی لیکن یہ عاجز پہلے باب میں گزارش کر آیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے حضرت علیؓ کو دابۃ الارض بنا دیا ۔کہ وہ مٹی کے باپ اس لئے کہے گئے کہ وہ اس زمین سے دوبارہ باہر نکلیں گے ۔جو بات صحیح نہیں ۔

۸ ۔ نخلہ کی جھڑپ (رجب دو ہجری) یہ اسلام کی آٹھویں فوجی کارروائی ہے ۔ حضور پاکؐ نے آٹھ مہاجرین کے ایک دستہ کے ساتھ اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا اور ایک خط دیا کہ دو دن کے سفر کے بعد کھولنا جب خط کھولا گیا تو لکھا تھا کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان کے نخلستان میں جاؤ ۔وہاں چھپ رہو اور قریش کے قافلوں کی خبر حاصل کرو ۔یہ ایک مشکل کام تھا ، سفر لمبا تھا (نقشہ چہارم سے استفادہ کریں) ۔ویسے چوٹی کے صحابہؓ دستہ میں شامل تھے ، اور نخلہ کے قریب قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جھڑپ ہو گئی جس میں دشمن کا ایک سردار عمرو الحضرمی مارا گیا اور ان کے دو آدمی مسلمانوں کی قید میں آگئے ۔ مسلمانوں نے سب قافلے کا سامان بھی لوٹ لیا ۔رجب کی آخری تاریخ تھی ۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ شعبان کا چاند نکل آیا ہے ۔ کیونکہ رجب میں لڑائی کا دستور نہ تھا ۔اس لیے مورخین نے راویوں کے حوالے سے کافی چہ میگوئیاں کی

ہیں ۔لیکن بات واضح ہے قرآن پاک میں صاف آیات اتریں ۔ کہ جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔اہل کفر اس سے بڑھ کر مسلمانوں کو تکلیف دے رہے ہیں کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دیا۔اس مہم میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور ایک اور صحابی کہیں الگ ہو گئے تھے اور حضورؐ پاک نے دشمن کو قیدی تب واپس کئے جب حضرت سعدؓ اور ان کے ساتھی واپس مدینہ منورہ پہنچے اور جنگ بدر میں ابو جہل نے اسی الحضرمی کے قصاص کے بہانہ سے لوگوں کو بھڑکا کر جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا جو ذکر اگلے باب میں آئے گا

خلاصہ یہ تھے ہجرت سے لے کر جنگ بدر کے ہونے تک کے ڈیڑھ سال کے واقعات، جو سوائے چند فقروں کے ہماری موجودہ تاریخوں سے خارج ہوتے جاتے ہیں ۔اس عاجز کے لحاظ سے یہ باب ہمارے فلسفہ حیات کیلئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو دین اسلام کا مرکز اور فوجی مستقر بنایا۔اس کیلئے روحانی وحدت، اندرونی وحدت اور نظامی وحدت کے علاوہ میثاق مدینہ کے ذریعہ سے سیاسی وحدت کا فلسفہ دیا۔ پھر اپنے اور دشمن کے حالات کو سامنے رکھ کر فوجی حکمت عملی تعین کی جس میں کہ بجائے اس کے کہ طاقتور دشمن مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرتا، حضور پاکؐ نے دشمن کو ایسا نچایا کہ اس کو اپنی تجارت اور گھر کا فکر پڑ گیا۔اور دشمن سب کارروائیاں رد عمل کے طور پر کر رہا تھا کہ حضور پاکؐ نے پہل کاری دشمن سے چھین لی تھی ۔کم طاقت اور کم ذرائع ہونے والا یہ پہل کاری نہیں چھین سکتا۔لیکن ہمارے حضور پاکؐ نے یہ کر دکھایا۔اور اپنے رفیقوں کو اس کی تربیت بھی دی:۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا ۔ (اقبالؒ)

لیکن ایک خاص بات متحرک طرز جنگ ہے ۔اس پہلو کی آخری وضاحت تو چھبیسویں باب میں ہے جہاں حرکت کو قرآن پاک کے حوالے سے ایک اصول جنگ کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔لیکن قارئین پوری کتاب میں دیکھیں گے کہ اسلام جو کہ از خود ایک متحرک دین ہے، اس کے سربراہ اعظم اور ہمارے آقاؐ نے حکمت عملی اور تدبیرات دونوں میں میں جتنا زور اس پہلو پر دیا ہے کسی اور پہلو پر نہیں دیا۔قرآن پاک کے الفاظ کے مطابق اللہ تعالے ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے ۔اور حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ مومن کے مقامات میں عروج ہوتا ہے تو یہ بیانات متحرک طرز جنگ کو اور اہم کر دیتے ہیں ۔چنانچہ اس باب میں ہم نے حضور پاکؐ کے عملوں سے اس اصول کی بنیاد باندھی اور آٹھ متحرک مہمات میں سے چار مہمات میں بنفس نفیس شریک ہو کر حضور پاکؐ نے اس اصول پر احسان فرمایا اور ہمیں یہ سبق دے گئے ۔ کہ بیٹھے رہنے والے سے کھڑا ہونا بہتر ہے اور کھڑا ہونے سے چلنے والا بہتر ہے ۔لیکن افسوس پچھلے چھیالیس سالوں میں نہ ہم نے قوم کو متحرک کیا۔اور نہ فوج کی حکمت عملی میں متحرک طرز جنگ کو وہ مقام دیا، جو اس کا حق ہے ۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم مکمل طور پر اپنے فلسفہ دفاع میں اہل مغرب کی ہر بات کی نقل کرتے ہیں ۔اور ہم حرکت کے اصول کو تیز رفتار سواریوں یعنی گاڑیوں اور جہازوں تک محدود سمجھتے ہیں ۔اسلام زیادہ زور متحرک ذہن پر دیتا ہے ۔ کہ اپنے ایمان کے درجات بلند کر کے مومن کی فراست حاصل کریں تا کہ چشم بینا۔یا دل بینا کی مدد سے حالات کو سنبھالیں ۔لیکن ساتھ ساتھ اپنے مادی جسم اور مادی ذرائع وغیرہ کو تدبیراتی اور تزویراتی طور پر متحرک رکھنے کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ (اقبالؒ)

دسواں باب

حق و باطل کا پہلا معرکہ

(اسلام کی نانویں فوجی کاروائی (رمضان دو ہجری)

جنگ بدر

حالت جنگ — بے شک جنگ بدر، حق و باطل کا پہلا معرکہ ہے۔ لیکن پچھلے باب میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کے وقت سے ہی اہل قریش و کفار کے ساتھ مسلمان، حالت جنگ میں تھے۔ لیکن جنگ بدر کے بعد معاملات تمام اہل عرب اور حقیقت میں تمام دنیا پر کھل کر سامنے آگئے۔ اس جنگ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے عظیم ترین سپہ سالار اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس اس معرکہ میں ان تین سو تیرہ عظیم مسلمانوں کی کمان کی۔ جس میں ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی شامل تھے۔ جنہوں نے چند سال بعد اس دنیا کی اس وقت کی دو عظیم سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ انہی میں جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ بھی تھے جن کا نام سن کر قیصر و کسریٰ کے درباریوں میں کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور انہی میں شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ فاتح خیبر بھی تھے جو حق کے ہر معرکہ کے دولہا تھے اور انہی میں شہید اعظم حمزہؓ بھی تھے اور فاتح ایران و شام جناب سعدؓ بن ابی وقاص اور امین الامت ابو عبیدہؓ بن جراح بھی تھے۔ اس حق کے معرکہ کے ایک ایک سپاہی کی آئندہ زندگی کے کارناموں پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی کہ کاروان حق صراط مستقیم پر روز ازل سے روز آخر تک ایسے ہی کارناموں کی وجہ سے رواں دواں ہے۔ اور جس روز ایسے کارنامے بند ہو گئے تو اس زمین و آسمان کو بھی لپیٹ لیا جائے گا۔

عسکریت — سترہ رمضان، دو ہجری کو میدان بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں نے اپنے سے کئی گناہ بڑی قوت کفار سے ٹکر لی اور اس میں اہل اسلام فتح یاب ہوئے۔ بے شک اس جنگ سے ہمارے دلوں میں ایک عظیم روحانی تسکین پیدا ہوتی ہے اور اپنے دلوں کو تسلی دے کر نشان راہ ضرور تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ایک چیز کو ہم ہمیشہ نظرانداز کر دیتے ہیں اور وہ ہے اسلامی فلسفہ حیات، کہ ان جنگوں کے ذریعے اور حق کے معرکوں میں شریک ہو کر ہم اپنے نظریہ حیات کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ اگر ہم فوجی طور پر اسی طرح مستعد نہ رہیں گے جس طرح حضور پاکؐ اور ان کے صحابہؓ کرام تھے تو نہ ہم قومی غیرت قائم رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کو منہ دکھانے کے قابل ہوں گے۔ اس دنیا میں بکاؤ مال بن کر ذلت کی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں بھی کوئی سرخروئی والی بات نظر نہیں آتی۔ عسکریت اسلام کا اوڑھنا بچھونا ہے اور عسکریت کو اسلام سے نکال دیں تو پھر اسلام بھی دین نہیں رہتا بلکہ صرف مذہب رہ جاتا ہے یا بے جان فلسفہ۔

البتہ اس سلسلہ میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اسلام کی عسکریت یا فلسفہ جنگ، اسلامی فلسفہ حیات کی ایک شاخ ہے اور

ہماری عسکریت کی بنیاد اس نظریہ حیات پر ہوتی ہے جو حضورؐ پاک نے زبانی اور عمل کے ساتھ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں ہم نے غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا ہے۔ غیروں کے فلسفہ جنگ یا تدبیراتی پہلوؤں کی سوجھ بوجھ رکھنا الگ بات ہے اور اس کو جاننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ ہی غیروں کی ٹیکنالوجی سیکھنے میں کوئی حرج ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضورؐ پاک کے ارشاد کے مطابق علم سیکھنے کے لئے چین تک بھی جانا چاہیے۔ یہ عاجز البتہ چوتھے باب میں واضح کر چکا ہے۔ کہ ایسی کسی حدیث مبارکہ کا وجود صحاح ستہ کی کتابوں میں نہیں ہے، اور اگر اس حدیث مبارکہ کو صحیح بھی مان لیں تو اس علم سے حضورؐ پاک کا مقصد ہنر تھا۔ نہ کہ فلسفہ ادب یا ثقافت یا طرز زندگی وغیرہ۔ یعنی ہمیں غیروں کے رنگ میں اپنے آپ کو نہیں رنگ لینا چاہیے۔ رنگ ہمارا اپنا ہی ہونا چاہیے۔ بنیاد عمارت کی ہمارے اپنے فلسفہ پر ہی ہو۔ البتہ ہنر کی کوئی بات غیروں کے پاس اچھی ہے تو اس سے استفادہ کر کے اس کو اس طرح سے اپنائیں کہ اپنے بنیادی اصول اور عقائد پر کوئی اثر نہ پڑے۔ اس لئے جنگ یا فلسفہ جنگ کی بنیاد تو ہمارے اپنے اصولوں پر ہونی چاہیے کو تدبیرات اور ہنر کے جو اچھے اصول ہماری پاس موجود نہ ہوں وہ ہم غیروں سے سیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ حضورؐ پاک کی جنگوں، فلسفہ جنگ اور جنگی حکمت عملی پر ایسا تبصرہ کیا جائے اور ایسا تجزیہ کیا جائے کہ وہ اسباق سامنے آجائیں جن کو ہم اپنی فوجی زندگی اور عسکریت کی بنیاد بنا سکیں۔ اور ان کو اپنا کر غیرت کی زندگی گزار سکیں۔

مدنی زندگی ایک فوجی ذہن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں ابتدائی ایام کی کارروائیوں کا جائزہ لیتا ہے تو اس کے سامنے حرب وضرب کا ایک شاہکار وجود میں آتا ہوا نظر آتا ہے اور بدر کی جنگ اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی یا منزل جس نے حق کی فتح کو تمام اہل عرب پر عیاں کر دیا اور اب رہتی دنیا تک یہ عظیم معرکہ ہماری رگوں کے خون کو گرم کرتا رہے گا۔ بدقسمتی سے پچھلے دو سو سالوں کی غلامی نے ہمیں فن سپہ گری اور فلسفہ جنگ سے بہت دور کر دیا ہے۔ بلکہ ہمارے کئی اہل قلم حضرات اور دانشور خاص کر اخبار نوائے وقت اور اردو ڈائجسٹ کے الطاف قریشی غیروں کی سازش کا بھی شکار ہو گئے ہیں۔ وہ حضور پاکؐ کی جنگوں کو کبھی مدافعانہ جنگ کا نام دیتے ہیں اور کبھی مصلحانہ جنگ کا نام۔ پھر میدان جنگ کی کارروائی کے بارے میں بھی کچھ عجیب وغریب بیان لکھتے ہیں اور اکثر لوگوں نے لکھا کہ میدان جنگ میں حضورؐ پاک نے حکم دیا کہ خبردار پہل کاری مت کرو یا پہل مت کرو۔ دشمن حملہ کرے گا تو پھر لڑیں گے ورنہ ساکن بیٹھے رہو۔ جس آدمی کو جنگ کی ذرا بھی سوجھ بوجھ ہے وہ جانتا ہے کہ وقتی طور پر جب طاقت کم ہو تو آدمی دفاع میں بیٹھ جاتا ہے کیونکہ وہ حملہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ لیکن ایسی کارروائی کو حضورؐ پاک کے اصول کے طور پر پیش کرنے کا بڑا خراب نتیجہ نکلتا ہے۔ اور مسلمانوں کو فن سپاہ گری اور جنگ سے نفرت ہونا شروع ہو جاتی ہے ان کو خیال ہونے لگتا ہے کہ ہمارے آقا بہت ہی مجبور ہو گئے اور ان کو جنگ کے لئے مجبور کیا گیا وغیرہ شاید ایسے طالب علموں اور "دانشوروں" اور سوجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا:-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے ۔ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

ہر فوجی ذہن اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جنگ، جنگ ہے۔ وہ مدافعانہ بھی ہے اور جارحانہ بھی۔ بلکہ مدافعت کا بڑا اصول یہ ہے کہ وہ وقتی کارروائی ہوتی ہے۔ متحرک طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ دشمن کو اپنے سے دور رکھا جاتا ہے۔ وغیرہ بلکہ یہاں تک کوشش کی جاتی ہے کہ دفاع ایسا ہو کہ ہم جارحانہ کارروائی کیلئے پر تول رہے ہوں۔ یعنی آج کل کے جنگی فلسفہ میں بھی یہی پڑھایا جاتا ہے کہ دفاع جارحانہ قسم کا ہو۔ ان بنیادی غلط فہمیوں کے ازالے کے بعد امید ہے کہ دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ کی جنگوں، جنگی و فوجی حکمت عملیوں، فوجی تدبیرات اور جنگی کارروائیوں کو ہم بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

جنگ کے فوری وجوہات قرون اولیٰ کے دونوں عظیم مورخین یعنی ابن اسحق اور ابن سعد نے جنگ کا فوری سبب یہ لکھا ہے کہ ابو سفیان کے تجارتی قافلہ پر حضورؐ پاک حملہ کرنا چاہتے تھے۔ ابو سفیان کو بروقت خبر مل گئی۔ اس نے اہل مکہ کو خبر دی جو لاؤ لشکر کے ساتھ بدر کی طرف چل پڑے۔ ابو سفیان بچ کر نکل گیا اور اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی واپس آجائیں۔ لیکن ابو جہل نہ مانا اور وہ بدر کی طرف چل پڑا۔ جہاں پر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ یہ عاجز پچھلے باب میں واضح کر چکا ہے، کہ ابو سفیان ملک شام میں تجارت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ مدینہ منورہ سے نکل کر مسلمان قافلوں کی ناکہ بندی کر رہے تھے یا ان پر چھاپے مارتے تھے۔ تو ظاہر ہے شام سے واپسی کے وقت اس نے اپنی حفاظت کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا۔ اس پر تبصرہ آگے آتا ہے۔ کہ ابن سعد کے مطابق حضور پاکؐ کے العشیرہ پر دھاوا، ابو سفیان کی ناکہ بندی کے سلسلے میں تھا۔

کہانی کے تانے بانے مورخین اور راویوں نے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ وہ یہاں تک گئے ہیں کہ ابو سفیان نے ایک جگہ اونٹوں کے لیدنے دیکھے جن میں کھجوروں کے دانے تھے جس کی وجہ سے اس کو یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ والوں کے اونٹ جو کھجوروں کی گٹھلوں پر گزارہ کرتے ہیں وہاں کہیں نزدیک ہیں۔ اور اس کی تاک میں ہیں اس لیے وہ سمندر کے ساحل کی طرف چلا گیا۔ یعنی بحیرہ قلزم کے کنارے والا راستہ اختیار کر گیا، جس کی نشاندہی نقشہ پنجم پر کر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مسلمان ابو سفیان کے قافلہ کی تاک میں تھے، وہ کافی شمال میں گئے ہوں گے کہ ابو سفیان کی گزرگاہ کی بروقت خبر دے سکیں۔ لیکن ابو سفیان راستے سے آنکھ بچا کر نکل گیا۔ اب یہ لیدنے مسلمانوں کے ایک اور گشتی دستے کے اونٹوں کے تھے، جن پر جناب طلحہؓ اور جناب سعیدؓ بن زیدؓ سوار تھے، جس کا ذکر آئے گا کہ ان کو حضور پاکؐ نے ابو سفیان کے قافلہ کی خبر گیری کیلئے بھیجا ہوا تھا۔ ابو سفیان کا جائزہ بھی اس لیے صحیح تھا، اور اس نے لمبا اور متبادل راستہ اختیار کرنے میں اپنی بہتری سمجھی۔ روایت ہے کہ جب ابو سفیان بچ کر نکل گیا، تو اس نے ایک قاصد کو مکہ مکرمہ بھیجا، اور ہر طرف قاصد دوڑائے کہ کفار قریش کو اب مدینہ منورہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ ایسا ایک قاصد کفار قریش کے لشکر کے ساتھ رابطہ کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ لیکن ابو جہل کی ضد کیوجہ سے کفار قریش واپس نہ مڑے۔ گو چند لوگ واپس چلے گئے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابو سفیان کو عسفان کے نزدیک الہدی کے مقام پر خبر ملی کہ کفار قریش مدینہ منورہ کی طرف چلے گئے ہیں سکہتے ہیں یہ خبر سن کر، اس نے افسوس ضرور کیا۔ اور

واقعی وہ جنگ کا اتنا شوقین ہوتا، تو ایسی خبر سن لینے کے بعد، وہ تجارتی قافلہ کے ساتھ چند محافظ چھوڑ دیتا اور خود کفار کے لشکر سے ملنے کی کوشش تو کرتا۔

تبصرہ ایک روایت کے مطابق حضورِ پاکؐ مدینہ منورہ سے آٹھ رمضان کو نکلے اور دوسری کے مطابق بارہ رمضان کو۔ جنگ سترہ رمضان کو ہوئی، اس لئے فوجی ذہن کو کچھ اپنے تجزیئے بھی کرنے پڑیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابو سفیان جو مکہ مکرمہ سے سینکڑوں میل دور تھا اس کو اگر حضورِ پاکؐ کے ارادہ اور حرکت کا پتہ چل گیا، تو پہلے اس کے کہ اہل مکہ، ابو سفیان کی مدد کے لئے پہنچ جاتے حضورِ پاکؐ اور مسلمان ابو سفیان اور اس کے قافلہ کا کھوج کیوں نہ لگا سکے؟ اب ابو سفیان اگر مدینہ منورہ یا بدر کے گردونواح میں خبر پا لیتا کہ مسلمان حملہ کرنے والے ہیں تو اس کے قاصد کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے بہت پہلے حضورِ پاکؐ کے لشکر والے ابو سفیان کا صفایا کر چکے ہوتے۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے بدر تقریباً ستر یا پینسٹھ میل ہے۔ اور اگر ابو سفیان سمندر کے ساحل کے قریب بھی چلا گیا ہوتا تو ابو سفیان کی دوری مدینہ منورہ سے سو میل تھی اور اہل مکہ بدر سے دو سو میل سے بھی زیادہ دور تھے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابو سفیان کو شام جاتے وقت یہ پتہ چل گیا تھا کہ مسلمان گشتی دستے علاقے میں چھائے ہوئے ہیں اور واپسی پر وہ اس کی زیادہ تاک میں ہوں گے۔ اس لئے شام سے واپسی پر اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اہل مکہ کو بہت پہلے ہی خبردار کر دیا ہو کہ وہ فلاں دن بدر کے قریب سے گذرے گا اور اہل مکہ اس کی مدد کو آئیں۔ اس تجزیہ سے ہم پھر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان اور قریش بدر سے پہلے بھی حالت جنگ پر تھے، اور جنگ بدر کوئی حادثہ نہ تھا، جیسا غیروں کی سازش کی وجہ سے ہمارے آجکل کے "امن پسندے" دانشوروں نے سمجھ رکھا ہے مسلمان متحرک دستوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان شام جانے والے راستے کی ایک قسم کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی، جاسوس اور مخبر دونوں طرف کی خبروں کو حاصل کر لیتے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ مسلمان ایک لیڈر کے ماتحت ایک وحدت کے طور پر ایک خاص طریقہ جنگ یا تدبیر اپنائے ہوئے تھے اور قریش ضرورت کے لحاظ سے اور باطل کے اندھے نشے سے مست ہو کر ہی کوئی کارروائی کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضورِ پاکؐ نے مسلمانوں کو مادیت کے چکر سے نکال کر پختہ یقین والے بنا دیا تھا:۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو (اقبالؒ)

اہل مکہ کا بدر کی طرف کوچ مورخین نے اہل مکہ کے بدر کی طرف کوچ کو بہت مفصل طور پر بیان کیا ہے اور ابن سعد کا خیال ہے کہ ابو سفیان نے مکہ مکرمہ میں جو قاصد خبر کے لئے بھیجا اور اس کا نام ضمضم تھا وہ شام ہی سے بھیج دیا کیونکہ ابو سفیان کو مسلمانوں کے مدینہ منورہ سے اکثر باہر نکلنے کی خبریں بعض مخبروں کے ذریعہ سے ملک شام میں بھی پہنچ رہی تھیں۔ دراصل حضورِ پاکؐ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت سعیدؓ بن زیدؓ کو ابو سفیان کے قافلہ کے بارے میں خبر حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر کافی عرصے پہلے نکالا ہوا تھا۔ تو اس سلسلہ میں بات صحیح یہی ہے کہ قاصد اس سے پہلے بھیج دیا گیا کہ مسلمان اور قریش حالت جنگ میں تھے اور نہ اس خبر پر کہ حضورِ پاکؐ مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہوئے ہیں کہ حضورِ پاکؐ کا لشکر تو آٹھ یا بارہ رمضان کو

نقشہ پنجم۔ (بغیر سکیل کے)
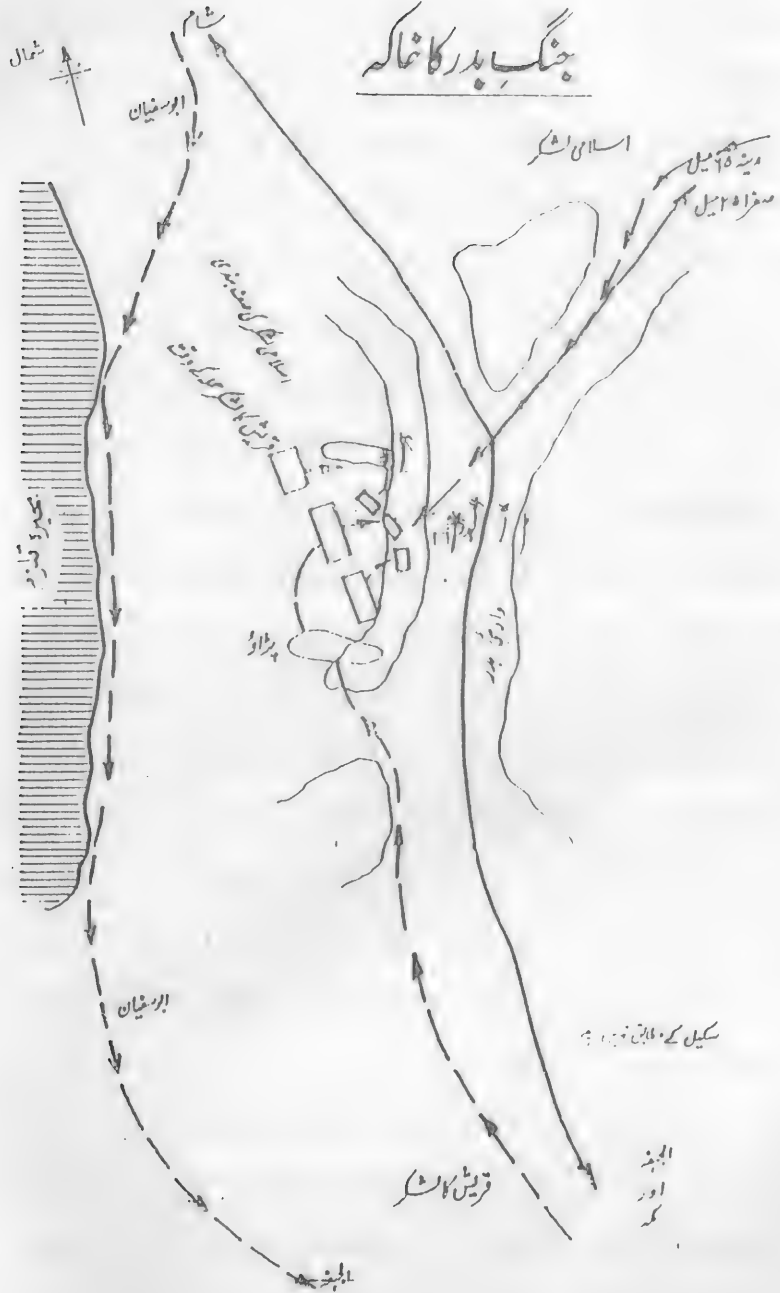
مدینہ منورہ سے نکلا۔ اور ہفتہ دس دن میں اتنا ردعمل نہیں ہو سکتا کہ ابوسفیان کا قاصد مدینہ منورہ کے شمال سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا۔ اور پھر مکہ مکرمہ سے قریش کا لشکر بدر کے مقام پر بھی پہنچ جاتا۔ اور سترہ رمضان کو لڑائی بھی ہو جاتی۔

روایت ہے کہ جب یہ قاصد مکہ مکرمہ پہنچا تو اس نے بڑا ڈرامہ کیا۔ اپنی قمیص پھاڑ دی۔ اونٹ کا کان کاٹا وغیرہ۔ یعنی اس نے وہ تمام طریقے اختیار کیے جیسے پرانے زمانے میں ایک قاصد بری خبر لاتا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ اور مکہ والے غصے میں اس طرح اکٹھے ہوئے کہ جھنڈے۔ ڈھول وغیرہ کے ساتھ کوئی ایک ہزار کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ لوگ تھے جن میں دو سو گھوڑے تھے اور انہوں نے تیزی کے ساتھ بدر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ قریش کا لشکر جب الجحفہ کے قریب پہنچا تو ابوسفیان کی طرف سے خبر مل گئی کہ وہ بچ کر نکل گیا ہے اور اب لشکر آگے مت جائے۔ لیکن ابوجہل نے کہا کہ وہ بدر تک ضرور جائیں گے۔ تین دن ادھر قیام کریں گے۔ شراب پیئیں گے جو جانور ساتھ لائے ہیں ان کو ذبح کر کے گوشت کھائیں گے۔ قبیلہ عدی کے الاخناس نے ابوجہل کو سمجھایا کہ آگے جانا فضول ہے۔ لیکن وہ نہ مانا تو اس کے بعد تمام قبیلہ عدی، تمام بنو زہرہ اور حضرت علیؑ کے بھائی طالب بھی واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ عدی حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ اور زہرہ جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا۔ جناب علیؑ کے بھائی طالب کی اس کے بعد خبر نہ ملی کہ وہ کہاں گے۔ وہ لاپتہ ہو گئے۔ یا کسی دشمن نے ان کو ختم کر دیا۔

مسلمانوں کی مدینہ منورہ سے روانگی حضورؐ پاک کو بھی اپنے گشتی دستوں اور مخبروں کے ذریعے گھڑی گھڑی کی خبر مل رہی تھی۔ اور ان حالات میں چھوٹے گشتی دستوں کی بجائے اب تقریباً تین سو مجاہدوں کے ساتھ بارہ رمضان کو آپؐ مدینہ منورہ سے صفرا کی طرف چل پڑے۔ تعداد کو تقریباً تین سو لکھنے میں مقصد یہ ہے کہ کچھ وجوہات سے صحیح تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن اسحق نے سب شرکا کے نام لکھے ہیں اور یہ تعداد تین سو چودہ بنتی ہے جن میں تراسی مہاجرین، اکاسٹھ بنو اوس اور ایک سو ستر بنو خزرج کے مجاہدین شامل ہیں۔ ابن اسحق نے ان میں حضرت عثمانؓ، اور دونوں ابوسفیان کے قافلہ کو تلاش کرنے والے جناب طلحہؓ اور جناب سعیدؓ کے نام بھی لکھے ہیں۔ کہ ان سب کو مال غنیمت ملا۔ حضرت عثمانؓ نے چونکہ بدنی طور پر شرکت نہ کی، تو عام تعداد تین سو تیرہ مشہور ہو گئی، کچھ مورخین نے تین سو پندرہ بتائی۔ اس سلسلہ میں دوسرے باب میں رسولوں کی تعداد اور حضرت طالوت کے ساتھیوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور یہ عاجز اس ایک آدمی کے فرق کو اختلاف کہنا بھی پسند نہ کرے گا۔ کہ آجکل روزمرہ کے واقعات میں ایسے فرق پڑتے رہتے ہیں۔

حضورؐ پاک جنگ کے ارادوں کو خفیہ رکھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہے تھے۔ وہ حضورؐ پاک کے تحت سال کے شروع میں صفر، ربیع الاول اور جمادی الثانی یعنی تین موقعوں پر اس طرح نکلے تھے اور چند دن تربیتی مشقیں کر کے واپس آ گئے تھے۔ اور یہ ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ البتہ اس دفعہ مجاہدین نے جب مدینہ منورہ سے کوچ کیا تو حضورؐ پاک نے یہ تو نہ بتایا کہ کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں ہاں یہ ضرور فرمایا "کہ مسلمانو! اللہ سے جو تم نے وعدہ کیا تھا اس کے امتحان کا وقت آ گیا ہے" اسلامی فلسفہ حیات میں وعدہ کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ ہر عمل کرنے سے پہلے ہم اس کی

نیت باندھ کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہماری جان اور مال سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور جنگ چونکہ اللہ اور حق کے لئے لڑی جاتی ہے اس لئے وعدہ کا وہ امتحان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاد مومن پر فرض ہے ۔ اور مومن کے مقصد حیات کا امتحان جنگ میں ہوتا ہے مومن کو جب جنگ کا حکم مل جاتا ہے تو وہ یہ نہیں پوچھتا کہ کتنے اور کیسے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے باب میں عقد مواخذہ اور میثاق مدینہ کے تحت وعدہ والے پہلو کو واضح کر دیا تھا ۔

نیابت اور علمبرداری ابن اسحٰق اور ابن ہشام کے مطابق آپ آٹھ رمضان کو نکلے اور مدینہ منورہ میں ابن ام مکتومؓ (آپ نابینا تھے اور قرآن پاک کے چند آیات آپؐ کی شان میں اتریں) کو اپنا نائب چھوڑا لیکن بعد میں الروحہ سے جناب ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر کو بھیج دیا کہ مدینہ منورہ کی کمانڈ سنبھال لو ۔ شاید مشکل وقت بھی آسکتا تھا ۔ روایت ہے کہ جناب رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھی مدینہ منورہ میں تھے لیکن شاید ان کو کوئی ذمہ داری نہ سونپی ہو ۔ مدینہ منورہ سے چلتے وقت لشکر کے علمبردار جناب مصعبؓ بن عمیر تھے جنہوں نے سفید جھنڈا اٹھایا ہوا تھا ۔ لیکن دو اور علمبردار حضورؐ پاک کے آگے آگے چل رہے تھے ۔ وہ حضرت علیؓ اور حضرت سعدؓ بن معاذ تھے جن کے جھنڈے سیاہ تھے اور جو جھنڈا حضرت علیؓ نے اٹھایا ہوا تھا ۔ اس کا نام العقاب تھا ۔ دراصل حضرت علیؓ کا دستہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کا دستہ ایک قسم کی ہراول (Advance Gaurd) کا کام باری باری کرتے تھے اور لشکر کے متبادل پیشاول (Rear Gaurd) کا کام حضرت قیسؓ کا دستہ کر رہا تھا ۔ لشکر میں کل ستر اونٹ تھے اور صحابہؓ دو دو یا تین تین ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے ۔

موجودہ زمانے سے موازنہ مسلمان ، حضور پاکؐ کے تحت بالکل فوجی طریقے سے ایڈوانس کر رہے تھے جس کو ہم آجکل (Advance to Contact) دشمن کی طرف پیش قدمی کہتے ہیں اور باؤنڈ یعنی پڑاؤ بھی مقرر کئے گئے ۔ جن میں عقیق ، ذوالحلفہ ، اور ذوالجیاس پہلے مرحلے کے لئے یا منزل کے لئے تھے ۔ دوسری منزل کے لیے طربان ، ملال اور غمیس الحمام تھے ۔ وہاں سے سخرتیہ الیمام پھر سیالہ اور پھر الروحہ کی ندی سے ہوتے ہوئے شنوکا پہنچے ۔ حضورؐ پاک نے بیچ بیچ کے کوئیں پر بھی تھوڑا سا پڑاؤ کیا اور وہاں سے منصرف گئے ۔ پھر روحان کی وادی اور درہ صفرا سے گزر کر صفرا کے نزدیک ہی ایک جگہ ذفران پر رک گئے ۔ وہاں پر مخبروں سے جو اطلاعات ملیں ان سے پتہ چلا کہ ابو سفیان آنکھ بچا کر نکل چکا ہے ۔ لیکن اہل مکہ کا ایک بڑا لشکر بدر کے نزدیک پہنچ گیا ہے یا پہنچنے والا ہے ۔ حضورؐ پاک نے مدینہ منورہ سے چلنے سے پہلے حضرت طلحہؓ اور حضرت سعیدؓ کو ابو سفیان کے قافلہ کی خبر لینے بھیجا تھا ۔ لیکن ان دونوں کا ملاپ اسلامی لشکر کے ساتھ جنگ کے بعد ہوا ۔ اس کی وجہ یہ تھی ۔ کہ دونوں عظیم صحابہ نے کافی شمال میں جا کر قافلہ کی خبر حاصل کر کے ، تیز رفتاری سے حضور پاکؐ کو خبر دینا تھی کہ قافلہ کے خلاف بروقت کارروائی کی جاتی ۔ جب کوئی خبر نہ ملی تو حضورؐ پاک جلد کارروائی کیلئے تجارتی قافلہ کے راستہ کے نزدیکی حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ اس لئے مدینہ منورہ سے نکل پڑے ۔

جنگ ناگزیر تھی بہرحال دنیا کے عظیم سالارؐ اب حالات کا تجزیہ کر چکے تھے ۔ ان کو نظر آ رہا تھا کہ جنگ ناگزیر ہے ۔ اور وہ

ذفران سے ہی واپس چلے جاتے تو قریش کا لشکر جو بدر پہنچ چکا تھا وہ اس نشے میں تھا کہ وہ ضرور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوتا، ان حالات میں حضورؐ پاک کے لئے بدر کے مقام تک جانا ضروری تھا اور اگر لڑائی کے بغیر ہی قریش کا لشکر مکہ مکرمہ چلا جاتا تو حضورؐ پاک خود بخود ان پر حملہ نہ کرتے۔ چنانچہ آپؐ نے تمام حالات پر سوچ بچار کر کے مشاورت طلب کی اور اہل لشکر پر حقیقت حال واضح کی۔ سب سے پہلے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ اٹھے اور عرض کی "کہ حضورؐ حکم دیں، وہ ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔" اس کے بعد حضرت مقدادؓ بن عمرو اٹھے اور ان کے الفاظ میں کچھ ایسی کشش ہے کہ امام بخاری جیسے خالص سولین فقیہہ اور غیر فوجی ذہن رکھنے والے عالم نے بھی جناب مقدادؓ بن عمرو کی بجائے ان کو بن الاسود کہتے ہوئے اپنی حدیثوں میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت سے ان الفاظ کو لکھا ہے۔ مختصراً وہ الفاظ یہ ہیں۔

"یارسول اللہؐ ہم وہ نہیں کریں گے جو حضرت موسیٰؑ کی قوم نے کیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کو کہا تھا کہ آپ اور آپ کا اللہ دشمن سے لڑیں۔ اے اللہ کے حبیبؐ ہم آپؐ کے آگے لڑیں گے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے اور اگر برق الغمند میں کودنا پڑے تو ادھر بھی کود جائیں گے اور اللہ کی قسم اس وقت تک لڑیں گے جب تک اللہ اور اس کا رسولؐ خوش نہیں ہو جاتے" حضرت مقدادؓ کی باتوں سے اللہ کے حبیب کا چہرہ روشن ہو گیا اور ان کے لئے دعا فرمائی اور پھر انصار مدینہ کی طرف سے جناب سعدؓ بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کی۔ "یارسول اللہ مقدادؓ نے ہماری ترجمانی بھی کر دی۔ آپؐ نے ہمیں حق کے راستے پر لگایا۔ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ ہم آپؐ کے ساتھ آپؐ کے حکم کی تعمیل کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اللہ کی قسم ہم وہاں جائیں گے جہاں آپؐ حکم دیں گے آپ اگر سمندر یا دریاؤں میں کود جانے کا حکم دیں تو آپؐ کو ہمارے بیچ ایک بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو ذرا بھر جھجکے......."

قارئینؐ اس قسم کی باتیں لکھتے یا پڑھتے ہوئے ہر مسلمان کے دل سے اللہ اکبر کی صدا گونج اٹھتی ہے اور ضروری ہے کہ یہ تقریریں سن کر وہاں کی فضا بھی نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی ہوگی۔ بہرحال ہمارے مورخین اتنا ضرور لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ سن کر سرکار دو عالمؐ کا چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا۔ آپؐ جو اسلامی نظریہ حیات کی تعلیم دے رہے تھے۔ آپؐ کے غلام اس کا امتحان دینے کے لئے صف باندھے تیار کھڑے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے صرف یہ فرمایا" ۔ "مسلمانو! آگے بڑھو۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کفار کے دو گروہوں یعنی ابو سفیان کے قافلہ اور مکہ والوں کے لشکر میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں کے قدموں میں ہوگا۔ اللہ کی مدد سے ان میں سے ایک کو میں سرنگوں دیکھ رہا ہوں" اب ہمارے کئی دانشوروں نے مشاورت کو جمہوریت بنا دیا۔ جمہوریت تو کفار میں تھی کہ کچھ لوگ لشکر چھوڑ کر چلے گئے اور آگے بھی جمہوریت کے رنگ دیکھنا اسلام میں مشاورت اللہ کے امر میں ہوتی ہے اور قرآن میں لفظ "شاورھم فی الامر" ہے مسلمانوں کو اللہ کے احکام کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ وعدے یاد دلائے جاتے ہیں اور یہ فیصلہ اولی الامر کرتا ہے کہ اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا طریق کار کیا ہے تو مشورہ طریق کار کے بارے میں ہوتا ہے۔ نہ کہ اصول کے بارے میں۔ اور اوپر جو مشاورت بیان کی گئی ہے یہ بیانات کوئی زبانی دعوے نہیں ہیں یہ اسلام کے فلسفہ جنگ کے بیانات ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اسلام کے عظیم عالم اپنا تمام علم حضرت مقدادؓ کے

اس ایک فقرے پر قربان کرنے کو تیار تھے۔ وہ عالم با عمل سپاہی تھے۔ لیکن دو سو سالوں کی غلامی نے ہمارے اسلام کو زنگ آلودہ کر دیا ہے۔ اور آج کل ہم آدھے تیتر اور آدھے بٹیر ہیں۔ کہ کبھی کچھ صحیح کام کر لیتے ہیں۔ کبھی پھر وہموں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

گاہ میری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود ۔ گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں (اقبالؒ)

جنگ کے فلسفے حضرت موسیٰؑ کی قوم کی جو مثال حضرت مقدادؓ نے دی وہ بھی ایک فلسفہ جنگ کی طرف اشارہ ہے اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے خلیفہ اور پیغمبر کی حیثیت سے ایک پیشہ ور فوج تیار کریں اور وہی لوگ جنگ لڑیں۔ یہ فلسفہ جنگ اہل مغرب میں اب بھی رائج ہے کہ صرف پیشہ ور فوج جنگ لڑتی ہے اور باقی لوگ سویلین کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ فلسفہ وہاں بھی فیل ہو رہا ہے۔ اور اب وہ ضروری سروس یا مجبوری یعنی جبری بھرتی (CONSCRIPTION) پر آ گئے ہیں۔ اشتراکی ملکوں کی عوامی فوج اسلام کی کُلی جنگ کی ایک بھونڈی نقل ہے کہ اس کی بنیاد مادیت اور ایک دوسرے کے لئے لڑنے پر ہوتی ہے۔ اور اب افغان مجاہدین نے اس فلسفہ کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ اسلام میں پوری قوم اللہ کی فوج ہوتی ہے اور یہ ہمارے ایمان اور عقیدہ کے مطابق ہے کہ ہم ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں۔ اسلامی فلسفہ جنگ کے لحاظ سے پوری قوم کو فن سپاہ گری کی شد بد ہونا چاہیئے اور زبانی طور پر اللہ کی فوج نہیں کہلایا جا سکتا بلکہ عملی طور پر پوری قوم کو رابطوں کے ساتھ اور ہر سطح پر امیروں کے تحت اس طرح سے شیر و شکر کیا جاتا ہے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار بن جاتی ہے۔ پھر فوجی حکمت عملی ایسی بنائی جاتی ہے کہ ضرورت کے وقت ساری قوم جنگ میں شریک ہو سکے اور فوجی تدبیرات اس حکمت عملی کے تحت بنائی جاتی ہیں کہ پیشہ ور فوج کیا کام کرے گی اور باقی آبادی کے لوگ کیا کیا کریں گے؟ چونکہ اس سب طرز عمل کی بنیاد اسلام کے نظریہ حیات پر رکھی جاتی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان سپاہی، دشمن کے دس آدمیوں پر غالب آتا ہے۔ سورہ انفال جو بدر کی جنگ کی کہانی ہے وہاں یہ باتیں بالکل واضح کر دی گئی ہیں۔ دراصل قرآن پاک از خود فوجی زبان میں ہے اور ایک فوجی ذہن اس کو جلد سمجھ جاتا ہے کہ چونکہ قرآن پاک میں زیادہ زور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے اور جنگ کے فلسفہ کے دائمی اصول قرآن پاک میں موجود ہیں۔ صرف ہم نے اس طرف کبھی دھیان نہیں دیا۔ بد قسمتی یہ ہے کہ پچھلے چھیالیس سالوں سے ہمارا دفاعی فلسفہ بھی انگریزوں یا اہل مغرب کے دفاعی فلسفوں کی نقل ہے۔ اور ہم صرف زبانی کلامی طور پر جذبہ جہاد کا ذکر کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں۔ اس عاجز نے اسی وجہ سے اس کتاب کے پچیسویں باب میں اسلام کا فلسفہ دفاع پیش کیا ہے۔ جس کو جنرل ڈار صاحب نے اس سلسلہ کی پہلی کوشش کا نام دیا ہے۔ اس فلسفہ میں جنگ کے تمام اصول قرآن پاک سے اخذ کئے گئے ہیں۔

بدر کی طرف پیش قدمی چنانچہ حضورؐ پاک نے جب بھانپ لیا، کہ جنگ ناگزیر ہے تو بدر کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا، اس کی کچھ فوجی وجوہات بھی تھیں۔ متحرک جنگ میں ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن پر گھات لگاؤ۔ اچانک حملہ کرو اور پھر تتر بتر ہو جاؤ۔ یہاں حالات مختلف تھے۔ حضورؐ پاک کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور قریش کے لشکر کے پاس دو سو کے قریب

گھوڑے بتائے جاتے ہیں ۔ اس لیے قریش پر گھات لگانا یا چھاپہ مارنا بڑی خطرناک حرکت تھی اور مدینہ منورہ واپس نہ جانے کی بات زیر بحث آ چکی ہے تو اب صرف ایک طریقہ رہ گیا تھا کہ اپنی چنی ہوئی جگہ پر کوئی دفاعی پوزیشن اختیار کر لیا جائے ، جو کچھ وقت کے لئے ہو ۔ یہ " کچھ وقت " والی بات فوجی لحاظ سے بڑی اہم ہوتی ہے اور یہاں ظاہر تھا کہ مکہ مکرمہ سے اتنا دور قریش زیادہ دن نہیں ٹھہر سکیں گے ۔ روزانہ دس اونٹ ذبح ہوتے تھے تو گزارہ ہو رہا تھا ۔ اس کے علاوہ حضورؐ پاک کا یہ دفاع کسی اہم جگہ ہونا چاہیے تھا اور بدر کا مقام اہم تھا ۔ وہاں پانی تھا اور وہ مواصلاتی مرکز بھی تھا ۔ یعنی (JUNCTION POINT) ۔ حضورؐ پاک ذفران سے اسامیر گئے اور وہاں سے الذبہ کی آبادی سے گزرے کہ الحنان آپ کے دائیں ہاتھ پر رہ گیا ۔ یہ ایک ریت کا بہت بڑا ٹیلہ تھا اور اس طرح بدر کے گردو نواح میں پہنچ گئے اور ابن ہشام کے مطابق ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر بدر کے تمام علاقے کی دیکھ بھال کی زمین کا مطالعہ کیا ۔ ابھی تک باقی لشکر جمگاہ یا CONCENTRATION AREA میں تھا ۔ آپؐ ایک جگہ کھڑے زمین کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انصار صحابی جناب حبابؓ بن المنذر وہاں آ گئے اور عرض کی " یا رسول اللہؐ صف بندی کے لئے وہ جگہ بڑی اچھی تھی " آپؐ مسکرا دیئے اور گو ظاہر ہے کہ آپؐ کچھ اسی طرف جانے کا فیصلہ فرما چکے تھے لیکن اپنے غلاموں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے کہ انہوں نے بعد میں دنیا فتح کرنا تھی ۔ چنانچہ آپؐ نے جناب حبابؓ بن منذر کے زمین کے مطالعہ والے پہلو پر داد دی اور اس علاقے کو پڑاؤ یا جمگاہ کے طور پر اپنایا ۔ اب شام پڑ رہی تھی ۔ آپؐ نے حضرت علیؓ ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا ۔ وہ قریش کے دو آدمی پکڑ لائے ۔ جن سے حضورؐ پاک کو دشمن کے بارے میں پوری پوری خبر مل گئی ۔ تعداد کے بارے میں قریش سقے کچھ صحیح اندازہ نہیں بتا سکتے تھے ، لیکن جب حضورؐ پاک نے پوچھا کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو ؟ تو انہوں نے جواب دیا ۔ " دس " تو آپؐ نے اندازہ لگا لیا کہ دشمن کی تعداد ایک ہزار کے قریب ضرور ہو گی ۔

میدان جنگ کا چناؤ اور حضورؐ پاک کی تجویز اس سلسلہ میں بدر کے میدان جنگ کے طور پر چناؤ میں کچھ اور فوجی پہلو بھی تھے جو حضورؐ پاک نے مدنظر رکھے ۔ جیسا کہ نقشہ پنجم سے ظاہر ہے ۔ میدان جنگ پہاڑی کی ڈھلان میں تھا ۔ اس کے دونوں بازو دائیں اور بائیں سے آپؐ کے لشکر کی حفاظت کر رہے تھے ۔ اس پوزیشن پر حملہ صرف سامنے سے ہو سکتا تھا ۔ جہاں دشمن کو ریت سے گزرنا پڑتا تھا ۔ بلکہ یہ عام خیال تھا کہ قریش نے اگر حملہ کیا تو وہ دوپہر سے پہلے ہی ہو گا اور سورج بھی اس وقت ان کی آنکھوں میں پڑے گا ۔ آپؐ نے اپنا ہیڈ کوارٹر ایک اونچی جگہ پر رکھا ، جہاں سے جنگ کی نبض شناسی کے بعد احکام دیئے جا سکیں اور انتظام و انصرام یعنی Command and Control آسان ہو ۔ آپؐ نے تلوار بردار اور نیزہ بردار مجاہدین درمیان میں رکھے اور دونوں بازوؤں پر تیر انداز یعنی دور مار ہتھیار جو آجکل بھی بازوؤں پر ہوتے ہیں ۔ صف بندی آپؐ نے صبح کے وقت فرمائی اور حکم دیا کہ " قوموا الی الجنۃ " یعنی جنت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ ۔ اس حکم کا تعلق ، صرف تصوراتی باتوں سے نہیں ہے ۔ یہ اسلام کا فلسفہ حیات ہے ۔ اسلام کا کارواں رواں دواں ہے اور اس صراط مستقیم پر ایک دروازہ ہے جس کو ہم موت کہتے ہیں ۔ مومن کے سامنے جب وہ دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ جنت کی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے ۔ جنگ میں چونکہ موت کا

دروازہ زیادہ وقت کھلا رہتا ہے اس لئے کئی مجاہدوں، خاص کر شہدا کی شہادت سے کافی پہلے جنت نظر آنے لگتی ہے۔ شہادت کے اس عملی پہلو کو سمجھنے کے لئے کسی شہید کے ساتھ اس کی شہادت سے چند گھنٹے یا چند دن پہلے رفاقت یہ عقدہ کھول دیتی ہے۔ چنانچہ موت کے اسلامی نقطۂ نظر کو اسی وجہ سے پہلے باب میں تفصیل سے بیان کر دیا تھا۔ اور علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

حضورؐ پاک نے صف بندی سے پہلے یہ حکم بھی دیا تھا کہ جب تک دشمن کی آنکھ میں سفیدی اور سیاہی میں فرق نہ کر لو تیر نہ چلانا۔ بلکہ دستے کے کمانڈروں کو ہدف اور ذمہ داری کے علاقے تک سمجھائے۔ اس ایک حکم میں فائر کنٹرول احکام کے کئی پہلو پنہاں ہیں۔ یہ تیاری کا آرڈر بھی ہے اور فائر کنٹرول بھی اور ذمہ داری اور حدیں بھی مقرر ہو گئیں۔ آپؐ نے کچھ دستے ریزرو میں بھی رکھے۔ جیسا کہ نقشے سے ظاہر ہے یہ دستے تلوار بردار اور نیزہ بردار دستوں کے پیچھے تھے اور یہ جھپٹنے والے مجاہد تھے۔ جن کو بوقت ضرورت کہیں بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ کچھ روایتیں ہیں کہ حضرت علیؓ اس دستے کے کمانڈر بھی تھے۔ ان باتوں کے علاوہ حضور پاکؐ کے ہیڈ کوارٹر پر ایک چھپر بھی بنایا گیا تھا اور بندوبستی کاروائی کے طور پر پانی سے تمام مشکیں بھر لی گئیں درمیان میں ایک بڑا گڑھا کھود دیا گیا۔ جس کو کنوئیں کے پانی سے بھر دیا گیا تا کہ پانی پینے میں آسانی ہو اور آخری حکم یہ تھا کہ دشمن پر وار تب کرنا جب وہ زد میں آ جائے یعنی اس کے حملے کے بھی کافی بعد دشمن زد میں آ جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ دفاع کا یہ عام اصول ہے کہ ایسا کیا جاتا ہے لیکن ہمارے اس زمانے کے دانشوروں کے مضامین پڑھ لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ پاک کی امن پسندی کی یہ حالت تھی کہ میدان جنگ میں بھی حکم دیا کہ جب تک دشمن حملہ نہ کرے خبردار کہ دشمن کے خلاف کچھ کرو۔ اب ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ سے ستر میل دور آپؐ میدان جنگ میں امن پسندی کا مظاہرہ کرنے تو نہیں آئے تھے۔ آپؐ تو حالت جنگ میں تھے جو جاری و ساری تھی ہمارے یہ دانشور اس سازش کا شکار ہیں کہ مسلمانوں کو اتنا "امن پسند" دکھاؤ کہ وہ ضرب و حرب سے نفرت کریں۔ ہر جگہ امن پسندی کا نعرہ لگائیں۔ ان کو چھوڑ دو کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے تو یہ لوگ خوامخواہ اپنی امن پسندی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیں گے۔ ہمارے برصغیر میں یہ سازش بہت گہری ہے۔ انگریزوں نے جھوٹے نبی پیدا کئے۔ مولوی چراغ علی قسم کے لوگوں سے جہاد کو بے جان کروایا۔ ہندوؤں کو ساتھ ملا کر ہمیں کہا کہ ہم بڑے ظالم ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ اب اسلام نے تو پھیلنا تھا اور پھیل گیا اور اس میں تلوار والوں کا حصہ ضرور ہے۔ لیکن ہمارے دشمنوں کے مقاصد یہ تھے کہ ہم امن پسندی اور تلوار سے نفرت کے نعرے لگائیں اور ہم یہ نعرے لگا رہے ہیں اور وہ خود خوب ہتھیار اکٹھے کریں۔ بلکہ اس فلسفہ کا بھی پرچار کریں کہ تہذیب یافتہ دنیا کو تہذیب پھیلانے کے لئے جو جنگ کرنا پڑتی ہے وہ ایک خاص ضرورت کے تحت کی جاتی ہے لیکن ہم مسلمان راہ حق کے لئے تلوار استعمال نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے یہ فرنگی تہذیب، باطل کی گمراہ کن تہذیب ہے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم بے چارے اس سازش کو جب سمجھے تو تڑپ اٹھے اور فرما گئے

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے — مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

کفار کی تجویز اور میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کفار کا سپہ سالار عتبہ تھا۔ لیکن ابو جہل یا تو سیاسی پیشوا تھا یا دانائی کا باپ یعنی قریش کا ابو الحکم تھا۔ اس لیے ہر بات اس کی مانی جاتی تھی اور مکمل جمہوریت تھی۔ ہر قبیلہ آزاد تھا۔ اور قبیلہ کا ہر فرد آزاد تھا۔ صرف کسی حد تک قبائلی روایات کی پابندی کرنا پڑتی تھی۔ ابو جہل (عمرو بن ہشام) کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ سارا یونانی فلسفہ پڑھا ہوا تھا۔ علم الکلام میں ماہر تھا۔ حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ عقل اور دلیل کا باپ سمجھا جاتا تھا۔ جہالت کا باپ اس لئے کہلایا کہ اللہ اور رسولؐ کا دشمن تھا۔ تو یہ نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اسلام میں علم اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ اسلامی کردار ہو اور اسلامی کردار کی بنیاد ایمان، عقیدہ اور عمل ہیں۔ لیکن کفار کے پیمانے مختلف تھے اور ہمیشہ بودے ہی رہیں گے۔

دراصل قریش کے لشکر میں کافی لوگ تھے جو لڑنا نہیں چاہتے تھے اور عتبہ خود بھی ان میں شامل تھا وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا اور حضور پاکؐ نے اس کو دور سے دیکھ کر ہی فرما دیا کہ اگر قریش نے "سرخ اونٹ والے" کی بات سنی تو لڑائی نہ ہو گی۔ عتبہ کا ذکر ساتویں باب میں بھی ہو چکا ہے کہ سنجیدہ آدمی تھا۔ اور بہت زیادہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ نہ کیا۔ خیر بات تو تقدیر کی ہوتی ہے لیکن اس عاجز نے بہت تجسس سے اس پہلو کی بھی تحقیق کی ہے کہ عتبہ کو کیا چیز لے ڈوبی۔ آخر مولانا جامیؒ کی کتاب میں حضرت ابو سفیانؓ کی روایت سے ایک کہانی مل گئی جس میں یہ تو نہ لکھا تھا کہ عتبہ اس وجہ سے مار کھا گیا۔ لیکن یہ لکھا تھا کہ وہ بھی نبوت کا "امیدوار" ضرور تھا۔ کہ یمن کے امیہ بن ابی الصلت کو پہلے اپنے بارے میں شک رہا کہ شاید وہ پیغمبر بنے گا۔ پھر جب معلوم ہوا کہ ایسا پیغمبر قریش کے قبیلہ عبد مناف میں سے ہو گا تو اس کی نظر عتبہ بن ربیعہ پر تھی۔ امیہ بن ابی صلت کے بارے میں روایت ہے کہ بعد میں وہ خود تو حضور پاکؐ پر ایمان لے آیا تھا۔ (واللہ اعلم) اللہ تعالےٰ سے ڈرنا چاہیے۔

عتبہ اور موقع تقدیر قریش تیاری مکمل کر رہے تھے انہوں نے سب سے پہلے امیہ بن وہب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی نفری کا اندازہ لگائے اور اس کا اندازہ صحیح تھا کہ مسلمانوں کی نفری تین سو کے قریب ہے۔ اس سے ابو جہل وغیرہ بہت خوش ہوئے کہ اب مسلمانوں کو تہس نہس کر دیں گے۔ لشکر میں اچھے لوگ بھی تھے ان میں حکیم بن حزن بھی تھا جو بعد میں اسلام لے آیا تھا اس نے عتبہ کو جا کر سمجھایا کہ لڑائی فضول ہے۔ جو الحضرمی قبیلہ اپنے ایک مقتول کا قصاص مانگتا ہے اور جس کو عبد اللہؓ بن جحشؓ کے دستہ نے قتل کیا تھا وہ معاملہ اس پر چھوڑا جائے اور آگے جھگڑا نہ بڑھایا جائے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ اس حادثاتی قتل کا ذکر نخلہ کی مہم کے دوران پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ بہر حال عتبہ نے کہا کہ وہ جنگ کے حق میں نہیں۔ ہمیں حضورؐ پاک کا معاملہ باقی عربوں پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر مسلمان فتح یاب ہوتے ہیں تو ہمیں فائدہ ہے اور ثابت ہو جائے گا کہ حضورؐ پاک پیغمبر برحق ہیں۔ اگر شکست کھاتے ہیں تو ان کی قسمت۔ ہم تو خون خرابے سے بچ جائیں گے۔ حکیم کو یہ بات بڑی پسند آئی اور اس نے سب لشکر کے سامنے پیش کی۔ غفاری قبیلہ کے کچھ لوگ بھی جنگ میں شمولیت کے لئے تیار نہ تھے اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ صرف بندوبست میں قریش کو مدد دینے کے پابند ہیں۔ اب حالات ٹھیک ہو جاتے لیکن ابو جہل سیخ پا ہو گیا اس نے عتبہ پر بہتان لگایا کہ اس کا لڑکا ابو حذیفہؓ مسلمان ہے اور وہ اس کو بچانا چاہتا ہے اور پھر عامر بن الحضرمی کو بھڑکا دیا کہ وہ اپنے بھائی کا قصاص مانگے اور وہ لشکر کے آگے نکل کر "قصاص، قصاص" پکارنے لگ گیا۔ ان حالات میں عتبہ نے پڑاؤ سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ یعنی عتبہ

موقع تقدیر کا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور اہل حق سے جنگ کر کے خوار ہوا۔

طرفین کا موازنہ اب جنگ شروع ہونے والی تھی۔ تو بہتر ہو گا کہ طرفین کی تعداد اور سب باتوں کا موازنہ کیا جائے۔

مسلمان	کفار
۱۔ مسلمانوں کی نفری ابن اسحٰق کے مطابق ۳۱۴ تھی جس کی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔ کچھ مورخین نے ۳۱۵ بتائی ابن سعد کے مطابق ۳۱۳ تھی جن میں ۷۴ مہاجرین اور ۲۳۱ انصار تھے، کل = (۳۰۵)۔ علاوہ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت سعیدؓ، (۳)، جن کو مال غنیمت ملا۔ اور جناب ابو لبابہؓ سمیت (۵) انصار جن کو مال غنیمت ملا، کل (۳۱۳)	۱۔ کفار کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ ایک اندازہ ہے ویسے بنو زہرہ اور بنو عدی کے چلے جانے کے بعد کفار کی تعداد ضرور کم ہو گئی ہو گی۔ ابن سعد کے مطابق کفار کی تعداد نو سو سے لے کر نو سو پچاس تھی۔ اور یہ صحیح اندازہ ہے
۲۔ مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔	۲۔ کفار کے پاس دو سو گھوڑے اور سینکڑوں اونٹ تھے۔ ابن سعد کہتا ہے کہ گھوڑے بھی یک صد تھے۔
۳۔ بنو ہاشم سے حضور پاکؐ، جناب حمزہؓ اور جناب علیؓ کی شرکت	۳۔ بنو ہاشم سے حضور پاکؐ کے چچا عباسؓ، اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل کی شرکت
۴۔ بنو المطلب سے جناب عبیدہؓ کی شرکت۔ آپ کا ذکر پچھلے باب میں رابعہ کی مہم میں حضور پاکؐ کے دوسرے سپہ سالار کے طور پر ہو چکا ہے۔ ہمارے جلد باز محققوں نے آپ کو حضور پاکؐ کے چچا حارث کا بیٹا بنا دیا۔ اور راقم بھی اپنی پہلی تصنیف "جلال مصطفےٰ" میں یہی لکھ گیا۔ آپ کے والد حارث بن المطلب ہیں۔ نہ کہ حارث بن عبدالمطلب۔	۴۔ بنو المطلب سے۔ جناب عبیدہؓ کے بھائی نوفل بن حارث بن المطلب کی شرکت
۵۔ بنو عبد شمس سے جناب ابو خذیفہؓ بن عتبہ اور جناب عثمانؓ بن عفان، اور بنو عبد شمس کے حلیف قبیلہ بنو خزیمہ سے جناب عبداللہؓ بن جحش (حضورؐ پاک کے پھوپھی زاد بھائی	۵۔ بنو عبد شمس سے جناب ابو خذیفہؓ کا باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید۔ جناب عثمانؓ کا سوتیلا باپ عقبہ بن ابی محیط ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ اور عمرو جن میں ایک مارا گیا اور ایک قید ہوا۔
۶۔ بنو عبدالدار سے جناب معصبؓ بن عمیر	۶۔ بنو عبدالدار سے جناب معصبؓ کا بھائی ابو عزیز
۷۔ بنو تیم سے جناب ابو بکر صدیقؓ اور جناب طلحہؓ	۷۔ بنو تیم سے جناب ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمن

۸۔ بنو عدی سے جناب عمر فاروقؓ اور جناب سعیدؓ	۸۔ بنو عدی واپس چلے گئے۔ لیکن بنو مخزوم سے جناب عمرؓ کے دو ماموں ابو جہل اور العاص
۹۔ بنو مخزوم سے جناب ابو سلمہ مخزومیؓ	۹۔ ابو جہل سمیت متعدد لوگ جن میں عکرمہ بن ابو جہل اور ابن ولید وغیرہ شامل تھے
۱۰۔ بنو حارث سے جناب ابو عبیدہؓ بن جراح	۱۰۔ بنو حارث سے جناب ابو عبیدہؓ کا والد عبداللہ جو بار بار بیٹے پر حملہ کرتے ہوئے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا
۱۱۔ بنو اسد سے جناب زبیرؓ بن عوام	۱۱۔ بنو اسد سے ابو البختری وغیرہ۔
۱۲۔ بنو عامر بن لوئی سے جناب عبداللہؓ بن سہیل اور حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد جناب ابو سبرہؓ بن ابو رحم وغیرہ۔	۱۲۔ بنو عامر بن لوئی سے جناب عبداللہؓ کا باپ سہیل بن عمرو وغیرہ
۱۳۔ بنو جمح سے حضرت عثمانؓ بن مظعون آپکے دو بھائی اور بیٹا وغیرہ	۱۳۔ بنو جمح سے امیہ اور ابی پسران خلف۔ امیہ مارا گیا اور ابی کا بیٹا عبداللہ بھی تھا، جو قید ہوا
۱۴۔ بنو سہم سے حضرت خنیسؓ بن خذافہ	۱۴۔ بنو سہم سے منیبہ بن الحجاج اور اس کا بیٹا اور بھائی وغیرہ
۱۵۔ بنو زہرہ سے جناب عبدالرحمنؓ بن عوف اور جناب سعدؓ بن ابی وقاص	۱۵۔ بنو زہرہ راستے سے واپس چلے گئے

نوٹ۔ ہمارے پرانے مورخین سب شرکاء اور طرفین کے معاملات میں تفصیل سے گئے ہیں۔ البتہ اس عاجز نے بامقصد مطالعہ کے تحت جو موازنہ پیش کیا ہے۔ اس میں مطلب یہ ہے کہ قارئین یہ سمجھ جائیں کہ نسبی یا خونی رشتہ، روحانی رشتہ کے سامنے پاش پاش ہو گیا۔ باپ بیٹے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہیں۔ اور یاد رہے کہ اسلام میں اللہ اور رسولؐ والے رشتہ کو ہر چیز پر ترجیح ہے۔ کہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے:۔

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے   تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہے تو کیا ؟ اقبالؒ

جنگ بدر اور عسکری اصطلاحیں عسکری تاریخ کے طالب علموں میں ایک اصطلاح چلتی ہے کہ میدان جنگ طرفین یا دو متحارب گروہوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جنگ بدر اس کی بہترین مثال ہے اور فوجی منقوں میں اس سلسلہ میں نوجوان افسروں کو عسکری معاملات کی تربیت دینے کیلئے مطالعہ اور بحث کا اتنا بہتر موضوع جہاں دنیا کی عسکری تاریخوں میں نہیں ملتا۔ اور یہ عاجز اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔ لیکن اختصار کی وجہ سے چند باتیں لکھی جا رہی ہیں حکمت عملی کے تحت جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب فوجی تدبیرات (Tactics) کی بات تھی۔ کہ ان کے تحت بدر کے مقام پر صف آراء ہونا ہی حضور پاکؐ کیلئے بہترین طریقہ (Course) تھا۔ اگر دشمن کی تعداد کو زیادہ سمجھ کر مسلمان مدینہ منورہ کی

طرف چلے جاتے، تو یہ ایک پسپائی تھی۔ اور اس سے دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا یا دروازے کھٹکھٹاتا۔ گھات لگانے والی بات بھی مشکل تھی کہ اپنی طاقت منتشر ہوتی تھی۔ اگر دشمن پر جھپٹا مار کر اس کو ڈرانے کی کوشش کرتے، تو ایسے کئی جھپٹوں کی ضرورت تھی۔ کہ آپؐ کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور دشمن کے پاس کم از کم سو گھوڑے تو جھپٹا مار کر بھاگنا مشکل تھا بدر کے مقام پر پوزیشن لینے میں فائدہ یہ تھا کہ اگر کفار واپس مکہ مکرمہ چلے جاتے، تو یہ ایک طرح کی ان کی ہزیمت تھی کہ بڑے شور مچاتے آئے اور مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ ہاں الجحفہ سے واپس مڑ جاتے تو الگ بات تھی۔ اب حضور پاکؐ کے بدر میں ہوتے ہوئے دشمن مسلمانوں کو وہاں چھوڑ کر مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کا بھی نہ سوچ سکتا تھا۔ کہ آگے سے وہ مدینہ منورہ کے ساتھ سر پھوڑ رہا ہوتا۔ اور عقب سے حضور پاکؐ کا لشکر ان پر جھپٹے مار رہا ہوتا۔ چنانچہ اب دشمن کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے علاوہ کچھ اور کرتا۔ تو یہ ہو گئی "مقناطیس" جس نے دونوں لشکروں کو کھینچ کر بدر کے مقام پر اکٹھا کر دیا۔ بہر حال ہمارے لحاظ سے اور نتائج کے لحاظ سے ہمارے آقاؐ نے دشمن کو اپنی مرضی کی چنی ہوئی زمین پر اپنی مرضی کے وقت پر لڑنے کیلئے مجبور کر دیا۔ اور یہ ہے ہمارے آقاؐ کی شان کہ کم طاقت کے ہوتے ہوئے دشمن سے پہل کاری یعنی (initiative) چھین لیا۔ اور دشمن ردعمل کے طور پر کارروائی کر رہا تھا۔ عسکری تاریخ میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔

جنگ کی کارروائی اس عاجز نے جو عسکری تاریخ پڑھی یا جو جنگ و لڑائی دیکھی یا جو لڑائی خود لڑی، اس سب کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ جنگ کا فیصلہ کمانڈروں کے ذہن میں جنگ کے شروع ہونے سے بہت پہلے ہو جاتا ہے۔ جو کمانڈر صحیح تیاری کرتا ہے۔ فیصلہ اس کے حق میں جاتا ہے۔ اور دنیا کے سپہ سالار اعظم اور سرکار دو عالمؐ سب کچھ سوچے ہوئے تھے۔ اس لئے کارروائی مختصر طور پر بیان کی جائے گی۔ قریش لشکر میں الاسود ایک مخبوط الحواس کو فتح کی زیادہ امید تھی اور مسلمانوں کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے وہ ان کے لشکر کے اندر تک گھس گیا جس کو حضرت حمزہؓ نے قتل کر دیا۔ حضرت ابو حذیفہ کا باپ عتبہ، بھائی ولید اور چچا شیبہ کفار میں تھے اور یہ قبیلہ چونکہ قریش کی سپہ سالاری کرتا تھا، اور اب عتبہ سپہ سالار تھا اس لیے لڑائی میں پہل انہوں نے کی چنانچہ یہ تینوں آگے نکلے اور مبارزت طلب کی۔ ان کے لیے تین انصار جناب عبد اللہؓ بن رواحہ اور دو سگے بھائی عوفؓ اور مویذؓ پسران حارث نکلے۔ آٹھویں باب میں ان تینوں ہستیوں کا ذکر خیر ہو چکا ہے۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ممکن ہے جناب مویذؓ کا نام معاذ ہی ہو۔ بہر حال انصار کا ایثار ظاہر ہو گیا۔ اور ہمارے جو کم فہم انصار کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ ان کو عملی جواب مل گیا لیکن عتبہ نے کہا کہ ہمارے اصلی دشمن قبیلہ قریش کے مسلمان ہیں۔ وہ آگے نکلیں تاکہ مقابلہ ذرا فیصلہ کن ہو۔ تو حضور پاکؐ کی اجازت یا حکم پر جناب حمزہؓ، جناب علیؓ، اور جناب عبیدہؓ نکلے۔ شیبہ اور ولید کو تو جناب حمزہؓ اور جناب علیؓ نے جلدی ڈھیر کر دیا۔ عتبہ اور جناب عبیدہؓ دونوں زخمی تھے کہ آگے بڑھ کر حضرت حمزہؓ نے عتبہ کا کام تمام کر دیا۔ قریش حیران تھے لیکن جس لشکر کا سپہ سالار ہی پہلے ہلہ میں مارا جائے۔ وہ لڑائی کسی ترتیب کے ساتھ کیسے لڑ سکتے تھے؟ قریش بہادر تھے۔ نڈر تھے سب کچھ تھے لیکن لڑائی میں کوئی وحدت چاہیے اور کمانڈ اور کنٹرول (انتظام و انصرام) کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہر حال قریش نے ایک زور دار حملہ

کیااور حضورؐ پاک نے مٹھی بھر کر کنکریاں ان کی طرف پھینک دیں اور لڑائی کی عام اجازت مل گئی، مسلمان ترتیب سے لڑ رہے تھے جو سامنے آتا تھا اس پر تلوار اور نیزوں کے وار کرتے اور دائیں بائیں سے نیزوں کی بوچھاڑ ہوتی اور اللہ کے حبیبؐ سجدہ میں جاچکے تھے کہ اے رب! ان مٹھی بھر مسلمانوں کو کفار پر کامیابی دے تاکہ حق کا نام بلند ہو۔

ہمارے مورخین کے بقول گھمسان کا رن پڑا اور کفار زخمی ہو کر یا مردہ حالت میں مسلمانوں کے سامنے تڑپ رہے تھے۔ ابو جہل پر حملہ ایک انصار جوان جناب معاذؓ بن عمرو نے کیا۔ ابو جہل کو زخمی کیا اور خود بھی زخمی ہوئے دوسرا حملہ جناب مویذؓ بن حارث نے کیا۔ ابو جہل کو گرادیا اور خود بھی شہید ہوئے اور نشاندہی کرنے والے جناب عبداللہؓ بن مسعود تھے اور سر بھی بعد میں انہی نے کاٹا گو یہ مغرور بڑا ہی متکبر کافر تھا کہنے لگا کہ سر ذرا نیچے سے کاٹو کہ کسی سردار کا سر لگے یعنی بڑا معلوم ہو۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، امیہ بن خلف کو بچانا چاہتے تھے کہ اس کا ان پر احسان تھا لیکن حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا اور انصار جوانوں کے ساتھ مل کر اس کا کام تمام کیا کہ امیہ نے جناب بلالؓ پر بڑے ظلم کئے تھے۔ قریش لشکر میں نوجوان عکرمہ اور صفوان وغیرہ بھی تھے لیکن سارے، کفار اس طرح مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے کہ ایک دو حملوں کے بعد سارا لشکر دل چھوڑ گیا۔ کیونکہ مرنے والوں کے علاوہ زخمیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ علاوہ ازیں ہمارے جلد باز مؤرخین نے معاذؓ بن عمرو اور مویذؓ بن حارث کہ معاذ و مویذ بھائی بنا کر چھوٹے لڑکے بھی کہہ دیا۔ کہ وہ ابو جہل پر حملہ آور ہوگئے راقم بھی اپنی کتاب جلال مصطفیؐ میں یہی کہ گیا اب صورت، واضح کر دی ہے۔ لیکن یہ تاریخی پہلو اب غلط العام کا شکار ہو گیا ہے۔ اور ہر جگہ یہ کہانی عام ہو گئی ہے کہ ابو جہل کو دو چھوٹے لڑکوں نے قتل کیا تھا۔ چلو ایسے ہی سہی۔

جھپٹنے والے دستوں کا وار حضورؐ پاک جنگ کے نبض شناس کے طور پر لحہ بہ لحہ ہدایات فرما رہے تھے۔ اب تک لڑائی مسلمانوں کی اگلی صف نے لڑی تھی جب حضورؐ پاک نے دیکھا کہ قریش میں اب اور حملہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تو جھپٹنے والے دستوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا ان تازہ دم دستوں نے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچادی اور اب کفار نے ایک ایک دو دو کر کے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ گو مورخین نے تفصیل نہیں بتائی۔ لیکن جنگ کے فوری نتائج ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جھپٹنے والے مسلمان دستوں نے دشمن کو گھیراؤ میں لے لیا کہ متعدد لوگ قیدی بنے۔ اور کافی مال غنیمت حاصل ہوا۔ جس میں کئی اونٹ تھے اور ایک ابو جہل کا اونٹ بھی تھا، جو حضورؐ پاک کو مال غنیمت میں حصہ کے طور پر ملا۔ اور حضورؐ پاک نے اس اونٹ کو بعد میں مکہ مکرمہ میں قربانی کے طور پر استعمال کیا۔ اور اس کا ذکر سولھویں باب میں ہے۔ حضور پاکؐ نے ہر جنگ میں مسلمانوں کو دشمن کے تعاقب کا حکم دیا۔ لیکن یہاں مورخین نے حالات واضح نہیں کئے۔ کہ کم نفری کیوجہ سے مسلمان کفار قیدیوں اور مال غنیمت کیلئے گھوڑوں اور اونٹوں کو اکٹھا کرنے میں ایسے مصروف ہوں گے کہ ممکن ہے کوئی دکھاوے کا تعاقب کیا ہو۔ ورنہ کسی خاص تعاقب کا ذکر نہیں۔ پھر دشمن کسی ترتیب سے نہ بھاگ رہا تھا۔ ایک ایک آدمی کا تعاقب کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوتا

جنگ کے فوری نتائج جنگ کا فوری نتیجہ یہ تھا، کہ دشمن بے حواس ہو کر اکا دکا طور پر بھاگ رہا تھا۔ اور مکہ مکرمہ تک یہی بے ترتیبی رہی۔ یعنی دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے پچاس آدمی کھیت رہے۔ ان میں قابل ذکر لوگوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ کہ ابو جہل کے علاوہ اسکا بھائی العاص اپنے بھانجے جناب عمرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جناب ابو عبیدہؓ کو مجبوراً اپنے باپ کو قتل کرنا پڑا کہ وہ بار بار بیٹے پر حملہ کرتا تھا۔ عتبہ، شیبہ اور ولید کا ذکر ہو چکا ہے۔ عقبہ بن ابی محیط اور قریش کے شیطان کو جناب علیؓ نے قتل کیا۔ عقبہ کی شرارتوں اور حضور پاکؐ پر اوجھ پھینکنے کا پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے۔ سعید بن العاص اور عبیدہ کو جناب زبیرؓ نے قتل کیا اور دوسرے العاص کو حضرت علیؓ نے۔ لیکن اسی العاص کا بیٹا سعیدؓ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور عقبہ کا بیٹا ولیدؓ بھی۔ یہ دونوں بعد میں کوفہ اور بصرہ کے گورنر رہے۔ یعنی اسلام میں آجانے کے بعد سب دشمنیاں ختم ہو جاتی ہیں

۲۔ علاوہ ازیں امیہ بن خلف کے قتل کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بیٹے علی کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ جناب عمارؓ بن یاسرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ قریش کا دوسرا شیطان النضر بن حارث بھی حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا۔ نوفل بن خویلد بھی مارا گیا۔ یہ وہی تھا جو جناب ابو بکرؓ اور جناب طلحہؓ کو باندھ چھوڑتا تھا کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ علاوہ ازیں جناب۔ ابو بکرؓ کے خاندان سے عثمان بن مالک اور اس کا بیٹا عمیر بھی مارے گئے۔ بنو اسد سے ابو البختری کے لیے حضورؐ پاک نے فرمایا تھا کہ اس کو بچانے کی کوشش کرنا، کہ اس نے بنو ہاشم کے خلاف قریش کے میثاق کی مخالفت کی تھی۔ لیکن ابو البختری، نوفل کو بچاتے ہوئے مارا گیا۔ نوفل کو حضرتؓ علیؓ نے قتل کیا تھا۔

۳۔ بہر حال ابن اسحق نے سب مرنے والوں کے نام لکھے ہیں اور سب سے زیادہ نقصان ابو جہل کے خاندان بنو مخزوم کا ہوا کہ ان کے پندرہ آدمی مارے گئے۔ جو لوگ قید ہوئے ان کی تعداد سنتالیس بتائی جاتی ہے۔ ان میں قابل ذکر آدمیوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ حضور پاک کے چچا عباس، چچیرے بھائی عقیل اور داماد ابو العاص۔ جناب مصعبؓ کا بھائی ابو عزیز۔ ابو سفیان کا دوسرا بیٹا عمرو۔ عتبہ اور شیبہ کا بھائی ابو العاص۔ ابو جہل کا تیسرا بھائی خالد۔ خالد بن ولید کا بھائی ولید اور چچیرا بھائی امیہ۔ امیہ بن خلف کا بھتیجا عبد اللہ۔ عامر بن لوئی کی اولاد سے سہیل بن عمرو۔ سہیل کا زیادہ ذکر اب صلح حدیبیہ کے دوران آئے گا

۴۔ مسلمانوں میں سے چودہ صحابہ کرام شہید ہوئے۔ جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ مہاجرین میں جناب عبیدہؓ بن حارث اور جناب عمیرؓ بن ابی وقاص۔ اور انصار میں جناب معوذؓ اور جناب عوفؓ پسران حارث کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ باقی کے اسماء گرامی عاقلؓ بن الکبیر، مجمعؓ (حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام) صفوانؓ بن بیضا، سعدؓ بن خثیمہ، مبشرؓ بن عبد منذر، حارثؓ بن سراقہ، عمیرؓ بن حمام اور رافعؓ بن معلی ہیں۔ جناب سعدؓ بن خثیمہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے

۵۔ مال غنیمت کی تقسیم راستے میں ہوئی۔ فتح کی خوشخبری مدینہ منورہ میں پہنچانے کی سعادت جناب زیدؓ بن حارث اور جناب عبد اللہؓ بن رواحہ کو ہوئی۔ اس کے راوی جناب اسامہؓ بن زید کم عمری کیوجہ سے جنگ میں شرکت نہ کرسکے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ جب یہ خوشخبری مدینہ منورہ پہنچی تو لوگ حضور پاکؐ کی لخت جگر جناب رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ کو دفن کر رہے تھے۔ اور جناب اسامہؓ

نے لڑ کپن میں تدفین میں شرکت کی ۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے آقا کی کہ ہمارے لئے سنت چھوڑ گئے کہ جہاد کو اپنی
اولاد سے بھی اوپر سمجھا جائے ۔
۶۔ جو لوگ قید ہو کر آئے ۔ مدینہ منورہ میں ان لوگوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا ۔ اس سلسلے میں دشمن کے قیدیوں کے ساتھ
برتاؤ وغیرہ میں ہمارے لیے اسباق ہیں
۷۔ مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا ۔ ان ہونی ہو گئی ۔ قارئین! اللہ کے حبیبؐ کے مخالفین پہ نظر دوڑائیں، جن کا ذکر آپ پچھلے ابواب میں
پڑھ آئے ہیں ۔ ان سب کا کیا حشر ہوا ۔ ایک ابو لہب بچ گیا تھا ۔ یہ سب کچھ سن کر حواس باختہ ہو گیا اور دیوانگی کی حالت میں مر گیا
لیکن جہاں دفن کرتے تھے، زمین اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیتی تھی ۔ آخر تنگ آ کر اس کے بیٹوں نے، ایک جگہ کچھ پتھر، کچھ گھاس
اور درخت کے پتے اس کے جسد پر ڈال کر، اس کو نظروں سے اوجھل کیا ۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ ایسا عبرت کیلئے ہوتا ہے
۸ ۔ لیکن عبرت بہت کم لوگوں کو ہوئی ۔ قارئین! باطل نے ابھی حق کے ساتھ کئی ٹکریں لینا تھیں، اس لئے لوگ عبرت کیسے
پکڑتے؟ کہ امتحان کا سلسلہ جاری رہنا تھا ۔ اور عاجزی کا مقام ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ حق پر ہی رکھے ۔ ورنہ یہ دوئی ۔ اور یہ ٹکریں
جاری رہیں گی

مذاق دوئی سے بنی زوج زوج   اٹھی دشت و کہسار سے فوج در فوج
گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے   اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات   ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات (اقبالؒ)

قرآن پاک ۔ احادیث مبارکہ و جنگ بدر گزارش ہو چکی ہے کہ حدیث مبارکہ کی کتابوں کی مدد سے واقعات کو
تسلسل نہیں دیا جا سکتا ۔ لیکن جنگ بدر، اتنی اہم تھی کہ اکثر محدثین نے اس سلسلہ میں چند احادیث ضرور لکھیں ۔ اسی وجہ سے
جناب مقدادؓ کے الفاظ کے وقت بخاری شریف کا حوالہ دیا گیا ۔ اس کے علاوہ بخاری شریف میں مسلمانوں کی تعداد تین سو دس
بتائی گئی ہے ۔ ابو جہل کی تذلیل کا ذکر بھی ہے اور جناب زبیرؓ کے نیزہ سے کفار کی تباہی کا بیان ہے ۔ اور فرشتوں کی جنگ میں
شرکت کے بارے میں کافی کچھ لکھا ہے لیکن اس عاجز نے جان بوجھ کر اس پہلو کا ذکر نہیں کیا ۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی "ان ہونی"
چیز کرتا ہے تو اپنے غیر مرئی لشکروں کو ضرور استعمال کرتا ہے جس کا پورا ذکر بعد میں آئے گا ۔ بخاری شریف میں حضور پاکؐ کے
کفار کے مقتولین کو پکار کر ان سے خطاب کرنے کا پورا ذکر ہے تو چلو "زندہ" اور "مردہ" کا جھگڑا بھی ختم ہوا ۔ کہ زندگی جاری ہے ۔
جو سب کفار کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا، احادیث مبارکہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل بھی ہے ۔
جہاں تک قرآن پاک کا تعلق ہے، وہاں اللہ تعالے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر فرماتا ہے "بے شک ہم نے تمہاری بدر کی جنگ
میں مدد کی ۔ ورنہ تم ذلیل ہو جاتے" پس اللہ سے ڈرو اور اس کا شکر کرو سورہ انفال تو دراصل جنگ بدر کی کہانی ہے مثلاً "وہ آپؐ
نے نہیں پھینکا اللہ نے پھینکا" یا "اور" جب کہ اللہ نے آسمانوں سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے" یہ جنگ سے پہلے بارش

ہونے کی طرف اشارہ ہے ۔قیدیوں کے فدیہ، تقدیر الٰہی ۔اور لفظ "انما المومنون" سے لے کر آگے آیات جنگ بدر کے سلسلہ میں ہیں ۔آگے "واعلمو" سے لے کر "خیانت" تک مال غنیمت کا بیان ہے ۔اس وجہ سے صحابہ کرام سورہ انفال کو سورہ جہاد بھی کہتے تھے ۔اس کے علاوہ سورہ عمران اور سورہ مائدہ میں بھی جنگ بدر پر بہت کچھ ہے ۔

جنگ بدر سے تھوڑا پہلے روزے فرض ہوئے ۔اور سورہ بقرۃ میں خانہ کعبہ کی تبدیلی کا حکم ملا ۔کہ جیسا ذکر ہو چکا ہے کہ اب دین کی تکمیل کا سلسلہ شروع تھا، تو ہدایات اجتماعی پہلو سے بھرپور ہوتی تھیں ۔روزہ انفرادی چیز ضرور ہے ۔کہ یہ اللہ تعالیٰ اور انسان کا بڑا نجی معاملہ ہے ۔لیکن کبھی ملی جلی افطار کے نظریہ پر سوچتا، تو اجتماعی پہلو کے دروازے کھلتے جائیں گے ۔لیکن ایسی رواجی یا سرکاری افطار پارٹی نہیں ۔جس میں آدھے شرکاء نے روزہ بھی نہیں رکھا ہوتا اور نماز بھی نہیں پڑھتے ۔یہ عاجز ایسی بے غیرتی دیکھ کر کئی دفعہ تلملا اٹھا ۔خانہ کعبہ کی تبدیلی کا حکم مکہ مکرمہ کی بجائے مدینہ منورہ میں ملنے میں بڑی حکمت پنہاں تھی ۔اور ایک فوجی اور اجتماعی پہلو بھی تھا ۔کہ اپنے کعبہ کو کفر سے پاک کرنا تھا اور اس کے لئے اجتماع اور طاقت کی ضرورت تھی ۔اور روزانہ ادھر منہ کر کے یاددہانی ہو رہی تھی

رجزیہ نظمیں جنگ بدر کو جناب علیؓ اور جناب حمزہؓ نے شعروں میں بیان کیا ۔آگے کفار نے جوابی نظمیں کہیں ۔تو جواب کے طور پر جناب حسانؓ بن ثابت نے تمام واقعات کو شعروں کی شکل میں موتی کی لڑیاں بنا دیا ۔ان نظموں میں تاریخ ہے اور اس سے راقم نے استفادہ کیا ۔لیکن افسوس اپنا کوئی شاعر آگے نہیں بڑھ رہا کہ ان نظموں کو اردو شعروں میں تبدیل کیا جائے ۔سوائے حفیظ جالندھری کے

جنگ کے نتائج اور اسباق فوری نتائج پہلے بیان کر دیئے گئے ہیں ۔دائمی اور زیادہ اثرات والے نتائج حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ جنگ بدر وحق و باطل کا پہلا بڑا معرکہ ہے جب تک دنیا قائم ہے اس جنگ کے نتائج پر تبصرہ ہوتا رہے گا ۔اور اسباق بھی زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہیں گے ۔حق نے باطل کو سرنگوں کر دیا تھا ۔حضورؐ پاک اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ۔مدینہ منورہ کا فوجی مستقر وسیع اور مضبوط ہوا ۔کفار ذلیل و خوار ہوئے اور بے پناہ طاقت کے باوجود ان کو پورا ایک سال لگا کہ پھر احد کے میدان میں حق سے آکر دوسری دفعہ ٹکرائے ۔ان کی شام کے ساتھ تجارت میں خلل پڑا اور انہوں نے متبادل راستہ عراق والے راستے کی طرف سے لمبا راستہ تلاش کیا ۔لیکن مسلمان وہاں بھی ان پر چھاپے مارنے لگ پڑے ۔

۲۔ حضورؐ پاک کی فوجی حکمت عملی اور فوجی تدبیرات کامیاب ثابت ہوئیں مسلمانوں کو اپنے نظریہ حیات پر اور بھروسہ ہوا اور پہلے سے زیادہ اور بہتر کوشش کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ کے اطراف میں پھیلنا شروع کر دیا ۔

۳۔ مدینہ منورہ کے ارد گرد قبائل پر اسلام اور مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا اور اب انہیں مسلمانوں کو ایک بڑی طاقت تسلیم کرنا پڑا ۔یعنی آج سے ڈیڑھ سال پہلے مسلمان پناہ گیر تھے آج وہ طاقت تھے ۔

۴۔ انصار مدینہ پر اچھا اثر پڑا اور انصار کو اپنے کیئے پر فخر ہوا اور یہودیوں کا باری باری قلع قمع شروع ہو گیا ۔کہ وہ لوگ شرارتوں سے

باز نہ آتے تھے۔

۵۔ جہاں تک جنگ بدر کے اسباق کا تعلق ہے وہ ان گنت ہیں اور حضورؐ پاک کے ہر قدم میں ہمارے لئے بے حساب اسباق ہیں سے چند یہ ہیں۔

ا۔ بیعت عقبہ ثانی میں حضرت عباسؓ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ سارا عرب اہل مدینہ پر متحدہ کمان سے تیر برسائے گا۔ وہ پوری ہونا شروع ہوئی اور باطل کی شکل میں قریش نے پہلا وار کیا۔ یہ متحدہ کمان کے تیر برسانے کا عمل اب بھی جاری ہے اور چودہ سو سالوں کے بعد اسلام کے نام پر ہم نے ایک ملک بنایا ہے تو باطل ہم پر حملہ پر حملہ کر رہا ہے۔ تو آئیے ہم اپنے آپ کو باطل کے مقابلہ کے لئے تیار کریں اور وہی طریقہ کار استعمال کریں جو ہمارے آقاؐ نے کیا۔

ب۔ ہمارے آقاؐ کے سامنے ایک مقصد تھا یعنی حق کو لانا اور باطل کا مقابلہ کرنا اس کے لئے انہوں نے اپنے سب رفقا کو اللہ کی فوج بنایا۔ اسلامی نظریہ حیات کی وضاحت کی اور اس پر عمل سکھایا۔ پھر ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فوجی حکمت عملی کا تعین کیا اور علاقے و زمین کا مطالعہ کرتے ہوئے فوجی تدبیرات کے طور پر متحرک جنگ کو اپنایا اور سارا بھروسہ اپنی طاقت اور اللہ پر کیا تو کیا پاکستان میں ہم اس پر عمل کر رہے ہیں؟ آج تک تو نہیں کیا۔ جو سامان باہر سے مل گیا اس کو اور غیروں کے فلسفہ جنگ کو اپنا کر تدابیر پر عمل کرتے ہیں تو آئیے حضورؐ پاک کے طریقہ کا مطالعہ کر کے اپنا طریقہ کار وضع کریں۔

ج۔ مشہور جرمن ماہر جنگ کلاسوٹز لکھتا ہے کہ جب آپ دشمن سے طاقت میں کمزور ہوں تو قوت ارادی کو بڑھا کر شاید آپ دشمن کے ساتھ طاقت کا توازن قائم کر سکیں۔ لیکن برتری حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے آقاؐ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے کم طاقت رکھتے ہوئے نہ صرف بدر میں بلکہ آئندہ آنے والی جنگوں میں بھی دشمن پر برتری حاصل کی۔ خیر ایک آدھ جنگ میں تو کئی جگہوں میں کم تعداد والے زیادہ تعداد پر حاوی ہوئے لیکن حضورؐ پاک نے اصول ہی نرالا بنایا کہ ہر جنگ میں یہ کر کے دکھایا اور قرآن شاہد ہے کہ اگر ہو گے سو تو غالب آؤ کے ایک ہزار پر۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے کیونکہ دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کا یہ تجزیہ تھا کہ صرف دس فیصدی جوان دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے ہیں۔ باقی مورچے کے اندر سر رکھ کر ٹریگر دباتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہوا کہ فوج صرف دس فیصدی لڑتی ہے اور مسلمان سو فیصدی لڑتے تھے اور اب بھی لڑنا چاہیئے۔ راقم نے ستمبر ۶۵ میں ایسا خود دیکھا۔

د۔ متحرک طرز جنگ کا مطالعہ؛ زمینی حالات کے مطابق حضورؐ پاک نے کیا اور پھر اس کو اپنایا۔ ایسی جنگ کے لئے سچائی، قوت ایمانی وغیرہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور ہر سپاہی اور ہر کمانڈر کی بہت ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور ان کو اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے ورنہ متحرک جنگ میں لوگوں میں بھگدڑ مچ سکتی ہے۔ اگر ہم اس طریقہ کار کو اپنائیں تو ان پہلوؤں کا خیال کرنا ہوگا۔

ر۔ زمین کا مطالعہ، جنگ کی تدبیرات میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ پاک نے اپنے رفقا کو اس کی تربیت عملی طور پر دی۔ پاکستان میں اس سلسلہ میں ہم بہت کم محنت کرتے ہیں اور بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ زمین کے چپہ چپہ کا مطالعہ اس طرح کرنا چاہیے کہ ہر چپہ زمین بول اٹھے کہ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں اور دشمن مجھ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بدر کے میدان جنگ کا

چنا وہمارے اپنے اندر یہ راز پنہاں کیے ہوئے ہے۔

س ۔ صف بندی، یعنی مورچہ بندی یا دفاعی لائن ۔ فائر کنٹرول آرڈر، دشمن کو نزدیک آنے پر برباد کرنا، دور مار ہتھیاروں کو بازوؤں پر لگانا ۔ یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو روزمرہ میں فوجی زندگی میں ہم سیکھتے ہیں لیکن میدان جنگ میں جا کر سب کچھ بھول جاتے ہیں ۔ امن کے زمانے میں اس کی سکھلائی حضورؐ پاک کی جنگ بدر سے یا باقی جنگوں سے ہو، تو میدان جنگ میں یہ باتیں ہمیں یاد رہیں گی کیونکہ جو کام آپؐ کے تصور یا عمل کی نقل سے کیا جائے وہ ہمیشہ کا ساتھی ہوتا ہے ۔ ہمارے لیڈروں کو یہ نکتہ سمجھنا چاہیئے ۔ لیکن پہلے ان کو مسلمان لیڈر بننا ہوگا نہ کہ ویول کی سکھلائی کے تحت چوروں کے لیڈر۔

ص ۔ حضورؐ پاک کی اس ساری کارروائی پر نظر ڈالیں ۔ حالت جنگ، تیاری، بدر سے کوچ، راستے میں طریق کار، پڑاؤ، صحیح مشورہ، میدان جنگ کی طرف پیش قدمی ۔ مخبری، زمین کا مطالعہ ۔ دشمن کے ارادوں کی خبر، صف بندی، احکام، جنگی کارروائی کسی پہلو کو لیں ۔ حضورؐ پاک ہر موقع کے نبض شناس کے طور پر بروقت کارروائی کرسکے ۔ ہر لیڈر اور کمانڈر کا حالات کا مطالعہ ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ بروقت کارروائی کرکے حالات کو اپنے حق میں کرلے نہ کہ جب حالات ظاہر ہوں اس وقت ان پر قابو پانے کی کوشش کرے مشہور مقولہ ہے کہ لیڈر وقت کے ساتھ ساتھ بھی ہوتا ہے اور اس سے آگے بھی چلتا ہے ۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ انگریز ہمیں حالات کے ساتھ نپٹنے کی سکھلائی تو دے گیا ہے، لیکن حالات سے آگے چلنے کے لئے اور وقت سے پہلے حالات کو اپنے قابو میں کرنے کی کوئی تربیت نہ دی ۔ خیر کوئی بات نہیں آیئے اس سبق کو حضورؐ پاک کی زندگی میں ڈھونڈیں

ص ۔ " باقی حالات کے علاوہ میدان جنگ کی نبض شناسی بہت اہم ہے کہ آپ کے سامنے پورا میدان جنگ بول اٹھے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے ۔ حضورؐ پاک نے اسی لیے اپنا ہیڈ کوارٹر ایسی جگہ بنایا کہ حالات کا مطالعہ کرکے بروقت حالات کو اپنے حق میں کرتے رہیں ۔ اسی وجہ سے احکام دینے کے لئے کچھ آدمی مقرر فرمائے ۔ آج کل کے زمانے میں احکام دینا تو آسان ہو گیا ہے ۔ لیکن وسعت کی وجہ سے ایک بٹالین کمانڈر سے اوپر والا کمانڈر شاید ایک نظر میں اپنے سارے میدان جنگ کی نبض شناسی نہ کرسکے پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اوپر والے کمانڈر کو ہر خبر آجکل ہیڈ کوارٹر میں مل رہی ہوتی ہے ۔ وہ میدان جنگ کی نظر سے دیکھ بھال کیوں کریں ؟ یہ سب باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں ۔ لیکن ہر کمانڈر اور سٹاف افسر کو دن میں جب بھی موقع ملے تو ایک آدھ دفعہ باہر نکلنا چاہیے اور کسی ایک آدھ جگہ سے میدان جنگ پر نظر کرنا چاہیے ۔ اگر میدان جنگ کا دسواں حصہ بھی نظر آجائے تو اندر سے بیٹھ کر حالات کے تجزیہ سے یہ مطالعہ بہتر رہے گا بلکہ جو نوجوان ملیں گے یا نظر آئیں گے ۔ جنگ کے بہت سارے حالات اور اثرات ان کے چہروں پر موجود ہوں گے ۔ اس سارے کام کے لئے امن کے زمانے میں تربیت چاہیے اور خیر لڑائی کے تجربہ کے بعد تو میدان جنگ بول اٹھتا ہے کہ کس جگہ کیا ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے ۔ ویسے یہ مشکل مضمون ہے ۔ لیکن کمانڈر کو اپنے علاقے کی لڑائی کے گھمسان والے " علاقہ کو ضرور " اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہیے ۔ لیکن کوئی ایسی حرکت نہ کرنا چاہیے کہ کمانڈر کسی فیصلہ کن مرحلہ یا ویسے لڑائی پر اثر انداز ہی نہ ہوسکے ۔

ط ۔ حضورؐ پاک کی ساری زندگی میں ہمارے لئے اسباق ہیں اور واقعات کا بیان اس طرز سے کیا گیا ہے کہ آپؐ کی ہر کارروائی سے اسباق حاصل کیے جائیں اور یہ طریقہ کار آگے بھی اپنایا جائے گا۔ویسے یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ یہ سب بشریٰ تقاضے تھے کہ حضورؐ پاک عملی طور پر ہر کام کر کے دکھا رہے تھے اور ساتھ یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ ہم تو کچھ نہیں کر رہے ہیں، یہ ساری جنگیں اللہ اکیلا ہی لڑ رہا ہے ۔اور اللہ تعالی نے بھی قرآن پاک میں واضح کر دیا" کہ یہ کنکریاں آپؐ نے نہیں پھینکیں اللہ نے پھینکی ہیں "تو حضورؐ پاک کی شان کو کوئی قلم نہیں بیان کر سکتا۔پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے ایک شعر" کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا" نے مہر علیؒ کو کہاں پہنچا دیا۔اور خود صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں بلکہ ایسے فرماتے ہوئے رورو کر بدحال ہو جاتے تھے کہ ان کو ڈر لگتا ہے کہ حضورؐ پاک کی شان بیان کرتے وقت کوئی غلطی نہ ہو جائے اور فرماتے تھے بخدا حضورؐ پاک کی شان کسی انسان کی سمجھ سے باہر ہے ۔اس لئے یہ عاجز پانچویں باب کے شروع سے اپنی اس عاجزی اور چند عاشقوں کے تاثرات کا ذکر کر چکا ہے ۔

حضورؐ پاک کے زمانے میں تو معاملہ آسان تھا کہ آپؐ موجود تھے اب کیسے عمل کیا جائے تو ہم گنہگاروں کیلئے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی سنت پورا کرتے ۔وقت اور عملی جنگی کارروائیاں کرتے وقت ذہن میں تصور یہ ہو کہ ہمارے آقاؐ بھی ایسے ہی کر گئے ہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں ۔ حضورؐ پاک کے جمال اور جلال کے چشمے جاری و ساری ہیں ۔ لیکن ہم اگر ایک طرف کوتاہ نظر ہو گئے ہیں ۔تو دوسری طرف اتنے "ماڈرن "اور غیروں سے تاثرات لے چکے ہیں کہ سب کچھ ان کافرانہ دفاعی نظاموں سے حاصل کرتے ہیں اور علامہ اقبالؒ کے اس کلیہ کو بھول جاتے ہیں

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (اقبالؒ)

گیارہواں باب

جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی وقفہ کی فوجی کارروائیاں

درمیانی وقفہ موجودہ زمانے کی لکھی ہوئی اسلام کی کوئی تاریخی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں۔ وہاں جنگ بدر کے بعد جنگ احد کا ذکر ملے گا۔ ابن اسحق اور ابن سعد دونوں کی تاریخوں کے گہرے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس ایک سال کے عرصہ میں نو جنگی اور فوجی کارروائیاں ہوئیں، جن کو اب نقشہ ششم پر دکھایا جارہا ہے۔ ان مہمات کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں حضورؐ پاک نے اپنی جنگی حکمت عملی اور تدبیراتی نظریہ میں بھی تبدیلیاں کر دیں۔ اول تو یہ اس زمانے کی بھی ضرورت ہے کہ اپنی حکمت عملی اور تدبیراتی نظریہ میں وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ نظر ثانی ہوتی رہے۔ پھر دشمن کے ساتھ جنگ کے بعد تو اپنے نظریہ میں ضرور تبدیلی لانی چاہیے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اپنے پرانے طریق کار کو دہرانا نہ چاہیے۔ ہر دفعہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو دشمن کو حیران کر دیا جائے۔ بہرحال زیادہ ضرورت یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد جو فائر بندی ہوئی تھی یعنی قدرت نے کچھ عرصہ کیلئے طرفین یا متحارب گروہوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، تو وقفے میں آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی ضرورت تھی۔ یا ایسی کارروائیاں کی جاتیں کہ حالات زیادہ تر اپنے حق میں رہتے۔ اگر قارئین ان بنیادی اور تمہیدی باتوں کو سمجھ گئے تو ان کو اس عاجز کے ساتھ چلنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن اب چونکہ مدنی زندگی میں دین اسلام کی تکمیل کا معاملہ چل پڑا ہے تو اس صورت میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے رہنمائی کے پہلو کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

مدنی زندگی۔ احادیث مبارکہ اور قرآن پاک ساتویں باب میں ثابت کیا گیا تھا کہ احادیث مبارکہ زیادہ تر مدنی زندگی کی ہیں۔ کہ مکی زندگی میں نظریہ یا فلسفہ قرآن پاک کے ذریعہ سے واضح ہو رہا تھا۔ لیکن مدنی زندگی کے حالات مختلف تھے نبوت کی تکمیل ہو چکی تھی۔ نظریہ اور فلسفہ واضح ہو چکا تھا۔ حضورؐ پاک نے اس لئے دین پر چلنے کے سلسلے میں جو ہدایات دیں یہی آگے احادیث مبارکہ بن گئیں۔ اس عاجز نے پیش لفظ میں واضح کر دیا تھا کہ پہلے سو سالوں میں حضورؐ پاک کی زندگی پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کو مغازی کہتے تھے یا تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ اب ہمارے محدثین نے ان کتابوں سے اپنی ضرورت کی باتیں جن کی مدد سے معاشرہ چلانا تھا۔ وہ نکالیں اور ان کا نام حدیث ہو گیا۔ لیکن احادیث مبارکہ کے واقعاتی پہلو کو بہت کم بیان کیا گیا ہے۔ اور جب احادیث مبارکہ میں سے کمزور احادیث کو خارج کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا تو ثقہ اور غیر ثقہ کے جو پیمانے بنائے گئے ان میں "واقعاتی" پہلو یا تاریخ کو نظرانداز کیا گیا۔ یہی بڑی بدقسمتی ہے کہ اس وجہ سے اسلام زیادہ تر فلسفہ بن گیا اور عمل سے ہم دور ہوتے گئے کہ احادیث مبارکہ کا اپنا عملی یا واقعاتی پہلو ساتھ نہ تھا۔ واقعاتی پہلو میں صرف یہ کہہ دینا کافی نہ تھا کہ احادیث مبارکہ مدنی یا مکی ہے۔ لیکن اصلی ضرورت یہ تھی کہ احادیث مبارکہ کا پوراپس منظر بیان کیا جاتا۔ تو احادیث مبارکہ میں جو لفظوں کے اختلافات ہیں یا جسے "سقم" کہتے ہیں وہ دور ہو جاتا۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی کتابوں پر جو شرحیں لکھی گئیں،

اس میں بھی اس پہلو کی طرف بہت کم دھیان دیا گیا۔ کہ اس میں بحث زیادہ ہے اور تحقیق کم ۔ کہ موقع اور محل کے بیچ زیادہ نہ لایا گیا ۔ اسلام عملی دین ہے اور یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ عمل یا واقعات کو بیان کر کے احادیث مبارکہ کو اسباق یا نچوڑ کے طور پر بیان کیا جاتا ۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا ۔ اور عملی پہلو پہ احادیث مبارکہ ملتی ہی بہت کم ہیں جیسا کہ بدر کی جنگ کے سلسلہ میں پچھلے باب میں گزارش ہو چکی ہے ۔ اب اس سارے ایک سال کی کارروائیوں میں دو یہودی سرداروں کے قتل اور بنو قینقاع کی کچھ کہانی بخاری شریف میں ملتی ہے باقی واقعات کا ذکر نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عاجز تاریخ یا مغازی کو فوقیت دے کر اس سلسلہ کی احادیث مبارکہ اگر مل جائیں تو ان کے نچوڑ کو سبق کے طور پر پیش کر رہا ہے ۔ ورنہ عمل از خود میں بھی بڑے اسباق ہیں ۔

مدنی سورتیں ساتویں باب کے شروع میں اس سلسلہ میں تفصیل بتا دی گئی تھی کہ کونسی سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ۔ اٹھائیسویں اور تئیسویں پارہ کے چند سورتوں کو چھوڑ کر باقی مدنی سورتیں مقابلتاً مکی سورتوں سے بہت بڑی ہیں ۔ اب چونکہ ہم مدنی زندگی میں داخل ہو چکے ہیں تو پہلے دو ابواب اور خاص کر جنگ بدر کے سلسلہ میں قرآن پاک کے واقعاتی نزول کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے ۔ ان مدنی سورتوں میں بھی مکی سورتوں کی کئی باتوں کو دہرایا گیا ہے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر ہے ۔ لیکن جہاد اور اجتماعی کارروائیوں کے سلسلہ میں زیادہ زور ہے کہ دین کی تکمیل شروع ہو گئی تھی ۔ علاوہ تمثیلی بیانات ہیں ۔ اور چونکہ اب یہودیوں کے ساتھ سیدھا واسطہ پڑنے والے تھا تو بنو اسرائیل کی ماضی اور رویہ پر بھرپور تبصرہ ہے ۔ دین کے واقعات اور مسلمانوں کے عمل پر بھی تبصرہ ہے ۔ بہرحال یہ عاجز اسلام کی اس عملی کہانی کو جہاں بھی ممکن ہوا قرآن پاک کے حوالوں کے تابع کرتا رہے گا۔

حالات کا جائزہ اس استفادہ کے بعد جنگ بدر کیوجہ سے پیدا شدہ حالات کا جائزہ ضروری ہے ۔ اس کا نچوڑ یہ ہے :۔

۱۔ جنگ بدر سے پہلے مسلمانوں اور کفار قریش کے معاملات بین بین تھے ۔ طرفین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے ۔ اور بھرپور کارروائی کا انتظار تھا یا ایسی سوچ میں تھے ۔ لیکن اب جنگ بدر کے بعد مزید بھرپور کارروائی کے بغیر چارہ نہ تھا یعنی ایک فریق کے خاتمہ یا شکست کی ضرورت تھی ۔ حضور پاکؐ اتنی طاقت یا لوگ اکٹھے نہ کر چکے تھے کہ حملہ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیں ۔ اس لئے انہوں نے جارحانہ دفاع کو ہی اپنایا ۔ البتہ حکمت عملی اور تدبیرات پر نظر ثانی کر کے کچھ تبدیلیاں بھی کیں

۲۔ قریش کیلئے ضروری تھا کہ وہ جلد سے جلد مسلمانوں کو ختم کر دیں ۔ اور ایسا کرنے کیلئے بھرپور کارروائی کی ضرورت تھی کہ پورے مدینہ منورہ کو زیر کرنا تھا ۔ اس کے لئے تیاری اور طاقت کی ضرورت تھی اور کفار قریش اس کام پر لگے ہوئے تھے ۔ چنانچہ ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کا سارا منافع اس تیاری اور ہتھیاروں کی خریداری پر خرچ ہو رہا تھا۔

۳۔ اب رد عمل یا حالات کو بھانپتے ہوئے حضورؐ پاک کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی طاقت کو ایک مٹھی میں رکھیں اور منتشر نہ ہونے دیں ۔ قریش تجارتی قافلے شام کو جانے کیلئے اب مدینہ منورہ کے نزدیک سے گزرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے ، اس لئے اس راستہ کی دیکھ بھال کی اتنی ضرورت نہ تھی ۔ لیکن ساتھ قریش اگر کوئی متبادل راستہ اختیار کرتے ، تو وہاں پر جھپٹنا ضروری تھا کہ

قریش کو اپنی فکر بدستور رہے ۔ البتہ حضور پاک ؐ کیلئے ضروری تھا کہ مدینہ منورہ کے بیرونی متحرک دفاع کو اور مضبوط کریں کہ دشمن کے دستے نہ تو مدینہ منورہ کے اندر جھانک سکیں اور نہ اس کے دروازوں کو کھٹکھٹا سکیں ۔

۴۔ مدینہ منورہ کے بیرونی متحرک دفاع کو اور مضبوط کرنے کی ضرورت تھی

۵۔ مدینہ منورہ کے اندرونی حالات کو بھی ٹھیک کرنے کے لئے اپنے ٹوکرے سے گندے انڈے باہر پھینکنے تھے ۔

۶۔ مدینہ منورہ کے باہر جو قبائل آباد تھے، ان کے ساتھ رابطہ اور وہاں حربی مظاہروں کی ضرورت تھی کہ کرز بن جابر کی طرح کوئی یلغار نہ کرے ۔ یعنی یہ قبائل دشمن کے ساتھ کوئی رابطہ نہ قائم کر سکیں ۔

۷۔ کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ کفار قریش پرانے عراقی راستے کو شام کے ساتھ تجارت کیلئے استعمال کر رہے ہیں ۔ اس راستے پر چھاپہ مارنے کی ضرورت بھی تھی کہ دشمن کو وہاں بھی حفظ ماتقدم میں الجھا دیا جائے ۔

۸۔ اپنی تعداد اور اللہ کی فوج میں بھی اضافے کی ضرورت تھی ۔ اور اس کے لئے فوجی تربیت کی ضرورت تھی ۔ کئی نو مسلم اور نوجوان لشکر میں شامل ہوئے ۔ اسلئے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر حربی مظاہروں اور جنگی مشقوں کی ضرورت تھی ۔

جنگ میں التوا کفار قریش کے پاس اتنی طاقت تھی کہ جنگ بدر کے چند ماہ بعد وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے ۔ جس میں اگر وہ زیادہ کامیاب نہ بھی ہو سکتے تو جنگ بدر کا کچھ بدلہ تو لے سکتے تھے ۔ لیکن ہمارے آقا نے جو نئی حکمت عملی تعین کی اور اس کا آگے ذکر آتا ہے، اس کے تحت قریش کے حملے میں التوا پر التوا ہوتی گئی ۔ جب اپنی طاقت دشمن کے مقابلے میں کم ہو ۔ اور طاقت میں بہتری کی امید سے یا اس سلسلہ میں کوشش کرنا شروع کیا ہوا ہو، تو اہم فوجی اصول ہے کہ دشمن کے جارحانہ عزائم کو التوا میں ڈلوا دو ۔ چنانچہ حضورؐ پاک اس کام کو اس طرح کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جب دشمن آیا تو آپؐ نے اس کو ناکام لوٹا دیا ۔ اور دشمن آیا بھی ایسے وقت اور ایسی جگہ جو حضورؐ پاک کی مرضی کے مطابق تھا ۔ یہ تھی جنگ احد جس کا ذکر بارہویں باب میں ہو گا ۔ اب اس ایک سال کی حکمت عملی اور کارروائیوں کا اجمالی خاکہ پیش ہوتا ہے ۔

نظر ثانی شدہ حکمت عملی چنانچہ اس حکمت عملی کے تحت حضورؐ پاک نے اندرونی استحکام کیلئے اپنے علاقہ سے دو شرپسندوں کا خاتمہ کروایا ۔ اس کے بعد ایک یہودی قبیلہ کو مدینہ منورہ سے دیس نکالا دیا ۔ علاوہ ازیں چند غزوات واقع ہوئے اور ایک شرپسند کو قتل کروایا ۔ دو بڑے قبائل اور کئی چھوٹے قبیلوں کے مزاج درست رکھے ۔ ابو سفیان نے جو مدینہ منورہ میں جھانکنے کی کوشش کی تو اس کو شکار کرنے کی بھی تیاری تھی ۔ لیکن وہ جلد بھاگ نکلا ۔ اور اس نے مدینہ منورہ میں جھانکنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا ۔ اس کے بعد حضورؐ پاک ازخود تین مہمات پر نکلے جو فوجی مشقیں بھی تھیں ۔ اور قبائل پر رعب بٹھانے کے لئے حربی مظاہرے بھی اور آخر میں جناب زیدؓ بن حارث سے قریش کے متبادل تجارتی عراق والے راستہ پر چھاپہ بھی مروایا ۔ قارئین کو ان واقعات کے ترتیب و بیان سے حکمت عملی بہتر طور پر سمجھ آجائے گی ۔

عصماء کا قتل (۲۵ رمضان دو ہجری) یہ اسلام کی دسویں فوجی کارروائی ہے ۔ عصماء ایک شاعرہ تھی اور یزید بن زید کی بیوی تھی ۔ بڑی ہی شرپسند تھی اور بڑی فصیح بھی تھی ۔ اس نے حضورؐ پاک اور صحابہ کرامؓ کی ہجو کو اپنا شعار بنا کر اپنے فتنہ کو آگے

بڑھایا۔ اسلام کے تمام دشمن مدینہ منورہ کے اندر باہر سے اس عورت کا کلام سننے کے بہانے اکٹھے ہوتے تھے، اور شرپسندوں میں اس طرح رابطہ ہوتا تھا۔ عمیرؓ بن عدی ایک انصار صحابی تھے۔ جن کی بینائی اتنی کم تھی کہ وہ جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے حضورؐ پاک سے گزارش کی کہ سعادت کے طور پران کو اس عورت عصماء کو ختم کر کے اس کے فتنہ کو نابود کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ پاک نے اجازت دے دی۔ جناب عمیرؓ ۲۵ رمضان کی رات کو آہستہ سے اس عورت کے گھر داخل ہوگئے، اور ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے اس عورت کی چارپائی کے نزدیک پہنچ گئے۔ پس تلوار اس کے سینہ سے پار کر دی۔ اور صبح کی نماز واپس آکر مسجد نبوی میں پڑھی۔ حضور پاکؐ کو جب ساری کہانی سنائی تو آپؐ نے ان کا نام عمیر بصیرؓ کر دیا سبحان اللہ۔ قارئین کو ہماری موجودہ تاریخوں میں یہ کہانی نہ ملے گی کہ ہمارے امن پسندے اور تلوار سے نفرت کرنے والے اہل مغرب کی سازش کا شکار ہیں کہ ان کو ان "تہذیب یافتہ" لوگوں سے بڑا "ڈر" لگتا ہے۔ یہ عاجز ان لوگوں کی تہذیب کی کلی پچھلے ابواب میں کھول چکا ہے۔ اور ایسے قتال پر تبصرہ آگے کرے گا کہ ابھی دو اور قتال کا ذکر باقی ہے۔

۲۔ ابو عفک یہودی کا قتل (شروع شوال۔ دو ہجری) یہ اسلام کی گیارہویں فوجی کارروائی ہے۔ ابو عفک ایک سو سالہ بوڑھا یہودی تھا۔ اس کا قبیلہ عمرو بن عوف میثاق مدینہ کو منظور کر چکا تھا۔ لیکن یہ مردود نہ مانا۔ اور ہر وقت لوگوں اور خاص کر یہودیوں کی رسول اللہؐ کی مخالفت پر برانگیختہ کرتا رہتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور اپنے گرد کافی شرپسند اکٹھے کر رکھے تھے۔ مسلمان جب جنگ بدر کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر رہے تو ابو عفک نے ان شرپسندوں کی مدد سے مدینہ منورہ میں بہت شر پھیلانے کی کوشش کی۔ جناب سالمؓ بن عمیر ایک صحابی تھے، جن کو جنگ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہو چکی تھی۔ وہ حضورؐ پاک کی ہجو سننے پر تیار نہ تھے۔ ان کی وہی حالت ہو جاتی تھی جو اس زمانے میں اس خطے میں چند عاشقوں کی ہوئی۔ جس کا ذکر آگے خلاصہ میں آتا ہے۔ بہرحال انہوں نے نذر مانی کہ وہ ابو عفک کو ضرور قتل کریں گے یا ایسی کوشش میں ان خود کو شہادت نصیب ہو گئی تو ان کی زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ لیکن حضورؐ پاک سے اجازت کی ضرورت تھی جو مل گئی۔ گرمی کے موسم کی ایک رات کو ابو عفک اپنے گھر کے صحن میں سویا ہوا تھا۔ جناب سالمؓ چپکے سے گئے اور اس مردود کا کام تمام کر دیا۔ حضورؐ پاک کے دو دشمنوں کے قتل نے شرپسندوں کے دل میں ڈر پیدا کر دیا۔ اب وہ شر پھیلانے کیلئے اکٹھے ہونے سے گھبرانے لگے۔

۳۔ بنی قینقاع کی سرکوبی (درمیانی عرصہ شوال دو ہجری) یہ اسلام کی بارہویں فوجی کارروائی ہے۔ ایک فرد کی شر کے مقابلے میں کسی قبیلہ یا گروہ کی شر زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اور ان پر ہاتھ بھی کسی باقاعدہ تجویز کے تحت ڈالا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے تین یہودی قبیلوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں بنو قینقاع، قبیلہ خزرج کے عبداللہ بن ابی، منافق کے زیر اثر لوگوں کے حلیف تھے۔ بنو نضیر، قبیلہ خزرج کے باقی حصہ کے حلیف تھے جن کے سردار جناب سعدؓ بن عبادہ تھے۔ اور بنو قریظہ، جناب سعدؓ بن معاذ کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ عبداللہ بن ابی جنگ بدر میں شریک نہ ہوا تھا۔ وہ مدینہ منورہ میں رہا اور اس کی شہ پر جنگ بدر کے دوران بنو قینقاع نے میثاق مدینہ توڑ دینے کا اعلان کر دیا۔ اس کی کچھ وجہ یہ تھی کہ ان کو کفار قریش کے بڑے

لشکر کے بارے میں خبر مل گئی تھی کہ وہ بدر کے قریب پہنچ گیا ہے اور ان کا جائزہ تھا کہ تین سو مسلمان اس کفار قریش کے لشکر کے سامنے تر نوالہ ہوں گے۔ حضورؐ پاک نے جنگ بدر سے واپس آنے کے بعد چند دن خاموشی سے گزارے کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑنا تھا اور اپنے متعدد زخمیوں کی دیکھ بھال کی ضرورت تھی۔ لیکن زیادہ دیر بھی نہ کی اور شوال کے درمیانی عرصہ میں حضورؐ پاک نے مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ ان کے علاقہ پر دھاوا کر دیا۔ قرآن پاک میں اس سلسلے میں یہ آیات اتر چکی تھیں۔ "اور اگر آپؐ کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا اندیشہ ہو، تو آپؐ ان کے عہد کو مساوی طور پر واپس کر دیں۔ بے شک اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

ان آیات میں دراصل ایک حکم تھا۔ اور حضورؐ پاک نے باقاعدہ فوجی طریقہ کے ساتھ پیشقدمی کر کے بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا، حضورؐ پاک کا علم جناب حمزہؓ نے اٹھایا ہوا تھا۔ اور حضورؐ پاک نے اس مہم کیلئے انصار مدینہ کے ہر چھوٹے قبیلہ کو اپنا اپنا جھنڈا اٹھانے کی اجازت دے دی۔ پھر کیا تھا ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سارا مدینہ منورہ بنو قینقاع پر چڑھ دوڑا ہے۔ بنو قینقاع ڈر گئے اور قلعہ بند ہو گئے۔ حضورؐ پاکؐ نے پورے پندرہ دن ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ اب عبداللہ بن ابی آگے آیا، اور سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی۔ حضورؐ پاک نے بنو قینقاع کی خیانت کا اعلان فرما کے ان یہودیوں اور ان کے حلیفوں پر لعنت بھیجی۔ لیکن عبداللہ کا بیٹا اور خاندان کے کافی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور عبداللہ بھی بین بین تھا۔ تو حضورؐ پاک نے مصلحت سے کام لیا۔ اور یہودیوں کی جان بخشی یا ان کو اس شرط پر امن دینے کیلئے تیار ہو گئے، کہ بنو قینقاع مدینہ منورہ سے جلا وطنی پر تیار ہو جائیں۔ یہودی تیار ہو گئے۔ ان کے مدینہ منورہ سے انخلا کی کارروائی پر عظیم صحابی جناب عبادہؓ بن صامت امیر یا نگران مقرر ہوئے۔ آپ کے اولین مسلمان اور بارہ نقیبوں میں سے ایک ہونے کا ذکر آٹھویں باب میں ہو چکا ہے۔ آپ نے یہودیوں کو فوجی، بھاری اور قیمتی سامان ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی۔ اور یہ سامان مسلمانوں نے مال غنیمت کے طور پر آپس میں بانٹ لیا، بنو قینقاع کے یہودی پہلے اذرعات گئے اور پھر وہاں سے ملک شام میں پھیل گئے۔

اس طرح سے ان تین واقعات کیوجہ سے مدینہ منورہ کافی حد تک شرپسندوں سے پاک ہو رہا تھا۔ اور بہتر اندرونی استحکام کی صورت پیدا ہو رہی تھی۔ بنو قینقاع، مدینہ منورہ سے تھوڑا باہر آباد تھے۔ نقشہ دہم میں جنگ خندق کے وقت بنو نضیر اور بنو قریظہ کا علاقہ دکھایا گیا ہے۔ بنو قینقاع ان سے بھی دور شہر کے جنوب مشرقی کونے میں رہتے تھے۔ لیکن ان کے اثرات ہوتے تھے۔ اور لڑائی کے وقت اگر یہ لوگ دشمن کے ساتھ مل جاتے تو بڑا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ تو اللہ تعالے مدینہ منورہ کے پاک ہونے کا سبب پیدا کر رہا تھا۔ ہمارے اس زمانے کے مورخین نے اس ساری کارروائی کو ایک فقرے میں ختم کر دیا کہ بنو قینقاع کو مدینہ منورہ سے دیس نکالا دے دیا۔ لیکن اس پندرہ دن کی فوجی مہم کے بارے میں کچھ نہ کہا جس میں حضورؐ پاکؐ نے مدینہ منورہ میں مشہور صحابی جناب ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر کو اپنا نائب مقرر کیا۔ کہ آپؐ اور آپؐ کے لشکر کا کوئی آدمی گھر نہ آتا تھا۔ اسلام میں ہر سطح اور ہر جگہ پر امارت اور اطاعت امیر کو بہت اہمیت ہوتی ہے اور یہ اس عملی اسلام کی زندہ مثال ہے جس سے

پردے ہٹانے کی یہ عاجز کوشش کر رہا ہے۔

حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا   تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے نہیں ہے (اقبالؒ)

۴۔ **ابو سفیان کا تعاقب** (ذوالحجہ دو ہجری) یہ اسلام کی تیرھویں فوجی کارروائی ہے۔اس کو سویق کی مہم بھی کہتے ہیں جنگ بدر میں اہل قریش نے جو ہزیمت اٹھائی، اس کی وجہ سے ابو سفیان بڑا شرمندہ تھا اور اکثر بدلہ لینے کا سوچتا تھا، فدیہ وغیرہ کی ادائیگی کیوجہ سے جنگ بدر کے قریش، قیدیوں کو مکہ مکرمہ واپس پہنچنے میں کچھ وقت لگ گیا اور پھر حج کا موسم آگیا۔حج کے بعد اسی سال یعنی ۲ ہجری کے آخری ایام میں ابو سفیان نے دو سو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ کسی ایک جگہ حملہ کر کے نقصان پہنچائے گا یا کچھ صحابہ کرامؓ کو گرفتار کر کے یرغمال کے طور پر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ لیکن مدینہ منورہ کا مستقر اس کو اس کی کیسے اجازت دیتا۔اس نے مختلف مقامات سے اندر گھسنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا وہ ایک دو محافظوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے ایک منزل دور ایک پہاڑی تیاب کے راستہ اندھیرے اندھیرے ایک رات بنو نضیر کے ہاں پہنچا اور معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں ایک دشمن اسلام یہودی سلام بن مشکم کو بھی ملا۔لیکن بنو نضیر کے یحیٰ بن اخطب نے ابو سفیان کو ملنا تو درکنار اپنے گھر کا دروازہ بھی اس کے لئے نہ کھولا۔ابو سفیان حالات، اور مدینہ منورہ پر مسلمانوں کے اثر کو بھانپ گیا اور اپنے دستہ کو بلا کر، انصار مدینہ کے ایک باغ کا رخ کیا اور وہاں ایک انصار اور اس کے ساتھی کو شہید کیا اور درختوں کو آگ لگادی۔حضورؐ پاک نے مدینہ منورہ میں پھر جناب ابو لبابہؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور ابو سفیان کے تعاقب میں نکلے جو بھاگ رہا تھا۔حضورؐ پاک اور ان کے صحابہؓ کو لشکر کو ترتیب دینے میں کچھ دیر لگ گئی تھی۔اس لیے قریش کا لشکر بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔لیکن مسلمانوں کا حملہ اتنا تیز تھا کہ کفار جو کھانے کے لیے غلہ یا اناج لائے تھے وہ سب کا سب ان کو پھینکنا پڑا۔اس کو سویق کہتے ہیں۔یہ باجرے کی ایک قسم ہے جس کو ابال کر چاولوں کی طرح کھالیا جاتا ہے اور اس کا بھات بھی بنتا ہے۔اسی وجہ سے اس مہم کا نام غزوہ سویق بھی ہے۔ہمارے مترجموں نے سویق کا مترجمہ ستو کیا ہے۔لیکن سویق کو پنجابی اور پشتو میں سواق کہتے ہیں۔اور یہ عربوں کا من بھاتا کھانا تھا۔اور اس علاقے میں بھی ایسا تھا۔لیکن اب یہ فصل اور اناج ناپید ہوتا جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے دانوں پر چاولوں کی طرح چھلکا چڑھا ہوتا تھا، جس کو اکھلی اور موہلا کی مدد سے بڑی محنت کر کے صاف کرنا پڑتا تھا۔بہر حال ابو سفیان کے لشکر کا حضورؐ پاک نے قرقراتہ القدر تک تعاقب کیا، جو مدینہ منورہ سے آٹھ منزل دور ہے۔اور اس طرح حضورؐ پاک مدینہ منورہ سے پانچ دن باہر رہے۔اس سال حضورؐ پاک مدینہ منورہ سے کتنے دن از خود باہر رہے وہ کم از کم سو دن بنتا ہے۔یعنی صفر دو ہجری میں ابوا کی مہم سے لے کر جنگ بدر کے وقت تک چار مہمات میں ہر ایک میں تقریباً دو ہفتے باہر رہنا پڑا۔اور پھر بدر کی جنگ کے سلسلہ میں تقریباً بائیس دن باہر۔بنو قینقاع کی مہم پر پندرہ دن اور اب سال کے آخر میں پانچ دن۔تو مسلمان بننا آسان نہیں۔بہت کام کرنا پڑتا ہے۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری   مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری

ماسوا اللہ کے لئے ہے اک تکبیر تری   تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری (اقبالؒ)

تبصرہ ۔ ظاہر ہے کہ حضور پاکؐ کفار مکہ کی اس قسم کے کسی جھپٹا یا کارروائی کے منتظر تھے اور ایسا کرنے کیلئے قریش زیادہ آدمی بھی لا سکتے تھے ۔ لیکن حضور پاکؐ آگے سے تیار تھے ۔ قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ جنگ بدر کو تین ماہ ہو چکے تھے ۔ لیکن پہلے کی طرح حضور پاکؐ نے کوئی بڑا گشتی دستہ مدینہ منورہ سے باہر نہ بھیجا ۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ پاک اپنی طاقت کو منتشر نہ کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن قریش اس ناکامی کے بعد اب جلدی کسی کارروائی کے قابل نہ تھے ۔ تو حضورؐ پاک نے پھر حربی اور گشتی کارروائیاں شروع کر دیں ۔

۵ ۔ **قرقرۃ یا قرارۃ الکدر کی مہم** ۔ (محرم تین ہجری) یہ اسلام کی چودھویں فوجی کارروائی ہے یہ مقام مدینہ منورہ سے تقریباً دو سو میل دور ہے ۔ اور قبیلہ غطفان اور بنو سلیم کے کچھ لوگ یہاں بستے تھے ۔ نقشہ ششم پر اس مقام کی کچھ نشاندہی ہے ۔ کہ یہ سعد متونہ اور معدن کا درمیانی علاقہ ہے ۔ حضور پاکؐ نے دو سو صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار کیا ۔ علمبرداری کی سعادت جناب علی المرتضٰیؓ کو ملی ۔ اور مدینہ منورہ میں ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب مقرر کیا ۔ آپؐ کو خبر ملی تھی کہ کچھ قبائل قرارۃ الکدر میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور قریش مکہ کی شہ پر مدینہ منورہ پر چھاپہ ماریں گے ۔ لیکن پہلے اس کے کہ وہ لوگ کچھ کرتے آپؐ ان کی جمگاہ میں پہنچ گئے وہ لوگ ہر پانچویں دن ایک جگہ سے پانی لا کر اپنے جانوروں کو پلاتے تھے ۔ اور چند محافظوں کو چھوڑ کر زیادہ لوگ اس دن جمگاہ میں نہ تھے کہ پانی لانے گئے ہوئے تھے ۔ حضورؐ پاک نے ان لوگوں کو پکڑ کر قیدی بنا لیا ۔ اور ان میں مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے والوں کے پانچ سو اونٹ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے ۔ یہ قیدی اور اونٹ مسلمانوں میں بانٹ دیئے گئے ۔ حضورؐ پاک کے حصہ میں جو قیدی آیا وہ مسلمان ہو گیا ۔ اور حضورؐ پاک نے اسے آزاد کر دیا ۔ اس علاقے میں مسلمانوں کی یہ پہلی اتنی بڑی مہم تھی ۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا اس علاقے میں رعب بیٹھ گیا ۔ ان قبائل پر ایسا رعب بٹھانا ضروری تھا کہ ایسا نہ کرتے تو وہ قریش مکہ کا ساتھ دے کر مسلمانوں کا نقصان کرتے ۔ ہمارے آجکل کے مورخین نے اس مہم کو بھی اپنی کتابوں سے نکال دیا ہے کہ ان کو یہ بیان کرتے ہوئے "شرم" آتی ہے کہ حضورؐ پاک اب قریش کے علاوہ باقی قبائل پر بھی حملے کرتے تھے ۔ اور ان کو ڈر لگتا ہے کہ غیر یہ نہ کہیں کہ مسلمان بڑے جابر تھے ۔ بھائی، لوگوں کو کہنے دو ۔ ہم اللہ والے ہیں اور اس جہاں کے مالک ہیں ۔ علامہ اقبالؒ ایسے لوگوں کو جواب دے گئے ہیں :۔

یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے   کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

۶ ۔ **محمدؓ بن مسلمہ کا کعب بن اشرف پر حملہ** ۱۴ ربیع الاول ۔ تین ہجری) یہ اسلام کی پندرھویں فوجی کارروائی ہے کعب بن اشرف کی اسلام دشمنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی ہجو میں نظمیں لکھنا ایک لمبا مضمون ہے ۔ وہ کبھی مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تھا ۔ اور وہاں قریش کو بھڑکاتا اور کبھی واپس مدینہ منورہ آجاتا اور اپنی بستی میں فساد پھیلاتا ۔ حضورؐ پاک نے ربیع الاول تین ہجری کو اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے عظیم انصار صحابی محمدؓ بن مسلمہ کیساتھ دو مجاہدوں کو اس کے گھر بھیجا ۔ جنہوں نے نہایت

نقشہ ششم
جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی وقفہ
کی کاروائیاں
شمال
۱. بنو قینقاع ، عصماء ، ابو عفک اور کعب بن اشرف کا خاتمہ
۲. ابو سفیان کا تعاقب
۳. قرقرہ الکدر کی مہم
۴. غطفان کی مہم
۵. بنو سلیم کی مہم
۶. زید بن حارث کا قردہ پر حملہ
غطفان
قرقرۃ
بنو سلیم
معدن
غزوہ غطفان
غزوہ سلیم
عراق جانے کا راستہ
بنو قینقاع
عصما
ابو عفک
کعب بن اشرف
کا خاتمہ
زید بن حارث
کا چھاپہ
قریش کے تجارتی قافلہ کی واپسی
ابو سفیان
سویق کا غزوہ
الجحفہ
بحیرہ قلزم
عسفان
مکہ مکرمہ
جدہ
یمامہ
سکیل ۱/۳،۰۰۰،۰۰۰
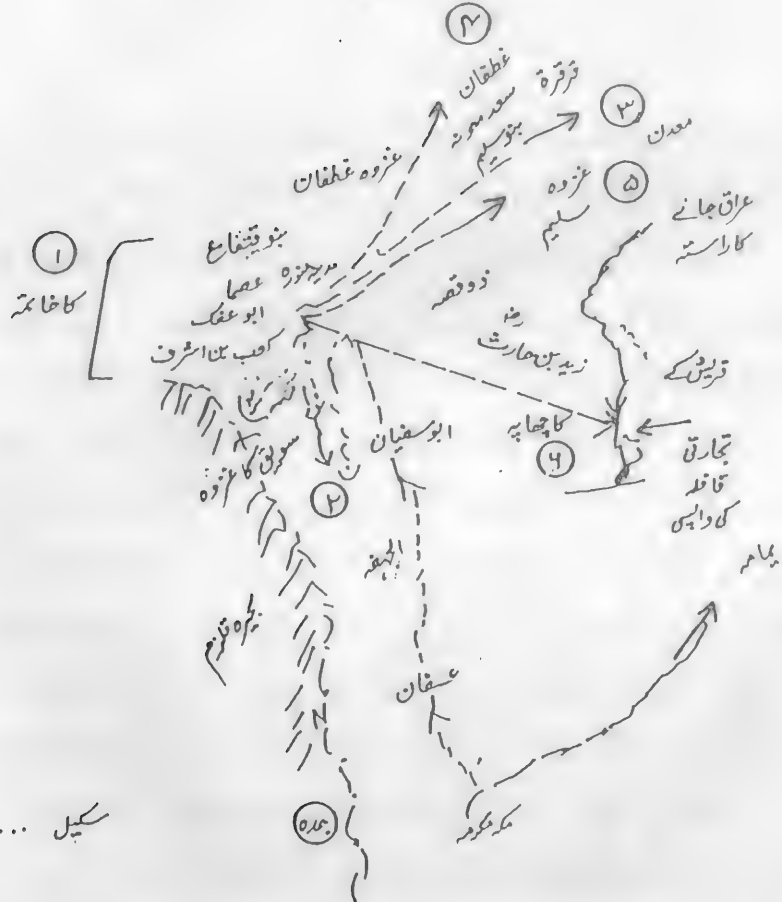
ہوشیاری سے اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ جنگ خندق کے نقشہ میں اس کے قلعہ کو بھی دکھایا گیا ہے۔ ابن اسحق، ابن سعد اور بخاری شریف میں جناب جابرؓ بن عبداللہؓ کی روایت سے کعب کے قتل کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مختصراً حضورؐ پاک نے فرمایا "کہ کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرتا ہے، کہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو بڑی ایذا دی ہے تو جناب محمدؓ بن مسلمہ یہ سعادت حاصل کرنے کو تیار ہو گئے۔ کعب کو قتل کرنا آسان نہ تھا۔ وہ مضبوط قلعہ میں رہتا تھا اور بڑی حفاظت کے ساتھ اور دائیں بائیں بڑی پوشیدگی سے نکلتا تھا۔ اس کو ختم کرنے کیلئے ایک لشکر کی ضرورت تھی۔ لیکن اس شرپسند کو دھوکے کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اب غیر اس کو سیاسی قتل کہیں تو بھی ہمیں منظور ہے کہ اسلام میں سیاست دین کے تابع ہے۔ گو اسلام کی سیاست ابلیسی سیاست نہیں۔ بہر حال ہمارے لحاظ سے ایک شیطان یا ابلیس کو اللہ کے راستے سے ہٹانا تھا۔ اور ہمارے آقاؐ کی اس نے جو ہجو کی تو جناب محمدؓ بن مسلمہ نے اس مردود کو اس کی سزا دی۔ آپ عظیم انصار صحابی ہیں۔ اور آپکے دوسرے بھائی جناب محمودؓ، جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔

۷۔ **غطفان کی مہم** (ربیع الاول تین ہجری) یہ اسلام کی سولھویں فوجی کارروائی ہے۔ اس کو ذوامر بحران کی مہم بھی کہتے ہیں۔ ربیع الاول تین ہجری میں آپؐ غطفان کی مہم کے لئے نکلے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ حضورؐ پاک کو خبر ملی تھی کہ قبیلہ بنو ثعلبہ اور محارب کی ایک فوج ذوامر بحران میں اکٹھی ہو رہی ہے۔ چند دن آپؐ نے اس سارے علاقے کی دیکھ بھال میں صرف کیے۔ لیکن یہ قبائل تتر بتر ہو گئے۔ نقشہ ششم سے استفادہ کریں۔ اس مہم کیلئے بھی ذوقصہ والا راستہ استعمال کیا گیا۔ وہاں بنو ثعلبہ کا جبار ملا اور اس نے بتایا کہ مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر سن کر قبائل تتر بتر ہو گئے ہیں۔ حضورؐ پاک نے جبارؓ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اور حضورؐ پاک کے جمال کا اثر اس پر ہو چکا تھا پس مراد پا گیا۔ اس جہاد کے دوران بارش ہو گئی۔ اور سب مجاہدین کے کپڑے بھیگ گئے۔ بارش کے تھم جانے کے بعد، حضورؐ پاک الگ ہو گئے اور معمولی کپڑے زیب تن کر کے الگ ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا اور ادھر ہی گیلے کپڑے لٹکا دیے۔ اسی دوران ایک دعثور بن حارث جو اس علاقے کا غیر مسلم تھا وہ چپکے سے آپؐ کے نزدیک پہنچ گیا۔ تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا کہ "اب آپؐ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" حضورؐ پاک جن کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا، وہ اٹھ بیٹھے اور مسکرا کر فرمایا۔ "میرا اللہ" اس جواب میں جمال اور جلال دونوں کی اتنی سخت جھلک تھی کہ دعثور اپنے حواس کھو بیٹھا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور اس پہ کپکپی طاری تھی۔ حضورؐ پاک نے اٹھ کر اس کی تلوار لے لی اور پوچھا "کہ اب تمہیں کون بچائے گا"۔ لیکن دعثورؓ کی قسمت جاگ اٹھی۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اور بعد میں اپنے پورے قبیلہ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جن میں سے اکثر کی قسمت جاگ اٹھی۔ اس مہم پر حضورؐ پاک تقریباً گیارہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیات اس مہم کے سلسلہ میں ہیں "اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو۔ جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالی نے ان کا ہاتھ روک دیا" علامہ مرحوم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان   مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

۸۔ بنو سلیم کی مہم (جمادی الاول تین ہجری)   یہ اسلام کی سترھویں فوجی کارروائی ہے۔ اس مہم اور بنو سلیم کے اس علاقہ کی نشاندہی بھی نقشہ ششم پر کر دی گئی ہے۔ یہ مہم بھی اس علاقہ میں تھی جہاں پہلی دو مہمات گئیں۔ فاصلہ بھی تقریباً سو میل بنتا ہے۔ حضورؐ پاک نے ۶ جمادی الاول کو اس طرف رخ کیا۔ اور جناب ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں اپنی نیابت سونپی۔ لشکر کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ جیسے ہی مسلمانوں نے اس علاقے میں قدم رکھا تو لوگ بھاگ کر تتر بتر ہو گئے۔ اور جنگ کی نوبت نہ آئی دراصل یہ بھی ایک جنگی مشق اور حربی مظاہرہ تھا۔ اور بڑا مقصد یہ تھا کہ بنو اسد، بنو ثعلبہ، بنو فزارہ، بنو سلیم، بنو غطفان یا اور قبائل مدینہ منورہ سے دور ہی تتر بتر رہیں۔ کہ کفار قریش جب مدینہ پر حملہ آور ہوں تو یہ قبائل کسی لوٹ و مار کی غرض سے قریش کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں۔ ہماری اس کتاب میں، یہ سب قبائل اب اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے۔ غیر جب حضورؐ پاک کے رفقاؓ کی دنیا کی فتوحات کو پڑھتے ہیں تو اس کے وجوہات سوچتے ہیں۔ لیکن ان کو کیا معلوم کہ حضورؐ پاک نے اپنے رفقا سے کتنی جنگی مشقیں کرائیں اور کتنے حربی مظاہرے۔ اور اپنے عجب حالت میں ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ایسا شاید صرف اس زمانے میں ممکن تھا۔ لیکن اب افغان مجاہدین نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ سب کچھ اس زمانے میں بھی ہو سکتا ہے۔

یقین پیدا کر نادان! یقین سے ہاتھ آتی ہے   وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (اقبالؒ)

۹۔ زیدؓ بن حارث کا قردہ پر حملہ (جمادی الثانی تین ہجری)   یہ اسلام کی اٹھارویں فوجی کارروائی ہے۔ جنگ بدر کے بعد قریش مدینہ منورہ کے راستے سے ملک شام کے ساتھ تجارت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے عراق والا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ حضورؐ پاک نے سو صحابہ کرام کے ساتھ حضرت زیدؓ کو بھیجا، جنہوں نے قردہ کے مقام پر قریش کے ایک قافلہ پر چھاپہ مارا اور بہت سارا سامان ہاتھ لگا اور قافلہ کے سردار فرات بن حیان کو بھی گرفتار کر لیا اور اس کو مدینہ منورہ لے آئے۔ البتہ اس کی قسمت نے یاوری کی اور حضورؐ پاک کے جمال سے اس کا دل روشن ہو گیا۔ جناب فراتؓ نے اس کے بعد اسلام کی بڑی خدمت کی اور خلفاء راشدین کے زمانے میں آپ اور آپکے بھائی ہرمؓ بن حیان نے جنگوں میں بھرپور حصہ لیا۔ اس تجارتی قافلہ میں صفوان بن امیہ اور عبداللہ بن ربیعہ بھی تھے جو بھاگ گئے۔ صفوان کا آگے بھی ذکر آئے گا اور عبداللہ وہی تھے جس کا ذکر ساتویں باب میں ہے کہ عمرو بن عاص کے ساتھ حبشہ گیا تھا۔ ان کی قسمت ابھی نہ جاگی تھی۔

بہر حال اس چھاپہ سے مسلمانوں کو کافی مال غنیمت حاصل ہوا اور خمس کے طور پر جو کچھ بیت المال میں ڈالا گیا اس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ نقصان ایک طرف اور قریش کیلئے اب شام کے ساتھ ذات عرق والا راستہ بھی محفوظ نہ رہا۔ نقشہ ششم کے مطالعہ سے معاملات بہتر طور پر واضح ہوں گے اور مسلمانوں کے "ہاتھوں" کا بھی اندازہ لگائیں کہ کتنے دور دور تک پہنچ سکتے تھے یہ پہلا موقع تھا کہ جناب زیدؓ نے اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کی اور بڑے اچھے نتیجے نکلے۔ آپ اس سلسلہ میں آگے بھی ہمارے ساتھ رہیں گے۔ لیکن ساتھ حضورؐ پاک کی نگاہ خاص پر بھی توجہ دیں کہ ایک غلام کو کتنا شرف حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے

بلکہ حضورؐ پاک کے کئی غلاموں کو بھی یہ شرف حاصل رہا ہے اور ہے کہ وہ اپنی نگاہ کے تاثرات دکھائیں:۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (اقبالؒ)

خلاصہ۔ **نتائج و اسباق** حضورؐ پاک کی اس ایک سال کے عرصہ کی کارروائیاں دلچسپ مطالعہ کی حامل ہیں۔خاص بات یہ ہے کہ حضورؐ پاک نے اس عرصہ میں اپنے اصلی اور بڑے دشمن کے خلاف صرف دو کارروائیاں کیں۔ان میں ایک ردعمل یا تیاری کے طور پر تھی اور دوسری قافلہ پر حملہ۔دونوں کارروائیاں جارحانہ شکل وصورت والی ہیں کہ حضورؐ پاک بڑے دشمن کو باور کرانا چاہتے تھے کہ "خبردار! جب بھی مقابلہ ہوگا۔منہ کی کھاؤ گے"۔

۲۔حضورؐ پاک نے جنگ بدر سے پہلے تو نخلہ اور مکہ مکرمہ کے نزدیک تک گشتی دستے بھیجے۔لیکن اب ایسا کرنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔کہ دشمن کے ارادوں کیلئے اب وہاں صرف مخبر ہی کام کررہے تھے۔

۳۔حضورؐ پاک کو جو وقت ملا تو آپؐ نے زیادہ زور بنوسلیم اور بنوغطفان کے علاقوں یا ان علاقوں کے چھوٹے قبائل بنوفزارہ اور بنوثعلبہ کی طرف دیا۔یہ جنگی مشقیں بھی تھیں۔حربی مظاہرے بھی کہ یہ لوگ دفاع کرتے رہیں۔اور قریش کے ساتھ نہ مل جائیں۔لیکن ایک بڑا مقصد تبلیغ کا بھی تھا۔ان لوگوں کو حضورؐ پاک نے اسلام میں آنے کی دعوت دی۔اور کافی لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ مجاہدین کی طاقت اور نفری بڑھ گئی۔

۴۔اس کے علاوہ حضورؐ پاک نے مدینہ منورہ کو اندرونی استحکام دیا۔ایک شرپسند قبیلے بنوقینقاع کا مدینہ منورہ سے اخراج اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔یہودیوں کے دو قبیلے ابھی مدینہ منورہ میں باقی تھے۔ان کی کہانی بعد میں آتی ہے۔اور پورا تبصرہ جنگ خندق کے بعد پندرھویں باب میں آئے گا۔اس میں مصلحت تھی، اللہ تعالی نے حرمین شریف کو کفار سے پاک کرنا تھا اور آج بھی وہاں بڑے موٹے الفاظ میں بورڈ لگے ہوئے ہیں۔"خبردار۔غیر مسلم یہاں داخل نہیں ہوسکتے۔" تو اس کی ابتدا ہوگئی۔

۵۔حضورؐ پاک کے حکم سے تین شرپسند قتل ہوئے۔ہمارے "امن پسندے" اور اس زمانے کے مرعوب دانشور، مورخین، اور مبصرین ان قتل کے واقعات کو بیان کرتے وقت "شرما" جاتے ہیں۔یہ عاجز قارئین کی توجہ نانویں باب میں میثاق مدینہ کی سترھویں شق کی طرف دلاتا ہے جس کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے "جو شرپسند کو امن دے گا اس پر اللہ تعالی کی پھٹکار ہوگی۔اس کے لئے نہ تو توبہ ہے اور نہ قصاص" شرپسندی فتنہ کی جڑ ہوتی ہے۔اور قرآن پاک کے لحاظ سے فتنہ، قتل سے بدتر ہے۔تو شرپسندوں کو ختم کرنا اسلام کا اولین اصول ہے۔تو تب ہی حضورؐ پاک کے فرمان کے مطابق حیرہ سے چل کر اکیلی عورت نے مکہ مکرمہ میں آ کر حج کیا۔اور راستہ میں کسی کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔اور سعودی عرب میں آج بھی یہی حالت ہے۔

۶۔البتہ یہ ایک پہلو تھا۔دوسرا پہلو حضورؐ پاک کی ہجو کا تھا۔جو حضورؐ پاک کی ہجو کرے اس کو مٹانا ہمارا فرض ہے۔اور اس صدی میں ۱۹۲۵ء اور ۱۹۴۰ کے درمیان۔غازی عبدالرشید شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی علیم الدین شہید، غازی ملک میاں محمد شہید غازی دوست محمد شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی محمد عبداللہ شہید، غازی امیر احمد شہید، غازی

محمد منیر شہید اور متعدد گمنام غازی اس خطے میں پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے ناموس رسولؐ کی خاطر، ہجو کرنے والے کو واصل جہنم کیا۔ اس عاجز کو یہ یقین ہے کہ ان غازیوں اور شہیدوں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ملک عطا کیا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ علامہ اقبالؒ کا عشق رسولؐ، قائداعظمؒ کی دیانتداری، اور بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کا ہمارے لئے ایثار کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ عاجز تحریک پاکستان میں کام کر چکا ہے۔ اور پاکستان کے باقی "خالقوں" کو اچھی طرح جانتا ہے یہ فصلی بٹیرے تھے اور قائد کے مرنے کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے کیا، تو یہ لوگ پہلے بھی ایسے تھے۔ کیا جھوٹے نبی کے پیروکاروں کیلئے ایک مرکز کے واسطے کوڑیوں کے بھاؤ زمین دینے والے مسلمان ہوسکتے ہیں؟ تفصیل راقم کی کتابوں "تاشقند کے اصلی راز" اور "پنڈورا باکس" میں ہے۔ بہرحال تو یہ عاجز جس نکتہ کی طرف آنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ حضورؐ پاک کے زمانے کے ان قتال کا بیان کرتے وقت شرما جاتے ہیں۔ وہ حضورؐ پاک کی شان کو تو بھلا کیا سمجھیں گے؟ اس عاجز کو تو ایسے لوگوں کے اسلام پر بھی شک ہے۔ لیکن فتوے نہ دوں گا۔ گو فتوے ایک رائے ہیں۔ لیکن میں مفتی کہلانا پسند نہ کروں گا۔ کہ میں صرف مسلمان ہوں۔

۷۔ لیکن اس سارے مطالعہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ حضورؐ پاک نے جمادی الثانی تین ہجری سے لے کر شوال تین ہجری یعنی جنگ احد تک کوئی چھوٹی موٹی مہم بھی باہر نہ بھیجی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ پاک سمجھتے تھے کہ کفار مکہ کے حملہ کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اور وہ اپنی طاقت کو منتشر نہ کرنا چاہتے تھے۔ ایسا حملہ قریش کو ذی قعد سے پہلے کرنا تھا کہ پھر حج کے دن آ رہے تھے اس کے بعد محرم اور زیادہ التوا کی صورت میں قریش کو معلوم تھا کہ مسلمان طاقت پکڑ جائیں گے۔ حضورؐ پاک کو یہ سب کچھ معلوم تھا اور آپؐ مکمل جائزہ کیے ہوئے تھے بلکہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ پاک نے یہ بھی سوچا ہوا تھا کہ وہ دشمن کا حملہ کہاں روکیں گے۔ اور یہ ایک حیران کن کارروائی ہونا چاہیے تھا۔ کہ کم طاقت رکھتے ہوئے بھی حضورؐ پاک دشمن سے پہل کاری چھین لینا چاہتے تھے۔ یہی کچھ ہمارے اگلے باب میں زیر بحث آئے گا اور اس عاجز کا جائزہ باقی مورخین اور مبصروں سے الگ ہوگا۔ اور اسی چیز نے پیر کرم شاہ الازہری کو متاثر کیا، جس کا ذکر پیش لفظ میں ہو چکا ہے۔ لیکن یہ عاجز انشاء اللہ اپنے جائزہ کے ثبوت میں قرآن پاک سے حوالہ دے گا۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف (اقبالؒ)

جہاں تک اسباق کا تعلق ہے۔ وہ ہر لفظ میں موجود ہیں۔ اور یہ اسباق کا بھی خلاصہ تھا۔ بہرحال چند حسب ذیل ہیں۔

ا۔ دشمن کو اپنے ارادوں سے بے خبر رکھو۔ اور وہ کرو جس کی اس کو توقع نہ ہو۔

ب۔ دفاع میں جارحانہ پہلو کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ اس میں جوابی حملہ کے علاوہ جارحانہ گشتی کارروائیاں بھی ہوں۔

ج۔ فوجی حکمت عملی اور تدبیرات میں حالات کے مطابق تبدیلی اور عملوں پر ہر وقت نظر ثانی کرنا چاہیئے۔

د۔ اندرونی استحکام کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ اس کے لیے ہر حربہ استعمال کرنا جائز ہے۔

ر۔ اپنی طاقت کو کبھی منتشر نہ کرو۔ اور وقتی پھیلاؤ اتنا دیا جائے کہ ضرورت کے وقت اس کو مٹھی میں سکیڑ دیا جائے

س ۔ حضورؐ پاک نے اپنی حکمت عملی اور تدبیرات کی سنگ بنیاد اسلامی فلسفہ حیات پر رکھی ۔ یہ ملک بھی ہم نے اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنایا ہے ۔ جب تک یہاں بھی ایسا نہیں کرتے ۔ پاکستان قائم نہیں رہ سکتا ۔ اس فلسفہ حیات کو پہلے باب میں بیان کر دیا تھا کہ ہم موت کو سمجھیں کہ وہ ایک جاری زندگی کا دروازہ ہے لیکن ہماری موجودہ تصویر علامہ اقبالؒ اس طرح کھینچتا ہے ۔

تیغ و تفنگ دست مسلمان میں ہے کہاں ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر ۔

ش ۔ حضورؐ پاک نے اپنے رفقا کو فن سپہ گیری کی تربیت اس طرح دی کہ بنیاد روحانیت پر باندھی یعنی نماز اور روزہ یا باقی عبادات کو اولین حیثیت دی ۔ جب تک ہم اپنی نمازوں اور سجدوں میں وہ خلوص پیدا نہیں کرتے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا تو ہم دنیا میں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتے ۔ وہ سجدے کیسے تھے ؟

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی اس کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (اقبالؒ)

ص ۔ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ دنیا طاقتور گروہ یا طاقت والوں کا ساتھ دیتی ہے ۔ حضورؐ پاک اگر تیزی سے حربی مظاہرے اور جنگی کارروائیاں نہ کرتے، تو مسلمانوں کی تعداد میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ نہ ہوتا ۔ آج اتنی تعداد کے باوجود مسلمانوں کی جو دنیا میں کوئی وقعت نہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم قومی اور فوجی لحاظ سے طاقتور نہیں ہیں :۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی (اقبالؒ)

ض ۔ حضورؐ پاک جو تجویز بناتے اس کے نتائج ان کے سامنے ہوتے ۔ اس کو آجکل کی فوجی زبان میں Forecast of operation ۔ یعنی کارروائی کیسے ہوگی یا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ۔ کہتے ہیں اس کو پیش بینی بھی کہہ سکتے ہیں افسوس کہ پاکستان میں اس سلسلہ میں ہم بالکل نکمے ہیں اور راقم نے اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" اور "پنڈورا باکس" میں یہی رونا رویا ہے ۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن مومن والی فراست نہیں یا دل کا آئینہ صاف نہیں :۔

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے تمام سامان ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا (اقبالؒ)

مومن کی فراست کی کمی کا یہ حال ہے کہ ہم مودودی کو نہ سمجھ سکے اور سرسید کو دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیا ۔ یہ عاجز 1993ء میں سپریم کورٹ میں ثابت کر چکا ہے کہ مرزا غلام کذاب اور سرسید کو کسی ایک جگہ سے ایک جیسی ہدایات ملتی تھیں ۔ اس چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے کتاب جہاد کشمیر کا حصہ بنا دیا گیا ہے ۔

بارھواں باب

حق و باطل کا دوسرا بڑا معرکہ

(اسلام کی انیسویں فوجی کارروائی ۔ شوال تین ہجری)

جنگ احد

عجیب و غریب تبصرے جنگ بدر کے تقریباً ایک سال بعد شوال تین ہجری میں حق و باطل کا دوسرا بڑا معرکہ احد کے مقام پر پیش آیا۔ ہمارے تاریخ دان حضرات نے اس عظیم معرکہ پر کچھ عجیب و غریب تبصرے کیے ہیں اور بعض جگہ قرآن پاک کے واضح بیانات کو، بھی نظر انداز کر گئے ہیں ۔ کچھ صاحبان نے اس کو مسلمانوں کی شکست بھی قرار دیا اور اکثر نے اس کو جنگ مغلوبہ کے نام سے موسوم کیا۔ ایک فوجی ذہن، جب تمام حالات یعنی جنگ کے وجوہ، میدان جنگ کے چناؤ، جنگی کارروائی اور جنگ کے نتائج کا تجزیہ اور مختلف واقعات کا موازانہ کرتا ہے تو اس کو مؤرخین کے شکست والے تبصرے خام خیالی پر مبنی نظر آتے ہیں ۔ بلکہ اس جنگ میں ایسے فوجی مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے جن جیسی تاریخ جنگ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی ۔ صف بندی ٹوٹ جانے پر کوئی فوج میدان جنگ میں آج تک نہ ٹھہری اور نہ ٹھہر سکتی ہے ۔ لیکن ایسا معجزہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰؐ کی تیار کردہ فوج ہی دکھا سکتی تھی ۔ صف بندی ٹوٹ جانے کے بعد خاص کر ان سترہ انصار نوجوانوں کی کارکردگی جنہوں نے حضور پاکؐ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور حضور پاکؐ پر اپنی جان نثار کر رہے تھے اور کر دی یعنی ان میں ابن سعد کے مطابق نو جانثار شہید ہو گئے ۔ ایسا نظارہ زمین پر اس آسمان کے نیچے نہ اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی جنگ نے پیش کیا ۔ خالد بن ولید جو اس وقت قریش کے رسالہ کے سالار تھے یہ نظارہ دیکھ کر سکتے میں آ گئے اور میدان جنگ سے ہٹ کر اس عجیب و غریب مظاہرے کو دیکھنے میں محو ہو گئے ۔ مستقبل کے سیف اللہ نے شاید اس وقت یہ اندازہ لگا لیا ہو کہ ان کا مقام لشکر کفار میں نہیں بلکہ لشکر اسلام میں ہے ۔ چنانچہ جنگ احد ہماری عسکری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے جس کے بیچ ہمارے لئے ایسے اسباق موجود ہیں کہ ہم ان کی مدد سے اپنے فوجی حکمت عملی اور جنگی تدبیرات سے بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں ۔

جنگ کے وجوہات ہماری کتابوں میں اس جنگ کے واضح وجوہات میں کفار کے بدر کے میدان میں شکست اور اس کا بدلہ ہے اور آگے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار، عتبہ، ولید، ابو جہل، شیبہ، عاص، زمعہ، ابو البختری اور امیہ بن خلف چونکہ جنگ بدر میں مارے گئے ۔ اس لئے کفار مکہ میں ان کے رشتہ دار بدلہ لینے کے لئے بے تاب تھے ۔ یہ بات صحیح مانی جا سکتی ہے ۔ لیکن اسلام کسی رشتہ کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اسلام میں رشتہ وہ ہے جو اللہ اور رسولؐ کے ذریعے سے ہے ۔ جنگ بدر میں حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور داماد ابو العاصؓ جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے ۔ قیدی بن کر آئے ۔ یہی حالت

جناب علیؓ کی تھی ۔ ان کا بھائی حضرت عقیلؓ بھی کفار کے ساتھ تھا ۔ علمبردار اسلام حضرت معصبؓ بن عمیر کا بھائی ابو عزیز بھی کفار میں تھا حضرت عمرؓ کے ماموں اور حضرت ابو عبیدہؓ کے والد بھی کفار میں تھے اور جنگ میں مارے گئے ۔ ان کی لاشوں کو بھی باقی لاشوں کے ساتھ کنوئیں میں ڈال دیا گیا ۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبد الرحمنؓ البتہ بچ نکلے ۔ خود سیدنا حضرت ابو بکرؓ کا فرمان تھا کہ اگر نظر آجاتے تو کبھی نہ بچ کر جاتے ۔ ابو حذیفہؓ کے باپ، بھائی اور چچا کفار میں تھے ۔ علاوہ ازیں جناب عبد اللہ کا باپ سہیل بن عمرو، اور جناب عبیدہؓ کا بھائی نوفل وغیرہ سب کفار میں تھے ۔ یہ ہے اسلامی فلسفہ حیات اور نظریہ حیات ۔ لیکن افسوس کہ آج ہم طبقاتی اور صوبائی رشتوں کو بھی آگے لے آتے ہیں ۔ بہر حال کفار کو اہل اسلام کے اس نظریہ حیات کے ساتھ دشمنی تھی ۔ جس نے ان کے مطابق اور باتوں کے علاوہ بھائی کو بھائی سے الگ کر دیا تھا ۔ اس لئے باطل کا صلاح کار شیطان باطل کو اکسا رہا تھا کہ بدر کا بدلہ لو اور پھر یہ بات تو آٹھویں اور نویں باب میں واضح کر دی گئی ہے کہ ہجرت کے بعد سے اہل اسلام اور اہل کفار یعنی قریش حالت جنگ میں تھے کیونکہ باطل ہمیشہ حق کے ساتھ برسرپیکار ہے البتہ فیصلہ، جگہ اور وقت کا ہونا تھا کہ اگلا مقابلہ (راؤنڈ) کب اور کہاں ہو ۔ اور اس کا فیصلہ پوری طرح جنگ کے ایک فریق کے ہاتھ میں نہیں ہوتا ۔ دسویں باب میں جنگ بدر کا جائزہ پیش کرتے وقت اس فوجی اصطلاح کی بھی وضاحت ہو گئی ہے کہ میدان جنگ دو متحارب گروہوں کو کیسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔ یہ بھی حکمت عملی اور تدبیرات کا مقابلہ ہوتا ہے اور بہتر سوچ والا دشمن کے ساتھ اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر لڑائی لڑتا ہے ۔ نہ کہ ہماری طرح کہ ہم ستمبر ۶۵ اور دسمبر ۷۱ میں کوئی ایسی تجویز نہ بنا سکے ۔

مقابلہ یا جنگ کی تیاری بدر کی شکست کے بعد قریش تیاری میں مصروف تھے اور ہر قسم کی بھاگ و دوڑ کے بعد وہ کوئی تین ہزار کے قریب فوج اکٹھی کر سکے، جو کیل اور کانٹے کے ساتھ لیس تھی ۔ یعنی ابو سفیان کا قافلہ کی تجارت کا تمام نفع ہتھیار بندی پر لگا دیا گیا ۔ لشکر کے جذبہ کو بڑھانے کے لئے عورتیں بھی ساتھ تیار تھیں، جنہوں نے دف بجا کر جذبہ بڑھانے والے گانے سنانے تھے اور دشمن کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں اور ان کے اتحادیوں کو ختم کرنا تھا ۔ جنگ کہاں اور کیسے ہو گی اس کا فیصلہ ایک متحارب گروپ کر تو نہیں سکتا لیکن حساب کتاب سے وہ ہر طرح کے ممکنات میں ضرور جاتا ہے اور قریش اس کے لئے پوری تیاری کر کے آئے ۔ حضور پاکؐ ان سب حالات سے باخبر تھے ۔ وہ بھی اپنی طاقت میں لگاتار اضافہ کر رہے تھے اور منافق عبد اللہ بن ابی کے آدمیوں سمیت آپکی تعداد کوئی ایک ہزار تھی لیکن معتبر تعداد کوئی سات آٹھ سو کے قریب تھی ۔ اس طاقت کو کس وقت اور کہاں دشمن کے خلاف استعمال کیا جائے اس کا فیصلہ حضورؐ پاک اپنے ذہن میں بہت پہلے کر چکے تھے ۔ واقعات اس کے گواہ ہیں ۔ جنگ بدر سے پہلے آپؐ جو گشتی دستے بھیجتے تھے ان کی تعداد پچاس اور سو سو تک بھی ہوتی تھی لیکن بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں گشتی دستے چند ہی بھیجے، جن کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے اور زیادہ معلومات مخبروں سے حاصل کی گئیں یعنی آپؐ اپنی طاقت کو ذرا بھر بھی منتشر کرنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ حضور پاکؐ اس سے پہلے مدینہ منورہ سے تقریباً ستر میل دور جا کر کفار کو شکست دے چکے تھے ۔ لیکن یہاں ایسی کارروائی نہ دہرائی گئی کیونکہ دشمن بھی سبق سیکھ چکا تھا ۔ وہ بھی اب قدم

پھونک پھونک کر رکھے گا اور اندھا دھند حملہ نہ کرے گا۔ علاوہ ازیں حضور پاکؐ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیج کر دشمن کو راستے میں ہراساں کر سکتے تھے یا لگاتار چھوٹے چھوٹے پوزیشنوں سے لڑائی لڑتے لیکن اس کے دو نقصان تھے اول اس سے آپکی طاقت منتشر ہو جاتی دوم پہل کاری دشمن کے ہاتھ میں رہتی ۔ چنانچہ آپؐ کے ذہن میں جو تجویز تھی وہ یہ تھی کہ حیران کن کاروائی کر کے دشمن کے ہاتھ سے پہل کاری یعنی INITIATIVE چھین لی جائے ۔ اس میں ہمارے لئے بڑے اسباق ہیں ۔ ہر کمانڈر کو آنے والی لڑائی کا پورا نقشہ اپنے ذہن میں بنا کر اپنی ہر کارروائی کو اس بڑی سکیم کے تابع کرنا چاہیے نہ کہ اس طرح جو ۱۹۶۵ء میں ہم نے کشمیر کے محاذ پر اپنی طاقت کو منتشر کر دیا اور اگلی دفاعی لائن سے جوانوں کو اٹھا کر کشمیر کے اندر بھیج دیا۔ ہماری طاقت کو اس طرح منتشر دیکھ کر بھارت نے حاجی پیر پر حملہ کر دیا جس کو بچانے کے لئے ہمیں بڑی قربانی دینا پڑی ، جنگ میں پہل کاری کو اپنے پاس رکھنے والا بہت لمبا چوڑا مضمون ہے اور ہر سطح پر ہر کمانڈر کو یہی کوشش کرنی چاہیے کہ پہل کاری اپنے ہاتھ میں رہے ۔ اس کی متعدد مثالیں ہمیں حضور پاکؐ کی جنگوں میں ملیں گی ۔ اور ایسا کم نفری کے ساتھ کر دکھایا ، حالانکہ کم نفری کے ساتھ تو توازن رکھنا بھی مشکل عمل ہے ۔

جنگ کی تجویز اہل قریش تو مکمل تیاری کے بعد مدینہ منورہ پر یلغار کی غرض سے آگے بڑھ رہے تھے ۔ ان کی تجویز تھی " یلغار" وہ تو اس سوچ میں تھے کہ بس جہاں کوئی سامنے آیا اس کو تہس نہس کر دیں گے ۔ طاقت کا گھمنڈ بھی تھا اور ویسے ہر حملہ آور اسی امید پر آگے بڑھتا ہے ۔ لیکن اب جنگ کی تجویز کا انحصار تو حضور پاکؐ کی فوجی کاروائی پر تھا ، تو آیئے آپؐ کی تجویز کا مکمل جائزہ واقعات کی مدد سے کریں ۔ ہر جنگ کی تجویز میں میدان جنگ کے چناؤ کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے ۔ اور اس وجہ سے زمین کا مطالعہ ہماری فوجی زندگی کا ایک اہم حصہ رہا ہے اور رہے گا ۔ جو کمانڈر دشمن کو اپنی مرضی کے میدان جنگ میں نہیں لا سکتا ، وہ کبھی دشمن کو فیصلہ کن شکست نہیں دے سکتا ۔ بلکہ فیصلہ کن کارروائی بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی دشمن پر پہل کاری حاصل کر سکتا ہے ۔ ہمارے تاریخ دان حضرات بھی اس سلسلہ میں مختلف رائے وغیرہ کا اظہار کر چکے ہیں چنانچہ کوشش یہ ہو گی کہ فوجی تجزیہ اور قرآن پاک کے حوالے سے یہ ثابت کیا جائے کہ احد کے میدان جنگ کا چناؤ خود حضور پاکؐ نے کیا ۔ اور حالات کے مطابق یہ تجویز اپنی مثال نہیں رکھتی ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ احد کی جنگ کے بعد ، اور کچھ غلطی ہو جانے سے قربانی دینے کے باوجود حضور پاکؐ نے اپنی زندگی میں احد کے پہاڑ کیلئے ہمیشہ اچھے الفاظ استعمال کیا کہ یہ پہاڑی ہماری دوست ہے ۔

ہمارے اکثر راوی حضرات کے مطابق ، بدھ کے روز تک اہل قریش احد کے میدان کے قریب پہنچ چکے تھے ۔ حضور پاکؐ نے جمعرات یا جمعہ کے روز مشاورت طلب کی ۔ حضورؐ پاک اور چند عمر رسیدہ اصحابؓ کا خیال تھا کہ عورتوں کو کسی قلعہ میں بھیج دیں اور مرد مدینہ منورہ ہیں قلعہ بند ہو کر دفاع کریں ۔ لیکن نوجوان طبقہ خاص کر وہ لوگ جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ، یہ کہتے تھے کہ مدینہ منورہ سے باہر دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ ہو جائیں ۔ حضورؐ پاک نے ان کی بات مان لی اور زرہ پہن کر تھوڑی دیر بعد جب گھر سے باہر نکلے تو تب تک نوجوانوں کو سنجیدہ لوگ سمجھا چکے تھے ۔ اور وہ ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور کہنے لگے کہ

"حضورؐ! جیسے آپکی مرضی ۔شہر کے اندر ہی لڑائی لڑیں "۔ حضور پاکؐ نے فرمایا" نبی جب زرہ پہن لیتا ہے تو جنگ کئے بغیر زرہ نہیں اتارتا" اور کوچ کا حکم دے دیا اور بعد دوپہر مدینہ منورہ سے باہر نکل کر رات مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر گزاری اور صبح سویرے دشمن کے مقابلے میں احد کے مقام پر صف آراء ہو گئے وغیرہ ۔اب ان مورخین یا مبصرین نے یہ کبھی نہ سوچا کہ ایک ہزار مجاہدین مدینہ منورہ میں کہاں قلعہ بند ہوتے ۔کہ جنگ خندق کے وقت تین ہزار مجاہدین خندق کھود کر مدینہ منورہ کا دفاع کر سکے ۔اور نہ یہ اندازہ لگایا، کہ اگر حضور پاکؐ لوگوں کا کہنا مان کر چل پڑے تو دشمن کے سامنے جا کر مقابلہ کرتے ۔آپؐ دشمن کے پیچھے کیسے پہنچ گئے۔

تبصرہ اس سارے بیان کو اگر فوجی ذہن سے سوچیں تو بات بڑی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کہ کفار مکہ مکرمہ سے کب کے روانہ ہو چکے تھے اور حضور پاکؐ جنگ سے دو دن پہلے یا ایک دن پہلے مشاورت طلب کرتے ہیں کہ جنگ کہاں اور کیسے لڑی جائے ۔پھر جنگ کی تدبیرات میں اس طرح عوام یا عوام کی مرضی سے کون سا کمانڈر نپٹ سکتا ہے ۔فرض کیا عوام فیصلہ کر لیتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے باہر لڑائی لڑیں گے تو پھر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ صف بندی کیسے ہوگی اور زمین کونسی ہوگی؟ عوام کی جنگ کی تدبیرات میں اس طرح شرکت کی بات پڑھ کر اس عاجز کو ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے وقت لاہور کے عوام یاد آئے کہ ایک لاکھ کا مجمع شہر سے چھاؤنی تک پچاس ہزار رہ گیا تھا اور شالامار باغ کے پاس کوئی ایک ہزار، تھانہ مناداں کے پاس چند سو اور لڑائی میں شرکت کے لئے کوئی پندرہ بیس آدمی رہ گئے تھے ۔ہمارے دانشور اس جاہلانہ کاروائی پر فخر کرتے ہیں اور اس کو عوام کی جنگ میں شرکت کہتے ہیں (نعوذ باللہ) جنگ کے تقاضوں سے نابلد قومیں جنگ کے بارے میں ایسی ہی سوجھ بوجھ رکھتی ہیں اور جنہوں نے ایسی باتیں لکھی ہیں وہ بھی شاید ایسے ہی تھے ۔ظاہر ہے ایسے لوگ حرب وضرب کو نہیں سمجھتے:۔

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے (اقبالؒ)

گو ابن اسحق اور ابن ہشام یہ نہیں لکھتے کہ حضورؐ پاک کس وقت باہر نکلے ۔لیکن ابن سعد سحری کا وقت بتاتے ہیں تو پھر شام کو یا دوپہر کے بعد مدینہ منورہ چھوڑ کر رات باہر گزارنے والی بات سمجھ نہیں آتی ۔اگر ایسا ہوتا تو دشمن کو ضرور پتہ چل جاتا اور وہ اسی وقت یا صبح سویرے مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہو جاتا ۔لیکن تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ دوسرے روز صبح حضور پاکؐ نے اچانک جب اپنی فوج کو دشمن کے ایک پہلو پر صف آراء کیا تو دشمن اس سے بے خبر تھا اور اس کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا ۔اب قارئین ذرا نقشہ ہفتم سے استفادہ کریں، کہ اس میں قریش کا جو دوسرا پڑاؤ دکھایا گیا ہے ۔اس کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہے اور مسلمانوں کی صف آرائی جبل احد کی اوٹ میں اس کی مخالف سمت میں ہے ۔پھر اگر جنگ کی تدبیر حضور پاکؐ کی نہ تھی اور اس زمین کے بارے میں آپؐ نے پہلے سے کچھ نہ سوچ رکھا تھا تو جنگ والے دن صبح سویرے اتنے تھوڑے وقت میں مسلمان افواج نے دشمن کے بازو پر یا پچھلی طرف صف بندی کیسے کر دی اور دشمن کو لڑائی پر کیسے مجبور کر دیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ بن ابو عامر جو جنگ میں شہید ہوئے وہ جنبی تھے ۔جب کوچ کا حکم ملا تو ان کو نہانے کا

وقت نہ ملا۔ رات انہوں نے اپنی بیوی کے پاس گزاری، کہ ان کی اس دن شادی ہوئی تھی۔ جنگ کے بعد حضور پاکؐ نے حضرت حنظلہؓ کو غسیل الملائکہ کا خطاب دیا کہ آپ کو فرشتوں نے غسل دیا اور ساتھ ہی ہمارے لیے ایک روایت چھوڑنی تھی کہ مسلمانوں پر جنگ باقی معاملوں سے زیادہ فرض ہے۔ بہرحال تو اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ کا لشکر مدینہ منورہ سے صبح سویرے ہی نکلا۔

قرآن پاک یہاں تک بحث تو ہمارے ذہنوں کے لئے فوجی معاملات کے تجزیہ کی ایک مشق تھی کہ ہم اسباق کے لئے حالات کا با مقصد مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ بات قرآن پاک کی سورہ عمران کی آیت ۱۲۱ میں بالکل واضح ہے۔ (اذ غدوت... ") کہ جب نکلا تو صبح کو اہل اپنے سے جگہ بتاتا ہے مسلمانوں کو لڑائی کی"۔ اب سارا معاملہ یہاں ختم ہو جاتا ہے کہ ہمارے بعد کے مؤرخین نے جو مختلف باتیں کہیں سے سنیں تو نہ تو ان کا فوجی تجزیہ کیا اور نہ ہی قرآن پاک سے موازنہ کیا، ورنہ ایسی غلطیاں نہ ہوتیں۔ اب دو باتیں بالکل واضح ہو گئی ہیں کہ حضورؐ پاک صبح سویرے ہی مدینہ منورہ سے نکلے اور تجویز بھی حضور پاکؐ کی اپنی ہی تھی کہ اچانک جا کر اپنی مرضی کے میدان جنگ میں مسلمانوں کو دشمن کے خلاف صف آرا کر دیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ دنیا کا سپہ سالار اعظمؐ جس کے غلاموں نے چند سال بعد دنیا کو فتح کرنا تھا۔ مدینہ منورہ سے لے کر احد تک دو پڑاؤ بناتا اور اپنے ارادے کا اظہار دشمن پر پہلے ہی کر دیتا یا دشمن کو اپنے اوپر پہل کرنے کی اجازت دیتا۔

غلط رائے کی وجوہات ان ٹھوس حقائق کے ہوتے ہوئے ہمارے مورخین حضرات میں سے کچھ صاحبان نے یہ رائے کیوں قائم کی، اس کا تجزیہ ضروری ہے۔ اول تو ہماری موجودہ تاریخیں سو سال بعد لکھی گئیں اور اس وقت اسلام کی شان و شوکت کا زمانہ گزر چکا تھا۔ معاملات اہل قلم اور قصہ گوؤں کے ہاتھوں میں جا چکے تھے۔ دوم احادیث شریف بھی اڑھائی سو سال بعد اکٹھی کی گئیں۔ بعض مخلص حضرات نے بعد کے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے احد کی جنگ میں جو نقصان ہوا۔ اس کی ذمہ داری حضور پاکؐ کی بجائے دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کی۔ حالانکہ نقصان کی وجہ بھی آگے واقعات میں آئے گی۔ بہرحال ہمارے ان اہل قلم نے قرآن پاک میں جو ذکر ہے کہ "کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ لڑائی مدینہ منورہ کے اندر لڑی جائے" کی اوٹ لی کہ اگر لڑائی مدینہ منورہ کے اندر لڑی جاتی تو نقصان نہ ہوتا۔ پھر چونکہ جو تاریخ بنو امیہ کے زمانے میں لکھی گئی ان میں سے کسی ایک نے امیہ خاندان کو خوش کرنے کے لئے جنگ کو ابو سفیان کی فتح اور مسلمانوں کی شکست لکھ دیا تو شکست والا معاملہ بھی کچھ لوگوں پر چھا گیا اور شکست کے وجوہات نوجوانوں کے جذبہ (یعنی جوش بغیر ہوش) کو قرار دیا۔

غلط جائزے جاری ہیں لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان غلط جائزوں میں کمی نہیں آرہی۔ قارئین پیر صاحب کرم شاہ الازہری کا تبصرہ پڑھ چکے ہیں کہ وہ خود سینکڑوں کتابوں کو پڑھنے کے باوجود یہی سمجھتے رہے کہ احد کے مقام پر مسلمانوں کو بڑی شکست ہوئی تھی۔ لیکن راقم کی اس سلسلہ کی پہلی کوشش سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ پرانا سب کچھ بھول گئے اور راقم کے لفظ کو صحیح سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر صاحب عاجزی کے ساتھ حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں "تو معنی پیچیدہ کی

نقشہ ہفتم

شمال

جنگِ اُحد۔ شوال تین ہجری

طرفین کے لشکر اور جنگ کا پہلا مرحلہ

دشمن کا پہلا پڑاؤ

جبل الاحد

دشمن کی صف آرائی

مسلمان لشکر

عکرمہ

رماۃ

عبداللہ بن جبیر کے تیر انداز

دشمن کا دوسرا پڑاؤ
اور مدینہ کا رخ

خالد

مسلمانوں کا حفاظتی دستہ

محمد بن مسلمہ

راستہ جو مسلمانوں نے اختیار کیا

دیار بنی حارثہ

عبداللہ بن ابی کی واپسی

مسلمانوں کا ایڈوانس

سکیل کے لحاظ سے نہیں ہے

مدینہ منورہ

دل نے تصدیق کر دی " لیکن اب اس زمانے کے ایک فوجی مبصر اور " اللہ کی تلوار " کے مصنف جنرل آغا اکرم مرحوم کے بارے میں سنیئے ۔ انہوں نے اسلام کی عسکری تاریخ پر دودھ کی طرح شفاف کتابیں لکھ کر قوم کی بڑی خدمت کی ہے اور یہ عاجز ان کے بارے کہہ چکا ہے کہ اول ان کا اسلام کا مطالعہ سطحی تھا دوم انہوں نے چونکہ عاجزی کے ساتھ حضور پاکؐ اور صحابہ کرام کی شان کو نہیں سمجھا، تو اس دودھ میں مکھیاں ڈال دی ہیں ۔ وہ اپنی کتاب میں جنگ احد کو نہ صرف حضورؐ پاک کے تدبیراتی شکست کہہ گئے ہیں (نعوذ باللہ) بلکہ بڑے بحث و مباحثہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور پاکؐ کو مجبور کر دیا گیا اور وہ مدینہ منورہ سے شام کے وقت جنگ سے ایک دن پہلے نکلے ۔ اب یہ عاجز ایک چھوٹا سا میجر ہے اس کے جائزوں کو کون مانے گا ۔ اس لئے قرآن پاک کا حوالہ دیا کہ خدا کرے یہ غلطی دور ہو ۔ اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ حضور پاکؐ اور ان کے رفقا کی شان کو سمجھنے کیلئے ہم عاجزی سے اپنے بودے پیمانوں اور لفاظی سے توبہ کریں ۔ یہاں پر اس اضافے کی بھی ضرورت ہے کہ ہم نے جو اسلام کو جمہوریت بنا دیا ہے اور قائد اعظم کے منہ میں یہ الفاظ ڈال دیئے ہیں کہ ہمارے مذہب میں بھی جمہوریت ہے ۔ تو جنگ احد میں حضور پاکؐ کو بھی (نعوذ باللہ) جمہوریت نواز بنا دیا گیا ۔ اور جنگ کو بھی جمہوریت بنا دیا ۔ اور جو لوگ حضور پاکؐ کی شان گھٹانے کے کام پر لگے ہوئے ہیں انہوں نے (نعوذ باللہ) حضور پاکؐ کو " مجبور " ظاہر کیا ۔ اور ان کے لئے " وقتی شکست " کے الفاظ کو بھی استعمال کیا ۔ اور جنگ سے نابلد مولوی یہ واقعات مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور میرا خون کھولتا رہتا ہے ۔ ۱۹۶۹ء میں فوجی اخبار ہلال کے سیرت نمبر کے اجرا کی بھی بڑی وجہ یہی تھی کہ ایسے بکواسات کو ختم کیا جائے ۔ اور اس کتاب کا بھی مقصد یہ ہے کہ شیطان کے چیلے جو ہمارے دلوں سے روح محمدی نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں اس کا سد باب کیا جائے ۔

صحیح صورت حالات اب ہم اپنی کہانی کی صحیح صورت حال کی طرف واپس مڑتے ہیں کہ جیسا پچھلے باب "میں بیان ہو چکا ہے کہ حضورؐ پاک، کفار قریش کے حملہ کا انتظار فرما رہے تھے ۔ خاص کر جمادی الثانی کے بعد پچھلے تین ماہ میں گھڑی گھڑی کو دیکھ رہے تھے ۔ تو ظاہر ہے کہ دنیا کے عظیم سپہ سالار اعظم، دشمن کی نفری کی جانچ پڑتال کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اس جگہ کا انتخاب فرما چکے ہوں گے جہاں دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا ہو گا ۔ دشمن کے حملے کی خبریں ویسے بھی مدینہ منورہ میں عام تھیں ۔ لیکن حضور پاکؐ کو مخبر، خاص کر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ، آپؐ کو قریش کے ارادوں کی خبر دے چکے تھے ۔ علاوہ ازیں دو اور تیز رفتار مخبر حضرت انسؓ، حضرت مونسؓ پسران خضالہ نے حضور پاکؐ تک یہ خبر بھی پہنچا دی کہ کفار مکہ وہاں سے چل پڑے ہیں ۔ تو حضور پاکؐ نے جنگ بدر کے میدان جنگ کے چناؤ کے سلسلہ میں مشورہ دینے والے جناب حبابؓ بن منذر کو بھیجا کہ وہ دشمن کی صحیح تعداد کے بارے میں خبر لے آویں ۔ علاوہ ازیں مسجد نبوی اور حضور پاکؐ کے حجرہ مبارک پر تین عظیم صحابیوں جناب سعدؓ بن معاد، جناب آسیدؓ بن حضیر اور جناب سعدؓ بن عبادہ نے پہرہ دینا شروع کر دیا ۔ لیکن حضورؐ پاک نے جو ایک خاص کام کیا، وہ آجکل کی جنگ میں بھی پیش قدمی کے سامنے کیا جاتا ہے اور اس کو " پردہ " یا سکرین کہتے ہیں ۔ حضور پاکؐ نے عظیم انصار صحابی جناب محمدؓ بن مسلمہ کو ایک دستہ کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ دشمن پر نگاہ رکھتے ہوئے انؐ کو گھڑی گھڑی کی خبریں دیتے

رہیں ۔ اس دستہ کی نشاندہی نقشہ ہفتم پر بھی کر دی گئی ہے ۔ بہر حال کفار قریش سے جو لوگ مسلمان ہو گئے ، انہوں نے اس دستہ کو جنگ سے ایک دن پہلے شام کو بھی ضرور دیکھا ہو گا ۔ اور یہی لوگ بعد میں راوی بن گئے ہوں گے کہ مسلمانوں کا لشکر جنگ سے ایک دن پہلے مدینہ منورہ سے باہر نکلا ہوا تھا ۔ اسی وجہ سے یہ عاجز احادیث مبارکہ کے تاریخی پہلو کی چھان بین کو ضروری سمجھتا ہے کہ محدث یا راوی اس وقت کیا تھا ، کتنی عمر تھی اور کیا کر رہے تھے ۔ اس کا جائزہ لینا چاہیے ۔ افسوس کہ الٹا ہماری تاریخوں سے یہ سب واقعات نکلتے جاتے ہیں ۔ اور قارئین ان کو موجودہ تاریخوں سے غائب دیکھیں گے ۔ اسی وجہ سے یہ عاجز عملی اسلام سے پردے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے ۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو　　　کتاب خوان ہے مگر صاحب کتاب نہیں　(اقبالؒ)

حضور پاک کی کارروائی کا فوجی تجزیہ ۔ اب تک تو فوجی سوجھ بوجھ ، واقعات اور قرآن پاک کے حوالے سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ لوگوں والی بات کوئی نہ تھی ۔ حضور پاکؐ نے مشاورت ضرور طلب فرمائی تھی اور ایسی مشاورت کوئی جمہوری ادارہ نہیں ہوتا کہ معاملات پر بحث کی جائے ۔ بلکہ یہ ایک قسم کا خطاب ہوتا ہے ۔ آج کل بھی ایک کمپنی کمانڈر یا بٹالین کمانڈر کسی حملہ یا جنگی کارروائی سے پہلے اگر وقت ملے تو اپنے جوانوں کو خطاب کرتے ہیں اور حالات بیان کرنے کے بعد ایک آدھ سوال بھی کر لیتے ہیں ۔ کہ دیکھو جوان تگڑے ہو ۔ اس پر آج کل بھی نعرہ تکبیر کی صدا سے زمین و آسمان گونج جاتے ہیں اور حضورؐ پاک کے صحابہؓ کا کیا کہنے ، وہاں بھی کچھ ایسا ہی عمل ہوا ہو گا ۔

اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام　　　یہی ہے راز تب و تاب ملت عربیؒ　(اقبالؒ)

چنانچہ جنگ احد کے سلسلہ میں حضور پاکؐ کی ساری کارروائی کو جب ایک فوجی ذہن سوچتا ہے تو فوجی تدبیرات کا ایک شاہکار اس کے سامنے کھل جاتا ہے ۔ حضورؐ پاک کے پاس معتبر سات آٹھ سو کی نفری تھی ۔ دشمن کی تعداد تین ہزار تھی ۔ حضورؐ پاک کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ اپنا کم سے کم نقصان ہو اور زیادہ سے زیادہ نقصان کے ساتھ دشمن واپس مکہ مکرمہ لوٹ جائے ۔ چنانچہ حضورؐ پاک کی ساری کارروائیاں اس مقصد کے سامنے رکھ کر کی گئیں ۔ ہم جنگ کے اصولوں میں تو اس مقصد کو بار بار پڑھتے ہیں ۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اپنی فوجی حکمت عملیوں اور تدبیرات کو اس اصول کے مطابق نہیں ڈھالتے ۔ چنانچہ راقم نے قرآن پاک کے اس اصول جنگ کی پچیسویں باب میں وضاحت کرنے کے بعد ، اپنی حکمت عملیوں اور تدبیرات کو اس اہم اصول کے تابع کرنے کی سفارش کی ہے ۔ بہر حال سرکار دو عالمؐ یہ مقصد کم سے کم وقت میں اس طرح حاصل کرنا چاہتے تھے کہ دشمن کو پہل کاری کرنے کا موقع بھی نہ دیں ۔ مغرب کے ماہر جنگ کلاسوٹز کو پڑھیں وہ کہتا ہے کہ اتنی کم طاقت کے ساتھ ارادوں اور جذبہ میں خواہ کتنی ہی مضبوطی لائی جاسکے آپ دشمن کے ساتھ توازن بھی قائم نہیں رکھ سکتے ۔ لیکن دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؐ نے دشمن کو شکست بھی دے دی تو آیئے ان ممکنات یا ممکن طریق کار یعنی COURSES OPEN میں جائیں جو حضور پاکؐ کے لیے کھلے تھے ۔ یا آپؐ اختیار کر سکتے تھے ۔

نقشہ ہشتم
جنگِ اُحد کا دوسرا مرحلہ
جبل الاحد
شمال
مسلمانوں کی بے ترتیب
پیش قدمی
رماۃ
ابو سفیان
کفار کا سخت جوابی حملہ
خالد
عکرمہ
خاکہ بسکیل سے نہیں ہے
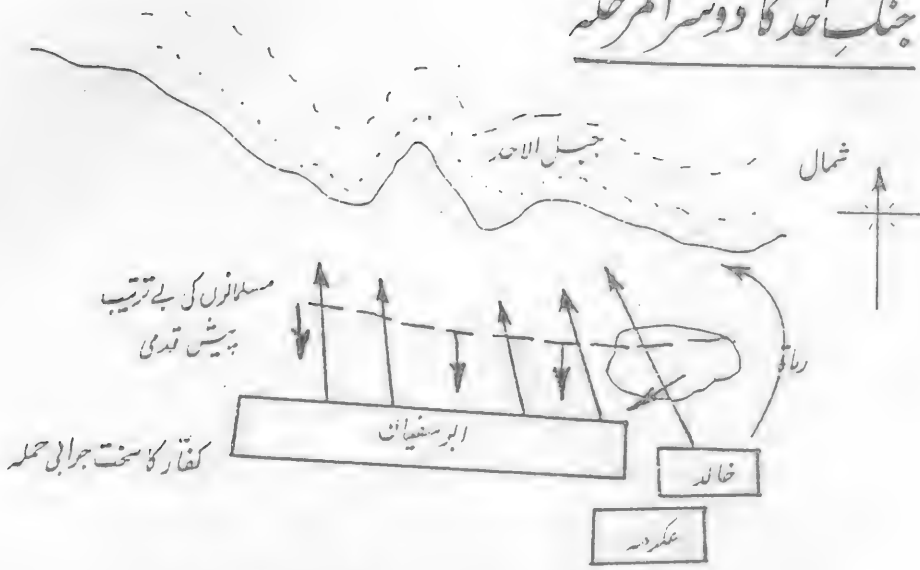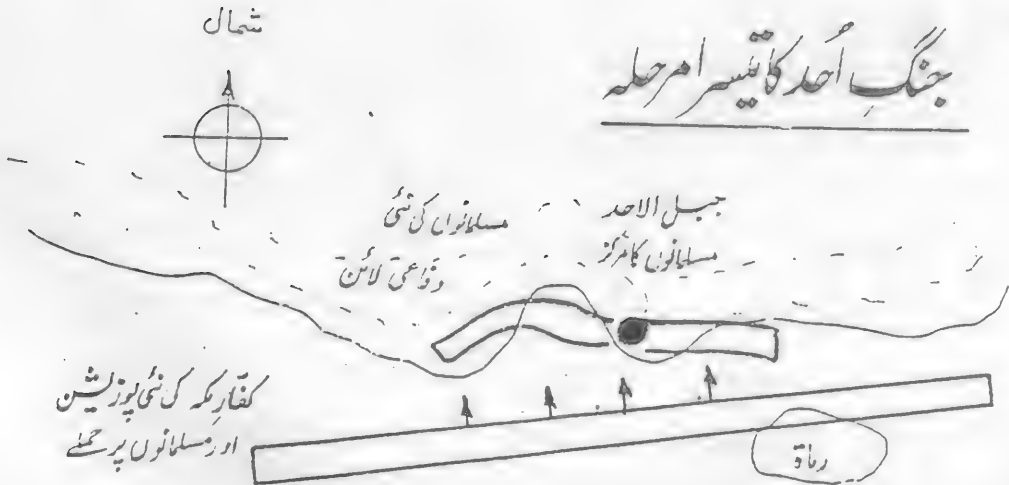
شمال
جنگِ اُحد کا تیسرا مرحلہ
جبل الاحد
مسلمانوں کی نئی
دفاعی لائن
مسلمانوں کا مرکز
کفار مکہ کی نئی پوزیشن
اور مسلمانوں پر حملے
رماۃ
ریمارکس۔ جب کفار کے نئے حملے نتیجہ خیز نہ ثابت ہوئے
تو انہوں نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا۔
خاکہ بسکیل سے نہیں ہے

ا۔ اول۔ بدر کی طرح کی کارروائی اب یہ ممکن نہ تھا کہ دشمن پھر بھی اندھا دھند حملہ کرتا۔ ویسے اصول کے مطابق بھی جنگی چال یا تدبیرات کا بار بار دہرانا ٹھیک نہیں ہوتا۔

ب۔ دوم۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دشمن کو جگہ جگہ روکنا یا ہراساں کرنا۔ اس سے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، اپنی طاقت منتشر ہوتی اور حضور پاکؐ جگہ بجگہ موجود نہیں ہو سکتے تھے کہ جنگ کی نبض شناسی کرتے اور ٹولیوں کی رہنمائی فرماتے۔ اس میں وقت کا بھی ضیاع تھا اور اپنے نقصان کا بھی اندازہ ناممکن تھا۔ پھر یہ بھی امید نہ تھی کہ اس طرح سے دشمن کو اس کے مقصد کے حاصل کرنے سے روکا جا سکے گا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کا وہ صفایا کرتا ہوا آگے بڑھتا، اور مدینہ منورہ پر یلغار سے اس کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

ج۔ مدینہ میں رہ کر قلعہ بند لڑائی: کیونکہ ہمارے اکثر صاحبان نے اس کو ایک اچھا ممکن COURSE قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو حضور پاکؐ کی تجویز بھی قرار دیا ہے اس لیے اس کا مکمل تجزیہ بہت ضروری ہے۔ اول تو جو لوگ حضورؐ پاک کی مدینہ منورہ کو فوجی مستقر بنانے والی حکمت عملی کو سمجھتے ہیں وہ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ حضور پاکؐ کسی بیٹھے یا کھڑے دفاع کی حکمت عملی کو کچھ وقعت دیتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ گشتی دستوں والی کارروائیاں یا بدر کی جنگ میں مدینہ منورہ سے اتنے باہر نہ جاتے۔ دوم اگر دشمن کو مدینہ منورہ کے دروازے کھٹکھٹانے کی اجازت دی جاتی تو دشمن اپنے ایک مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ یلغار کر کے مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا اب تاخت و تاراج کرنا باقی تھا اس میں اس کو کتنی کامیابی ہوتی اس کا حال آگے آئے گا۔ پھر کیا حضور پاکؐ سات سو مجاہدوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں قلعہ بند ہو کر لڑائی لڑ سکتے تھے جب کہ دو سال بعد خندق کھودنے کے باوجود مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے تین ہزار مجاہدین کی ضرورت پڑی، خیر اس وقت دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ لیکن آخر مدینہ منورہ کا پھیلاؤ بھی کچھ معنی رکھتا تھا۔ پھر مدینہ شہر میں عبداللہ بن ابی کے لوگ، یہودی بچوں اور عورتوں کے علاوہ تھے تو کیا حضورؐ پاک جو امت واحدہ کے تصور کو اجاگر کرنے آئے جنگ کی حالت میں ایسے بھان متی کے کنبہ پر بھروسہ کر سکتے تھے؟ آخر کس جگہ کتنے مجاہد بٹھاتے اور دشمن کو مدینہ منورہ کے اندر گھسنے میں کس کس جگہ سے روکتے؟ جب کہ نہ کوئی فصیل تھی اور نہ ایسا سامان جنگ جو قلعہ بند جنگ کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ حضور پاکؐ کے پاس سب سے بڑا سامان مسلمانوں کا قوت ارادہ، جذبہ اور ایمان تھا جو متحرک چیزیں ہیں اور اسلام خود متحرک دین ہے۔ نماز میں حرکت، زکوۃ میں حرکت اور حج میں حرکت۔ بجائے اس کے کہ اللہ کا حبیبؐ ان متحرک باتوں یعنی قوت ارادہ اور جذبہ والی چیزوں کو کھلے میدان جنگ میں حرکت دیتے وہ ان کو قلعہ بند کر کے قید کرنے کو کبھی تیار نہ تھے۔ تو حضور پاکؐ کی تجویز بالکل واضح تھی۔

صبح سویرے مدینہ منورہ سے نکل کر آپؐ اچانک دشمن کے پہلو یا ایک بازو پر نمودار ہو گئے۔ جنگ احد کے نقشہ کو دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ایک دستہ قریش کے لشکر کے سامنے دیکھ بھال کی کارروائی میں مصروف تھا۔ محمدؐ بن مسلمہ کا یہ دستہ بھی متحرک تھا اور اس دستہ کے ذریعے دشمن کو دھوکا بھی دیا جا رہا تھا کہ مسلمان قریش کے لشکر کے سامنے آ کر کسی وقت لڑائی کریں گے

ہمارے سب پرانے مورخین نے اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ مشہور صحابی محمدؓ بن مسلمہ کے ماتحت پچاس مجاہدوں کا ایک دستہ مسلمانوں کی حفاظت پر مامور تھا۔ اور بیشک یہ دستہ ایک دن پہلے نہیں بلکہ کئی دن پہلے نکلا ہوا ہو گا اور یہ لوگ دشمن پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ نقشہ کو غور سے دیکھیں کہ کس طرح حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے نکلے اور راستے میں عبداللہ بن ابی واپس چلا گیا تھا۔ اگر یہ کارروائی شام کو کی جاتی تو منافقین میں سے کوئی نہ کوئی، کفار قریش کو اطلاع دے دیتا، کہ مسلمانوں کی نفری کم ہو گئی ہے۔ اور وہ فلاں جگہ ہیں اور ان پر جھپٹ پڑو۔

قرآن پاک اور ہمارے فوجی جائزہ کے مطابق حضور پاکؐ از خود اور لشکر کا بڑا حصہ تو صبح سویرے ہی گھروں سے باہر نکلا۔ لیکن ابن سعد کے مطابق کچھ صحابہ کرام جو دور رہتے تھے، انہوں نے رات ذباب کی پہاڑی اور شیخاں گاؤں میں گزاری۔ نقشہ دہم پر ان دونوں مقامات اور دیار بنی حارث کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اب قارئین نقشہ ہفتم اور نقشہ دہم کا ملا جلا مطالعہ کریں کہ حضورؐ پاک سحری کے وقت گھر سے نکلے، اور ذباب پہاڑی سے ہوتے ہوئے شیخاں گاؤں پہنچے۔ وہاں سے اپنے ساتھیوں کو لیا، اور چھپ کر دیار بنی حارث پہنچے۔ تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس آگیا۔ حضورؐ پاک دیار بنی حارث سے چھپ کر احد پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچ گئے۔ اور اچانک دشمن کے ایک پہلو پر نمودار ہو گئے۔ دشمن کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا۔ یہ ایک حیران کن کارروائی تھی۔ دشمن اب اگر مدینہ منورہ کی طرف بڑھتا تو مسلمان پیچھے سے حملہ آور ہو جاتے اور مدینہ منورہ کی طرف بھی اس کو کچھ دستے رکھنے پڑتے کہ محمدؓ بن مسلمہ کے دستے کے کچھ آدمی ادھر دشمن کے سامنے تھے۔ چنانچہ حضور پاکؐ اپنی مرضی کی صف بندی کر کے دشمن کو مجبور کر رہے تھے۔ کہ احد کی گھاٹی میں دشمن مسلمانوں کی چنی ہوئی زمین پر ان کے ساتھ لڑے۔ دشمن کو اپنے بی ایچلان یعنی بندوبستی کیمپ اور عورتوں کو بھی کسی جگہ بٹھانا تھا۔ کیونکہ حضور پاکؐ اب پھر پہل کاری حاصل کر چکے تھے۔ اور دشمن کو لڑائی کیلئے مجبور کر دیا۔ کم طاقت والے کیلئے اس طرح دشمن سے پہل کاری چھین لینا اور دشمن کو "ردعملوں" پر مجبور کر دینا یہ ہمارے آقا کا ہی طرہ امتیاز ہے کہ وہ ہمیں فوجی تدبیرات کے اسباق سکھلا رہے تھے۔

صف بندی ہر مسلمان، اسلام کی ان مشہور جنگوں کی کارروائی سے واقف ہے۔ ان باتوں کو مفصل بیان کرنے سے ہم زیادہ سبق بھی نہیں سیکھ سکتے۔ چنانچہ کارروائی مختصر بیان کی جائے گی اور صرف تدبیرات اور کارروائی کے ان پہلوؤں پر زور دیا جائے گا جو سبق آموز ہوں۔ حضور پاکؐ نے احد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی فرمائی کہ اگر پیچھے ہٹنا پڑے تو آپ دشمن سے اونچے ہی اونچے ہوتے جائیں گے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر علمبردار تھے۔ حضرت زبیرؓ بن عوام رسالے کے افسر تھے اور پیدل دستوں میں سے جو زرہ پوش نہ تھے وہ جناب حمزہؓ کی کمانڈ میں تھے لیکن دفاع کی کنجی عینین کی چھوٹی پہاڑی یا ٹیلہ تھا۔ جس پر حضورؐ پاک نے حضرت عبداللہؓ بن جبیر کے ماتحت پچاس تیر اندازوں کے ایک دستہ کو مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ یہ دستہ حضور پاکؐ کے اگلے حکم تک اسی ٹیلہ پر جما رہے گا اور جو دشمن زد میں آئے گا ایک تیر ایک دشمن کے اصول پر دشمن کو برباد کیا جائے گا۔ اب نقشہ پر مسلمانوں کو سات سو نفری کے پوزیشن کا دشمن کی تین ہزار نفری کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو مسلمان بہتر حالت میں نظر آتے

ہیں ۔ عینین کی پہاڑی کو رماۃ بھی کہتے ہیں ۔ اہل قریش ابو سفیان کی سرداری میں مجبوراً صف بندی پر تیار ہو رہے تھے ۔ میمنہ پر صفوان ، میسرہ پر عکرمہ تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ اور رسالہ کا کمانڈر خالد بن ولید تھا ۔ طلحہ علمبردار تھا ۔ قریش عجیب حالات سے دوچار تھے ۔ رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا ۔ لاؤ لشکر کے ساتھ بندوبستی سامان (B ECHLON) عورتیں اور خیمے بھی تھے ۔ مجبوراً ان کو تنگ گھاٹی میں مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہونا پڑا ۔ پھر بھی ان کو یہ خیال بالکل نہ تھا کہ مسلمانوں کی اتنی کم تعداد ان کا کوئی زیادہ نقصان کرسکے گی ۔ نہ ہی وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ سب مسلمان ان کے سامنے صف آراء ہو گئے ہیں ۔ مدینہ منورہ کی طرف والے گشتی دستے ان کو دھوکے میں رکھے ہوئے تھے ، اس لیے کفار نے کچھ لوگ اس طرف دفاع کے لیے بھی ضرور چھوڑے ہونگے ۔

طرفین یا متحارب گروہ اب جنگ کے مرحلہ در مرحلہ کارروائی کے بیان سے پہلے طرفین ، یا دیگر شرکاء کا سرسری جائزہ پیش ہونے سے اگلے بیانات آسانی سے سمجھے جاسکیں گے ۔ دشمن کی تعداد تین ہزار بتائی جاتی ہے ، جس میں بنوکنانہ اور حبشیوں کا بھی ذکر ہے ۔ روایت ہے کہ صفوان بن امیہ کی شہ پر ابو عزہ شاعر نے متعدد قبائل میں جاکر اپنی نظموں اور کلام کے زور سے لوگوں کو قریش کے لشکر میں شامل کرایا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لشکر میں قریش یا ان کے حلیف قبائل کی تعداد ہزار ڈیڑھ ہزار ہوگی ۔ تو باقی تعداد بنوبکر یا بنوخزاعہ وغیرہ نے پوری کی ۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے ابو عامر بھی قریش کے لشکر میں تھا ۔ یہ بدقسمت ہمارے عظیم شہید غسیل الملائک جناب حنظلہؓ جن کا ذکر ہو چکا ہے اور آگے بھی آئے گا ، کا باپ تھا ۔ اس کا تعلق بنواوس سے تھا اور کاہن قسم کا آدمی تھا ۔ یہودیوں سے اور شام تک سفر کرنے کے بعد جو کچھ سنا ، اس کے مطابق خود بھی حضورؐ پاک کا یثرب میں منتظر تھا ۔ اور لوگوں کو بھی ایسا بتاتا تھا ۔ بلکہ رہبانیت اختیار کیے ہوئے تھا ۔ لیکن حضور پاکؐ کے یثرب آنے کے بعد حسد کیوجہ سے یہ آدمی مسلمان نہ ہوسکا ۔ اور اپنے چند ساتھیوں کو لے کر مکہ مکرمہ چلا گیا ، روایت ہے کہ وہ بھی اپنے پچاس ساتھیوں سمیت کفار کے لشکر میں تھا ۔ قریش کے لشکر میں کچھ عورتیں بھی تھیں جن کا ذکر ضروری ہے ۔ ایک ہندہ زوجہ ابو سفیان تھی جو عتبہ کی بیٹی تھی ۔ اس کا باپ ، چچا ، بھائی اور ایک بیٹا جنگ بدر میں مارے گئے تھے ۔ یہ بدلہ لینے کو آئی تھی ۔ دوسری ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابوجہل تھی اور ابوجہل کے بھائی حارث کی بیٹی تھی ۔ اس کے دو چچے اور خاندان کے پندرہ آدمی جنگ بدر میں مارے گئے تھے ۔ تیسری جناب خالدؓ بن ولید کی بہن فاطمہ تھی جو ابوجہل کے بھائی حارث کی بیوی تھی ۔ چوتھی صفوان بن امیہ کی بیوی برزا بنت مسعود تھی پانچویں عمرو بن عاص کی بیوی ریتہ تھی ۔ لیکن زیادہ بدقسمتی عبدالدار بن قصی کے خاندان کے ساتھ ہوئی کہ جناب معصبؓ بن عمیر علمبردار اسلام کی والدہ خناس اپنے بیٹے ابو عزیز کے ساتھ کفار میں شامل تھی ۔ اس خاندان کے طلحہ کی بیوی سلافہ اپنے تین بیٹوں مسافع ، کلاب ، اطلاس اور اپنے خاوند کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئی ۔ اور یہ چاروں کے چاروں جنگ میں مارے گئے ۔ ان کے علاوہ اور بھی عورتیں تھیں اور کل تعداد پندرہ بتائی جاتی ہے ۔ یہ عوتیں رجزیہ نظمیں پڑھ کر کفار کو بہادری سے لڑنے پر اکساتی تھیں ۔ ہندہ وہی ہے جس نے جناب حمزہؓ کا کلیجہ چبایا ۔ لیکن فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئی ، ام حکیمؓ ، نہ صرف فتح مکہ کے

وقت مسلمان ہوئی بلکہ اپنے خاوند عکرمہؓ کو بھی راہ راست پر لائی۔ عکرمہؓ کی شہادت کے بعد جناب خالدؓ بن سعید کی زوجیت اور ان کی شہادت کے بعد جناب عمرؓ فاروق کی زوجیت میں آنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جناب خالدؓ کی بہن فاطمہؓ بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئی۔ اور حارث کے مرنے کے بعد صفوان بن امیہ سے نکاح کیا اور اس کو اسلام میں لانے کی راہ پیدا کی۔ بہرحال قریش کے تین ہزار کے لشکر میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھڑ سوار۔ ساتھ تین ہزار اونٹ بھی تھے۔

اسلامی لشکر ان کے مقابلے میں حضور پاکؐ کے ساتھ کل سات یا ساڑھے سات سو مجاہدین تھے۔ جن میں جنگ بدر میں شمولیت والے سب مہاجرین اور انصار شامل تھے، اور آپؐ کی صف بندی یا چھپے راستے سے احد کی گھاٹی میں پہنچنے کا ذکر ہو چکا ہے۔

لڑائی کا رنگ ۔ Forecast of operation لڑائی نے وہی رنگ اختیار کرنا تھا، جو حضورؐ پاک سوچ چکے تھے۔ آپؐ خطرات کو بھی بھانپ چکے تھے۔ حضورؐ پاک کے پاس کفار کے مقابلے میں سب سے بڑا ہتھیار جذبہ جہاد اور قوت ایمانی تھی۔ آپؐ تدبیراتی طور پر زمین کا اور وقت کا صحیح استعمال کر چکے تھے۔ یہ حیران کن کارروائی تھی جس کی وجہ سے قریش لشکر کے تھوڑے آدمی ایک تنگ محاذ پر مسلمانوں کے سامنے تھے۔ اور آگے لڑائی میں ایسا ہی ہونا تھا جیسے ہوا کہ کفار قریش مولی گاجر کی طرح کٹ گئے اور بھاگ گئے۔ لیکن اس بھگدڑ کے بعد آگے میدان کھلا ہو جاتا تھا۔ اور محاذ چوڑائی اختیار کر جاتا تھا۔ اب ضروری تھا کہ مسلمانوں کے حملے کا ریلا آگے جا کر پتلا پڑ جانا تھا۔ جس کے خلاف دشمن کا جوابی حملہ لازم تھا۔ اس چیز کو سوچتے ہوئے حضور پاکؐ نے جبل الرماۃ پر جناب عبداللہؓ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ تعین کیا۔ اور سختی سے حکم دیا کہ انؐ کے دوسرے حکم تک وہ لوگ اس پہاڑی سے نہ ہلیں گے۔ اب جنگ کے واقعات آگے آتے ہیں کہ قریش نے جوابی حملہ کیا لیکن جناب عبداللہؓ بن جبیر کے اکثر ساتھی حکم عدولی کر کے پوزیشن چھوڑ چکے تھے۔ اگر یہ تیر انداز اپنی جگہ پر رہتے تو جوابی حملہ کرنے والے دشمن کے لوگ چھلنی ہو جاتے۔ اور ابو سفیان اور اس کے لشکر کو ایسی شکست ہوتی، کہ جنگ خندق کی بھی ضرورت نہ پڑتی لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ ایسے ہی منظور تھا۔ اور کچھ اسباق بھی سکھلانے تھے۔

جنگ کی کارروائی جنگ شروع ہونے سے پہلے ابو سفیان نے انصار مدینہ کو پکارا کہ یہ جنگ ان کے اپنے خاندان تک محدود رہے۔ تم لوگ جنگ سے الگ ہو جاؤ تا کہ ہم فیصلہ کر لیں۔ انصار نے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ بھلا اسے کون بتاتا کہ وہ خود بنو کنانہ، اور کئی اور قبائل کو ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اب ابو سفیان نے ابو عامر کو آگے نکالا۔ جس نے قبیلہ اوس اور خزرج دونوں کو جنگ سے الگ ہونے کیلئے ایک بڑی فصاحت والی تقریر کر دی لیکن اس کے بیٹے جناب حنظلہؓ سمیت کسی پر کوئی اثر نہ ہوا اور اب طرفین تیار تھے اور موٹے طور پر جنگ کو تین مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ گو یہ مفروضے ہیں۔

جنگ کا پہلا مرحلہ پہلے مرحلہ میں ٹکراؤ عرب کے دستور کے مطابق طلحہ: قریش کے علمبردار کی مبارزت طلبی سے ہوا جناب اسد اللہ حضرت علیؓ کی تلوار نے آج پھر پہل کی اور طلحہ کی لاش زمین پر تڑپ رہی تھی۔ اس کے بعد عورتوں کے گانوں کی دھن پر طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ کی تلوار کے ایک ہی وار نے اس کو ختم کر دیا۔ تلوار شانہ پر لگی اور کمر تک اوپر

والے بدن کے دو حصے کر دیئے۔اب حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ حضرت ابو دجانہؓ بھی شامل ہو گئے۔آپ عرب کے مشہور پہلوان تھے اور احد میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور پاکؐ نے جو تلوار آپ کو اپنے دست مبارک سے عطا فرمائی آپ اس کا حق ادا کر رہے تھے اور ساری زندگی بعد میں صاحب احد کے نام سے پکارتے جاتے رہے۔ بہرحال اور صحابہؓ کرام بھی اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر دشمن پر وار کر رہے تھے۔ کہ جناب طلحہؓ بھی صاحب احد کہلاتے تھے۔جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اب دشمن کا جھنڈا، ابو سعد بن طلحہ نے اٹھایا، تو جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے اس کے گلے پر تیر مارا جس سے اس کی زبان نکل آئی اور وہ مر گیا۔ پھر مسافع نے جھنڈا اٹھایا، تو جناب عاصمؓ بن ثابت نے اس کو ہلاک کر دیا۔اس کے بعد کلاب آگے بڑھا۔ تو جناب زبیرؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔اب الجلاس کی باری آئی، تو جناب طلحہؓ نے اس کو جہنم پہنچا دیا۔اس طرح ارطاہ، شریح، اور صواب وغیرہ سب باری باری قتل ہو گئے۔اور بنی عبدالدار جن کے لئے ابو سفیان نے رجزیہ نظم پڑھی ان کا تقریباً سارا خاندان جنگ احد میں ختم ہو گیا۔ مسلمان برابر آگے بڑھ رہے تھے اور حضرت حنظلہؓ بن ابو عامر تو ابو سفیان تک بھی پہنچ گئے تھے۔تو یہ بہت لمبا ذکر ہے۔بات سیدھی ہے کہ چند گھنٹوں میں کفار کے قدم اکھڑ گئے اور وہ گانے والی عورتوں سمیت میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔عورتوں پر ہمارے مؤرخین نے یہاں جو ریمارکس پاس کیا، راقم وہ نہیں لکھ رہا کہ ان میں سے اکثر بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ کفار مکہ کا کتنا نقصان ہوا اور لشکر کا کتنا حصہ بھاگ کھڑا ہوا، اس پر مورخین خاموش ہیں البتہ ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے بالکل سامنے تھے وہ ضرور بھاگے اور زیادہ سامان بھی ادھر ہی تھا کہ کفار کا رخ تو مدینہ منورہ کی طرف تھا اور مجبوراً ان کو اس طرف صف آراء ہونا پڑا تھا۔بہرحال سارا تجزیہ مضمون کے آخر میں ہو گا۔یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ کافر اس طرح بھاگے کہ مسلمانوں نے کفار کا مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور اس میں جناب عبداللہؓ بن جبیر کے تیر انداز شریک ہو گئے۔گو آپ نے بہت روکا لیکن آپ کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے۔لڑائی کا پہلا مرحلہ ادھر ختم ہوتا ہے۔

دوسرا مرحلہ اب معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی صفوں میں کفار کے متعدد جوان ابھی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے اور صحیح سلامت تھے۔خالد نے جب مال غنیمت اکٹھا کرتے ہوئے مسلمانوں میں ابتری دیکھی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے اپنے دائیں سے آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔یہاں سے لڑائی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، نقشہ ہشتم میں اس حملہ کا رخ ظاہر ہے۔ اگر جناب عبداللہؓ بن جبیر کے تیر انداز اپنی جگہ پر رہتے تو اول تو خالد حملہ نہ کرتا اگر حملہ کرتا بھی تو ہزیمت اٹھا کر واپس جاتا۔لیکن چونکہ اعلیٰ کمانڈر کی حکم عدولی ہو چکی تھی۔اس لئے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔کفار میں سے عکرمہ بھی دوبارہ اپنے گرد کافی لوگوں کو اکٹھا کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ عینین یا رماۃ کی پہاڑی پر عبداللہؓ بن جبیر اپنے چند تیر اندازوں کے ساتھ شہید ہو چکے تھے۔جو گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اس میں حضرت حمزہؓ حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت عبداللہؓ بن حجش اور حضرت حنظلہؓ وغیرہ متعدد چوٹی کے صحابہ شہید ہو چکے تھے اور بعض لوگوں نے یہ بھی مشہور کر دیا تھا کہ نعوذ باللہ حضور پاکؐ بھی شہید ہو گئے ہیں۔اس لیے مسلمانوں میں ہل چل ضرور مچ گئی ہو گی۔ کسی نے تلوار پھینک دی کہ اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ کوئی

دشمن کی صفوں میں اس طرح گھس گیا کہ اب جینے میں کیا مزہ؟ لیکن یہ حاشیہ آرائی، کہ کئی لوگ میدان جنگ چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے ایک فوجی ذہن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قلیل تعداد مسلمان اپنی صفوں کو بحال کیسے کرتے۔ یہ شاید پچھلے زمانے میں ایک دوسرے کے ساتھ رقابت کی وجہ سے اپنے آباؤاجداد کی اچھی کارکردگی یا کمزوری کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ یا حضرت عمرؓ جیسے مخلص لوگوں نے کئی دفعہ دوسرے لوگوں کی بہادری کا ذکر کیا اور اپنے بارے میں کون کوئی کچھ کہتا ہے تو لوگوں نے اس کو کمزوری بنا دیا۔ اور عبداللہ بن ابی کے جو ساتھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے۔ یہی لوگ جنگ سے ایک قسم کے بھگوڑے تھے۔ تو لوگوں نے سمجھا کہ اصلی لڑنے والوں سے بھی لوگ بھاگ آئے ہیں۔

تبصرہ اس عاجز کا فوجی تجزیہ یہ کہتا ہے کہ حضورؐ پاک نے جو صف بندی اور لڑائی لڑنے کا طریق کار وضع کیا تھا۔ وہ تیراندازوں کی غلطی کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ وہ دفاعی لائن جس کی کنجی عنین یا رماۃ کی پہاڑی تھی وہ بھی ختم ہو چکی تھی اب ایک نئی دفاعی لائن کی ضرورت تھی جس کی حضورؐ پاک نے جنگ سے پہلے کوئی نشاندہی نہ کی تھی۔ کہ پہلے یہ کیسے بتایا جاتا کہ ہم پسپا ہو سکتے ہیں۔ اور شاید دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ اپنے غلاموں کو یہ تربیت بھی دے رہے تھے کہ لڑائی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں اور آئیں گے کیونکہ انہی لوگوں نے آئندہ چند سالوں میں دنیا کی دو عظیم سلطنتوں کو تہس نہس کرنا تھا۔

عسکری تاریخ کا عظیم دن آج کا دن اسلام کی عسکری تاریخ اور فن سپاہ گری کا ایک عظیم دن تھا۔ آج ہی کے بعد اس دن کو حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت طلحہؓ کا دن کہتے تھے۔ ہر وار جو حضورؐ پاک پر ہو رہا تھا اس کو حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اپنے بدن پر لے رہے تھے اور ایک ہاتھ بھی ختم ہو چکا تھا۔ آج ہی کے دن حضور پاکؐ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو فرمایا "میرے ماں باپ آپ پر قربان" آج ہی کے دن امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ کو حضورؐ پاک کے بدن سے خود کے ٹکڑوں کو نکالنے کے لئے آپؐ کے خون مبارک کو چوسنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کی وجہ سے رہی عمر کسی ہتھیار نے ان پر اثر نہ کیا۔ آج ہی کے دن سیدنا ابو بکرؓ حضورؐ پاک کی خدمت میں کھڑے ہو کر لوگوں کو اشاروں سے بلا رہے تھے کہ آقا ادھر ہیں اور حضرت عمرؓ بلند آواز سے پکار رہے تھے کہ آجاؤ اور پھر اس طرف جاں نثاروں نے ایک طرف حضور پاکؐ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تو دوسری طرف دشمن کو منہ توڑ جواب دے رہے تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ تو ابھی دشمن کی صفوں میں موجود تھے جن کو بعد میں بلا کر نئی دفاعی لائن میں شامل کیا گیا۔ اسی لیے مضمون کے شروع میں عرض کی گئی تھی کہ ایسا نظارہ آسمان کے نیچے اس زمین پر کم ہی دیکھنے میں آیا۔ سترہ نوجوان انصار میں سے نو عظیم قربانی دے چکے تھے اور مسلمان اب پھر جبل احد کے دامن میں ذرا اونچا ہو کر ایک دفاعی لائن بنا چکے تھے۔ دوسرا مرحلہ یہاں ختم ہوتا ہے

جنگ کا تیسرا مرحلہ جنگ کا تیسرا مرحلہ مسلمانوں کی کامیابی سے دوسری دفاعی لائن اپنا لینا اور کفار کے اس لائن پر تابڑ توڑ حملوں سے شروع ہوتا ہے، پہلے بھی اشارہ دیا گیا ہے، اور اب دوبارہ یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ دنیا کی عسکری تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ اتنی قلیل تعداد کی فوج اپنی ایک دفاعی لائن کے ٹوٹ جانے کے بعد چند گھنٹوں میں ایک دوسری دفاعی لائن

بنانے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ خاص کر جب دشمن کی تعداد ان سے پانچ چھ گنا زیادہ تھی اور دوسرے مرحلہ میں نہ صرف دفاعی لائن ٹوٹ گئی بلکہ مسلمان ابتری اور انتشار کا بھی شکار ہو گئے تھے اور نفسیاتی جنگ بھی ان کے خلاف شروع کر دی گئی۔ دوسرے اور تیسرے مرحلے کو واضح طور پر ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ نقشے اور ہمارے بیانات مفروضے ہیں۔ لیکن ہم یہاں پر یہ ضرور باور کرائیں گے کہ دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کے قدم جو اکھڑ گئے تھے اس کو شکست نہیں کہہ سکتے، کہ شکست تو وہ ہوتی ہے جو ذہنی شکست ہو لیکن ہمارے آقاؐ کے غلام کسی ذہنی شکست سے دوچار نہ ہوئے، بلکہ صرف کچھ ابتری آئی، یا کچھ افراتفری اور کچھ لوگ متردد ہوئے۔ افسوس کہ جنرل اکرم اپنی کتاب "اللہ کی تلوار" میں کفار کی اس وقتی کامیابی کو خالد کی حضور پاکؐ کو وقتی شکست کہہ گیا

بہرحال حضورؐ پاک اگلے چند لمحوں میں ایک اور دفاعی لائن بنا چکے تھے۔ حضورؐ پاک نے میدان جنگ ہی ایسا چنا تھا کہ وہاں ضرورت کے وقت زمین کی اونچائی کو استعمال کر کے، کئی دفاعی لائینیں بنائی جا سکتی تھیں اور ظاہر ہے جب دنیا کے عظیم ترین سالار اعظمؐ بنفس نفیس ان کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ تو مسلمان اپنے عقیدہ اور نظریہ حیات کا بھرپور استعمال کر رہے تھے۔ بلکہ ہمارے کچھ محققین کے مطابق کوئی ابتری یا افراتری نہ تھی۔ خالد کا حملہ محض ایک "وقتی" اور محدود کارروائی تھی۔ کہ خالد نے حالات سے فائدہ اٹھا لیا۔ جب مسلمانوں نے یہ حالات دیکھے تو انہوں نے ردعمل کے طور پر اپنے آقاؐ کی رہنمائی میں دوسری صف بندی اختیار کر لی۔ اور جنگوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ عظیم لوگوں کی جنگ تھی اور وہ عظیم رہنما کے ماتحت جنگ کر رہے تھے۔ تو ہر قسم کی یادیں باقی رہنا تھیں۔ چنانچہ جب کفار نے یہ عجیب وغریب نظارہ دیکھا تو ان کے بڑے بڑے کمانڈر خاص کر خالد بن ولید وغیرہ سکتے میں آ گئے اور شاید اسی دن سمجھ آ گئی کہ ان کی جگہ مسلمانوں میں ہے۔

ابی بن خلف لیکن ایک سرپھرا ابھی کفار کے بیچ موجود تھا اور اس کا نام ابی بن خلف تھا اور وہ ہجرت سے پہلے بھی حضورؐ پاک کو مکہ مکرمہ میں اکثر کہا کرتا تھا" کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کی موت میرے ہاتھوں ہو گی"۔ حضور پاکؐ مسکرا دیتے تھے۔ اس کا بھائی امیہ، جنگ بدر میں مارا گیا، اور لڑکا عبداللہ قید ہوا، تو یہ مردود لڑکے کا فدیہ دینے مدینہ منورہ آیا، تو حضور پاکؐ سے کہنے لگا" کہ اس نے ایک گھوڑا پال رکھا ہے، اور وہ اس کو روزانہ آٹھ سیر اناج اس وجہ سے کھلاتا ہے کہ اس پر سوار ہو کر وہ ایک دن (نعوذ باللہ) حضور پاکؐ کو شہید کر دیے گا"۔ یہ مردود اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ احد میں شریک ہوا اور پہلے خوش تھا کہ حضور پاکؐ شہید ہو چکے ہیں اب جو اس نے دیکھا کہ حضورؐ صحیح صلامت ہیں تو اس کو اپنا پاگل پن یاد آیا کہ اوہو، یہ کام تو اس نے کرنا ہے اور حضورؐ پاک کی طرف بڑھ کر حملہ آور ہوا۔ کوئی صحابی اس کا کام تمام کرنے والا تھا کہ حضورؐ پاک نے فرمایا" نہیں آگے آنے دو" اور جب وہ قریب پہنچا تو حضورؐ پاک نے کسی سے نیزہ مانگ کر معمولی سے اشارہ کے ساتھ نیزہ کی نوک کو اس کی گردن پر رکھا۔ پس اس کافر کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور چیخ اٹھا" مر گیا۔ مر گیا" "محمدؐ نے مجھے مار دیا۔ وغیرہ" اس کے لشکر والے حیران تھے کہ نہ کوئی چوٹ تھی نہ کوئی زخم۔ انہوں نے بہت سمجھایا لیکن اس ملعون کو اللہ کے حبیبؐ نے خالی چوٹ کا اشارہ کیا تھا اور شاید وہ

دنیا کا ملعون ترین آدمی تھا۔ جس کے خلاف رحمتہ للعلمینؐ نے ہاتھ اٹھایا۔ وہ کیسے بچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے لشکر میں کھلبلی مچادی اور یہ کھلبلی اس نے لشکر کی مراجعت تک بلکہ باقی سفر میں بھی جاری رکھی اور کچھ روایت کے مطابق مکہ مکرمہ سے چند منزلوں کے فاصلہ پر مر گیا

ابو عامر دوسرا بد قسمت انسان ابو عامر تھا۔ جو پہلے مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کا منتظر تھا اور راہب بنا پھرتا تھا۔ اب حسد کی وجہ سے کفار کے لشکر میں شامل تھا۔ اس کے بیٹے جناب حنظلہؓ تو غسیل الملائک کہلائے۔ یہ مردود نامراد واپس مکہ مکرمہ گیا۔ اور فتح مکہ کے بعد طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب طائف کے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو یہ مردود بڑھاپے میں ملک شام بھاگ گیا جہاں بری حالت میں مر گیا۔ یعنی صراط مستقیم اور حق سے دور ہی بھاگتا رہا۔ کہ حسد یہ تھا کہ حضور پاکؐ کے مدینہ منورہ آجانے کے بعد اس مردود کی "دکان" بند ہو گئی۔ بہرحال ابی بن خلف کی پوری کہانی بیان کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ نبی اور خاص کر ہمارے آقاؐ اور اللہ کے حبیبؐ کی شان ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر حضور پاکؐ چاہتے تو تمام کافر پل میں ختم ہو سکتے تھے۔ چنانچہ کہہ دینا کہ آپؐ بڑے طاقتور تھے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لیکن یہ بشری تقاضے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس کھیل تماشے کو ان کے حبیبؐ چلا رہے تھے جس طرح عام لوگ۔ وہ ہمارے لیے ایسی مثالیں قائم کر رہے تھے جن پر ہم چل سکیں۔ وہ معجزے دکھا کر ہمیں عاجز نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خودؐ اور ان کی زبان مبارک سے قرآن پاک اور ان کے اپنے عمل ہمارے لیے بہت بڑے معجزے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ (اقبالؒ)

کفار کے حملے اہل کفار مسلمانوں کی نئی دفاعی لائن پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے، لیکن یہ پتھر کے ساتھ سر ٹکرانے والی بات تھی۔ عام لڑائی میں بھی دیکھا گیا ہے کہ جو شخص دشمن کا گھیرا توڑ کر کسی نئی دفاعی لائن میں آجائے تو پھر اس میں ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ پاک کے جو مجاہدین دوسری دفاعی لائن پر پہنچ گئے ان کا مقابلہ اب کون کر سکتا تھا۔ ابو سفیان اور اس کے لشکر والے حیران تھے کہ اب مزید لڑائی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ کوئی بہانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ ادھر ابی بن خلف نے پورے لشکر میں کھلبلی مچائی ہوئی تھی کہ "مر گیا، مر گیا" چنانچہ ابی سفیان زور سے پکارا کہ بدر کا بدلہ انہوں نے لے لیا۔ لڑائی میں ان کی جیت ہو گئی ہے۔ حضورؐ پاک نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع فرمایا۔ بہرحال اگر ابو سفیان کبڈی کھیلنے آیا تھا تو شاید مقابلہ برابر رہا۔ جیتا تو وہ نہیں تھا۔ لیکن لڑائی کون جیتا اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔ ابو سفیان مدینہ منورہ پر یلغار کرنے آیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دے گا۔ وہ مدینہ منورہ کے دروازے تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اور بے نیل و مرام واپس جا رہا تھا۔ حضور پاکؐ کا مقصد مدینہ منورہ کو کفار کی یلغار سے بچانا تھا۔ وہ اس میں کامیاب ہوئے۔

بہرحال ابو سفیان کو جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ پھر پکارا۔ "اے مسلمانو! ۔ ہم جنگ جیت کر جا رہے ہیں ۔ بہرحال اگلے سال انہی دنوں میں بدر کے مقام پر ملنا۔ اگر کوئی کسر رہ گئی تو وہاں فیصلہ ہوگا" حضور پاکؐ نے صحابہؓ کو فرمایا۔ "اس کا جواب

ضرور دو" اور صحابہ اونچی آواز میں پکار اٹھے "انشاء اللہ" ۔قارئین! یہ بات سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ اسلام دین غیرت ہے ۔اور یہ عاجز اس واقعہ کا ذکر "اصول غیرت" کے تحت پچیسویں باب میں بھی کر رہا ہے اور تب ہی سلطان ٹیپو نے کہا "کہ شیر کی ایک دن کی زندگی . گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے" ۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس دنیا میں غیرت کے ساتھ رہیں ۔ نہ کہ بکاؤ مال بن کر ۔

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو　　　کہ اس کی حفاظت کر یہ گوہر ہے یگانہ

(محراب گل افغان کے افکار علامہ کی زبان میں)

(اگلے سال حضور پاکؐ اسی تاریخ کو بدر میں تھے ، لیکن ابو سفیان نہ آیا نہ اس نے آنا تھا ۔ یہ ذکر اگلے باب میں ہے)

ابو سفیان کی پسپائی چنانچہ ابو سفیان ان بہانوں کی آڑ میں احد کے مقام سے کوچ کر گیا ۔ بلکہ حضرت علیؓ کی کمانڈ میں ایک دستے نے اس کا پیچھا بھی کیا اور دور دور تک کفار کی تاڑ میں رہے ۔ یہ کارروائی کئی لحاظ سے ضروری تھی ۔ دشمن پر رعب بٹھانے کے لئے کہ کفار جا رہے ہیں اور مسلمان ان کا پیچھا کر رہے ہیں لیکن جنگی لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ دشمن کو نگاہ میں رکھو کہ وہ کوئی دھوکہ تو نہیں دینے والا ۔ اور پھر اس طرح ہمارے آقاؐ نے اپنی فوجی حکمت عملی کو متحرک رکھا ۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے دن جنگ احد میں شریک سب مجاہدوں کو ساتھ لے کر حضور پاکؐ بھی مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور مدینہ منورہ سے آٹھ میل دور حمرالاسد تک گئے جہاں تین چار دن تک پڑاؤ بھی کیا ۔ بلکہ مدینہ منورہ میں اپنا نائب بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو بنا کر چھوڑ گئے ۔ تفصیل تیرھویں باب میں ہے ۔

ذاتی مشاہدہ اس عاجز کو حج کی سعادت کتاب "جلال مصطفےٰ" اور اس کتاب کے پہلے ڈرافٹ کو تیار کرنے کے بعد نصیب ہوئی ۔ تو میدان جنگ احد میں اپنی بیوی اور بھتیجے فاروق کے ساتھ حاضری دی ۔ فاروق میری تصنیفات پڑھ چکا تھا ۔ اور اس نے میدان جنگ کے چپے چپے میں ہمیں پھرایا کہ وہ کئی سالوں سے سعودی عرب میں ہے ۔ ان قدموں پر چلنا جہاں ہمارے آقاؐ اور ان کے عظیم رفقاء چل گئے ایک بہت بڑی سعادت تھی اور کبھی سرور سے بدن بھر جاتا ۔ کبھی رقت طاری ہو جاتی ۔ شہداء کی قبروں کو بھی دور سے دیکھا ۔ اور آخر آکر جبل رماۃ پر کھڑے ہو گئے ۔ تو واقعات کی فلم چلنے لگ گئی ۔ اور جو کچھ اب تک لکھ چکا ہوں ، تصور میں وہ سب کچھ دیکھا ۔ آنسوؤں کی لڑی جاری تھی ۔ اور بڑی خوشی اس وجہ سے ہوئی کہ میدان جنگ کو بالکل اس طرح پایا جیسا سوچے ہوئے تھا یا لکھ چکا تھا ۔ میری حالت دیکھ کر کچھ اور پاکستانی اور ہندوستانی حجاج میرے پاس آگئے اور انہوں نے واقعات زمین پر سننے کی خواہش کی ۔ بڑے ضبط کے بعد ان کو کچھ بتا سکا ۔ لیکن ہر دو فقروں کے بعد رقت طاری ہو جاتی ۔ کچھ ترک مرد اور عورتیں بھی ہمارے نزدیک تھے ۔ وہ ہماری زبان تو نہ سمجھتے تھے ۔ لیکن وہ جذبے سے متاثر ہو کر ہمارے پاس آکر کھڑے ہو گئے ۔ اور جب وہاں سے چلنے لگے تو ترک مرد گلے مل رہے تھے اور عورتیں سر جھکا دیتی تھیں کہ میں اپنا شفقت کا ہاتھ اٹھا کر ان کے سروں سے اوپر کر دوں ۔ اس کے بعد ترک حجاج کے ساتھ تعلق جو بڑھنے شروع ہوئے تو انہوں نے اس عاجز کو پاکستانی شیخ کا نام دیا اور اس

عاجز نے ان کو اسلام کا عظیم فرزند کہہ کر ملنا شروع کر دیا۔ اور آہستہ آہستہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرنے کیلئے زبان بھی " دریافت " کرلی۔ ترک بھی اہل محبت ہیں۔ لیکن افسوس کہ کمال ترکی نے وہاں اسلام کا بڑا نقصان کیا۔ اس کا کچھ ذکر میری کتاب پنڈورا باکس میں ہے۔

جنگ کے فوری نتائج جنگوں کے کچھ فوری نتائج ہوتے ہیں جن کے اثرات بہت جلد پڑجاتے ہیں۔ اور یہ نتائج دور رس نتائج پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان نتائج کے اثرات ہی اصل چیز ہوتی ہے۔ تو بہر حال فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ابو سفیان اور اس کا لشکر ناکام لوٹا اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب بھی کیا۔ اب کیا اس کو مسلمانوں کی شکست کہیں گے؟ بعد کے زمانے کے مورخین نے البتہ یہ لکھ دیا کہ یہ جنگ بڑی مہنگی پڑی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابن اسحٰق نے مسلمان شہداء کی تعداد پینسٹھ لکھی جن میں چار مہاجر اور اکسٹھ انصار تھے۔ لیکن کفار مکہ کے ہلاک ہونے والوں میں سے صرف قریش کفار کے تیئیس کے نام لکھ دیئے۔ اب کسی نے یہ نہ سوچا کہ قریش کفار کی تعداد لشکر کے تیسرے حصہ سے بھی کم تھی۔ کہ ان میں آدھے مسلمان ہو چکے تھے، کافی جنگ بدر میں مر چکے تھے۔ بنو ہاشم، بنو عدی اور بنو زہرہ پر باقی قریش کو اعتبار نہ تھا۔ ان میں سے کوئی آدمی جنگ میں شریک نہ ہوا۔ تو حلیف قبائل کو ملا کر قریش کے تعداد ایک ہزار تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لشکر میں زیادہ تر حبشی، بنو کنانہ، بنو بکر اور ابو عامر کے ساتھی شامل تھے۔ اور ممکن ہے کہ کچھ " کرائے کے سپاہی " بھی ہوں اب موازنہ تو یہ کرنا تھا کہ مسلمان قریش سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور کفار قریش سے تیئیس۔ اور باقی کفار بھی ضرور مارے گئے ہوں گے اور کفار کے مارے جانے والوں کی تعداد سو سے ہرگز کم نہیں۔ ساتھ یہ بھی سوچنا چاہیے تھا۔ کہ کیا صرف تیئیس آدمی کے مارے جانے کے بعد ابو سفیان میدان جنگ چھوڑ گیا۔ یہ بھی سوچتا تھا۔ کہ ہم نے مفروضہ کے طور پر جو پہلا مرحلہ لکھا ہے، اس میں کفار میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے تو کیا ویسے ہی بھاگ گئے، اول تو اس مرحلہ میں بنو عبدالدار کا پورا خاندان ہی ختم ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے سلسلے میں سب مورخ کہتے ہیں کہ ہر ایک نے جنگ کے پہلے مرحلہ میں درجنوں یا کوڑیوں کفار کو جہنم واصل کیا پھر اور صحابہؓ بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ تیر اندازوں نے تاک تاک کر تیر مارے۔ تو ظاہر ہے کہ صرف پہلے مرحلہ میں کفارِ قریش کے لشکر میں پچاس ساٹھ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے تو تب ان کے قدم اکھڑے۔

اب دوسرے مرحلے میں دست بدست لڑائی ہوئی وہاں بھی کئی کفار مارے گئے ہونگے۔ اس کا مزید تجزیہ یہ ہے کہ پینسٹھ مسلمان شہداء میں سے چالیس شہداء جناب عبداللہؓ بن جبیر کے تیر اندازوں میں سے تھے اور نو شہداء ان عظیم سترہ انصار مجاہدوں میں سے تھے جو حضور پاکؐ کے گرد گھیرا ڈال کر آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ شدید ترین لڑائی دوسرے مرحلہ میں ہی ہوئی اور وہاں بھی کفار کے کم از کم مسلمانوں کی تعداد کے برابر لوگ تو مارے گئے ہوں گے۔ زخمی اور شہداء کی تعداد، جنگ کے حالات کا پیمانہ بھی ہوتے ہیں۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انچاس، پچاس مسلمان دوسرے مرحلے میں شہید ہوئے، جہاں محدود علاقے میں گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن باقی دونوں مرحلوں میں مسلمان شہداء کی تعداد، پندرہ یا سولہ بنتی ہے، اس لئے ہم یہ بھی کہہ

سکتے ہیں کہ ان مرحلوں میں مسلمانوں نے کفار کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور کفار کا زیادہ نقصان تیسرے مرحلے میں بھی ہوا، جب انہوں نے مسلمانوں کی نئی دفاعی لائنوں پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ اس لئے جنگ کے نقصان میں مورخین کے اندازے ادھورے ہیں۔ واقعات کسی اور طرف اشارہ کرتے ہیں۔

قرآن پاک اور جنگ احد قرآن پاک اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ سورہ العمران کی آیت ۱۶۷ میں اس سلسلے میں یہ الفاظ ہیں (اولما اصابکم) اگر پہنچی سختی یا مصیبت آپکو تو اس سے دگنی پہنچی آپ کے دشمنوں کو" ہم اس سے یہ اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ کفار کا نقصان دوچند ضرور ہوا ہوگا یعنی سو ڈیڑھ سو کے قریب کھیت رہے ہوں گے۔ اور زخمی پانچ چھ سو کے قریب ضرور ہوئے ہونگے تب ہی کفار مقصد حاصل کئے بغیر واپس چلے گئے۔ اگر نقصان اتنا تھوڑا ہوتا تو کفار اس طرح واپس نہ جاتے۔ آخر کب تک حضور پاکؐ احد کی گھاٹی میں رہتے۔ وہاں پر ایک ہزار کفار کو چھوڑ کر باقی لشکر مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنے کی کوشش تو کرتا یا ویسے کوئی لوٹ مار مچاتے، کوئی مویشی پکڑ کر لے جاتے، کچھ دن ٹھہر کر شبخون مارتے اور پھر اگر اتنی ہی طاقت ختم نہ ہوتی تو اگلے سال بدر کے مقام پر آکر اپنا وعدہ پورا کرتے۔ لیکن اس کی بجائے قریش مکہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اکیلے وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اب وہ عرب کی متحدہ کمان سے مسلمانوں پر تیر برسانے کی فکر میں تھے جس کی پیشگوئی حضرت عباسؓ نے بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر کر دی تھی اور اس کا ذکر آٹھویں باب میں ہو چکا ہے۔ اور اب اس متحدہ کمان کے حملے کا ذکر جو دھویں باب میں آئے گا۔ کہ جنگ احد نے کفار قریش کو اتنا نقصان پہنچایا جو جنگ بدر کے نقصان سے بھی زیادہ تھا کہ ایک سال بعد بدلہ لینے کی بجائے۔ انہوں نے بدلہ لینے کیلئے دو سال لگا دیئے اور غیروں سے بھرپور امداد کے بھی طالب ہوئے۔ یہ ہے جنگ احد کا صحیح نتیجہ۔ اور نہ کہ مسلمانوں کی شکست جس نے ہماری شکست خوردہ قوم کو اور کم دل بنا دیا ہے۔

قرآن پاک میں جنگ احد کے سلسلہ میں متعدد آیات ہیں اور خاص کر صرف سورۃ عمران میں ساٹھ آیات ہیں۔ یعنی تقریباً چار رکوع، جن میں واقعات کے علاوہ، اسلامی فلسفہ حیات، اور خاص کر جماعت بندی پر زور دیا گیا ہے۔ کہ سورہ عمران کی آخری آیت پر کئی مضمون لکھے جا سکتے ہیں۔ پوری آیات مبارکہ کے ذکر سے مضمون لمبا ہو جائے گا۔ پس اتنی گزارش ہے کہ اس عاجز نے جنگ احد کی تمام تر کہانی کو ان آیات مبارکہ کے مفہوم کے تابع کر دیا ہے۔ کہ اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ سورہ عمران کی آخری آیت مبارکہ کا ذکر پچیسویں باب میں کچھ تفصیل کے ساتھ ہے۔

احادیث مبارکہ اور جنگ احد احادیث مبارکہ کی کتابوں میں جنگ احد پر کچھ لکھا ضرور گیا۔ لیکن بیانات میں اختلافات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جنگ احد میں صرف دو واقعات کا ذکر کیا۔ ایک حضرت حمزہؓ کی شہادت کا اور دوسرا دشمن کا پیچھا کرنے والوں کی تعداد کا۔ ہاں! شہدا کی شان پر بھی احادیث مبارکہ ہیں۔ تو ظاہر ہوا کہ احادیث مبارکہ کی کتابوں میں عملی اسلام کی تلاش مشکل ہے۔ کہ کسی احادیث مبارکہ کی کتاب میں دو یا تین سے زیادہ احادیث اس واقعہ پر نہیں ملتیں

شعر و شاعری اس جنگ کے سلسلہ میں بھی شعر و شاعری ہوئی۔ کفار میں سے زیادہ تر عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب فہری، اور عبداللہ بن زہرہ نے نظمیں لکھیں۔ اور اپنے سپہ سالار ابوسفیان کی طرح کچھ بڑھکیں بھی ماری۔ مسلمانوں کی طرف سے

جناب کعبؓ بن مالک نے جواب دیئے۔اور جناب حسانؓ بن ثابت نے کفار کو کچھ کھری کھری سنائیں، جس کا نچوڑ یہ ہے۔

"کفار قریش کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں، کہ وہ میدان مار آئے ہیں۔اور اس جنگ میں وہ تو بری طرح مار کھا چکے ہیں۔اور آئندہ آنے والے واقعات ظاہر کریں گے کہ جنگ احد کے نتائج کیا ہیں۔کہ کون جیتا اور کون ہارا"

تبصرہ افسوس! کہ ہمارے دانشور یہ باتیں نہیں پڑھتے۔ورنہ جنگ احد کو مسلمانوں کی شکست نہ کہتے اور جو لوگ ایسا کہتے یا سمجھتے ہیں۔وہ کفار کی "بڑ" پر یقین رکھتے ہیں۔افسوس! صد افسوس!

مسلمان شہداء جن چار مہاجرین شہدا کا ذکر کیا گیا ہے۔وہ جناب حمزہؓ، جناب عبداللہؓ بن جحشؓ، جناب مصعبؓ بن عمیر اور جناب شماسؓ بن عثمان مخزومی ہیں۔انصار میں سے اکسٹھ شہدا سب ہمارے سر کے تاج ہیں۔اور ابن اسحق میں سب کے اسماء موجود ہیں۔یہ عاجز چند کا ذکر ضرور کرے گا۔عظیم محدث صحابی جناب جابرؓ کے والد جناب عبداللہؓ۔اور قرآن پاک کی اشاعت میں اہم کام کرنے والے جناب خذیفہؓ کے والد جناب یمانؓ کے ذکر پہلے اس لئے کر رہے ہیں کہ جناب جابرؓ اور جناب حذیفہؓ جو عراق میں شہید ہوئے یا فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔اس صدی کے شروع میں پہلی جنگ عظیم کے بعد آپ میں سے ایک اس وقت کے عراق کے بادشاہ فیصل کو خواب میں ملے کہ ہمارے جسم دریا برد ہو رہے ہیں، ان کو کسی اونچی جگہ دفن کیا جائے، اور ان کے جسم صحیح سلامت ہونے کا ذکر یہ عاجز پچھلے باب میں کر چکا ہے۔یہ ہے شان صحابی ابن صحابی ہونے کی۔ایک اور صحابی اور عظیم محدث جناب ابو سعید خذریؓ کے والد جناب مالکؓ بن سنان کو بھی اس جنگ میں شہادت نصیب ہوئی۔ایک اور عظیم شخصیت جناب عمروؓ بن الجموح تھے۔جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کے چار بیٹے بھی جنگ میں شرکت کر رہے تھے۔انہوں نے اپنے والد، جناب عمروؓ کو روکا۔لیکن حضور پاکؐ سے خاص اجازت لے کر جناب عمروؓ دونوں جہاں پا گئے۔حضور پاکؐ نے ان جناب عمروؓ کو اور جناب جابرؓ کے والد جناب عبداللہؓ کو اکٹھا دفن کروا دیا۔کہ دونوں بڑے دوست تھے۔اس کے علاوہ انصار میں سے اول اسلام لانے والے جناب رافعؓ بن مالک، جو دونوں بیعتوں میں شریک تھے اور بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے وہ بھی شہید ہوئے۔جناب عبدالرحمنؓ بن عوف کے ساتھ عقد مواخذہ والے جناب سعدؓ بن ربیع کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔علاوہ ازیں بنو اوس کے سردار جناب سعدؓ بن معاذ کے بھائی جناب عمروؓ، اور بنو خزرج کے سردار جناب سعدؓ بن عبادہ کے بھائی جناب العباسؓ کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔جناب عبداللہؓ بن جبیر اور جناب حنظلہؓ غسیل الملائک البتہ کسی تعارف کے محتاج نہیں اور ان کی شہادت کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔لیکن عظیم سعادت ثابتؓ بن وقش کو نصیب ہوئی کہ آپ کے دونوں بیٹے جناب سلمہؓ، اور جناب عمروؓ بھی ساتھ شہید ہوئے۔علاوہ جناب عمروؓ بن قیس اور ان کے بیٹے جناب قیسؓ بھی شہید ہوئے۔اس طرح ایک ایک شہید کا ذکر کر کے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

شہادت کا عملی پہلو پہلے باب میں فلسفہ شہادت کچھ بیان کر دیا تھا۔آگے ایک دو جگہوں پر شہادت کے اصولوں، اور فلسفہ کو سمجھنے کیلئے گزارش کی گئی تھی کہ شہادت کا عملی پہلو جنگ احد کی ایک آدھ مثال سے واضح کیا جائے گا۔تو اب اس سلسلہ میں اول ذکر ایک قزمان کا آتا ہے کہ بڑی بہادری سے لڑا اور آٹھ کفار کو قتل کیا۔حضور پاکؐ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ بڑا بہادر ہے

تو حضور پاکؐ نے فرمایا "جہنمی ہے "۔ لوگ حیران ہوئے اور اس کے پاس گئے ۔ زخمی تھا اور کہنے لگا کہ وہ اپنے قبیلہ یا خاندان کی عزت کیلئے لڑا تھا۔ بعد میں زخموں نے تکلیف دی تو خود کشی کر لی ۔ ظاہر ہے جو اللہ اور رسولؐ یا دین اسلام کیلئے نہیں لڑتا، اس کی لڑائی کو نہ جہاد کہہ سکتے ہیں نہ لڑنے والے کو غازی یا شہید ۔ اس لئے پاکستان یا وطن یا خطہ کیلئے لڑنے کو جہاد نہیں کہہ سکتے اب ایک مخیرق یہودی کی بات سنیئے ۔ حضور پاک سے متاثر تھا۔ لیکن بہت امیر تھا اور اس ڈر سے کہ مال ہاتھ سے نہ چلا جائے ۔ اسلام نہ لایا ۔ لیکن جنگ احد میں حضور پاکؐ کی مدد کیلئے شریک ہو گیا۔ اور باقیوں کو بھی شامل ہونے کو کہا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ مارا جائے تو اس کا سارا مال مسلمانوں کے پیغمبر جیسے چاہیں بانٹ دیں ۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ اور حضور پاکؐ نے اس کا مال غرباء میں بانٹ دیا ۔ لیکن ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ وہ ایک اچھا یہودی تھا۔ اس کے لئے شہید کا لفظ نہ استعمال کیا کہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی صدا نہ دی تھی ۔ اب جناب ابو ہریرہؓ ، انصار کے حوالوں سے بتایا کرتے تھے ۔ کہ ایک ایسے صاحب بھی ہیں جو بغیر نماز ادا کیے جنت میں جائیں گے ۔ اور وہ بنو عبد الاشل کے اسیرمؓ ہیں ۔ جنہوں نے پہلے اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب جنگ احد کیلئے کوچ ہوا تو وہ اسلام لائے ۔ کلمہ پڑھا اور جنگ میں شہید ہو گئے ۔ یہ ہے شہادت کا عملی پہلو۔ ستمبر ۶۵ کی جنگ کے ایک سال بعد راقم کی معیت میں ایک مشہور امریکی صحافی میکس ونزی نے سو ایسے افسروں ، اور جوانوں سے ملاقات کی جو میدان جنگ میں گولیوں کے بوچھاڑ کے نیچے رہے ۔ اس امریکی صحافی نے دیانت داری سے اپنے مضمون میں کہا کہ صرف ایک آدمی نے کہا کہ وہ پاکستان کے لئے لڑا ۔ باقی سب نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے لڑے ۔ ستمبر ۶۵ کی جنگ میں میرے سو سے زیادہ رفقاء کو میری آنکھوں کے سامنے شہادت نصیب ہوئی ۔ ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ وہ پاکستان کے لئے لڑ رہا ہے ۔ سب نعرہ تکبیر ہی لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کیلئے یا اسلام کیلئے لڑ رہے ہیں ۔ یہ ہمارے دانشوروں نے مادر وطن کیلئے لڑنے کیلئے غیر اسلامی اصطلاح کیوں اپنائی ہے ۔ راقم اس کو سازش کہے گا ۔ یہ کہنا کہ پاکستان کے لیے لڑنا بھی اسلام کیلئے لڑنا ہے ۔ راقم کو اس سے وطن کی پوجا کی بو آتی ہے ۔ اور ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش والے بھی وطن کیلئے لڑے تو کیا وہ شہید تھے یا ہم ۔ جواب نہ دارد ۔ لیکن جب ہمارے پاس قرآن پاک اور حضور پاکؐ کے فرمانوں میں ہر عمل کیلئے اصطلاحیں موجود ہیں تو کافرانہ اصطلاحوں کا سہارا کیوں لیا جائے ۔ اور اس عاجز نے مولوی عبد المجید سالک کو کبھی معاف نہیں کیا جو یہ شعر کہہ گیا کہ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے " ایک اور " دانشور " مولوی محمد حسین آزاد نے طنزیہ " خدا کے فوجدار " کتاب لکھ کر اللہ کی فوج کے فلسفہ کو انگریزوں کے کہنے پر نکو بنایا۔ تو سب " آزاد " شیطان کی طرح آزاد ہوتے ہیں ۔ اور کانگرسی مولوی آزاد ان میں شامل ہے ۔ کہ امام الھند بنا یعنی ہندوؤں کا امام ۔

اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام   پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی   (اقبالؒ)

جنگ کے نتائج اور اسباق مضمون ہذا میں جنگ کے موٹے موٹے نتائج اور اسباق کا ذکر ساتھ ساتھ کر دیا گیا ہے ۔ ایک سبق البتہ بڑا اہم ہے جس کی طرف صرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ حضور پاکؐ کی شان اور نبی کی طاقتوں کا اندازہ کسی تصور میں

نہیں آسکتا۔ اتنی جنگیں ہوئیں حضورؐ پاک نے سارے احکام دیئے لیکن خود کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا اور اگر ایک آدمی کو نیزہ کے ساتھ خالی چھوڑ دیا تو نتیجہ بیان کر دیا گیا ہے۔ آپؐ جنگیں کر کے لوگوں کو تہس نہس کرنے نہ آئے تھے۔ آپؐ رحمت اللعلمینؐ ہیں اور آپؐ کو مبعوث کرنے کا مقصد زمانے میں تسلسل قائم کرنا تھا۔ آپؐ دلوں کو جوڑ کر اور امت واحدہ کا تصور دے رہے تھے۔ اور کارواں حق کو صراط مستقیم پر رواں دواں کر رہے تھے۔ چنانچہ سبق یہ تھا کہ باطل کے ساتھ ٹکر ہو گی اور باطل کو سرنگوں کرنے کی عملی تربیت دے رہے تھے۔ ورنہ آپؐ خود اشارے کے ساتھ تمام باطلوں کو ختم کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ عاجز اس بامقصد مطالعہ کے تحت ان عملی اسباق کی تلاش میں ہے جو ہمیں اس زمانے میں بھی کام آئیں۔ چنانچہ اس جنگ کے نتائج کے طور پر ہمیں وہ اسباق اپنانے ہیں جو ہمارے آقا حضورؐ پاک سکھلا گئے ہیں۔ ہمیں بھی پاکستان کو اس وقت ایک مستقر بنانا ہے جس طرح حضورؐ پاک نے مدینہ منورہ کو بنایا اور پوری قوم کو اللہ کی فوج۔ دشمن کے بارے میں بالکل باخبر اور ہر وقت جنگ کے لئے تیار اور ایسی جنگ جو ہماری قومی حکمت عملی کے تحت لڑی جائے اور مقصد سامنے ہو اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی پوری تگ و دو کریں۔ دشمنوں کے مقصد سے آگاہی اور متحرک طرز جنگ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کی پیروی اور جہاد کو جاری وساری کر دیں۔ ہماری تمام قومی پالیسیاں ہمارے سیاسی فلسفہ کے تابع ہوں، اور اسلام کا سیاسی فلسفہ نظام مصطفےٰؐ ہے جس کو نظام جہاد بھی کہہ سکتے ہیں اس کو جاری وساری کرنے کے لئے البتہ بہت چھان بین اور تجسس کی ضرورت ہے اور یہ کسی ایک آدھ آدمی کا کام نہیں۔ یہ عاجز البتہ مختصر طور پر اپنی اس سلسلہ کی سفارشات کا آخری ابواب میں ایک اجمالی خاکہ پیش کر رہا ہے۔ کہ جہاد کو ہمیں طرز زندگی کے طور پر اختیار کرنا ہو گا۔ اب ساری جنگ کی کارروائی پر نظر ڈالیں تو کیا مدینہ منورہ کے اندر بیٹھ کر اس قسم کی جنگ لڑی جا سکتی تھی؟ پھر ذرا زمین کے چناؤ کو دیکھیں کہ حضور پاکؐ وہاں سے گزرتے گزرتے بھانپ چکے ہوں گے کہ یہ زمین کس کام آسکتی ہے۔ جن لوگوں کے دل و دماغ لڑائی میں ہوتے ہیں ان کے سامنے زمین کا چپہ چپہ بول اٹھتا ہے کہ وہ کس کام آتا ہے۔ موٹے موٹے جنگ کے نتائج اور اسباق حسب ذیل ہیں۔

ا۔ حضور پاکؐ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور کفار کوئی مقصد حاصل نہ کر سکے۔

ب۔ حضور پاکؐ نے حیران کن کارروائی کر کے دشمن کو اپنی مرضی کی زمین پر لڑائی لڑنے پر مجبور کر دیا۔

ج۔ حضور پاکؐ نے زمین کا چناؤ ایسا کیا کہ دشمن حیران تھا اور مجبور تھا اور حضور پاکؐ چھپے ہوئے راستے وہاں اچانک پہنچ گئے

د۔ صف بندی زمین اور حالات کے مطابق نہایت اعلیٰ درجے کی تھی یعنی ایک طرف رماۃ کی پہاڑی دفاع کی اہم زمین تھی۔ تو دوسری طرف احد کی گھاٹی، بہترین دفاعی پوزیشن تھی۔ ساری صف بندی زمین کے اہم استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی۔

ر۔ رماۃ کی پہاڑی کے تیر اندازوں کو جو احکام دیئے گئے وہ دفاع کے قائم رکھنے کی اہم ضرورتیں تھیں اور حضور پاکؐ کی دور رس نظر بھانپ چکی تھی کہ کیا ہو سکتا ہے FORECAST OF OPERATION لیکن ناتجربہ کاری کی وجہ سے تیر انداز غلطی کر گئے۔

س ۔ بڑے کمانڈر کی حکم عدولی یا جنگ اپنی مرضی سے لڑنے میں بڑے نقصانات ہوتے ہیں ۔ جنگ میں کوئی جمہوریت نہیں ہوتی نہ تجویز کی سطح پر اور نہ کارروائی کے درمیان یہاں ایک حکم چلتا ہے خواہ وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔

ص ۔ پہلے مرحلہ کی کامیابی مسلمانوں کی قوت ارادی، جوش اور بہتر جنگی تدبیر کی وجہ سے تھی ورنہ طاقت کے لحاظ سے تو دشمن کے ساتھ توازن بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

ض ۔ دوسرے مرحلہ میں ابتری کے دوران بھی مسلمان جو میدان جنگ میں ٹھہر گئے ۔ وہ اسلامی فلسفہ حیات اور نظریہ حیات کی وجہ سے تھا۔

ط ۔ تیسرے مرحلہ میں صف بندی قائم کر لینا ۔ دنیا کی جنگوں میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی ۔ بہترین تدبیر، بہترین لیڈر شپ اور بہترین سپاہی ہی ایسا نظارہ دکھا سکتے ہیں ۔

ظ ۔ دشمن کے میدان جنگ چھوڑنے کے بعد بھی اس کی دیکھ بھال بلکہ پھر پیچھا کرنا جنگ کی ایک اہم ضرورت ہے جو حضور پاکؐ نے پوری کی۔

ع ۔ حضور پاکؐ نے اول سے لے کر آخر تک اپنی تمام تدبیرات کو اپنی جنگی حکمت عملی جو متحرک جنگ تھی کے تابع رکھا۔

غ ۔ جنگ احد کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس کے بعد اکیلے اہل قریش کو کبھی ہمت نہ ہوئی کہ مدینہ منورہ کی طرف آئیں اور ہمارے لیے حضور پاکؐ اور ان کے صحابہ کے ہر عمل میں سبق ہی سبق ہیں کہ صحابہ کرامؓ چلتے پھرتے اسلام تھے:۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے (اقبالؒ)

قارئین کو پوچھنے کا حق ہے کہ جنگ احد کی شکست کہنے والے اور جہاد کے سلسلہ میں بد دلی پھیلانے والے کون ہیں ؟ سید رفائی اور امام احمد رضا بریلویؒ کو چھوڑ کر قرآن پاک کے اکثر ترجمہ کرنے والے اور مفسرین ان میں شامل ہیں ۔ اور مودودی ان میں سر فہرست ہے ۔ بلکہ مودودی بغیر حوالے کے صحابہ کرامؓ پر بہتان سے بھی گریز نہیں کرتا کہ ان میں سے کچھ عبد اللہ بن ابی کے ذریعے ابو سفیان سے معافی مانگنے کی تگ و دو کرتے رہے ۔ نعوذ باللہ

تیرھواں باب

جنگ احد اور جنگ خندق کے درمیانی وقفہ کی فوجی کارروائیاں

تمہید: ۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ نے ایک جنگ سے واپسی کے بعد فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں صحابہؓ کرام نے عرض کیا ۔ " یا رسول اللہ، کیا مدینہ منورہ میں کوئی اور دشمن آگیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا " نہیں ۔ جنگ جہاد اصغر ہے اور امن کے زمانے میں جنگ کی تیاری جہاد اکبر ہے " ۔ تو یہ بات واضح تھی کہ جہاد جاری و ساری ہے اور پوری قوم اس میں اس طرح حصہ لیتی ہے کہ وہ ایک طرز زندگی بن جاتا ہے، کیونکہ حضور پاکؐ نے یہ بھی فرمایا " مومن وہ ہے جو جہاد میں مصروف رہتا ہے اگر جہاد میں مصروف نہیں تو جہاد کی تیاری میں مصروف ہے اور وہ بھی نہیں تو سوچتا ہے کہ ان دو کاموں میں کس طرح شریک ہو سکتا ہے " ۔

اب ہمارے بعض علماء بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے ۔ انہوں نے جہاد اکبر کو جہاد بالنفس کے معنی پہنا دیئے ۔ بات بڑی سیدھی تھی کہ جہاد اکبر کی بنیاد جہاد بالنفس Individval training پر رکھی جاتی ہے ۔ اور یہ عاجز جہاد بالنفس کے پہلو کو چھٹے باب میں بیان کر چکا ہے ۔ لیکن اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں ۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ میں آرام کے دنوں میں مسلمان کی اس تربیت پر دھیان دیا جس میں ایمان ، عقیدہ ، نماز اور روزہ نے بنیادی تربیت کا کام کیا اور فن سپاہ گری کی تربیت کے لئے کھیلوں ، کشتیوں ، نیزہ بازی ، تلوار زنی اور گھوڑ دوڑ کے مقابلوں کا بندوبست کیا ۔ مسجد کا محراب لفظ حرب سے ہے ۔ وہاں پر ہتھیار موجود ہوتے تھے ۔ مسلمان خود بخود مشقیں کرتے تھے ۔ جماعت بندی ، اطاعت امیر ، کوچ ، حفاظت ، دفاع ، گھات ، حملوں اور اس قسم کی سکھلائیاں گشتی دستوں اور دیکھ بھال والے دستوں کے ذریعے دی جا رہی تھیں اور خود حضور پاکؐ بھی کئی دفعہ ساتھ جاتے تھے ۔ تب ہی مسلمانوں کا بچہ بچہ سپاہی بن گیا تھا اور عورتیں بھی بعض کاموں میں شریک ہوتی تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن پاک میں حزب اللہ یعنی اللہ کی فوج کے پیارے نام سے یاد کیا ہے ۔ یہی جہاد بالنفس ہے جو مسلمان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اس فوج کا حصہ بنے ۔ ربط و ضبط اور ہر سطح پر ایک امیر کے تحت کام کرے ۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ آجکل ہم جہاد بالنفس کے معنی اچھا انسان وغیرہ اور " عجب آزاد مرد تھا " کرتے ہیں ۔ اسلام کسی ایسی آزادی کا تصور پیش نہیں کرتا ۔ اسلام میں بندہ اللہ کا محکوم ہے اور شیطان البتہ آزاد ہے ۔ آزادی فکر کے غیر اسلامی پہلو کی تیسرے باب میں وضاحت کر دی تھی ۔ بلکہ بات یہاں تک ہے کہ اگر کسی کا نام آزادی والا یعنی برہ وغیرہ ہوتا ، تو حضور پاکؐ ایسے نام کو تبدیل کر دیتے تھے ۔ اس کا آگے ذکر بھی آتا ہے ۔ اور پچھلے باب میں بھی اس پر تبصرہ تھا ۔

حالات کا خلاصہ مدینہ منورہ میں یہ دو سال ایک طرف رابطے ضابطے والے جہاد بالنفس کی تربیت تھی ، تو دوسری طرف

تبلیغ کا کام بھی شروع رہا۔ گشتی دستوں کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا۔اب مدینہ منورہ سے دور دور سے قبائل آکر اسلام میں شامل ہو رہے تھے۔اور مجاہدین کی نفری میں خوب اضافہ بھی ہو رہا تھا۔البتہ کچھ ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔صفر چار ہجری میں ستر صحابہ کبار بیرِ معونہ کی طرف قبیلہ کلاب کو اسلام کی دعوت دینے گئے۔ان کے ساتھ بڑا دھوکا ہوا۔ اور ایک صاحب کو چھوڑ کر سب کو شہید کر دیا گیا۔اسی طرح قبیلہ عضل اور قارۃ کی طرف جو دس صحابہؓ بھیجے گئے ان کے ساتھ تو دھوکے کی حد ہی ہو گئی۔ کچھ کو شہید کیا بلکہ دو کو تو اہل قریش کے ہاتھ بیچ دیا اور اہل قریش نے ان کو ان آدمیوں کے عوض جو جنگ بدر اور جنگ احد میں مارے گئے تھے، بر سرعام پھانسی پر چڑھایا۔یہ بڑے افسوسناک اور شرمناک طریقے ہیں۔جن میں دشمنی کی بجائے کمینگی زیادہ ہے۔ لیکن جس طرح ان صحابہ کرامؓ نے اپنی جان عزیز، اللہ تعالی کے پاس پیش کی، اور جو وفاداری ان سب نے حضور پاکؐ کے نام کی لاج کیلیئے دکھلائی، وہ ہماری تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھی ہوئی ہے۔اس ثابت قدمی اور ایمان کو دیکھ کر کئی لوگوں پر اسلام کی سچائی کا اثر پڑا۔ کہ ان کے رویہ کو علم وعرفان کے پیمانوں سے ہرگز نہیں ناپا جاسکتا۔

رقابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے منبر کی — کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
خدا کے پاک بندو کو حکومت میں غلامی میں — زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا ! (اقبالؒ)

حضور پاک کی حکمت عملی پہ ایک نظر۔ اب جنگ احد کے نتائج کو ذہن میں رکھ کر ہمارے آقاؐ نے اپنی جنگی حکمت عملی پر پھر نظر ثانی کی۔جنگ احد کیلیئے بھی قریش اکیلے نہ تھے۔اور باقی لوگوں کی شمولیت کا پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔اب ظاہر تھا وہ مزید اتحادی پیدا کریں گے۔یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر تو جنگ احد کے ایک سال بعد واقع ہو گئی۔لیکن خندق دو سال بعد ہوئی۔ حضور پاکؐ اس چیز کو سمجھتے تھے، اس لئے آپؐ نے اپنے گروہ یعنی امت واحدہ والوں میں اضافہ کیا، تو دوسری طرف کچھ قبائل کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو غیر جانبدار بنا دیا۔علاوہ ازیں جن قبائل سے یہ خطرہ تھا کہ وہ قریش کی شہ پر مدینہ منورہ میں جھپٹا مار سکتے ہیں۔ان کو ایسا کرنے کی ہوش نہ آنے دی۔ساتھ ہی اپنے ٹوکرے میں اگر کوئی انڈہ گندہ ہو رہا تھا تو اس کو بھی باہر پھینکنے کی ضرورت تھی۔اور فوجی مشقیں یا حربی مظاہرے تو بنیادی باتیں تھیں، جن کو قائم رکھنا تھا۔چنانچہ ان دو سالوں میں حضور پاکؐ نے جو فوجی کارروائیاں کیں، ان کی نشاندہی نقشہ نہم پر کی جا رہی ہے۔یہ ہے حضور پاکؐ کی سنت، اور جو آدمی فوجی ذہن نہیں رکھتا، اس کو نہ قوم کی امارت کا حق ہے اور نہ تبلیغ کا۔اب لوگ قائداعظم اور علامہ اقبالؒ کا نام لیں گے کہ پاکستان بنانے والے سولین تھے یا غیر فوجی تھے۔تو یہ عاجز بالکل نہیں مانتا۔قائداعظمؒ اسلام کی وحدت کے قائل تھے، اور کہا کہ مسلمانوں کی ایک پارٹی ہے جس کا نام مسلم لیگ ہے، اور اس پارٹی نے پاکستان بنایا۔پاکستان بن جانے کے بعد قائداعظم نے مومن کی فراست سے جو فوجی فیصلے کئے ان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے اور راقم اخباروں میں اس سلسلے میں متعدد مضمون لکھ چکا ہے۔تو قائداعظم فوجی ذہن رکھتے تھے۔

جہاں تک علامہ اقبال کا تعلق ہے ان کا سارا کلام فلسفہ جہاد کے گرد گھومتا ہے اور یہ عاجز اس سلسلہ میں پاکستان

آرمی جنرل میں دو مضامین لکھ چکا ہے کہ جہاد مسلمانوں کیلئے ایک طرز زندگی ہے اور علامہ مرحوم و مغفور اپنے زمانے میں داعی الی الحق بن کر ابھرے اور شعر و شاعری کا راستہ انہوں نے محض زمانے کے مزاج کے مطابق اپنایا۔ گو شاعروں میں شمار ہونا انہیں پسند نہ تھا۔ اس لئے حضور پاکؐ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

من اے میر اممؐ داداز تو خواہم   مرا یاراں غزلخوانے شمردند

قارئین! حق کے فلسفہ اور عسکریت کے سلسلہ میں ان کے کلام سے اس کتاب میں جگہ بجگہ حوالے دینے سے خود سمجھ سکتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کتنا بڑا سپاہی تھا۔ گو اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں کہ نہ میں سپاہی ہوں نہ امیر جنود۔ لیکن ساتھ زمانے کا مقابلہ کرنے کی بات کہہ کر اپنے بڑا سپاہی ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ ہاں البتہ اسلام میں قل ھواللہ والی شمشیر کی ضرورت ہے اور ہمیں ایسے سربراہ نہ چاہئیں جو مغرب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے   قل ھواللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام (اقبالؒ)

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم حضور پاکؐ کے مدینہ منورہ کے ان دو سال کی مہمات کا سرسری ذکر کرتے ہیں:۔

۱۔ حمرالاسد کی مہم (شوال تین ہجری) یہ اسلام کی بیسویں فوجی کارروائی ہے۔ جنگ احد کے ختم ہونے کے بعد حضور پاکؐ نے صرف ایک رات مدینہ منورہ میں گزاری۔ اور آپؐ کے دروازہ پر چند معزز انصار صحابیوں نے باری باری پاسبانی کی۔ باقی مجاہدین نے رات کو حضور پاکؐ کی طرح اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ کہ حضور پاکؐ جنگ میں زخمی ہوئے تھے۔ دوسرے دن صبح فجر کی نماز کے بعد، حضور پاکؐ نے جناب بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ ندا دیں، کہ جو لوگ جنگ احد میں شریک تھے وہ اجتماع کریں کہ ہم دشمن کے تعاقب میں جائیں گے۔ حضور پاکؐ نے سختی کے ساتھ ان تمام لوگوں کو اس تعاقب میں جانے سے روک دیا، جو جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ صرف جناب جابرؓ بن عبداللہ کی اجازت دی، کہ جنگ والے دن ان کے والد جناب عبداللہؓ جو جنگ میں شہید ہوئے، وہ ان کو اپنی نوجوان بیٹیوں کی نگہبانی کیلئے چھوڑ گئے تھے۔

جن لوگوں نے جنگ نہ دیکھی ہو، ان سے یہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ لوگ تعاقب میں ہڑبونگ مچادیں گے یا ہلڑ بازی پر اتر آئیں گے۔ اور پھر اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی۔ یہ ایک فوجی اصول ہے کہ تعاقب سخت ربط و ضبط سے کیا جائے کہ لینے کے دینے نہ پڑجائیں۔ حضور پاکؐ اپنے سے چار گنا زیادہ لوگوں کے تعاقب میں جا رہے تھے۔ یہ طاقت کا مظاہرہ بھی تھا۔ کہ دشمن واپس نہ لوٹ آئے۔ اور مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے قبائل کیلئے حربی مظاہرہ کر کے رعب بھی بٹھانا تھا۔ لیکن حرکت اس طرح سوچ کر کرنا تھی کہ اگر دشمن واپسی کا ارادہ کرے تو پھر کس جگہ کیا کرنا ہو گا، تو مسلمان بننا آسان نہیں:۔

نادان! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں   اسباب ہنر کیلئے لازم ہے تگ و دو (اقبالؒ)

چنانچہ حضور پاکؐ نے علمبرداری کی سعادت جناب صدیق اکبرؓ کو دی اور پھر دشمن کے تعاقب کیلئے رواں دواں ہو گئے۔ حضور پاکؐ گھوڑے پر سوار تھے۔ اور زخموں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کہ اسلام غیر تمند لوگوں کا دین ہے:۔

کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشاد شرق و غرب   تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر (اقبالؒ)

حضورؐ پاک نے بنو اسلم کے تین آدمی مخبر کے طور پر دشمن کی طرف بھیجے تھے۔ جن کو کفار نے شہید کر دیا۔ اس لئے حضور پاکؐ نے زیادہ آگے جانے کی بجائے حمرالاسد میں جا کر پڑاؤ کر دیا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے تقریباً دس میل پر ذوالحلیفہ کے بائیں جانب ہے۔ حضور پاکؐ نے لشکر کو پھیل جانے کا حکم دیا اور رات کے وقت پانچسو جگہوں پر آگ جلائی، جو دور دور تک نظر آئی۔ کفار زیادہ تیزی سے نہ جا رہے تھے۔ دراصل ابو سفیان اور اس کے ساتھی احد کا مقام چھوڑ تو بیٹھے، کہ کچھ حاصل ہوتا نظر نہ آرہا تھا۔ لیکن واپسی پر سوچا کہ روز روز مہمات نہیں نکالی جا سکتیں اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ واپس مدینہ منورہ پر حملہ کریں یا کوئی فیصلہ کن جنگ کریں۔ اب جو اپنے پیچھے جگہ جگہ آگ جلتی دیکھی تو بنو خزاعہ کے ایک مسافر معبد بن ابو معبد سے ابو سفیان نے پوچھا کہ یہ آگ کیسی تھی۔ معبد نے بھی مسلمانوں کے لشکر کا کچھ زیادہ ہی اندازہ بتا دیا کہ پورا مدینہ منورہ، قریش کے تعاقب میں نکلا ہوا ہے۔ ویسے بھی بنو خزاعہ کو یہ سعادت تھی کہ ان کی باتیں مسلمانوں کے حق میں جاتی تھیں۔ بنو خزاعہ سے رشتہ داری کا ذکر چوتھے اور پانچویں باب میں ہو چکا ہے۔ آگے بھی بنو خزاعہ مسلمانوں کے ہی حلیف رہیں گے۔ بہرحال یہ آگ دیکھ کر اور معبد کی باتیں سن کر، قریش نے جلد مکہ مکرمہ واپس جانا شروع کر دیا کہ حج کا وقت آنے والا تھا، اس سے تو کوئی دنیاوی فائدہ اٹھائیں۔ حضور پاکؐ بھی زیادہ لمبا تعاقب نہ کرنا چاہتے تھے۔ حمرالاسد کو مرکز بنا کر وہاں سے آگے پانچ دن تک گشتی کارروائیاں جاری رکھیں۔ اور جب تسلی ہو گئی کہ کفار واپس نہ آئیں گے تو آپؐ بھی مدینہ منورہ واپس آگئے۔ جناب ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کی نیابت کو پھر شرف حاصل ہوا۔ اور اس تعاقب کے فوائد کا اندازہ خود قارئین لگا لیں اور حالات جنگ کے معاملات کو سمجھیں۔

قطن کی مہم (محرم ۴ ہجری)   یہ اسلام کی اکیسویں فوجی کارروائی ہے۔ قطن، بنو اسد کا علاقہ ہے اور بزوخا تک پھیلا ہوا ہے۔ گو بنو اسد، خیبر کے گرد و نواح سے آگے بھی دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دراصل ان علاقوں میں بنو غطفان اور بنو سلیم کی حد بندی بھی مشکل ہے۔ بلکہ چھوٹے قبیلے فزارہ یا ثعلبہ وغیرہ بھی ان بڑے قبائل کے حصہ کے طور پر ان علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان قبائل کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے اور آگے بھی آتا رہے گا۔ چنانچہ خبر ملی کہ قطن کے علاقہ میں بنو اسد کا طلیحہ بن خویلد، اپنے قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ منورہ پر کچھ دھاوا کرنا چاہتا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہو گیا ہے اور مرے کو مارنا آسان ہے۔ حضور پاکؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے دشمن کو موقعہ دینے کی بجائے اس کے گھر میں جا کر لڑنے کی تجویز بنائی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابو سلمہ مخزومیؓ کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو صحابہ کرامؓ کو بنو اسد کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مسلمان لشکر نے اچانک حملہ کیا اور غیر معروف راستہ اختیار کیا اور قطن تک پہنچ گئے۔ تمام قبیلہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن کا تعاقب کیا اور کافی مال غنیمت ہاتھ لگا۔ جو آکر دربار نبوت میں پیش کیا۔ آپ پہلے جنگ احد میں زخمی ہوئے تھے اس جنگ میں پھر زخمی ہوئے۔ دونوں زخم مل کر جان لیوا ثابت ہوئے۔ اور آپ نے جمادی الثانی ۴ ہجری میں

وفات پائی ۔ آپ کا ذکر ہو چکا ہے کہ بنو مخزوم میں اولین مسلمان تھے ۔ اور حضورؐ پاک کے پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے ۔ حضور پاکؐ نے سب لوگوں کو ان کے ماتم سے روک دیا کہ فرشتے ان پر اس وقت رحمت بھیج رہے ہیں ۔ آپ کی زوجہ محترمہ ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے مجھے نصیحت کی کہ مشکل وقت میں یہ دعا مانگا کرو ۔ "اے اللہ میں تجھ سے اپنی مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں (رکھتی ہوں) اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما ۔" جناب ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد میں بے امید ہو گئی کہ اب زندگی مشکل ہے ۔ لیکن ان کی نصیحت یاد آ گئی اور وہی دعا مانگی ۔ اور حیران ہوئی کہ عدت کے بعد حضور پاکؐ نے مجھے اپنی زوجیت میں لے لیا ۔ اور مجھے دونوں جہاں مل گئے ۔

ازواج مطہرات حضور پاکؐ کے مسلمان عورتوں کو اپنی زوجیت میں لینے کے شرف کو سمجھنا ضروری ہے ۔ غیروں نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں ۔ کہ کچھ نے کثرت ازواج ہونے کی بات کی مودودی سمیت کچھ نے ان شادیوں کو سیاسی ضرورتیں لکھا وغیرہ ۔ اور افسوس اپنوں میں سے بھی کئی لوگوں نے کچھ معاذرانہ رویہ اختیار کیا جو لوگ حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے میں عاجزی کو مد نظر رکھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ آپؐ کیلئے دو جہاں پیدا ہوئے اور یہ صرف شرف تھا جو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی مسلمان عورتوں کو عطا کر دیا کہ وہ امہات المومنین بن گئیں ۔ اس زمانے میں بادشاہ یا عام حکمران بھی اپنے حرم میں سینکڑوں عورتیں رکھتے تھے اور اس عاجز کے ایمان کے مطابق اگر ہمارے آقا ہزاروں عورتوں کو یہ شرف بخش دیتے تو اس میں مسلمان عورتوں کی شان تھی ۔ آٹھویں باب میں جناب ام ہانی حضور پاکؐ کی پیاری چچیری بہن کا سرسری ذکر ہو چکا ہے ۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ اگر ان کو شرف زوجیت عطا ہو جاتا ، تو وہ حضور پاکؐ کو وہ راحت پہنچاتیں کہ ان کا یہ شرف جناب خدیجہؓ کی طرح ہوتا کہ آپؐ ان کے ہوتے ہوئے شاید کسی اور کو اپنی زوجیت میں نہ لیتے ۔ اب جناب ام سلمہؓ کا حسن و جمال بھی بے مثال تھا اور آپ ایک بڑی غیرتمند شخصیت کی مالکہ تھیں کہ لوگوں کو ان کے ساتھ بات کرتے جھجک ہوتی تھی ۔ حضور پاکؐ کے ساتھ نکاح کے بعد آپؐ نے ام سلمہؓ کے ہاں دو تین دن قیام فرمایا ۔ اور پھر جب آپؐ نے ان کو الوداع کہا کہ ان کے پاس پھر ان کی باری کے دن آئیں گے ۔ تو جناب ام سلمہؓ کو اپنی شخصیت بھول گئی اور حضور پاکؐ کے ساتھ لپٹ گئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ ایک دو دن اور ٹھہریں ۔ یا بہت جلدی تشریف لائیں ۔ حضور پاکؐ کے جمال کو ان کی ازواج مطہرات ہی کچھ کچھ سمجھ سکتیں تھیں قارئین! یہ ہیں عملی اسلام کی جھلکیاں ۔ اور ام المومنین ام سلمہؓ کی شان بیان کرنے کے لئے کئی مضمونوں کی ضرورت ہے ۔ آپ کے ایک ایک عمل اور ایک ایک حدیث مبارکہ کے طرز بیان کو پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے ۔

طلیحہ بن خویلد طلیحہ کے ساتھ اب اکثر آپ کی ملاقات ہوتی رہے گی ۔ جنگ خندق کے وقت کفار کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا ۔ جنگ خیبر کے وقت حضور پاکؐ کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالی ۔ لیکن چند سال بعد مسلمان ہو گیا ۔ یہ کاہن قسم کا آدمی بھی تھا اور حضور پاکؐ کی وفات کے بعد پہلے مرتد ہوا ۔ پھر نبوت کا دعویٰ کیا ۔ جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جناب خالدؓ سے شکست کھائی ۔ لیکن عظیم صحابی جناب عکاشہؓ بن محصن اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔ بہر حال طلیحہ نے شکست کے

نقشہ نہم

جنگِ احد اور جنگِ خندق کے درمیانی وقفہ کی فوجی کاروائیاں

۱۔ حمرالاسد ۔ شوال ۳ ہجری
۲۔ قطن ۔ محرم ۴ ہجری
۳۔ عرنہ ۔ محرم ۴ ہجری
۴۔ بیر معونہ ۔ صفر ۴ ہجری
۵۔ رجیع ۔ صفر ۴ ہجری
۶۔ بنو نضیر ۔ ربیع الاول ۴ ہجری
۷۔ بدر ثانی ۔ شوال ۔ ذی قعد ۴ ہجری
۸۔ رقاع ۔ محرم ۵ ہجری
۹۔ دومۃ الجندل ۔ ربیع الاول ۵ ہجری
۱۰۔ مریسیع ۔ شعبان ۵ ہجری

سکیل ۱/۴،۰۰۰،۰۰۰

بعد معافی مانگی جو مل گئی ۔ پھر اسلام کی صفوں میں شریک ہو کر بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور نہاوند کے مقام پر فاتح نہاوند جناب نعمانؓ بن مقرنؓ کے ساتھ شہدا کے قبرستان میں دفن ہونے کی سعادت مل گئی ۔ لیکن اسی قبیلہ کے جناب ضرارؓ بن ازور کا نام اسلام کی عسکری تاریخ اور فتوحات شام کے سلسلہ میں سنہری الفاظ میں لکھا ہوا ہے ۔ جو صاحب تفصیل میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔ وہ اس عاجز کی کتابیں خلفاء راشدین حصہ اول اور دوم پڑھیں ۔ باقی ساری اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ۔ بنواسد میں اور لوگ بھی ہوں گے ۔ لیکن ضرارؓ پھر پیدا نہیں ہو سکتا ۔ اور نہ اس کی بہن خولہؓ ، جنہوں نے مسلمان عورتوں کے ناموں کو بھی چار چاند لگا دیئے :۔

پھرا فضا میں کرگس شاہیں وار   شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا   (اقبالؒ)

۳۔ **عبداللہ بن انیس کا ابن سفیان ہذلی کو قتل کرنا** (محرم ۴ ہجری)   یہ اسلام کی بائیسویں فوجی کاروائی ہے ۔ اس کو عرنہ کی مہم بھی کہتے ہیں ۔ حضرت عبداللہؓ خود اس کہانی کے راوی ہیں ، کہ حضورؐ پاک نے ان کو بلایا اور حکم دیا کہ مکہ مکرمہ کے نزدیک وادی عرنہ میں جائیں اور وہاں پتہ کریں کہ خالد بن سفیان کیا ارادہ کر رہا ہے ۔ اگر تسلی ہو جائے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو اس فتنہ کو ادھر ہی ختم کر دیں ۔ فاصلہ بہت دور تھا ۔ کوئی ساتھی ساتھ لیا بھی تو اس کو راستہ میں چھوڑنا پڑا ۔ ویسے جانے سے پہلے حضور پاکؐ سے پوچھا ، کہ خالد کا حلیہ کیسا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا " بالکل شیطان ہے اور اس کو دیکھ کر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے " اس چیز نے بڑی مدد کی ایک جگہ ایسا آدمی آپ نے عورتوں کے جھرمٹ میں دیکھا اور تسلی کی کہ وہ خالد ہے ۔ پھر اس کے ساتھ دوستی بنائی ۔ خوب گپ شپ لگائی اور خالد نے ارادہ بھی بتا دیا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کیلئے تیار ہو رہا ہے ۔ آپ نے موقع پا کر اس پر تلوار کا وار کیا اور سر کاٹ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے ۔ حضور پاکؐ بڑے خوش ہوئے اور ایک عصا انعام دیا ۔ آپ نے وصیت کی ، کہ مرنے کے بعد یہ عصا ان کے کفن میں شامل کیا جائے ۔ خالد بن سفیان کے قتل کے بعد ان کا قبیلہ سہم گیا اور وہ مسلمانوں پر کسی حملہ میں شریک نہ ہوئے ۔ یہ کہانی بھی اب ہماری تاریخوں سے نکل گئی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے ، کہ مسلمان اتنا دور جا کر لوگوں کو قتل کرتے تھے ۔ دشمن اور کافر کا جب ارادہ معلوم ہو جائے ۔ تو پہلے اس کے کہ وہ وار کرے اس کو ختم کرنا بہتر ہوتا ہے ۔ اور اگر حضور پاکؐ ایسا نہ کرتے ، تو سب عرب قبائل مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو جاتے ۔ تو غیروں سے ڈرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ :۔

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے تیرا   تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں !!   (اقبالؒ)

۴۔ **بیر معونہ کی عظیم قربانی** (صفر ۴ ہجری)   یہ اسلام کی تیسیئوں فوجی کارروائی ہے ۔ ابو براہ کلابی جس کا نام عامر بن مالک تھا ، اس کی درخواست پر حضور پاکؐ نے ستر صحابہ کو بیر معونہ بھیجا کہ اردگرد کے علاقہ میں اسلام پھیلائیں ۔ حضور پاکؐ کو خطرہ تھا کہ وہاں کوئی دھوکا نہ ہو اس لئے اتنی بڑی جماعت بھیجی ۔ جناب المنذرؓ بن عمرو کو ان کا امیر مقرر کیا ۔ اور ساتھ ہی ان صحابہؓ نے ابو براہ پر بھروسہ بھی کیا ۔ اور تبلیغ شروع کر دی اس کے بعد ان صحابہ کرامؓ نے آگے عامر بن طفیل کے پاس حضور پاکؐ کا ایک خط بھیجا ۔ اس دشمن خدا نے قاصد کو شہید کر دیا اور آس پاس کے چھوٹے قبائل عصیہ راعل ۔ اور ذکوان وغیرہ کو اکٹھا کیا

اور دھوکے کے ساتھ سارے صحابہ کرامؓ کو گھیرے میں لے لیا۔ صحابہؓ نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور جہاں وہ موجود تھے، ان میں جناب کعبؓ بن زید کو چھوڑ کر سب شہید ہو گئے۔ اور ان کے بچنے کی وجہ یہ تھی کہ جناب کعبؓ بھی شہیدوں کے نیچے دب گئے تھے اور بعد میں وہاں سے اٹھ کر مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور حضور پاکؐ کو حالات سے آگاہ کیا۔ ان میں سے ایک عظیم صحابی جناب عمروؓ بن امیہ باہر اونٹوں کے ساتھ تھے، اور موجودہ زمانے کی زبان کے مطابق بڑے کمانڈو قسم کے انسان تھے، اور آپ بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن انہوں نے بدلہ لینے کیلئے راستہ میں اس قبیلے کے دو آدمی قتل کر کے دل ٹھنڈا کیا، لیکن ان دونوں کو حضور پاکؐ امان دے چکے تھے اس لیے ان کا خون بہا ادا کرنا پڑا۔ جنگ احد کے بعد یہ عظیم قربانی تھی جس کا بدلہ مسلمان لشکری آنے والے سالوں میں لیتے رہے۔ اور ان قبائل کو یہ کارروائی بڑی مہنگی پڑی، کہ ستر صحابہ کرامؓ کو شہید کرنے میں ان کا اپنا بھی بڑا نقصان ہوا۔ اور کافی زندگی چھپ کر اور تتر بتر ہو کر گزارنا پڑی۔ بہرحال ہم بیر معونہ کے مسلمان شہداء کو سلام پیش کرتے ہیں اور مسلمان ہو کر بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔

مرے خاک و جان سے تو نے جہاں کیا ہے پیدا صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ (اقبالؒ)

۵۔ الرجی یا رجیع کے شہداء (صفر یا ربیع الاول چار ہجری) یہ اسلام کی چوبیسویں فوجی کارروائی ہے۔ قبیلہ عضل اور قارہ کی گزارش پر حضور پاکؐ نے بعض روایات کے مطابق سات اور بعض کے مطابق دس صحابہؓ کو رجیع کے علاقے میں ان قبائل کو اسلام سکھلانے کے لئے بھیجا۔ ابن سعد کے مطابق حضرت مرثدؓ کمانڈر تھے۔ ابن اسحق نے حضرت مرثدؓ کے علاوہ حضرت عاصمؓ کا نام بھی لکھا ہے کہ دونوں میں سے ایک امیر تھے۔ ان صحابہؓ کے ساتھ دھوکہ ہوا۔ جب وہ رجیع کے مقام پر پہنچے جو عسفان اور مکہ مکرمہ کے وسط میں ہے، تو بنو لحیان کے دو سو لشکر نے ان پر حملہ کر دیا، باقی تو شہید ہو گئے۔ لیکن حضرت حبیبؓ اور حضرت زیدؓ کفار کی باتوں میں آ گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ ان اللہ کے دشمنوں نے دونوں کو قریش مکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ جنہوں نے اپنے احد کے مقتولوں کی بجائے ان صحابہؓ کو پھانسی دے دی۔ یہ بڑا دلخراش واقعہ ہے لیکن جس طرح ان دونوں صحابہؓ نے اپنی جان عزیز، اللہ کو پیش کی اور حضور پاکؐ کے ساتھ وفاداری دکھائی، اس کا ذکر باب کے شروع میں ہو چکا ہے۔ مورخین اور محدثین نے تمام واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہ عاجز البتہ اپنے بامقصد مطالعہ کے تحت اختصار کی وجہ سے اتنی مزید گزارش کرے گا۔ کہ روایت ہے کہ ان دونوں عظیم قربانی دینے والے واقعات میں زیادہ تر وہ صحابہ کرام شہید ہوئے جو سائبان کے نیچے بیٹھتے تھے اور اصحابہ صفہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر بڑے نامور قاری تھے اور قرآن پاک کو اپنے سینوں میں اٹھائے پھرتے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی بھی عجیب شان ہے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں تمام شہداء کی تعداد نواسی بنتی ہے۔ یہاں چند دنوں میں دو تبلیغی دوروں میں نواسی صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی، لیکن یہاں سب مبصر خاموش ہیں۔ حالانکہ اس میں بڑے عملی اسباق ہیں، کہ موت، جنگ کے علاوہ کسی جگہ بھی آ سکتی ہے۔ اور شہادت صرف میدان جنگ میں نہیں ہوتی۔ اللہ کی راہ میں جہاں، اور جس حالت میں موت آئے یا ذاتی دفاع ہو، تو شہادت کا رتبہ مل جاتا ہے۔ قارئین! جنگ بدر اور جنگ احد کے

بیانات ، اور تجاویز پر ہم بہت کچھ لکھتے ہیں ۔ لیکن دنیاوی لحاظ سے نقصان صرف نواسی مجاہدوں کا تھا۔یہاں بھی دنیاوی لحاظ سے نواسی مجاہدوں کا نقصان معمولی تبلیغی مہمات کے دوران ہوگیا۔ لیکن ہم سب کچھ آخرت کیلئے کرتے ہیں اور ایسی باتوں کو نقصان نہیں کہتے لیکن افسوس کہ اپنی عمارتوں اور گاڑیوں کو آگ لگانے والوں اور ملک میں فتنہ وفساد میں مرنے والوں کو شہید کہہ کر ہم شہداء کی شان کو بہت سستا کر رہے ہیں ۔

۶ ۔ بنو نضیر کی سرکوبی (ربیع الاول ۴ ہجری) یہ اسلام کی پچیسویں فوجی کارروائی ہے ۔مدینہ منورہ میں البتہ حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقاءؓ کے لیے یہودی آبادی ایک ایسا مسئلہ تھا جس کو سلجھائے بغیر مدینہ منورہ کو اسلام کا فوجی مستقر نہیں بنایا جا سکتا تھا۔مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد آپؐ نے یہودیوں کے تینوں قبائل قینقاع ، نضیر اور قریظہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ ان لوگوں کو مذہبی آزادی ہوگی اور مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے خلاف کسی طرح کی کوئی ذہنی یا عملی کارروائی نہ کریں ، جس سے فریق ثانی کو نقصان پہنچے ۔اس کی تفصیل نانویں باب میں میثاق مدینہ کے تحت بیان ہو چکی ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی وجہ سے یہودیوں کی یہ فطرت ہو گئی تھی اور ہے ، کہ وہ ہر شرارت اور ہر سازش میں شریک ہوتے تھے ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے ۔اب حضور پاکؐ کے لیے فوجی لحاظ سے یہ ٹھیک نہ تھا کہ تینوں قبائل کا قلع قمع ایک ہی موقع پر کرتے اس لئے آپؐ بھی موقع کی تلاش میں رہتے تھے ۔علاوہ ازیں انصار کے دونوں قبائل اوس اور خزرج کے یہودی قبائل کے ساتھ کچھ روایتی تعلقات بھی تھے ۔آپؐ نے ان تعلقات کو بھی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا۔

چنانچہ بنو قینقاع کی جلاوطنی کا ذکر گیارہویں باب میں ہو چکا ہے ۔جنگ احد میں مسلمانوں کے نقصانات اور ذات رجیع اور بیر معونہ میں اتنے مسلمانوں کے شہید ہو جانے پر یہودی بہت خوش ہو رہے تھے ۔اور ان میں سے کچھ یہودیوں خاص کر بنو نضیر کے سرداروں نے قریش مکہ کے ساتھ کچھ رابطہ بھی قائم کیا۔انہی دنوں میں جناب عمروؓ بن امیہ نے جن دو آدمیوں کو بدلے میں مار دیا تھا اور ابھی ذکر ہو چکا ہے ، ان کے قصاص کی رقم کی ادائیگی کیلئے حضور پاکؐ چند عظیم صحابہ کی معیت میں بنو نضیر کے ہاں گئے کہ وہ بھی حصہ دیں ۔ بنو نضیر نے نہ صرف ٹکا سا جواب دیا ، بلکہ جہاں حضور پاکؐ بیٹھے تھے وہاں پتھر کو دیوار کے اوپر سے گرانے کی کوشش کی ، جس کی حضور پاکؐ کو وحی سے آگاہی ہو گئی ۔اور آپؐ پتھر کے گرنے سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے ۔یہودیوں کی ایسی نیت دیکھ کر حضور پاکؐ نے یہودیوں کے دونوں قبائل کو میثاق مدینہ کے تجدید کیلئے کہلا بھیجا۔ بنی قریظہ نے تجدید کر دی لیکن بنو نضیر نہ مانے ۔ سازش طول پکڑ رہی تھی ۔اور ڈر تھا کہ بنو قریظہ اور عبداللہ بن ابی بھی حضور پاکؐ کے خلاف ہو جائیں گے اس لئے آپؐ نے ، بنو نضیر کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا ، پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنو نضیر اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ بھی بنو قینقاع کی طرح وطن بدر ہونے کو تیار ہیں ، بشرطیکہ ان کو اپنا سارا سامان جو وہ اٹھا سکیں گے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دیں ۔ حضور پاکؐ یہ گندے انڈے باہر پھینکنے پر راضی ہو گئے ۔اور ان لوگوں نے جا کر خیبر کے قلعوں میں رہائش اختیار کر لی ۔ اب یہودیوں کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ مدینہ منورہ کے نواح میں رہ گیا تھا ۔روایت ہے کہ بنو نضیر سے دو یہودی مسلمان بھی ہو

گئے تھے اور شاید اپنا مال بچانے کے لئے یہ کچھ کیا۔ بہر حال سورہ حشر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس دیس نکالے اور یہودیوں کے ساتھ منافقین کے وعدوں اور ان کو نہ پورا کرنے کے بارے میں سب کچھ وضاحت کے ساتھ نازل کر دیا۔

۷۔ **ذات رقاع کی مہم** (جمادی الاول ۴ ہجری) کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ مہم محرم ۵ ہجری کی ہے۔ لیکن ابن اسحق کہتا ہے کہ حضور پاکؐ بنو نضیر کا قلع قمع کرنے کے بعد ربیع الثانی کا مہینہ اور جمادی الاول کے کچھ دن مدینہ منورہ میں ٹھہرے۔ اس کے بعد نجد کے علاقہ میں غطفان قبیلہ کی شاخوں بنو محاریب اور بنو ثعلبہ پر حملہ آور ہوئے۔ تو یہ اسلام کی چھبیسویں فوجی کارروائی بنتی ہے۔ آپؐ نے مدینہ منورہ کی نیابت حضرت عثمانؓ کے سپرد کی اور ایک روایت کے مطابق چار سو مجاہدین اور دوسری روایت کے مطابق سات سو مجاہدین کے ساتھ آپؐ وادی رقاع کی طرف چل پڑے۔ نقشہ نہم پر اس مقام کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ خاص بات اس علاقے کے ایک پہاڑ کی مٹی تھی جو سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کی بھی تھی۔ اور صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے رنگ دیکھ کر اور عاجز ہوئے۔ بہر حال حضور پاکؐ کی پیش قدمی کی خبر سن کر ان قبیلوں کے مرد تو تتر بتر ہو گئے کیونکہ یہ لوگ قریش مکہ کے ساتھ ساز و باز میں مصروف تھے۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے ان قبائل کی کچھ عورتوں کو پکڑ کر یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا۔ اسی دوران نماز کا وقت آ گیا۔ اور خطرہ تھا کہ دشمن کے مرد کہیں نزدیک ہوں گے وہ حملہ آور نہ ہو جائیں۔ تو حضور پاکؐ نے نماز خوف ادا کی جس کا ذکر سورۃ نساء میں قرآن پاک میں ہے کہ ایک جماعت نماز پڑھے اور ایک جماعت تاک میں رہے۔ یعنی آنے والے ہر قسم کے حالات کے لئے حضور پاکؐ نے سنت سے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مفصل وضاحت کر دی، جس کی تفصیل میں ہم نہ جائیں گے۔ مقصد حفاظت ہے جس کا پچیسویں باب میں ذکر ہوگا۔

ابن اسحق نے یہ بھی لکھا کہ بنو غطفان کی شہ پر ایک آدمی غورث نے حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی تلوار آپؐ کے ہاتھ سے لے کر دیکھنے کی خواہش کی اور پھر یہی تلوار لے کر حضور پاکؐ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وغیرہ باقی کہانی پیچھے بیان شدہ دعثور کی کہانی سے ملتی ہے۔ البتہ ابن اسحق کے مطابق سورۃ مائدہ کی آیت نمبر گیارہ میں جو ذکر ہے وہ اسی حملہ کے بابت ہے۔ دشمن کے ایک آدمی نے رات کے وقت بھی حضور پاکؐ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سنتری موجود تھے تو وہ بھاگ گیا۔ بہر حال یہ ایک حربی مظاہرہ بھی تھا، کہ حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ دن باہر رہے۔ اور اہل مدینہ کو تسلی دینے کیلئے آپؐ نے جمالؓ بن سراقہ کے ذریعہ سے خیریت کی خبر بھیجی۔ مدینہ منورہ میں فکر مندی ضرور تھی کہ وہاں سے کچھ لوگ حضور پاکؐ کے لشکر کی خبر لینے کیلئے چل پڑے تھے۔ جو جناب جمالؓ کو صراصر کے چشمے کے پاس ملے، جو مدینہ منورہ سے عراق جانے والے راستے پر تین میل باہر پہلا پڑاؤ ہے۔

بدر کی آخری مہم (شوال۔ ذی قعد ۴ ہجری) یہ اسلام کی ستائیسویں فوجی کارروائی ہے اس کو بدر کی تیسری مہم بھی کہتے ہیں بدر کی پہلی مہم کرز بن جابر کے تعاقب میں تھی۔ کہ مسلمان دستے بدر کے مقام تک گئے، دوسری حق و باطل کا بڑا معرکہ تھا۔ یعنی خود جنگ بدر۔ اور قارئین کو یاد ہوگا کہ احد کا میدان چھوڑنے کے بعد ابو سفیان نے کہا تھا کہ اگلے سال انہی دنوں بدر میں پھر

اختتامی یا فائینل مقابلہ ہوگا۔ حضور پاکؐ نے یہ منظور فرمایا۔اور پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔کہ صحابہ کرام پکار اٹھے۔ "انشاءاللہ" چنانچہ حضور پاکؐ حسب وعدہ اپنا لشکر تیار کر کے بدر کے مقام پر گئے۔اور منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو جو پکا مسلمان تھا۔اپنا جانشین بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑ گئے۔آپؐ نے بدر میں آٹھ دن قیام فرمایا۔ابو سفیان مکہ مکرمہ سے نکلا ضرور، لیکن تھوڑا آگے آکر الجحفہ کے مقام سے واپس مڑ گیا کہ قحط سالی ہے۔مکہ والوں نے ابو سفیان کے لشکر کو غلہ یا اناج والی فوج کا نام دیا جس کو ہمارے فوجی لنگر والی فوج کہتے ہیں۔یعنی کھانے کے شیر، جو زیادہ وقت لنگر پر گزارتے ہیں۔اس مہم کے دوران حضور پاکؐ کی ملاقات کئی اور قبائل کے ساتھ بھی ہوئی اور مسلمانوں کا رعب پورے علاقہ پر چھا گیا۔نویں باب میں بیان شدہ ابوا کی مہم کے دوران حضور پاکؐ نے قبیلہ ضمرہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا، اس کی تجدید کی۔ابن سعد کے مطابق قرآن پاک کا یہ ارشاد" کہ یہ لوگ اللہ کی ایسی نعمت و فضل کے ساتھ واپس ہوئے، کہ انہیں ذراسی بھی ناگواری نہ پیش آئی" وہ اسی مہم کے سلسلہ میں ہے۔

۹۔ دومۃ الجندل کی پہلی مہم (ربیع الاول ۵ ہجری) یہ اسلام کی اٹھائیسویں فوجی کارروائی ہے۔ابن اسحق کے مطابق حضور پاکؐ نئے سال یعنی ۵ ہجری میں دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے یہ ربیع اول کا مہینہ تھا اور آپؐ نے حضرت سباؓ بن عرفطہ غفاری کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔لیکن آپؐ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے اور راستہ سے واپس آگئے۔ابن سعد کچھ مزید تفصیل لکھتا ہے کہ دومۃ الجندل میں کچھ شرپسند اکٹھے ہو گئے تھے۔وہ لوگ ہر شتر سوار یا وہاں سے گزرنے والے مسافر پر ظلم کرتے تھے۔اور ان لوگوں کا مدینہ منورہ پر دھاوا کرنے کا بھی ارادہ تھا۔یہ لمبا سفر حضور پاکؐ کے لشکر نے بنی عذرہ کے ایک رہبر کی مدد سے کیا۔رات کو سفر کرتے اور دن کو ارام کرتے۔اور کچھ دشمن قبائل کے ریوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا۔لیکن دومۃ الجندل میں کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ہمیں دونوں روایتوں کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ دومۃ الجندل نہ پہنچے۔ورنہ لڑائی ضرور ہوتی۔ ویسے دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ روز کی مسافت پر ہے۔اور موجودہ اردن اور عراق کی سرحد پر ہے۔یہاں پر کئی قبائل بستے ہیں اور آگے پندرھویں باب میں دومۃ الجندل کی دوسری مہم کا ذکر ہے۔بلکہ تبوک کی مہم کے وقت، حضور پاکؐ نے جناب خالدؓ کو دومۃ الجندل پر چھاپہ مارنے کیلئے بھیجا، جس کا ذکر اکیسویں باب میں آئے گا۔لیکن دومۃ الجندل فتح پھر بھی نہ کیا گیا اور جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جناب عیاضؓ بن غنم، نے جب دومۃ الجندل کا محاصرہ کیا تو باہر کے قبائل نے آکر خود ان کا کچھ "محاصرہ" کر لیا۔کہ ولیدؓ بن عقبہ کی سفارش پر جناب صدیقؓ نے جناب خالدؓ کو حیرہ کے علاقے سے بھیجا کہ دونوں فوجیں باہم رابطہ قائم کریں۔ان مہمات میں بڑے دلچسپ تجزیئے ہیں جو راقم نے خلفاء راشدین کی کتاب حصہ اول میں کئے ہیں۔کہ آخر دومۃ الجندل کیسے فتح ہوا۔کہ یہ بڑا مشکل کام تھا۔یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور پاکؐ دومۃ الجندل کو فتح کرنے یا وہاں لڑائی کرنے کیلئے ہرگز نہ گئے اور نہ ان کا کوئی ایسا ارادہ ہو سکتا ہے۔کہ اس زمانے میں اس کی ضرورت نہ تھی اور ایسی کارروائی کا کوئی فائدہ نہ تھا۔تو ظاہر ہے حضور پاکؐ نے دومۃ الجندل کے رخ میں ایک حربی مظاہرہ کیا۔اور ضرور راستے سے واپس آگئے ہوں گے۔

عیینیہ بن حصن البتہ اس مہم سے واپسی پر راستے میں حضور پاکؐ نے عیینیہ بن حصن کے ساتھ جو بنو فزارہ سے تعلق رکھتا تھا، ایک معاہدہ کیا، کہ اس کا علاقہ خشک ہو گیا تھا۔ اور ان کو حضور پاکؐ نے المراضی تک جانور چرانے کی اجازت دے دی۔ یہ عیینیہ عجیب و غریب آدمی تھا۔ اگلے باب میں آپ اس کو دشمن کی صفوں میں دیکھیں گے کہ جنگ خندق کے موقع پر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔ چند سال بعد مسلمان ہو گیا، اور آگے آپ اٹھارہویں باب میں ایک مہم کا ذکر بھی پڑھیں گے جو عیینیہ نے کمانڈ کی۔ لیکن حضور پاکؐ کی وفات کے بعد نبوت کے دعویٰ کرنے والے طلیحہ بن خویلد سے مل گیا۔ جناب خالدؓ کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کے بعد معافی مانگی، جو مل گئی۔ اور پھر اسلام میں داخل ہو گیا۔ لیکن اسلام اپنی مرضی کا تھا کہ گرمیوں میں دن کی بجائے رات کو روزہ رکھ لیتا تھا۔ البتہ اس کی ایک بیٹی البنین کو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آنے کی سعادت مل گئی۔

۱۰۔ **المریسیع کی مہم** (شعبان ۵ ہجری) یہ اسلام کی اتنیسویں مہم ہے۔ ابن اسحٰق اس مہم کے بارے میں خاموش ہے لیکن ابن سعد اس مہم کا ذکر کرتا ہے کہ شعبان ۵ ہجری میں حضور پاکؐ نے بنو مصطلیق کے علاقے میں ایک حربی مظاہرہ کیا۔ اور محدود کارروائی کی کہ مقصد علاقے کی دیکھ بھال تھی اور قبائل پر رعب بٹھانا تھا۔ اب شعبان ۶ ہجری میں بھی اس علاقے میں ایک مہم گئی۔ جس کو ابن اسحٰق اور ابن سعد دونوں بیان کرتے ہیں۔ اور ہم اس کا ذکر پندرھویں باب میں کر رہے ہیں۔ اور وہ ایک لمبی چوڑی کارروائی ہے۔ جو کچھ ابن سعد نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ المریسیع کی مہم ایک فوجی جنگی مشق اور حربی مظاہرہ تھا۔

خلاصہ اور اسباق آپ آجکل کی کوئی تاریخ اٹھا کر پڑھ لیں۔ اس میں حضور پاکؐ کے مدینہ منورہ کی زندگی کے ان دو سالوں میں بنو نضیر کی جلا وطنی اور دو جگھوں پر صحابہ کرام کی شہادتوں کے بغیر باقی کوئی ذکر نہ ملے گا۔ حالانکہ یہ دو سال بڑے اہم تھے، کہ اس زمانے میں اس عاجز نے دس مہمات کا ذکر کر دیا ہے۔ کہ اب مدینہ منورہ کے مستقر کے دفاع کی آخری لڑائی لڑنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ بہر حال اس عرصہ میں مسلمانوں کے مرکز کو اور زیادہ استحکام نصیب ہوا۔ اور مدینہ منورہ کے باہر اب صرف ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ رہ گیا۔ مسلمانوں کی تعداد میں تقریباً تین گناہ اضافہ ہوا۔ اگر ایک طرف مکہ مکرمہ کے نزدیک عرنہ تک مسلمان اپنا رعب ڈال رہے تھے۔ تو دوسری طرف شمال میں دومۃ الجندل کے نزدیک تک حربی مظاہرے ہو رہے تھے۔ ان دو سالوں میں عظیم قربانی بھی دی۔ اور اس کے بعد تبلیغ کے طریقہ میں تبدیلی کی۔ مسلمان جہاں بھی گئے۔ طاقت کے ساتھ گئے اور اپنی حفاظت کا زیادہ خیال رکھا۔ اسباق ساتھ ساتھ بیان کر دیئے تھے۔ چند کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ حضور پاکؐ کے سامنے ایک مقصد تھا، اور اپنی تمام تر حکمت عملیوں کی بنیاد اپنے ذرائع پر باندھ کر اس مقصد کو سامنے رکھا۔ ہم پاکستان بنانے کا مقصد بھول گئے۔ اور غیروں کے سامنے بکاؤ مال بنے ہوئے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی (اقبالؒ)

۲۔ زندہ قومیں ہر وقت اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار رکھتی ہے اور متحرک رہتی ہیں۔ یہ سنت نبوی ہے۔

۳۔اندرونی استحکام، اور وحدت کیلئے اندرونی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ہمارے ہاں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے ملک اور ملت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔

۴۔جہاد بالنفس بے شک اسلام میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔لیکن جب تک جماعت بندی نہ ہو اور اجتماعی جہاد کی راہ نہ نکالی جائے۔اکیلا فرد کچھ نہیں کر سکتا۔

۵۔قربانی کی بھی ضرورت رہتی ہے۔اور اپنے آپ کو اس قربانی اور غیرت کی زندگی کیلئے ہر وقت تیار رکھا جائے۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ　　پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرے(اقبالؒ)

۶۔دشمن کے تعاقب کیلئے بہت زیادہ ربط اور ضبط کی ضرورت ہے۔حمرالاسد کی مہم مزید مطالعہ والوں کو دعوت دے رہی ہے۔

۷۔حیران کن کارروائی کی ہر تدبیر میں ضرورت ہوتی ہے۔لیکن یہ بڑا مشکل عمل ہوتا ہے۔حضور پاکؐ کی ساری مہمات کا اس سبق کیلئے گہرا مطالعہ کر کے اپنے لئے نشان راہ تلاش کیا جائے۔

نوٹ　سفیان حذلی کے قتل کیلئے عرنہ کی مہم کو کچھ کتابوں میں عرفہ کی مہم بھی کہا گیا ہے بہر حال یہ جگہ مکہ مکرمہ کے نزدیک تھی اور ممکن ہے میدان عرفات کے نزدیک اس زمانے میں کوئی شہر یا قصبہ یا کسی قبیلے کے مسکن کا نام عرفہ ہو۔

چودھواں باب

حق و باطل کا تیسرا بڑا معرکہ

(شوال - ذی قعدہ ۵ ہجری) یہ اسلام کی تیسویں فوجی کارروائی ہے

جنگ خندق

تمہید حق و باطل کا تیسرا بڑا معرکہ جس کو جنگ خندق یا جنگ احزاب بھی کہتے ہیں شوال ۵ ہجری میں پیش آیا۔ خندق کا نام اس گہری کھدائی کی وجہ سے ہے جس کے ذریعے مسلمانوں نے مدینہ منورہ کو ایک فوجی قلعہ میں تبدیل کر دیا اور احزاب کا نام قرآن پاک کی سورۃ احزاب میں جو تمام گروہوں کا ذکر ہے اور وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو اکثر مؤرخین نے اس جنگ کو احزاب کے نام سے پکارا ہے۔ جنگ احد اور جنگ خندق کے درمیان دو سال کا وقفہ ہے۔ جنگ احد کے وقت حضورؐ پاک کے مجاہدین کی تعداد تقریباً سات سو تھی، لیکن جنگ خندق کے وقت تقریباً تین ہزار مجاہدین اسلام کے جھنڈے تلے اپنی جان عزیز اللہ کو پیش کرنے پر تیار تھے۔ کفار کے لشکر میں بہت سارے گروہ تھے اور پھر گروہوں کے اندر گروہ تھے جن میں قریش، یہودی اور قبیلہ غطفان تین بڑے گروہ تھے۔ کل تعداد کے بارے میں اختلاف ہے جو اوسطاً دس سے پندرہ ہزار مانی جا سکتی ہے۔ بعض مورخین نے چوبیس ہزار بھی بتائی ہے۔ جنگ احد کے بعد دو سالوں میں حضور پاکؐ نے اپنی فوج کی تعداد کیسے بڑھائی اور کیا کیا فوجی کارروائیاں کیں، اس کا مختصر جائزہ پچھلے باب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ دو سال مزید گہرے مطالعہ کی ضرورت کو عیاں کرتے ہیں۔ کہ جنگ بدر سے جنگ احد تک ایک سال میں صرف چند سو مجاہدین کا اضافہ ہوا اب ان دو سالوں میں تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ حالانکہ جنگ احد میں بڑی قربانی دینا پڑی اور بعد میں بیر معونہ میں بھی۔ تو حق کی تعداد ہزاروں میں ہو گئی۔ بہرحال ایک طرف حق متحد ہو رہا تھا۔ تو دوسری طرف باطل بھی بھان متی کے کنبہ کی طرح اپنی طاقت میں خوب اضافہ کر رہا تھا۔ لیکن اس ٹکر میں باطل ایسا پاش پاش ہوا، کہ پھر فرار ہی فرار تھا۔ اور اب حق کی باری آ گئی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر اللہ تعالی نے کوئی پردہ نہیں ڈالا۔ شرط یہ ہے کہ حق والے متحد ہوں اور لڑائی اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہے ہوں۔ لیکن اگر خود قوم میں پھوٹ پڑی ہوئی ہو تو وہی ہو گا جو ہمارے ساتھ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ وہی دشمن جو چھ سال پہلے ہمارے دروازے کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا ۱۹۷۱ء میں ہمیں دولخت کر گیا۔

چنانچہ جنگ احزاب میں بے پناہ طاقت کے ساتھ دشمن آکر حق سے ٹکرایا ضرور، لیکن پھر ایسا پاش پاش ہوا کہ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ کا رخ نہ کر سکا۔ بلکہ اب پہل کاری مسلمانوں کے ہاتھ میں آچکی تھی اور چھٹی ہجری سے مسلمان مدینہ منورہ سے باہر نکل کر اسلام کی روشنی کو عرب کے صحراؤں اور وادیوں میں پھیلا رہے تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور دوسرے میں

تلوار۔ افسوس کہ جب غیروں نے ہمارے اس فلسفہ کو سمجھ لیا کہ باطل کو مٹانے والے نہتے نہیں ہو سکتے تھے۔ اور اس کا ذکر سمجھ بوجھ سے کیا یا سازش کے طور پر کیا، کہ اسلام تلوار سے پھیلا تو ہمارے اہل قلم حضرات اس سازش کو نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے اسلام کے پھیلنے کی اور باتوں پر زور دینا شروع کر دیا اور کہا اسلام تو امن کا دین ہے، سلامتی کا دین ہے۔ تلوار بالکل استعمال نہیں کرتا۔ قوم نے پہلے تلوار کو میان میں ڈالا اور پھر اتار کر رکھ دیا اور یہ تلوار زنگ آلود ہو گئی اور ہم نے دو سو سالوں کے لئے غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن لیا۔ اب بھی ہماری تلوار زنگ آلود ہے اور اس "تلوار" کے لیے غیروں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ جو ہم کو اہل "تلوار" کا طعنہ دیتے تھے انہوں نے تلواروں سے اپنے گھر بھر لیے چنانچہ علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے　　　یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے　　　مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

بہر حال شوال ۵ ہجری میں، عرب کی متحدہ کمانڈ باطل کے جھنڈے تلے مدینہ منورہ کو تہس نہس کرنے کے لیے تیاریوں میں مصروف تھی۔ ان میں بڑے تین گروہ یہودی (خیبر کے یہودی، بنو نضیر اور مدینہ منورہ کے بنو قریظہ دونوں) کفار مکہ، اور بنو غطفان تھے۔ اس کے علاوہ بنو سلیم قریش مکہ کے حلیف کے طور پر اور بنو اسد قبیلہ غطفان کے مددگار ہو کر باطل کی اس متحدہ کمانڈ میں شریک تھے۔

طرفین کی تیاری مسلمان اس سازش سے باخبر تھے اور حملے کا متوقع وقت شوال کا مہینہ تھا۔ زیادہ دیر کفار کے حق میں بھی نہیں جاتی تھی کہ پھر حج کا موسم آنے والا تھا۔ اس کے بعد محرم کا مہینہ تھا، جس میں عرب جنگ نہ کرتے تھے اور زیادہ دیر کرنے سے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ روایت ہے، کہ حضور پاکؐ نے چیدہ چیدہ صحابہؓ کی مشاورت طلب کی اور اپنے طریق کار پر غور کیا۔ سب مورخین اس پر متفق ہیں، کہ حضرت سلمانؓ فارسی نے شہر کے گرد خندق کھودنے کی صلاح دی۔ یہ بات سر آنکھوں پر۔ ہمارے آقا کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ کو وہ نوازتے رہتے تھے اور صدق سلمانیؓ کو بھی آج کے دن یہ شرف ملا۔ لیکن دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ کے کچھ اپنے تجزیئے بھی ہوں گے جن کی وجہ سے رائے کو قبول فرمایا۔ پھر وہ فوجی ذہن جو پچھلے پانچ سال سے حضور پاکؐ کی متحرک طریقہ جنگ کے نتائج کو ارفع و اعلیٰ تسلیم کر چکا ہے۔ یہاں آکر ضرور حیران ہو گا کہ حضور پاکؐ جن کی طاقت کافی بڑھ چکی تھی وہ اس سست قسم کی بیٹھی جنگ پر کس طرح تیار ہو گئے؟ "امن پسندوں" کے خوب مزے ہو گئے۔ انکو تو موقع مل گیا کہ وہ کہیں کہ حضور پاکؐ مجبور تھے اور صرف مدافعانہ جنگ لڑتے تھے۔ وہ لوگ یہ نہ سوچیں گے کہ بعد میں مدینہ منورہ سے باہر جا کر حضور پاکؐ نے جو جنگیں لڑیں۔ کیا وہ مدافعانہ تھیں؟ قارئین! جنگ خندق کے خاص مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہ کسی طرح بیٹھی یا کھڑی مدافعانہ کارروائی نہ تھی۔ یہ متحرک اور جارحانہ دفاع تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ایک حیران کن کارروائی تھی۔ خندق ایسے وقت کھودی گئی کہ "زمان و مکان" پر حاوی ہونے کا وہ اعلیٰ و ارفع مظاہرہ کیا، جس کی عسکری تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس لئے یہ عاجز آگے چل کر عملی مثالوں سے اپنے اس جائزہ کو بہتر طور پر ثابت کرے گا۔ اور

امید واثق ہے کہ جنگ خندق کے سلسلہ میں قارئین اپنے پہلے تاثرات کو ضرور بھول جائیں گے۔

خندق یا دفاعی لائن یہ طریقہ کار جو آپؐ نے اپنایا کوئی قلعہ بند قسم کی جنگ بھی نہ تھی کیونکہ قلعہ بند جنگ کا رواج تو عام تھا اور یہودی بھی قلعوں میں رہ کر حضور پاکؐ کے محاصرے میں آچکے تھے اور پھر قلعہ بند جنگ تو پندرھویں صدی تک اپنائی جاتی رہی ۱۴۵۳ میں ترک سلطان محمد فاتح کے قسطنطنیہ (استنبول) کے فتح کے وقت جو بے پناہ بارود کا استعمال ہوا، تو اس کے بعد قلعہ بند جنگ ختم ہوئی۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے جس خندق کا ذکر فرمایا تھا وہ خندقیں قلعوں کے باہر کھود، دی جاتی تھیں اور دشمن کے حملہ کے وقت پہلے دشمن کو ان خندقوں اور رکاوٹوں کے ذریعے قلعہ یا شہر کی دیوار سے باہر رکھا جاتا تھا۔ اور جب دشمن کا زور بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا تو لوگ قلعہ یا شہر کی دیواروں کے اندر پناہ لے لیتے تھے۔ ہر پرانے شہر کے گرد اس قسم کی فصیل ہوتی تھی اور ایسی فصیلوں کے کچھ حصے ہمارے پرانے شہروں لاہور، پشاور بلکہ چھوٹے شہروں جو دریا کے کنارے تھے مثلاً خوشاب یا شاہ پور وغیرہ میں اب بھی موجود ہیں، لیکن مدینہ منورہ کے گرد تو کوئی ایسی فصیل نہ تھی کہ اس کے آگے خندق کھودی جاتی۔ لیکن اگر خندق کے کھنڈرات کو غور سے دیکھا جائے تو ایک فوجی ذہن کے سامنے کچھ اور راز عیاں ہوتے ہیں۔ کچھ مشاہدات آگے آتے ہیں۔ لیکن ایک پہلو واضح ہے۔ کہ دراصل ایک تدبیراتی (Tactical) خندق کھود کر حضور پاکؐ نے جنگ کے طریقوں میں ایک اور طرز کا اضافہ کیا، جس کو فوجی زبان میں دفاعی لائن کہتے ہیں اور آج کل بھی ہر فوج ایک دفاعی لائن کو چن کر اس پر مورچہ بند ہوتی ہے۔ یہ مورچے زیادہ وقت ملنے پر بہت بہتر قسم کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور معمولی کھدائی کے بھی، پھر ان مورچوں کے آگے مائن لگا کر یا تار وغیرہ لگا کر اور قدرتی رکاوٹوں کو استعمال کر کے یا دونوں قسم کی یعنی قدرتی اور بناوٹی رکاوٹوں کو ملا کر ایک دفاعی لائن ترتیب دی جاتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی فرانس کی میجنٹ لائن اور جرمنوں کی سیکفرڈ لائن اسی قسم کی بڑی مضبوط قسم کی دفاعی لائینیں تھیں۔ ویسے چھوٹی سطح پر ایک دریا یا نہر کو بھی وقتی طور پر ایک دفاعی لائن کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ لاہور کی بی آر بی کو ۱۹۶۵ء میں کیا گیا۔

بہر حال ہر ایسی دفاعی لائن پر پوزیشن لینا جنگ کی کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں مانی جاتی، بلکہ یہ ایک وقتی کارروائی ہی ہوتی ہے، کہ اس طرح آپ دشمن کو کچھ عرصہ کے لئے روک سکتے ہیں۔ اور یاد رکھیں کہ یہ "کچھ عرصہ" بڑا اہم فوجی نکتہ ہے۔ جس صاحب نے اپنی دفاعی لائن کو اس نکتہ کو سمجھے بغیر اپنایا، وہ گھاٹے میں رہا۔ موٹے لفظوں میں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ ایسی دفاعی لائن پر پوزیشن لینا ایک بڑی فوجی تجویز کا حصہ ہونا چاہیئے، کہ بعد میں کیا کریں گے۔ جب تک یہ بات ذہن میں ہو سب ٹھیک ہے لیکن اگر ایسی لائن پر انحصار شروع کر دیا کہ ہمیں یہ بچالے گی تو یہ جنگ کے اصولوں کے بہت خلاف ہے۔ پھر ہمارے آقا نے جو دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ تھے۔ ایسی لائن کو کیوں اپنایا یہ معاملہ ایک مکمل فوجی تجزیہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

حدود اربعہ کا جائزہ خندق کے پورے حدود اربعہ کے مطالعے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دفاعی لائن اور باقی ملی جلی رکاوٹیں آپس میں کچھ اس طرح شیر و شکر کی گئیں کہ اس ساری Sitting یعنی تجویز کو دیکھ کر انسان یک لخت سمجھ جاتا ہے کہ یہ

کام دنیا کی کسی عظیم ہستی کی دور رس سوچ کا نتیجہ ہے ۔ خندق کھودنے کا مقصد صرف بچاؤ نہیں تھا، بلکہ مدینہ منورہ کو ایک ایسے دفاعی پوزیشن میں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی، جہاں کم سے کم نفری کے ساتھ دشمن پر کڑی نگاہ رکھی جاسکے ۔ دیکھ بھال ہو سکے ۔ اپنی فوجیں جگہ جگہ پر دیکھ بھال والے پوسٹ اور پکٹیں بنا سکیں، اپنے دستوں کو تعین کرنے میں آسانی ہو ۔ اور ریزرو دستے ایسے مقامات پر ہوں کہ وقت ضرورت وہ کسی طرف بھی حرکت کر سکیں ۔ دیکھ بھال کے لئے کچھ دستے ضرور استعمال کئے گئے لیکن طاقت کو اتنا بھی نہ پھیلایا گیا کہ وہ زیادہ منتشر ہو اور بوقت ضرورت دشمن کے کسی ایک جگہ پر بڑے حملہ کا مقابلہ نہ کیا جاسکے ۔ خندق کے مکمل ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ کے ایک دفاعی مستقر میں تبدیل ہونے کا فائدہ حضور پاکؐ نے آئندہ کی مہمات میں اٹھایا ۔ اور خلیفۃ الاول کے زمانے میں عملی فوائد حاصل کیئے ۔ جس کا مختصر ذکر آگے نتائج کے تحت آتا ہے ۔

خندق کا حدود اربعہ نقشہ د ہم کی مدد سے مطالعہ کریں تو ظاہر ہو گا کہ خندق صرف شہر کے شمال کی طرف اور مغرب کی طرف کھودی گئی ۔ مشرق میں شیخاں کی پہاڑی سے لے کر بنو قریظہ کے علاقے تک جو جگہ ہے، وہاں سے لاوا نکلتا ہے اور بڑے بڑے پتھر پڑے ہیں ۔ ساتھ ہی کچھ کھجور کے درخت اندرونی علاقے میں ہیں ۔ جنوب اور جنوب مشرق میں جہاں پہلے بنو نضیر رہتے تھے وہاں پر کھجوروں کے باغ ہیں ۔ یہ سب بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ جنوب اور مشرق سے کسی بڑی تعداد کی نفری حملہ نہ کر سکتی تھی ۔ گو یہ ظاہر ہے کہ حضور پاکؐ نے اس علاقے میں دیکھ بھال کے لئے دستے یا مخبر ضرور متعین کئے ہونگے ۔ یعنی تمام اندرونی دفاع کی تجویز اتنی پوشیدہ اور پردے میں تھی، کہ راوی یا مورخین، اس پر کچھ روشنی نہ ڈال سکے اور ہمیں جائزوں سے تمام تجاویز کا مطالعہ کرنا ہو گا ۔ شمال کی طرف خندق شیخاں کی پہاڑی سے لے کر جبل بنی عبید تک تھی ۔ اس پہاڑی کے آگے جو دو چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور ٹیکریاں ہیں وہ بھی خندق کے پیچھے چھوڑ دیئے گئے اور درمیان میں ذباب کی پہاڑی سے بھی خندق آگے رکھی گئی ۔ خندق کے درمیانی علاقے سے تھوڑا دور جنوب کی طرف اور ذباب کی پہاڑی سے پیچھے سلع کی بڑی پہاڑی ہے ۔ اس کا رخ شمال اور جنوب دونوں طرف ہے لیکن اس کے کئی بازو ہیں اور فوجی لحاظ سے یہ بڑی اہم جگہ ہے، جہاں کمانڈ پوسٹ یا ہیڈ کوارٹر بنایا جا سکتا ہے ۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ریزرو دستے ادھر ہی تھے ۔ اور شاید بڑا ہیڈ کوارٹر بھی اسی جگہ ہو ۔

اہم زمین (Important Ground) جبل بنی عبید کے سامنے ایک ٹیلہ کے پاس سے خندق جنوب کی طرف مڑتی ہے اور پھر جبل بنی عبید کے مغرب میں اس کے بالکل پاس سے گزرتی ہے ۔ دفاعی لحاظ سے یہ بہت موزوں مقام ہے ۔ اور آج کل کی فوجی اصطلاح " اہم زمین " کے زمرے میں آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے خندق کے اندرونی علاقہ سے بہت تھوڑی نفری یہاں کی دیکھ بھال کر سکتی تھی لیکن دشمن کو بہت پھیلاؤ کرنا پڑتا تھا ۔ یہاں سے اپنے دستے آسانی سے باہر نکل کر خندق کے کسی حصہ پر حملہ اور دستوں کے بازو پر یا اس کے پیچھے سے آکر حملہ کر سکتے تھے ۔ یہی جگہ ہے، جہاں خندق آج کل بھی کچھ موجود ہے ۔ اور وہاں پر سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں پانچ چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنادی گئیں اور وہ آج بھی وہاں موجود ہیں، جہاں حجاج نفل ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دیتے ہیں ۔ جو کچھ سننے میں آیا، ایک مسجد وہاں بنائی گئی ۔ جہاں حضور پاکؐ خود تشریف لے گئے اور اللہ تعالی سے دعا مانگی کہ

مسلمانوں کو فتح نصیب ہو۔ دوسری مسجد جناب سلمان فارسیؓ کے نام سے منسوب ہے۔ کہ آپ وہاں تعین رہے یا مشورہ کی وجہ سے ترکوں نے آپ کی یاد میں مسجد بنا دی۔ دو مسجدیں جناب صدیق اکبرؓ اور جناب علیؓ کے ناموں سے منسوب ہیں کہ شاید وہاں آپ تعین رہے۔ اور پانچویں مسجد جناب فاطمہ الزہرہؓ کے نام سے منسوب ہے کہ آپ شاید وہاں پر حضورؐ پاک یا جناب علیؓ کیلئے کوئی کھانا وغیرہ لے کر گئیں۔ ترک اہل محبت ہیں ان کی محبت ان کے چہروں پر سے پڑھی جا سکتی ہے۔ اور موجودہ مسجد نبوی چونکہ انہوں نے بنوائی تو مسجد کے کونے کونے اور پتھر پتھر اور بنانے کی کہانی سے ترکوں کے اہل محبت ہونے کے ثبوت اور حضورؐ پاک اور صحابہ کرامؓ کے عشق میں ڈوبے ہونے کے اثرات نظر آتے ہیں: ۔ہائے افسوس!

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے ۔۔۔ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی ! (اقبالؒ)

مغرب کے علاقے کی خندق کے کچھ حصے کے لیے سلع کی پہاڑی بھی اہم ہے اور اس کے کچھ بازو جبل بنی عبید کے مشرق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مغربی حصے کی باقی خندق، مدینہ منورہ کے اس زمانے کے آباد شہر کے جنوب مغرب تک تھی لیکن اب اس کو صحیح طور پر ڈھونڈنا مشکل ہے۔ اس عاجز نے فاروق بھتیجے کی مدد سے سارے مدینہ منورہ کا چکر لگایا۔ اور خندق کا جو تصور کتابوں کے ذریعہ سے ذہن میں تھا۔ اس کو زمین پر جگہ بجگہ "پرکھایا"۔ ہر اونچے مقام پر کھڑا ہو کر دفاع اور دفاعی لائن کا بار بار جائزہ لیا، تو جو نتائج سامنے آئے وہ کچھ اس طرح ہیں۔

دفاعی لائن اب خندق کا دفاعی لائن کی حیثیت سے مطالعہ کریں تو آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں اتنا اعلیٰ دفاع اپنایا گیا۔ اندر جگہ جگہ اونچی جگہیں تھیں جہاں پر دیکھ بھال والے دستے رہ سکتے تھے اور کچھ مقامات اوپی یا پکٹ کے طور پر استعمال کئے جا سکتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ہیڈ کوارٹر بھی جگہ جگہ بنائے جا سکتے تھے۔ حملے کا زیادہ خطرہ شمال یا شمال مغرب سے تھا اور خندق کے پیچھے ان چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے سلسلوں کے بہت زیادہ بازو تھے۔ اگر دشمن کسی جگہ سے خندق پار بھی کر لیتا تو ٹیلوں کے یہ بازو ایک دوسری دفاعی لائن تھے۔ بازو یا SPUR دفاع میں ایک خاص اور اہم چیز ہے۔ اگر کسی سیدھی دفاعی لائن میں جو ذرا اونچائی پر ہو اور اس کا کوئی بازو خواہ دشمن کی طرف نکلا ہوا ہو۔ خواہ اپنی طرف ہو تو وہ فوجی لحاظ سے بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کی فوجی نوعیت کا اندازہ، وقت ضرورت یا خاص کر جنگ میں اور زیادہ عیاں ہوتا ہے اور خاص کر اگر کسی نہر کے اوپر پوزیشن ہو تو ایسے بازو بڑے کارآمد اور ضروری ہوتے ہیں۔ ورنہ نہر کے تنگ علاقے میں پوزیشن محدود ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے اگر بازو نہ ہو تو بناوٹی بازو بنائے جانے چاہئیں۔ بہرحال بات ان بازوؤں کی ہو رہی تھی جو مدینہ منورہ کی دفاعی لائن میں اہم کردار ادا کرنے والے تھے حضورؐ پاک نے ہر مقام کی افادیت کا کیا کیا فائدہ اٹھایا اس سلسلہ میں مؤرخین حضرات خاموش ہیں۔ چند اشارے ہیں اور باقی باتیں تجزیہ کر کے ہم ممکنات کے طور پر بحث میں لا سکتے ہیں۔ اور یہ گزارش ہو چکی کہ تجویز اور Forecast of Opration یعنی متوقع حالات شاید کافی پوشیدگی میں رکھے گئے، کہ بعد میں بھی بہت کم باتیں لوگوں کے سامنے آئیں۔

خندق کی تجاویز لیکن ابھی تو ہم نے یہ تجزیہ بھی کرنا ہے کہ حضورؐ پاک نے اپنی متحرک جنگ کو حکمت عملی کو اور

حیران کن کارروائیوں کو ایک "ساکن" جنگ میں کیوں تبدیل کر دیا۔ جنگ کی حکمت عملیوں اور تدبیرات میں کبھی کوئی لفظ یا حرف، حرف آخر نہیں ہوتا۔ مشہور ہے کہ دشمن کے ارادوں کے ممکنات کے طور پر اگر آپ نو یا دس تجاویز تصور کریں تو دشمن ایک گیارہویں تجویز اپنائے گا جو آپ نے کبھی بھی نہ سوچی ہو گی۔ تو ان تجاویز کو ان سوچوں کے تحت پرکھنا ہو گا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ساکن دفاع میں کئی نقص ہوتے ہیں اس لئے حضور پاکؐ نے جنگ احد کے وقت ایسا دفاع نہ اپنایا۔ کیونکہ اس طرح فیصلہ جلدی نہیں ہوتا اور دفاع کرنے والے کے ہاتھ میں پہل کاری نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ فیصلہ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگ کتنا طول پکڑے گی۔ ایک معاملہ بالکل ظاہر تھا۔ شوال کے وسط سے پہلے دشمن کا مدینہ منورہ پہنچنا مشکل تھا اور ذی قعد کے درمیان تک قریش کو واپس مکہ مکرمہ ضرور پہنچ جانا چاہیئے تھا کہ حج کا موسم اور وقت آنے والا تھا اور لوگوں کو سارے سال کا گزارہ اس کمائی پر کرنا ہوتا تھا جو وہ حج کے موسم میں کما سکتے تھے۔ قریش کو تو یہ خیال ہو گا کہ لاؤ لشکر اور عرب کی متحدہ کمان اس دفعہ احد یا بدر کی قسم کی کوئی لڑائی زیادہ سے زیادہ ایک آدھ دن لڑ کر اور مسلمانوں کو شکست دے کر شوال کے آخری ہفتہ یا ذی قعد کے پہلے ہفتہ واپس مکہ مکرمہ پہنچ جائیں گے، لیکن اب حضور پاکؐ نے وہ کچھ کر دیا جس کی دشمن کو امید نہ تھی

حیران کن کارروائی بے شک ساکن دفاع میں یہ نقص ضرور ہے کہ وہ "کچھ عرصہ" کے لیے ٹھہر سکتا ہے تو یہ عرصہ بھی حضور پاکؐ کو معلوم تھا، اس لیے خندق کی کھدائی اور دفاع کا طرز اور رسد و سامان کا بندوبست ایسا ضرور کیا ہو گا کہ کم از کم ایک دو ماہ محاصرہ کی حالت میں گزار دیں۔ لیکن اگر نقشہ د ہم کو غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی محاصرہ کی شکل بھی نہ تھی۔ حضورؐ پاک کے آدمی کسی وقت باہر جا سکتے تھے اور مسلمانوں کی مرضی کے آدمی کسی وقت باہر سے اندر آ سکتے تھے۔ دشمن کے لیے یہ ناممکن تھا کہ اس پورے گول چکر کے پھیلاؤ کو باہر سے کوئی ناکہ بندی کر سکتا۔ پھر پھیلاؤ اتنا تھا کہ حضور پاکؐ کے لشکر کو ساکن رہنے کی بھی ضرورت نہ تھی اور ضرورت کے مطابق کسی جگہ اکٹھے ہو سکتے تھے اور انکا کوئی گروہ اپنی مرضی کے وقت، اپنی مرضی کی جگہ سے باہر نکل کر دشمن کے کسی گروہ پر شبخون مار سکتا تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر ضرور سوچی گئی ہوں گی۔ اور دشمن اگر محاصرہ نہ اٹھا لیتا، تو حضور پاکؐ ضرور ایسی کارروائیاں کرتے، کہ تمام تجویز ایسے طور طریقوں کے اپنے اندر پنہاں کئے ہوئے تھی۔ تو یہ دفاع ساکن ضرور تھا، کہ دفاعی لائن تھی۔ لیکن متحرک بھی ہو سکتا تھا۔ اس لئے جنگ خندق کے وقت بھی حضور پاکؐ اپنے اصلی طریق کار یعنی متحرک طرز جنگ کے اصول کو قربان کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور یہی ہمارے لئے بڑا سبق ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔

استقامت فی المقاصد لیکن اصل بات مقصد کی ہوتی ہے، کہ حضور پاکؐ کے سامنے مقصد کیا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ دشمن بے نیل و مرام واپس لوٹ جائے۔ اب دشمن زیادہ نقصان کرا کے واپس جاتا ہے تو یہ ایک انعام یا بونس ہے اور اگر دشمن کا نقصان کم ہوتا ہے، تو انعام ذرا کم رہا لیکن اصل بات دشمن کے بے نیل و مرام واپسی ہے یعنی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو۔ اور اس میں مسلمانوں کی کامیابی ہے کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ استقامت فی المقاصد کو پچیسویں باب میں قرآن پاک کے حوالوں سے ایک اصول جنگ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حضور پاکؐ کے سامنے کچھ فوری مقاصد تھے اور کچھ دور رس مقاصد۔ یہ

ایک فوری مقصد تھا، کہ ایک بڑے دشمن کو ناکارہ کرنے کی راہ نکالی جارہی تھی۔اگر ہم حضور پاکؐ کی زندگی یا سنت سے تمام مقاصد کے عملی پہلوؤں میں جائیں اور ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کرتے جائیں، تو یہ ایک الگ کتاب کا مضمون ہے۔لیکن اس عاجز کے سامنے بھی یہ ضرورت ہے، اسی وجہ سے تمام اسباق ساتھ ساتھ بیان کئے جارہے ہیں۔کہ اس طرح قوم کے کئی اختلافات بھی ختم ہو سکتے ہیں۔

ممکنات اور بہتر طریقہ اب ذرا ان ممکنات کا جائزہ بھی لیں کہ کیا حضور پاکؐ کوئی اور طریقہ کار یا بہتر طریقہ اختیار کر سکتے تھے "کہ یہ مقصد جلدی حاصل ہو جاتا؟" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا تھا اور دشمن کے تین گروہ تھے، جو اپنے اپنے کمانڈروں کے ماتحت لڑتے۔پھر ایک چوتھا گروہ بھی مدینہ منورہ میں موجود تھا یعنی یہودیوں کا قبیلہ بنوقریظہ۔یہ گروہ کسی وقت جنگ میں شریک ہو سکتا تھا اور ایسا بعد میں ہوا بھی۔یہی نہیں بلکہ مدینہ منورہ اور حضور پاکؐ کے لشکر میں کچھ منافقین بھی موجود تھے، جو مدینہ منورہ کے اندر رہ کر اپنے بال بچوں کی وجہ سے حضورؐ پاک کے لشکر میں شامل رہے اگر جنگ باہر رہ کر لڑی جاتی تو ان لوگوں کی جنگ میں شمولیت کا کچھ بھروسہ نہ تھا۔اب یہ تو ناممکن تھا کہ تمام دشمن ایک جگہ سے حملہ کرتا۔حملہ بھی الگ الگ گروہوں نے کرنا تھا اور ان کی سمتیں بھی مختلف ہوتیں تو حضور پاکؐ کو اپنے لشکر کو بھی گروہوں میں تقسیم کرنا پڑتا اور ہر گروہ کے ساتھ آپؐ موجود ہو کر جنگ کی نبض شناسی بھی نہ کر سکتے تھے۔کہ کس جگہ جنگ کیا شکل اختیار کر رہی ہے۔اور اس طرح ہر گروہ یا لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر مقابلہ کرنے سے کوئی پہل کاری آپؐ کے ہاتھ میں نہ آتی۔اور آپؐ کی منتشر طاقت دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتی۔حضور پاکؐ اور مسلمانوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ بھان متی کے اس کنبہ (کفار) کے مقابلہ میں سب مسلمان ایک کمانڈر کے نیچے ایک کمانڈر کی مرضی کے مطابق جنگ لڑتے اور حضور پاکؐ نے خندق کھدوا کر اس قسم کی تیاری کی۔اب تک تینوں بڑی دفاعی جنگوں میں حضور پاکؐ متحرک بھی رہے۔اور طاقت کو بھی منتشر نہ کیا۔بلکہ اپنی مٹھی میں رکھا۔یہی ہمارے لئے بڑا سبق ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپؐ آئندہ دنیا کے فتح کرنے والوں کی تربیت بھی فرما رہے تھے۔ورنہ آپؐ تو اشارے سے سب کچھ حاصل کر سکتے تھے۔

خندق کی تیاری چنانچہ دشمن کی متوقع آمد سے تھوڑا عرصہ پہلے خندق تیار ہو چکی تھی۔زمین پر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کی حدود کی نشاندہی فرمائی اور یہ فیصلہ ہوا کہ خندق تقریباً پانچ گز گہری اور تقریب اتنی ہی یا اس سے کچھ زیادہ چوڑی ہوگی۔دس دس صحابہؓ کی ٹولیاں بنائی گئیں اور ہر گروہ کو تقریباً دس گز لمبی خندق کھودنی ہوتی تھی۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خندق کی لمبائی تقریباً تین ہزار گز ہوگی کیونکہ تین ہزار حضورؐ پاک کے رفقاء نے اس انوکھے منصوبے پر بیس دن کام کیا۔کچھ صاحبان کے حساب سے خندق نو ہزار گز لمبی تھی اور چھ دن میں تیار ہوئی۔اگر مدینہ منورہ کا سار **مغربی** حصہ شامل کیا جائے تو خندق کی اتنی لمبائی ہو سکتی تھی، لیکن یہ کام چھ دن میں نہیں ہو سکتا۔وقت ضرور زیادہ خرچ ہوا ہوگا۔سارا کام نہایت رازداری سے کیا گیا کہ دشمنوں کو اس کی خبر نہ ہو اور عام دنیاوی فوجوں میں جو مثال مشہور ہے کہ "پسینہ بہاؤ خون بچاؤ" وہ مثل یہاں بھی

نقشہ دہم

جنگِ خندق
شوال - ذیقعد ۵ ہجری
شمال
دشمن کے
بڑھنے والا
راستہ
جارحانہ متحرک دفاع
دیار بنو حارثہ
لاوا
اور
پتھر
ذباب
جبل سلع
باب الشام
مدینہ منورہ
بنی قریظہ
بنو نضیر
کعب بن اشرف کا قلعہ
میل

پوری ہو رہی تھی ۔ یہ بیس دن کا لگاتار کام دنیا میں سخت کوشی کی ایک عظیم مثال ہے ۔ حضور پاکؐ بنفس نفیس کام میں شرکت فرماتے تھے اور اس دوران آپؐ نے صحابہ کرام کو دین حق کی کچھ جھلکیاں بھی دکھائیں جن کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

دین حق کی جھلکیاں سیدنا عبداللہؓ بن رواحہ کی ایک چھوٹی بھانجی پر حضور پاکؐ کی ایک دن نظر پڑ گئی، جو کچھ کھجوریں اٹھائے خندق کے علاقے میں آئی ۔ حضور پاکؐ نے پیار سے پوچھا کہ "بیٹی کیا اٹھائے ہوئے ہو؟" بچی بولی "حضور کھجوریں ہیں امی نے دی ہیں کہ ابو اور ماموں جان کو دوپہر کے کھانے کے لیے دے آؤں" حضور پاکؐ نے فرمایا "مجھے نہیں دیتی" یہ سن کر بچی حضور پاکؐ کی طرف بڑھی ۔ سرکار دوعالمؐ نے چادر بچادی اور بچی نے اس پر کھجوریں ڈالنا شروع کر دیں ۔ رحمتہ للعلمینؐ کو یہ نظارہ اتنا پسند آیا کہ رحمت ہی رحمت ہو گئی ۔ حضور پاکؐ نے آواز دی ۔ "آؤ مسلمانو! کھجوریں نوش فرماؤ ۔ صحابہؓ آتے جاتے تھے اور کھجوریں کھا رہے تھے لیکن وہ ختم ہونے میں نہ آتی تھیں ۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ کھدائی کے درمیان ایک ایسا پتھر آگیا جس پر کوئی ضرب اثر نہ کرتی تھی ۔ حضور پاکؐ نے جب ہمیں اس طرح عاجز دیکھا، تو آپؐ کی رحمت جوش میں آئی ۔ پانی کا ایک گلاس منگوایا اور اس پر کچھ پڑھکر پتھر پر چند چھینٹے پھینکے ۔ وہ پتھر بھس ہو گیا ۔ انہی صاحب سے ایک اور روایت ہے کہ ان کی ایک چھوٹی سی بکری تھی ۔ خیال آگیا کیوں نہ کچھ جو کی روٹی پکا کر ایک شام حضورؐ پاک کو گھر میں دعوت دیں، تاکہ ہمارے لیے باعث برکت ہو ۔ بکری کو ذبح کیا اور بیوی لو کہہ آئے، کہ آج رات سرکار دوعالمؐ کی دعوت کریں گے ۔ شام کو جب کام ختم ہوا، تو حضورؐ کو عرض کی کہ ہمارے گھر طعام کے لیے تشریف لے چلیں ۔ آپؐ نے جتنے صاحبان وہاں موجود تھے سب کو دعوت دے دی ۔ اس کے بعد آپؐ جناب جابرؓ کے گھر آئے جو کچھ تیار تھا آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ۔ آپؐ نے اس پر کچھ پڑھا اور پھر سب مہمان صحابہ کرامؓ دعوت میں شریک ہو گئے اور لوگ آتے گئے اور کھانا تناول فرماتے رہے لیکن کھانا اسی کا اسی طرح باقی تھا ۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ایک پتھر کو توڑنے میں انہیں کچھ دقت ہو رہی تھی ۔ حضورؐ پاک نزدیک ہی تھے وہاں تشریف لے آئے تو پتھر توڑنے والا دوان مجھ سے لے لیا اور اس پر چوٹ ماری تو روشنی ہی روشنی ہو گئی ۔ پھر دوسری اور تیسری دفعہ ایسے ہی ہوا تو میں نے عرض کی "یا رسولؐ اللہ یہ روشنی کیسی تھی؟ آپؐ نے فرمایا "پہلی روشنی میں ان کو ملک یمن عطا ہوا ۔ دوسری میں شام اور اس سے مغرب اور تیسری میں مشرق ۔

ان جھلکیوں کے ذریعہ سے یہ باور کرایا جا رہا ہے ۔ کہ آپؐ نے اپنے غلاموں کو عین اس وقت ان کے شاندار مستقبل سے آگاہ کیا ۔ جب عرب کی متحدہ کمانڈ باطل کی شکل میں حق کو مٹانے کیلئے رواں دواں ہونے والی تھی ۔ یہ تھی سرکار دوعالمؐ کی اپنوں پر شفقت اور جمال کی جھلکیاں ۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں جب فتوحات میں بہت زیادہ عروج ہوا ۔ تو جناب ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے "بخدا جو ملک اب فتح ہو رہے ہیں ان کی کنجیاں ہمارے آقا محمد مصطفےٰؐ کو پہلے سے عطا ہو چکی تھیں" ۔

پیٹ پر پتھر ہمارے ہاں ایک روایت ہے اور کہانی بڑی ۔ ہے کہ ایک صحابی بھوک سے بے تاب تھے اور انہوں نے اپنے

پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی حالت حضورؐ کو بتائی۔ تو حضور پاکؐ نے ان صحابی کو اپنا پیٹ دکھایا۔ کہ انہوں نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ اب جو لوگ اس کہانی کے راوی ہیں یا جنہوں نے اس روایت پر یقین کر لیا، وہ اپنی طرف سے حضورؐ پاک کی شان بڑھا رہے ہیں۔ لیکن یہ عاجز جہاں تک حضور پاکؐ کی شان کو سمجھ سکا ہے تو مجھے اس روایت پر کئی وجوہات سے شک ہے۔ اول اگر کوئی صاحب، ہمارے آقاؐ کو اپنی تکلیف بتاتا تو رحمۃ للعالمینؐ بجائے اس کے کہ اس کی تکلیف کو دور فرماتے اس کو اپنی تکلیف سے کیسے آگاہ کرتے۔ دوم اگر خندق کھودتے وقت مدینہ منورہ میں اناج کی اتنی زیادہ کمی تھی۔ تو آگے دن کیسے کاٹے یا محاصرہ کے دوران کیا کھاتے پیتے رہے۔ علاوہ ازیں ابن اسحٰق، یا ابن سعد میں سے کسی مورخ نے اناج کی کمی یا فاقوں کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حیرانگی ہے کہ انہیں جناب جابرؓ بن عبداللہ کی ایک روایت ہے جو بخاری شریف اور ابن اسحٰق دونوں میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم جب زمین کھود رہے تھے تو اتفاقاً ایک سخت زمین نکل آئی۔ حضور پاکؐ سے جا کر عرض کی تو آپؐ نے فرمایا" میں اس کو دور کئے دیتا ہوں" چنانچہ حضور پاکؐ چل پڑے اور آپؐ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ تین دن تک ہم بھوکے پیاسے ہی رہے۔ بہر حال حضور پاکؐ نے زمین پر کدال ماری، تو کدال مارتے ہی وہ زمین نرم ہو گئی"۔

تبصرہ اب قارئین اس حدیث مبارکہ کا جناب جابرؓ کے پہلے بیان سے موازنہ کریں کہ وہاں بھی زمین سخت تھی اور پانی منگا کر نرم کی۔ اور یہاں کدال سے نرم کی۔ بہر حال زمین کو نرم کر دیا۔ خواہ ہاتھ کے اشارے سے ایسا کرتے۔ باقی بات اضافی معلوم ہوتی ہے۔ کہ جناب جابرؓ نے جو حضورؐ پاک کی دعوت کی، اسکے لئے یہ راہ نکالی گئی کہ حضور پاکؐ یا صحابہ کرامؓ تین دن سے بھوکے تھے۔ اب کام کرتے وقت پیٹ پر پتھر باندھ لینے سے کوئی راحت نہیں پہنچ سکتی۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی محاورہ ہے۔ کہ وقتی طور پر کھانا کھانے کی بجائے "پیٹ پر پتھر" باندھ لیا۔ کہ سارا دن کام میں مصروف رہے اور کھانے کا ہوش نہ تھا یا وقت نہ تھا۔ اور شام کو جا کر کھانا کھا لیا۔ بے شک ہمارے آقاؐ نے جان بوجھ کر اچھے کھانوں یا زیادہ کھانوں کی نسبت معمولی کھانے اور قناعت کو ترجیح دی اور اس میں مقصد یہ تھا کہ آدمی نفس کے غلام نہ بن جائیں۔ لیکن ناداری والی کوئی بات نہ تھی۔ آپؐ نگاہ کرتے تو کھانے ختم ہونے کو نہ آتے۔ اور اسی وجہ سے پہلے دو روایت لکھیں ہیں کہ رحمت ہی رحمت ہو گئی۔ جہاں تک حضور پاکؐ کی ذات کا تعلق ہے تو آپؐ صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری مثال نہ لو۔ مجھے میرا اللہ کھلاتا یا پلاتا ہے"۔ قارئین! اگر یہ عاجز کہہ دے کہ حضور پاکؐ کو ان دنیاوی کھانوں کی ضرورت ہی نہ تھی اور آپؐ سب کچھ بشری تقاضوں کے تحت کرتے تھے۔ تو یہ میرے ایمان کا حصہ ہے اور یہ چیز اس عاجز کے حضور پاکؐ کے شان میں نظر آتی ہے۔ اور اس عاجز کے عملی مطالعہ سے یہ سب کچھ عیاں ہوا۔ لیکن اگر کوئی صاحب یہ بات تسلیم نہ کریں، تو یہ عاجز بحث نہ کرے گا۔ یہ اپنی اپنی قسمت اور اپنے اپنے "برتن" کی بات ہے۔ کہ کس کے برتن میں کیا" کچھ "سما سکتا ہے۔

اقبال! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے — رومی فنا ہوا ۔ حبشی کو دوام ہے (اقبالؒ)

حضور پاکؐ کی جنگی تجویز ہمارے مورخین حضور پاکؐ کی تجویز، اور نفری کی بانٹ کا بالکل دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

شاید وجہ یہی ہے کہ بہت زیادہ پوشیدگی تھی یا دفاعی طرز پر "پردہ" تھا۔ اور تجویز کے کئی پہلو عام لوگوں سے پوشیدہ ہی رہے۔ اور پوری تجویز، ان صحابہ کرامؓ کو معلوم تھی، جو کسی دستے کے سربراہ تھے۔ دفاع میں اکثراب بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے بہرحال کچھ پہلو، بعد کے واقعات سے واضح ہیں۔ عورتیں اور بچے شہر کے اندر چند محفوظ قلعوں یا قلعہ نما مکانوں میں چلے گئے۔ عام صف بندی سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر کی گئی۔ بنو قریظہ کی غداری کا ڈر تھا۔ اس لئے حضرت سلمہؓ بن اسلم دو سو آدمیوں کے ساتھ متعین کیے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔ البتہ کچھ صاحبان کو مختلف مقامات پر دیکھ بھال کے لیے بھی مقرر کیا گیا، بلکہ آپس میں رابطے اور مدینہ منورہ کے باقی احوال سے باخبر رہنے کے لیے اندر ہی اندر پہرے دار اور گشتی دستے رات کو بھی چوکنے رہ کر مدینہ منورہ کا چکر لگاتے تھے۔ ابن سعد کے مطابق رات کو پاس ورڈ PASSWORD بھی استعمال ہوتا تھا اور جنگ کے دوران ایک پاس ورڈ "حمیم لاینصرون" نے آپس میں مسلمانوں کو ایک جھڑپ سے بچالیا، گو چند آدمی زخمی ضرور ہوئے۔

ہماری موجودہ تاریخوں کا یہ افسوسناک پہلو ہے کہ اسلام کے فن سپاہ گری، فوجی حکمت عملی اور جنگی تدبیرات کا تجزیہ تو بڑی بات ہے، جنگ میں اپنائے گئے طریق کار کی وضاحت بھی نہیں کی گئی اور پچھلے دو سو سالوں سے تو ہمارے مورخوں نے تاریخ اسلام کو الف لیلی کی کہانیاں بنا دیا ہے۔ فوجی کہانیوں کا صرف معجزہ والا پہلو بیان کیا جاتا ہے اور اس طرح عسکریت جو دین اسلام کی روح تھی وہ اسلام سے نکلتی جارہی ہے اور اسلام دین کی بجائے مذہب بن رہا ہے۔ یعنی صرف بے جان فلسفہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ یہ ایمان و عقیدہ ہر کسی کا اپنا ذاتی معاملہ ہے اور مغربی باطل فلسفے ہمیں اس راہ پر لگاتے ہیں۔ اس لیے یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے، کہ اسلام کی اس اجتماعی روح کو پرانی تاریخوں کی کتابوں میں تلاش کیا جائے۔

نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں　　پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستین خالی　(اقبالؒ)

اندازے بہرحال اس عاجز نے حکمت عملی کی تو کچھ وضاحت کر دی ہے۔ لیکن تدبیرات پر مواد نہیں ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فوج کو دستوں میں بانٹا ہوگا۔ اور ہر دستے کیلئے احکام واضح کئے ہوں گے۔ ضرورت کے مطابق نیزہ بردار، تلوار بردار، اور تیر۔ اندازوں کو الگ الگ جگہوں پر تعین کیا ہوگا۔ مورخین، دشمن پر پتھر برسانے کا ذکر کرتے ہیں۔ تو چند منجنیقیں کسی آڑ کے پیچھے سے دشمن کے متوقع پیش قدمی والے راستوں پر بالواسطہ پتھر برسا سکتی ہوں گی، جس کو آجکل کی فوجی زبان میں indirect fire کہتے ہیں۔ جس عظیم ہستیؐ نے خندق کھود کر زمین کا ایسا چناؤ مدنظر رکھا، کہ جنگ خندق کو ایک مثالی دفاع کے طور پر عسکری تاریخ میں بہت اعلی و ارفع مقام حاصل ہے، ان کی تدبیرات اور تجاویز بھی اپنی نظیر نہ رکھتی ہوں گی۔ اور اس سلسلے میں مزید مطالعہ کی ضرورت ہے۔ شاید سلطنت عثمانیہ کے مدینہ منورہ کے آخری گورنر جناب فخری پاشاؒ کی یادداشتوں میں ایسا مواد موجود ہو، کہ انہوں نے پہلی جنگ عظیم میں مدینہ منورہ کا دفاع جنگ خندق کے طور طریقوں پر کیا۔

دشمن کی تجویز اور جائزہ اہل مکہ اپنے حلیفوں کے ساتھ ابو سفیان کی کمانڈ میں تھے۔ عکرمہ بن ابو جہل، عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب فہری، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبد وغیرہ لشکر میں شامل تھے۔ خالد بن ولید کی شمولیت پر اختلاف ہے۔ قریش مکہ

کے ہمراہ تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ تھے ۔ حلیفوں سمیت ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے ۔ مکہ مکرمہ سے چلنے کے بعد مرالظہران کے مقام پر سات سو نفری کے ساتھ بنو سلیم بھی قریش کے ساتھ مل گئے ۔ ان کی سرداری سفیان بن عبد شمس کے پاس تھی ۔ جس کے بیٹے ابو الاعورؓ بعد میں مسلمان ہو گئے اور صحابی ہیں ۔

بنو غطفان کی سرداری ان کے چھوٹے قبیلہ کا سردار عینیہ بن حصن کر رہا تھا، جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے ۔ ان کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے ۔ لیکن نفری نہیں بتائی گئی جو کم از کم دو ہزار تو ہو گی ۔ بنو اسد، بنو غطفان کے حلیف کے طور پر آئے ۔ ان کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا ۔ لیکن نفری نہیں بتائی ۔ طلیحہ کا ذکر بھی تیرھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ خیبر کے یہودی یعنی بنو نضیر حییٰ بن اخطب کی کمانڈ میں آئے اور آگے کنانہ کی سرداری میں مدینہ منورہ کے بنو قریظہ کو بھی ساتھ ملا لیا، جسکی تفصیل آگے آتی ہے

یہ تھے تین بڑے گروہ یعنی کفار مکہ، بنو غطفان اور یہودی ۔ اور ان کے حلیفوں کا ذکر کر دیا گیا ہے ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اشجع اور بنو مرہ بھی دشمنوں کے ساتھ تھے ۔ لیکن اس سلسلہ میں اختلاف ہے ۔ ممکن ہے کچھ لوگ کفار کے ساتھ ہوں ۔ ویسے بنو اشجع دل سے حضور پاکؐ کے ساتھ تھے ۔ تعداد کے بارے میں گزارش ہو چکی ہے کہ چوبیس ہزار تک بھی بتائی گئی ہے لیکن ابن سعد کا دس ہزار کی تعداد کا جائزہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابو سفیان تینوں فوجوں کا سپہ سالار اعلیٰ بھی تھا ۔ لیکن واقعات اس کے ثبوت میں نہیں جاتے ۔ کہ آگے جائزہ آتا ہے کہ تینوں گروہوں کے بیچ کوئی مثبت قدر مشترک نہ تھی ۔ دشمن کی کیا تجویز تھی اس سلسلہ میں بھی مورخین خاموش ہیں ۔ ہاں البتہ اس زمانے یعنی انیسویں ۔ بیسویں صدی کے ایک بڑے عالم اور بڑے مورخ صاحب جن کی سیرت کی کتاب کو بہت اونچا سمجھا جاتا ہے، وہ تین گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی طرف سے یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ تین گروہ مدینہ منورہ کے تین اطراف سے حملہ آور ہو گئے ۔ ان صاحب نے نہ کبھی حملہ دیکھا نہ حملہ کو سمجھنے کے لیے فوجی ذہن رکھتے تھے ۔ اور علامہ اقبالؒ ایسی باتوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں

بے چارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم　　　　برے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیر

بہر حال واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ دشمن کی تجویز اس کی طاقت ہی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی غطفان اور یہود، یعنی خیبر کے یہودی اہل قریش کے لشکر کے ساتھ وہاں آکر مل چکے تھے جہاں کفار قریش کے لشکر نے جنگ احد کے وقت آخری کیمپ کیا تھا اور اب مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تجویزیں بن رہی تھیں ۔ ساتھ ہی یہودی سردار حییٰ نے بنو قریظہ کو بھی ساتھ ملانے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی ۔ شروع شروع میں تو اسکو کامیابی نہ ہوئی ۔ لیکن بعد میں وہ کامیاب ہو گیا ۔ مسلمان بھی باخبر تھے ۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے انصار کے چیدہ سرداروں سعدؓ بن معاذ، عبداللہؓ بن رواحہ اور سعدؓ بن عبادہ وغیرہ کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا ۔ لیکن وہاں تیور ہی بدلے ہوئے تھے ۔ اور بنو قریظہ کی اس شمولیت کے بعد کفار مدینہ منورہ پر ہلہ بولنے کے لیے بالکل تیار تھے ۔

تبصرہ معلوم ہوتا ہے کہ تجویز کچھ اس قسم کی تھی کہ پہل کاری قریش ہی نے کرنی تھی ۔ اب حضور پاکؐ نے خندق کی حفاظت اس طرح سے کر رکھی تھی کہ دشمن آخری وقت تک اس انوکھے طرز عمل کو نہ سمجھ سکا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ خندق کے علاقے میں

سخت پہرہ تھا۔ کہ مدینہ منورہ کے یہودی بھی یا خود آگاہ نہ تھے، یا دشمن کو آگاہ نہ کر سکے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ دشمن کو اس سے شاید اس لئے بھی آگاہ نہ کر سکے کہ ان کا ارادہ غیر جانبدار رہنے کا تھا۔ لیکن باطل کی قوت کو دیکھ کر انہوں نے ارادہ تبدیل کیا۔ اب باطل کے تمام طرز عملوں میں ہمارے لیے بہت اسباق ہیں۔ ظاہر ہے کہ باطل کے سامنے بھی کچھ مقاصد تھے۔ لیکن جس خاص مقصد کے تحت وہ متحد ہوئے تھے۔ وہ مثبت مقصد نہ تھا بلکہ منفی قسم کا مقصد تھا۔ یعنی مسلمانوں کو ختم کرنا۔ آگے کیا ہوگا، وہ خود نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عرب قبائل اور گروہوں کو متحد ہونے میں پانچ سال لگ گئے۔ اسی وجہ سے جنگ لڑنے کی وہ کوئی ٹھوس تجویز نہ بنا سکے۔ ان کے مقابلہ میں گو مسلمان مٹھی بھر تھے لیکن ان میں مرکزیت تھی اور ان میں وحدت تھی۔ ان کا ایک اللہ، ایک رسول، اور ایک کتاب تھی۔ اور وہ ایک قوم تھے کہ حضور پاکؐ نے کارواں حق کو امت واحدہ کے طور پر صراطِ مستقیم پر رواں دواں کر دیا تھا۔ تو انکے پاس لڑائی کی ایک تجویز تھی اور تیاری مکمل تھی۔ اب بھان متی کا کنبہ ان کا مقابلہ کیسے کر سکتا۔ لیکن آج ہم خود اس وحدت کو بھول چکے ہیں۔

آہ اس راز سے واقف نہ ملا نہ فقیہہ۔ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام (اقبالؒ)

جنگ کی کارروائی اس جنگ کی کارروائی بالکل معمولی ہے۔ حضور پاکؐ کے سامنے ایک مقصد تھا، کہ دشمن بے نیل ومرام واپس چلا جائے۔ اس کے لیے آپؐ تیاری کر چکے تھے۔ اور عمل آپؐ کو نظر آرہا تھا۔ بہر حال جیسا کہ نقشہ دہم پر قریش کی یلغار کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ اسی طرف سے کفار نے مدینہ منورہ پر یلغار کی۔ اور آگے جس اہم زمین کا ذکر ہم کر چکے ہیں وہاں مسلمان تیار بیٹھے تھے اور کفار جب خندق کے نزدیک پہنچے تو پتھروں کی بارش ان کے سروں پر برسنے لگی۔ لیکن وہ بڑھتے آئے۔ نزدیک سے تیر بھی چلے لیکن حیران وہ تب ہوئے جب انہوں نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑی رکاوٹ دیکھی۔ موجودہ جنگ میں بھی ہر رکاوٹ کو فائر سے COVER کیا جاتا ہے۔ کوئی رکاوٹ کسی طرح سے رکاوٹ کا کام زیادہ دیر تک نہیں کر سکتی جب تک کہ اس رکاوٹ کے ارد گرد اپنی فوج موجود نہ ہو۔ ہاں ہر رکاوٹ البتہ دشمن کی تیزی کو ختم کر دیتی ہے اس کے طرز جنگ میں خلل ڈالتی ہے۔ اس کی فارمیشن ٹوٹ جاتی ہے اور دشمن کے جوانوں پر آسانی سے فائر کر کے ان کو برباد کیا جاتا ہے۔ اور بے شک آجکل کی جنگ میں بھی رکاوٹ کا صحیح استعمال فوجی فن کا ایک بہت بڑا مضمون ہے۔

روایت ہے کہ پہلے دن دشمن نے رکاوٹ کو پار کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ کئی طریق کار اختیار کیے۔ کئی صلاح مشورے ہوئے۔ لیکن دشمن کی ہر تجویز اور ہر عمل خندق کی پرلی طرف ختم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ دشمن نے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے اور راستے تلاش کئے۔ جاسوسی ذرائع استعمال کئے کہ مدینہ منورہ کے اندر مسلمان کس طرح اور کس جگہ پوزیشن لیے ہوئے ہیں اور ایک یہودی وہاں تک پہنچ بھی گیا جہاں بچے اور عورتیں پناہ لیے ہوئے تھیں اور حضور پاکؐ کی پھوپھی اور جناب زبیرؓ کی والدہ جناب صفیہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ جس میں ہماری عورتوں کے لئے بھی سبق ہے۔ بہر حال مدینہ کا اندرونی دفاع اس طرح "پردہ" میں تھا، کہ دشمن اس سلسلہ میں کوئی کھوج لگانے میں ناکام رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مورخین طرز دفاع پر روشنی نہ

ڈال سکے ۔دفاع کو "پردہ" میں رکھنا آجکل کی جنگوں میں بھی ہر سطح پر ایک ضروری عمل ہے لیکن ایسا دفاع جب کسی نہر یا دریا کے کنارے ہو تو "پردہ" کے طریق کار مشکل ہو جاتے ہیں ۔تو ایسے حالات میں مشہور جگہ کے آگے متحرک جارحانہ کارروائیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اصول یہ ہے کہ دشمن کو اپنا دروازہ کھٹکھٹانے کی کبھی اجازت نہ دی جائے اور یہی سبق آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں ہمارے آقاؐ سکھلا گئے۔

کفار کی آخری کوشش چنانچہ جب اہل کفار کو مدینہ منورہ کی اطراف میں کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی، کہ جہاں سے وہ اس دفاعی لائن یا دفاع میں شگاف پیدا کر سکیں، تو باری باری، ہر روز ایک جنرل کو مقرر کیا جاتا، کہ وہ چیدہ فوج کے ساتھ کسی طرح خندق کو کسی جگہ سے پار کرے اور خندق کے پار وہ کچھ دیر کے لئے قبضہ کر سکیں ۔جس کو آج کل کی موجودہ زبان میں Bridge Head بنانا کہتے ہیں ۔اب دفاع اتنا مضبوط تھا، کہ ہر جنرل نے منہ کی کھائی اور کوئی ایک آدمی بھی خندق کو پار نہ کر سکا۔ آخر بڑی کوشش کے بعد ایک دن چند سواروں کو لے کر عکرمہ بن ابوجہل نے خندق کے کچھ حصہ کو پار کر لیا لیکن وہ بری طرح زخمی ہوا۔اور بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس بھاگا۔اس کے ساتھ ہی قریش کا مشہور پہلوان عمر بن عبدو بھی خندق کو پار کر گیا۔ وہ جنگ بدر میں زخمی ہوا تھا۔اور جنگ احد میں شرکت نہ کر سکا تھا۔اس نے اپنی جنگی خواہش پوری کرنے کے لیے مبارزت طلب کی ۔جناب علیؓ نے کس طرح اس کا کام تمام کیا یہ کہانی ہر مسلمان کو معلوم ہے ۔باقی جب بھاگ رہے تھے تو حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان کا پیچھا کیا۔ان میں ضرار، جبیرہ اور نوفل اس وقت یا بعد میں زخموں سے ہلاک ہوئے۔

ناامیدی اب محاصرین کی تمام امیدیں ختم ہو رہی تھیں ۔محاصرہ جتنا طول پکڑتا جاتا تھا۔کفار کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی ۔ دس ہزار یا اس سے زیادہ آدمیوں کی خوراک کا بندوبست کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ۔سردی کا موسم آ رہا تھا۔وہ لوگ باہر میدان میں پڑے تھے ۔وہ مدینہ منورہ کے اندر جھانک بھی نہ سکے ۔لیکن راتیں جاگ کر گزارنا پڑتی تھیں ۔کہ مسلمان اپنی مرضی کی جگہ سے نکل کر کسی مقام پر شبخون مار کر واپس آسکتے تھے ۔لیکن مسلمانوں نے اس وقت یہ کارروائی شروع نہ کی ۔صرف کفار کے دل میں ڈر پیدا کئے ہوئے تھے۔

دشمن میں پھوٹ بھان متی کا کنبہ، جو کسی مثبت مقصد کے بغیر جنگ میں شریک تھا، آخر کب تک ایک گروہ رہتا۔ان میں پھوٹ جناب نعیمؓ بن مسعود اشجعی نے حضور پاکؐ کے اشارے پر ڈلوائی ۔ابن سعد اور ابن اسحق دونوں کے مطابق جناب نعیمؓ نے اپنا اسلام چھپایا ہوا تھا۔اور ابوسفیان کو کہا کہ یہودی اپنے قلعوں میں چند گھوڑوں اور اونٹوں کو رکھنے کی اجازت دیں ۔کہ رات کو یہ جانور سردی میں ٹھٹھر جاتے ہیں اور زیادہ خراب موسم آنے والا ہے ۔ادھر یہودیوں کو کہا۔کہ ابوسفیان اور قریش حج کی وجہ سے کسی وقت محاصرہ اٹھا سکتے ہیں وہ اپنے کچھ آدمی آپ کے پاس یرغمال کے طور پر چھوڑیں ۔کہ اگر کفار قریش چلے گئے تو پیچھے مسلمان تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے ۔دونوں ضرورتیں صحیح تھیں اور اتحادیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسے معاہدے یا عمل کرنے پڑتے ہیں ۔لیکن یہاں خودغرضی زیادہ تھی ۔نہ یہودی کفار قریش کے جانور اپنے قلعوں میں رکھنے کو تیار تھے نہ کفار قریش

اپنے آدمی یہودیوں کو یرغمال کے طور پر دینے کو تیار تھے، تو بھان متی کے کنبہ میں پھوٹ پڑ گئی۔

الحرب الخدعۃ ہمارے کچھ مبصرین خاص کر بر گیڈیئر گلزار احمد اس کہانی کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ پھوٹ حضور پاکؐ نے ڈلوائی۔ان کے لحاظ سے یہ قدرتی امر تھا۔بر گیڈیئر صاحب کی نیت پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کے لحاظ سے حضور پاکؐ کی شان اتنی بلند ہے کہ وہ پھوٹ نہ ڈلواتے کہ یہ دھوکا تھا۔یہ عاجز بر گیڈیئر گلزار کے اس رویہ کی تعریف کرتا ہے۔لیکن ساتھ گزارش ہے کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے "الحرب الخدعۃ" لڑائی دھوکا ہے یا لڑائی میں دھوکا دیا جا سکتا ہے۔دھوکا ایک حیران کن کارروائی بھی ہے اور یہ دغا یا فریب نہیں اور نہ ہی وعدہ خلافی ہے۔جیسے سیواجی نے افضل خان کے ساتھ کیا۔جنگ میں حکمتی چال، داؤ، یا دشمن کو ذہنی طور پر مفلوج کرنے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔مقصد دشمن کو اس کے ارادوں میں ناکام کرنا ہوتا ہے۔ایسا دشمن میں پھوٹ ڈلوا کر کیا جائے تو یہ ڈپلومیسی کے تحت آتا ہے۔اور حملہ کر کے کیا جائے تو یہ جارحانہ کارروائی کے تحت آتا ہے۔اصل بات اپنے مقصد کی ہے کہ وہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔لیکن دغا اور اوچھے ہتھیاروں سے نہ، بلکہ فوجی حکمت عملی، تدبیرات، اور نفسیاتی جنگ کے ذریعہ سے۔اگر کسی کو دھوکا کا لفظ پسند نہ ہو تو ہم چال کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔کہ جنگ میں چال ہوتی ہے۔

حضور پاکؐ کی حکمت عملی۔اور محاصرین بہر حال آج کل کے "تہذیب یافتہ" متحارب گروہ تو علی الاعلان کہتے پھرتے ہیں کہ لڑائی اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔اس لیے اگر مسلمانوں نے کفار میں پھوٹ ڈلوائی، تو یہ بالکل اسلامی فوجی حکمت عملی کے مطابق ٹھیک تھا۔اس سلسلہ میں مورخین نے جو مفصل کہانی بیان کی ہے وہ بالکل ٹھیک نظر آتی ہے۔لیکن اگر کوئی اس کو نہ تسلیم کرے۔تو یہ اختلاف نہیں۔بہت معمولی بات ہے۔

قرآن پاک کی سورہ احزاب میں اللہ تعالی کے لشکروں کے علاوہ سخت آندھی اور ہوا کا بھی ذکر ہے۔جو اللہ تعالی نے کفار پر بھیجی اور جس کے اثرات سے کفار کھلے میدان میں سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔قارئین! ذرا اندازہ لگائیں کہ جو لوگ مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے آئے تھے۔وہ آخر اس طرح دن، رات کیسے گزارتے۔چنانچہ سب گروہ اب جنگ سے جی چرا رہے تھے۔لیکن ابو سفیان، اب کفار مکہ سے پردہ نہ رکھنا چاہتا تھا۔اس نے قریش کے سامنے آپس میں پھوٹ پڑنے اور موسم کی تنگی کا ذکر کر دیا، کہ یہودی ان کے جانوروں کو اپنے قلعوں میں پناہ دینے کو تیار نہیں۔بلکہ الٹا یرغمال کے طور پر آدمی مانگ رہے ہیں۔اب یہ آدمی کس قبیلے سے دیئے جاتے اور کن لوگوں کو قربانی کا بکرا بنایا جاتا۔چنانچہ ابو سفیان، اونٹ پر سوار ہو کر یہود کو بتائے بغیر اہل مکہ کو ساتھ لیتے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔مورخین نے اس نظارے کی پوری تصویر کھینچی ہے کہ ابو سفیان نے اونٹ پر سوار ہو کر اعلان کیا کہ اس موسم میں یہاں ٹھہرنا مشکل ہے۔ہم جا رہے ہیں۔اس دفعہ یہ بھی نہ کہا کہ پھر کب آئیں گے یا مقابلہ کیسے رہا۔پس اونٹ کا رخ تبدیل کیا اور چل پڑا۔اس کے ساتھ والے بھی بغیر کسی ترتیب کے چل پڑے۔یہ دیکھ کر بنو غطفان اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ بھی چل پڑے۔خیبر کے یہودی بھی چند ایک کو چھوڑ کر میدان جنگ کو چھوڑنے لگ گئے۔تو وہ چند کون تھے، وہ حیی وغیرہ تھے جنہوں نے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملایا تھا۔جب باقی سب لوگ چلے گئے تو حیی اور بنو قریظہ کے لوگ بھی وہاں سے اٹھ کر

واپس اپنے قلعوں میں چلے گئے ۔ کہ اب وہاں اکیلے بیٹھ کر کیا کرتے ۔ یہ محاصرہ بیس سے بائیس دن تک رہا ۔ اور کفار کیلئے نتیجہ صفر تھا ۔

تعاقب اور مخبری حضور پاکؐ نے حضرت زبیرؓ کو ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا کہ دشمن کے بارے میں پوری تسلی کرے انہوں نے کافی دور تک دشمن کے حالات کا مطالعہ کیا وہ اس طرح بھاگتے جا رہے تھے کہ حضرت زبیرؓ کے لئے ان کا تعاقب کر کے معلومات حاصل کرنے مشکل ہو گئے ۔ بہرحال حضور پاکؐ کی جب ہر طرح سے تسلی ہو گئی کہ دشمن کے واپس آنے کی امید نہ تھی تو پھر دفاعی لائن سے آہستہ آہستہ فوج کو آرام کرنے کی اجازت دے دی ۔ لوگ تھکے ہوئے تھے ، اور جو فارغ ہو جاتا تھا وہ ہتھیار کھول دیتا تھا ۔ لیکن حضور پاکؐ نے ہتھیار نہ کھولے ۔ جنگ ابھی ختم نہ ہوئی تھی ۔ یہ کہانی اگلے باب میں پڑھیں ۔

قرآن پاک ۔ احادیث مبارکہ ۔ اور جنگ احزاب قرآن پاک میں سورۃ احزاب کے علاوہ سورۃ نور اور سورۃ نسا میں بھی اس جنگ کے سلسلہ میں کچھ اشارے موجود ہیں ۔ علاوہ بخاری شریف میں تین احادیث مبارکہ ہیں ۔ ایک کا ذکر ہو چکا ہے دوسری حدیث مبارکہ کا تعلق ہمارے آقاؐ کے ایک فرمان یا پیشگوئی سے ہے ۔ کہ آپؐ نے فرمایا " کہ کفار قریش اب ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے " ۔ بہرحال یہ حالات کا جائزہ اور مطالعہ بھی ہو سکتا ہے کہ قریش کی حالت اب پتلی ہو چکی تھی ۔ تیسری حدیث مبارکہ کا تعلق بنو قریظہ سے ہے ، جن کا فیصلہ اب ہونے والا ہے تو یہ حدیث مبارکہ بھی اگلے باب میں بنو قریظہ کی کہانی کے ساتھ آجائے گی

جہاں تک رجزیہ نظموں کا تعلق ہے ، تو ایک خود جناب علیؓ نے اپنی اور عمر بن عبدو کی جنگ کے بارے میں لکھی ۔ کہ عمرو نے کیسی مبارزت طلب کی وغیرہ ۔ علاوہ ایک نظم جناب حسانؓ بن ثابت نے عکرمہ بن ابو جہل کے جان بچا کر بھاگنے پر لکھی ۔ اس پوری جنگ میں یہی دو کارروائیاں تھیں ، ان کو شعروں میں ڈھال دیا گیا ۔ باقی صرف تیاری تھی ، جس کو حضور پاکؐ نے جہاد اکبر کے نام سے موسوم کیا ۔ یا کفار کی پریشانی تھی ۔ کہ وہ اب ہارنے کی طرف آ رہے تھے ۔

جناب سلمان فارسیؓ چوتھے باب میں حق کی تلاش والوں کے ذکر میں گزارش کی تھی ، کہ جناب سلمانؓ کا ذکر چودھویں باب میں ہو گا ۔ اب جناب سلمانؓ کی مشاورت اور انکے نام سے موسوم ایک مسجد کا ذکر ہو چکا ہے ، تو بہتر ہے ، ان کی مختصر کہانی لکھ دی جائے ۔ آپ علاقہ فارس (موجودہ ایران) میں پیدا ہوئے ۔ اور زرطشت کے مذہب پر تھے ۔ لیکن دل کو تسلی نہ ہوتی تھی ۔ اس لئے گھر سے بھاگ کر عیسائی راہبوں کی صحبت میں تقریباً دو سال گزار دیئے ۔ کہ ایک کے بعد دوسرے کے پاس کئی دفعہ گئے ۔ یعنی حق کی تلاش میں جتنے سفر آپ نے کئے جتنے شہروں یا لوگوں کے پاس آپ گئے ، اور جتنا وقت اس سلسلہ میں آپ نے خرچ کیا ، اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی کہ ابن اسحق میں پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ آخر خبر ملی کہ یہ حق کھجوروں والی زمین میں ملے گا ۔ کہ نبی برحقؐ کے مبعوث ہونے کا وقت آ گیا تھا ۔ کہ وہ یثرب میں ہجرت کریں گے اور بدن پر نبوت کی مہر ہو گی ۔ صدقہ نہ قبول کریں گے صرف ہدیہ قبول کریں گے ۔ غلامی کی حالت میں یثرت پہنچے اور ان نشانیوں کی مدد سے دنیاوی غلامیوں سے چھٹکارا حاصل ہو گیا ۔ اور حق کے غلامی مل گئی ۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی جو تقریباً تین سو سال بتائی جاتی ہے ۔ کہ حضرت عثمانؓ کی

خلافت میں وفات پائی ۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں نمایاں فوجی اور سیاسی و معاشرتی خدمات انجام دیں ۔ آپ موجودہ عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے قط العمارہ کے جنوب جس مقام پر دفن ہیں وہ بھی آپ کے نام سے موسوم ہو کر "سلمان پاک" کہلاتا ہے ۔ سبحان اللہ

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن　　　بنتی ہے بیاباں میں فاروقیؓ و سلمانیؓ　(اقبالؒ)

جنگ کے نتائج اور اسباق جس طرح قرآن پاک کو کسی معنوں میں بند نہیں کیا جا سکتا کہ ہر زمانے میں ان کے مطالب کھلتے آتے ہیں اسی طرح حضورؐ پاک کی جنگوں کے نتائج اور اسباق کو محدود نہیں کیا جا سکتا ۔ البتہ اکثر کا ذکر ساتھ ہی ساتھ کرتے رہے ۔ اور چند آگے آتے ہیں ۔ اسلام کا کارواں ، زمان و مکان کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے اسی لیے جو نتائج اور اسباق ان جنگوں سے اب تک اشارتاً اخذ کئے ہیں وہ حرف آخر نہیں ہیں ۔ ان نتائج اور اسباق کی وسعت زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہے گی ۔ جنگ میں نقصان بہت کم ہوا ۔ عظیم صحابی جناب سعدؓ بن معاذ جو انصار میں اسلام کے ستون مانے جاتے تھے زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہوئے ۔ دو تین اور صحابہؓ کی شہادت کا بھی ذکر ہے ۔ کفار کے نقصان کے بارے میں عمر بن عبدو کو چھوڑ کر باقی چار یا پانچ کی ہلاکت کا ذکر ہے ۔ نتائج البتہ وہی نکلے جو دنیا کے عظیم سپہ سالارؐ اور ہمارے آقاؐ کے ذہن میں تھے ۔ چند البتہ حسب ذیل ہیں :-

۱ ۔ جنگ خندق کو اسلام کی جنگوں میں ایک فیصلہ کن جنگ کی حیثیت حاصل ہے ۔ باطل پانچ سالوں میں پہلی دفعہ منفی بنیادوں پر متحد ہوا اور حق کیساتھ پہلی ہی ٹکر میں پاش پاش ہو گیا ۔

۲ ۔ اسلام کی توحید اور وحدت اور ایک مرکزی قیادت رنگ لائی اور جو مقصد ان کے سامنے تھا پورا ہوا ۔ کفار بے مقصد واپس لوٹے

۳ ۔ اسلام میں جو متحرک جنگ کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس کے متحرک مدافعانہ پہلو کی یہ آخری جنگ ثابت ہوئی اور اب مسلمان مکمل طور پر حرکت میں آگئے یا جارحانہ کارروائیوں کے قابل ہو گئے ۔

۴ ۔ حضور پاکؐ کی جنگی تدبیرات کے ارفع و اعلیٰ ہونے کیوجہ سے اور مسلمانوں کے دل ایمان کے نور سے اور زیادہ منور ہو گئے ۔

۵ ۔ اس جنگ کے بعد مدینہ منورہ ایک بہت بڑے فوجی مستقر میں تبدیل ہو گیا ۔ اور اس کا دفاع آسان ہو گیا کہ خندق کی وجہ سے دیکھ بھال آسان ہو گئی ۔ اور تھوڑے آدمی بھی شہر کا دفاع آسانی سے کر سکتے تھے ۔ قارئین آگے دیکھیں گے کہ حضورؐ پاک بہت لمبے عرصے کیلئے مدینہ منورہ سے باہر رہ سکتے تھے ۔ یہی نہیں بلکہ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد جناب صدیق اکبرؓ نے حضورؐ پاک کے حکم کے تحت جناب اسامہؓ کے لشکر کو شام کی سرحد پر بھیج دیا اور باغیوں کے خلاف چند مجاہدین کی مدد سے نہ صرف مدینہ منورہ کا کامیابی سے دفاع کیا ، بلکہ دشمن کو بھی بھگا دیا ۔ قارئین اللہ کی تلوار کی مصنف جنرل آغام اکرم کے اس تاثر کو خیال میں بھی نہ لائیں " کہ جناب صدیقؓ نے ایسا حضور پاکؐ کی فرمانبرداری کی وجہ سے کیا ۔ ورنہ حکمت عملی کے لحاظ سے یہ سب غلط تھا " ۔ جنرل

اکرم بے چارہ حضور پاکؐ کے شان کو نہیں سمجھتا۔ اسے کیا معلوم کہ حضور اکرمؐ کے حکم کو مان لینا ہی بہت بڑی حکمت عملی ہے اور اس پر سب حکمت عملیاں قربان۔ اور پھر جنابؓ صدیق کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی، جس پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے دفاع کو ہمارے آقا رنگ ہی اور دے گئے۔ جو صاحب اس سلسلہ میں مزید کی تلاش میں ہیں وہ اس عاجز کی کتاب خلفاء راشدین حصہ اول سے استفادہ کریں۔ اس جنگ میں ہمارے لیے متعدد اسباق بھی ہیں چند حسب ذیل ہیں۔

ا۔ جنگ کی حکمت عملی کسی واضح مقصد کو سامنے رکھ کر بنائی جائے۔

ب۔ فوجی تدبیرات کا مقصد واضح ہونا چاہیے اور ان کو قوم کی جنگی حکمت عملی کا حصہ ہونا چاہیئے نہ کہ جو مل گیا اس کے حساب سے تدبیرات بنائیں۔

ج۔ جنگی تدبیرات کا انحصار ایسے ذرائع پر ہو جو اپنے پاس موجود ہوں نہ کہ کہیں سے کچھ ملنے کی امید یا منفی اتحاد کے ذریعے کسی چیز کی آس امید لگائی جائے۔ رازداری اور دفاع کے پردہ کا بھی خیال رکھیں۔

د۔ زمین کا مطالعہ اور زمین کا صحیح استعمال ہماری گھٹی میں ہونا چاہیے اور ہر زمین کا ٹکڑا ہمارے سامنے بول اٹھے کہ وہ اس کام آسکتا ہے۔

ر۔ ایک مرکز، ایک وحدت اور طاقت کو اکٹھا رکھنا تاکہ بروقت طاقت کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔ یعنی طاقت کو منتشر حساب کتاب سے کریں۔

س۔ ایمان، عقیدہ اور نظریہ حیات اسلام کے فن سپاہ گری کی بنیادیں ہیں اور سارے عسکری نظام کی عمارت ان بنیادوں پر ہونا چاہیے۔

ص۔ سب مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور ہر مسلمان کو فن سپاہ گری کی شد بد ہو، تاکہ بوقت ضرورت وہ قومی دفاع میں حصہ لے سکیں۔

ض۔ حضور پاکؐ کی شان کو سمجھیں۔ گو اب ہر آدمی کو یہ سعادت نہیں کہ حضور پاکؐ کا دیدار کر سکے۔ (یعنی دیدار عام نہیں ہے) لیکن آپ کے بارے میں کچھ تصور ہی کر لینے سے دنیاوی معاملے حل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اسؐ کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اسؐ کا (اقبالؒ)

پندرھواں باب

جنگ خندق سے صلح حدیبیہ کے درمیانی وقفہ کی کارروائیاں

اہم سال ہمارے آجکل کے مورخ جنگ خندق کے بعد، صلح حدیبیہ کا ہی ذکر کرتے ہیں اور کسی کتاب میں یہ مشکل سے ملے گا کہ اس ایک سال میں کیا ہوتا رہا۔ اور یہ ایک سال اتنا اہم ہے کہ فوجی لحاظ سے پرانے زمانے میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ کہ کسی حاکم نے ایک سال کے عرصہ میں انیس فوجی مہمات کا بندوبست کیا، جن میں کچھ مقاصد بھی حاصل کرنے تھے۔ وہ حربی مظاہرے بھی تھے اور جنگی مشقیں بھی تھیں۔ اور ان مہمات میں سے چار میں حضورؐ پاک ازخود بھی شریک ہوئے۔ اور ان میں ایک مہم دراصل ایک بہت بڑی جنگی مشق بھی تھی۔ اب اوسط کے لحاظ سے ہر ماہ میں تقریباً دو مہمات یا فوجی کارروائیاں بنتی ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں بھی، ایک بہترین فوج کے دستے سال میں چار یا پانچ مرتبہ ہی باہر نکلتے ہیں۔ نقشہ یازدہم پر ان مہمات کی نشاندہی ضرور کی گئی ہے۔ لیکن یہ خاکہ ہے۔ رخ کا تعین صحیح ہے۔ ورنہ ایک مہم کے دوران، لشکر کئی جگہوں پر گیا جن سب کی نشاندہی کرنے کیلئے بعض اکیلی مہم کیلئے ایک پورے نقشے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں بعض مقامات یعنی خیبر، وادی القریٰ اور ذوقصہ کے علاقوں میں ایک سے زیادہ مہمات گئیں۔ اور بعض ایسے مقامات تھے، جہاں سے کئی مہمات گزریں۔ علاوہ ازیں کچھ مقامات جیسے خیبر اور فدک وغیرہ ایک دوسرے کے نزدیک بھی تھے۔ اور مختصراً گزارش ہے کہ اس سال کے عرصہ میں مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح کے ڈیڑھ دو سو میل کے علاقے کو مسلمان اس طرح استعمال کر رہے تھے۔ جیسے یہ ان کی اپنی ہاکی یا فٹ بال گراؤنڈ ہو۔ اور وہ اس میدان میں بے خطر بڑ کوڈی کھیل رہے ہوں۔ یا سارا سال جہاد اکبر یعنی جنگ کی تیاری میں گزر گیا اور ساتھ ساتھ جہاد اصغر بھی کرتے رہے۔ حضور پاکؐ نے حکمت عملی میں واضح تبدیلی لائی، کہ مسلمانوں کے لشکر ایک سیسہ پلائی دیوار بن گئے۔ اور آگے قارئین دیکھیں گے، کہ بغیر زیادہ لڑائی یا نقصان کے سارا جزیرہ نما عرب ایک اسلامی سلطنت بن گیا۔ بہرحال ان مہمات کی کارروائی کے مختصر بیان کے بعد، اختتامی تبصرہ خلاصہ میں دیں گے کہ مسلمانوں نے اس ایک سال میں کیا کچھ حاصل کیا اور ہمارے لئے اس میں کیا اسباق ہیں۔ اب مہمات کا ذکر آتا ہے۔

ا۔ **بنو قریظہ کا قلع قمع** (ذی قعد پانچ ہجری) یہ اسلام کی اکتیسویں فوجی کارروائی ہے۔ بنو قریظہ کی بغاوت کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ جنگ احزاب سے واپس آکر یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ خیبر اور بنو نضیر کا پرانا لیڈر حیی بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضور پاکؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ ہتھیار کھول چکے ہیں وہ دوبارہ پہن لیں اور حفظ ماتقدم کے طور پر حضرت علیؓ کو ایک دستہ کے ساتھ فوراً ہی بنی قریظہ کی طرف پہلے بھیج دیا، کہ اگر وہ کسی جائز صلح پر سمجھوتہ کر لیں تو جنگ نہ کی جائے۔ لیکن یہودیوں نے الٹا گالیاں دیں اور ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمان مدینہ منورہ میں قلعہ بند ہو کر اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو وہ اپنے قلعوں میں بہت عرصہ گزار سکتے ہیں۔ اور جب سردی کا موسم ختم ہو گا تو سارا عرب ان کی مدد کو آجائے گا۔ مسلمانوں کا مقصد یہ تھا کہ اس فتنہ کو جلد ختم کیا

جائے۔ چنانچہ تمام قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا اور تمام رسد و رسانی کے راستے مسدود کر دیئے گئے۔ یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا اور اب مسلمان اس قابل تھے کہ ایک ایک قلعہ کو باری باری مسمار کرتے جائیں تو یہودیوں نے صلح کی درخواست کی۔ ثالث حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے۔ جن کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ آپ کسی زمانے میں یہودیوں کے حلیف رہ چکے تھے جس کا ذکر آٹھویں اور نویں باب میں ہو چکا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ ہر معاہدہ میں آپ نے ایک خاص حصہ ادا کیا تھا اور اس مشن میں بھی شریک تھے جس نے جنگ احزاب کے شروع میں بنو قریظہ کو بغاوت سے باز رہنے کی تلقین کی تھی۔ اور پچھلے باب میں یہ ذکر بھی ہو چکا ہے۔ جناب سعدؓ جنگ میں زخمی ہوئے تھے اور مسجد نبوی کے ایک خیمہ میں زیر علاج تھے۔ فیصلہ ادھر ہی دیا کہ تمام بالغ مرد تہ تیغ کیے جائیں۔ ان کی تعداد چار سو بتائی جاتی ہے گو متعصب مؤرخین نے ان کی تعداد زیادہ بتائی ہے، اور سارے قتل کی کارروائی کو کئی رنگ دیئے ہیں۔ مسلمان مؤرخین اس کارروائی کے دفاع میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ جنگ، جنگ ہے۔ معاہدہ کی ایک عہد شکنی پر ایک قبیلہ کو جلاوطنی، پھر دوسری خلاف ورزی پر دوسرے قبیلہ کو جلاوطنی پھر وہی قبیلہ اوروں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آیا۔ اس قبیلہ کو تو اپنے کئے کی سزا بعد میں ملی۔ اب بنو قریظہ کی باری تھی۔ اسلام کمزوروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا، مگر غداروں کو کہاں تک جلاوطنی دیتا رہے۔ کہ پھر آ کر اوروں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہوتے رہیں۔ ہمارے مؤرخین اس کارروائی کو دین ابراہیمؑ اور تورات کے مطابق صحیح ہونے کے ثبوت میں دلیلیں پیش کر کے تھک جاتے ہیں۔ اور آخر میں کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ سعدؓ بن معاذ کا تھا وغیرہ پھر بڑی دبی زبان میں کہتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے بھی اسے پسند فرمایا۔ بات سیدھی ہے حضور پاکؐ نے توثیق کی اور یہ فیصلہ حضور پاکؐ کے ایک غلام کا تھا۔ اس میں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی بحثوں میں پڑ کر مسلمان اپنے نظریہ حیات سے خواہ مخواہ دور ہو جاتا ہے۔ یاد رہے وہ مرنے یا مارنے سے نہیں ڈرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اور اس زمانے میں جرمنی اور جاپان کے حکمرانوں کو پھانسی چڑھایا گیا کہ انہوں نے دوسری جنگ عظیم شروع کی تھی۔ روایت ہے کہ مشہور انصار صحابی ابو لبابہؓ بن عبد المنذر نے ہاتھ کے اشارے سے بنو قریظہ کو آگاہ کر دیا، کہ تلوار ان کا گلا کاٹنے کی منتظر ہے۔ بعد میں ندامت ہوئی۔ تو اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ سے براۃ ملی تو تب اپنے آپ کو کھولا۔ علاوہ ازیں بنو قریظہ کی مہم پر جاتے وقت عصر کی نماز کے احکام پر تبصرہ خلاصہ میں دیا جائے گا۔ یہ محاصرہ پچیس دن جاری رہا۔

۲۔ قرطا کی مہم (۱۰ محرم ۵ ہجری) یہ اسلام کی بتیسویں فوجی کارروائی ہے۔ بنو قریظہ کا معاملہ مشکل سے ذوالحجہ میں ختم ہوا۔ اور نئے سال میں حضور پاکؐ نے قرطا کی طرف ایک مہم پر حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا، جو مدینہ منورہ سے سات منزل پر واقع ہے۔ جناب محمدؓ بن مسلمہ کا کعب کے قتل اور جنگ احد میں حفاظتی دستوں کے سلسلہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ اب حضور پاکؐ نے جارحانہ کارروائیوں کی بسم اللہ ان سے کی، کیونکہ مسلمانوں کے قتل کے بدلہ کے لیے ایسے لوگوں یا قبائل پر اچانک چھاپہ مارنا تھا، جنہوں نے بیر معونہ اور الرجیع کے مقامات پر مسلمانوں کو دھوکے سے شہید کیا تھا۔ اس میں اول مخبری کی

ضرورت ہوتی تھی کہ ایسے شرانگیز لوگ کہاں اکٹھے مل سکتے ہیں ۔ اور پھر وہاں پہنچنے کیلئے طریقہ یہ اختیار کیا کہ لشکر کے لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے اس سب کارروائی میں محمدؓ بن مسلمہ بہت کامیاب ہوئے ۔ کفار کا بہت نقصان ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھ کافی مال غنیمت لگا۔

۳۔ **بنولیحان کی سرکوبی** (ربیع الاول چھ ہجری) یہ اسلام کی تینتیسویں فوجی کارروائی ہے ۔ گو ابن اسحق نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ جمادی الاول کا ہے ۔ لیکن ہم نے ترتیب کو صحیح رکھنے کے لئے ابن سعد کا وقت ربیع الاول صحیح سمجھا ۔ اب سرکارؐ دوعالم ازخود ہی بنولیحان کی سرکوبی کے لیے نکلے ۔ ساتھ ایک بہت بڑا لشکر تھا ۔ اور آپؐ نے ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ بنولیحان نے دھوکے سے الرجیع کے مقام پر حضرت حبیبؓ اوران کے ساتھیوں کو شہید کیا تھا ۔ حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے اس طرح نکلے کہ پتہ چلے کہ قصد ملک شام کے علاقوں کی طرف جانے کا ہے تاکہ آپؐ کی مہم کی رازداری قائم رہے ، آپؐ پہلے غزاب کے پہاڑ کے پاس سے گزرے پھر عیص ، اور آگے وادی بطرا میں ۔ اس کے بعد بائیں مڑگئے اور بن کی وادی سے باہر نکلے اور سخرۃ الیمام پہنچے ، جہاں سے ایک راستہ مکہ مکرمہ جانے والی بڑی سڑک کے ساتھ ملتا ہے ۔ اب تیزی سے آگے بڑھے اور غزاں پہنچے ۔ یہ وادی اماج اور عسفان کے درمیان ہے ۔ اور یہی قبیلہ لیحان کا علاقہ تھا ۔ لیکن ان لوگوں کو کچھ بروقت اطلاع ہو گئی اور وہ پہاڑوں میں چلے گئے ۔ ایک بڑا مقصد حاصل ہو گیا کہ قاتل قبیلہ کو اپنا گھر بھی چھوڑنا پڑ گیا ۔ اور مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہوئے ۔ زیادہ لشکر کو وہاں چھوڑ کر آپؐ ازخود دوسو سواروں کے ساتھ عسفان تک گئے تاکہ اہل مکہ کو پتہ چلے کہ مسلمان اب مدینہ منورہ سے باہر زیادہ طاقت سے نکلتے ہیں بلکہ دو سواروں کو قرۃ الغمیم تک بھی بھیجا ۔ اس کے بعد مدینہ منورہ واپسی ہوئی ۔ ایک فوجی ذہن اس تمام کارروائی کو ایک جنگی مشق بھی کہے گا ۔ اس زمانے میں مشق برائے مشق کرنے کا شاید دستور نہ ہو ۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کہیں سے یہ تفصیل نہیں ملتی کہ ان مشقوں کے دوران دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ نے آئندہ چند سالوں میں دنیا کو فتح کرنے والوں کو کیا کیا زبانی اور عملی فوجی احکام دیئے ۔ ہمارے محدثین حضرات نے اول تو احادیث مبارکہ کو موقع اور محل کے ساتھ کم بیان فرمایا ہے اور اکثر احادیث مبارکہ صرف بیانات ہیں ۔ اور اگر کچھ لکھا بھی ، تو اتنا لکھا کہ حضور پاکؐ سفر میں تھے ۔ پس ان باتوں سے عسکری روح خود بخود آدھی تو نکل گئی ۔ کہ حضور پاکؐ کے اکثر سفر نہ صرف فوجی غرض وغایت سے تھے ، بلکہ عملی طور پر یہ سفر فوجی طریقے سے طے کئے گئے ۔ بہر حال پھر بھی اگر آدمی محنت کرے ، تو آپؐ کی احادیث مبارکہ فوجی رواجوں اور ضابطوں کی باتوں سے بھری پڑی ہیں اور ان کو ڈھونڈا جا سکتا ہے ۔ تو ہاں! اوپر والی کارروائی میں ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ دور دور قبائل اور دشمنان اسلام پر اسلام کی طاقت اور قوت کا رعب بیٹھ جاوے تب ہی اتنا دور تک گئے ۔ اور مکہ مکرمہ کے بیرونی علاقوں کے دروازے بھی کھٹکھٹا آئے ۔ (ملاحظہ ہو قرۃ الغمیم کا خدود اربعہ)

۴۔ **ذو قرد پر چڑھائی** ربیع الاول چھ ہجری) یہ اسلام کی چونتیسویں کارروائی ہے ۔ مسلمانوں نے اوپر والی مہم سے واپسی پر مشکل سے چار دن اور رات گزارے ہوں گے کہ قبیلہ غطفان کے چھوٹے قبیلہ فزارہ کے عینیہ بن حصن نے اس چراگاہ پر حملہ کر دیا

جہاں مسلمانوں کے اونٹ چرتے تھے۔ عینیہ اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پچھلے باب میں بھی کفار میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔
بہرحال بنی غفار کا وہ جوان، جو اونٹوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اس کو دشمنوں نے شہید کر دیا اور اس کی بیوی اور بڑی تعداد میں اونٹوں کو ہانک کر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن عین اسی دوران حضور پاکؐ کے ایک صحابی جناب سلمہؓ بن اکوع اور ایک غلام وہاں پہنچ گئے۔ جناب سلمہؓ نے حملہ آوروں پر تیر برسانے شروع کر دیئے تاکہ ان کی رفتار سست ہو اور رک رک کر تیروں کا جواب دیں اور غلام نے مدینہ منورہ میں خبر کر دی۔ یہاں الارم بج گیا اور سب سے پہلے حضور پاکؐ نے جناب مقدادؓ بن عمرو کے تحت سواروں کے ایک دستہ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اور پھر خود بھی پیچھے چل پڑے۔ جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں اور یہ متحرک لڑائی تھی۔ بہرحال حضور پاکؐ کے دستے نے کافی زیادہ اونٹ اور نگہبان کی بیوی کو تو حملہ آوروں سے چھڑا لیا۔ لیکن عنیبیہ چند اونٹ لے کر اپنے قبیلہ کے مرکز تک پہنچ گیا گو اس کا بیٹا اور کئی ساتھی مارے گئے۔ حضور پاکؐ بھی ذوقرد پہاڑ تک پہنچ گئے اور وہاں ایک دن اور ایک رات ٹھہرے۔ کچھ صحابہؓ نے اور آگے بڑھنے کی عرض کی، لیکن حضور پاکؐ نے فرمایا "کہ اب یہ ایک لاحاصل مشق ہو گی کہ دشمن ہماری تعداد اور ارادوں سے آگاہ ہے اور یہ اس کا اپنا علاقہ ہے جس کے چپہ چپہ سے وہ واقف ہے اور اس کے فوجی استعمال سے بھی" تو آپؐ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کو پرانے زمانے کے مورخین نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ البتہ آج کل کی کتابوں میں کم ملتا ہے کہ ہمارے موجودہ مورخین کو اس سارے واقعہ میں الف لیلی کی کہانی کا کوئی پلاٹ نظر نہ آیا۔ حالانکہ یہ متحرک لڑائی تھی جس میں آج بھی اسباق ہیں کہ دشمن کا پیچھا کس طرح کرو اور دشمن کے علاقے میں پھونک پھونک کر قدم رکھو۔ کہیں مقصد سے زیادہ نقصان نہ کرا بیٹھو۔ اس جنگ میں جناب سلمہؓ بن اکوع اور جناب مقدادؓ بن۔ عمرو کے علاوہ جناب عکاشہؓ بن محصن نے بھی بڑی بہادری دکھلائی اور کئی کفار کو قتل کیا۔ مدینہ منورہ کو کسی اور طرف سے بھی خطرہ ہو سکتا تھا، اس لیے وہاں پر عظیم انصار صحابی جناب سعدؓ بن عبادہ، کو تین سو لشکر کے ساتھ اپنے نائب کے طور پر چھوڑا۔ جناب ابن ام مکتومؓ بھی مدینہ منورہ میں تھے اور کچھ مورخین نے ان کو نائب اور جناب سعدؓ کو فوجی کمانڈر لکھا ہے۔ یہ بعد کے کسی سولین ذہن کی اختراع ہے۔ ورنہ حضور پاکؐ، حالات کے مطابق نائب مقرر فرماتے تھے۔ اور خطرہ کی صورت میں فوجی کمانڈر ہی بڑا کمانڈر ہوتا ہے۔

قبیلہ غفار کے اونٹوں کی نگہبانی کرنے والے جناب ابوذر غفاریؓ کے بیٹے تھے۔ نام کسی تاریخ سے نہیں مل سکا۔ اور کچھ مورخین کے لحاظ سے جناب مقدادؓ کی بجائے، جناب سعیدؓ بن زیدؓ سواروں کے دستہ کے کمانڈر تھے۔ اس عاجز کا خیال ہے۔ کہ مہم چونکہ جلدی میں تیار ہوئی۔ اس لئے ممکن ہے ایک سے زیادہ کمانڈر ہوں اور جناب سعیدؓ بھی کسی دستہ کی کمانڈ کر رہے ہوں۔ اس جنگ کو غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اسلامی لشکر اس علاقے تک گئے۔ علاوہ کچھ مورخین نے اس کو بنو غطفان یا فزارہ کا چھاپہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ یہ سب نام صحیح ہیں۔

۵۔ بنو اسد کی سرکوبی۔ (ربیع الاول ۶ ہجری) یہ اسلام کی پینتیسویں فوجی کارروائی ہے۔ بنو اسد کسی تعارف کے محتاج

نہیں ۔ تیرھویں باب میں قطن کی مہم کے وقت ان کے حالات، رویہ اور ان کے خلاف کاروائی کا ذکر ہو چکا ہے ۔ جنگ خندق کے وقت یہ لوگ کفار کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے ۔ یہ ذکر بھی ہو چکا ہے ۔ اب بجائے اس کے کہ یہ لوگ عینیہ کی طرح مدینہ منورہ پر چھاپہ مارتے ہیں ، تو ان کے مزاج درست کرنے کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ حضورؐ پاک نے حضرت عکاشہؓ بن محصن کو چالیس سواروں کے ساتھ غمر کے مقام پر بنواسد کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ کے راستے پر فید نامی قلعہ سے ہٹ کر دو منزل پر واقع ہے ۔ جب مسلمان ادھر پہنچے تو بنواسد تتر بتر ہوگئے ۔ البتہ ان کے دو سو اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے جن کو ہانک کر مسلمان مدینہ منورہ لے آئے ۔ اسکو غمر کی مہم بھی کہتے ہیں ۔ جناب عکاشہؓ اولین مسلمانوں میں سے ہیں ۔ اور آپ کو بھی حضور پاکؐ نے ایک تلوار عطا فرمائی تھی جس کا حق آپ ہمیشہ ادا کرتے رہے ۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں ہر جنگ میں شریک ہوئے اور جناب صدیقؓ کی خلافت میں مرتدین کی مہمات کے دوران اسی قبیلہ کے طلیحہ کے ہاتھوں بزوخا کے نزدیک شہید ہوئے ۔ جس کا بدلہ جناب خالدؓ بن ولید نے لیا ۔ آپ کے دوسرے بھائی جناب خذیفہؓ، جناب صدیقؓ کے سپہ سالاروں میں سے ایک تھے ۔

۶ ۔ **ذی القصہ کی مہم** (ربیع الثانی چھ ہجری) یہ اسلام کی چھتیسویں فوجی کارروائی ہے ۔ حضور پاکؐ نے محمدؓ بن مسلمہ کو دس مجاہدین کے ساتھ بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے علاقہ میں القصہ یا ذوالقصہ کے مقام تک ایک حربی مظاہرہ کرنے کے لیے بھیجا ان قبائل کے لوگ پہاڑوں میں چلے گئے ۔ مسلمان کچھ بے فکر ہوگئے اور ایک دن جب سو رہے تھے تو دشمن نے ان پر شبخون مارا ۔ تقریباً سب صحابہؓ شہید ہو گئے ۔ صرف محمدؓ بن مسلمہ بچ گئے جو شدید زخمی تھے اور ان کو بھی کوئی مسافر مسلمان جو ادھر سے گزرا اٹھا کر لے آیا ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بغیر تلوار اور بغیر قربانی کے پھیلا، سخت غلط فہمی میں ہیں ۔ یہ زندہ مثالیں بھی ہیں ۔ اور ان میں دشمن کے خلاف چوکنا رہنے کے اسباق بھی ہیں ۔

۷ ۔ **بنو ثعلبہ کی سرکوبی** (ربیع الثانی چھ ہجری) یہ اسلام کی سینتیسویں فوجی کارروائی ہے ۔ اوپر والے حالات کی خبر سن کر حضور پاکؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو چالیس سواروں کے ساتھ بنو ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔ آپ رات کے اندھیرے میں بنو ثعلبہ کے مرکز ذی القصہ تک پہنچ گئے اور صبح سویرے حملہ کر دیا ۔ قبیلہ کا کافی نقصان ہوا ۔ ایک رئیس نے اسلام قبول کیا کچھ پہاڑوں میں تتر بتر ہو گئے ۔ کافی مال غنیمت حاصل ہوا ۔ امین الامت اور فاتح شام کی اسلام کے لشکر کی یہ پہلی سپہ سالاری تھی، جو ہمارے آقاؐ نے ان کو عطا کی ۔ اس مہم کو ذوالقصہ کی دوسری مہم بھی کہتے ہیں ۔ بہر حال تلوار کام کر گئی اور خدا کرے ہم راہ راست پر آجائیں ۔

خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ نہیں ممکن امیری بے فقیری (اقبالؒ)

۸ ۔ **جموم کی مہم** (ربیع الثانی چھ ہجری) یہ اسلام کی اٹھیتسویں فوجی کارروائی ہے ۔ حضور پاکؐ نے جناب زیدؓ بن حارث کو ایک دستہ کے ساتھ جموم کے مقام پر روانہ کیا ۔ یہ جگہ مدینہ منورہ کے نزدیک ہی ہے اور یہاں پر بنو سلیم کے قبیلہ کے علاقہ میں

ایک حربی مظاہرہ بھی کیا اور چھاپہ بھی مارا، کیونکہ یہ لوگ بھی جنگ خندق میں دشمن کے ساتھ تھے۔اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ بنو سلیم کے جغرافیائی پہلو کا تیرھویں باب میں ذکر کر دیا گیا تھا۔اس قبیلہ کا اب کتاب میں اکثر ذکر آتا رہے گا۔

۹۔ عیص پر چھاپہ (جمادی الاول چھ ہجری) یہ اسلام کی انتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔اب مسلمان سارے علاقے پر چھا چکے تھے۔اور بہت مستعد تھے۔پتہ چلا کہ عراق والے راستے قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ حضور پاکؐ نے جناب زیدؓ بن حارث کو ستر سواروں کے ساتھ بھیجا جنہوں نے عیص کے مقام پر چھاپہ مارا اور تمام قافلہ کو گرفتار کر لیا اور ان کے سامان پر قبضہ کر لیا۔سامان میں چاندی کا بڑا ذخیرہ بھی تھا جو صفوان بن امیہ کی ملکیت تھی۔قیدیوں میں حضور پاکؐ کے داماد ابو العاص بھی تھے جو اس کے بعد اسلام لے آئے۔آپ البتہ مکہ مکرمہ واپس گئے اور سب لوگوں کا لین دین ختم کر کے علی الاعلان مدینہ منورہ آئے۔

۱۰۔ طرف کی مہم (جمادی الثانی چھ ہجری) یہ اسلام کی چالیسویں فوجی کارروائی ہے۔اوپر پیراگراف نمبر ۶ اور نمبر ۷ کی مہمات بھی بنو ثعلبہ کے علاقے میں بھیجی گئیں لیکن بنو ثعلبہ قابو نہیں آرہے تھے۔حضور پاکؐ نے جناب زیدؓ بن حارث کو پندرہ مجاہدوں کے ساتھ پھر بھیجا کہ طرف کے مقام پر چھاپہ مارو لیکن بنو ثعلبہ پھر تتر بتر ہو گئے۔گو مال غنیمت کافی ہاتھ لگا۔

۱۱۔ وادی القریٰ کی پہلی مہم (رجب چھ ہجری) یہ اسلام کی اکتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔حضور پاکؐ نے بارہ مجاہدین کو حضرت زیدؓ بن حارث کی کمانڈ میں بنو فزارہ کے علاقہ وادی القریٰ میں ایک حربی مظاہرہ کے لئے روانہ کیا۔لیکن کفار نے گھات لگا کر متعدد صحابہ کو شہید کر دیا۔حضرت زیدؓ اور دو صحابہ زخمی حالت میں بڑی مشکل کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ سکے۔گو اس کو وادی القریٰ کی پہلی مہم کہتے ہیں۔لیکن ممکن ہے کہ یہ کوئی تجارتی قافلہ تھا، کہ وادی القریٰ کی دوسری مہم کا جو آگے ذکر آتا ہے اس میں اس مہم کو تجارتی قافلہ کہا گیا ہے۔علاوہ ابن سعد اس مہم سے چند روز پہلے جمادی الثانی چھ ہجری میں حسمیٰ کے علاقے میں ایک مہم کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے، اور اس مہم کا ذکر ایک فقرے میں کر دیتا ہے۔

۱۲۔ دومۃ الجندل کی دوسری مہم (رجب چھ ہجری) یہ اسلام کی بیالیسویں فوجی کارروائی ہے۔دومۃ الجندل کی ایک مہم کا ذکر تیرھویں باب میں ہو چکا ہے۔کہ حضور پاکؐ خود بھی وہاں تک گئے یا راستے سے واپس آگئے۔وہ ربیع الاول پانچ ہجری کا واقعہ تھا۔دومۃ الجندل چھ ہجری کی مہم کو ابن اسحق نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور پاکؐ نے متعدد عظیم صحابہؓ کے سامنے دومۃ الجندل کی مہم کے لئے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو تیاری کا حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ سے دومۃ۔ الجندل تک جائیں، اور جو اللہ پر یقین نہیں کرتا اس کو قتل کرتے جائیں۔اس کے علاوہ متعدد ہدایات بھی دیں۔اس سے آگے ابن اسحق خاموش ہیں اور ان کے شاگرد ابن ہشام صرف یہ لکھتے ہیں کہ جناب عبدالرحمنؓ اس مہم پر تشریف لے گئے۔ابن سعد البتہ ان سب باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے جناب عبدالرحمنؓ کو یہ بھی فرمایا کہ اگر وہاں کا حاکم اسلام لے آیا

نقشہ یازدہم
جنگ خندق سے صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ کی مہمات
(متحرکانہ عمل کا خاکہ)
دومۃ الجندل
فدک
غطفان
عراق جانے کا راستہ
ذوالقصہ
طرف
جموم
بحیرہ قلزم
عسفان
جدہ
عمرو بن امیہ
ان مہمات کے رخ تقریباً مقامات کی طرف صحیح ہیں۔ لیکن یہ
نقشہ کم اور خاکہ زیادہ ہے۔ کہ مہمات کی وسعت معلوم
ہوجائے۔ ویسے ایک مہم کئی مقامات پر گئی۔ اور بعض
مقامات پر دو مہمات گئیں ان سب کو ایک نقشے پر صحیح طور
پہ دکھانا مشکل ہے۔
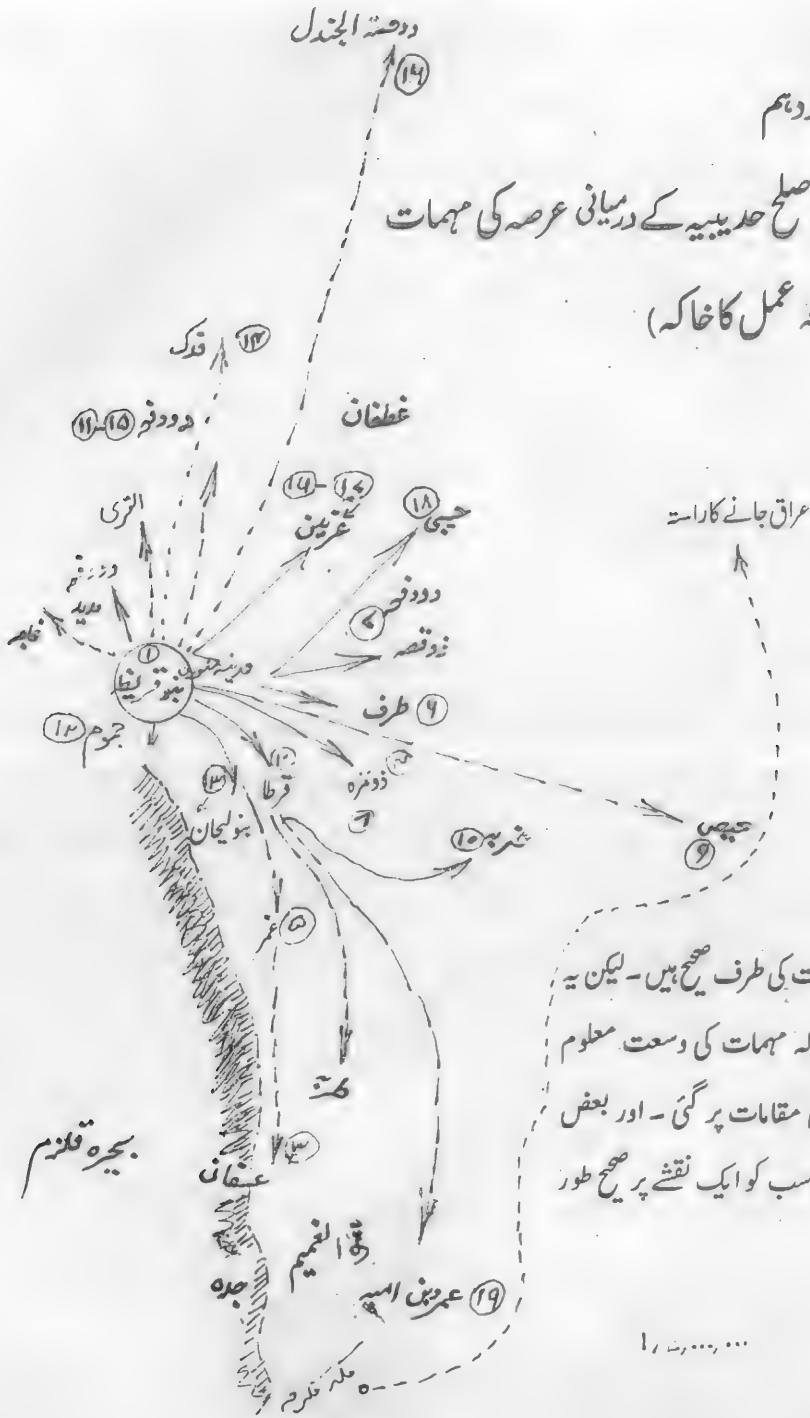
تو اس کی بیٹی سے نکاح کر لینا اور پھر سات سو مجاہدین کے ساتھ آپ دومۃ الجندل تک تشریف لے گئے اور وہاں کے رئیس اصبغؓ نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیٹی سے آپ نے نکاح کیا۔ اور آپ کا لڑکا ابو سلمہؓ انہی کے بطن سے تھا۔

تبصرہ یہ سب کچھ سر آنکھوں پر۔ بلکہ جناب ابو سلمہؓ علم حدیث کے بڑے عالم تھے۔ اور قریش کے وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ان کے بیان کا ذکر چوتھے باب میں ہو چکا ہے۔ علاوہ ابن سعد مہینہ بھی شعبان کا بتاتا ہے۔ وہ بھی کوئی اختلاف نہیں۔ لمبا سفر تھا۔ چند دن آگے پیچھے کا فرق پڑ سکتا ہے۔ رجب میں گئے ہوں گے اور شعبان میں واپس آئے ہوں گے۔ البتہ دومۃ الجندل کے جغرافیائی پہلو اور بعد کے واقعات کا ذکر بھی تیرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ دومۃ الجندل خانہ بدوش قبائل کا مرکز تھا۔ اور کئی قبائل وہاں اس طرح آباد تھے کہ اور علاقوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اور قبیلہ کلب جس کے رئیس اصبغؓ نے اسلام قبول کیا، وہ نیچے وادی القری تک پھیلا ہوا تھا۔ عظیم صحابی جناب ضیاءؓ بن خلیفہ بھی اسی قبیلے کے تھے اور جنگ خندق سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ آپ کا اب کثرت سے ذکر آتا رہے گا۔ لیکن یہاں یہ تاثر نہ لیا جائے کہ اس مہم سے دومۃ الجندل فتح ہو گیا۔ اس سلسلہ میں آگے بہت کچھ آئے گا۔

۱۳۔ **بنی مصطلیق پر حملہ** (شعبان ۶ ہجری) یہ اسلام کی تینتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ اب حضور پاکؐ از خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ بنی مصطلیق کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے، بنی مصطلیق، بنو خزاعہ کا ہی ایک قبیلہ یا شاخ تھی۔ پرانے زمانے کے مورخین نے یہ واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ لیکن آجکل کے مورخین نے تو اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا یا شعبان ۵ ہجری میں بنو خزاعہ کے ساتھ جو پہلی جھڑپ ہوئی تھی اس کو اور اس مہم کو ایک ہی واقعہ بنا دیا۔ یہ عاجز تیرھویں باب میں اس مہم کو المریسع کی مہم کے طور پر الگ بیان کر چکا ہے۔ اور ساتھ لکھ دیا تھا، کہ یہاں دونوں کارروائیوں کا مہینہ چونکہ شعبان تھا اور علاقہ بھی ایک تھا، اس لیے دونوں مہمات کو ایک مہم بنا دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسم کے لحاظ سے بنو خزاعہ پانی کیوجہ سے اس زمانے میں یعنی شعبان کے دنوں میں ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے کہ پانی لینے اور پینے کی ایک ہی جگہ المریاضی نام کے ارد گرد خیمہ زن ہو جاتے تھے۔ اس سال یعنی ۶ ہجری کو وہ اپنے سردار حارث کی رہنمائی میں مدینہ منورہ پر حملہ یا شبخون مارنے کی تیاری کر رہے تھے۔ جب حضور پاکؐ کو اس کی خبر ملی تو آپؐ نے دشمن کو ان کے پانی لینے والی جگہ پر جا لیا جس میں مرد تو کافی بھاگ گئے لیکن ان کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ اور کافی مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اسی دوران ایک مہاجر اور ایک انصار میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا۔ اس نے مہاجرین کے خلاف بڑی گندی زبان استعمال کی۔ حضور پاکؐ کے پاس جب خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ بھی پاس ہی موجود تھے، جن کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ اس مردود کا سر کاٹ ڈالنا چاہیئے۔ لیکن حضور پاکؐ خاموش ہو گئے۔

جذبات میں شدت اس بات کا بعد میں عبداللہ کو بیٹے کو پتہ چلا، تو وہ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہ! اگر میرے باپ کی کوئی حرکت ناپسند آئے، تو مجھے حکم دیجئیے کہ میں اس کا سر کاٹ لاؤں۔ لیکن اگر کسی اور نے اس کا سر کاٹا تو شاید وہ برداشت نہ کر سکے وغیرہ" حضور پاکؐ کو یہ بات بڑی پسند آئی اور فرمایا "کہ اس کو سمجھاؤ کہ وہ اپنے حالات ٹھیک رکھے

بہر حال حضور پاکؑ کی اس مہربانی سے انصار میں خود بخود عبد اللہ بن ابی کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ ابھی تک جذبات میں دونوں طرف شدت تھی، جس کو دور کرنے کے لئے سرکار دو عالمؑ نے ایک انوکھا طریقہ نکالا یا استعمال کیا۔

تلخی میں کمی چنانچہ حضور پاکؑ نے جو وہاں سے کوچ فرمایا تو سارا دن اور رات کا کافی حصہ چلتے رہے۔ بلکہ صبح کے وقت پھر سفر جاری رکھا اور جب دھوپ بہت تیز ہوئی تو آرام کے لئے ٹھہرے۔ تمام اہل لشکر اتنے تھکے ہوئے تھے کہ زمین پر بیٹھتے ہی سب کو نیند آ گئی۔ یہ اس لیے کیا گیا۔ کہ عبد اللہ بن ابی کی شرارت کی وجہ سے جو تلخی پیدا ہوئی تھی کہ لوگ اس کو بھول جاویں، بہر حال آپؑ نے سفر جاری رکھا اور حجاز میں النقی کے مقام تک پہنچ گئے جس کو بکا بھی کہتے ہیں۔ رات کے سفر کے دوران اتنی سخت آندھی چلی کہ لوگوں کے دل دہل گئے۔ آپؑ نے سب کو تسلی دی کہ کسی جگہ کوئی بڑا کافر ہلاک ہوا ہے اور یہ اس کی نشاندہی کرتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد پتہ چلا کہ اسلام دشمن یہودی رفا بن زید اس رات مرا تھا۔ اس مشکل سفر، آندھی اور خوشخبری وغیرہ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف جذبات کو ٹھنڈا کر دیا۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ اس سے بڑھ کر خوشخبری یہ تھی کہ بنی مصطلق کا سردار حارثؓ مسلمان ہو گیا اور اس قبیلہ کے متعدد لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حارثؓ کی بیٹی حضرت جویریہؓ حضور پاکؑ کے نکاح میں آئیں اور امہات المسلمین میں شامل ہوئیں۔ اس خوشی میں مسلمانوں کو جو کچھ مال غنیمت اس قبیلہ سے ملا تھا وہ واپس کر دیا گیا اور ان کے بیوی بچوں کو رہا کر دیا گیا۔ جناب ام المومنین جویریہؓ کی قسمت اس جنگ میں کھل گئی۔ آپ مال غنیمت کے طور پر جناب ثابتؓ بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ اور دونوں نے نو نو اوقیہ سونے پر آپ کو رہا کرنے کا وعدہ کیا۔ اب آپ اتنا سونا کہاں سے لاتیں۔ حضور پاکؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انؑ سے گزارش کی ، کہ ان کی قیمت ادا کر دیں اور جناب جویریہؓ کو نکاح میں لے لیں اس میں جناب حارثؓ کا بھی ہاتھ تھا، کہ وہ دل سے مسلمان ہو گئے تھے اور قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی مسلمانوں کے سردار کے گھر جائے۔ سبحان اللہ! کیا پیاری خواہش تھی، اور اللہ تعالی نے ان کی خواہش پوری کی۔ ان کی بیٹی کو دو جہانوں کے سردار کی زوجہ محترمہ بننے کا فخر حاصل ہوا۔ روایت ہے کہ آپ کا نام برۃ تھا۔ جس کے معنی آزاد ہیں۔ مسلمان چونکہ اللہ تعالے کے محکوم ہیں۔ تو حضور پاکؑ نے یہ نام تبدیل کر دیا۔ اور آپؑ جویریہؓ کے عظیم نام سے مشہور ہیں۔

ازواج مطہرات جناب خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد دو جہانوں کے سردار کے ساتھ نکاح کا شرف جناب سودہؓ کو نصیب ہوا، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ شرف جناب عائشہؓ صدیقہؓ کو نصیب ہوا۔ بعد میں جناب خنیسؓ بن خذافہ کی وفات کے بعد جناب حفصہؓ بنت جناب فاروقؓ کو بھی یہ سعادت نصیب ہو گئی اور اسی زمانے میں حضور پاکؑ کی پھوپھی زاد جناب زینبؓ بن جحش کو بھی یہ مرتبہ مل گیا۔ جناب ام سلمہؓ کی سعادت کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جناب عائشہ صدیقہؓ کو حضور پاکؑ کی پیاری زوجہ محترمہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی ازواج مطہرات میں صرف آپ ہی کنواری یا بکر تھیں۔ اور جناب ابو بکرؓ کو یہ پیارا نام آپ ہی کی وجہ سے ملا۔ یار غارؓ کیلئے ایسے شرف کی ضرورت بھی تھی اور پھر حضرت عمرؓ کی فاروقیت کی خصوصیت کی وجہ سے ایسا شرف حاصل ہو گیا۔

جب جناب حفصہؓ کے خاوند جناب خنیسؓ کی وفات ہوئی تو اس سے تھوڑا پہلے حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ اور دختر رسول جناب رقیہؓ کا انتقال ہوا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی جناب حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دینے کی پیش کش کی۔ تو جناب عثمانؓ خاموش رہے، جس سے حضرت عمرؓ کو رنج ہوا اور ایک طرح سے حضور پاکؐ کے سامنے شکایت کی۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا "اے ابن خطاب! تیری بیٹی کو اللہ تعالی جناب عثمانؓ سے بہتر خاوند نصیب کرے گا۔ اور جناب عثمانؓ کو تیری بیٹی سے بہتر بیوی" سبحان اللہ۔ آقاؐ نے جو فرمادیا۔ وہ ہو گیا اور جناب حفصہؓ کی قسمت کھل گئی۔ حضرت عمرؓ اپنی بیٹی کو اکثر جھڑکتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ خبردار! کہ وہ حضور پاکؐ کی باقی ازواج مطہرات کے ساتھ کوئی رقابت کرے۔ نہ اس کی وہ شخصیت ہے، نہ وہ دیدہ زیب، نہ وہ خوبصورتی اور نہ وہ حسن جمال جو اللہ تعالی نے جناب ام سلمہؓ، جناب عائشہؓ، اور جناب زینبؓ کو عطا فرمایا۔ اور بے شک حضور پاکؐ کی پھوپھی زاد جناب زینبؓ بن جحش کو وہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ان کا نکاح حضور پاکؐ سے عرش پر ہوا۔ اس سلسلہ میں پیش لفظ میں واقدی کے خلاف کچھ علماء کی ناراضگی کا ذکر کیا تھا، تو ساتھ ہی داتا گنج بخش کے الفاظ سے واقدی کی بربیت کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ مورخین نے اس سلسلہ میں عجیب وغریب تبصرے بھی کئے ہیں کسی نے لکھا کہ جناب زینبؓ، جناب زیدؓ کو پسند نہ کرتی تھیں تو انہوں نے تنگ آکر طلاق دے دی۔ تو جناب زینبؓ کی دلجوئی مقصود تھی۔ تو حضور پاکؐ نے خود ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ سب باتیں سر آنکھوں پر یہود دی سمیت کچھ لوگوں نے بات تبنگڑ بھی بنایا ہے یہ عاجز اس سب کو اللہ تعالی کی عطا سمجھتا ہے کہ ہماری یہ امہات بڑی اور بہت بڑی عظیم تھیں کہ اللہ تعالی نے انہیں اپنے حبیبؐ کی زوجیت کا شرف بخش عطا کر دیا۔ لیکن جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ کے گھرانے یا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے یا پانچ تن پاک کی باتوں کیلئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ کہ آپ اہل بیت یعنی رسول پاکؐ کے گھر سے تعلق رکھتے ہیں اور امت محمدیؐ کے وارث ہیں۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور آنکھیں تب کھولیں۔ جب حضور پاکؐ وہاں پہنچے۔ آپ علم کے شہر کے دروازہ ہیں۔ اور اسلام کا مکمل علم صرف اسی دروازہ سے شہر کے اندر داخل ہو کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی اپنی شان ہے۔ اور ہمارے آقاؐ کی اولاد اسی گھرانے سے آگے چلی۔ ان کی اولاد اور سادات ہمارے بادشاہ ہیں۔ تب ہی ہم ان کو شاہ جی۔ یا سید یعنی سردار کے نام سے جانتے ہیں۔ یہاں بہت زیادہ عاجزی کی ضرورت ہے۔ اور اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ کسی اور کتاب کا حصہ بنایا جائے گا کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے وقت اسی گھرانے والے اہل بیت تھے۔

حضور پاکؐ کی پیاری بیٹیاں

حضور پاکؐ نے بشری تقاضوں کے تحت اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی دینی اور دنیاوی دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کیں۔ حضور پاکؐ کی بیٹی جناب رقیہؓ کی وفات کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے بعد حضورؐ پاک نے اپنی بیٹی جناب ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دے دیا۔ اور آپ ذوالنورین بن گئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی پیاری بیٹی اور امت کی عورتوں کی سردار جناب فاطمۃ الزہراؓ کو جنگوں کے دولہا جناب علی المرتضیٰؓ کی زوجیت میں دے دیا۔ یہ سب بشری تقاضے ہیں۔ کہ حضور پاکؐ نے ہر پہلو میں عملی زندگی کی ایک مثال قائم کی۔ تو آپؐ کے ازدواجی رشتے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ روایت

ہے کہ آپؐ نے جناب ام کلثومؓ کی وفات کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آج ان کے گھر کوئی اور بیٹی ہوتی تو وہ ضرور برضرور اس کو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دیتے۔

مہم پر تبصرہ اسلام اب پھیل رہا تھا اور اس کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس سفر کو جنگی مشق بھی کہہ سکتے ہیں۔ جہاں حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو لمبا عرصہ پیدل چلا کر ان کی بدنی قوت میں اضافہ کیا اور مزاجوں کو ٹھنڈا کیا۔ یاد رکھیں کہ وہ لوگ جو ملک میں فتنہ و فساد پھیلاتے رہتے ہیں اور معمولی بات پر اپنی موٹروں اور عمارتوں کو آگ لگاتے ہیں ان کو راہ راست پر لانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان میں فوجی ربط و ضبط پیدا کیا جائے اور بدنی طور پر ان لوگوں کو کام کی عادت ہو۔ اس لیے ہمارے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم کے ساتھ ہمارے بچوں کو سخت جان اور ربط و ضبط کا پابند بنانا بہت ضروری ہے۔ لیکن ایسا کون کرے گا۔ یہاں بنیاد ہی غلط پڑ رہی ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لاالٰہ الا اللہ (اقبالؒ)

۱۴۔ فدک پر چھاپہ (شعبان چھ ہجری) یہ اسلام کی چوالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ حضور پاکؐ کو خبر ملی کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر فدک کے نزدیک یہودیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کے لیے ایک لشکر جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بنو سعد کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جنہوں نے چھاپہ مار کر ان کو منتشر کر دیا اور متعدد اونٹ اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر مدینہ منورہ لائے۔ دراصل خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جنگ خندق کے وقت کی شرپسندی اور اسلام دشمنی کے سلسلہ میں سبق سکھلانے کا وقت آنے والا تھا۔ تو یہ کارروائیاں اس سلسلے کی تیاریاں بھی تھیں۔ جن کو آجکل کے زمانے میں "Recce in Force" طاقت کے ساتھ دیکھ بھال یا کمانڈو کے حملے بھی کہتے ہیں۔

۱۵۔ وادی القریٰ کی دوسری مہم (شعبان چھ ہجری) یہ اسلام کی پینتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارث جب ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے اور بہت سارا سامان آپ کے پاس تھا تو وادی القریٰ میں قبیلہ فزارہ کی رہزن و غارت پیشہ جماعت بنی بدر نے تمام سامان لوٹ لیا اور حضرت زیدؓ بڑی مشکل سے مدینہ منورہ پہنچے۔ پیچھے پیراگراف نمبر ۱۱ میں وادی القریٰ کی پہلی مہم کا ذکر ہے کہ حربی مظاہرہ تھا، اس روایت کے لحاظ سے وہ تجارتی قافلہ تھا۔ تو دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔ کہ تجارتی قافلوں کو بھی حفاظت مہیا کی جاتی تھی۔ چنانچہ بدلہ لینے کیلئے حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ سے ایک لشکر اس علاقے میں بھیجا جس نے سارے علاقے کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں دشمن کو کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ بلکہ اس قبیلہ کی مشہور بوڑھی عورت ام قرفہ جو مردوں کے دوش بدوش لڑتی تھی وہ بھی قتل ہوئی اور اس کی بیٹی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ متعدد اور لوگ قیدی ہوئے۔ اپنا سامان مسلمانوں نے واپس لے لیا اور بنو فزارہ کا فساد دھیما پڑ گیا۔ بعض مورخین نے اس مہم کو سریہ ام قرفہ کا نام دیا ہے۔ ابن اسحٰق نے سارے واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے اور ان کے حساب سے دوبارہ بھی لشکر کی کمانڈ حضرت زیدؓ بن حارث کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن "رحمتہ للعلمین" کے مؤلف کا تجزیہ ہے کہ چونکہ جناب صدیق اکبرؓ بھی ساتھ

تھے اس لیے کمانڈر بھی وہی تھے۔ "حضور پاکؐ کے سپہ سالاروں" کے مصنف راجہ محمد اشرف بھی ایسا کہتے ہیں۔ ویسے جناب زیدؓ شاید زخموں سے پورے ٹھیک بھی نہ ہوئے ہوں۔ ان سب جائزوں کی بنیاد البتہ ابن سعد کے بیان پر ہے جو کہتے ہیں "جناب زیدؓ نے رہبری کی لیکن سالار لشکر جناب صدیق اکبرؓ ہی تھے" ام قرفہ کی بیٹی جو قید ہو کر آئی، وہ حضرت عائشہؓ کو کنیز کے طور پر ملی۔ جنہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ اس کا نام سلمیٰ تھا۔ یہ بد قسمت عورت اپنی ماں کی طرح جنگ کی بڑی شوقین تھی۔ اور جناب صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں مرتدین کے ایک لشکر کی کمانڈ کرتے ہوئے بزوخا اور اوجاپہاڑے کے علاقوں میں ایک جنگ میں ماری گئی۔ تفصیل اس عاجز کی کتاب خلفاء راشدین حصہ اول میں ہے۔

۱۶۔ **خیبر پر پہلا چھاپہ (شوال چھ ہجری)** یہ اسلام کی چھیالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ حضور پاکؐ کو خبر ملی، کہ خیبر کے یہودی بنی غطفان کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضور پاکؐ نے تحقیق کے لیے جناب عبداللہؓ بن رواحہ کو تیس سواروں کے ساتھ خیبر بھیجا، وہاں یہودیوں کے رئیس اسیر بن رزام کے ساتھ بات چیت ہوئی اور یہودیوں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ اس پر فیصلہ ہوا کہ اسیر مدینہ منورہ چل کر حضور پاکؐ کے سامنے وعدہ کرے کہ وہ کوئی شرارت نہ کریں گے۔ اسیر راضی ہو گیا اور تیس آدمی اپنے ہمراہ لے کر وہ مسلمانوں کے ساتھ چل پڑا۔ راستہ میں اس کی نیت خراب ہو گئی اور اپنے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کوئی اشارہ کیا۔ مسلمان چوکنے تھے انہوں نے اسیر اور اس کے متعدد ساتھیوں کو قتل کر دیا اور خود خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مہم کا مقصد حاصل ہو گیا۔ حربی مظاہرہ بھی ہو گیا۔ اور کچھ شرپسند بھی مارے گئے۔

۱۷۔ **خیبر پر دوسرا چھاپہ (چھ ہجری)** یہ اسلام کی سینتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے پہلا چھاپہ کون تھا۔ ابن اسحٰق اوپر والے چھاپے کو کتاب کے آخر میں دی ہوئی مہمات میں بیان کرتا ہے اور تاریخ نہیں لکھتا، وہ ابن سعد کے حوالے سے دی گئی ہے۔ اس واقعہ کو ابن اسحٰق بنو قریظہ کے قلع قمع اور بنو لحیان کی سرکوبی کے درمیانی عرصہ میں ذکر کرتا ہے لیکن مہینہ نہیں بتاتا۔ بہر حال دونوں چھاپے محرم چھ ہجری اور شوال چھ ہجری کے درمیان واقع ہوئے اور جو اوپر چھاپہ بیان کیا گیا ہے اس کی کہانی میں ابن اسحٰق یہ ذکر بھی کر دیتا ہے کہ جناب عبداللہؓ بن رواحہ نے خیبر پر دو چھاپے مارے۔ اب بعد کے مورخین نے اس لیے یہ لکھ دیا کہ اختلاف ہے کہ کمانڈر عبداللہؓ بن عتیق تھے۔ یا عبداللہؓ بن رواحہؓ حالانکہ ابن اسحٰق نے اس واقعہ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ کمانڈر جناب عبداللہؓ بن عتیق تھے اور پوری کہانی لکھی کہ بنو خزرج، حضور پاکؐ کو خوش کرنا چاہتے تھے جس طرح بنی اوس نے کعب بن اشرف کو قتل کر کے حضور پاکؐ کو خوش کیا۔ یہ عاجز البتہ اس پر اکتفا کرے گا کہ انہی دنوں مسلمانوں نے خیبر پر دوسرا چھاپہ مارا جس میں ایک اور اسلام دشمن یہودی ابو رفیع بن الحقائق کو قتل کر دیا گیا۔ اس کا اصل نام سلام تھا۔ بہر حال خیبر پر یہ چھاپے ایک مقصد کے تحت مارے جا رہے تھے کہ بنو نضیر کو ان کے کئے کی سزا دینی تھی جس کا ذکر اگلے باب میں آتا ہے۔ کہ اب دیکھ بھال طاقت کے ساتھ ہو رہی تھی۔

۱۸۔ **کرزؓ بن جابر کی مہم (شوال چھ ہجری)** یہ اسلام کی اٹھتالیسویں فوجی کارروائی ہے۔ قبیلہ قیس کے کسی چھوٹے قبیلہ

عرنیہ کے کچھ لوگ جو بجیلہ کے رہنے والے تھے، حضور پاکؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ وہ بیمار بھی تھے کہ ان کی تلی بڑھی ہوئی تھی۔ حضور پاکؑ نے ان کو چراگاہ بھیج دیا کہ آپؑ کی اونٹنیوں کا دودھ پیئیں۔ بلکہ یہ روایت بھی ہے کہ حکم دیا کہ اونٹنیوں کا پیشاب بھی استعمال کریں۔ اس سلسلہ میں چند سال ہوئے۔ ہماری اخباروں میں بحث ہو چکی ہے کہ پیشاب پینے کا حکم تھا یا پیشاب بدن پر لگانے کا حکم تھا۔ پرانی تاریخوں میں صاف لکھا ہے کہ پینے کا حکم تھا۔ اور یہ بالکل ممکن ہے کہ اس مرض کا علاج اونٹنیوں کے پیشاب کے پینے میں تھا۔ بہرحال یہ لوگ جلد ٹھیک ہو گئے اور کچھ دن بعد حضور پاکؑ کے چرواہے یاسرؓ کو شہید کر کے اور اونٹ بھگا کر لے جا رہے تھے کہ حضور پاکؑ کو خبر ہو گئی تو آپؑ نے کرزؓ بن جابر کو بیس سواروں کے ساتھ ان کو پکڑنے کے لیے روانہ کیا۔ جناب کرزؓ بن جابر ایک مشہور شاہسوار تھے اور ان کو پکڑ لائے اور اونٹ بھی واپس لے آئے۔ آپ کو اس سلسلہ میں لمبا تعاقب کرنا پڑا اور لڑائی بھی۔ آپ دو ہجری میں مسلمان ہوئے تھے کہ اسلام لانے سے پہلے آپ نے مدینہ منورہ پر ایک چھاپہ مارنے کی کوشش کی جس میں بری طرح ناکام ہوئے اور مسلمانوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ چند ماہ بعد اسلام لے آئے۔ آپ کے پہلے چھاپہ کا ذکر نویں باب میں ہے۔ آپ فتح مکہ والے روز شہید ہوئے۔ اس واقعہ کو عدنین کی مہم بھی کہتے ہیں۔ بجیلہ قبیلہ بھی ہے، جن کے وفد کا ذکر بائیسویں باب میں ہے جنہوں نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ خاص کر عظیم صحابی جناب جریرؓ بن عبداللہ بجیلہ، اسلام کا ایک درخشاں ستارہ ہیں۔

19 ذات الرجیع کے شہداء کا بدلہ (چھ ہجری) یہ اسلام کی انچاسویں فوجی کارروائی ہے اس واقعہ کے صحیح مہینے کے بارے میں پرانے مورخین بھی خاموش ہیں۔ سوائے اس کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ صلح حدیبیہ سے پہلے چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ جس قبیلہ نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے عظیم صحابہ کو ذات الرجیع کے مقام پر شہید کیا، ان کی مزاج پرسی تو مسلمانوں نے بعد میں بہت دفعہ کی لیکن قریش کی دو صحابہ کو خرید کر پھانسی لگانے والی بات پر حضورؑ پاک خاموش نہ رہ سکے اور آپؑ نے حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ یہ کہانی ابن ہشام نے لکھی ہے اور حضرت عمروؓ نے اپنے ساتھ ایک انصار صحابی کو بھی لیا۔ آپ کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ آپ کمانڈو کی کارروائیوں کے ماہر تھے اور پکڑائی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں آپ کا ہدف ابو سفیان یا کوئی اور مکہ کا سردار تھا۔ لیکن اہل مکہ نے آپ کو پہچان لیا اور کئی دن آپ کو تلاش کرتے رہے، اور اہل مکہ کی نیندیں آپ نے حرام کر دیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت حبیبؓ کی پھانسی سے پہلے قریش نے بات پھیلا دی تھی اور حضرت عمروؓ بن امیہ، حضرت حبیبؓ کی پھانسی سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے اور حضرت حبیبؓ کو اٹھا کر قید سے نکال بھی لیا لیکن ان کے پاؤں والی بیڑیاں نہ کاٹ سکے اور قریش کو پتا چل گیا تو ان کو چھوڑ کر آپ بھاگ نکلے بہرحال آپ نے ایک قریش رئیس عثمان بن مالک کو قتل کیا اور کئی اور کافروں پر بھی وار کیے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضور پاکؑ آپ سے بڑے خوش ہوئے۔ آپ اسی طرح اکیلے ایک دفعہ ایک اہم مشن پر حبشہ بھی تشریف لے گئے تھے۔

فلسفہ الصلوۃ بنو قریظہ کے سلسلہ میں یہ بھی روایت ہے کہ جناب جبرئیلؑ نے بھی آکر حضور پاکؑ کو بتایا کہ جنگ ختم نہ

ہوئی تھی اور وہ اس وقت تک ہتھیار بند تھے ۔ بہر حال اس عاجز کا وعدہ اس مہم سے فلسفہ الصلوۃ کے عملی پہلو کا جائزہ تھا ۔ اول تو صلوۃ کے معنی وسیع ہیں اور وہ لفظ " نماز " میں بند نہیں کئے جا سکتے دوم ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن جو حکم قرآن پاک میں صلوۃ کے قائم کرنے کا ہے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے ۔ صلوۃ قائم تب ہو گی کہ یہ ہمارے بیچ وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرے اور ہم اللہ کی فوج بن جائیں ۔ لیکن ہماری حالت پر حکیم الامت پہلے ہی تبصرہ کر گئے :۔

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال　　　　تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیغام

بہر حال حضور پاک ؑ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ جلدی سے بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچو اور عصر کی نماز وہاں ادا کرنا ۔ اب راستے میں سورج غروب ہونے لگا، تو کچھ صحابہ کرام ؓ نے راستہ میں نماز ادا کر دی ۔ اور کچھ نے کہا کہ سورج کو غروب ہونے دو " ہم نماز جا کر بنو قریظہ کے علاقے میں پڑھیں گے کہ ہمارے آقا کا حکم ایسا ہے " بعد میں حضور پاک ؑ سے پوچھا گیا کہ کون ٹھیک تھا تو آپ ؐ نے فرمایا " دونوں ٹھیک تھے کہ دونوں گروہوں کی نیت ٹھیک تھی (الاعمال بالنیات) البتہ بہتر تھا مشورہ کر کے ایک رائے پر عمل کرتے " اب یہ بھی ہوا کہ ایک دفعہ حضور پاک ؑ اور لشکری سوئے رہے کہ سورج نکل آیا ۔ تو اس کے بعد سب نے فجر کی نماز پڑھی ۔ اس عاجز نے خلفاء راشدین کی کتاب سوم میں فلسفہ صلوۃ پر بھرپور تبصرہ کیا ہے کہ جناب ابو ذر غفاری ؓ کو مکہ مکرمہ میں بتایا گیا کہ حضرت عثمان ؓ نے وہاں نماز قصر نہ پڑھی تو آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضرت عثمان ؓ کو ٹوکنا تھا ۔ لیکن جب خود نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو نماز قصر نہ پڑھی تو لوگ حیران ہوئے اور وجہ پوچھی تو فرمایا " اب خلیفہ وقت جو ایسا کر گیا ہے، تو قوم میں وحدت کیلئے ان کی پیروی ضروری ہے " ۔ قارئین ! یہ ہے عملی اسلام ۔ ہاتھ کہاں باندھیں، یا نہ باندھیں، قرات مقتدی بھی پڑھیں یا نہ پڑھیں، رفع یدین کریں یا نہ کریں ۔ یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں ۔ نماز یا صلوہ جہاد کی تیاری ہے اور اس دنیا کے ہم وارث ہیں لیکن ہمیں بے یقینی نے کہیں کا نہ چھوڑا :۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے　　　　یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے　(اقبال ؒ)

خلاصہ اور اسباق　۱ ۔ حضور پاک ؑ نے از خود بنو قریظہ، بنو لحیان اور بنو مصطلیق کے مہمات اور عینیہ کے تعاقب میں حصہ لیا اس عرصہ میں حضور پاک ؑ اپنے رفقا ؓ کو ایک طرف تمام علاقوں پر چھا جانے کی کارروائی کیلئے بھیج رہے تھے ۔ تو دوسری طرف یہ کارروائیاں تربیتی جنگی مشقیں تھیں کہ ان مشقوں میں حصہ لینے والوں نے آگے جا کر دنیا فتح کرنی تھی ۔

۲ ۔ کمانڈ یا فوجی دستہ کی سرداری ایک ایسا ہنر ہے جو صرف عمل سے سیکھا جا سکتا ہے ۔ اور ہر سطح پر مسلمان امراء یہ ہنر عمل کے ذریعہ سے سیکھ رہے تھے ۔ علاوہ ازیں اسلام غیرت مند لوگوں کا دین ہے ۔ اور غیر تمندی کیلئے سپاہیانہ اوصاف کی سخت ضرورت ہوتی ہے ۔ کہ مشہور کہاوت ہے ۔ " کہ دلداری کیا کرے جو جانداری نہ ہو "

۳ ۔ یہ جانداری مشق اور تربیت سے پیدا ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں حضور ؐ پاک چھ ہجری کے آخری مہینوں میں اپنی حکمت عملی تبدیل فرما رہے تھے ۔ جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا ۔ کہ دشمنوں کو جا کر ان کے گھروں میں ختم کر دیا، یا " محدود " کر دیا ۔ لیکن

دشمن اگر زیادہ ہوں تو ہر ایک کے ساتھ باری باری نپٹا جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ، ان میں سے "ایک"، "دوسرے" کی مدد کیلئے نہ آسکے۔ ایسی تجویز کیلئے، حضور پاکؐ نے اپنے مجاہدین کو پورا سال اس طرح متحرک رکھا کہ دشمن پر آپؐ کے ارادے واضح ہی نہ ہو سکے۔ اور ذی قعد چھ ہجری میں اس طرح بڑھتے بڑھتے آپ مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچ گئے، تو کسی دشمن کو یہ سمجھ نہ آسکی کہ کیا ہونے والا ہے۔

۴۔ حضور پاکؐ کی ہر کارروائی میں ہمارے لیے سبق ہی سبق ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ حضور پاکؐ نے ہر کارروائی کسی مقصد کے تحت کی۔ اور پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ مقاصد فوری بھی تھے اور دور رس بھی۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ ہمارے سامنے "فلاحی مملکت کی زبانی جمع و تفریق" کے بغیر اور کوئی مقصد بھی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہم حضور پاکؐ کی باتوں کو "قدیم" کہہ کر خود "جدید" کے چکر میں ہیں (نعوذ باللہ)

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک ‏ ‏ ‏ دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم (اقبالؒ)

۵۔ مدینہ منورہ شر سے پاک ہو گیا۔ اور یہودیوں کا آخری اور تیسرا قبیلہ بنو قریظہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اب مسلمان مدینہ منورہ کے معاملات میں کافی بے فکر ہو گئے۔ اور شاہین کی طرح جہاں چاہتے جھپٹ سکتے تھے۔ کہ وہ اب روحانی اور بدنی دونوں طرح سے پختہ ہو چکے تھے:۔

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر گرتا نہیں ‏ ‏ ‏ پر دم ہو اگر تو نہیں خطرہ افتاد (اقبالؒ)

اس باب میں ازدواج مطہرات کی شان کا سرسری ذکر ہے۔ اس رشتہ میں پاکیزگی کی تفصیل کتاب ''البیان فی تفہیم القرآن'' میں ہے۔ جہاں مودودی کی خرافات کو رد کیا گیا ہے۔

سولھواں باب

حق کی متحرکانہ کارروائیاں

صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر

چولی دامن کا ساتھ جنگ خندق آخری اور فیصلہ کن مدافعانہ جنگ تھی، جس کے جارحانہ اور متحرکانہ پہلو کی بھی چودھویں باب میں وضاحت کر دی تھی۔ پچھلے باب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حق اب مکمل طور پر حرکت میں تھا۔ اس کے بعد جو عظیم واقعات رونما ہوئے ان دونوں کو اکٹھا کرنا کچھ لوگوں کو عجیب لگے گا لیکن ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ حضور پاک ؐ کی جنگی حکمت عملی کی عظیم مثالیں ہیں کہ کس طرح دو دشمنوں کو الگ الگ کارروائیوں سے بالکل نکما یا ناکارہ کر دیا ان میں ایک صلح حدیبیہ ہے اور دوسری جنگ خیبر۔ صلح حدیبیہ کو خود اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فتح مبین کا نام دیا ہے اور فتح ہمیشہ جنگ کے بعد ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ جنگ شدید ہو۔ جنگ کیلئے طرفین کا ایک دوسرے کے سامنے ہو جانا بھی آدھی جنگ ہی ہوتی ہے اور ویسے بھی ہمارے حضور پاک ؐ کے مطابق جنگ جہاد اصغر ہے اور جنگ کی تیاری جہاد اکبر ہے۔ دوسری کاروائی جنگ خیبر ہے، جو اسلام کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب باری باری ان کارروائیوں کی تفصیل آتی ہے۔

حدیبیہ کے معاملات (ذی قعد چھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کاروائی نمبر شمار پچاس ہے۔ حدیبیہ کے معاملات بہت تجزیہ طلب ہیں۔ مورخین نے اکثر یہ لکھا ہے کہ حضور پاک ؐ اور ان کے اصحاب ایک مذہبی فریضہ ادا کرنا چاہتے تھے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک جنگی مہم تھی جس کے نتیجہ کو اللہ تعالی نے خود قرآن پاک میں فتح مبین کے نام سے یاد کیا ہے تو لوگ تذبذب میں پڑ جائیں گے اور یک لخت بول اٹھیں گے، کہ باقی دنیا کیا کہے گی کہ مسلمان بڑے جارح تھے۔ یہ ہماری زندگی کا ایک افسوس ناک پہلو ہے، کہ ہم حق کو حق کہنے سے گھبراتے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بات سیدھی ہے کہ اللہ اور اس کے حبیب ؐ کیا فرماتے ہیں اور امام بخاری نے بھی اس کو جنگ حدیبیہ لکھا۔ اب پتہ نہیں لوگ جنگ کے نام سے کیوں گھبراتے ہیں۔

البتہ ایک پہلو کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ حضور پاک ؐ کی شان اور ان کی عملی کارروائیوں کو سمجھنا یا ان کی گہرائیوں میں جانا بڑی مشکل بات ہے۔ اس زمانے میں جب آپ ؐ نے حج کے ارادے کے لئے مسلمانوں کو اکٹھا کیا، تو صحابہ آمنا و صدقنا کے تحت اور حج کے شوق سے حضور پاک ؐ کے لشکر میں ضرور شریک ہو گئے، لیکن سب لوگ مقصد تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ جب معاہدہ کر کے بغیر حج کے آپ واپس مڑے، تو کئی لوگوں کو بڑا عجیب لگا، کہ حضور پاک ؐ ایسے واپس کیوں جا رہے ہیں۔ یہی حالت ہماری ہے کہ ہم بھی ان معاملات کے سلسلہ میں گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ گو چودہ سو سال بعد اب ہمارے اوپر یہ تو ضرور واضح ہو جانا

چاہیے تھا کہ حدیبیہ ایک جنگی مہم تھی اور اسلام کے سب سے بڑے اصول وحدت فکر اور وحدت عمل کی بنیاد تھی۔ چلو مان لیتے ہیں کہ حج ایک مذہبی فریضہ ہے۔ حضور پاکؐ اور باقی مسلمان یہ فریضہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے، کہ مسلمانوں کی عبادات میں دراصل مقصد جہاد کی تیاری ہی ہوتی ہے۔ اگر ہم فوجیوں میں سے کوئی یہ بات کہے تو لوگ کہیں گے کہ ان فوجیوں کو ساون کے اندھے کی طرح ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے اور ان کو ہر چیز میں جہاد اور جنگ نظر آتے ہیں تو سولین صاحبان سے گزارش ہے کہ یہ نکتہ وہ خود بھی سمجھیں اور قوم کو بھی سمجھائیں کہ ہماری سب عبادات دراصل ہمیں فوجی تیاری میں مدد دیتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کلام سے جو بار بار استفادہ کیا جا رہا ہے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے، کہ ہمارے دانشور اس پہلو کو سمجھیں۔ پچھلے باب میں واضح کر دیا گیا تھا، کہ لفظ نماز، الصلوۃ کے صحیح مفہوم کی وضاحت نہیں کرتا۔ الصلوۃ قائم کرنے کا حکم ہے جو ہماری بدنی اور روحانی صلاحیتوں کو یکجا کرتی ہے۔ صف بندی، اخوت، مساوات، باقاعدگی، اطاعت امیر اور قومی اجتماعی زندگی کے اسباق نماز میں عملی طور پر اپنانے پڑتے ہیں اور یہی چیز جہاد کی تیاری اور اس کی اولین ضرورت ہے۔ یعنی جہاد بالنفس کی بنیاد ہے فوجی ڈرل نماز کی ایک بھونڈی نقل ہے، جو جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک نے مسلمانوں کے فلسفہ نماز کے مطالعہ کے بعد اپنائی۔ اس لیے نماز کے سارے فوجی پہلوؤں کی وضاحت کے لیے کئی مضمونوں کی ضرورت ہے اور باقی ارکان بھی اپنے مزاج میں فوجی ہیں علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک کتاب میں نماز کے اس پہلو کہ وضاحت کی ہے کہ کس طرح نماز سے روحانی، بدنی وحدت کے تحت اجتماعیت پیدا کی جاتی ہے۔

حج کی فوقیت حج کو ایک لحاظ سے باقی اسلامی ارکان پر فوقیت ہے۔ کہ تمام ارکان کے اثرات اور عملی پہلوؤں کا سال میں اجتماعی طور پر اللہ کے گھر میں ایک مظاہرہ ہوتا ہے جو نظریاتی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ پوری قوم کی وحدت فکر اور وحدت عمل کا یہ مظاہرہ اسلام کی حکمت عملی یا فوجی حکمت عملی میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اگر قریش مکہ مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت دے دیتے، تو ایک لحاظ سے وہ بغیر لڑے مسلمانوں کے سامنے اسی سال ہتھیار ڈال چکے ہوتے۔ حضور پاکؐ یہ سب کچھ جانتے تھے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے قریش کی طرف کوئی نمائندہ نہ بھیجا، کہ حج کے لیے اجازت چاہیے اور نہ ہی اطلاع کے طور پر خبر بھیجی، کہ ہم حج پر آ رہے ہیں۔ باقی قبائل بھی بغیر پوچھے حج پر آتے تھے اور ہمارے آقا اس رواج سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

قریش کے نقطہ نظر کا جائزہ اب مکہ مکرمہ پر قریش کا قبضہ ہے اور حضور پاکؐ پچھلے چھ سالوں میں قریش کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں بلکہ دوسرے کئی عرب قبائل کے ساتھ بھی حالت جنگ میں ہیں۔ مانا کہ عرب کے رواج کے مطابق، کچھ مہینوں میں خاص کر حج کے مہینے میں جنگ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن قریش یہ کیسے برداشت کرتے کہ جن لوگوں کو وہ مکہ مکرمہ میں اس لیے نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ان کے طریقہ زندگی، عقائد اور طریقہ عبادات سے ان کو اختلاف تھا اور ان کے ساتھ وہ تین بڑی جنگیں بھی لڑ چکے تھے اور چھوٹی چھوٹی جھڑپیں تو بہت ہوئی تھیں۔ اس لیے ہم لاکھ کہیں کہ مسلمان ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے، قریش کے لیے یہ ایک شکست تھی اور مسلمانوں کی یہ ایک جنگی مہم تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ اگر یہ ایک جنگی مہم تھی تو حضور پاکؐ نے اس کو جنگی مہم کا نام کیوں نہ دیا۔ تو جواب آسان ہے۔ ان مہینوں میں مکہ مکرمہ میں جنگ تو ویسے بھی نہ ہوتی تھی اور آپؐ اتنی طاقت سے نہیں جا رہے تھے کہ اگر قریش اجازت نہ دیں تو آپؐ زبردستی حج کرنے کی کوشش کریں گے تو آپؐ خواہ مخواہ کیوں اعلان جنگ کرتے۔ جنگی مہم کی کارروائی کے معاملہ کو رازداری میں بھی رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ پاک کا فرمان ہے کہ لڑائی دھوکا ہے۔ آپؐ ہر قسم کی چالیں چلتے ہیں۔ دشمن سے اپنے ارادے چھپاتے ہیں۔ حیران کن کارروائیاں کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت چودھویں باب میں ہو چکی ہے۔ بہرحال یہ کوئی کبڈی کا میچ تو ہوتا نہیں، کہ کسی قانون کے تحت کام کیا جائے اور کوئی ثالث یا ریفری وغیرہ بھی ہو۔ اور پھر حضور پاکؐ کا مقصد کوئی حملہ کرنا تو تھا بھی نہیں۔ حج کا ارادہ تھا اگر پورا ہو جاتا ہے تو اچھا۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں اور مدینہ منورہ کے گردونواح کے قبائل کو اس سال ذی قعد میں حج پر اپنے ساتھ جانے کی دعوت دے دی۔

مکہ مکرمہ کی طرف کوچ عرب کے رواج کے مطابق ان چار ماہ میں جنگ نہیں کی جاتی تھی اور حضور پاکؐ بھی یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ پر دھاوا کرنے والے ہیں۔ اس لیے انہوں نے عام حج کی تیاری کی، عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لیے، جو تعداد میں ستر تھے۔ جن میں ایک اونٹ ابو جہل کا تھا، جو مسلمانوں کو جنگ بدر میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا۔ بہرحال آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی آدمی ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے اور وہ بھی نیام میں بند ہو۔ کوئی چودہ سو کے قریب مجاہدین کو آپؐ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ منورہ میں نیابت کی سعادت آپؐ نے ابن ام مکتومؓ کو سونپی۔ آپؐ کے اس انوکھے طریق کار نے قریش کو ضرور تذبذب میں ڈال دیا ہو گا اور اپنے اتحادیوں میں سے یہودیوں کو تو کسی امداد کے لئے بلا نہیں سکتے تھے کہ حج کے معاملات میں وہ کسی غیر کی مداخلت کو پسند نہ کرتے۔ باقی عرب قبائل گو عقائد مختلف رکھتے تھے لیکن حج کے لیے سب لوگ سنت ابراہیمی کے طور پر قائل تھے ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملانا مشکل تھا، کہ قریش کو اگر یہ اختیار مل جاتا کہ وہ لوگوں کو حج سے روک سکتے ہیں تو کل کسی اور قبیلہ کو بھی روک سکتے تھے۔ ہمارے تاریخ دان ان سب پہلوؤں پر خاموش ہیں، ورنہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش خود اس معاملہ میں ایک رائے نہ رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ حجاج کے مکہ مکرمہ آنے پر ہی لوگوں کو تجارت اور خرید فروحت سے اتنا مل جاتا تھا، کہ وہ ایک سال گزارہ کر سکیں۔ کچھ لوگوں کو حج سے روکنے کے لیے ایک خراب رسم پڑ رہی تھی۔ اس کا ثبوت یہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ چودہ سو مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کوئی بہت بڑی جمعیت اکٹھی نہ کر سکے اور امید واثق ہے کہ حضور پاکؐ ان سب حالات کا تجزیہ کئے ہوئے ہوں گے۔

ایک فوجی کامیابی ادھر مسلمانوں کا ایک گروہ کی صورت میں مکہ مکرمہ کے گردونواح میں پہنچ جانا ہی ایک بہت بڑی فوجی کامیابی تھی، کہ آج سے چھ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ان کے لیے زندگی دوبھر کر دی گئی تھی۔ اور وہ چھپ کر ایک ایک کر کے مکہ مکرمہ سے نکلے اور ایک سال پہلے تک اہل مکہ ان کو مدینہ منورہ میں بھی چین کی زندگی نہیں گزارنے دے رہے تھے۔ اور بار بار

ان کے دروازہ کو کھٹکھٹا چکے تھے ۔ یہ سب پہلو اگر اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں تو پھر حضورؐ پاک کی اس متحرک کارروائی اور فوجی حکمت عملی کی سوجھ بوجھ لگنا شروع ہو جاتی ہے ۔ اور خدا کرے ہم ایسی کارروائیوں سے سبق بھی سیکھیں ۔ چنانچہ ذوالخلیفہ کے مقام پر پہنچ کر حضور پاکؐ اور ان کے لشکر نے قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں ۔ یعنی قربانی کے جو اونٹ ساتھ تھے ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے ۔ مکہ والوں کے ردعمل کی خبر لانے کیلئے قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو مکہ مکرمہ بھیجا ۔ چونکہ ان صاحب کے اسلام کا حال اہل قریش کو معلوم نہ تھا اس لیے یہ صاحب اہل مکہ میں گھل مل کر رہ سکتے تھے ۔

اہل مکہ کا ردعمل پتہ چلا کہ قریش کا ردعمل کافی سخت ہے اور وہ مسلمانوں کو حج کی اجازت نہ دیں گے ۔ اور وہ مکہ مکرمہ سے باہر بلدح کے مقام پر فوجیں اکٹھی کر رہے ہیں ۔ کتنی فوجیں اکٹھی ہوئیں اور کتنا وقت لگا اس سلسلہ میں سب مورخین خاموش ہیں ۔ البتہ دو سو سواروں کا ایک دستہ آگے ضرور بھیجا کہ مسلمانوں کے حالات معلوم کرے ۔ کہتے ہیں اس دستہ کی کمانڈ خالد بن ولید کر رہے تھے ۔ ابن سعد البتہ ایک راوی کی زبان سے عکرمہ بن ابو جہل کو دستے کا سالار بتاتا ہے اور دوسرے راوی کے مطابق خالد کو ۔ بہرحال یہ دستہ قرۃ الغمیم تک پہنچ گیا، جس جگہ کو بعض کتابوں میں "کرہ غمیم" کے الفاظ میں بھی لکھا ہوا پایا گیا ہے ۔ حضور پاکؐ نے ان حالات پر جو تبصرہ کیا وہ لفظ بہ لفظ لکھا جا رہا ہے تاکہ ہمیں انؐ کے مقصد کا پتہ چل سکے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ "افسوس ! جنگ نے اہل قریش کو اندھا کر دیا ہے ۔ ان کو کیا تکلیف ہوتی کہ وہ مجھے اور باقی اہل عرب کو فریضہ حج ادا کرنے دیتے ۔ ان پر ہر وقت یہ خواہش چھائی ہوئی ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں ۔ لیکن انشاء اللہ جب میرا اللہ مجھ کو فتح نصیب کرے گا تو پھر یہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں گے ۔ اب آخر قریش کب تک لڑیں گے ۔ بخدا میں تو اپنا وہ کام جاری رکھوں گا جو میرے اللہ نے مجھے سونپا ہے ۔ جب تک میری جان میں جان ہے اور میں فتحیاب نہ ہو جاؤں" ۔

راستہ کی تبدیلی اس کے بعد حضور پاکؐ نے راستہ تبدیل کر دیا کہ قریش کے رسالہ کے ساتھ مڈبھیڑ نہ ہو جائے ۔ چنانچہ ایک نہایت مشکل پگڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا ۔ جہاں ہر جگہ سخت پتھر تھے ۔ جب مشکل راستہ ختم ہوا تو حضور پاکؐ نے اپنے لشکر کو فرمایا "اب اللہ کے دربار میں عاجزی کرو اور اس کا شکر کرو کہ اب آسانی آ گئی ہے" سب اہل لشکر نے عاجزی کے ساتھ شکرانہ ادا کیا اس کے بعد حضور پاکؐ نے فرمایا "اسی قسم کا ایک "امتحان" بنی اسرائیل پر بھی آیا ۔ لیکن جب آسانی ہوئی تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا" ۔

اس کے بعد آپ دائیں کو مڑے اور اس سڑک پر آ گئے جو درہ مرار اور نمکین زمین سے ہوتی ہوئی مکہ مکرمہ کی ڈھلوان میں حدیبیہ پہنچتی ہے (نقشہ دوازدہم سے استفادہ کریں) ۔ قریش کے رسالہ نے جب یہ دیکھا تو وہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے اور اہل مکہ کو ان حالات سے آگاہ کیا ۔ حضور پاکؐ البتہ آگے بڑھتے گئے ۔ پھر ایک جگہ اونٹ بیٹھ گیا، تو شتربان نے کہا کہ اب نہیں اٹھے گا ۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا ۔ "نہیں، اس بے چارے کی کیا طاقت کہ ایسا کچھ خود کرے ۔ وہ عظیم طاقت جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ سے روکا تھا اس نے اس اونٹ کو بھی آج کے دن آگے جانے سے منع فرمایا ہے ۔ بخدا قریش اب جو مناسب شرط میرے سامنے پیش

کریں گے یا کہیں کہ میں کچھ مہربانی کر کے رعاتیں بھی دوں، تو میں سب کچھ مان لوں گا۔" اس کے بعد حضور پاک نے پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کی "یارسول اللہ کنوئیں پانی سے خالی ہیں"۔ آپؐ نے ایک آدمی کو اپنا تیر دیا کہ کنوئیں کے اندر اتر کر تیر کی نوک کو زمین میں گاڑ دو۔ ایسا کیا گیا تو کنواں پانی سے بھر گیا۔

تبصرہ یہ واقعات تفصیل سے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے ہمارے مورخین نے ان باتوں کو سمجھا نہیں یا کوئی اور وجہ تھی کہ یہ باتیں ہماری تاریخوں سے نکلتی جا رہی ہیں۔ اور ہماری تاریخ میں صلح وصفائی کی چند باتیں لکھ دی جاتی ہیں حالانکہ یہ باتیں ہماری عسکری تاریخ کا عظیم حصہ ہیں، کہ کس طرح پہلے بیان میں حضور پاکؐ نے مصمم ارادہ کا اظہار کیا اور اپنے مقصد کی وضاحت کی۔ کہ انؐ کا اصلی اور دوررس مقصد کیا ہے۔ اور قارئین یہی چیز آپ کو بار بار یاد دلائی جا رہی ہے کہ اپنی تمام کارروائیوں کو اپنے اس مقصد کے تابع کیا جائے۔ لیکن یہ فوری مقصد نہ تھا، اس لئے دشمن کے ساتھ بے وجہ جھڑپ سے کنارہ کیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے گھر میں جنگ وجدل کی راہ نکالنے نہ آئے تھے اور نہ ہی دشمن پر حملہ آور ہونے آئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے مشکل راستہ اختیار کیا اور مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی تیاری میں حدیبیہ میں پڑاؤ کیا۔ اس میں بڑی حکمت تھی، جو نوجوان لوگ دشمن کے ساتھ ہر وقت دو دو ہاتھ کرنے کو تیار رہتے ہیں، ان کو مشکل راستے پر ڈال کر ان کے مزاج کو ٹھنڈا کیا۔ ساتھ جب مشکل راستہ ختم ہوا تو بنی اسرائیل کی مثال دی کہ ہم ان کی طرح نہ ہو جائیں۔ بلکہ ہم "سمعنا واطعنا" ہیں کہ ہر وقت اور خاص کر سختی کے بعد آسانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے شکر کریں

لیکن ایک خاص بات جو ہمارے آقاؐ فرما گئے وہ یہ تھی کہ ابھی اہل حق کے حق کے گھر میں داخل ہونے کا وقت نہ آیا تھا۔ کہ فرمایا "کہ کسی عظیم طاقت نے اس شتر کو آگے جانے سے روک دیا تھا" اور پھر اسی وجہ سے اپنے ارادے کا بھی اظہار کر دیا کہ کچھ معاملات صلح و مشورے سے بھی طے کر لیے جاتے ہیں اور آپؐ کی شرائط بھی کڑی نہ ہوں گی۔ در حقیقت آپؐ کی فوجی طاقت بھی اتنی زیادہ نہ تھی کہ آپؐ کوئی کڑی شرائط عائد کرتے۔ دراصل یہ صلح بھی ایک حکمت عملی تھی، کہ کلاسوٹز کا قول ہے "کہ لڑائی دوسرے طریقوں سے بھی جاری رہتی ہے" وہ بے چارہ اٹھارویں۔ انیسویں صدی میں جا کر اس فلسفہ کو سمجھا۔ لیکن ہمارے آقاؐ تو آج سے چودہ سو سال پہلے ان ضروریات کا عملی مظاہرہ فرما رہے تھے۔ اور قارئین آگے جا کر خود بخود سمجھ جائیں گے، کہ ہمارے آقاؐ نے جنگ کو دوسرے طریقوں سے کیسے جاری فرمایا۔ ان فوجی معاملات میں اور فوجی حکمت عملیوں کو سمجھنے کے لیے فن سپاہ گری کی شد بد اور فوجی ذہن کا ہونا ضروری ہے لیکن پچھلے دو سو سالوں کی غلامی نے ہمارے اذہان کو ماؤف کر دیا ہے اور علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں ہمارے اوپر یوں طنز کرتے ہیں:۔

بہتر ہے کہ بے چارے مموّلوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

صلاح و مشورہ اور ثالثی اسلام دین فطرت ہے مشہور کہاوت ہے کہ "اتنے خشک نہ ہو کہ کوئی توڑ دے اور اتنے نرم نہ ہو کہ کوئی نچوڑ دے" اس لیے پہلے ثالث رئیس اعظم قبیلہ خزاعہ بدیل بن ورقا کو حضور پاکؐ نے یہ جواب دیا "قریش سے جا کر کہہ دو

ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں ۔ لڑنا مقصود نہیں ۔ جنگ نے پہلے ہی قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے ۔ اس لیے بہتر ہے کہ کچھ مدت معین کے لیے صلح کرلیں اور مجھے باقی عربوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں ۔ یعنی حق اور باطل کا فیصلہ ہم مسلمان باقی عرب قبائل کے ساتھ طے کرلیں ۔ لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تب تک لڑوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کے اور میرے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کر دیتا" ۔ بدیل نے قریش کو ان باتوں سے آگاہ کیا لیکن اہل مکہ کو قبیلہ خزاعہ پر شک تھا اس لیے قریش نے بھی جواباً سخت الفاظ استعمال کئے ۔

قریش کے نمائندے اس کے بعد قریش نے مقراز بن حفظ کو حضور پاکؐ کے پاس بھیجا، جس کو دور سے دیکھتے ہی حضور پاکؐ نے فرمایا" یہ دغا باز آدمی ہے "اور جب وہ وہاں پہنچا تو حضور پاکؐ نے جو کچھ بدیل کو بتایا تھا وہی دہرا دیا ۔ اگلا آنے والا ایک بہتر انسان تھا جس کو دور سے دیکھتے ہوئے حضورؐ پاک نے فرمایا کہ" وہ ایک مخلص آدمی ہے ۔ اپنے قربانی کے اونٹوں کو ذرا آگے کر و تاکہ اس کی نظران پر پڑجائے" یہ شخص حبشی قبیلہ کے الحلیاص بن القمہ تھا ۔ جب اس نے اونٹوں کی ڈیل ڈول دیکھی کہ وہ قربانی کے جانوروں کی طرح بڑے سجائے گئے تھے تو وہ حضورؐ پاک کے پاس آنے کی بجائے سیدھا قریش کے پاس چلا گیا اور ان کو اپنے تاثرات بتانے لگا کہ کس طرح وہ یہ سب مظاہرہ دیکھ کر مسلمانوں کی نیک نیتی سے متاثر ہوا تھا ۔ قریش نے اس کو برا بھلا کہا اور جاہل تک کہہ دیا تو وہ خاموش نہ رہ سکا اور اس نے کہا" اے قریش یہ کتنی خراب بات ہے کہ ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت کو پورا کرنے کیلئے آتا ہے اور تم اس کو روک دیتے ہو ۔ بخدا محمدؐ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کرنے دو ۔ ورنہ میں اپنی حبشی افواج کو آپ سے الگ کرتا ہوں" قریش نے الحلیاص کی منت سماجت شروع کر دی اور کہا کہ ان کی بہتر شرائط پر صلح کرنے تک وہ خاموش رہے ۔ ظاہر ہے، قریش بھی نفسیاتی جنگ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کی فوجی حالت پتلی تھی ۔

عروہ بن مسعود ثقفی اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا جو بڑا سلجھا ہوا آدمی تھا ۔ وہ علم کلام یعنی گفتگو کا ماہر تھا ۔ ایک طرف حضور پاکؐ کو یہ کہا" اے محمدؐ! آپ آخر اپنی قوم کو برباد کر کے کیا حاصل کرلیں گے ۔ اور پھر اگر یہ لوگ جس طرح جنگ کے لیے تیار ہیں انہوں نے آپؐ پر بھرپور حملہ کر دیا تو آپؐ کے ساتھ یہ "بھیڑ" یا گروہ جو ہے وہ خاک میں اڑ جائے گا ۔ جناب صدیق اکبرؓ وہاں ہی موجود تھے آپ نے فرمایا" عروہ تمہارے منہ میں خاک" ۔ عروہ کی طرز گفتگو جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو جو حضور پاکؐ پر سنتری کا کام کر رہے تھے ناپسند آئی اور انہوں نے بھی عروہ کو ڈانٹ دیا کہ وہ بات کرنے کی تمیز سیکھے ۔ عروہ دونوں عظیم صحابہؓ کو جانتا تھا اور کچھ خاموش ضرور ہو گیا ۔ گو ظاہری طور پر آخری وقت تک دھمکیاں دیتا رہا ۔ یہ سب کچھ البتہ کفار قریش کی نفسیاتی جنگ کا حصہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ کچھ عزت رہ جائے ۔ عروہ طائف کا رہنے والا تھا اور وہاں کا ایک سردار تھا ۔ لیکن چونکہ اس نے ابو سفیان کی بیٹی کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی اس لئے وہ قریش میں خوب گھلا ملا ہوا تھا ۔ جناب مغیرہؓ بن شعبہ نہ صرف عروہ کے قبیلہ سے تھے بلکہ اس کے رشتہ دار بھی تھے ۔ شاید اپنے قبیلہ کے جناب مغیرہؓ پہلے آدمی تھے جو اسلام کی آغوش میں داخل

نقشہ دوازدہم

صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر ایک وقت دشمن کا قلع قمع
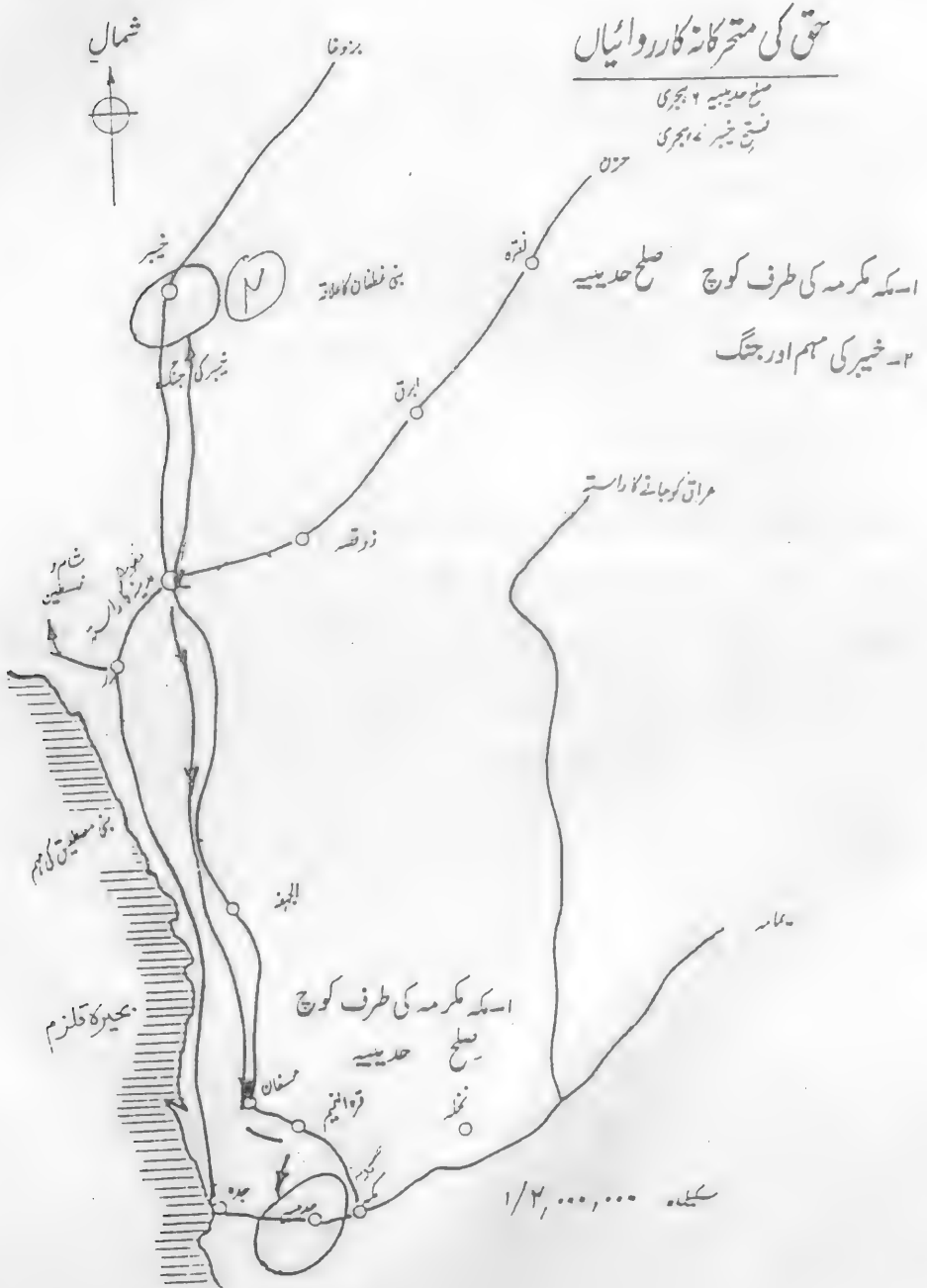
ہوئے ۔ اور اسلام لانے سے پہلے مصر وغیرہ کا سفر کر چکے تھے اور اسی سفر کے دوران باتوں ہی باتوں میں آپ پر حضور پاکؐ کے جمال کا اثر ہو گیا ۔ اور مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر اہل حق میں شامل ہو گئے ۔ جناب مغیرہؓ بڑے جہاندیدہ شخصیت تھے ۔ نہ صرف اونچے پائے کے سیاستدان ، مدبر اور اعلیٰ درجے کے حاکم ثابت ہوئے بلکہ میدان جنگ میں ذاتی شجاعت ، فوجی تدبیرات اور حکمت عملی کے بھی ماہر مانے جاتے تھے ۔ ایران کی جنگوں کے دوران امارت اور سفارت دونوں عہدوں کو خوب نبھایا ۔ بڑی عمر پائی اور جناب معاویہؓ کی خلافت میں وفات پائی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عروہؓ پر بھی اسی دن حضور پاکؐ کے جلال و جمال کی جھلک پڑ گئی کہ آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے ۔ عروہ نے اللہ کے حبیبؐ اور ان کے صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کے جو منظر دیکھے تو واپس جا کر اس نے قریش کو صاف بتا دیا " کہ اس کو کسریٰ ایران ، قیصر روم اور نجاشی کے دربار میں بھی جانے کا اتفاق ہوا لیکن یہ وفاداری ، یہ عقیدت ، یہ ربط و ضبط اس کو اور کہیں نظر نہ آیا ۔ جب حضور پاکؐ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے ، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا صحابہؓ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں ، آپؐ کے تھوک کو عقیدتمند ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے پر مل لیتے ہیں " ۔

قارئین ! اسلام کے اس بامقصد اور عملی مطالعہ میں آپ کے سامنے حالات کا نظارہ پیش کر دیا گیا ہے ۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع تخیل ملکوتی و جذبہ ہائے بلند (اقبالؒ)

جناب خراشؓ بن امیہ کی سفارت بہر حال معاملہ پھر بھی ناتمام رہا ، تو حضور پاکؐ نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کی طرف روانہ کیا جس کے سواری کے اونٹ ہی کو مار ڈالا گیا ۔ پھر قریش نے چالیس پچاس آدمیوں کا ایک دستہ بھیجا کہ کسی صحابی کو اٹھا لاؤ تاکہ اس کو یرغمال بنایا جائے ۔ یہ لوگ سب کے سب گرفتار ہوئے ، لیکن اللہ کے حبیبؐ نے ان کو چھوڑ دیا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ فتح میں واضح الفاظ میں کیا گیا ہے کہ " ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے " ۔ دراصل سورۃ فتح میں اس ساری مہم ، اس کے نتائج ، تمام بات چیت ، کاروائی ، بیعت رضوان اور آئندہ کسی دن مسجد حرام کے داخلہ وغیرہ پر بہت کچھ کہا گیا ہے ۔ اور اس عاجز نے اس مہم کی تمام کاروائی کے بیانات کو قرآن پاک کے ان ارشادات کے تابع کیا ہے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں اب تک جو تفصیل لکھی گئی ہے اس میں ایک مقصد واضح کرنا ہے ، کہ جنگ اور قوموں کی حکمت عملی کا ایک مدعا ہمیشہ سامنے اور واضح ہوتا ہے ۔ یہاں پر حضور پاکؐ کی طرف سے ساری بات چیت ایک اور واضح مدعا اور مقصد کے گرد گھومتی تھی لیکن کفار کی طرف سے بھانت بھانت کی بولیاں تھیں ۔ ہر آنے والے نے مختلف طریقہ اختیار کیا اور مختلف اثرات لے کر واپس گیا اگر اس نکتہ کو ہم آج بھی سمجھ جائیں کہ ہم ایک ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتی ۔ ہماری تعداد ایک ارب ہے ۔ ہماری زبان سے نکلا ہوا ایک پاکیزہ کلمہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے ۔ شرط یہ ہے کہ ہمارا امیر بھی ایک ہو اور ہماری اطاعت بھی مکمل ہو ۔

بیعت رضوان معاملات آگے نہیں بڑھ رہے تھے ۔ حضور پاکؐ ایک " جنگی مہم " پر ضرور تشریف لائے تھے لیکن جنگ سے کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہ ہوتا ۔ قریش بھی اپنی کمزوری کو بھانپ چکے تھے ۔ ان میں تفرقہ تھا ۔ حضور پاکؐ کے خلوص سے کہ وہ

حملہ آوروں کو چھوڑ دیتے تھے اور اسلامی لشکر کے ربط وضبط اور وفاداری سے بھی لوگ متاثر ہو رہے تھے ۔قریش کچھ ڈھیلے پڑے ہوئے تھے ۔اس لیے حضور پاکؐ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بھیج کر قریش کے ساتھ بات آگے بڑھائی جائے ۔کیونکہ اب تک وفد صرف قریش کی طرف سے آرہے تھے ۔لیکن پھر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو بھیجا جائے جن کے متعدد رشتہ دار مکہ مکرمہ میں موجود تھے ۔حضرت عثمانؓ شرم وحیا کی وجہ سے ہر بات آہستہ آہستہ کرتے تھے اور ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ لمبے سے لمبا ہوتا جا رہا تھا اور پھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ (نعوذ باللہ) حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے ہیں ۔حضور پاکؐ نے یہ خبر سن کر فرمایا" کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے" ۔تو آپؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کبارؓ سے جان نثاری کے عہد پر بیعت لی ۔یہ واقعہ اسلام کی تاریخ میں بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہوا اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بڑے پیار سے کیا اور فرمایا" اللہ نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور اللہ نے ان کے دلوں پر تسلی نازل کی اور فتح کے لیے پیش رفت ہوئی" ۔یہ ہے اسلام، کہ جانثاری کے عہد کا نظارہ جو اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے ۔اور اپنی جان کو اللہ کی راہ میں پیش کرنے کے عمل میں جو سرور ہے اور جو تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے، اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام دین غیرت ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ایک افواہ تھی ۔شاید قریش مکہ نے ان کو قید کیا ہو یا یرغمال کے طور پر رکھنے کا ارادہ ہو ۔بہر حال یہ جناب عثمانؓ کی شان ہے کہ آپ بیعت رضوان کا سبب بنے ۔اور ان کی طرف سے حضور پاکؐ از خود نے بیعت کی یا وعدہ کیا ۔کہ اسلام دین غیرت ہے ۔ایک صحابی کی عزت کیلئے سب مرنے مارنے پر تیار ہو گئے ۔اور حجاج بن یوسف، جس کو ہم ظالم کہتے ہیں ۔دو مسلمان عورتوں کی عزت کیلئے یا ان کی فریاد سن کر مسند سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر موجودہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۔ذرا ہم اپنے گریباں میں منہ ڈالیں ۔کہ ہماری عورتوں کے ساتھ کیا کیا ہو چکا ہے ۔آزادی کے وقت ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے ہاتھوں میں دے آئے اور یہ ۔سلسلہ بند نہیں ہوا ۔علامہ اقبالؒ نے اس غیرت کو خودی کا نام دیا ہے اور فرماتے ہیں ۔

تری زندگی اسی سے ، تری آبرو اسی سے جو رہی خودی تو شاہی ، نہ رہی تو روسیاہی

اسلام اور وعدہ بیعت ایک وعدہ ہے اور اسلام میں وعدہ اور عہد کی پابندی کو بڑی فضیلت حاصل ہے ۔اسی وجہ سے پہلے باب میں ہمارا اور ازل کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ سے لے کر، بیعت عقبہ ثانی کے وعدوں، میثاق مدینہ کے عہد، حضور پاکؐ کے قبائل کے ساتھ عہد ناموں، اور جنگ بدر وغیرہ میں صحابہ کرام کے وعدوں کو کتاب میں بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔وعدہ کے طور پر اسلام کے تمام ارکان یعنی نماز، روزہ اور حج وغیرہ میں بھی نیت باندھی جاتی ہے ۔اس لئے اسلام کے فلسفہ حیات میں عہد کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور عہد کو پورا کرنا ہی اسلام کا دوسرا نام ہے ۔اس لیے دنیاوی زندگی میں اس پہلو پر عمل پیرا کرانے کے ذرائع پیدا کرنا اسلام کی اجتماعی زندگی کا ایک ستون ہے ۔جو آدمی اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے، وہ بھلا دوسروں سے کیسے وعدے پورے کرائے گا۔

اے مسلماں ہر گھڑی پیش نظر آیت لایخلف المعیاد رکھ یہ لسان العصر کا پیغام ہے ان وعد الحق یاد رکھ (اقبالؒ)

سہیل بن عمرو کی آمد چنانچہ اس عہد کی خبر جب مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی، تو اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کو جلد حضور پاکؐ کے پاس واپس بھیجنے کے علاوہ سہیل بن عمرو کو مختار کل اور سفیر بنا کر حضور پاکؐ کی خدمت میں بھیجا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ کوئی مورخ یہ ذکر نہیں کرتا کہ ابو سفیان کہاں تھا۔ ابن سعد نے کچھ اشارہ کیا ہے کہ عراق کے راستے ملک شام میں تجارت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ بہر حال یہ سہیل بن عمرو وہی ہے جس کا جنگ بدر کے سلسلہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ قید ہوا۔ اور اس کے بیٹے جناب۔ عبداللہؓ جنگ بدر میں حضور پاکؐ کے ساتھ تھے۔ دوسرے جناب ابو جندلؓ کا ذکر اب آئے گا۔ خود سہیل نے اسلام لانے میں دیر کی اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ بہر حال سہیل بن عمرو کے آنے کے بعد اب گفت و شنید کے لیے ادھر ادھر بھاگ دوڑ ختم ہو گئی اور جو معائدہ طے پایا وہ صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بظاہر شرطیں بڑی کڑی تھیں اور کئی مسلمانوں کو بھی یہ شرائط ناگوار گزریں۔ کچھ نے اعتراض بھی کر ڈالا لیکن جنہوں نے ایسا کیا وہ ساری عمر اس غلطی پر پچھتاتے رہے کیونکہ سرکار دو عالمؐ کا کیا ہوا معائدہ کسی خامی پر کیسے منحصر ہو سکتا ہے؟۔ مؤرخین پرانے اور نئے دونوں نے معائدہ تفصیل سے لکھا اور لمبا چوڑا بیان دیا کہ کفار قریش کو معائدہ میں حضور پاکؐ کے اسم مبارک کے ساتھ "اللہ کا رسولؐ" کے الفاظ لکھنے پر اعتراض تھا وغیرہ اور جناب علیؓ کاتب تھے لیکن یہ الفاظ مٹانے کو تیار نہ تھے، تو حضور پاکؐ نے اپنے ہاتھ سے یہ لفظ مٹا دیئے۔ البتہ اصلی چیز معائدہ کی روح تھی:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے (اقبالؒ)

صلح حدیبیہ صلح حدیبیہ کی موٹی موٹی شرطیں حسب ذیل تھیں:۔

(ا) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(ب) اگلے سال حج کے لیے آئیں اور تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(ج) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار لائیں وہ بھی نیام میں۔

(د) مکہ مکرمہ میں جو مسلمان پہلے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ مکرمہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(ر) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ منورہ جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا۔

(س) قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معائدہ میں شریک ہو جائیں اور یہ اسی دن تسلیم کر لیا گیا کہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہیں اور بنو بکر قریش کے۔

(ص) دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہ کی جائے گی اگر کوئی کرے گا تو دوسرے کو معاہدہ توڑنے کا اختیار ہو گا۔

صلح حدیبیہ کے نتائج اور ان پر تبصرہ ابھی سہیل بن عمرو واپس نہ گیا تھا کہ اس کے لڑکے جناب ابو جندلؓ مسلمان ہو کر مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ گئے۔ اب معاہدہ کی رو سے حضور پاکؐ نے ان کو جب واپس کر دیا تو جذبات کے ساتھ سارے اسلامی لشکر کا برا حال تھا۔ حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد یاد کرایا۔ "صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" وعدہ کا ایفا کسی بیان کا محتاج نہیں ہے۔ اور یہ جائزہ اسی لیے پیش کیا تھا، کہ قارئین نتیجہ بھی دیکھ لیں۔ کہ حضور پاکؐ نے کس طرح وعدہ پورا کیا۔ اور جناب ابو جندلؓ اور مسلمان مجاہدین نے کتنے صبر کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اب دور رس نتائج کی طرف چلیں۔ قریش کو اس معاہدہ سے بڑا فائدہ صرف ایک تھا کہ اب وہ شام کے ساتھ تجارت کو دوبارہ چھوٹے راستہ کے ذریعے سے بحال کر لیں گے۔ اور سفر پرخطر نہ ہوگا۔ لیکن ان کی اپنی سختی سے عائد کی ہوئی شرط نے اس فائدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ چند دنوں بعد حضرت عتبہؓ بن اسید مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آ گئے۔ شرط کے مطابق حضور پاکؐ نے آپ کو واپس کر دیا۔ انہوں نے راستہ میں اپنے ایک محافظ کو قتل کر دیا اور مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے کہ اب مسلمانوں کی ذمہ داری ختم ہے، آپ سمندر کے کنارے ذومرہ کے پاس مقیم ہو گئے اور مکہ مکرمہ وغیرہ میں باقی مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ان کے پاس آ کر ٹھہریں اور پھر یہ گروہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ انہوں نے قریش کی ناک میں دم کر دی۔ حضور پاکؐ تو قریش کے ساتھ حالت جنگ میں نہ تھے لیکن قریش کے نو مسلم تو حضورؐ کی ذمہ داری میں نہ تھے۔ جو مدینہ منورہ سے دور ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور یہ قریش کے تجارتی قافلہ پر جھپٹ پڑتے تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد قریش نے خود گزارش کی کہ معاہدہ کی اس شق کو ختم سمجھا جائے، اور حضور پاکؐ ایسے مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں اپنی ذمہ داری میں لے لیویں۔

جہاد کیا ہے؟ ان مسلمانوں نے قریش کے ساتھ جو جنگ کی اس کو جہاد کہیں گے یا نہیں۔ ہمارے فقیہہ یا فقہ کی کتابیں اس کا جواب مشکل سے دیں گی۔ بات سیدھی ہے کہ "الاعمال بالنیات" کے تحت نیت صحیح ہونی چاہئیے علاوہ ازیں جنگ دھوکا ہے اس کو ناپنے کے پیمانے بھی اس وجہ سے بڑے وسیع ہونا چاہئیں۔ ۱۹۷۹ء سے افغانستان میں جو جنگ جاری رہی ہے کیا وہ جہاد تھا یا نہیں؟ حکومت تو روس کے ساتھ تھی۔ کشمیر میں ۴۸-۱۹۴۷ء میں جہاد تھا یا نہیں کہ حکومت پاکستان نے تو اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ یہ ایسے مسئلے ہیں جن کو سمجھنے اور ان پر رائے دینے سے پہلے قرآن پاک حضور پاکؐ کی زندگی اور فن جنگ سے گہری واقفیت ہونی چاہئیے اور موٹا اصول یہ ہے کہ نیت کیا ہے اور کیا وہ نیت اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق ہے؟۔ سیدھی بات یہ ہے کہ جو مسلمان اپنی حفاظت کیلئے لڑتا ہے، وہ بھی جہاد ہے اور جو مظلوموں کی مدد کرتا ہے وہ بھی جہاد ہے۔ کشمیر میں ۱۹۴۷-۱۹۴۸ء میں اللہ اور رسولؐ کے نام پر جنگ ہوتی رہی۔ اور یہی چیز افغانستان میں ہوتی رہی ہے۔ ان میں شرکت کرنے والے مجاہد ہیں۔ اور جہاد مسلمان کیلئے طرز زندگی ہے۔ پاکستان کی قومی زندگی میں کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء کے جہاد کے سلسلہ میں مولانا مودودی کا فتویٰ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ مودودی صاحب نے اول تو ہمیں تین گروہوں میں بانٹ دیا۔ کشمیری مسلمان کہ ان کیلئے جہاد جائز تھا۔ قبائلی مسلمان۔ ان کو جہاد میں مشروط طور پر شرکت کی اجازت دی۔ پاکستانی مسلمان کو اس جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی۔

یعنی ہمارے جو مجاہدین کشمیر میں شہید ہوئے وہ مودودی صاحب کے خساب سے حرام کی موت تھی (نعوذ باللہ) ۔حالانکہ ہم جب کئی دن بعد ان کے جسدوں کو اٹھاتے تھے تو ماحول خوشبو سے مہک جاتا تھا۔پوری کہانی اس عاجز کی کشمیر کے جہاد ۴۸-۱۹۴۷ء کی کتاب میں ہے۔ اور زیادہ وضاحت کتاب البیان فی تفہیم القرآن میں ہے اور یہ سب باتیں یاد کر کے اس زمانے میں بھی اوراب بھی یہ عاجز پکار اٹھتا ہے:۔

وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں — پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ — آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے (اقبالؒ)

حدیبیہ کے معاہدہ کے دیگر فوائد ویسے تو معاہدہ کی ہر شق، قریش کے خلاف ثابت ہوئی، اور مسلمانوں کو ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ ہوا۔آخر ایسا کیوں نہ ہوتا۔دوجہانوں کے سردار اور اللہ کے حبیبؐ کے سامنے دوسرے لوگوں کی ہستی کیا شے ہے۔بہر حال اس معاہدہ سے مسلمانوں کو دیکھنے کے اور لوگوں کو موقع ملے۔تعلقات قائم ہوئے اور جوق در جوق لاتعداد لوگ اسلام کی صفوں میں شریک ہوگئے۔اوراب سب لوگ مدینہ منورہ میں آکر رہنے لگے۔ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں، جن میں ایک حضرت عثمانؓ کی اخیانی بہن بھی تھیں۔کفار نے ان کی واپسی چاہی۔تو حضور پاکؐ نے انکار کر دیا کہ معاہدہ میں عورتوں کی واپسی کا ذکر نہیں ہے

جناب خالدؓ اور جناب عمروؓ جناب خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص اسی معاہدہ کے جلد بعد حضور پاکؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔جناب خالدؓ بن ولید کسی تعارف کے محتاج نہیں اور ان کا ذکر اب تک کفار قریش کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔اب جو حضورؐ پاک کے جمال کا اثر ہوا تو پہلے آپؐ کی غلامی اختیار کی۔اور جو جلال کا اثر ہوا تو "اللہ کی تلوار" بن گئے۔آپ پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔یہی حال جناب عمروؓ بن عاص کا ہے۔جن کا قریش کی سفیر کی حیثیت سے حبشہ وغیرہ جانے کا ذکر ہو چکا ہے۔آپ فاتح مصر ہیں۔حربی خوبیوں کے علاوہ سیاست، سفارت، امارت اور انتظامیہ میں بھی اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔دنیا کے اس سلسلہ کے بڑے بڑے ماہرین آپ کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔صرف جناب مغیرہؓ بن شعبہ، جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے وہ کچھ ان کے ہم پایہ تھے۔یا عظیم صحابی جناب سعدؓ بن عبادہ کے بیٹے جناب قیسؓ نے اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں جناب عمروؓ اور جناب معاویہؓ کو کچھ مات کیا، لیکن وہ الگ کتاب کا مضمون ہے۔بہر حال یہ سب کچھ حضورؐ پاک کی نگاہ کا اثر تھا، جس نے ان سب کو یہ شرف دیا۔"نگاہ ہے یا رسولؐ اللہ نگاہ ہے"

صلح حدیبیہ کا بڑا فائدہ لیکن اس معاہدہ کا ایک بڑا فائدہ جس کے بارے میں ہمارے مورخین اکثر خاموش ہی رہے وہ یہ تھا کہ اس معاہدہ کے ذریعے حضور پاکؐ نے قریش کے گردونواح کے معاملات میں بالکل غیر جانبدار بنا دیا۔حدیبیہ سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد جب حضور پاکؐ خیبر کے یہودیوں پر حملہ آور ہوئے، تو اہل قریش دور رہ کر صرف تماشائی تھے۔اسی وجہ سے صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر کو ایک باب میں زیر بحث لایا جا رہا ہے اور مضمون کے شروع میں جو کہا گیا تھا کہ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے تو وہ یہ حکمت عملی تھی کہ ہمارے آقاؐ کی سوچ و بچار کے سامنے باطل کی متحدہ کمان والے الگ الگ بے بسی کی حالت میں سرنگوں ہو

رہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس صلح کو فتح مبین کے پیارے نام سے بیان فرمایا ہے۔حضور پاکؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد وہاں تین دن قیام فرمایا اور قربانی کی، پھر مدینہ منورہ واپس آگئے۔قربانی کے لئے ستر اونٹ تھے، جن میں زیادہ سے زیادہ چار سو نوے صحابہ شرکت کر سکتے تھے۔تو چودہ سو کے لشکر میں تقریباً پانچ سو صحابہ کرامؓ نے قربانی کی۔تو فقیہہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ قربانی وہ کرے جس کو استطاعت ہو۔لیکن حج اور جہاد کو قربانی پر فوقیت حاصل ہے۔یہ ہے عملی اسلام جس کے لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔اور ہمارے لئے سب مسئلوں کا حل حضور پاکؐ کے عملوں میں موجود ہے کہ آپؐ صراط مستقیم کی نشاندہی فرما گئے۔لیکن افسوس ہم غیروں کی نقالی میں ڈاکٹر اسرار، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اور پروفیسر طاہر قادری کی طرح "انقلاب" کے چکروں میں ہیں، یا راستہ بھول گئے ہیں:

پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی　　تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی　(اقبالؒ)

خیبر کی مہم

(جمادی الاول سات ہجری)　یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اکاون ہے۔حضور پاکؐ ذوالحجہ چھ ہجری کے آخری دنوں میں مدینہ منورہ پہنچے۔نئے سال یعنی ساتویں ہجری کے دو ماہ کے عرصہ میں بھی محدود گشتی دستوں کی کارروائیاں جاری رکھیں اور پھر خیبر کی مہم پر تیار ہو گئے۔ہمارے مؤرخین حضرات نے خیبر کی مہم کو اسلام کی پہلی بڑی جارحانہ کارروائی کا نام دیا ہے۔پھر لکھتے ہیں کہ مجبوراً یہ کارروائی کرنا پڑی، کیونکہ یہودی اور بنو غطفان مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔آگے لکھتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ جو جہاد پر یقین رکھتا ہے صرف وہی ان کے ساتھ چلے۔اس عاجز کے مطابق یہ بیانات اسلام کی روح سے تھوڑے دور رہتے ہیں۔جیسے بعض مورخین نے حضور پاکؐ کو امن پسند بناتے بناتے یہ بھی کہہ دیا، کہ حضور پاکؐ نے سوائے ابی بن خلف کے میدان جنگ میں بھی کسی دشمن پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ان سے کوئی پوچھے کہ پھر آپؐ جنگ پر گئے کیوں (نعوذ باللہ) ایسے لوگ حضور پاکؐ کی شان کو نہیں سمجھتے۔کہ آپؐ اگر ہاتھ اٹھاتے تو آگے سے دشمن خس و خاشاک ہو جاتا یا بھس بن جاتا۔اور باقی لوگوں کو جنگ میں کچھ کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔اور یہ عملی زندگی جو ہم گزارتے ہیں، اس کی نشاندہی نہ ہوتی۔اسی طرح حضور پاکؐ کیلئے یہ مجبوری نہ تھی بلکہ حق و باطل کی کشمکش کے سلسلہ میں ضروری تھا۔اور یہ صحیح ہے کہ حضور پاکؐ نے ایسے الفاظ فرمائے، کہ خیبر کی مہم میں وہ شرکت کرے جو جہاد میں یقین رکھتا ہو۔لیکن اس طرز بیان سے یہ غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ چونکہ جہاد فرض کفایہ ہے جس کی مرضی ہو شرکت کرے۔جس کی مرضی ہو شرکت نہ کرے۔یا جہاد میں نہ شرکت کر کے بھی آدمی مسلمان رہ سکتا ہے۔معاملات کو سمجھنے کے لیے یہاں یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ پہلے دشمن مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو رہے تھے، تو دفاع کے لیے جن لوگوں کے گھر مدینہ منورہ میں تھے وہ سب شریک ہو جاتے تھے۔لیکن گشتی دستوں میں صرف مسلمان ہی جاتے تھے۔بلکہ شروع شروع میں زیادہ تر مہاجرین ہی جاتے تھے۔چند ایک انصار راستے کی رہنمائی کیلئے ساتھ ہوتے تھے۔یعنی اسلام دین فطرت ہے اور نظریہ ضرورت اگر اسلام کے اصولوں کی نفی نہ کرے تو اس کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے۔

فلسفہ جہاد تو یہاں پر حضور پاکؐ کے واضح احکام کا یہ مطلب تھا کہ یہ کام مسلمانوں کا ہے۔ ہر کوئی لوٹ و مار کی غرض سے شرکت نہیں کر سکتا۔ ان جنگوں میں جہاد کو رہبر اصول مانا جائے گا اور بات دراصل یہ ہے کہ اسلام کسی کرائے کے سپاہیوں یا قسمت آزما سپاہیوں یا ابن الوقت سپاہیوں کے طریق کار کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور وہ حق کے لیے لڑتے ہیں۔ جو لوگ اس فلسفہ پر یقین رکھتے ہیں وہی اسلام کے سپاہی ہیں اور پھر ان لوگوں کی حکومت تنخواہ مقرر کرے یا مال غنیمت سے حصہ دے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں کو اور ان کے بال بچوں کو پیٹ پالنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مجاہدین کیلئے غیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور محتاج میں غیرت کی کمی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر مجاہد کو باعزت طور پر رکھا جاتا ہے۔ بہرحال مسلمان سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے۔ بلکہ حدیث شریف کے مطابق جو شخص جہاد میں شہرت یا نام کے لیے شرکت کرتا ہے وہ بھی اللہ کو پسند نہیں، اس لیے ہمیں یہ نکتہ سمجھنا چاہیے کہ آجکل کے کئی دانشور جب غیروں کی نقل کرتے ہوئے یہ لکھ دیتے ہیں کہ اس نے سب کچھ ہمارے لیے کیا اور وہ ہمارے لیے قربان ہو گیا تو یہ ایک غلط اصطلاح ہے بلکہ وطن یا مادر وطن کے لیے قربانی کے الفاظ بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے بارھویں باب میں شہادت کے عملی پہلو پر بھرپور تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کسی سازش کے تحت یا لاعلمی کی وجہ سے ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد اور جنگ کے دوران ریڈیو وغیرہ پر ہم نے وہ ڈینگیں ماریں اور "ڈھول سپاہیا" کے ایسے گانے گائے کہ بہت ساری غیر اسلامی اصطلاحیں ہماری تہذیب کا حصہ بن گئی ہیں اور وطن کو ہم نے اتنا زیادہ اللہ کا شریک بنانا شروع کر دیا کہ ۱۹۷۱ء میں راقم جب مشرقی پاکستان گیا تو کئی سنجیدہ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بنگال والے شہید ہیں کہ وہ اپنے وطن کے لئے لڑ رہے ہیں یا ہم لوگ۔ تو ان کو سمجھایا گیا کہ پاکستان اللہ اور رسولؐ کے نام پر قائم کیا گیا ہے جو اس مرکز کی وحدت کے لئے لڑتا ہے، وہی اللہ اور رسولؐ کے لیے لڑتا ہے۔ اس نکتہ کو قوم پر واضح کرنا چاہیے۔ کیونکہ وطن کے لیے لڑنے والے کل طبقاتی جنگ لڑنے والوں کو بھی شہید کہنا شروع کر دیں گے۔ یہی نکتہ تھا کہ حضور پاکؐ نے خیبر کی مہم پر جانے سے پہلے صاف صاف فرما دیا کہ اسلام میں لڑائی اللہ کے لیے ہے اور حق کے لیے ہے اور جو اس میں یقین رکھتا ہے وہ ہمارے ساتھ شرکت کرے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

جنگ کے اسباب خیبر کی جنگ کے اسباب کے سلسلہ میں پندرھویں باب میں واضح کر دیا گیا ہے، کہ بنو قریظہ کو تو ان کی غداری کی سزا مل گئی تھی لیکن خیبر کے یہودیوں کی باری بعد میں آئے گی۔ تو اب ان کی باری آ گئی اور حق نے باطل کو مٹانے کے لئے جو خیبر کا رخ کیا، تو اس میں مجبوری وغیرہ کوئی نہ تھی۔ کیونکہ صلح حدیبیہ نے اس کا موقع اور محل فراہم کر دیا تھا اور فلسفہ جنگ کے اصولوں میں موقع اور محل کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ البتہ ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ حضور پاکؐ جانتے تھے کہ قریش اور باقی عرب قبائل کی اسلام دشمنی نادانی اور لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ جب یہ لاعلمی دور ہو جائے گی تو انہی لوگوں نے اسلامی لشکر میں شامل ہو کر دنیا کو فتح کرنا ہے اس لیے انہوں نے وہاں پر زیادہ تبلیغ سے کام لیا۔ اور ساتھ ہی ایک اللہ اور اللہ کی شان والی بات ہے۔ اسلام مادیت کے چکر میں تو نہیں پڑتا۔ لیکن مکہ مکرمہ کی حرمت ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اور یثرب اب اللہ کے حبیبؐ کے گھر کی وجہ سے مدینہ منورہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریف کو ایک کرنا تھا۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ

کی یہ مشیت ضرور تھی کہ اہل حق یا اہل مدینہ - حق کے گھر یعنی مکہ مکرمہ میں طاقت اور عزت کے ساتھ داخل ہوں - لیکن اہل حق کے ہاتھوں حق اپنے گھر کو میدان جنگ نہیں بنانا چاہتا تھا، اس پہلو کی مزید وضاحت انیسویں باب میں آتی ہے - لیکن یہاں یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اہل حق یعنی حضور پاکؐ کے پیروکاروں نے باہر طاقت پکڑ کر حق کے گھر میں طاقت کے ساتھ داخل ہونے کیلئے تیار ہونا تھا تاکہ اللہ کے گھر میں جنگ وجدل نہ ہو -

اور یہود ویسے بھی راندہ درگاہ ہیں - انہوں نے پیغمبروں کے ساتھ دھوکے کیئے - قرآن پاک، ان کے فتنہ وفساد والی باتوں سے بھرا پڑا ہے - ان کو مسلمانوں کے ساتھ بہت حسد تھا - وہ اس بات سے آگاہ تو تھے کہ نبی آخر الزمانؐ مبعوث ہونے والے ہیں اور انؐ کی قوم کو بڑی بلندیاں نصیب ہوں گی - لیکن وہ اس غلط فہمی میں تھے کہ وہ نبی بھی باقی نبیوں کی طرح حضرت اسحٰق کی اولاد سے ہوں گے - اب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے نبی مبعوث ہونے پر ان کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ہر طرح کے فساد میں شریک ہو گئے اور ہاں اب کونسا فساد ختم کیا ہے - ساری دنیا میں فساد برپا کئے ہوئے ہیں - کارل مارکس یعنی اشتراکیت کا باپ بھی یہودی تھا اور مغربی دنیا کی نکیل بھی ان کے ہاتھ میں ہے اور اسرائیل کا "ناجائز بچہ" مسلمانوں کی رگ میں ایک ناسور ہے تو حضور پاکؐ کی یہود کے خلاف کارروائی کے اسباب اور جواز ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں جس کی وسعتیں ہر زمانہ میں بڑھتی ہی رہیں گی -

مہم پر روانگی اور طرفین حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ میں جناب سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو نیابت سونپی - اور حضور پاکؐ کے لشکر میں دو سو سواروں سمیت کل سولہ سو مجاہدین شامل ہوئے - عورتیں تو ویسے اکثر مہمات میں ساتھ ہوتی تھیں اس دفعہ حضورؐ پاک کی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور ام المومنین جناب ام سلمہؓ سمیت زیادہ عورتوں نے جہاد میں شرکت کی خواہش کی تو آپؐ نے پوچھا کہ وہ کیا کریں گی - انہوں نے عرض کی "یارسول اللہؐ ہم مجاہدین کو تیر اٹھا کر دیں گی - مجاہدوں کو پانی پلائیں گی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی" - آپؐ مسکرا دیئے اور اجازت دے دی - عورتوں کی جہاد میں شرکت ایک بہت وسیع مضمون ہے کہ یہ شرکت کیسے ہو اور کس کام کے لئے ہو - بہرحال ہمارے لئے یہ یاد رکھنا ضروری، کہ عورت کو بھی فن سپاہ گری کی شدبد ہونا چاہیئے اور چند خصوصی کاموں میں عورت، مرد سے بہتر ثابت ہو سکتی ہے - یہ الگ بات ہے کہ حضرت صفیہؓ یا خولہؓ بن ازور قسم کی عورتیں اگر اسلام کے پہلے دور میں موجود تھیں تو اس صدی کی شروع کی جنگ طرابلس کی شہیدہ فاطمہ بنت عبداللہ پیدا ہوئی اور کئی اور ہیں اور ہو سکتی ہیں جیسا کہ آج کل کشمیر میں ہو رہا ہے بشرطیکہ ہم اپنا مقام پہچانیں:

" فاطمہ ! تو آبروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حور صحرائی تیری قسمت میں تھی غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جسارت آفرین شوق شہادت کس قدر " (اقبالؒ)

حضورؐ پاک کا لشکر جب مدینہ منورہ سے نکلا تو تین حصوں میں تھا اور تین علمبردار جناب علیؓ، جناب سعدؓ بن عبادہ اور

جناب حبابؓ بن منذر تھے۔ آگے آگے حضرت عامرؓ بن الاکوع جو رجز پڑھتے جاتے تھے وہ بھی مسلمانوں کے جنگی مقاصد کی نشاندہی کرتی ہے "اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ خیرات کرتے نہ روزہ رکھتے۔ ہم تجھ پر فدا ہوں۔ ہم جو احکام نہیں بجالاتے، تو اس سلسلہ میں ہمیں معاف کردے اور ہمارے دلوں پر تسکین نازل فرما اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ اور جو لوگ ہمارے اوپر دست درازی کریں یا کوئی فتنہ برپا کرنے کی سعی کریں تو ہم ان سے بالکل نہیں دبتے۔ اے اللہ یہ سب اس لیے ہے کہ ہم ہر وقت تیرے فضلوں اور عنائیتوں کی آس پر زندہ ہیں" ۔ یہ اندازہ تو پہلے ہی سے لگالیا گیا تھا کہ بنی غطفان یہودیوں کی مدد کو ضرور آئیں گے ۔ چنانچہ حضور پاکؐ کا پہلا پڑاؤ رجیع تھا جس کو آپؐ نے آجکل کی زبان کے مطابق اپنا بندوبستی علاقہ ADM AREA بنایا اور بھاری سامان کو یہاں چھوڑا۔ اس کی حفاظت کے لئے ایک دستہ بھی چھوڑا، جو بنی غطفان پر نظر بھی رکھے گا۔ صلح حدیبیہ سے پہلے آپؐ نے بنی غطفان کے علاقے میں ان کا کافی دور تک پیچھا کیا، تھا جس کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ اب بنی غطفان کو ڈر ہوا کہ اس دفعہ پھر حضورؐ پاک ان کی سرکوبی کے لئے آئے ہیں۔ ان پر رعب پہلے ہی بیٹھ چکا تھا، اس لیے وہ واپس پہاڑوں میں چلے گئے۔ جہاں وہ پہلے کی طرح منتشر ہو کر رہتے تھے۔ اب اس طرح سے منتشر ہونے سے ان کی فوجی اہمیت ختم ہو گئی۔ یہی چیز بنو اسد کے ساتھ ہوئی۔

یہودی آبادی یہودیوں کے خیبر میں چھ قلعے تھے۔ نعیم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق اور مربطہ۔ مضبوط ترین قلعہ قموص کا تھا جس کا سردار عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا۔ یہودیوں کی اس علاقے میں کل آبادی بیس ہزار سے بھی تجاوز کرتی تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد کم از کم دس ہزار تو ہوگی۔ اور بچے بوڑھوں کو نکال کر لڑنے کے قابل لوگوں کی تعداد بھی چار یا پانچ ہزار ضرور ہوگی۔ آبپاشی کے ذرائع موجود تھے۔ پیداوار کافی تھی۔ البتہ لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور مختلف قلعوں میں کوئی دفاعی رابطہ نہ تھا۔ نہ ہی پوری قوم کسی وحدت میں بندھی ہوئی تھی۔ وقتی طور کسی فتنہ وفساد کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے تھے، لیکن خود غرضی کی انتہا تھی۔ ہر ایک اپنی تجارت اور پیداوار سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی فکر میں ہوتا تھا اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ حسد بھی تھا اور رقابت بھی۔ دولت اکٹھا کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ ہر قلعہ میں کوئی نہ کوئی مدفون خزانہ ہوتا تھا، جس کی حفاظت ان کی پہلی ضرورت تھی اور ہر قلعہ میں شاید ہر گھر کی یہ بات تھی اور پھر اللہ تعالی کا فرمان بھی تھا کہ یہ کبھی متحد نہ ہوں گے۔ صرف دو بار عروج ہوگا ایک حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں گزر گیا ہے ایک شاید اب ہے۔ بہرحال یہی یہودیوں کی کمزوریاں تھی، جس کا حضور پاکؐ فوجی تجزیہ کر چکے تھے۔ اور جنگی کارروائی کے عمل کو یہی باتیں مدنظر رکھتے ہوئے ڈھالا تھا۔ ورنہ اگر طرفین کی نفری کا مقابلہ کیا جائے، تو حضور پاکؐ کا کل لشکر سولہ سو تھا۔ تین ہزار کے لشکر کے ساتھ قریش احد کے موقع پر ناکام ہوئے اور اب یہ سولہ سو کا لشکر اتنی بڑی مہم پر نکلا تھا اور قرآن پاک کے مطابق "اگر ہوں گے ایک سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر" تو یہ سولہ سو مجاہدین سولہ ہزار دشمن پر غالب آسکتے تھے۔ پچھلے چھ سالوں میں ان مجاہدوں نے جو فوجی مشقیں کیں اور عملی جنگوں میں شرکت کی تو ہمارے آقاؐ نے ان کو کہاں پہنچا دیا تھا:۔

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے　　فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کر دے　(اقبالؒ)

جنگ کی کارروائی خیبر کی جنگ کی کارروائی اس لیے اہم ہے۔ کہ کارروائی مرحلہ در مرحلہ تھی۔ جہاں بھی حضورؐ پاک تشریف لے جاتے تھے، پہلے زمین اور گردونواح کا خوب مطالعہ فرماتے تھے۔ پھر لشکر کو ترتیب دیتے تھے اور جس کسی ایک قلعہ کو سر کرنے کے لیے جتنی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی صرف اتنی طاقت خرچ کرتے تھے۔ پھر اس قلعہ کے لوگوں کے ساتھ مکمل سمجھوتہ کرتے تھے۔ بعد میں لوگوں کو ہٹا کرتے تھے تو تب آگے بڑھتے تھے۔ پرانے مورخین نے یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں اور ان میں کئی فوجی اسباق ہیں کہ فتح یا طاقت کے گھمنڈ میں دشمن کے ملک میں کسی بے ترتیبی سے آگے نہ بڑھنا چاہیئے۔ یہ ایک ایسا سبق تھا، جس کو حضورؐ پاک کے رفقاء نے دنیا فتح کرتے ہوئے سختی کے ساتھ اپنایا۔ بلکہ بعض دفعہ تدبیراتی یا حکمت عملی کی پسپائی بھی اختیار کی۔ تفصیل اس عاجز کی کتابوں خلفاء راشدین حصہ اول اور حصہ دوم میں ہے۔ چنانچہ آپؐ کا سب سے پہلا حملہ قلعہ نعیم پر تھا۔ جس دستہ نے حملہ کیا اس کی کمانڈ حضرت محمودؓ بن مسلمہ کر رہے تھے۔ جن کے دوسرے عظیم بھائی جناب محمدؓ کا ذکر جنگ احد، قرطا کی مہم اور کعب بن اشرف کے قتل کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ گو حضورؐ پاک عصر کی نماز سے پہلے اس علاقہ میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن اس دن کوئی کارروائی نہ کی اور وہ وقت دیکھ بھال میں گزارا اور پھر اللہ تعالی سے دعا مانگی کہ "اے اللہ ہمیں اس علاقے کے شر سے محفوظ فرما" ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپکا معمول تھا کہ جس علاقے میں داخل ہوتے، تو پہلے دعا مانگ لیتے اور مسلمانوں نے بڑا عرصہ اس سنت پر عمل کیا بلکہ رات بھی ذکر و فکر میں گزرتی تھی لیکن اب ہم یہ باتیں بھولتے جاتے ہیں حالانکہ:۔

مقام فکر ہے پیدائش زمان و مکان مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلی (اقبالؒ)

دوسرے روز قلعہ پر حملہ کیا اور نعیم یا ناعم کا قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ گو جناب محمودؓ بن مسلمہ خود شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دو اور قلعے بھی آسانی سے فتح کر لیے، لیکن قلعہ قموص جو مرحب کی تخت گاہ تھا ہر لحاظ سے بڑا مضبوط تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس کے محاصرہ میں بیس دن تک گزر گئے اور باری باری حضورؐ پاک صحابہؓ کو اس قلعہ پر حملہ کے لیے لشکر کی سرداری عطا فرماتے تھے لیکن آخر کامیابی جناب علی المرتضیٰؓ کو ہوئی اور آپ ہی فاتح خیبر ہیں۔ اور علامہ اقبالؒ اللہ تعالی کے سامنے اس کارروائی اور باقی ایسی کارروائیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

خیبر کے باقی ماندہ قلعوں کی سرکوبی فوجی لحاظ سے کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ سب قلعے تجویز کے مطابق سر کر لیئے گئے۔ تقریباً سو کے قریب یہودی مارے گئے اور پندرہ صحابہؓ شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔ ان میں تین بدری صحابہؓ تھے۔ یعنی جناب محمودؓ بن مسلمہ۔ جناب ابوضیاءؓ اور جناب حارثؓ۔ مہاجرین میں سے جناب عبداللہؓ، جناب ربیعہؓ، جناب ثقفؓ، اور جناب رفاعؓ تھے۔ مشہور رجز خوان جن کا ذکر باب کے شروع میں ہو چکا ہے یعنی جناب عامرؓ بن اکوع وہ بھی شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔ باقیوں کے علاوہ دو آزاد کردہ غلام بھی شہید ہوئے اور ایک صاحب جن کا تعلق قبیلہ اشجع سے تھا وہ بھی شہید ہوئے۔ بیعت عقبہ ثانی کے عظیم صحابی جناب براؓ ابن معرور کے بیٹے جناب بشرؓ اس بکری کا گوشت کھانے سے شہید ہوئے۔ جس کے گوشت میں زہر ملا کر، حضورؐ پاک کی دعوت کی گئی۔ لیکن حضورؐ پاک کو وحی سے خبر مل گئی اور آپؐ نے ہاتھ اٹھالیا۔ لیکن جناب بشرؓ ایک لقمہ حلق سے نیچے کر چکے تھے۔ یعنی اتنی سخت زہر تھی کہ ایک لقمہ ہی نے یہ اثر کیا

یہ پہلو بڑا وضاحت طلب ہے کہ حملہ آور کا اتنا کم نقصان نہیں ہوتا، گو مسلمان زخمیوں کی تعداد نہیں بتائی گئی۔ لیکن پھر بھی انسان حیران ہو جاتا ہے کہ اتنے دفاعی قلعے سر کرنے میں اتنا کم نقصان ہو۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ حملہ کا طریق کار کوئی بہت بلند قسم کا ہوگا، جس میں موقع اور محل کا کوئی خاص فائدہ اٹھایا جاتا ہوگا اور طریقہ جنگ میں حضورؐ پاک نے کوئی ایسا سبق ضرور سکھایا ہوگا، جس کو بعد میں مسلمانوں نے اپنایا ضرور، جس کی وجہ سے دنیا کے عظیم قلعے بہت تھوڑے نقصان کے ساتھ سر کر لئے گئے۔ صحابہؓ کرام کی جنگوں کے مطالعہ (اور خاص کر اس عاجز کی کتابوں خلفاء راشدین) میں یہ نکتہ کھل جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ایسے اسباق کے تحت دنیا کے بڑے بڑے قلعہ جات والے شہر۔ دمشق، فرما، سکندریہ، مدائن، اور جلولہ وغیرہ بہت تھوڑی کوشش کے ساتھ تھوڑے عرصہ میں فتح کر لئے۔ موقع و محل کا مطالعہ اس لئے عسکری زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں یہ کہتے ہیں

ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مکان اور　　　احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ

ام المومنین حضرت صفیہؓ یہاں یہ بات ضرور لکھی جاتی ہے کہ حضرت صفیہؓ ایک سردار کنانہ بن ابی کی بیوی تھیں اور جنگ خیبر سے پہلے آپ نے ایک خواب دیکھا کہ چودھویں کا چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ آپ نے اس بات کا ذکر اپنے خاوند کے سامنے کیا تو اس نے آپ کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ آپ کی آنکھ سیاہ ہو گئی اور جب آپ کو حضورؐ پاک کی خدمت میں پیش کیا گیا تو تب بھی آنکھ پر اس کا نشان تھا۔ بہر حال آپ کے خاوند نے اس وقت تھپڑ مارنے کے بعد یہ کہا "معلوم ہوتا ہے تو یہ چاہتی ہے کہ حجاز کا بادشاہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا خاوند بنے"۔ ہم نے یہ الفاظ جیسے کنانہ نے کہے لکھے ہیں۔ ورنہ بادشاہی ہمارے آقاؐ اور سرکار دو عالمؐ کیلئے معمولی بات ہے۔ دنیا کے بادشاہ آپؐ کے پاؤں کی خاک کے بھی برابر نہیں۔ البتہ یہ واقعہ لکھنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہودی بھی حضورؐ پاک کی شان کو ضرور سمجھتے تھے لیکن حسد نے ان کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔ چودھویں کا چاند تو معمولی بات ہے اللہ تعالی نے تو حضورؐ پاک کو سراج المنیر یعنی روشن سورج سے تشبیہہ دی ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ کو آپ چودھویں کے چاند اس لیے نظر آئے کہ چاند بڑی پیاری شے ہے اور خاوند سے بڑھ کر اور کیا پیاری چیز ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے کہ راندہ درگاہ یہود میں ایک صفیہؓ بھی تھیں جو آج تمام امت کی ماں ہے اور لوگ اپنی بچیوں کے نام ان کے نام پر رکھتے ہیں۔ یہ عشق، یہ محبت یہ تقدیریں، یہ حضورؐ کی شان کے قصوں کا سمجھنا تو دور ان کا تصور بھی کسی خوش قسمت انسان کے دماغ میں آتا ہے۔

جلوہ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ　　　راز اس آتش نوائی کا میرے سینے میں دیکھ　　　(اقبالؒ)

متفرقات جنگ خیبر کے سلسلہ میں بہت سارے اور واقعات ہیں کہ مال غنیمت اور زمین وغیرہ کی بانٹ کیسے ہوئی۔ ہمارے لیے اس میں ایک ہی سبق ہے کہ مسلمان حق کے لیے جہاد میں اتنے مصروف تھے کہ اور کوئی کام نہ کر سکتے تھے اللہ تعالی نے سبب پیدا کر دیا۔ کافی مال غنیمت ملا اور زمین کی پیداوار آنی شروع ہو گئی تو گھر کا گزارہ چلنے لگا اور فاقے کچھ کم ہوئے۔ اسلام کی طاقت میں اضافہ ہوا کہ اس پیداوار اور دولت سے جنگی سامان زیادہ خرید سکے۔ جہاں تک یہود کا تعلق ہے وہ فتنہ سے نہ باز آئے اور نہ کبھی آئیں گے۔ اس زمانے میں بھی حضورؐ پاک کو زہر دینے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ بعد میں بھی فتنہ و فساد کرتے رہے اور

ان پر ہر زمانے میں کڑی نگاہ رکھنا پڑی اور آخر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کو خیبر سے جلاوطن کرنا پڑا۔

مکہ مکرمہ کے اہل قریش اہل قریش کو شدت سے انتظار تھا، کہ خیبر کی لڑائی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ان کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان، خیبر کے یہودی قلعوں کو اس طرح تہس نہس کر دیں گے بلکہ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ مسلمانوں کو شکست فاش ہو گی، اس سلسلہ میں ایک شخص حجاج نے اپنا کام نکالنے کے لیے قریش کو غلط خبر دی ۔اس نے قریش کے کئی آدمیوں سے کچھ ادھار لینا تھا اور قریش کے سردار یہ غلط خبر سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اس کو سب پیسے مل گئے لیکن حضورؐ پاک کے چچا، حضرت عباسؓ جنہوں نے اس وقت تک اپنا اسلام ظاہر نہ کیا تھا وہ یہ خبر سن کر گھبرا گئے اور حجاج کو الگ جگہ لے جا کر صحیح کہانی معلوم کرنے کی کوشش کی ۔ حجاج نے حضرت عباسؓ کو مسلمانوں کی فتوحات کی صحیح خبر بتا دی اور عرض کی کہ تین دن تک اس کا پردہ رکھنا تا کہ قریش اس کا پیچھا کرنے کے قابل نہ ہوں ۔تین دن کے بعد حضرت عباسؓ نے اپنے تمام ہمدردوں کی دعوت کی اور ان کو سچی خبر سے آگاہ کیا۔قریش پشیمان ہوئے کہ کس طرح ایک آدمی نے ان کو بے وقوف بنایا تھا۔ یہ کہانی لکھنے کا ایک مطلب یہ ہے، کہ جب کسی گروہ یا قوم پر زوال آنے والا ہو یا زوال آجائے تو وہ اکثر خوش فہمیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ہر ایسی خبر کی تلاش میں رہتی ہے جس میں اس کو کچھ فائدہ نظر آئے۔ ہماری قوم پچھلے چھیالیس برس سے ایسی خبروں کا انتظار کر رہی ہے اور ایسے ایسے شگوفے چھوڑے جاتے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ قریش کی حالت اتنی پتلی ہو چکی تھی کہ وہ بھی اب اچھی خبروں کے سہارے ہی جی رہے تھے اس میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ خبروں کے سہارے جینے کی بجائے عملوں پر توجہ دیں:۔

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی براں صفت ، تیغ و پیکر نظر اس کی (اقبالؒ)

حبشہ کے مہاجرین آٹھویں باب میں حبشہ کو ایک پناہ گاہ کے طور پر واضح کرنے کے علاوہ یہ بھی باور کرایا گیا تھا، کہ جب تک مدینہ منورہ کا مرکز اور مستقر پکا نہیں ہو جاتا ۔ ایک پناہ گاہ کو قائم رکھنے کی ضرورت تھی ۔ یہ ضرورت اب ختم تھی اور حضورؐ پاک نے جناب عمروؓ بن امیہ کو حبشہ بھیجا کہ مہاجرین واپس آجائیں ، یہ ذکر تیئیسویں باب میں بھی ہے، کہ انہی دنوں میں حبشہ ہی میں جناب ام حبیبہؓ کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا ۔ گو آپکا ذکر انیسویں باب میں بھی ہے ۔ تو بہر حال جناب ام۔ حبیبہؓ سمیت تمام مہاجرین جناب جعفرؓ طیار کی قیادت میں انہی دنوں میں حبشہ سے واپس مدینہ منورہ میں پہنچے ۔اور خیبر کی مہم کی خبر سن کر تمام مرد ادھر چل پڑے ۔ حضورؐ پاک فتح خیبر سے واپس آتے ہوئے ان کو راستے میں ملے ۔ ان خوش قسمت لوگوں میں جناب ابو موسیٰ اشعریؓ اور جناب ابو ہریرہؓ بھی شامل تھے ۔ یہ لوگ یمن سے خشکی کا راستہ استعمال کرنے کی بجائے سمندر کا راستہ استعمال کر رہے تھے کہ راستے میں کفار کے ساتھ کوئی فساد نہ ہو ۔ بنو اشعر دل سے تو کافی عرصہ سے مسلمان تھے ۔ اب جو جہاد کی بات سنی تو مدینہ منورہ میں چین نہ آیا تو وہ خیبر کی طرف چل پڑے ۔ جناب ابو موسیٰؓ نے حضورؐ پاک کے زمانے میں اہم خدمات انجام دینے کے علاوہ خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ۔ بصرہ اور کوفہ کے گورنر بھی رہے ۔ اور حضرت علیؓ کے زمانے تک زندہ رہے ۔آپ کافی احادیث مبارکہ کے راوی ہیں ۔ دوسرے جناب ابو ہریرہؓ محدثین میں پہلے نمبر پر آتے ہیں ۔ کہ جتنی احادیث مبارکہ آپ نے بیان کیں ، اتنی کسی اور محدث نے نہیں کیں ۔ لوگوں نے اعتراض بھی کیا تو فرمایا کرتے تھے کہ وہ مسجد نبوی میں ہی رہتے تھے ، باقی لوگ اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے ۔ اصلی وجہ البتہ کچھ اور تھی ۔ جناب

ابو ہریرہؓ نے ایک دفعہ عرض کی "یا رسول اللہؐ مجھے آپ کی بتائی ہوئی باتیں یاد نہیں رہتیں، دعا کریں کہ وہ مجھے یاد رہیں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "ابوہریرہ" چادر پھیلاؤ" تو حضور پاکؐ نے کچھ اشارہ فرمایا اور کچھ پڑھا۔ اس کے بعد جناب ابوہریرہؓ کا دامن وسیع ہو گیا اور سینہ کھل گیا۔ یہ تھے نتائج ہمارے آقا کی نگاہ کے:۔

خوشا وہ وقت کہ یثرب قیام تھا اسؐ کا   خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اسؐ کا   (اقبالؒ)

دوسری وضاحت یہ ہے کہ جناب ابوہریرہؓ نے حضورؐ پاک کی رفاقت انؐ کی اس دنیا کی زندگی کے آخری تین سال میں کی۔ اور ہمارا سارا فقہ یا معاشرتی اصول زیادہ تر جناب ابوہریرہؓ کے بیان شدہ نکتوں پر مبنی ہے۔ تو کیا جو لوگ مکی زندگی کے جہاد بالنفس کی رٹ لگاتے رہتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہمارا اسلام حضورؐ پاک کی مدنی زندگی والا ہونا چاہیئے

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم   کرتی ہے جو ہر زماں میں اپنے عمل کا حساب   (اقبالؒ)

جنگ خیبر و صلح حدیبیہ کے نتائج و اسباق

صلح حدیبیہ کے نتائج بیان کر دیئے گئے ہیں کہ صلح حدیبیہ فتح خیبر کا پیش خیمہ تھا اور آگے فتح مکہ کا سبب بھی بنا۔ علاوہ ازیں تبصرہ ہر واقعہ پر کر دیا گیا ہے تاکہ سبق پر اسی وقت نظر پڑ جائے۔ مسلمانوں کی حدیبیہ سے پہلے کی جنگی کارروائیاں، سخت جانی کی فوجی مشقیں، جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے طریقے، زمین کا مطالعہ، ربط و ضبط، حکمت عملی اور مقصد کو ہمیشہ سامنے رکھنے والے تمام واقعات بیان کر دیئے گئے جن سے آج بھی ہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ حضورؐ پاک کی حکمت عملی اور فوجی تدبیرات میں تبدیلی اور طاقت میں روز بروز اضافہ کے وجوہات بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حدیبیہ میں اگر لڑائی نہیں ہوئی تو حضورؐ پاک کے طریق کار، مقاصد کا بیان، شرائط طے کرنے کی حکمت عملی۔ خلوص کا مظاہرہ، صحابہؓ کی جاں نثاری، وحدت، مرکزیت اور اہل مکہ میں تفرقہ یعنی ایک ایک بات اور آپؐ کے اور آپؐ کے صحابہؓ کے عمل میں ہمارے لیے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ان کو اپنانے سے آج بھی ہم دنیا میں دوبارہ کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر سکتے ہیں۔ خیبر کی فیصلہ کن جنگ، اس کے اسباب اور یہود کے ساتھ اب تک جنگ جاری وساری ہونے کے تاریخی پہلو میں بھی ہمارے لیے بہت اسباق ہیں۔ خیبر کی جنگ کی کارروائی اور کم طاقت کو جذبہ، قوت ارادی سے بڑھانے اور متحرک رکھنے کے فوائد کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ دشمن کے عادات کا مطالعہ اور ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں بھی تجزیہ پیش ہو چکا ہے۔ زمین کا مطالعہ، مرحلہ در مرحلہ کارروائی ضرورت کے مطابق طاقت کا استعمال یعنی لڑائی اور فلسفہ جنگ کا ہر پہلو کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ حضورؐ پاک کے ماتحت رہ کر صحابہؓ کرام نے عملی سبق حاصل کر کے دنیا کو فتح کر لیا۔ یہ کتاب ہمارے سامنے آج بھی کھلی پڑی ہے اور مختصراً یہ لکھا ہے۔ کہ ہم متحرک دین کے متحرک سپاہی ہیں۔ اور تیسرے باب میں ہم نے مسلمانوں کی ثقافت کا جو ذکر کیا کہ سورہ فتح کے آخری رکوع میں ہے۔ علامہؒ اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن   گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت   یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان   (اقبالؒ)

سترھواں باب

جنگ خیبر اور جنگ موتہ کے درمیانی عرصہ کی مہمات

تمہید جنگ خیبر جمادی الثانی سات ہجری میں ہوئی، اور جنگ موتہ جمادی الاول آٹھ ہجری میں۔ اس ایک سال کے عرصہ میں حضورؑ پاک نے مختلف قبائل اور کئی ممالک کے سربراہوں کے پاس وزیر یا سفیر بھیجے اور ان سب کو راہ حق پر آنے کی دعوت دی۔ ان سفیروں اور وفود کی کچھ کارروائیوں کا ذکر تو بائیسویں اور تئیسویں باب میں ہوگا، لیکن کچھ وفود جو نزدیک علاقوں میں بھیجے، تو آگے سے صورت مہم والی بن گئی یا کچھ جنگی کارروائیاں کرنا پڑیں۔ یعنی تبلیغ کے خلاف کچھ قبائل نے رد عمل کے طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، تو ان قبائل کے خلاف حضور پاک کو فوجی کارروائی کرنا پڑی۔ اس طرح ادائے عمرہ سمیت اس ایک سال میں جو بارہ فوجی کارروائیاں ہوئیں، ان کا مختصر ذکر اس باب میں کیا جارہا ہے اور ان مہمات کی نشاندہی نقشہ سہ از دہم پر کر دی گئی ہے۔ ہمارے اس زمانے کے مورخین البتہ ان کارروائیوں کا ذکر نہیں کرتے، کہ ان کے لحاظ سے یہ امن کا زمانہ یا سال تھا۔ کہ یہودیوں کا قلع قمع ہو چکا تھا اور اہل قریش کے ساتھ مسلمان صلح کی حالت میں تھے۔ آگے جب وہ جنگ موتہ یا فتح مکہ کا ذکر کرتے ہیں تو اکثر کہتے ہیں کہ مجبوری یا نظریہ ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا۔ نظریہ ضرورت کسی بھی فلسفہ کے لئے ایک تلمیح یا اصطلاح ہے، جس سے مکمل طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ضرورت، ایجادات سمیت کئی چیزوں کی ماں ہے۔ اس لئے اکثر کارروائیاں اس نظریہ کے تحت کی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے کچھ بنیادی مقاصد ہوتے ہیں۔ جن کی نشاندہی ساتھ ساتھ ہوتی رہی ہے۔ اور نظریہ ضرورت، پر ان بنیادی مقاصد کے تحت عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں مجبوری والی بات کوئی نہیں ہوتی۔ اور نہ اسلام غیروں کی طرح "بد ضرورت" (Necessary evil) کے اصول کا قائل ہے۔ کیونکہ دین حق کے اصولوں کے لحاظ سے ضرورت "بد" یا "بری" نہیں ہو سکتی۔ اس ایک سال کی البتہ ایک اہم بات یہ ہے کہ اہل مکہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی کہ ان کے ساتھ صلح کی حالت تھی۔ لیکن ادائے عمرہ نے اہل مکہ کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کر دیا اور ساتھ ہی فتح مکہ کو بھی نزدیک کر دیا۔ چنانچہ اس مذہبی فریضہ کا فوجی پہلو بھی بیان کیا جائیگا۔ باقی مہمات کا ذکر آگے آتا ہے۔

ا۔ حسیبی اور جودھم کے علاقے کی مہم (جمادی الثانی سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار باون ہے۔ ابن سعد کے مطابق یہ مہم جمادی الثانی چھ ہجری کی ہے اور واقعات بہت مختصر لکھے گئے ہیں۔ اور یہ عاجز جو واقعات اب لکھ رہا ہے ان کو ابن سعد تین چار فقروں میں بیان کر دیتا ہے۔ لیکن ہمارے جائزہ کے حساب سے یہ واقعات چھ ہجری میں نہیں ہوئے کہ جب تک خیبر کا علاقہ فتح نہ کر لیا جاتا، ایسی مہم اس طرح بھیجنا مشکل تھا۔ یہ عاجز پندرھویں باب میں وادی القریٰ کی پہلی مہم کے تحت جائزہ پیش کر چکا ہے کہ ابن سعد نے معاملات کو کچھ ملا جلا دیا۔ کہ جناب ضیاءؓ کی سفارت کا بھی ساتھ ذکر ہے جو ساتویں ہجری میں واقع ہوئی۔ ابن اسحٰق نے البتہ اس مہم کو حسیمیٰ اور جودھم کی مہم کا نام دیا ہے۔ لیکن ایک قبیلہ حسیب کا بھی ذکر کرتا ہے اور

کہتا ہے کہ یہ واقعہ سات ہجری کا ہے۔ گو مہینہ نہیں لکھا، لیکن جس ترتیب سے واقعات بیان کئے ہیں مہینہ جمادی الثانی کا ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ واقعات بہت تفصیل سے لکھے، جن کا اختصار پیش کیا جارہا ہے۔

جودھم قبیلہ کے کافی لوگ جناب رفاؓ بن ضیاء جودحیؓ کی تبلیغ پر اسلام لے آئے تھے اور کلبی قبیلہ کے لوگ بھی جن میں جناب ضیاءؓ بن خلیفہ کلبی بھی تھے، اور ان کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ اب جناب ضیاءؓ کو حضور پاکؐ نے قیصر (ہرقل) کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اور جناب ضیاءؓ جب واپس آرہے تھے تو نزدیک کے ایک قبیلہ حسیبیؓ کے سردار ہند نے ان کا سارا سامان لوٹ لیا۔ جناب رفاؓ بن ضیاء نے یہ سامان وغیرہ تو واپس دلوا دیا۔ لیکن جھگڑا ختم نہ ہوا اور قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور جگہ جگہ آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضور پاکؐ نے زیدؓ بن حارث کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ اس علاقے میں روانہ کیا۔ مسلم اور غیر مسلم میں تفریق کرنا مشکل ہو گئی تھی۔ حضرت زیدؓ نے حالات کو سنبھالنے کی کافی کوشش کی، پھر بھی کچھ لوگ شکایت لے کر حضور پاکؐ کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ان کی شکایت یہ تھی کہ مسلمان لشکر والوں کو کئی لوگ غلط اطلاعیں دے کر اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو بھیج کر معاملات کو ٹھیک کرایا۔ مسلمانوں کو اس مہم سے بہت فائدہ ہوا۔ مال غنیمت بھی کافی ہاتھ آیا۔ کافی لوگ مسلمان ہوئے اور اسلام کا پھیلاؤ ہر قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگ گیا۔ چنانچہ ان علاقوں میں چند شرپسندوں کو چھوڑ کر اکثر لوگ اور قبائل نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کو ترجیح دی اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ جناب ضیاؓ کو ہماری آجکل کی کتابوں میں "دیہہ" یا "دحیہ" لکھا جاتا ہے کہ ہمارے پاس اکثر تاریخیں یورپ کے راستے آئیں جو جناب ضیاؓ کو DIA لکھتے ہیں۔ اس عاجز کے لحاظ سے "دیہہ" یا "دحیہ" جیسے بے معنی نام کو حضور پاکؐ پاک بھی تبدیل کر دیتے۔

۲۔ **طربہ یا تربہ کی مہم** (شعبان سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ترپن ہے۔ حضور پاکؐ نے حضرت عمرؓ کو تیس مجاہدوں کے ساتھ بنو ہوازن کے علاقہ طربہ میں بھیجا۔ وہاں کے قبائل مسلمانوں کی آمد سن کر بھاگ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک حربی مظاہرہ تھا۔ (ابن سعد)

۳۔ **بنو کلاب کی سرکوبی** (شعبان سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کاروئی شمار چون ہے۔ حضور پاکؐ نے ایک دستہ کے ساتھ جناب صدیق اکبرؓ کو بنو کلاب کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مشہور صحابی اور رجز خواں جناب عامرؓ شہید کے بھائی جناب سلمہؓ بن اکوع بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دشمن کے علاقہ پر دھاوا بولا۔ بنو کلاب کچھ قتل ہوئے اور کچھ قیدی اور اس کے بعد امن کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا۔ (ابن سعد)

۴۔ **بنو مرہ کی سرکوبی** (شعبان سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کاروائی شمار پچپن ہے۔ حضور پاکؐ کو خبر ملی کہ بنو مرہ کے قبائل فدک کے مقام پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور خیبر کے علاقہ میں کچھ لوٹ مار مچانا چاہتے ہیں۔ حضورؐ پاک نے ان کی سرکوبی کے لئے حضرت بشیرؓ بن سعد کو تیس مجاہدوں کے ساتھ بھیجا اور لڑائی ہوئی جس میں کچھ کفار گرفتار ہوئے اور کچھ قتل۔ کافی مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ خود حضرت بشیرؓ بھی زخمی ہوئے۔ اس مہم کو فدک کا دوسرا چھاپہ بھی کہتے ہیں۔ فدک پر پہلے چھاپہ کا ذکر

پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔

۵۔ خربہ کی مہم (رمضان سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چھپن ہے۔ حضور پاکؐ نے جھنیہ کے علاقے میں ایک لشکر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی سرداری میں بھیجا۔ حضرت اسامہؓ نے وہاں پہنچ کر ان لوگوں کو خوب سمجھایا کہ اطاعت کر لیں لیکن وہ لوگ جنگ پر تیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے منظم طریقے پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے۔ تعاقب کے دوران حضرت اسامہؓ جب ایک آدمی پر وار کرنے لگے تو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ آپ وار نہ روک سکے اور سمجھے کہ وہ آدمی جان بچانے کیلئے بہانہ کر رہا ہے۔ مہم سے واپسی کے بعد جب حضور پاکؐ کو اس چیز کے بارے میں آگاہ کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا "دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جس کی زبان سے کلمہ نکل جائے، اس پر وار نہ کیا جائے۔ خواہ وہ آدمی جان بچانے کیلئے ایسا کر رہا ہو" حضرت اسامہؓ اس غلطی پر ساری عمر افسوس کرتے رہے اور اس وقت بھی حضور پاکؐ کے سامنے بار بار بخشش کی عرض کرتے اور کہتے۔ "کاش! میں آج مسلمان ہوا ہوتا کہ یہ گناہ خود بخود معاف ہو جاتا"۔ یہ بات لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے قرون اولی کے مسلمان اپنی ان جانی غلطیوں پر بھی کس طرح نادم ہوتے تھے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ اپنی صریح غلطیوں پر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں یا تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرا پہلو زبان اور قول کا ہے۔ کہ اسلام دین فطرت کے طور پر قول کو بڑی وقعت دیتا ہے۔ تب ہی حضور پاکؐ نے عبداللہ بن ابی جیسے منافق کے ساتھ گزارا کیا۔ کہ زبان سے وہ بھی کہتا تھا کہ وہ مسلمان تھا۔ اس میں ہمارے لئے البتہ سبق یہ ہے کہ جب تک ہمارا قول اور فعل یا ظاہر و باطن ایک نہیں ہو جاتا، ہم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ افسوس کہ ہماری منافقت نے عبداللہ بن ابی کی منافقت کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور پوری قوم کی حیثیت سے ہماری کشتی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے پس اللہ سے دعا ہی کر سکتے ہیں:۔

مری ناؤ گرداب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اسے سیار کر (اقبالؒ)

۶۔ حضرت بشیرؓ بن سعد کی دوسری مہم (شوال سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ستاون ہے۔ خبر ملی کہ غطفان اور لیحان قبیلہ کے لوگ عینیہ بن حصن فزاری کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ حضور پاکؐ نے دوبارہ جناب بشیرؓ بن سعد کو تین سو مجاہدوں کے ساتھ ان علاقوں میں بھیجا، کہ آپ ان علاقوں سے بنو مرہ کی مہم کے دوران خوب واقف ہو گئے تھے۔ حکم یہ تھا کہ باری باری ہر قبیلہ کے علاقہ پر چھاپہ مار کر آگے بڑھتے جاؤ۔ مسلمانوں نے جگہ جگہ زوردار حملے کر کے شرپسندوں کے مزاج درست کئے۔ اور ان حملوں سے قبائل منتشر ہوتے گئے۔ ابن اسحق نے ان واقعات کا نام لکھا ہے تفصیل نہیں لکھی ابن سعد اور دوسروں سے جو تفصیل ملی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ جناب بشیرؓ رات کو کوچ کرتے تھے۔ اور دن کو چھپ کر اپنی پوشیدگی کو قائم رکھتے تھے اور اس طرح وہ الجناب کے نزدیک یمین و جبار کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ یہ مقامات وادی القریٰ اور خیبر کے علاقوں میں ہیں۔ مہم کو سب سے زیادہ کامیابی سلاح کے مقام پر ہوئی۔ جہاں مال غنیمت میں اور چیزوں کے علاوہ کافی اونٹ بھی ملے، جن کے چرواہے بھاگ گئے۔ اور قبائل کو مسلمانوں کی آمد کی خبر دے دی۔ تو قبائل پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ صرف دو آدمی ملے جو مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

۷۔ فدک پر قبضہ اس باب کی مہمات کا بیان اور نقشہ سیاز دہم ظاہر کرے گا، اور پندرھویں باب میں بھی یہ واضح ہو چکا ہے کہ مکہ مکرمہ کے علاوہ حضورؐ پاک کا رخ اب زیادہ تر وادی القریٰ اور خیبر کے نزدیکی علاقوں فدک وغیرہ کی طرف تھا۔ اس سے تھوڑا اوپر کسی زمانے میں قوم ثمود آباد تھی جن کے برباد و تہہ و بالا ہو جانے کے بارے میں شروع کے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے اور تبوک کی مہم کے وقت دوبارہ ذکر آئے گا۔ اوپر والی مہمات کے دوران فدک کی یہودی آبادی نے بھی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جلدی ہی ہتھیار ڈال دیئے اور خیبر کی شرائط پر صلح ہو گئی۔ یہاں یہودیوں کی تعداد بھی کم تھی۔ اور الگ مہم یا سالار لشکر کا نام کہیں سے نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اس کارروائی کو اسلام کی الگ فوجی کارروائی کے طور پر شمار نہیں کیا جا رہا۔

۸۔ ادائے عمرہ۔ (ذی قعدہ۔ سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اٹھاون ہے۔ اور اس کو فوجی کارروائی کیوں کہا گیا ہے۔ وہ مہم کے بعد واضح کیا جائے گا۔ صلح حدیبیہ میں قریش کے ساتھ معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگلے سال حضور پاکؐ مکہ مکرمہ میں آ کر عمرہ ادا کر سکیں گے۔ تین دن وہاں قیام کی بھی اجازت ہو گی۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے وقت لشکر اسلام میں شریک تھے اب اس سال عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ چلیں اور سب لوگ خوشی کے ساتھ شریک ہو گئے۔ بلکہ تین چار سو کا اضافہ بھی ہوا۔ ایک سال پہلے جب مکہ مکرمہ سے مسلمان واپس آئے تو قریش بڑے خوش تھے کہ ان کی جیت ہو گئی۔ کئی مسلمان بھی مایوس تھے۔ اب اگر سارے معاملہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں بھی جیت مسلمانوں کی تھی۔ پچھلے سال اللہ کے گھر کے دروازے تک گئے۔ خانہ کعبہ میں لڑائی اللہ کو پسند نہیں ہے تو وہاں لڑائی نہ ہوئی اور مسلمان قربانی بھی کر آئے اور نیت کا پھل ویسے بھی اللہ کے ہاں ہے اور فوجی مشق بھی ہو گئی۔ کفار کے دروازے بھی کھٹکھٹا آئے۔ اگر قریش مکہ مکرمہ کے اندر جانے کی اجازت مسلمانوں کو دے دیتے تو معاملہ ادھر ہی ختم ہو جاتا۔ اور معاملات کو آگے بڑھانے کیلئے کوئی اور حکمت عملی اپنانی پڑتی۔ لیکن اللہ کو مسلمانوں کی بہتری منظور تھی۔ دوسرے سال مسلمان زیادہ شان و شوکت سے آئے عبادت کا مقصد بھی پورا ہوا جو دراصل جہاد کی ہی تیاری ہے اور جنگی مشق بھی ہو گئی۔ دشمن کے دروازے کے اندر داخلہ بھی ہو گیا۔ لوگوں کے ساتھ "دو سال تعلقات" پیدا کیے۔ تبلیغ کی، اور اس سال مسلمان خیبر کو فتح کر کے آئے تھے یعنی ایک دشمن کا خاتمہ کر کے آئے تھے۔ یہودی فتنہ و فساد بھی ختم تھا۔ قریش مسلمانوں کی ان کامیابیوں پر حیران تھے۔ چنانچہ اس سال مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ اور بڑھا اور یہ ہیں صلح حدیبیہ کے فوجی پہلو اور اس صلح سے حضور پاکؐ کی حکمت عملی کی کامیابی

ماسوا اللہ کے لئے ہے اک تکبیر تری   تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری (اقبالؒ)

اس سارے سفر یا جنگی مشق کو مورخین نے نہایت مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مسلمان جو بڑا اسلحہ یا ہتھیار اپنے ساتھ لائے تھے وہ خانہ کعبہ کے اندر نہیں لے جا سکتے تھے۔ اس کو مکہ مکرمہ سے آٹھ میل دور بطن یاجج کے مقام پر چھوڑ دیا اور گو حضورؐ پاک اہل قریش کے ساتھ اب حالت جنگ میں نہ تھے اور صلح کی حالت تھی پھر بھی دو سو سواروں کا ایک دستہ اس جگہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا جو لگاتار مسلمانوں کے مرکز یعنی حضورؐ پاک سے ملاپ قائم رکھے ہوئے تھا تاکہ اچانک کسی شرارت کو ختم کرنے کے لیے مسلمان تیار رہیں مقامی حفاظت جنگ کے اصولوں میں اہم حیثیت رکھتی ہے اور یہ اصول حضور پاکؐ نے ہمیشہ

اپنایا۔ تلواریں البتہ ساتھ تھیں اور وہ میان میں تھیں۔ گو اللہ تعالیٰ فخر سے چلنے کی ممانعت کرتا ہے لیکن فوج اور مجاہدوں کو اس کی اجازت ہے اور حضورؐ پاک نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ذرا فخر سے اور اکڑ کے ساتھ چلیں تاکہ دشمن پر ان کا رعب بیٹھ جائے جرمنوں نے فوجی ڈرل کی چال مسلمانوں کے اس طریق کار سے نقل کی ہے۔

قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں　　فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن

(محراب گل کے افکار علامہ اقبالؒ کی زبان میں)

چنانچہ حضورؐ پاک لبیک کہتے ہوئے حرم شریف کی طرف بڑھے۔ آپؐ کے اونٹ کی مہار تھامنے کا اعزاز عظیم صحابی حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو نصیب ہوا۔ جو تعارف کے محتاج نہیں۔ انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک بیعت عقبہ ثانی میں شمولیت، جنگ بدر میں مبارزت کیلئے نکلنا، خیبر پر چھاپہ بلکہ آپ شاعر بھی تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

"اے کافرو! ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ اور ہمیں راستہ دو۔ ہر اچھائی ہمارے آقا محمد مصطفےٰؐ کی تابعداری میں ہے۔ اے اللہ اور ہمارے مالک ہم حضورؐ پاک کے الفاظ پر مکمل یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہ حق پر ہیں۔ اے کافرو! ہم ان الفاظ کے نفاذ کے لیے بھی اسی طرح لڑیں گے جس طرح تمہارے ساتھ وحی کے نازل ہونے پر لڑ چکے ہیں اور یاد رکھو کہ ہماری تلوار کا ایک وار سر کو کندھوں سے الگ کر دیتا ہے۔ اور حق کے راستے میں دوستی کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتی"

اہل مکہ کو صلح حدیبیہ کے تحت عمرہ کی اجازت تو دینا پڑی۔ لیکن ان کی آنکھیں مسلمانوں کی شان و شوکت کیسے دیکھ سکتی تھیں۔ اس لیے قریش میں سے اکثر نے شہر خالی کر دیا اور مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں چلے گئے۔ البتہ جو لوگ دل سے مسلمانوں کے ہمدرد تھے وہ مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے۔ خاص کر حضرت عباسؓ اور ان کا خاندان اور ابن عباسؓ (جناب عبداللہؓ) نے ایک تماشائی کی حیثیت سے یہ بیان ہماری تاریخوں کا حصہ بنایا کہ حضورِ پاکؐ کس طرح حرم شریف میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف کیا اور تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ لیکن حضورؐ پاک کو اس دن جس ہستی نے بہت متاثر کیا، وہ جناب حمزہؓ شہید کی کم سن بچی امامہؓ تھیں۔ آپ مکہ مکرمہ میں رہتی تھی۔ حضرت حمزہؓ حضورِ پاکؐ کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے اور عمر کے تقاضے کی وجہ سے امامہؓ نے جب حضورؐ پاک کو حرم شریف سے باہر نکلتے دیکھا تو فرط محبت سے "چچا چچا" کرتی ہوئی حضورِ پاکؐ کے ساتھ آکر لپٹ گئی۔ حضورِ پاکؐ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہی حالت کئی صحابہ کی تھی، خاص کر حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ بن حارث (جو حضرت حمزہؓ کے منہ بولے بھائی تھے) تو بچی کو پیار کرتے نہ تھکتے تھے اور ہر ایک دعویدار تھا کہ وہ بچی کی پرورش کرے گا۔ حضورِ پاکؐ نے فرمایا "تینوں کا حق برابر ہے لیکن حضرت جعفرؓ کی بیوی جناب اسمٰؓ بن عمیس، حضرت امامہؓ کی خالہ بھی ہے اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ اس لیے امامہؓ کی پرورش حضرت جعفرؓ کریں گے" ابن سعد نے جناب امامہؓ کا نام ایک جگہ عمارہ لکھا ہے۔ یہ شاید کنیت ہو اور شاید کتابت کی غلطی ہو گئی ہو۔ جناب اسمٰؓ بن عمیس کی عظمت کے ذکر آگے آتے رہیں گے۔

تبصرہ　　اب یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ صلح حدیبیہ یا حدیبیہ کی مہم ایک جنگی کارروائی تھی یا نہیں۔ اور یہ اداء عمرہ

سکیل 1/2,000,000

ایک فوجی مہم تھی کہ نہیں ۔ ساتھ ہتھیار لے جانا، ان کو ایک جگہ رکھنا، وہاں حفاظتی دستے کا بندوبست، اکڑ کر چلنا، جناب عبداللہؓ بن رواحہ کے الفاظ اور قریش کا مکہ مکرمہ سے نکل جانا اس سلسلہ کے بہت بڑے ثبوت ہیں ۔ حضرت امامہؓ کا واقعہ اگر ایک طرف اسلام کے ایک شہید اعظم کی یاد کو تازہ کرتا ہے تو ساتھ ہی انسانی رشتوں خاص کر بچیوں اور عورتوں کے اس مقام کی بھی نشاندہی کرتا ہے جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے ۔ اسلام میں عورتوں نے خاموشی کے ساتھ جو کردار ادا کیا ہے، افسوس کہ آج تک اس پر صحیح طریقہ سے قلم نہیں اٹھایا گیا ۔ دین فطرت نے چادر اور چاردیواری کے اصول کے ساتھ عورت کو جو مقام عطا فرمایا ہے، اور مسلمان عورت نے جس طرح قرون اولیٰ میں مجاہدوں کا جذبہ بڑھایا ہے یا لوری دے کر مسلمان کے بچے کو پنگھوڑے میں ایک جنگجو سپاہی بنایا ہے یا اللہ اور رسولؐ پر قربان ہونے کے جو سبق سکھائے ہیں ۔ یا مجاہدوں اور غازیوں کو فتح کے بعد جس طرح خوش آمدید کہا ہے اور جس خوشی کا اظہار کیا ہے، جناب امامہؓ کا نام اس سلسلہ میں ایک مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے ورنہ عورتوں کے صحیح کارناموں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے ۔ عورت کا ایک کام یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح پرورش کرے ۔ کہ وہ غیرتمند مسلمان بنیں اور اپنی عورتوں کی حفاظت کر سکیں ۔ صحابیات اور صالحیات کے ذکر پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کیا مثالیں چھوڑیں ۔ بہرحال مردوں اور عورتوں کے اس سلسلہ کے تعلقات کے فلسفہ کو علامہ اقبالؒ کی زبان میں پڑھیں ۔

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور ۔۔۔ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہو لہو سرد

نے پردہ نہ تعلیم، نئی، ہو کہ پرانی ۔۔۔ نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

اس عاجز کے لحاظ سے صلح حدیبیہ اور ادا، عمرہ فوجی کارروائیاں ہیں ۔ یہ فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں ۔ ویسے مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور ان کی ہر اجتماعی کارروائی میں فوجی روح یا عسکریت ہونی چاہیئے بہرحال آپ نے دیکھ لیا کہ آج سے سات سال پہلے حضورؐ پاک کو مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا ۔ آج ان کو مکہ سے نکلنے والے "فرار" اختیار کر چکے تھے ۔ اور حضورؐ پاک ربط وضبط کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر میں داخل ہوئے ۔ اور پھر اللہ کے گھر پہنچ کر عاجزی کی روایت ہے کہ حضور پاکؐ کے ساتھ تقریباً دو ہزار صحابہ کرام کو بھی اس عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی ۔ اور کم از کم ساٹھ اونٹ قربان کئے گئے ۔ مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کی نیابت کی سعادت اس دفعہ جناب ابورحم غفاریؓ کو نصیب ہوئی ۔

ام المومنین میمونہؓ اس عمرہ کے خاتمہ کے بعد حضورؐ پاک نے جناب میمونہؓ کو ام المومنین بننے کا شرف عطا فرمایا ۔ نکاح آپؐ کے چچا جناب عباسؓ بن عبدالمطلبؓ نے پڑھا ۔ کہ جناب میمونہؓ جناب عباسؓ کی زوجہ محترمہ جناب ام فضلؓ کی بہن ہیں ۔ جناب ام فضلؓ، اولین مسلمانوں میں شامل ہیں ۔ اور مصلحت اور خاوند کیوجہ سے مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں ۔ ورنہ جناب ام فضلؓ کو حضورؐ پاک کے ساتھ بہت قربت تھی ۔ بہرحال ہمارے فقیہہ اس بات پر وقت ضائع کرتے رہتے ہیں کہ جناب میمونہؓ کے ساتھ حضور پاکؐ نے نکاح حالت احرام میں کیا ۔ یا احرام کھول دیا تھا ۔ یہ فضول بحث ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب نکاح ہی سرف کے مقام پر ہوا، تو عمرہ کی ادائیگی ختم ہو چکی تھی ۔ اور مکہ مکرمہ میں تین دن کا قیام بھی ختم ہو چکا تھا ۔ البتہ اس نکاح میں ایک اور مصلحت تھی کہ حضور پاکؐ امت کیلئے آسانیاں پیدا فرما رہے تھے کہ عمرہ یا حج کے فوراً بعد نکاح ہو سکتا ہے ۔ اور جنگ اور مہم کے فوراً بعد آپؐ

نے جناب صفیہؓ اور جناب جویریہؓ سے بھی نکاح کیا تھا۔ اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم نے حضرت عمرؓ کی زبان سے اپنی کتاب میں جناب خالدؓ پر بنو تمیم کی مہم کے بعد اور یمامہ کی جنگ کے بعد شادیوں کے جو اعتراضات بتائے ہیں اور جو الفاظ لکھے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جناب خالدؓ نے جنگ کے شہیدوں کا خیال بھی نہ کیا، یہ سب جھوٹے بیانات ہیں۔ اس عاجز نے اپنی کتاب خلفاء راشدین میں جائزے پیش کر کے جنرل اکرم کے ان تفرقہ والے بیانوں کی قلعی کھولی ہے۔ اور حضور پاک کی بہت سی ایسی مثالیں بھی دی ہیں کہ نکاح ایک پاکیزہ عمل ہے۔

حضورؐ پاک اور کثرت ازواج جناب میمونہؓ سے پہلے حضور پاکؐ نے جناب ریحانہؓ کو بھی ام المومنین بننے کا شرف عطا فرمایا۔ آپ بنو نضیر سے تھیں اور آپ کی شادی بنو قریظہ میں ہوئی تھی، آپ کا خاوند بنو قریظہ کی مہم میں قتل ہوا۔ اور حضور پاکؐ نے جناب ریحانہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ لیکن یہ بھی روایات ہیں کہ آپ کنیز ہی رہیں۔ اس کے علاوہ حضور پاکؐ نے قریش سے جناب زینبؓ بن خزیمہ سے بھی شادی کی جو زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ علاوہ ازیں جناب ام حبیبہؓ اور جناب ماریہ قبطی کا ذکر تئیسویں باب میں آتا ہے۔ تو، کل ازواج مطہرات، جو آپؐ کے نکاح میں رہیں ان کی تعداد چودہ بنتی ہے۔ روایت ہے کہ جناب میمونہؓ حضور پاکؐ کی آخری زوجہ محترمہ تھیں۔ اس کے بعد اگر کسی کا ذکر ہے تو اس کی رخصتی نہ ہوئی یا خلوت سے پہلے علیحدگی ہو گئی۔ غیر البتہ جب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے زیادہ شادیاں کیں یا فلاں شادی سیاسی تھی یا یہ تھا اور وہ تھا۔ تو ہم خواہ مخواہ دفاع ڈھونڈتے ہیں کہ اگر آپ سیاسی شادیاں کرتے تو انصار میں شادیاں کرتے لیکن حضورؐ پاک نے ایک شادی بھی انصار میں نہ کی۔ اور صرف ایک کنواری سے شادی کی۔ باقی شادیوں میں بیوہ عورتوں کو شرف بخشا وغیرہ۔ تو یہ ساری باتیں ٹھیک ضرور ہیں لیکن اس عاجز سے اگر کوئی پوچھے تو جواب یہ ہے کہ حضورؐ پاک سینکڑوں شادیاں کرتے تو ہمارا دل اور خوش ہوتا اور امت کی مائیں اور زیادہ ہوتیں۔ اور حضورؐ پاک کا شرف اور عنایت اور زیادہ ہوتا۔ اور یہ عاجز پچھلے ابواب میں اس سلسلہ میں کچھ جھلکیاں دے چکا ہے۔ علاوہ ازیں آپؐ نے عام مسلمانوں کو چار شادیوں کی اجازت دی کہ زیادہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے یا برابری نہ دے سکو گے۔ لیکن حضرت علیؓ کو جناب فاطمہؓ کی موجودگی میں دوسری شادی کی بھی اجازت نہ دی کہ نبیؐ کی بیٹی کے ساتھ کوئی اور عورت برابری نہ کر سکے گی۔ اسلام دین فطرت ہے اور مرد کیلئے ایک عورت کبھی بھی کافی نہیں۔ یعنی ایک نارمل یا اوسط مرد کی ایک عورت سے ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ہمارے اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ بیوہ عورت کو گھر بٹھا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ دوسری شادی کوئی نہیں کرتا۔ یا مرد کیلئے جب ایک عورت کافی نہ ہو تو وہ گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن خدارا ہمیں حضورؐ پاک کی شادیوں کو بحث کا ذریعہ نہ بنانا چاہیے۔ آپؐ کے لئے گزارش ہو چکی ہے کہ آپؐ کی طاقت کا چالیس مردوں کے برابر کہنا بھی ایک طرز بیان ہے۔ ورنہ آپؐ جو زماں و مکان پر حاوی تھے۔ آپؐ کی طاقتوں کو کون ناپ سکتا ہے۔ جناب ام سلمہؓ جو ایک طرف بہت شرمیلی، ساتھ ہی بڑی شخصیت والی اور مدبر عورت مانی جاتی تھیں۔ حضور پاکؐ کے ساتھ نکاح اور خلوت کے بعد حیران ہو گئیں اور جب آپؐ ان کے حجرہ سے نکلنے لگے تو جناب ام سلمہؓ نے آپ کا دامن تھام لیا۔ تو حضورؐ پاک نے فرمایا۔ "کہ اے ام سلمہؓ میں تمہارے پاس زیادہ دن بھی ٹھہر سکتا ہوں۔ لیکن پھر مجھے باقی سب کے پاس اتنے اتنے دن ٹھہرنا ہوگا"۔ اور جناب ام حبیبہؓ کے تاثرات تئیسویں باب میں ہیں

بہر حال ہمارے پرانے مورخین نے حضور پاکؐ اور ان کی ازواج مطہرات کے پاکیزہ اور فطرتی رشتہ پر بہت کچھ لکھا ہے اور نبیؐ کی شان بھی بیان کی ہے۔ اس میں ہمارے لئے بڑے اسباق ہیں۔ لیکن خدارا ان باتوں کو ہم اپنے بودے پیمانوں سے ناپنے سے گریز کریں۔ بہر حال یہ سب ایک الگ کتاب کا مضمون ہے اور عورت کو جو مقام اسلام نے دیا ہے اس کو ہم بھول چکے ہیں۔ عورت نہ گٹھڑی ہے کہ اس کو بوجھ کے طور پر اٹھانا پڑے یا اس کی رکھوالی کرنا پڑے اور نہ تتلی ہے کہ بازاروں کی رونق بنے

عورت اور دنیا کہتے ہیں کہ دنیا میں سب کشش "زر" "زمین" اور "زن" میں ہے اور سب جھگڑے اسی وجہ سے ہیں۔ بلکہ زمین سے بھی زر حاصل کرنا مقصود ہوتی ہے۔ اور یہ سب حاصل کرنے کے بعد اگلی خواہش "زن" یا عورت ہوتی ہے۔ اس لئے عورت اس دنیا کا دوسرا نام ہے۔ حضور پاکؐ نے خاص کر ایسے الفاظ استعمال نہ فرمائے۔ لیکن زر یعنی دولت کو تقسیم کر دیا اور عورت کے معاملہ میں اعتدال کی راہ نکالی۔ اور اسلام دین فطرت کے طور پر یہ تسلیم کرتا ہے کہ عام یا نارمل آدمی کیلئے ایک عورت کافی نہیں۔ لیکن زیادہ کی اجازت نہیں اگر برابری نہ رکھی جاسکے۔ اور ایک وقت میں چار کی حد مقرر کر کے، سینکڑوں عورتوں کو حرم کی زینت بنانے کے اس زمانے کی رسم کو ختم کیا۔

عورت اور حضور پاکؐ حضور پاکؐ نے از خود البتہ چار کی حد سے بھی تجاوز کیا۔ کہ کچھ عملی معاملات ذہن نشین کرانے تھے۔ اور پھر آپ کو عام بشری پیمانوں سے ناپنے کے بارے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بہر حال ماں، بیٹی اور بہن کے رشتے بہت پاکیزہ ہیں۔ لیکن جو رشتہ مرد اور عورت کا ہے اس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ اس لئے مرد نے عورت کو دنیا میں مقام دینا تھا کہ عورت دنیا کی حسین ترین چیز ہے اور ہر عورت حسین ہے۔ علاوہ ازیں عورت اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو جنم دیتی ہے اور یہ ایک ایسا شرف ہے، جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ تو مرد اور عورت کے ان تعلقات کی پاکیزگی کے عملی پہلو کو اجاگر کرنے کیلئے حضور پاکؐ نے ہر عمر والی عورت پر موقع و محل اور ہر ضرورت کے تحت عورتوں سے نکاح کر کے انسانیت کو شرف بخشا۔ آپؐ کی ایک ایک شادی کے عملی پہلوؤں پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ جناب خدیجہ الکبریٰؓ کے ساتھ شادی پر کچھ تبصرہ پانچویں باب میں ہو چکا ہے۔ کچھ شادیوں کے موقع و محل کا ذکر بھی ہو گیا ہے، جناب سودہؓ کے ساتھ شادی نظریہ ضرورت کے تحت تھی۔ جناب زینبؓ کے ساتھ شادی دلجوئی تھی اور کچھ روحانی پہلو تھا جس کو جناب داتا گنج بخشؒ نے واضح کیا اور پیش لفظ میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور گو اصلی بات شرف کی ہے۔ لیکن عملی طور پر ازواج مطہرات نے اسلام پھیلانے میں مدد کی۔ بلکہ جن عوتوں کے ساتھ نکاح کے بعد رخصتی نہ ہو سکی یا خلوت نہ ہو سکی، ان میں بھی عملی سبق ہیں۔ بلکہ ایک جگہ شادی سے حضور پاکؐ نے اس لیے انکار فرمایا کہ وہ عورت کبھی بیمار نہ ہوئی تھی۔ افسوس کہ حضور پاکؐ کی زندگی کے ان عملی پہلوؤں پر دن بدن پردے ڈالے جا رہے ہیں اور ہماری ازدواجی زندگیاں رنگ ہی اور اختیار کر گئی ہیں جس کے اثرات ہماری اولادوں پر بری طرح پڑ رہے ہیں۔ اور اب ہم اسی وجہ سے اصلی اور حقیقی اسلام سے دن بدن دور ہوتے جا رہے ہیں۔ آیئے حضور پاکؐ کی غلامی اختیار کر کے اپنے دلوں اور بصارت کو صحیح کریں کہ ہمیں صراط مستقیم نظر آنے لگے:۔

زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا   ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی (اقبالؒ)

۹۔ بنو سلیم کا ظلم (ذوالحجہ سات ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار انسٹھ ہے۔ بنو سلیم کا ذکر جنگ خندق کے وقت چودھویں باب اور جموم کی مہم کے دوران پندرھویں باب میں ہو چکا ہے اب پھر حضور پاکؐ نے حضرت ابی العوجاؓ کے ماتحت پچاس آدمیوں کے ایک دستہ کو بنی سلیم کے ایک چھوٹے قبیلہ کے پاس اسلام کی دعوت دینے کیلیے بھیجا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اور سردار لشکر کو چھوڑ کر سب لوگ شہید ہو گئے۔ مسلمان بڑی بہادری سے لڑے اور سردار لشکر کو بھی اس قبیلہ نے شاید اس لیے چھوڑ دیا کہ مسلمانوں کو ڈر لگے کہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ لیکن ان شہیدوں کی شہادت کا قبائل پر بہت اثر ہوا اور کئی لوگ خود بخود اسلام لے آئے۔ قارئین! ذرا قربانیوں کا بھی اندازہ لگائیں کہ اسلام اتنی آسانی سے نہ پھیلا۔ یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ حفاظتی بندوبست صحیح نہ تھا۔ تو ساتھ روایت ہے کہ جناب ابو العوجاؓ کے ہمراہیوں میں ایک آدمی دشمن یا کفار کا جاسوس تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ہر ارادے کی خبر دشمن کو پہلے دے دی۔ تو ایک اور سبق بھی نکل پڑا، کہ اپنے سب ہمراہیوں پر نظر رکھی جائے

۱۰۔ کدید پر حملہ (صفر آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ساٹھ ہے۔ اس مہم پر حضور پاکؐ نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ کلبی کو بھیجا کہ بنی الملاوح کے قبیلہ پر جو کدید (القدید) میں رہتے ہیں ایک چھاپہ مارا جائے کہ ان لوگوں نے بھی بیر معونہ وغیرہ کے مسلمان شہداء کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ذک پہنچائی تھی۔ اس قبیلہ کا ایک سردار حارث تو مسلمانوں کے ہاتھ پہلے ہی لگ گیا اور اسی کو گرفتار کر لیا۔ آگے ایک صحابی حضرت جندبؓ کا بیان ہے کہ ان کو دیکھ بھال کرنے کے لیے بھیجا گیا تا کہ رات کو شبخون مارنے کے لیے سورج غروب ہونے سے پہلے محل وقوع کی دیکھ بھال ہو جائے۔ وہ گئے اور ایک ٹیلہ پر لیٹ گئے دشمن کو کچھ شک پڑا اور انہوں نے کچھ تیر ان کی سمت میں چلائے۔ ایک تیر ان کو لگ بھی گیا لیکن انہوں نے کوئی حرکت نہ کی کہ دشمن چوکنا نہ ہو جائے۔ پھر رات کو سب دستہ اکٹھا ہوا اور پو پھٹنے سے تھوڑی دیر پہلے اس قبیلہ پر پل پڑے۔ کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو زخمی اور ان کے مال مویشی ہانک کر چل پڑے۔ قبیلہ والوں نے بعد میں اکٹھا ہو کر ان کا تعاقب شروع کیا۔ اللہ کی قدرت کہ اسی وقت کہیں بارش ہوئی اور ایک نالہ کو مسلمان جب پار کر چکے تھے تو بعد میں اس میں طغیانی کا پانی آگیا اور قبیلہ الملاوح کے لوگ نالہ پار نہ کر سکے اور حیران و پریشان دوسری طرف کھڑے ہو گئے۔ اس بات کا ان پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ لوگ بھی آہستہ آہستہ اسلام کی آغوش میں آنے شروع ہو گئے۔ ابن اسحق اس مہم کا سرسری ذکر کرتا ہے۔ ابن سعد میں زیادہ تفصیل ہے۔

۱۱۔ ذات عرق کی مہم (ربیع الاول آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اکسٹھ ہے۔ ایک سال پہلے قبیلہ ہوازن کے لوگ طربہ کے مقام پر اکٹھے ہو رہے تھے جن کو حضرت عمرؓ نے تتر بتر کیا۔ اب وہ لوگ السی بیارسی کے مقام پر علاقہ ذات عرق میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ حضور پاکؐ نے حضرت شجاعؓ بن وہب کو چوبیس مجاہدوں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ آپ چھپ چھپ کر آگے بڑھتے رہے اور اچانک دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ بے حساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور وہ لوگ پھر تتر بتر ہو گئے۔ (ابن سعد)

۱۲۔ ذات اطلاع کی قربانی (ربیع الاول آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار نمبر باسٹھ ہے۔ حضور پاکؐ نے حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری کے ماتحت پندرہ آدمیوں کے ایک دستہ کو وادی القرہ میں ذات اطلاع کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کے

لیے بھیجا۔ یہ علاقہ فلسطین کی سرحد کے نزدیک ہے اور کافی لمبا سفر تھا۔ اور وہاں کے لوگوں پر ابھی اسلام کا رعب نہ پڑا تھا انہوں نے حملہ کر کے سب صحابہ کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابیؓ زندہ بچے جنہوں نے واپس آ کر اطلاع دی (ابن سعد) جو لوگ کہتے ہیں اسلام ایسے ہی پھیل گیا وہ قربانیوں اور تلوار کے استعمال کا اندازہ لگاتے رہیں۔ جو شہید ہوئے انہوں نے دشمن کو بھی واصل جہنم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال مرید ہندی کے روپ میں پیر رومی سے اس نکتہ کی وضاحت کے بارے میں عرض کرتے ہیں

اے نگہ تری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتہ حکم جہاد

پیر رومی فرماتے ہیں

نقش راحق بامرحق شکن برزجاج دوست سنگ دوست زن

خلاصہ اور اسباق ایک سال میں حضور پاکؐ نے ان بارہ کارروائیوں میں اپنے رفقاؓ کی مزید فوجی تربیت کی اور اب چند ایک لشکروں کو چھوڑ کر زیادہ لشکروں کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ ان مہمات کا زیادہ رخ شمال کی طرف تھا۔ ادائے عمرہ کے علاوہ ایک دو مہمات مکہ مکرمہ کے گرد و نواح کے قبائل پر رعب ڈالنے کیلئے بھیجیں۔ قربانی کا بھی اندازہ لگالیں۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اب حضور پاکؐ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق مکہ مکرمہ اور گرد و نواح میں طائف یا حنین کے علاقوں میں جلد اسلام کا بول بالا ہونے والا تھا اور ان علاقوں میں حضور پاکؐ کی مہمات کو کافی دن لگ جانے تھے۔ اسی دوران شمال سے غسانی یا دیگر نصرانی قبائل عین اس وقت مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے، جب آپؐ مکہ مکرمہ یا حنین والوں کے علاقوں میں مہمات میں مصروف ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ شمال کے دشمن کو مدینہ منورہ سے دور رکھا جا رہا تھا۔ کہ اس زمانے میں حضور پاکؐ مختلف سربراہان ممالک کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت بھی دے چکے تھے۔ اور اس سلسلہ میں شام کی سرحد کا رئیس شرجیل، مسلمان سفیر جناب حارثؓ کو شہید بھی کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا اگلا باب شمال کی طرف ایک بھرپور کارروائی پر ہے جہاں اہل حق نے ایک امتحان دیا اور قربانی بھی دی۔

متعدد چھوٹے چھوٹے اسباق کے علاوہ بڑا سبق یہ ہے کہ آنے والے واقعات کیلئے نہ صرف تیاری کی جائے، بلکہ حکمت عملی ایسی ہو کہ آنے والے واقعات آپ کی مرضی اور تجاویز کے مطابق ہوں۔ قوم کے رہنما میں یہ خاصیت ہو کہ اس کی تجویزیں اور رویہ ایسا ہو کہ دشمن تمام کارروائیاں رد عمل کے طور پر کرے اور اپنی مرضی کی تجاویز نہ بنا سکے۔ اب حضور پاکؐ کے تمام دشمنوں کا اندازہ بھی لگائیں کہ ان تمام دشمنوں کے ساتھ آپؐ کیا رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس میں مرنے مارنے والی بات کو ترجیح حاصل ہے۔

نگاہ عشق کو دل زندہ کی تلاش ہے شکار مردہ سزاوار شاہباز نہیں

اٹھارواں باب

اہل حق کا امتحان

جنگ موتہ

اور

فتح مکہ و مکرمہ تک دیگر حربی کارروائیاں

جنگ موتہ کی تیاری (جمادی الاول آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار تریسٹھ ہے۔ حضور پاکؐ ذوالحجہ میں ہی ادائے عمرہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تھے۔ اور نئے سال یعنی آٹھ ہجری کے تین مہینوں میں مدینہ منورہ سے معمول کے مطابق گشتی کارروائیاں یا چھوٹی موٹی فوجی مہمیں جاری رکھیں جن میں سے کچھ کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اب مسلمان ایک لحاظ سے کافی مطمئن تھے کہ عرب میں باطل کی متحدہ قوتوں کا گٹھ جوڑ بھی ختم ہو چکا تھا اور وہ کافی کمزور ہو گئے تھے لیکن باطل اب عرب کی سرحدوں کے باہر اور سرحدوں کے نزدیک اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کو موقع بھی مل گیا تھا جنگ خیبر سے کافی پہلے حضور پاکؐ نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی دعوت بھیجی تھی۔ اور اس وقت کے جانے پہچانے دنیا کے تمام سربراہوں یعنی کسریٰ ایران، قیصر روم، شاہ نجاشی وغیرہ کے علاوہ عرب کی سرحد کے نزدیک کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو بھی یہ دعوت نامے بھیجے گئے، جس کی تفصیل تینتیسویں باب میں ہے۔ ایک دعوت نامہ عرب اور شام کی سرحد پر علاقہ بلقا کے رئیس شرجیل بن عمرو کو بھی بھیجا گیا۔ یہ عیسائی تھا اور قیصر روم یعنی ہرقل شہنشاہ قسطنطنیہ کے ماتحت تھا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس زمانے میں اہل عرب تمام یورپ کو روم ہی کہتے تھے۔ ویسے بھی قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کا بادشاہ اپنے آپ کو سلطنت روم کا ہی ایک جانشین سمجھتا تھا۔ اس سلسلہ میں اہل یورپ کی احساس کمتری اور بازنطین نام کی وضاحت چوتھے باب میں ہو چکی ہے۔ اس بازنطینی یا قیصر کی سلطنت ایشیا میں بھی تھی اور ایران کے ساتھ اس کی سرحدیں ملتی تھیں۔ ایران کے ساتھ ان کی لڑائیوں کا بھی قرآن پاک میں ذکر ہے۔ وہاں چونکہ ان لوگوں کو اہل روم کے نام سے پکارا گیا ہے اور پوری سورۃ کا نام بھی سورۃ روم ہے۔ ہم اس لیے لفظ روم ہی لکھیں گے تو قیصر روم کے اس باجگزار شرجیل بن عمرو کے پاس حضور پاکؐ کا پیغام لے کر حضرت حارثؓ بن عمیر پہنچے تو اس مردود نے ان کو شہید کرا دیا۔

اس تھوڑے سے بیان اور تجزیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اسلام نے اب بین الاقوامی دنیا میں قدم رکھ دیا تھا اور اسلام کی روشنی آئندہ چند سالوں میں باہر کی دنیا میں بھی پھیلنے والی تھی۔ جنگ موتہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی اور یہاں

عظیم قربانی دینا پڑی لیکن اس کی ضرورت تھی ۔اسی وجہ سے اس باب کا نام "اہل حق کا امتحان " رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو اس امتحان میں پاس کر دیا۔اب ایک طرف شرجیل کو فکر تھی کہ وہ مسلمانوں کے قاصد کو شہید کر چکا ہے اور وہ بدلہ لیں گے اس کے لئے وہ تیاری میں مصروف تھا۔دوسری طرف وہ مسلمانوں کی خیبر کی فتح کی خبر سن چکا تھا اور اہل مکہ کی بے بسی کی خبر بھی اس کو پہنچ گئی تھی ۔اس لئے اس نے ایک بڑا لشکر تیار کیا بلکہ قیصر روم کو بھی اطلاع دی کہ وہ بھی اس کی مدد کو آئیں ۔چنانچہ قیصر کی لاتعداد فوج ملک شام میں اکٹھی ہو چکی تھی ۔ مسلمان اگر خاموشی کے ساتھ مدینہ منورہ میں بیٹھ جاتے تو اس کے بھیانک نتائج نکلتے ۔عیسائیوں کی یہ بڑی فوج جس کی ملا کر تعداد لاکھ سے بھی اوپر بتائی جاتی ہے وہ سارے عرب کو اپنے پاؤں تلے روندنے کے قابل تھی۔

موتہ کی طرف روانگی

حضور پاکؐ کی تدبیرات کی بنیاد متحرک جنگ پر تھی ۔اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کے لیے کم از کم دس سے پندرہ ہزار بڑی فوج کی ضرورت تھی لیکن مسلمان بڑی مشکل سے کوئی تین ہزار فوج اکٹھی کر سکے ۔اتنی بڑی فوج اور بڑی کارروائی کے لیے اس سے پہلے جب بھی کوئی لشکر گیا تو حضور پاکؐ خود کمانڈ فرماتے تھے ۔لیکن اب وقت آگیا تھا کہ حضور پاکؐ کے تربیت شدہ جنرل کمانڈ کرتے ۔ساتھ ہی اگر حضور پاکؐ خود جاتے تو دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ مسلمانوں کے پاس نفری بہت کم ہے اور وہ لڑائی کو آگے بڑھاتا ۔یہاں پر امتحان کے علاوہ یہ بھی ضرورت تھی کہ دشمن کو دو دو ہاتھ دکھائے جائیں ۔اور اس پر اپنی قوت ارادی، جذبہ جان نثاری، ایمان و عقیدہ وغیرہ کا رعب بٹھایا جائے ۔ حضور پاکؐ کو معلوم تھا کہ بڑی قربانی دینی ہوگی اس لیے کمانڈ کے لیے جن صاحبان کو منتخب کیا گیا بلکہ آئندہ کون کمانڈ کرے گا اس کو منتخب کرتے وقت بھی قربانی والی بات کو ذہن میں اتم طور پر رکھا گیا ۔یہاں یہ پہلو اچھی طرح واضح ہے کہ حضور پاکؐ نے کمانڈ کے لیے جناب زیدؓ بن حارث کو منتخب کیا اور فرمایا ان کی شہادت کے بعد جناب جعفرؓ طیار اور ان کی شہادت کے بعد جناب عبداللہؓ بن رواحہ اور پھر ان کی شہادت کے بعد جس کو بہتر سمجھو یا جیسے واقعات اجازت دیں یعنی ایک طرح سے حضور پاکؐ نے سپہ سالاروں کے شہید ہونے کی خبر دے دی ۔چنانچہ جنگ موتہ کی تیاری اور روانگی سے پہلے کے یہ واقعات ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں ۔ اسلام کے نظریہ حیات کا یہ ایک امتحان تھا ۔جنگ موتہ کے اس پہلو کی سمجھ ضروری ہے کہ یہ ایک اعلیٰ ترین فوجی حکمت عملی ضرور تھی ، کہ دشمن کی تقریباً ایک لاکھ فوج پر تین ہزار مجاہدین جھپٹ پڑے اور اس پر رعب ڈالا کہ خبردار ادھر کا رخ نہ کرنا اور آئندہ اس نے رخ بھی نہ کیا ۔تو ایسے مجاہدوں کے سردار جنہوں نے عظیم قربانی دے کر اسلام کے نظریہ حیات کے عملی پہلو کا امتحان دیا آج بھی ملت کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں ۔ان میں اولین کمانڈر جناب زیدؓ بن حارث تھے ان کی زندگی اور موت امت کے لیے باعث رشک ہے ۔ یہ حضورؐ پاک کے غلام تھے اور حضور پاکؐ پر فدا اور قربان تھے ۔آج ان کی نقل میں قوم بیٹوں کے نام غلام محمدؐ اور غلام رسولؐ وغیرہ رکھتی ہے ۔آپ نے اللہ کے حبیبؐ کی جھلک بہت قریب سے دیکھی ۔ماں باپ آئے تو ان کے قدموں پر گر کے کہ ہمیں دنیا اور جہانوں کے سرکارؐ کے قدموں میں رہنے دو ۔ حضورؐ پاک نے ان کو بیٹا کہہ کر بھی پکارا ۔جو مقامات آپ کو حاصل ہیں ان کو کوئی

قلم بیان نہیں کر سکتا۔ جو زندگی آپ نے پائی اور جو موت کا دروازہ آپ کے سامنے آیا اس کو کون بیان کر سکتا ہے۔ ممکن ہے آپ نے اپنے لیے اس قسم کی دعا کی ہو۔

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا (اقبالؒ)

دوسرے نامزد کمانڈر حضرت جعفر طیارؓ نے زیادہ وقت حبشہ میں بسر کیا۔ آپ حضرت علیؓ کے بھائی تھے۔ خاندان ہاشم کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ہر معاملہ اور مقام پر اہل حق کی صف اول میں ہوں۔ آپ نے یہ فرض حبشہ میں جا کر ادا کیا کہ وہاں بھی بنوہاشم کی نمائندگی ہو اور عمرو بن عاص کے مقابلہ میں شاہ نجاشی کے دربار میں آپ کی تقریر اور اعلان حق ہماری تاریخ میں سنہرے لفظوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر جنگ بدر آئی، تو مبارزت کے جواب میں جناب حمزہؓ اور جناب علیؓ دونوں تو پکے ہاشمی تھے، لیکن تیسرے جناب عبیدہؓ بن حارث کے دادا المطلب نے سب کچھ اپنے بھائی کے حوالے کر کے اپنی اولاد کو بھی ہاشمی بنا دیا۔ اور وہاں حق کے پہلے معرکہ میں جناب عبیدہؓ بن حارث شہید ہوئے۔ احد میں جناب شیر خدا حمزہؓ کو شہادت حاصل ہوئی۔ جنگ موتہ میں اہل حق کے امتحان میں بنوہاشم کی نمائندگی آپ کو ملی

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے (اقبالؒ)

تیسرے کمانڈر جناب عبداللہؓ بن رواحہ کا مختصر ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت آپ کو حضور پاکؐ کے اونٹ کی مہار پکڑنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بارہ نقیبوں میں سے ایک، بیعت عقبہ ثانی میں شرکت، جنگ بدر میں مبارزت کیلئے نکلنا، اور حضور پاکؐ کے ساتھ ہر جنگ میں شرکت کے علاوہ خیبر پر چھاپہ بھی مارا۔ لیکن اس جنگ پر جاتے وقت عجیب حالت تھی اور آنسو نہ تھمتے تھے۔ سب صحابہ کرامؓ حیران تھے۔ وہ اپنی طرف سے تسلی دینے لگے کہ جنگ سے جلدی واپس آؤ گے اور پھر ملاقات ہو گی۔ شہادت کے پہلو پر پچھلے ابواب، خاص کر جنگ احد کے تحت بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بہر حال اس عاجز کا یہ عملی مشاہدہ ہے۔ کہ شہادت بعض عظیم ہستیوں پر کئی دن پہلے چھا جاتی ہے۔ اور جناب عبداللہؓ کا جہاں تبدیل ہو چکا تھا۔ جس کو آج کل کی زبان میں Dimention تبدیل ہونا کہتے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور رجز پڑھنے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں جو فی البدیہ شعر پڑھے انکا مطلب کچھ یہ نکلتا ہے:۔

"اللہ کی قسم۔ میں تو ہر وقت اللہ تعالی سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور شہادت کا طالب ہوں۔ لیکن ایسی شہادت کہ لڑتے لڑتے دشمن کی صفوں کو چیر دوں اور پھر مجھے جو زخم آئے وہ اتنا گہرا ہو کہ اس سے خون کے فوارے بہہ نکلیں یا کسی بہادر جنگجو کا نیزہ ہو جو میرے جگر سے پار ہو جائے تا کہ جب آپ لوگوں کا گذر میری قبر کے پاس سے ہو تو آپ پکار اٹھیں کہ کتنا عمدہ سوار تھا۔ جس نے اللہ کی راہ میں جان دی اے اللہ اس پر رحمت فرما"

پھر حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو نظم پڑھی اس کو ہم اس طرح بیان کریں گے:۔

"اے میرے آقاؐ آپؐ کو جو کچھ رب نے عطا فرمایا ہے وہ قائم دائم رہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو فتح دے

نقشہ چہاردہم
اہل حق کا امتحان
جنگ موتہ ۸ ہجری
اور فتح مکہ مکرمہ تک کی
حربی کاروائیاں
شمال
بحیرہ روم
دمشق
وادی بقاع
موتہ
تبوک
دومۃ الجندل
ذات السلاسل
وادی القریٰ
وادی خیبر
ابو قتادہ
بطحا
مدینہ منورہ
بطن رضم
مکہ مکرمہ
طائف
یمامہ
بحرین
خلیج فارس
ہجر
دبہ
عمان
بحیرہ قلزم
نجران
صنعا
یمن
حضرموت
عدن
بحیرہ عرب
۱۵۰ میل
۰
۱۵۰
۳۰۰
۴۵۰

کر سرخرو کیا۔ اے اللہ کے حبیبؐ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہوئی کہ میں اس سلسلہ میں بہت کچھ اور بڑی گہری باتیں جانتا ہوں" (یعنی اللہ تعالیٰ نے سینہ تو کھول دیا۔ لیکن مشیت ایزدی کے تحت راز کو سینہ ہی میں رکھا) اس سے آگے جناب عبداللہؓ بن رواحہ نے جو الفاظ استعمال کیے ان کو ہم علامہ اقبالؒ کی زبان میں بیان کرتے ہیں۔

بمصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ اونہ رسیدی تمام بولہبی است

ایک نظارہ جب لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو حضور پاکؐ اور چند صحابہ کرامؓ بھی لشکر کے ساتھ تھوڑے فاصلہ تک چلتے رہے تو جناب عبداللہؓ نے ایک الوداعی شعر پڑھا جس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے:۔ "الوادع، الوداع۔ حضور پاکؐ کے عظیم ساتھیو۔ آپ پر سلامتی ہو جن کو میں کھجوروں کے جھنڈ کے نیچے الوداع کہہ رہا ہوں "اسلام کے ان عظیم شہدا اور عبداللہؓ بن رواحہ کے الوداعی اشعار کا مختصر ذکر ہماری فوجی زندگی کے لیے اپنے اندر کئی سبق پنہاں کئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ قربانی بھی مانگتا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ یہ فرماتے ہیں

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے　　مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

حضور پاکؐ نے لشکر اسلام کو ضروری ہدایات دیں اور یہ بھی فرمایا، کہ وہاں ضرور جانا جہاں حارثؓ بن عمیر نے ادائے فرض یعنی اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی تھی۔ اس کے بعد لشکر سرزمین شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ سفر کتنے دن میں طے کیا، اور کہاں کہاں پڑاو کیے اس سلسلے میں مؤرخین خاموش ہیں، بہر حال یہ لشکر ایک مقام معان جو شام میں ہے، وہاں تک خیر خیریت سے پہنچ گیا۔ اس جگہ کے نزدیک ہی وادی بلقا میں مواب کے مقام پر شاہ ہرقل ایک لاکھ کے قریب فوج کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اور شاید اتنی ہی تعداد میں نصرانی عرب بھی اس کی مدد کے لیے موجود تھے۔ جن میں قبیلہ لخم، جذام، قضاعہ، بہرویلی، غسانی، اور عبد قیس وغیرہ بھی شامل تھے۔

تبصرہ ممکن ہے فوج اتنی زیادہ نہ ہو اور کل فوج ایک لاکھ کے قریب ہو اور وہ ساری بھی ایک مقام پر تو نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ فوجوں کے جمگھٹ کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ پرانے زمانے میں جب بادشاہ مہم جوئی پر نکلتے تھے، تو تمام باجگذار اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ، اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے تھے۔ گو مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی خلافت ہی کے زمانے میں تنخواہ دار فوج کا نظام شروع کر دیا۔ لیکن دنیا کے باقی ملکوں میں مستقل فوج کا رواج انیسویں صدی میں شروع ہوا۔ صرف بادشاہ کے حفاظتی دستے کچھ تنخواہ دار ہوتے تھے اس لئے شاہ روم کے ساتھ ایک لاکھ فوج کا ہونا کچھ غلط نہیں کہ باجگزار لوگوں کی فوج بھی شاہ کی ہی فوج سمجھی جاتی تھی۔ اور وہ اس زمانے میں بہت تھے۔ یہاں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام کے لحاظ سے پوری قوم اللہ کی فوج ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے پیشہ ور اور تنخواہ دار فوج کا رواج بھی مسلمانوں نے ہی شروع کیا۔ لیکن ایسی پیشہ ور فوج کی جڑیں، قوم یعنی اللہ کی فوج میں ہوتی ہیں۔ اور آگے پچیسویں باب میں وضاحت آتی ہے۔ بہر حال بنو امیہ کے زمانے میں پیشہ ور فوج کو حفاظتی دستے کہتے تھے۔ پھر عباسی خاندان کے زمانے میں سلجوق ترکوں نے یہ کام سنبھال لیا۔ بعد میں مصر

کے مملوک پیشہ ور فوج بنے اور سلطنت عثمانیہ نے جانثار فوج کی طرح ڈالی۔ جس لفظ کو ہم مغرب کی عینک سے پڑھ کر کبھی "جانسری" لکھتے ہیں اور کبھی "نیاجری" وغیرہ

جنگ مسلمانوں کو جب یہ پتہ چلا کہ عیسائی اتنی بڑی تعداد میں اکٹھے ہو رہے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حضور پاکؐ کو اس کی خبر دیں، لیکن عبداللہؓ بن رواحہ نے صلاح دی کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ اس جنگ کا مقصد، عیسائیوں کو ہماری سرحدوں کی طرف بڑھنے سے روکنا ہے۔ اگر ہم نے کچھ سستی دکھائی تو اتنی بڑی فوج ہمیں ہڑپ کر جائے گی۔ اس لیے اللہ کا نام لے کر ان پر پل پڑو اور ان کو دو دو ہاتھ دکھاؤ۔ اگر ہم سب بھی شہید ہو جائیں۔ تو بھی ہم نے مقصد حاصل کر لیا۔ یہ سن کر لشکر تیار ہو گیا اور مسلمان افواج کے آگے والے دستے ایک مقام مشاریف تک پہنچ چکے تھے۔

صف بندی اس لیے فیصلہ ہوا کہ موتہ کے مقام پر صف بندی کی جائے۔ جہاں سے بڑھ کر دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ چنانچہ میمنہ پر قطبہؓ بن قتادہ اور میسرہ پر عبایہؓ بن مالک انصاری مقرر ہوئے۔ قلب میں لشکر کے سالار جناب زیدؓ بن حارث علم اٹھائے ہوئے تھے۔ پہلے حملے میں ہی مسلمانوں نے کفار کی صفوں کو چیر دیا اور اس بے جگری سے لڑے کہ دشمن کو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے کہ میدان جنگ دشمن کی لاشوں سے بھر گیا۔ حضرت زیدؓ خود بہت آگے بڑھ گئے تھے جہاں پر وہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جعفرؓ طیار جو اپنی بھرپور جوانی میں تھے یعنی کل تینتیس سال عمر تھی نے آگے بڑھ کر اسلام کا علم اٹھا لیا اور وہ فی البدیہ شعر پڑھ رہے تھے جن کا مطلب یہ تھا۔

"خوش آمدید اے جنت تو اتنی نزدیک ہے۔ کتنے میٹھے اور ٹھنڈے شربت جو دل کو باغ باغ کر دیتے ہیں۔ اے یونانیو آپ کو جلد پتہ لگ جائے گا کہ آپ کا کس کے ساتھ واسطہ ہے۔ کفار اور ازل سے ناپاک لوگوں کی گردنیں اڑ جانے کا وقت آ گیا"

(مسلمان رومیوں کو یونانی بھی کہتے تھے)

حضرت جعفرؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ جلد ہی آپ کا گھوڑا زخمی ہو گیا تو آپ نے پیدل لڑنا شروع کر دیا۔ پھر لڑتے لڑتے دایاں بازو کٹ گیا، تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ پھر وہ بھی کٹ گیا تو علم کو چھاتی میں ہاتھوں کے کٹے حصوں سے تھامنے کی کوشش کی اور آپ زخموں کی تاب نہ لا کر گرنے والے ہی تھے کہ جناب عبداللہؓ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر اسلام کا علم تھام لیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جو اس جنگ میں شریک تھے بقول ان کے جنگ کے بعد انہوں نے حضرت جعفرؓ کے جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم گنے۔ جناب عبداللہؓ بن رواحہ جب آگے بڑھ رہے تھے تو آج کے دن وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوئے۔

"اے نفس تو جنگ میں آ گیا ہے۔ اب تم چاہو یا نہ چاہو تم کو جنگ میں لڑنا ہو گا۔ اب بہشت سے دور ہونے کا وقت نہیں ہے تم نے بڑے مزے کر لئے ہیں۔ اور اے میری جان تو کیا چیز ہے اس چمڑے کی کھال میں ایک قطرہ" پھر فرمایا

"اے میری جان تو اگر آج بچ گئی تو کل تم پر یہ وقت آنے والا ہے۔ یہ سب کچھ ازل سے لکھا گیا ہے۔ تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کی تم کو خواہش تھی۔ اب تم بھی وہی کرو جو تمہارے دو پیش رو کر گئے ہیں تو تب ہی تم صراط مستقیم پر ہو گے"۔

اس کے بعد آپ کا ایک رشتہ دار آگے بڑھا اور عرض کی کہ آپ صبح سے لڑائی میں مشغول تھے اور کچھ نہیں کھایا۔ یہ گوشت کا ایک بھنا ہوا ٹکڑا کھا لو، تا کہ آپ کے بدن میں کچھ طاقت آجائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں مایوس نہیں کرتا اور اس سے تھوڑا سا گوشت چکھا باقی اس کو واپس کیا اور فرمایا "مجھے اب تلوار کے دو ہاتھ کرنے دو" اور اس طرح بہادری سے لڑتے ہوئے آپ بھی شہید ہو گئے۔ اب جناب ثابتؓ بن اقرم نے آگے بڑھ کر اسلام کا علم اٹھا لیا اور فرمایا آؤ ایک آدمی کے گرد اکٹھے ہو جائیں۔ پہلے لوگوں نے سمجھا کہ وہ خود کمانڈ سنبھال رہے ہیں لیکن آپ نے آگے بڑھ کر اسلام کا علم حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ دے دیا اور بلند آواز سے پکار اٹھے "کہ اب یہ ہمارے لیڈر ہیں"۔ فضا نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی اور دشمن یہ نظارہ دیکھکر خود بخود پیچھے ہٹ رہا تھا۔ جناب خالدؓ نے بڑھ کر ایک اور حملہ کیا تو دشمن کے اس حصے کے قدم اکھڑ گئے جو مسلمانوں کے سامنے تھا۔ جناب خالدؓ نے اس کو غنیمت سمجھا اور جو وقت ملا اس میں مسلمانوں کی نئے سرے سے صف بندی کر دی۔ اور ایسی زمین پر دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کا حکم دیا۔ جہاں پر کفار کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ دوسرے دن دونوں لشکر ایک دوسرے سے الگ ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کو کفار کی صحیح تعداد کا اندازہ بھی ہو گیا۔ کیونکہ پہلے تو سنی سنائی باتوں پر بھروسہ تھا اور اہل کفر نے مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ لئے۔ گو روایات کے مطابق مسلمانوں کے صرف دس مجاہد شہید ہوئے۔ لیکن زخموں سے خالی شاید کوئی ہی ہو۔ اس لئے تھوڑا سستانے کے بعد مسلمانوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ واپس چلے جاویں۔ کفار کا اتنا جانی نقصان ہوا۔ کہ وہ خود تدبیراتی پسپائی اختیار کر چکے تھے۔ لیکن اچانک مسلمانوں کو غائب پایا، تو کسی مزید حیران کن کارروائی کے ڈر سے وہ بھی پسپائی اختیار کر گئے۔

روایت ہے کہ جنگ والے روز حضور پاکؐ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے اور جنگ کا سارا حال بیان فرماتے رہے۔ پھر فرمایا کہ زیدؓ نے شہادت پائی اب جعفرؓ نے علم کو سنبھال لیا۔ اب جعفرؓ کے دونوں بازو کٹ چکے ہیں۔ اب جعفرؓ بھی شہید ہوئے اور ان کو دو ہاتھوں کی جگہ دو بہشتی پر مل گئے ہیں (اسی وجہ سے آپ کو طیار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) اب عبداللہؓ نے علم سنبھال لیا۔ پھر فرمایا اب عبداللہؓ نے بھی شہادت کا رتبہ حاصل کر لیا" پھر حضور پاکؐ رکے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا" کہ اب اللہ کی تلوار (سیف اللہ خالدؓ) نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا"۔

یعنی حضور پاکؐ زمان و مکان پر حاوی ہونے کا مظاہرہ فرما رہے تھے۔ اور ساتھ ہی شہیدوں کے ولولہ اور قربانی سے مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کو آگاہ فرما کر موت و حیات کے فلسفہ کے عملی پہلو کی نشاندہی فرما رہے تھے:۔

سر خاک شہیدے برگہائے لالہ می پاشم ‏ کہ خونس بانہال ملت ماسازگار آمد (اقبالؒ)

روایت ہے کہ اس دن حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ اب ایک تلوار کے ٹوٹنے کے بعد دوسری تلوار دینے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے اور یہ سب تلواریں کہاں سے آرہی تھیں؟ ظاہر ہے کہ جناب خالدؓ کے ساتھ ایک گروہ کی صورت میں مسلمان مجاہدین، دشمن کی صفوں کو روندتے جاتے تھے۔ اور جناب خالدؓ کی تلوار ٹوٹتی تھی تو کوئی مجاہد اپنی تلوار ان کو دے دیتا تھا اور آگے والے، پیچھے والوں سے تلواریں لیتے جاتے تھے۔ جو کچھ اس عاجز نے پڑھا، یا ان جنگوں میں غوطے لگائے تو

جنگ موتہ بھی جنگ احد کی طرح بہت بھرپور جنگ تھی۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اس اچھوتی اور نرالی طرز جنگ کو مؤرخین نے صحیح بیان نہیں کیا۔ اس لئے نتائج کے ساتھ کچھ جائزے بھی پیش کرنے ہوں گے۔

تجزیہ۔ نتائج و اسباق جنگ موتہ ہماری تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جہاں اہل حق اپنے امتحان میں کامیاب رہے حضورؐ پاک کا مسجد نبویؐ میں یہ فرمان کہ مسلمانوں نے دشمن پر غلبہ پایا ہمارے لیے اس جنگ کا ایک اہم نتیجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ ہمارے مؤرخین حضرات البتہ جنگ احد کی طرح اس جنگ کو بھی مکمل طور پر نہیں سمجھ پائے اور مختلف صاحبان نے بڑے مختلف اور عجیب و غریب تبصرے کیے ہیں دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ میدان جنگ کے بیچ بھی لگانا مشکل ہے۔

ایک مثال ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ہمارا بایاں بازو خالی تھا۔ جنگ کے آخری دن ہمارے پیچھے بھی معاملہ کچھ پتلا ہو گیا اور دشمن جو سامنے سے ہمارے ساتھ پھر پھر ٹکروں پر ٹکریں مار رہا تھا اس کو کچھ موقع مل گیا اور ہمارے بائیں بازو سے وہ آگے بڑھ گیا اور پھر ہمارے پیچھے جا کر پوزیشن لے لی۔ میں اس حالت سے باخبر تھا۔ اور اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کتنی تعداد میں دشمن ہمارے پیچھے جا چکا ہے۔ رات کا وقت تھا۔ ہر سپاہی کا اندازہ الگ الگ تھا لیکن جن لوگوں کا اندازہ کم سے کم تھا وہ بھی کہتے تھے کہ دشمن کے بر گیڈوں کے بر گیڈ گزر گئے ہیں۔ میرا اندازہ دو کمپنیاں تھا اور اصلی بات جب پتہ چلی تو دشمن کی ایک بٹالین تھی۔

اب ہم اپنے جائزہ کی طرف واپس مڑتے ہیں۔ کہ اول تو یہ ممکن نہیں کہ تین ہزار فوج نے جنگ موتہ میں ایک لاکھ آدمی کے ساتھ ایک وقت میں مقابلہ کیا ہو گا۔ اس سارے علاقے میں دشمن کی فوج ایک لاکھ ہو گی، جس میں سے وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس ہزار کو میدان جنگ میں لایا ہو گا یا کچھ زیادہ ہو۔ علاوہ ازیں وہ فتح کا زمانہ تھا اور سارے مسلمان اپنی متحرک کارروائیوں کیوجہ سے اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ وہ جدھر جائیں گے فتح کے پھریرے اڑاتے رہیں گے۔ جنگ موتہ کے بارے میں یہ بات کسی نے کم سوچی، کہ شام کی سرحد تک ان کا پہنچ جانا بھی فتح کے پھریرے ہی اڑانا تھا۔ پھر پہلی دفعہ مسلمانوں کا مقابلہ ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان ہمیشہ قبیلوں یا گروہوں کی فوج سے لڑتے رہے۔ جنگ موتہ میں مقابلہ دنیا کی اس وقت کی ایک عظیم سلطنت کی باقاعدہ فوج کے ساتھ تھا۔ یہ فوج کسی باقاعدہ جنگی تدبیر کے تحت لڑی ہو گی اور میدان جنگ سے تب ہی پرے ہٹی ہو گی، کہ ان کو سمجھ آگئی ہو گی کہ کس قوم کے ساتھ واسطہ پڑ گیا۔ اس مہم کے بھیجتے وقت حضورؐ پاک کے دل میں جو مقاصد تھے وہ جنگ کے نتائج نے پورے کر دیئے۔ واضح مقصد یہ تھا کہ عیسائی جو عرب کی سرحد پر اکٹھے ہو رہے تھے ان پر اپنی طاقت کا رعب بٹھایا جائے کہ مسلمان ان کے ملک میں بھی پہنچ کر اس طرح کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ ریگستان کے لمبے چوڑے علاقے میں آگے بڑھیں گے تو ہر مقام پر ہلکے پھلکے مسلمان ان کی یہی گت بنائیں گے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں عیسائی لشکروں کو کبھی ہمت نہ ہوئی کہ وہ عرب کی سرزمین میں داخل ہوں۔ دوسرا مقصد شرجیل اور عیسائی عرب لوگوں پر رعب ڈالنا تھا کہ ان لوگوں نے جو مسلمانوں کے سفیر کو شہید کیا تو اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔ یہ ہے دین غیرت۔ آج دنیا میں

مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور ہم ایک ارب ہوتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

تیغ و تفنگ دست مسلمان میں ہے کہاں ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر (اقبالؒ)

جنگ موقع اور محل کے لحاظ سے بڑے مناسب وقت پر ہوئی۔ حضور پاکؐ یہودیوں اور قریش کی طرف سے کچھ تسلی میں تھے اور اتنا بڑا لشکر باہر بھیج سکے۔ خود ایسی حالت میں مرکز کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اور مرکز کی ذمہ داری والے علاقوں میں پھیلاؤ ہو رہا تھا اس لئے مدینہ منورہ کے مستقر کی حفاظت اب زیادہ اہم ہو گئی تھی۔ حضور پاکؐ کی اس سلسلہ کی حکمت عملی واقعات کے گہرے مطالعہ کے بعد کچھ سمجھ لگنی شروع ہوتی ہے اور آئندہ آنے والے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ان سے پہلے کی کارروائی دراصل ان آنے والے واقعات کا پیش خیمہ تھی۔ جنگ موتہ سے ایک مقصد یہ بھی حاصل کرنا تھا کہ آئندہ دو سالوں میں حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ، طائف اور حنین کی طرف توجہ دینی تھی، بلکہ یمن اور یمامہ تک پھیلاؤ بڑھانا تھا۔ اگر شمال کی طرف سے خطرہ موجود رہتا تو حضور پاکؐ عرب کے باقی علاقوں کی طرف پیش قدمی نہ کر سکتے جس طرح بعد میں کی۔ حضور پاکؐ کی ہر جنگ میں ایک گہری حکمت عملی پنہاں ہوتی تھی، جس کو سمجھنے کے لیے بعد کے واقعات سے مدد مل سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمیں نہ واقعات سے پہلے کچھ سمجھ ہوتی ہے نہ بعد میں کوئی سبق سیکھتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے، کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے ہوئے ملک کیلئے نشان راہ تلاش کرنے کیلئے کبھی ہم لندن پہنچتے ہیں اور کبھی واشنگٹن

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ سے میں کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں (اقبالؒ)

جنگ موتہ کا ایک اہم نتیجہ مسلمانوں کا اپنے نظریہ حیات میں پاس ہونا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کیلئے جنگ میں شریک ہونے والے کمانڈروں اور ان کے ساتھیوں کی زبانی تاثرات کو انہی کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔ اس جنگ میں ہمارے لئے متعدد اسباق ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے

متحرک طرز جنگ بڑی فائدہ مند ہے اور اس کا جتنا مطالعہ ہو سکے بہتر ہے۔ ایسی جنگ اور ایسا طریقہ کار دشمن کو عجب قسم کے تذبذب میں ڈال دیتا ہے اور وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اس میں کامیابی کی بہت امیدیں ہوتی ہیں لیکن سخت سکھلائی اور ایمان و یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی فوج سے کنٹرول اٹھ جائے تو یہ بالکل تتر بتر بھی ہو سکتی ہے جو بڑی خطرناک صورت ہے

ب۔ نظریہ حیات کی تربیت، جنگ میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اور اگر ایسی تربیت صحیح طور پر ہو جائے تو فوجی تدبیرات کے بنیادی پہلوؤں میں اس خاصیت کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور اس خاصیت کی مدد سے مقصد حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ پہلو کہ لوگوں کو یہ کہا جائے کہ مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ سے بہتر ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ کے الفاظ استعمال کئے جائیں "۔ کہ جنت کیلئے تیار ہو جاؤ۔" یا جنت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ وغیرہ"۔

ج۔ ہر جنگ یا فوجی مہم کسی بڑے مقصد کو حاصل کرنے کی ایک سعی ہونا چاہیئے یعنی جنگ برائے جنگ یا بے وقت لڑنے کی اجازت اسلام بالکل نہیں دیتا۔ لیکن مقصد حاصل کرنے کے لیے قربانی کی جب ضرورت ہو تو ایسی قربانی کے لیے پہلے سے بڑی

تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ پر جانے سے پہلے سپہ سالاروں کے تاثرات خاص کر جناب عبداللہؓ بن رواحہ کی باتوں کو تفصیل سے لکھنے میں ایک مقصد یہ تھا کہ یہ پہلو سمجھ میں آجائے۔ میرے ہاتھوں کی عظیم قربانی نے کہ جس لاہور کو بچایا۔ تو یہ عاجز ایسے مشاہدہ سے گزر چکا ہے۔

د۔ جنگ موتہ کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ پہلی دفعہ حضور پاکؐ نے ایک لشکر کو باہر بھیجتے وقت اور کمانڈروں کو نامزد کرتے وقت فرمایا کہ پہلے زیدؓ، پھر جعفرؓ، اور پھر عبداللہؓ کمانڈر ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور پاکؐ کو تو نبی ہونے کی وجہ سے نظر آ رہا تھا کہ کیا ہوگا اور ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا جو ثابت قدمی، جاں نثاری اور جذبہ وغیرہ میں بہت بلند تھے۔ پھر چوتھے کا نام نہ لیا۔ کیونکہ اگر آپؐ نام لیتے اور ان صاحب کو شہادت نصیب نہ ہوتی، تو عجیب وغریب چہ میگوئیاں ہوتیں۔ البتہ چوتھے کے بارے میں مسجد نبویؐ میں فرما دیا کہ دیکھو اللہ کی تلوار (سیف اللہ خالدؓ) نے کمانڈ سنبھال لی ہے۔ اب اللہ کی تلوار کا کون کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے اس پہلو کو سب مسلمان سمجھتے ہیں۔ جو صاحب زیادہ کی تلاش میں ہوں، وہ اس عاجز کی کتاب خلفاء راشدین حصہ دوم پڑھیں، جہاں "اللہ کی تلوار" کے حضور پاکؐ کے الفاظ کے اثرات، اور حضور پاکؐ کے تراشے ہوئے سر کے بالوں کا جناب خالدؓ کی ٹوپی میں ہونے کے اثرات کے عملی پہلو پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

ر۔ اب حضور پاکؐ تو نبی تھے اور ان کو تو ان باتوں کی آگاہی تھی کہ آپ بشری لبادے میں زمان ومکان پر حاوی ہو جاتے تھے اور معراج کے بعد کسی وقت حالت معراج میں ہو سکتے تھے۔ لیکن ہاں افسوس اُن پر جو ایسی فضول بحث میں پڑتے ہیں کہ کیا حضور پاکؐ علم الغیب جانتے تھے یا نہ۔ جب اللہ تعالیٰ، آپؐ کو زمان ومکان پر حاوی کر دیتا تھا تو باقی کیا رہ گیا۔ بہر حال ہمارے لیے اس میں یہ اسباق ہیں، کہ جب کوئی مشکل کام ہو تو اس کے لیے منتخب ہی ایسے لوگوں کو کریں جو قربانی دینے کو تیار ہوں اور دراصل پوری فوج اور قوم کی تربیت ہی اس قسم کی دینا چاہیئے کہ وہ ہر قربانی کے لیے تیار ہوں۔ مسلمان ہر کام اللہ اور رسولؐ کے لیے کرتا ہے اور ہر مسلمان کو اللہ کی تلوار بننے کی کوشش کرنا چاہیئے

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشاد شرق وغرب تیغ ھلال کی طرح عیش نیام سے گزر (اقبالؒ)

س۔ زمان ومکان (Time and Space) ہر فوجی تجویز بنانے سے پہلے، اور ہر سطح پر یہ سوچا جاتا ہے کہ زمان ومکان سے کیسے فائدہ اٹھایا جایا جائے کہ مشہور ہے کہ جنگیں زمان ومکان میں لڑی جاتی ہیں۔ لیکن جب فاصلے تھوڑے ہوں، اور وقت کم ہو یا نفری کم ہو، تو آدمی کچھ گزارہ کر لیتا ہے۔ لیکن تین ہزار کے لشکر کو اتنی دور بھیج کر حضور پاکؐ اپنے رفقا کو زمان ومکاں کو ناپنے کے پیمانوں کی تربیت دے رہے تھے۔ اور اس میں ہمارے لئے بڑے اسباق ہیں۔ افسوس کہ ہماری افواج اس مد کی عملی پہلو پر بہت کم توجہ دیتی ہیں۔ اور بڑے رہنماؤں کو اس سلسلہ میں خاص ترتیبت دینے کی ضرورت ہے۔

جنگ موتہ اور صحابہ کرامؓ کچھ راویوں نے ایسے ذکر کئے ہیں، کہ کچھ صحابہ کرامؓ جنگ موتہ کے نتائج سے خوش نہ تھے۔ کہ ان کے لحاظ سے عملی طور پر کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔ اور کل دس جوان شہید ہوئے، چھوٹی چھوٹی تبلیغی مہمات میں بھی پچاس کے لگ بھگ لوگ شہید ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں سرداران لشکر تو بڑے بہادر نکلے لیکن عام لوگوں نے زیادہ قربانی نہ دی۔ یہ باتیں

جب حضور پاک ؐ کو معلوم ہوئیں، تو آپؐ نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ سب شہداء جنتی ہیں ۔ اور کافی لوگوں نے اللہ کی راہ میں زخم کھائے ہیں ۔ یہ مہم بڑی کامیاب رہی ۔ اور اس مہم سے جو مقاصد حاصل کرنے تھے، وہ حاصل ہو گئے ۔ حضور پاک ؐ کی اس وضاحت کے بعد صحابہ کرامؓ نے یہ بات مان لی، اور ہم عاجز بھلا اس پر مزید کیا تبصرہ کر سکیں گے ۔ پس اتنی وضاحت ضروری ہے کہ حضور پاک ؐ اپنی حکمت عملیوں یا مقاصد کو عام نہ کرتے تھے، کہ دشمنوں کو خبر نہ ہو جائے ۔ پھر کچھ حاصل کرنے والی بات ابھی بہت دور تھی ۔ بعد میں حضور پاک ؐ از خود اس علاقہ میں مہم لے کر گئے جس کا ذکر اکیسویں باب میں آتا ہے ۔ پھر وفات سے پہلے جناب اسامہؓ بن زیدؓ کی ایک مہم اس علاقے کیلئے تیار کی، جو جناب صدیقؓ کی خلافت میں ان علاقوں میں گئی ۔ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں کتنی بھرپور کارروائیاں کیں، تو کچھ حاصل ہوا ۔ اسلئے جنگ موتہ ان فتوحات کی بسم اللہ تھی ۔ ابھی مسلمانوں نے صحراؤں، جنگلات اور پہاڑوں اور میدانوں میں بہت کچھ کرنا تھا ۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر   تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر   (اقبالؒ)

۲ ۔ ذات السلاسل کی مہم (جمادی الآخر آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چونسٹھ ہے ۔ حضورؐ پاک نے تین سو کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت عمرؓو بن العاص کو ذوالسلاسل کے علاقے تک بھیجا، کہ راستے میں لوگوں کو اسلام کی دعوت بھی دیتے جانا اور ایک حربی مظاہرہ بھی ہو گا ۔ ابن العاصؓ جب جودھم کے علاقے میں پہنچے تو فکر مند ہو گئے کہ ان کے پاس نفری کم تھی اور اتنے دور دراز علاقہ میں وہ دشمن کے نرغے میں بھی آسکتے تھے ۔ اس لیے حضور پاک ؐ سے کمک کی درخواست کی ۔ حضور پاک ؐ نے جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کو بھیجا ۔ ساتھ دو سو مجاہد تھے جن میں جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ بھی شامل تھے ۔ ساتھ ہی حضور پاک ؐ نے فرما دیا کہ آپس میں جھگڑا نہ کرنا ۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ خیال تھا کہ وہ جا کر کمانڈ سنبھال لیں گے اور حیا کے باعث چلتے وقت حضورؐ پاک سے کچھ سوال وغیرہ نہ پوچھا، لیکن آپ وہاں جب پہنچے تو عمرؓو بن عاص نے کہا کہ وہ کمانڈر ہیں اور آپ لوگ کمک کے طور پر آئے ہیں ۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو حضورؐ پاک کی نصیحت یاد آگئی اور مسکرا دیئے اور عمرؓو بن عاص کو کمانڈر تسلیم کر لیا اب مسلمانوں کی شان کو سمجھیں کہ جناب صدیقؓ، جناب فاروقؓ اور جناب ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓو بن عاص کے ماتحت عام سپاہی کی طرح کام کیا

اس مہم کے دوران ایک عیسائی جو انہی دنوں اسلام لایا تھا اور نام سرجیس تھا بڑا کام آیا، اور مشکل راستوں پر اسلامی لشکر کے گائیڈ یعنی رہنما کا کام کیا ۔ اسلام سے پہلے یہ آدمی ریگستان کے علاقہ میں رہتا تھا اور اکا دکا یا کمزور لوگوں پر ڈاکے ڈالتا تھا ۔ چنانچہ اسی پر اس کا گزارہ تھا ۔ وہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آبادی نہ تھی ۔ یہ آدمی شترمرغ کے انڈوں کے خول اکٹھے کر کے ان میں پانی بھر کر ان کو ریت میں دبا دیتا تھا اور نشانیاں لگا چھوڑتا تھا ۔ یہ پانی دور دور نخلستانوں وغیرہ سے لے آتا تھا، یا بارش کبھی ہوئی تو اکٹھا کر لیتا تھا اور اس طرح ریگستان میں گزارہ کر لیتا تھا ۔ یہ آدمی اس مہم کے دوران جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے بڑا متاثر ہوا ۔ خاص کر جناب صدیق اکبرؓ کی رفاقت میں ہر وقت رہتا تھا ۔ اس نے ان دونوں عظیم صحابہؓ سے بہت کچھ سیکھا اور اس

سلسلہ میں اس نے مفصل باتیں کی ہیں۔وہ از خود بڑے مضمون ہیں۔چند باتیں یہ تھیں۔حکومت اور امارت نہ طلب کرو، نہ بڑا بننے کی کوشش کرو۔اسلام قبول کرنے کے بعد آدمی اللہ کی بھیڑ بکری بن جاتا ہے اور وہی اس کا رکھوالا ہے۔ہاں یاد رکھو کہ کوئی غیر فطری کام مت کرو۔اللہ تعالیٰ اپنوں کو اس کی زیادہ سزا دیتا ہے کہ میرے ہو کر ایسا کام کرتے ہو۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں یہ نو مسلم مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور عرض کی "کہ آپ نے بار خلافت کیوں اٹھالیا"۔جناب صدیقؓ اکبر نے فرمایا "اس کے بغیر چارہ نہ تھا ڈر لگ رہا تھا کہ امت تفرقہ کا شکار نہ ہو جائے"

حضرت عمروؓ بن عاص کی مہم کافی کامیاب رہی اور ایسی مہمات کی وجہ سے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔اور تبوک کی مہم میں حضور پاکؐ اتنا بڑا لشکر تیار کر سکے۔عظیم صحابہؓ کو ایسی مہموں پر بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ ان کے کردار سے متاثر ہوں۔یعنی امیر لشکر سے اس کے لشکر کے کئی لوگ ہر لحاظ سے بہتر اور اولین مسلمان تھے اور لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے ہوں گے۔روایت ہے کہ اس مہم کے دوران جناب عمروؓ بن عاص رات کو آگ نہ جلانے دیتے تھے، کہ دشمن کو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ نہ ہو جائے۔ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن اس طرح لشکر کے پوزیشن کو معلوم کر کے کوئی چھاپہ یا شبخون بھی مار سکتا تھا۔جیسا کہ حمرالاسد کی مہم کے تحت آگ جلانے کا ذکر ہے اور آگے فتح مکہ مکرمہ کے وقت بھی ایسا ذکر ہے۔یہاں نہ جلانے کا ذکر ہے کہ مسلمان فوجی اصولوں کے بڑے ماہر تھے اور موقع و محل کا بڑا خیال رکھتے تھے۔کبھی آگ جلا کر فائدہ اٹھایا اور کبھی نہ جلا کر۔

۳۔ خبط کی مہم (رجب آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار پینسٹھ ہے۔حضور پاکؐ نے سید ابو عبیدہؓ بن جراح کو تین سو کے ایک دستہ کے ساتھ سیف البحر اور بحیرہ قلزم کے ساحلی علاقوں کے نزدیک قبیلہ جہنیہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔حضرت عمرؓ فاروق بھی لشکر میں شامل تھے۔علاقہ غیر آباد تھا اور کھانے کے لیے کھجوروں پر گزارہ تھا، جو اونٹوں پر اٹھائی ہوتی تھیں اور روزانہ گن گن کر چند کھجوریں کھاتے تھے۔بلکہ آخر یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو ان اونٹوں کو ذبح کر دیا جن پر یہ کھجوریں لادی ہوئی تھیں اور لشکر والے بدنی طور پر بھی کچھ کمزور ہو گئے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انہی دنوں سمندر نے ایک بہت بڑی مچھلی کو کنارے پر پھینک دیا۔یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر نے کافی دن اس پر گزارہ کیا۔بعض صاحبان کے مطابق تین سو کے لشکر کے لیے اٹھارہ دن کافی رہی۔بہر حال اہل لشکر اپنا مشن کامیابی سے پورا کر کے صحیح سلامت مدینہ منورہ واپس آگئے۔روایت ہے کہ حضور پاک کو جب مچھلی کے بارے میں اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رزق حلال تھا"۔کہ کچھ بھونی ہوئی مچھلی اہل لشکر مدینہ منورہ لے آئے اور حضور پاکؐ کو پیش کی۔

۴۔ بنو تمیم پر حملہ (آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چھیاسٹھ ہے۔جس ترتیب سے ابن اسحق نے لکھا ہے یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے آٹھویں ہجری کا ہے۔البتہ ابن سعد کے مطابق یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد نویں ہجری کے شروع کا ہے۔عینیہ بن حصن، جس کا تعلق بنو فزارہ سے تھا پہلے خود مسلمانوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑا اور بعد میں مسلمان ہو گیا۔اس کا ذکر پچھلے

کئی ابواب میں ہو چکا ہے اور تعارف بھی لکھا جا چکا ہے ۔ چنانچہ اس کو حضور پاکؐ نے بنو تمیم کی ایک شاخ بنو الانبار کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ۔ عینیہ کے حملہ سے متعدد لوگ ہلاک ہو گئے اور کچھ قید ہوئے ۔ بعد میں اس قبیلہ کے آٹھ آدمیوں کا ایک وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آئندہ امن کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ۔ حضور پاکؐ نے ان کے قیدی چھوڑ دیئے ۔ عینیہ چونکہ بعد میں مرتد ہو گیا تھا اس لیے مورخین نے اس کی مہم کو نظرانداز کر دیا ۔ یہ عاجز اول تو کسی فوجی مہم کو نظرانداز نہ کرے گا ۔ پھر واقعات کے تانے بانے ملانے کیلئے جب خلفاء راشدین کے زمانے میں بنو تمیم اور مالک بن نویرہ اور جھوٹی نبوت والی عورت سجاح کا ذکر آئیگا ، تو قارئین کو معلوم ہو گا کہ بنو تمیم کون تھے اور ان کے ساتھ کب رابطہ شروع ہوا ۔ اور یہاں یہ وضاحت بھی ہوتی جائے کہ " اللہ کی تلوار " کے مصنف جنرل اکرم نے مالک کی بیوی لیلیٰ کے گرد ایک اصفہانی کے ذریعہ سے جو رومانی افسانے گھڑے ہیں کہ اس کی ٹانگیں بہت خوبصورت تھیں ، اور جناب خالدؓ نے لیلیٰ کی اسی خوبصورتی کی وجہ سے مالک کو قتل کروا دیا ۔ یہ سب جھوٹ ہے ۔ راقم نے اپنی کتابوں خلفاء راشدین میں جائزوں اور واقعات سے ثابت کیا ہے کہ یورپ میں سکرٹ پہننے والی عورتوں کی ٹانگوں کے ذکر سے متاثر ہو کر جنرل اکرم پر عورت سوار ہو گئی ۔ ورنہ مشرق میں ٹانگوں کے ڈھانپنے کی وجہ سے ایسا کوئی تصور نہیں کہ فلاں عورت کی ٹانگیں بڑی خوبصورت ہیں ۔ یا پنڈلیاں خوبصورت ہیں کہ ہمارے انگریز ساتھی عورت کو کہتے ہی Legs (ٹانگیں) ۔ تھے ۔ مسلمان کیلئے عورت کا حسن حیا اور نسوانیت میں ہے ۔ جب اس کا ننگا کر دیا تو پھر بے حیائی باقی رہ جاتی ہے ۔ " بے چاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار " دوسری بات یہ ہے کہ بنو تمیم کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ دو بھائی جناب قعقاعؓ اور جناب عاصمؓ پسران عمرو کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے ۔ جو انہی دنوں مسلمان ہوئے ۔ صحابی ہیں اور خلفاء راشدین کی فتوحات کے زمانے میں دونوں بھائیوں کا نام سنہری لفظوں میں لکھا ہوا ہے ۔ اور دونوں کے کارہائے نمایاں کئی کتابوں کے مضامین ہیں

۵ ۔ وادی عدم کی مہم (آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ستاسٹھ ہے ۔ یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے ۔ مہینہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ وادی عدم کے کافی لوگ مسلمان ہو گئے تھے ، لیکن مدینہ منورہ سے دوری کی وجہ سے ہر وقت ان کو اپنے اوپر غیر مسلم قبائل کے حملہ کا ڈر رہتا تھا ۔ حضورؐ پاک نے حضرت ابن ابی حدردؓ کو متعدد صحابہؓ کے ساتھ وہاں بھیجا ، کہ مسلمانوں کو ڈھارس بندھائیں اور ان کے مخالف قبائل پر حملہ کریں ۔ یہ مہم بڑی کامیاب رہی لیکن مہلم بن جثامہ نے عمرو بن عدبط کو قتل کر دیا ۔ گو بعض لشکر والوں کا خیال تھا کہ عمرو اپنے اسلام کا اظہار کر چکا تھا اور مہلم نے یہ سب کچھ ذاتی دشمنی کی وجہ سے کیا ۔ بہر حال جب یہ علاقے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو حضور پاکؐ نے عمرو کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنے کا حکم دے دیا ۔

۶ ۔ وادی الغابہ کی مہم (آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اٹھاسٹھ ہے ۔ مہم کا مہینہ معلوم نہیں ہو سکا حضور پاکؐ کو خبر ملی کہ رفا بن قیس الجثامی وادی الغابہ میں لوگوں کو اکٹھا کر رہا ہے کہ مسلمانوں پر کسی جگہ حملہ کیا جائے ۔ حضور پاکؐ نے ایک دستہ کے ساتھ حضرت ابن ابی حدردؓ کو بھیجا کہ اس فتنہ کا تدارک کیا جائے ۔ انہوں نے یہ کام نہایت

ہوشیاری سے کیا۔ سارا دن چھپ کر اس قبیلہ کی حرکت دیکھتے رہے اور باتیں سنتے رہے شام کو قبیلہ کا ایک چرواہا واپس نہ پہنچا، تو رفا از خود اس کی تلاش میں نکلا۔ مسلمانوں نے جو باہر چھپے ہوئے تھے نے، رفا کو ہلاک کر دیا اور قبیلہ پر حملہ بول دیا۔ تمام قبیلہ تتر بتر ہو گیا اور حضرت ابن ابی حدردؓ ان کے مال و مویشیوں کو ہانک کر مدینہ منورہ لے آئے۔

ذوقرہ کی مہم (آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار انہتر ہے۔ مہم کا مہینہ معلوم نہیں ہو سکا۔ حضور پاکؑ نے القمہؓ بن محیصر کو ایک دستہ کے ساتھ بھیجا کہ ذوقرہ کے مقام پر حضرت وقاصؓ کو جن لوگوں نے شہید کیا تھا اس کا بدلہ لیا جائے۔ جناب القمہؓ ایک دستہ کے ساتھ وہاں گئے لیکن قاتل قبیلہ کو بروقت خبر مل گئی اور وہ تتر بتر ہو گئے اور مسلمان بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے۔

۸۔ **قبیلہ حضرہ کی سرکوبی** (شعبان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ستر ہے۔ قبیلہ حضرہ نجد کے علاقہ کے قریب رہتا تھا۔ یہ لوگ مسلمان شہداء کے سلسلہ میں کفار کا ساتھ دے چکے تھے۔ چنانچہ حضورؑ پاک نے جناب ابو قتادہؓ انصاری کو ان لوگوں کے مزاج درست کرنے کے لئے بھیجا۔ ان کے ساتھ پندرہ سوار تھے۔ لشکر والے دن کو چھپ جاتے تھے اور رات کو چلتے تھے۔ آخر ایک رات ان مجاہدین نے اس قبیلہ پر شبخون مار کر ان کو تتر بتر کر دیا اور ان کے دو سو اونٹ اور تقریباً دو ہزار بکریاں ہانک کر مدینہ منورہ لے آئے۔ بلکہ اس مہم کے دوران ایک خوبصورت لڑکی بھی ہاتھ لگ گئی۔ جس کو حضور پاکؑ نے محمیہؓ بن جز کو ھبہ کر دیا۔ اس کے بعد اس قبیلہ نے سر نہ اٹھایا۔

۹۔ **ابو قتادہؓ انصاری کی دوسری مہم** (رمضان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اکہتر ہے۔ یہ مہم دراصل ایک انحرافی اور حیران کن کارروائی تھی۔ اگلے باب میں جو مکہ مکرمہ کو باطل سے پاک کرنے کا ذکر آ رہا ہے، تو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے، حضور پاکؑ نے جناب ابو قتادہؓ انصاری کو آٹھ صحابہ کرام کے ساتھ بطن رضم کی طرف روانہ کیا، جو جگہ ذی خشب اور ذی المروہ کے درمیان ہے۔ مقصد یہ تھا کہ کفار مکہ کی توجہ اس طرف ہو جائے کہ ان علاقوں میں مسلمان کوئی کارروائی کرنے والے ہیں۔ بہر حال یہ مہم وہاں گئی ضرور، لیکن جناب ابو قتادہؓ کو معلوم ہو گیا کہ کفار مکہ میں مسلمانوں کی مخالفت کی ہمت نہیں اور آپ اپنے دستہ سمیت بطن رضم سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

خلاصہ و اسباق جنگ موتہ کے بارے میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور ان تین یا چار ماہ کی آٹھ مہمات کا ذکر بھی ہو گیا۔ کہ حربی کارروائیاں کس طرح جاری رکھی گئیں۔ اسباق بڑے بے شمار ہیں۔ جناب صدیقؓ نے جو کچھ سر جیسںؓ کو عملی اسلام کے بارے بتایا۔ ایسی باتیں ہماری نظر سے اوجھل ہیں۔ کہ بے شک ہم شدا الکفار ضرور ہیں اور اسلام دین غیرت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ریوڑ یا بھیڑ بکریاں ہیں۔ آج ہماری قوم میں جو نوجوان نسل بغاوت پر تلی ہوئی ہے اور اپنی بسوں اور عمارتوں کو آگ لگائی جا رہی ہے اس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مسلمان کو حکومت کی بھی کوئی چاہت نہیں ہوتی۔ اور جناب صدیقؓ نے قوم کو تفرقہ سے بچانے کیلئے امارت سنبھالی۔ اسی طرح "فلاحی مملکت" کے فلسفہ نے ہمیں دولت کے حصول کے چکر میں ڈال دیا ہے۔

افسوس کہ ہم دن بدن باطل فلسفوں سے متاثر ہو کر غیروں کے جال میں پھنستے جاتے ہیں ۔اور حضور پاکؐ کی غلامی ، اور ان کے رفقاءؓ کے عملی نمونوں کو بھولتے جاتے ہیں ۔یہ ایک سازش کے تحت ہو رہا ہے اور علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں پکار اٹھے ۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

بیوہ کی عزت افزائی اس باب کو ختم کرنے سے پہلے جناب جعفر طیارؓ کی بیوہ جناب اسماءؓ بن عمیس کا ذکر ضروری ہے ۔جن کے تدبر اور بلند اخلاق پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں اور پچھلے باب میں حضور پاکؐ نے جو حضرت حمزہؓ کی چھوٹی بچی امامہؓ کو آپ کے سپرد کیا ۔اس کا ذکر ہو چکا ہے ۔آپ کے بطن سے جناب جعفرؓ کے تین چھوٹے بیٹے تھے جن کو شجرہ "ج" پر دکھایا گیا ہے ۔لیکن اسلام کے لحاظ سے آپ کی عزت افزائی کیلئے نکاح ثانی ضروری تھا ۔جناب علیؓ کے گھر اس وقت جناب فاطمہؓ کی موجودگی اور نبی کی بیٹی کے ساتھ برابری ناممکن ہونے کیوجہ سے ، حضور پاکؐ نے آپ کا نکاح یار غار جناب صدیق اکبرؓ سے کرا دیا ۔اور جناب محمدؓ بن ابو بکرؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے ۔لیکن چند سال بعد جب صدیق اکبرؓ وفات پا گئے ۔تو حضرت علیؓ نے ان کو اپنی زوجیت میں لے کر شرف بخشا کہ اس وقت جناب فاطمہ الزہرا وفات پا چکی تھیں ۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ کی تین اور ازواج موجود تھیں اور وہ جناب محمدؒ بن حنیفہ کی والدہ خولہؓ بنت جعفر یمامہ کے ایک سردار کی بیٹی تھیں دوسری عین التمر کے علاقے کے سردار ربیعہ کی بیٹی اور جناب علیؓ کے بیٹے عمروؒ کی والدہ تھیں ، اور تیسری جناب البنین یعنی بہت بیٹوں کی والدہ تھیں جن کے بیٹوں میں جناب عباسؒ علمبردار اور جناب عثمانؒ وغیرہ شامل ہیں ۔اور جناب علیؓ کے ان بیٹوں کے نام بھی شجرہ نسب "ج" پر ہیں

وہ مسلمان ہماری طرح نہ تھے کہ وہاں بیوہ عورتیں تنہائی میں گزارہ کرتی رہیں ۔اور ہم مردوں کو ایک عورت سے جب تسلی نہیں ہوتی تو ہم گناہ کی طرف مائل رہتے ہیں ۔اسلام میں نکاح کئی مرضوں کا علاج ہے اور بیوہ کی عزت کا خاص حکم ہے ۔ اسلام کے عظیم سپہ سالار حضرت مثنیٰؓ نے اپنے زخموں کی وجہ سے شہادت سے چند لمحے پہلے اپنی بھائی جناب معنیٰؓ کو وصیت کی " کہ ان کی وفات کے بعد ان کی نوجوان بیوہ سلمیٰ کیلئے میرے جانشین جناب سعدؓ بن ابی وقاص کو گزارش کرنا کہ وہ ان کو نکاح میں لے کر ان کی عزت افزائی کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو تم اپنی بھاوج کو نکاح میں لے لینا " جناب سعدؓ نے نہ صرف اس پیغام کو بسرو چشم قبول کیا بلکہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔تفصیل کیلئے اس عاجز کی کتاب خلفاء راشدین حصہ اول سے استفادہ کریں ۔ کتنے عظیم تھے وہ مسلمان ۔اور زندگی کے معاملات کو کس طرح عملی طور پر سلجھاتے تھے ۔

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا　　ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے　(اقبالؒ)

انیسواں باب

حق کی فتح

فتح مکہ مکرمہ

دین فطرت کا بیان (رمضان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار بہتر ہے۔ جنگ موتہ سے واپسی کے بعد مسلمان لشکریوں نے جو موتہ کی جنگ میں شریک ہوئے تھے، مشکل سے تقریباً دو ماہ مدینہ منورہ میں قیام کیا ہو گیا۔ کہ وہ جمادی الاول میں اس جنگ کیلئے گئے۔ سفر لمبا تھا۔ مشکل سے جمادی الاخر کے آخری ہفتہ یا رجب میں مدینہ منورہ پہنچ ہوں گے۔ اسی دوران جو باقی سات حربی کارروائیاں ہوئیں، ان کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اب ماہ رمضان میں حضور پاکؐ نے ایک آٹھویں مہم بھی انفرادی کارروائی کے طور پر بھیج دی، کہ اب تمام مسلمانوں کو حضور پاکؐ کی کمانڈ میں حق کی فتح کی شرکت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہونے والی تھی۔ یہ فتح مکہ مکرمہ ہے جو ماہ رمضان آٹھ ہجری میں حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر کے چھ سال بعد واقع ہوئی۔ دین فطرت کی ہر بات نرالی ہے اور فتح مکہ مکرمہ کو معجزہ کہیں یا روحانی فتح کہیں۔ بہر حال ایک بات واضح ہے کہ اللہ تعالی کے گھر یعنی خانہ کعبہ میں اہل حق نے بغیر جنگ وجدل کے داخل ہونا تھا۔ کیونکہ حق کی ٹکر حق کے ساتھ نہیں ہوتی۔ لیکن دین فطرت کے کچھ اور تقاضے بھی تھے۔ یہی مکہ مکرمہ، یہی خانہ کعبہ جہاں پر داعی حقؐ پیدا ہوئے انؐ کو پہلے دن ہی سے مل جاتا۔ لیکن نہیں، رب کعبہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ حق والوں نے باطل کے ساتھ پتہ نہیں کتنی ٹکریں لینی ہوں گی۔ اس لیے ان کو تیار کرنے کی بھی ضرورت تھی اور ہجرت میں یہی راز پنہاں تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا سال بھی ہجرت سے شروع ہوتا ہے کہ حق کی شان و شوکت اور عسکری پہلو کی بنیاد ہجرت کے روز ہی رکھی گئی اور یہی پہلو اس کتاب کے آٹھویں باب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

عسکری قوت مانا کہ دین اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ لیکن امن و سلامتی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے کسی عسکری قوت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور ہماری قوم کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیئے کہ جنگ یا جنگ کی تیاری کے بغیر حق کو نہ لایا جا سکتا ہے اور نہ قائم و دائم رکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالی نے یہ پہلو سنت نبویؐ کے ذریعے ہمارے اوپر وارد اور عیاں کیا ہے۔ وہ خود مسبب الاسباب ضرور ہے۔ سبب اور وجوہات بھی خود بناتا ہے لیکن اس سب کے بیچ ہمارے لیے نشان راہ ہے اور صراطِ مستقیم ہے بشرطیکہ ہم اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

حق و باطل کے طور طریقوں کا موازنہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے یہ نشان راہ غیروں کے فلسفوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا ہے۔ ذرا مزید غوطے لگائیں کہ اب لطف کی بات یہ ہے کہ باطل والوں نے بھی حق پر یعنی مدینہ منورہ یا مسلمانوں پر تین بڑے حملے کیئے اور حق والوں نے بھی اہل کفر کی بیخ کنی کے لیے تین دفعہ مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ تینوں واقعات کا اب

ذرا موازنہ کریں ۔ کفار کی زیادہ تعداد کے باوجود ان کو بدر میں بری طرح شکست ہوئی ۔ پھر زیادہ تعداد کے ساتھ بڑھے ، تو احد کے میدان سے بے مقصد واپس آئے اور آخری بار پورے عرب کے باطل کی متحدہ کمان کو لے کر جنگ احزاب میں بھی گئے ، تو بے نیل و مرام واپس آئے ۔ اب حق والے پہلی دفعہ آئے تو مکہ مکرمہ کے دروازہ کو کھٹکھٹا کر بغیر کسی خون خرابہ کے صلح حدیبیہ کے ذریعے واپس چلے گئے ۔ دوسری دفعہ مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہو کر عمرہ کر کے واپس چلے گئے ، آج تیسری بار مکہ مکرمہ میں فتح یاب ہو کر داخل ہو رہے ہیں لیکن فتح کفار پر ہوئی ۔ باطل کو مٹانے اور بتوں کو توڑنے کے لیے ہوئی ۔ لیکن اللہ کا گھر تھا ۔ تیر برساتے ہوئے اور تلواریں لہراتے ہوئے کیسے داخل ہوتے ۔ تو اللہ تعالی نے دین فطرت کے لیے سبب ضرور بنا دیا کہ عسکری شان و شوکت سے داخل ضرور ہوں لیکن ساتھ ہی عاجزی کا مقام بھی ہے کیونکہ ادب کی جگہ ہے اور حضور پاکؐ نے خود مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت سر کو اس قدر جھکایا کہ سواری سے ماتھا مبارک چھو گیا ۔ یہ تھی اس باب کی تمہید کہ دین فطرت کا بیان بھی ساتھ ہو گیا ۔ اور یہ سب اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کے نظارے ہیں :۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے　(اقبالؒ)

ظاہری اسباب جو کچھ اوپر بیان کیا ہے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم دین فطرت اور اس کے عسکری پہلو کو سمجھیں کہ اپنے گھر میں بھی اللہ تعالی یہ مظاہرہ دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ اہل حق ، حق کے ہی مہمان ہو کر حق کے گھر میں داخل ہو رہے تھے ۔ اور حق کو یہ نظارہ بہت پسند تھا کہ اس کے بعد مسلمان چند سال میں ساری دنیا پر چھا جائیں گے ۔ البتہ اس داخلے کا ظاہری سبب پھر بھی صلح حدیبیہ کو بنا دیا کہ اس کی ایک شرط یہ تھی کہ بنو بکر اہل قریش کے حلیف مانے گئے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے ۔ ان دونوں قبائل میں پرانی دشمنی تھی اور بنو بکر جب قریش کے حلیف بن گئے تو وہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان فوجیں شام کے علاقے میں گئی ہوئی ہیں تو وہ بنو خزاعہ پر پل پڑے اور اتنا خون خرابہ کیا کہ بنو خزاعہ کو حرم شریف میں پناہ لینا پڑی ۔ پہلے تو بنو بکر رک گئے کہ حرم شریف کا احترام ضروری ہے لیکن ان کے رئیس نوفل نے کہا کہ ایسا وقت پھر نہیں آئے گا ۔ غرض وہاں بھی بنو خزاعہ کا خون بہایا گیا ۔ یہ سب کچھ انہوں نے نہ صرف قریش کی شہہ پر کیا بلکہ عکرمہ ، صفوان اور سہیل وغیرہ بنو بکر کے ساتھ اس خون خرابہ میں شامل تھے ۔ اس واقعہ کے چند دن بعد حضور پاکؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ مسجد کے باہر سے یہ آواز بلند ہوئی :۔

" اے رب میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلانے کے لیے حاضر ہوا ہوں جو ہمارے اور ان کے مابین ہو چکا ہے ۔ اے اللہ کے نبیؐ ہماری اعانت کرو...... "

پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ بنی خزاعہ کا ایک رئیس عمرو بن سالم سواروں کے ایک دستہ کی ہمراہی میں حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے ۔ انہوں نے حضورؐ پاک کو ظلم کی پوری داستان سنائی تو حضور پاکؐ کو بہت رنج ہوا ۔ آپؐ نے اسی دن ایک قاصد کو مکہ مکرمہ روانہ کیا اور قریش کو تین شرطیں پیش کیں :۔

بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے یا قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں یا اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

تینوں شرطیں بڑی معقول تھیں۔ حضور پاکؐ کی فوجی قوت اتنی بڑھ چکی تھی کہ آپؐ ظلم کی داستان سن کر مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کر کے بنو بکر یا قریش دونوں کو سزا دے سکتے تھے اور اس میں آپؐ حق بجانب تھے۔ لیکن اسلام بے مقصد خون خرابہ کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے کچھ لوگ عسکریت کے نام سے اس لیے بھی ڈرتے ہیں کہ یہ فوجی شتر بے مہار کی طرح سب کچھ اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔ اسلام میں کسی ایسی عسکریت کا تصور خارج از بیان ہے۔ اسلام ایک ربط و ضبط کی پابند اور بڑے کے حکموں کی اطاعت بردار عسکریت کا دعویدار ہے اور فتح مکہ مکرمہ کے حالات اس سلسلہ میں ہمارے لیے چند رہنما اصول وضع کرتے ہیں۔

بہرحال قریش ابھی تک کئی غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ نہ ان کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ تھا اور نہ ہی وہ اپنی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ اب بھی اپنے آپ کو عرب کا ایک اعلیٰ اور ارفع گروہ سمجھتے تھے، کہ ضرورت پڑنے پر شاید سارے عرب قبائل ان کی مدد کو آجائیں گے۔ اس لیے انہوں نے حضور پاکؐ کے قاصد کو کہلا بھیجا کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہے۔ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد جب انہوں نے سوچا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور پھر ہوا کا رخ بھی تبدیل ہو چکا تھا تو بہت گھبرائے۔ چنانچہ چند دن بعد ابو سفیان کو سفیر بنا کر مدینہ منورہ روانہ کیا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ حضور پاکؐ معاہدے کے ٹوٹنے کا اعلان فرما چکے تھے اور ابو سفیان کو یہ اختیار نہ تھا کہ پہلی دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر صلح کرا سکے۔ اس لیے ابو سفیان کس امید پر مدینہ منورہ گئے۔ خاص کر کہ حق و باطل کی پہلی جنگ کی ذمہ داری ابو سفیان پہ تھی اور دوسری دو جنگوں میں وہ کفار کے سپہ سالار تھے۔ مورخین حضرات اس سلسلہ میں خاموش ہیں، لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپ کی بیٹی ام المومنین ام حبیبہؓ انہی دنوں حضور پاکؐ کے عقد میں آئی تھیں اس لیے کچھ رشتہ داری کی امید تھی کہ شاید کام نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ کے عجب رنگ ہیں۔ وہی ابو سفیان جو مدینہ منورہ پر حملہ پر حملہ کر رہا تھا آج صلح کی بھیک مانگنے آیا۔ بیٹی کے پاس گیا تو انہوں نے بڑی عزت کی لیکن بیٹھنے کے لیے حضور پاکؐ کے بستر یا چارپائی کی بجائے کسی اور چارپائی پر بٹھایا۔ ابو سفیان حیران تھا۔ وہاں سے مایوس ہو کر جناب صدیق اکبرؓ، جناب عمرؓ، جناب علیؓ، حتیٰ کہ جناب فاطمۃؓ الزہرہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ لیکن ہر جگہ سے ناامید واپس مڑا۔ آخر کوئی کیسے مدد کر سکتا تھا۔ حق کی فتح کا وقت آ چکا تھا۔

مکہ مکرمہ کی طرف روانگی مکہ مکرمہ کی طرف حضور پاکؐ اور اسلامی لشکر کی روانگی اور وہاں کی کارروائی میں فوجی ربط و ضبط کے علاوہ باقی فوجی معاملات کو مورخین گول کر گئے اور روحانی طور پر اس سارے منظر کا بیان گو پر لطف ہے، لیکن افسوس کہ یہ پہلو بھی نظرانداز کیا گیا۔ اب یہ عاجز اپنی طرف سے یہاں پر کوئی مفروضہ بھی لکھنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اس لئے اختصار بہتر رہے گا۔ البتہ ایک اہم بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی فتح یا مکہ مکرمہ کی طرف یہ کوچ دراصل اس فوجی حکمت عملی اور ان جنگی

تدبیرات کا ماحصل ہے۔ جو حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ آکر اپنائیں۔ ہر گشتی کارروائی، ہر جنگ اور ہر جنگی مہم جو پچھلے چند سالوں میں واقع ہوئی۔ دراصل وہ اسی مقصد کے لیے تھی جو آج حاصل ہو رہا تھا اور شاید اصلی مقصد کا بھی یہ ایک مرحلہ تھا۔ کیونکہ اس کے بعد حق نے پھیلاؤ اختیار کرنا تھا۔ اس لیے فتح کے لیے اہل حق آج تیار کھڑے تھے۔

اس سیل و سبک سیر و زمین گیر کے آگے عقل و نظر علم و ہنر ہیں خس و خاشاک (اقبالؒ)

حضور پاکؐ عام طور پر سب مہموں کو راز میں رکھتے تھے۔ آپؐ نے تیاری کا حکم دے دیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ لیکن آخر اللہ کے گھر حاضری دینی تھی۔ کچھ عورتیں بھی تیار ہو رہی تھیں۔ اس لیے آپؐ نے کوچ سے ایک آدھ دن پہلے خبر دے دی، کہ مکہ مکرمہ کی تیاری ہے۔ چنانچہ ایک صحابی جن کو بعد میں معاف کر دیا گیا۔ پھر بھی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے کہ ایک عورت کے ذریعہ اہل مکہ کو خبردار کرنا چاہا۔ حضور پاکؐ کو جب وحی کے ذریعے، اس کی آگاہی ہوئی تو وہ عورت پکڑی گئی جس نے اہل مکہ کی طرف خط اپنے بالوں میں چھپایا ہوا تھا۔ بخاری شریف میں کئی راویوں سے یہ ذکر تفصیل کے ساتھ ہے کہ حضور پاکؐ نے جناب علیؓ اور جناب زبیرؓ کو بھیج کر اس عورت کو پکڑا وغیرہ۔ بہرحال رحمۃ للعلمینؐ نے حضرت حاطبؓ کو جو صاحب بدر تھے اور یہ خطا کر چکے تھے معاف کر دیا۔ بہرحال اس میں سبق ضرور ہے کہ حضور پاکؐ کو تو وحی کے ذریعے خیالات کا پتہ چل گیا۔ ہمیں ہر جنگی معاملہ کو راز سمجھنا چاہیئے اور رازداری جنگ کا ایک اہم اصول ہے۔

چنانچہ ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو حضور پاکؐ تقریباً آٹھ یا دس ہزار سرفروشان اسلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے اور راستہ میں کئی قبائل جو مسلمان ہو چکے تھے وہ لشکر اسلام میں آکر شامل ہو رہے تھے اور آخر میں مکہ مکرمہ سے تقریباً ایک منزل یا اس سے کچھ کم فاصلہ پر ایک مقام مرا النظہران پر پڑاؤ کیا۔ اب رازداری والا معاملہ ختم تھا۔ کیونکہ حضور پاکؐ مکہ مکرمہ میں جنگ وجدل کے بغیر ہی داخل ہونا چاہتے تھے اسی لیے آپؐ نے حکم دیا کہ خیمے دور دور لگائیں اور ہر خیمہ کے آگے آگ روشن رکھیں۔ اہل مکہ کو جب اس روشنی کی اطلاع ملی تو انہوں نے چھان بین کرنا چاہی جس کے لیے ابو سفیان خود دو اور ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلا کہ حالات کا مطالعہ کرے۔ حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو اب لشکر اسلام میں شریک ہو چکے تھے وہ خود چاہتے تھے کہ اہل مکہ کو کسی طرح سے اطلاع دی جائے کہ مقابلہ کی کوشش نہ کریں۔ وہ ذرا لشکر سے الگ ہوئے تو ان کی ملاقات ابو سفیان کے ساتھ ہو گئی، جس کو پناہ دے کر وہ حضور پاکؐ کی خدمت میں لے آئے، جہاں ابو سفیانؓ اسلام لے آئے یا اطاعت منظور کی یا مخالفت سے باز آئے۔ مورخین نے الگ الگ رائے دی ہے لیکن چونکہ یہ بات واضح ہے کہ ابو سفیانؓ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت حضور پاکؐ نے فرمایا کہ جو ابو سفیانؓ کے گھر داخل ہوا، وہ بھی امان میں ہے تو بحث یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے فوجی تجزیہ کے تحت اہل مکہ اب اس قابل نہ تھے، کہ حضور پاکؐ کے لشکر کی مخالفت کر سکیں۔ ان کا سردار امان کا طالب تھا۔ البتہ حضور پاکؐ نے ابو سفیان کو حضرت عباسؓ کی ہمراہی میں مکہ مکرمہ ضرور بھیجا کہ لوگوں کو آگاہ کر دیں، کہ حضور پاکؐ کا لشکر خانہ کعبہ میں کل داخل ہو گا، بلکہ ابو سفیانؓ کو کسی

ایسے مقام پر کھڑا کرنے کی ہدایت دی، جہاں سے وہ اسلامی لشکر کی طاقت کا اندازہ کر سکیں۔

کارروائی قرون اولی کے مورخین اور راویوں نے لشکر اسلام کے مکہ مکرمہ میں داخلے کو بڑے پیارے الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور یہ سب کچھ پڑھ کر روحانی تسکین ضرور ہوتی ہے، پھر اہل عرب کا اپنا ایک حسن بیان ہے جس کو پڑھ کر ویسے بھی آدمی لطف اندوز ہوتا ہے۔اس کے علاوہ آج کا دن اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری دن تھا۔بچھڑے ہوئے خاندان مل رہے تھے۔اہل قریش نے آج کے بعد پھر شیر و شکر ہو جانا تھا اور سب نے مل کر دنیا کو فتح کرنا تھا۔اس لیے تمام منظر بے شک ہماری تاریخ کا حصہ ہیں لیکن ہم اپنے آپ کو صرف فوجی معاملات تک محدود رکھیں گے۔داخلہ کے وقت نہایت اعلی پائے کا ربط و ضبط تھا اور لشکر اسلام حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ہر حصہ یا گروہ کا اپنا علم تھا۔اللہ کا ذکر جاری تھا اور وقفے کے بعد نعرہ تکبیر کی صدا لگائی جاتی تھی یہ افواج الہی کا جلال تھا جو دیکھنے والوں کو مرعوب کر رہا تھا۔کیونکہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو ربط و ضبط کی ایسی تربیت دی تھی کہ آج جلال ہی جلال تھا اور اہل عرب کو اس مقام پر لے آئے تھے۔

وہ دانائے سبلؐ ختم الرسلؐ مولائے کلؐ جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا (اقبالؒ)

حضورؐ پاک نے اعلان کروا دیا تھا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے گا یا حرم شریف میں داخل ہو گا ان سب کو امن ہے۔ چنانچہ عام طور پر کوئی مخالفت نہ ہوئی۔روایت ہے کہ حضور پاکؐ نے لشکر اسلام کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ایک بڑا حصہ تھا جس میں آپؐ خود تھے اور اس کے علمبردار حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔مدینہ منورہ کی طرف سے جو راستہ آتا ہے اس راستے سے لشکر کا یہ بڑا حصہ داخل ہوا۔باقی تین چھوٹے لشکروں کی کمانڈ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت خالدؓ کر رہے تھے۔اور یہ لشکر باقی تین راستوں یا دروں سے داخل ہوئے۔(نقشہ پانزدہم سے استفادہ کریں)۔مکہ مکرمہ نیچی سطح پر واقع ہے اور چاروں طرف پہاڑ ہیں۔جو مکہ مکرمہ کی سطح سے تقریباً ہزار فٹ کے قریب اونچے ہوں گے۔فوجی لحاظ سے یہ طریق کار ضروری تھا، کہ دشمن اگر ایک جگہ پر مقابلہ کرے تو دوسرا لشکر دشمن کے پیچھے پہنچ جائے گا اور پھر دشمن کی اتنی تعداد بھی نہ تھی کہ چاروں لشکروں کا مقابلہ کرتا۔اس طریق کار کا یہ مقصد بھی تھا کہ کوئی قریش بھاگ نہ سکے لیکن چونکہ زیادہ مقابلہ نہ ہوا اور زیادہ سختی بھی نہ ہوئی، اس لیے اکا دکا لوگ بھاگ ضرور گئے۔مقابلہ صرف چند لوگوں نے حضرت خالدؓ کے لشکر کا کیا اور مقابلے والے بھی خالدؓ کے اپنے رشتہ دار عکرمہ اور دوست صفوان وغیرہ تھے اور وہ بھی جلدی بھاگ گئے۔کیونکہ بارہ کے قریب کفار ہلاک ہوئے اور دو مسلمان بھی شہید ہوئے۔جن میں ایک جناب کرزؓ بن جابر تھے۔اور یہ ذکر پہلے ہو چکا ہے۔حضورؐ پاک اتنا کچھ بھی نہ چاہتے تھے اور سختی سے منع فرمایا تھا کہ تلوار نہ اٹھانا لیکن کفار کی غلطی تھی، تو مسلمان کیسے خاموش رہتے۔کہ یہاں حضور پاکؐ نے دفاع یا دشمن کے جواب میں تلوار چلانے کی اجازت ضرور دی تھی۔یہاں پھر ہمارے "امن پسندے" حضورؐ پاک کی امن پسندی کو اچھالیں گے۔بے شک حضور پاکؐ بڑے امن پسند تھے۔لیکن اس امن کیلئے فوجی تیاری مکمل تھی۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ حضور پاکؐ جب مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہوئے تو آپؐ نے سر جھکا کر اللہ تعالی کا شکریہ ادا فرمایا،

کہ اہل حق کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا اس کے بعد آگے بڑھ کر کعبہ شریف سے تمام بت نکلوا دیئے اور مسلمانوں کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے: ۔"حق آگیا، باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کی شے ہے" اس کے بعد حضور پاکؐ نے کعبہ کی کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا اور نماز پڑھی ۔بعض راویوں کا خیال ہے کہ صرف تکبیریں کہیں ۔بہر حال اس کے بعد سرکار دو عالمؐ نے اہل مکہ کو خطاب فرمایا۔جس میں قرآن پاک کی آیات بھی پڑھیں ۔اس خطبہ میں اسلام کے اصول اور حق کی آمد کی وضاحت کی اور پھر اہل قریش سے پوچھا کہ آج آپ لوگ کیا امید کر رہے ہیں ۔اہل قریش نے آپؐ کی مخالفت ضرور کی ۔لیکن مزاج شناس تھے ۔عرض کی: "آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"

آپؐ نے فرمایا میں نے معاف کیا۔ پھر نماز کا وقت آیا۔ حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی اور ادھر خانہ کعبہ ہی میں نماز ادا کی ۔اس کے بعد مقام صفا پر آپؐ ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ ادھر ہی بیعت لیتے رہے ۔انہیں میں ہندہؓ زوجہ ابو سفیانؓ بھی تھی جس نے حضرت حمزہؓ شہید کا کلیجہ چبایا تھا، لیکن اسلام میں آنے کے بعد سب دشمنیاں ختم ہو جاتی ہیں ۔یہی نہیں بلکہ بعد میں آپ نے عکرمہؓ بن ابو جہل اور صفوانؓ بن امیہ جیسے لوگوں کو بھی معاف فرمایا کیونکہ یہ دونوں کچھ دن بعد اسلام لے آئے ۔جناب عکرمہؓ تو ملک سے بھاگ رہے تھے ۔لیکن ان کی محترم بیوی جناب ام حکیمؓ نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کر کے جناب عکرمہؓ کو واپس لایا۔ اور حضور پاکؐ سے معافی دلائی ۔بہر حال بعد میں جناب عکرمہؓ اور جناب صفوانؓ نے اسلام کی بڑی خدمت کی ۔جناب صدیقؓ کی خلافت میں جناب عکرمہؓ کی مرتدین کے قلع و قمع کے سلسلہ میں یمن خاص کر مہرہ اور حضر موت کے علاقوں کی کارروائیاں، اسلامی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھی ہوئی ہیں ۔اور پھر جناب عکرمہؓ کی شام کی فتوحات میں خدمات، جنگ یرموک میں شہادت پر بیعت ۔اور پھر اپنے بیٹے جناب عمرؓ سمیت اس جنگ میں شہادت بلکہ آخری سانس جناب خالد سیف اللہؓ کی گود میں نکلنے کی باتوں میں جو دلچسپی رکھتے ہوں تو اس عاجز کی خلفاء راشدین کی کتابوں سے استفادہ کریں ۔

عبداللہ بن ابی سرح حضور پاکؐ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھی معاف فرمایا۔ عبداللہ مسلمان ہو جانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا ۔اب حضرت عثمانؓ نے عبداللہ کی سفارش کی، کہ وہ ان کا رضاعی بھائی تھا ۔ابن اسحٰق اور اکثر محدثین نے اس سلسلہ میں جو اضافے کیئے ہیں ۔وہ کچھ شکیہ پہلو ہیں ۔جن کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔کہتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے عبداللہ کو معافی دینے میں دیر کر دی ۔بعد میں اس دیر کی وجہ پوچھی گئی، تو حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ آپؐ چاہتے تھے کہ کوئی آدمی آگے بڑھ کر عبداللہ کا سر قلم کر دیتا" تو پھر ایک انصار نے عرض کی: ۔"یا رسول اللہؐ کوئی اشارہ کیوں نہ کر دیا؟" تو حضور پاکؐ نے فرمایا۔" نبی قتل کیلئے اشارے نہیں کرتا"

تبصرہ یہ عاجز اس خیال کا حامی ہے کہ اگر حضور پاکؐ چاہتے کہ عبداللہ قتل ہو، تو عبداللہ قتل ضرور ہوتا، اب ساری حدیث مبارکہ کے بیان پر نظر دوڑائیں ۔کہ اول تو سوال پوچھنے والے انصار کا نام نہیں لکھا۔ پھر عام دنیا کے حاکموں میں سے کسی کے

سامنے اگر کوئی آدمی پیش ہو تو اس کے ماتحتوں کے مخل ہونے کو بے ادبی کہتے ہیں۔ جب حاکموں کے حاکم اور سرکار دوعالمؐ کے سامنے ایک آدمی پیش کیا جائے تو دوسرے کیسے ہمت کر کے اس کو قتل کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافی کہانی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں گھڑی گئی۔ جب جناب عمروؓ بن عاص کی جگہ حضرت عثمانؓ نے جناب عبداللہؓ کو مصر کا عامل بنایا۔ راقم نے خلفاء راشدین کی تیسری کتاب میں اس سازش سے پردے ہٹائے ہیں کہ کس طرح حضرت عثمانؓ کے خلاف غلط قسم کے کنبہ پروری کے الزام لگائے جارہے تھے۔ حالانکہ جناب عبداللہؓ کو پہلے امارت حضرت عمرؓ کے زمانے میں ملی اور آپ نہ صرف فاتح افریقہ ہیں بلکہ اسلام کی تاریخ میں پہلے امیرالبحر مانے جاتے ہیں۔ اس عاجز کے لحاظ سے چونکہ آپ کاتب وحی رہ چکے تھے، اس لئے معافی مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ پھر سفارش کرنے والے حضرت عثمانؓ ذوالنورین تھے۔ اور اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ زوجہ حضرت عثمانؓ کی وفات کے وقت ہادی حقؐ نے فرمایا۔ "بخدا اگر آج میری کوئی اور بیٹی ہوتی، تو ضرور بر ضرور ان کو بھی جناب عثمانؓ کے عقد میں دیتے"

عام معافی حضور پاکؐ تو عام معافی کا اعلان فرما چکے تھے۔ بنو مخزوم کو دو آدمی جنہوں نے لشکر اسلام کی مخالفت کی، ان کو جناب ام ہانیؓ بنت ابو طالبؓ نے پناہ دے دی اور وہ اسلام بھی لے آئے۔ حضرت علیؓ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا۔ "تھم جاؤ ابو الحسن! میری بہن ام ہانیؓ نے جس کو پناہ دے دی، تو گویا ہم نے بھی اس کو پناہ دے دی۔" پھر ہندہؓ کی سفارش کس نے کی۔ اور ابو جہل کی بھتیجی ام حکیمؓ زوجہ عکرمہؓ بن ابو جہل کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ تو گزارش یہ ہے کہ ہر حدیث مبارکہ ثقہ یا غیر ثقہ قرار دینے سے پہلے حضور پاکؐ کی شان مبارک کو ضرور ذہن میں لایا جاوے، تو پھر اللہ ہم پر ضرور رحم کرے گا۔ اور سچ و جھوٹ میں تمیز کا فرق سکھا کر صراط مستقیم کی نشاندہی کر دے گا۔

خلاصہ فتح مکہ مکرمہ پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ ایک ایک حرکت۔ اور حضور پاکؐ کی زبان مبارک سے ایک ایک لفظ میں بڑی حکمتیں پنہاں ہیں۔ لیکن اس عاجز نے بہت اختصار سے کام لیا۔ ورنہ آٹھ ہزار مجاہدین کا اللہ کے نبیؐ کے گھر سے چل کر اللہ کے گھر آنے کیلئے جو چھ سال تیاری کی گئی، تو اس کے عملی پہلو نے ایک زمانہ کو اپنے اندر پنہاں کیا ہوا ہے۔ لشکر کی تعداد آٹھ ہزار صحیح معلوم ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے رات کو حضورؐ پاک نے دس ہزار مقامات پر آگ جلوائی، تو لشکر کی تعداد بھی دس ہزار مانی گئی۔ لیکن وہ طرز بیان بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ہزار نہیں۔ دس ہزار روشنیاں ہیں۔ پھر کون روشنیوں کو گن سکتا ہے، جو مدھم ہو کر غائب یا دوسری روشنی سے مدھم ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں مکہ مکرمہ کے نو مسلم شامل کر کے جنگ حنین کے وقت تعداد دس ہزار تھی۔ تو اس وقت تعداد ضرور کم ہوگی۔

۲۔ اس دفعہ پھر مدینہ منورہ میں نیابت کا شرف جناب ابن ام مکتومؓ کو نصیب ہوا۔

۳۔ مدینہ منورہ سے کوچ بالکل فوجی طریقے سے کیا۔ جناب زبیرؓ بن عوام، دوسو کے دستہ کے ساتھ ہراول کا کام کرتے رہے۔

۴۔ ماہ رمضان کیوجہ سے کچھ لوگوں نے روزہ رکھ لیا۔ تو بندوبستی کاموں میں ان لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جنہوں نے روزہ

نہ رکھا تھا، تو حضور پاکؐ نے فرمایا" کہ نہ روزہ رکھنے والے آج کے دن روزہ رکھنے والوں پر فوقیت حاصل کر گئے" یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے روزہ افطار کرنے کے احکام صادر فرمائے۔ کہ جہاد یا جہاد کی تیاری کو روزہ پر ترجیح ہے۔اور روزہ، جہاد کی تیاری کی ایک امدادی مد ہے۔

۵۔ مکہ مکرمہ میں داخلہ ربط و ضبط کا ایک نمونہ تھا۔ یہ ربط و ضبط اور فوجی ترتیب دیکھ کر ابو سفیانؓ نے حضور پاک کے چچا جناب عباسؓ کو کہا۔"آپ کے بھتیجے کی سلطنت بہت بڑھ گئی" تو جناب عباسؓ نے فرمایا" یہ سلطنت نہیں نبوت ہے"

۶۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے عجیب رنگ ہیں۔اور اسلام دین فطرت ہے کہ سب رشتے اللہ اور رسولؐ کیلئے ہیں۔اب اس ساری کارروائی میں اگر کہیں مقابلہ ہوا تو ایک طرف بنی مخزوم کے جناب خالدؓ تھے جو اب اللہ کی تلوار بن چکے تھے تو دوسری طرف بنی مخزوم سے ان کا بھتیجا عکرمہ۔یا ان کا بہنوئی صفوان۔اسلام کی مخالفت سب سے زیادہ بنو مخزوم نے کی اس کا ذکر متعدد ابواب میں ہے۔

۷۔ آج سب قبیلے ختم ہو گئے۔اور سب قریش اللہ کے قبیلے میں شامل ہو گئے۔مخالف قبائل کا نام مٹ گیا۔اور اگر دنیا میں بھی کوئی دوام باقی ہے تو وہ حضورؐ پاک کی وساطت سے آپؐ کے خاندان یا آپؐ کے رفقا کی وجہ سے ہے۔ مثلاً قریش، ہاشمی، علوی، عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، اور زبیری وغیرہ قسم کے نام باقی رہ گئے۔یہی حضور پاکؐ کی غلامی کا ایک زندہ ثبوت بھی ہے۔

مکہ مکرمہ میں قیام حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ میں ایک چمڑے کے خیمہ میں قیام فرمایا۔اور اسی خیمہ پر جناب زبیرؓ نے آپؐ کا جھنڈا گاڑ دیا۔مکہ مکرمہ میں قیام پندرہ سے اٹھارہ دن تک بتایا جاتا ہے۔آپؐ نے اس سارے عرصہ میں نماز قصر کے طور پر ادا کی تو یہ فقہی مسئلہ بھی حل ہو گیا، کہ گھر وہ ہوتا ہے جہاں پکا قیام ہو، نہ کہ جائے پیدائش یا پرانا گھر یا آبائی گھر۔خانہ کعبہ کو بتوں اور تصویروں سے پاک کیا۔خانہ کعبہ میں اذان دلوائی، اور خانہ کعبہ کی کنجی منگوا کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔اور اس میں دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی پھر کنجی عثمانؓ بن طلحہ کو واپس کر دی۔اور فرمایا" یہ کنجی ہمیشہ اولاد ابی طلحہ کے پاس رہے گی۔خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔"اے کعبہ! تو اللہ کی زمینوں میں سب سے بہتر ہے اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا"۔

حضورؐ پاک نے اس کے بعد خانہ کعبہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے وقفہ کیلئے ہم مسلمانوں پر اس کو حلال فرمایا، کہ ہم باہتھیار اس میں داخل ہوئے۔اب پھر خانہ کعبہ کی وہی حرمت ہے کہ یہاں جنگ و جدل نہ ہو۔اس کے بعد مکہ مکرمہ کے شہر کے بندوبست کے سلسلہ میں بازار کا کام سعیدؓ بن سعید العاص کو سونپا، جو انہی دنوں مسلمان ہوئے تھے۔عامل کی ذمہ داری جناب عتابؓ بن اسید کے سپرد کی۔اور معلم یا تبلیغ کا کام جناب معاذؓ بن جبل کے سپرد کیا۔اس کے بعد مسلمان دستوں کو مکہ و مکرمہ کے گرد نواح میں بھیجنا شروع کر دیا، کہ بتوں کو منہدم کریں اور حربی مظاہرے ہوں۔ان کا ذکر آگے آتا ہے

۱۔ عزیٰ کا بت خانہ (رمضان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار تہتر ہے۔فتح مکہ مکرمہ کے پانچ روز بعد حضور پاکؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تیس سواروں کے ساتھ بھیجا کہ عزیٰ کے بت خانہ کو منہدم کر دو۔روایت ہے کہ وہاں سے ایک سیاہ

فام عورت جس کے بال منتشر تھے نکلی جس کو قتل کر دیا گیا۔

۲۔ **سواع کا بت خانہ** (رمضان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چوہتر ہے۔ مکہ مکرمہ کے نواح میں عورت کی شکل پر ایک بت خانہ تھا جو قبیلہ ہذیل نے بنایا تھا اور ان دنوں اس کی نگرانی بنو سلیم کرتے تھے۔ فتح مکہ مکرمہ کے بعد حضور پاکؐ نے چند سواروں کی معیت میں حضرت عمرؓو بن عاص کو بھیجا جنہوں نے جا کر اس بت خانہ کو منہدم کر دیا۔ اس کے مجاوروں کو شک تھا کہ اس بت خانہ کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ لیکن جب اپنی آنکھوں کے سامنے بتوں کو پاش پاش ہوتے دیکھا تو اسلام لے آئے

۳۔ **مناۃ کا بت خانہ** (رمضان آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار پچھتر ہے۔ مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد یہ تیسرا بت خانہ تھا جس کو منہدم کرنے کے لیے حضور پاکؐ نے حضرت سعدؓ بن اشہلی کو تیس سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ مناۃ اسلام لانے سے پہلے انصار مدینہ کے قبائل اوس، وخزرج اور قبیلہ غسان کا بت تھا۔ روایت ہے کہ جب بت توڑ دیئے گئے تو اس بت خانہ سے سیاہ فام برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی باہر نکلی جس کو قتل کر دیا گیا۔

۴۔ **بنو سلیم کو دعوت اسلام** (شوال آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چھہتر ہے۔ بنو سلیم کا ذکر جنگ خندق کے وقت اور خاص کر سترھویں باب میں ان کے ظلم پر تبصرہ ہو چکا ہے۔ اب فتح مکہ مکرمہ کے بعد ان کو اسلام کی دعوت پوری طاقت کے ساتھ دینی شروع کی گئی اور حضرت خالدؓ بن ولید کو تین سو ساٹھ سواروں کے ساتھ بنو خزیمہ اور بنو سلیم کو دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ یہ قبائل اسلام لے آئے لیکن ایک غلط فہمی کی وجہ سے کچھ لوگ ناجائز قتل ہو گئے۔ تو حضورؐ پاک نے حضرت علیؓ کو بھیج کر ان لوگوں کے ورثا کو خون بہا ادا فرمایا۔

نتائج و اسباق فتح مکہ خود ان مہموں کا نتیجہ ہے جو اہل حق لڑ چکے تھے اور اسطرح سے ایک مقصد حاصل ہو گیا۔ اب اسلام کی روشنی کو پورے عرب میں پھیلانا آسان ہو گیا تھا۔ جہاں تک سبقوں کا تعلق ہے حضور پاکؐ کی زندگی کے ہر قدم میں ہمارے لیے سبق ہے اور اس فتح میں بڑا سبق یہ ہے کہ حق کو فتح ضرور ہو گی لیکن اہل حق کو عسکریت کے ذریعے اس کا اہل بننا پڑے گا۔

اب مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ ایک ہو چکے تھے، اور ایک رہیں گے۔ یہی دین فطرت کی شان ہے۔ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے ایک ہو جانے کے بعد اب دین فطرت کا پھیلاؤ شروع ہونے والا تھا۔ یہی ہمارے اگلے چند ابواب کا عنوان ہے۔ کہ مسلمان جنگ اور امن دونوں میں اپنا مقام نہیں رکھتا۔

اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری (اقبالؒ)

بیسواں باب

حق کا پھیلاؤ حصہ اول

(شوال۔ آٹھ ہجری)

جنگ حنین اور طائف کا محاصرہ۔

جنگ کی وجوہات یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ستر ہے۔ فتح مکہ کے بعد اکثر عرب قبائل نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے بعض آپؐ کے ساتھ جنگ بھی کر چکے تھے اور بعض اس انتظار میں تھے کہ آخر مکہ مکرمہ کس کے پاس رہتا یا جاتا ہے۔ لیکن جب حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو پھر ان لوگوں نے سوچا کہ آپؐ سچے پیغمبر ہیں تو تب ہی یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے قبائل دھڑا دھڑ اسلام کی آغوش میں آرہے تھے، لیکن عرب کے دو جنگجو قبائل ہوازن اور ثقیف پر اثر ٹھیک نہ ہوا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو فن جنگ کا ماہر سمجھتے تھے اور بڑے غیرت مند قبیلے تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات نے ان کو دل برداشتہ کر دیا، کہ اب ان کی ریاست یا نسلی تفاخر وغیرہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ قبیلہ ہوازن اس وادی میں آباد تھا جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ہے اور یہ وادی حنین کے نام سے مشہور ہے۔ بنو ثقیف زیادہ تر طائف میں آباد تھے۔ البتہ دونوں قبیلوں کے آگے بھی چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے۔ اور جب کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تھا تو ان چھوٹے چھوٹے قبائل کے سرداروں کو بھی مشورہ کے لیے بلایا جاتا۔

چنانچہ تمام قبائل کو مشاورت کے لیے طلب کیا گیا، اور ہوازن سے بنو نصیر، بنو جشم، بنو ہلال اور بنو مالک نے شرکت کی لیکن بنو کعب اور بنو کلاب نہ شریک ہوئے۔ بنو ثقیف کی نمائندگی ان کے ایک سردار قارب بن الاسود نے کی۔ تمام قبائل نے مل کر فیصلہ کیا کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے ان پر ادھر ہی حملہ کر دیا جائے۔ فوج کی سرداری کے لیے مالک بن عوف کو چنا گیا، جو قبیلہ ہوازن کے چھوٹے قبیلہ بنو نصیر سے تھے۔ لیکن مشورہ کے لیے بنو جشم کے درید بن الصمۃ کو بھی ساتھ رکھا گیا۔ اس کی عمر کوئی سو سال کے قریب تھی اور وہ آنکھوں کی بینائی کھو چکا تھا۔ درید کا ذکر پانچویں باب میں ہو چکا ہے کہ حرب الفجار میں قریش کے مخالف قبائل میں سے ایک کی سرداری کر چکا تھا۔ یہ شخص بڑا مدبر تھا اور پختہ ذہن رکھتا تھا۔ لیکن ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اس لیے اس کو لوگوں نے چارپائی پر اٹھا رکھا تھا۔ تمام قبائل نے وادی کے دامن میں ایک مقام اوطاس میں اکٹھا ہونا تھا۔ چنانچہ درید کو جب وہاں پہنچایا گیا تو اس نے پوچھا کہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا "اوطاس" کہنے لگا "ہاں لڑائی کے لیے موزوں ہے۔ زمین بہت سخت بھی نہیں اور زیادہ نرم بھی نہیں کہ پاؤں بیچ دھنس جائیں" پھر اس نے بچوں کے رونے کی آواز سنی تو پوچھنے لگا "یہ آواز کیسی ہے" لوگوں نے کہا "کہ سردار لشکر کا حکم ہے کہ بال بچے ساتھ ہوں تو لوگ بے جگری سے لڑیں گے" کہنے لگا "جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہو گی"۔

درید کی بات کفار کے لئے تو صحیح ثابت ہوئی۔ البتہ اس پر پورا تبصرہ باب کے آخر میں آتا ہے۔ پھر جب پوچھا کہ کون

کون سے قبیلے جنگ میں شریک ہوئے ہیں تو اس کو پتہ چلا، کہ بنو کعب اور بنو کلاب نے شرکت نہیں کی تو کہنے لگا" یہ شگون اچھا نہیں ہے ۔ وہ عزت مند لوگ ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کا دن عزت و شرف کا دن نہیں ہے اور ان کی غیر حاضری پر معنی ہے "۔ پھر اس نے لشکر کے سردار کو رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر بھیج دو اور کسی اور اچھی جگہ پر پوزیشن لے کر اعلان جنگ کرو ۔ لیکن نوجوان سردار لشکر نے جوانی کے جوش میں آکر بچوں اور عورتوں کے سلسلہ میں درید ہ کی رائے کو ٹھکرا دیا ۔

مسلمانوں کی تیاری حضور پاک کافی عرصہ سے ان قبائل کی جنگی تیاری کی خبریں سن رہے تھے ۔ اس لیے آپ نے جناب عبداللہ بن جدرد کو علاقہ حنین میں بھیج دیا، جو لمحہ لمحہ کی خبریں پہنچا رہے تھے ۔ بلکہ لشکر کفار میں گھل مل کر رہتے بھی رہے اور تمام حالات سے حضور پاک کو آگاہ کیا ۔ حضور پاک کے دس ہزار لشکر میں دو ہزار نو مسلم بھی شریک ہو چکے تھے ۔ اور حضورؐ پاک قرض اور ادھار لے کر ان نئے لشکریوں کو بھی مسلح کر چکے تھے ۔ ابن سعد کے مطابق لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی، جس میں دو ہزار نو مسلم تھے ۔ بہر حال اتنی بڑی تعداد کی فوجیں آٹھ شوال کو حنین کی طرف بڑھیں، البتہ یہ پتہ نہیں ہے کہ فوجیں مکہ سے آٹھ شوال کو نکلیں یا اوطاس کے میدان میں آٹھ شوال کو پہنچیں ۔ روایت کے مطابق بیچ میں تین دن کی مسافت ہے ۔ بہر حال یہ جنگ شوال کے مہینے میں ہوئی اور آج پہلی دفعہ مسلمان اپنی طاقت پر کچھ نازاں بھی تھے ۔ اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہیں ہے اس لیے قرآن پاک میں اس سلسلہ میں تنبیہ بھی ہے :۔

" اور یاد کرو حنین کا دن ۔ جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی ۔ زمین بجائے وسعت کے تم پر تنگی کرنے لگی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے ۔ پھر اللہ تعالی نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی ...... "

جنگ کی کارروائی کا پہلا مرحلہ جنگ کی کارروائی کے بارے میں مختلف مؤرخین نے مختلف طرز اختیار کی ہے ۔ کچھ کا خیال ہے کہ پہلے مسلمانوں نے حملہ کیا اور اس میں کامیابی ہوئی ۔ لیکن پھر کسی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے ۔ بعض کا خیال ہے کہ مسلمان پہلے حملے میں کامیاب ہوئے اور پھر مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور دشمن سے بے خبر ہو گئے تو دشمن نے سخت حملہ کر دیا جس سے مسلمان اپنی جگہ پہ نہ رہ سکے ۔ ایسے مورخین پر جنگ احد سوار ہے، کہ مال غنیمت سب غلطیوں کا سبب بنتا ہے بہر حال یہ دونوں باتیں ایک ذہنی ذہن کو اپیل نہیں کرتیں کیونکہ یہ واقعات بیان کرنے والے دونوں لشکروں کی صف بندی کا ذکر نہیں کرتے ۔ نیز پیش قدمی کا ذکر کرتے ہیں، کہ مسلمان آگے بڑھ رہے تھے ۔ اس عاجز نے تمام پرانی تاریخوں کے مطالعہ کے بعد جو نچوڑ نکالا ہے اور جو رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے وہ یہ بیان ہے کہ مسلمانوں کا لشکر وادی تہامہ سے وادی حنین کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ صبح کا وقت تھا ۔ وادی لمبی چوڑی ضرور تھی لیکن اس وقت لشکر نیچے کی طرف اتر رہا تھا کہ ڈھلوان سے گزر ہو رہی تھی ۔ دشمن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس علاقے میں پہلے سے پہنچ چکا تھا اور سردار لشکر مالک پر بوڑھے درید ہ کی باتوں کا کچھ اثر ہو چکا تھا ۔ اس نے اپنے لشکر کے لوگوں کو وادی کی کمین گاہوں میں چھپا دیا تھا اور پھر ایک ہی اشارے میں وہ سب کے سب مسلمانوں پر پل پڑے ۔ مسلمان جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں تھے آج خود حیران کن کارروائی کی زد میں آگئے اور ان کے قدم اکھڑ گئے ۔ لطف کی

بات یہ ہے کہ جو لوگ جیش مقدم میں یعنی لشکر کے آگے آگے تھے اور ان کی سرداری جناب خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں تھی وہ بھی کوئی خاطر خواہ کام نہ کر سکے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن نے ان کو نکلنے دیا اور وہ بہت آگے نکل گئے اور دشمن نے حملہ مسلمانوں کے قلب یعنی Main Body پر کیا۔ واقعات بالکل اسی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فوجی لحاظ سے بھی دشمن کی یہ کارروائی صحیح تھی، کہ حضور پاکؐ ضرور لشکر کے قلب یا اس سے تھوڑا آگے ہوں گے۔ یعنی وہ خود اس مقام پر موجود تھے جہاں کفار نے حملہ کیا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ کیونکہ حضور پاکؐ ایک طرف ہو گئے۔ آپؐ اس سفید خچر پر سوار تھے جس کا نام دلدل تھا۔ اور یہ خچر آپؐ کو مصر کے باجگذار حکمران مقوقس نے تحفہ کے طور پر بھیجی تھی۔ جس کا ذکر تنتیسویں باب میں آتا ہے۔

مورخین کا اختلاف آپؐ بار بار پکار رہے تھے کہ مسلمانو! کدھر جاتے ہو اور کیوں بھاگتے ہو۔ یہاں بھی مؤرخین نے اختلاف کیا ہے کہ حضور پاکؐ کے ساتھ کتنے آدمی رہ گئے تھے۔ ایک صاحب تو یہاں تک کہہ گئے کہ رفقاء خاص میں سے ایک بھی پہلو میں نہ تھا۔ ایک صاحب نے چار آدمی بتائے، لیکن حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت یہ تھی، کہ ایک وقت ایسا آیا کہ سو آدمی بھی حضور پاکؐ کے پاس نہ رہ گئے۔ عربوں کا اپنا طرز بیان ہے اور اگلی کہانی میں کوئی خاص بات کہنے کے لیے پہلے فقرہ کو نفی میں بیان کرنا ایک حسن بیان سمجھا جاتا ہے اس لیے تمام روایات کو پڑھنے کے بعد ایک فوجی ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ پچاس ساٹھ کے قریب صحابہؓ نے تو حضور پاکؐ کا ساتھ بالکل ہی نہ چھوڑا اور پکارنے کے بعد باقی صاحبان بھی جلدی اکٹھے ہو گئے، کیونکہ اس کے جلدی بعد دشمن کو شکست سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ جب کسی فوج کے قدم میدان جنگ سے اس طرح اکھڑ جائیں تو پھر اسی جگہ اکٹھا ہو کر دشمن کو شکست دے دینا ایک عظیم کارروائی ہے، جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی نصیب کرتا رہا۔

واقعات کے تانے بانے واقعات کچھ اس طرح نظر آتے ہیں کہ آپؐ کے چچیرے بھائی ابوسفیانؓ بن حارث جو فتح مکہ مکرمہ سے چند دن پہلے ہی اسلام لائے تھے بالکل آپؐ کے ساتھ رہے اور آپؐ کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ حضور پاکؐ آگے دشمن کو دیکھ رہے تھا اور جب مسلمانوں کو پکار رہے تھے تو ابوسفیانؓ نے آگے بڑھ کر اپنا بدن حضور پاکؐ کے پاؤں مبارک کے ساتھ لگا دیا۔ آپؐ نے پوچھا "کون ہے" تو ابوسفیانؓ نے خچر کا لگام تھامتے عرض کی "یا رسول اللہ! میں ہوں آپؐ کی ماں کا بیٹا"۔ عرب میں رواج ہے کہ چچیرا بھائی اپنے چچیرے بھائی کے سامنے یا ایک دوسرے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ہمارے ملک میں بھی علوی یا عباسی یا ہاشمی خاندانوں کے لوگ اب بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی چچا کو باپ اور چچی کو پھپھی یا ماں کہہ کر بات کرتے ہیں اور یہ ذکر دوسرے باب میں بھی ایک اور وضاحت کے تحت کر دیا تھا۔

جنگی کارروائی کا دوسرا مرحلہ روایات سے ثابت ہے، کہ حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے فضلؓ بھی حضور پاکؐ کے پاس موجود تھے، کیونکہ حضور پاکؐ نے حضرت عباسؓ کو بھی فرمایا کہ آپ کی آواز بھی بلند ہے آپ لوگوں کو پکاریں تاکہ لوگ واپس آئیں۔ حضور پاکؐ فرما رہے تھے "میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے" "میں عبدالمطلبؓ کا بیٹا ہوں" پھر پکارے او گروہ انصار، اور بیعت رضوان والو۔۔ واپس آؤ"۔ بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ انصار کے قبیلوں کو بھی نام سے پکارا۔ ویسے بھی روایات کے مطابق

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ایمنؓ، آپ کے چچا عباسؓ، ان کی اولاد اور باقی متعدد چچیرے بھائی اور انصار کی ایک جماعت آپؐ کے ارد گرد موجود تھی۔ لیکن جنگ میں جب قدم اکھڑ جائیں یا ایک آدمی بھی بھاگ نکلے تو حالات بڑے عجیب ہو جاتے ہیں۔ متعدد اصحابؓ نے بعد میں فرمایا کہ اگر وہ رکنا بھی چاہتے تھے تو ان کی سواری کے جانور نہ رکتے تھے، بلکہ بعض نے مار مار کر اور بعض نے ان کی کانچیں زخمی کر کے ان کو بٹھایا۔ اس پہلو سے یہ بات پھر واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان لشکر ابھی آگے ہی بڑھ رہا تھا یعنی ایڈوانس ٹو کنٹیکٹ کر رہا تھا، یعنی دشمن کی تلاش کے سلسلہ میں پیش قدمی کر رہا تھا، کہ دشمن نے حیران کن کارروائی کی اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ جنگ کا یہ نازک ترین لحہ ہوتا ہے اور ایسے آدمیوں کو روکنا بھی بڑا خطرناک ہوتا ہے کہ اس طرح وہ روکنے والے کو بھی مار کر آگے بھاگ جائیں گے۔ دوسری جنگ عظیم میں ارکان (برہما) کے محاذ سے بھاگتے ہوئے کئی لوگ وزیر آباد تک پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ ان میں سے چند نے ان افسروں کو بھی مار دیا تھا جنہوں نے ان کو روکا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسی بھاگ دوڑ کسی حیران کن کارروائی کی وجہ سے ہو۔ لڑائی میں کچھ "ان ہونی" باتیں بھی ہوتی ہیں اور اچانک بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ یہ سب اللہ کے راز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر وہ تھوڑے لوگوں کو زیادہ لوگوں پر فتح دے دیتے ہیں اور تقدیر کا پہلو تو ہر جگہ موجود ہے۔ ابن خلدون جب کسی اچانک "ان ہونی" بات کا ذکر کرتا ہے تو وجوہات میں نہیں جاتا صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ میرے مولا کو ایسے ہی منظور تھا

شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں   تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی (اقبالؒ)

جنگ کی کارروائی کا تیسرا مرحلہ چنانچہ حضور پاکؐ کی آواز نے کانوں پر ایسا اثر کیا کہ تمام اہل لشکر واپس آ گئے۔ اور نئے سرے سے صف بندی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوازن کا ایک سردار تھا۔ جو ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور نیزے پر سیاہ جھنڈا لگائے ہوئے تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے حضرت علیؓ اور ایک انصار آگے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اچانک اس کی پیٹھ کی طرف چھلانگ لگا کر اس کے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں پر ایسا وار کیا کہ اونٹ بیٹھ گیا اور انصاری مجاہد نے اس کافر کا کام تمام کر دیا۔ حضور پاکؐ کے لشکر میں ام سلیمؓ زوجہ ابو طلحہؓ بھی تھیں۔ آپ اونٹ پر سوار تھیں اور اونٹ کے سر کو اس کی مہار کے ساتھ کھینچ کر ایسا قابو کیا ہوا تھا کہ ہاتھ بھی اونٹ کے نتھنوں میں ڈالا جا سکتا تھا، آپؓ حضور پاکؐ کے نزدیک ہوئیں اور عرض کی:۔

"یا رسول اللہؐ جو جنگ سے بھاگے ہیں ان کا بھی وہی حشر کرنا چاہیئے جو دشمن کا ہو رہا ہے"۔ حضور پاکؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ایسی بات سے بچائے"۔ بہرحال ایک عورت صحابیہؓ کی اس دلیری کا اور لوگوں پر بھی اثر ہوا اور اب مسلمانوں نے آگے بڑھ کر زوردار حملہ کیا۔ دشمن کی طرف سے مالک بن عوف اپنے لشکر کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔ وہ خود بھی آگے بڑھتا تھا اور اپنے گھوڑے جس کا نام مہاج تھا کا نام لے کر شعر پر شعر کہے جا رہا تھا۔ صرف بنو ثقیف کے ایک قبیلہ نے ذرا ہمت دکھائی لیکن مسلمانوں کے نعرہ تکبیر کے سامنے ان کے ستر آدمی کھیت رہے اور ان کا علمبردار ذوالخمار اور اس کا بھائی عثمان بھی مارے گئے، جس

سے اس قبیلہ کے لوگوں کا دل ٹوٹ گیا۔ ایک اور بنو ثقیف کے چھوٹے قبیلہ احلاف کے سردار قارب نے جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو اپنے علم کو ایک درخت کے ساتھ باندھ کر بھاگ گیا اور یہ دیکھ کر اس کا چچازاد بھائی اور قبیلہ کے باقی لوگ بھی بھاگ گئے پھر سردار لشکر مالک بن عوف بھی اپنے قبیلہ کو لے کر طائف کی طرف بھاگ گیا۔ کچھ لوگ اوطاس کے دروں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ مسلمانوں کے آگے والے دستے بھی اب پیچھے مڑے تو بچا ہوا دشمن مسلمانوں کے گھیرے میں تھا۔ متعدد لوگ خاص کر عورتیں اور بچے قیدی ہوئے اور کافی سامان غنیمت ہاتھ لگا۔

البتہ حضور پاکؐ نے حکم دیا کہ کفار کا دور دور تک تعاقب کیا جائے اس تعاقب میں بھی مسلمانوں کے ایک امیر ابو عامر اشعریؓ شہید ہوئے جس کا بدلہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے متعدد کفار کو تہ تیغ کرنے سے لیا۔ یہ کفار ایک باغ میں چھپ گئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے بڑھ کر حملہ کر کے بوڑھے درید سمیت ان لوگوں کو واصل جہنم کیا، گو اس جھڑپ میں بعد میں تین اور صحابہؓ کرام بھی شہید ہوئے۔ مسلمانوں نے کفار کا دور دور تک تعاقب کیا۔ لیکن حکم تھا کہ یہ تعاقب کھلے میدان تک محدود رکھا جائے۔ اور جو لوگ دروں میں گھس جائیں ادھر جانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر اسیران جنگ کو اکٹھا کیا۔ جن کی کل تعداد تقریباً چھ ہزار تھی جن میں زیادہ تر بچے اور عورتیں تھیں۔ انہی میں آپؐ کی رضاعی بہن شیماؓ بھی تھیں انہوں نے جب حضور پاکؐ سے اپنا تعارف کرایا تو آپؐ نے عزت افزائی کے طور پر ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور پھر ان کی مرضی کے مطابق ان کو آزاد کر دیا۔ شاید اسی کا اثر تھا کہ ان کا سارا قبیلہ بہت جلد اسلام لے آیا۔

قبیلہ سعد بن بکر حضور پاکؐ نے اپنی رضاعت کا زمانہ قبیلہ سعد بن بکر کے ہاں گزارا، جس کا پانچویں باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ آپؐ کے کچھ رضاعی بہن و بھائی تھے۔ جناب شیماؓ کا اصلی نام جدامہ تھا۔ ایک اور بہن کا نام انیسہ تھا، اور شاید جناب حلیمہؓ تو اس وقت تک وفات پا چکی ہوں، لیکن مورخین، خاندان میں سے باقی کسی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ یہ قبیلہ سعد بن بکر، ایک بڑے قبیلہ کا حصہ تھا جس کو قبیلہ ہوازن کہتے ہیں۔ یہ قبیلہ شاید اور قبیلوں کیلئے بھی نشان راہ کا ذریعہ بنا۔ اور آگے اس علاقے کے اکثر قبائل کے اسلام کے آغوش میں آنے کا ذکر ہے۔ نقشہ ششم ھم اس قبائل کے علاقوں کے محل وقوع وغیرہ کو ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ کہ اسلام کے پھیلاؤ کی سمجھ آجائے۔ اور حضور پاکؐ، محسن انسانیت کے طور پر ہمارے لیے ایک مثال چھوڑ گئے کہ بہن خواہ سگی ہو یا رضاعی یا اخیانی، اس کا ایک مقام ہے۔

طائف کی طرف کوچ (شوال آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اٹھ ہے۔ حضور پاکؐ اب وادی حنین سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے۔ قبیلہ ہوازن کے لوگ تتر بتر ہو چکے تھے۔ اور کچھ نے جا کر بنی ثقیف کے ساتھ طائف میں پناہ لے لی۔ چنانچہ آپؐ نے حکم دیا، کہ اسیران جنگ کو جعرانہ کے مقام پر بھیج دیا جائے، جہاں پر ان کو حفاظت سے رکھا جائے۔ مال غنیمت بھی یعنی اونٹ، بکریاں وغیرہ بھی ادھر ہی بھیج دیں اور آپؐ نے فوراً طائف کا عزم کیا۔ جناب خالدؓ بن ولید کو پھر مقدمۃ الجیش یعنی لشکر کی ایڈوانس گارڈ کا کام سونپا۔ حضور پاکؐ نے نخلۃ الیمانیہ والا راستہ اختیار کیا۔ وہاں سے قرن گئے اور الملاحیا اور سجرۃ الرغا ہوتے

ہوئے طائف کے گرد و نواح میں لیا کے مقام پر پہنچے۔ وہاں پر آپ ؐ نے ایک مسجد کی بنیاد بھی رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی۔

طائف کا محاصرہ اس کے بعد آپ ؐ آگے بڑھے اور طائف کے قلعہ کے نزدیک خیمہ زن ہوئے۔ دشمن اندر جا چکا تھا اور تمام دروازے بند کر چکا تھا۔ اس نے قلعہ کے اندر سے تیر برسائے جس سے کچھ صحابہؓ شہید ہوئے۔ اس لیے حضور پاک ؐ نے قلعہ سے ذرا دور کیمپ لگایا، جہاں پر پھر ایک مسجد تعمیر کی۔ حضور پاک ؐ نے طائف کا محاصرہ کوئی بیس دن تک جاری رکھا اور اس قلعہ کو سر کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہاں پر ثقیف کا قبیلہ آباد تھا، جو لوگ بڑے بہادر اور فن جنگ کے ماہر تھے۔ شہر کی چاروں طرف بہت اونچی دیوار تھی۔ ان لوگوں نے ایک سال کی رسد بھی قلعہ کے اندر اکٹھی کر رکھی تھی۔ بلکہ یہ لوگ منجیق۔ دبابہ و ضبور قسم کے ہتھیاروں کے استعمال سے خوب واقف تھے یہ ہتھیار پتھر یا آگ کے گولے یا پگھلا ہوا لوہا پھینکتے تھے۔ اس زمانے میں بھی حضرت ابو سفیانؓ کا داماد عروہ بن مسعود جو اس شہر کا رئیس تھا اپنے کسی ساتھی کے ساتھ یمن میں کسی ہتھیار کی سکھلائی کے لیے گیا ہوا تھا۔ عروہ، قبیلہ ثقیف اور اس قبیلہ کے عظیم فرزند جناب مغیرہؓ بن شعبہ کا تعارف سولھویں باب میں، صلح حدیبیہ کے وقت لکھا جا چکا ہے۔ یہ لوگ فن جنگ کے ماہر تھے اور انہوں نے قلعے کے چاروں طرف یہ ہتھیار اس طرح لگائے ہوئے تھے۔ کہ مسلمانوں کے لیے دیوار کے نزدیک پہنچنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے جوش میں آکر آگے بڑھنے کی کوشش کی اور تیروں کی بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ قلعہ کی دیوار تک پہنچ گئے۔ اگلہ مرحلہ اس دیوار کو ڈھانے کا تھا لیکن مسلمانوں نے مشکل سے کام شروع کیا ہوگا کہ قلعہ بند لوگوں نے اوپر سے پگھلا ہوا لوہا اور آگ کے ایسے گولے پھینکے کے متعدد صحابہؓ شہید ہوئے پھر مسلمانوں نے ایک خندق کھود کر قلعہ کی دیواروں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن قلعہ سر نہ ہو سکا۔ حضرت ابو سفیانؓ نے کئی اور ذرائع بھی استعمال کیے، بلکہ اپنی لڑکی کو وہاں سے نکلوانے کی کوشش کی لیکن اس نے بھی اپنے خاوند کی غیر حاضری میں قلعہ سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ جناب ابو سفیانؓ کی اپنی ایک آنکھ اس جنگ میں ختم ہو گئی اور متعدد صحابہؓ زخمی ہوئے۔ بارہ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اس لیے حضور پاک ؐ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔

اسیران ہوازن یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ ؐ نے جعرانہ کا رخ کیا جہاں قیدی حفاظت میں موجود تھے۔ البتہ طائف میں بیس دن کے قیام اور اگلے پڑاؤ تک جانے سے متعدد قبائل کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے اور طائف کے گرد و نواح کے کافی لوگ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد آپ ؐ جب جعرانہ پہنچے تو اسیران سمیت مال غنیمت سارے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ اسی روز یا ایک دن بعد قبیلہ ہوازن کا ایک وفد آیا، جس نے اسلام لانے اور امن کی خواہش کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اپنے بیوی بچوں کی واپسی کے لیے گزارش کی۔ حضور پاک ؐ نے لشکر کو اس سلسلہ میں حکم دینے کی بجائے جو اسیر آپ ؐ کے حصے میں آئے تھے ان کو فوراً آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ ؐ کی دیکھا دیکھی اور مسلمانوں نے بھی اس سنت کی پیروی کی۔ چند نو مسلم صاحبان نے شاید کچھ دیر لگائی ہو۔ لیکن اخوۃ اسلام یہ کیسے اجازت دے سکتی ہے کہ آپ اپنے مسلمان بھائی کے بیوی بچوں کو غلام بنا کر رکھیں۔ مسلمانوں کی یہ فراخدلی سن کر قبیلہ ہوازن کا سردار بھی چھپ چھپا کر قلعہ طائف سے باہر نکل آیا۔ یہ سردار مالکؓ بن عوف نہ صرف اسلام لے آیا

بلکہ آئندہ اسلامی جنگوں میں اس نے ایک بہادر سپاہی کی طرح حصہ لیا۔

مال غنیمت اور انصار مال غنیمت کی تقسیم اور اس سلسلہ کی اور باتوں کو جان بوجھ کر زیر بحث نہیں لایا گیا۔ موجودہ زمانے کی جنگوں میں کچھ بین الاقوامی قانون اور جنگ کے طریق کار ایسے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم یا اکٹھا کرنا ایک عجیب وغریب معاملہ ہے۔ پھر فوجیں بھی تنخواہ دار ہوتی ہیں۔ عوام کی شرکت اور اس سلسلہ کے کوئی قانون ہم نے وضع نہیں کیئے۔ بہرحال اگر کریں بھی تو وہی ہونگے جو باقی فوج پر لاگو ہیں۔ لیکن وہ زمانہ مختلف تھا۔ اس زمانے میں جنگ کا خرچ ہی ایسے مال سے نکالا جاتا تھا اور جنگ خیبر کے تحت اس مسئلہ کو زیر بحث لایا جاچکا ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ حیات میں یہ مال غنیمت بالکل بے معنی چیز ہے اس لیے ایک واقعہ کا ذکر ضروری ہے جو انہی دنوں میں ہوا۔ مال غنیمت تقسیم کرتے وقت حضور پاکؐ نے زیادہ حصہ ان لوگوں کو دے دیا جو نئے نئے اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تھے۔ ویسے بھی مال غنیمت کی تقسیم میں جو طریقہ اختیار کیا گیا اس سے انصار مدینہ کچھ خوش نہ تھے۔ چنانچہ جناب سعدؓ بن عبادہ نے حضورؐ پاک کو اس معاملہ سے آگاہ کیا۔ تو آپؐ نے سوال کیا "کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ بے انصافی ہوئی ہے؟" تو جناب سعدؓ نے ہاں کہہ دی۔ آپؐ نے فرمایا" کہ اچھا تمام انصار کو اکٹھا کرو" چند چیدہ مہاجرین بھی حضور پاکؐ کے پاس بیٹھے تھے ان کو بھی آپؐ نے ساتھ لے لیا اور پھر انصار کو اس طرح خطاب فرمایا:۔

"سب تعریف اللہ پاک کی ہے۔ اے جماعت انصار، میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ کیا آپ لوگوں کے دلوں میں میرے لیے نفرت پیدا ہو گئی ہے؟۔ کیا میں آپ کے پاس اس وقت نہیں آیا جب آپ گمراہ تھے اور اللہ نے آپ کو صراط مستقیم پر لگایا؟ آپ غریب تھے اور اللہ تعالی نے آپ کو تونگر کر دیا۔ آپ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اللہ تعالی نے آپ کے دلوں کو ایک کر دیا۔

انصار نے عرض کی:۔" بے شک اللہ اور اللہ کا رسولؐ بہت مہربان اور سخی و فیاض ہیں"۔

پھر آپؐ یوں گویا ہوئے:۔" اے جماعت انصار آپ جواب کیوں نہیں دیتے"

انصار نے عرض کی:۔" ہم کیسے کچھ جواب دیں۔ مہربانی، سخاوت اور فیاضی اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کی ہی ملکیت ہے"

آپؐ نے فرمایا:۔" نہیں نہیں" اگر آپ چاہتے تو آپ کچھ اور بھی کہہ سکتے تھے اور سچ بھی ہوتا اور یقین کے قابل بھی اور وہ یہ تھا کہ آپ کہتے:۔ کہ آپؐ جب ہمارے پاس آئے تو تمام دنیا آپؐ کو ٹھکرا چکی تھی اور ہم نے آپؐ پر یقین کیا۔ تمام لوگ آپؐ کو چھوڑ گئے اور ہم نے مدد کی۔ آپؐ بے سہارا تھے اور ہم نے آپؐ کو سہارا دیا۔ آپؐ غریب تھے اور ہم نے ہر طرح سے آپؐ کی اعتنائی کی"

پھر فرمایا:۔ اے جماعت انصار، کیا آپ اس لیے پریشان ہیں کہ دنیا کا مال و متاع جو میں نے ان لوگوں کو دے دیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور آپ لوگوں کو صرف اسلام دیا؟ کیا آپ کی اس سے تسلی یا خوشی نہیں ہوئی؟ کہ لوگ دنیا کا مال و متاع یعنی بھیڑ بکریاں اپنے ساتھ لے جاویں اور آپ اللہ کے حبیبؐ کو اپنے ساتھ لے جاویں۔ اللہ تعالی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ہجرت کرنے کی وجہ سے مہاجر ہوں اور دل سے انصار ہوں۔ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو جائے اور انصار دوسری طرف جائیں۔ تو اللہ کی قسم میں انصار کے ساتھ جاؤں گا۔" " اے اللہ! تو انصار پر اور ان کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں

پر تاقیامت اپنی رحمت برسائے رہنا۔آمین۔"

روایت ہے کہ یہ سب کچھ سن کر تمام انصار اور باقی حاضرین مجلس اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور یہ ندامت اور خوشی کے ملے جلے آنسو تھے۔اسلام میں انصار کو جو مقام حاصل ہوا ہے وہ اور کسی کو نہیں ملا۔یثرب، مدینہ النبیؐ ہو گیا اور اب ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو ملا کر حرمین شریف کہتے ہیں۔عظیم صحابہؓ میں متعدد صاحبان وہیں کے ہو گئے۔انصار کی شان کو بیان کرنے کے لئے الفاظ ملنا مشکل ہیں۔انہوں نے اس دنیا میں سے کچھ بھی نہ لیا۔ان کو حکومت یا اس دنیا میں حرص کی اور باتوں سے بھی دور رکھا گیا کیونکہ ہمارے آقاؐ نے فرما دیا تھا کہ انصار کے لیے وہ اکیلے کافی ہیں۔یہ ہے اسلام کا فلسفہ حیات جس پر نظام جہاد اور اسلامی عسکریت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

انصار کی شان اور مقام اس عاجز کو بچپن ہی سے صحابہ کرامؓ کے حالات جاننے کا شوق تھا۔اور اپنے آپ سینکڑوں صحابہؓ کرام کی زندگی کے حالات ازبر ہو گئے۔جب اس سلسلہ میں تجسس بڑھا تو معلوم ہوا۔کہ جن صحابہ کرامؓ کے حالات یاد ہیں، ان میں بہت زیادہ مہاجرین ہیں اور انصار کی تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں۔تو اس عاجز نے اس سلسلہ میں کوشش شروع کر دی، تو اب بھی یہ تعداد تیس یا چالیس سے نہ بڑھ سکی۔اور یہ بھی حضور پاکؐ اور ان انصار صحابہؓ کی مہربانی ہے۔ورنہ انصار کو نہ شہرت چاہیئے نہ نام۔ان کے لیے جیسے حضور پاکؐ نے فرما دیا۔" اکیلے ہمارے آقا حضور پاکؐ ہی کافی ہیں " یہی وجہ ہے کہ مہاجرین صحابہ کرامؓ میں چیدہ چیدہ صاحبان کا شجرہ نسب کتاب میں ضرور دیا۔لیکن انصار صحابہ کا ایسا شجرہ نسب نہ بنا سکا۔بلکہ اس سلسلہ میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں چیخ وپکار سے بھی صرف تسکین حاصل ہوئی۔لیکن انصار کے حالات سے زیادہ پردہ نہ ہٹ سکا۔اور نہ ان کے بارے یاد کچھ زیادہ کام آتی ہے۔اب یہ تعداد ساٹھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔اور یہ عاجز کچھ اوقات یا مقررہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کی کلام پڑھ کر جب تمام مسلمانوں اور خاص کر نام لے کر اپنے رشتہ داروں، رفقا، بزرگ مسلمانوں یا جن صاحبان سے متاثر ہوا ہوں ان کو اس کلام کا ثواب پیش کرتا ہوں تو انصار کے نام ایک لکھے ہوئے کاغذ سے پڑھتا ہوں۔باقی کوئی ہزار سے اوپر نام زبانی یاد ہیں۔یہ ہے انصار کی شان۔کہ ان کے لئے اکیلے رسول پاکؐ ہی کافی ہیں۔

ادائے عمرہ (ذی قعد۔آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار نواسی ہے۔مال غنیمت کی بانٹ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضور پاکؐ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، جہاں یہ عمرہ ادا کیا اور چند روز قیام کے بعد ذیقعد کے آخری ہفتہ مدینہ منورہ پہنچے تھے جس حالت میں حضور پاکؐ نے یہ عمرہ ادا کیا وہ ایک فوجی کارروائی تھی۔وہ تمام اہل لشکر ساتھ تھے جن کو مکہ مکرمہ کی فتح اور حنین کی جنگ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ابن سعد نے جناب ابن عباسؓ کے طرز بیان یا بعد میں تابعین میں سے جناب سعیدؒ بن مسیب یا جناب عکرمہؒ کے حوالے سے اس پہلو کو کچھ شکیہ بنا دیا، کہ حضور پاکؐ نے تین عمرے ادا کئے یا چار۔دراصل دونوں باتیں ٹھیک ہو سکتی ہیں۔خالص عمرے تین تھے۔لیکن حضور پاکؐ جب حج الوداع کیلئے تشریف لائے تو ایک عمرہ ممکن ہے اس وقت ادا کیا ہو۔اور جو لوگ چار سے زیادہ عمروں کا ذکر کرتے ہیں تو صلح حدیبیہ میں مکہ مکرمہ تک پہنچ جانے اور قربانی کرنے کیوجہ سے اس کو بھی عمرہ کہہ دیا ہو۔اس عاجز کے لحاظ سے یہ کوئی اختلافی بات نہیں۔البتہ پکے اور اکیلے عمرے تین ہی ہیں اور تینوں

نقشہ ششدہم

حق کا پھیلاؤ
حصہ اوّل
حنین اور طائف کی جنگ کا علاقہ
شمال
وادی حنین
نخلہ
اوطاس
وادی نخلہ
جرانہ یا جعرانہ
وادی قرن
وادی لیح
مکہ مکرمہ
منا
وادی ذوالمجاز
عرفات
طائف
نخب
سدیرہ
سکیل ۱/۵۰۰۰۰۰
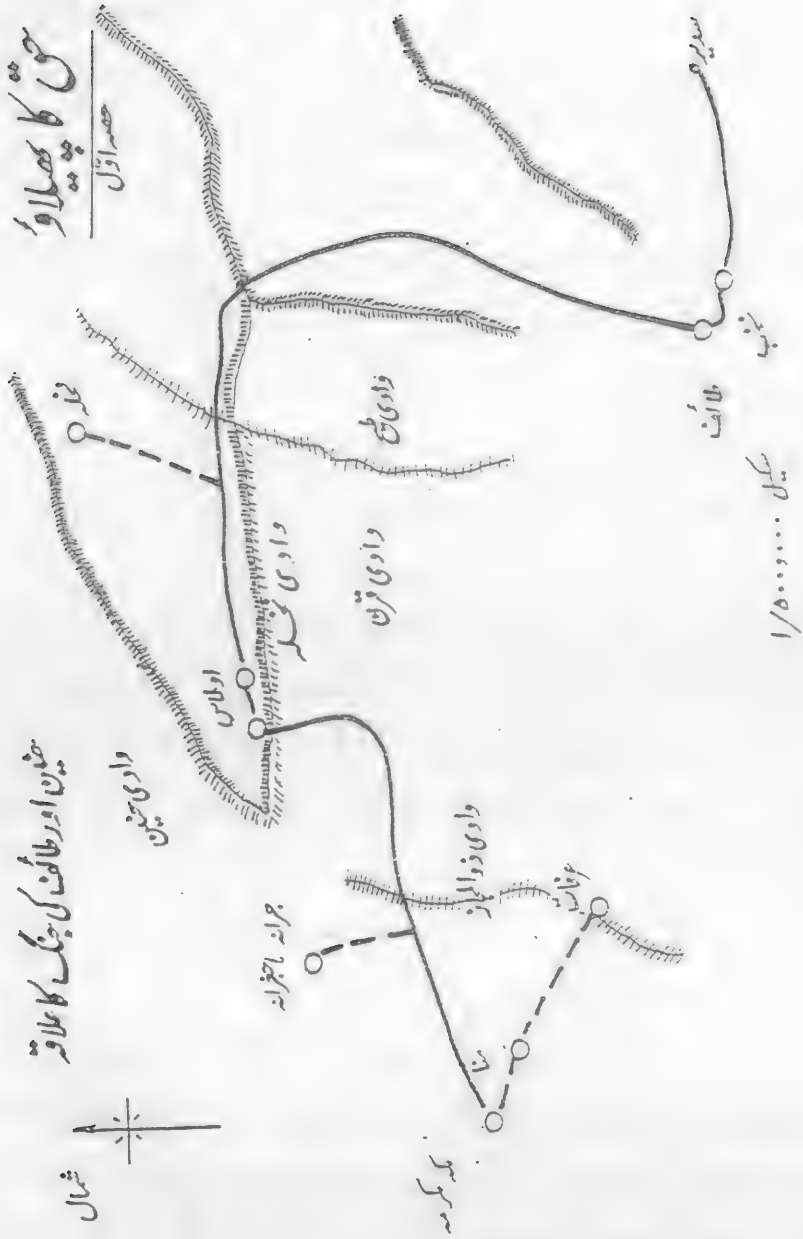
مزاج میں فوجی ہیں ۔ پہلا عمرہ جنگ خیبر اور جنگ موتہ کے درمیان ذی قعد کے مہینے میں کیا جس کا ذکر سترھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ دوسرا عمرہ، حضور پاکؐ نے فتح مکہ مکرمہ کے وقت کیا، جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے ۔ اور تیسرا عمرہ یہ ہے، جس کا اب ذکر کر رہے ہیں ۔ اس سال مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں حج، حضور پاکؐ کے عامل جناب عتابؓ (یا عتبہؓ) بن اسید کی نگرانی میں کیا لیکن اور لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق حج کیا ۔ کہ حج کرنے کے طریقوں میں کوئی منظم وحدت پیدا نہ کی گئی ۔ البتہ پہلا اسلامی حج نو ہجری میں جناب صدیق اکبرؓ کی نگرانی میں ہوا، جس کی تفصیل اگلے یعنی اکیسویں باب میں آتی ہے ۔ حضور پاکؐ نے از خود ایک ہی حج کیا، جو دسویں ہجری میں ہوا اور جس کو حجتہ الوداع کہتے ہیں اس کا ذکر چوبیسویں باب میں ہے ۔

نتائج و اسباق مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد جنگ حنین اور طائف کے محاصرہ کو اسلام کی تاریخ میں خاص حیثیت حاصل ہے ۔ اس دوران متعدد قبائل نے اسلام قبول کیا ۔ مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد اگر اس کے گرد و نواح کے علاقے کفار کے ہاتھوں میں رہتے تو حضور پاکؐ کو ہر وقت مسلمانوں کی حفاظت کی فکر رہتی اور مکہ مکرمہ کی حفاظت کیلئے کسی معتبر فوج کو رکھنا پڑتا ۔ جلدی جنگ کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل مکہ اور اس کے نزدیک کے قبائل کو اسلام کے جھنڈے تلے ہوازن اور بنو ثقیف وغیرہ کے خلاف لڑنے کا موقع ملا تو وہ خود بخود اسلام کے سپاہی بن گئے ۔ بنو ہوازن اور بنو ثقیف ایک غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ وہ فن جنگ کے ماہر ہیں اور عرب کا کوئی قبیلہ ان کو شکست نہیں دے سکتا ۔ لیکن اس شکست کے بعد ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا ۔ ویسے بھی اب سب عرب قبائل حضور پاکؐ کے پیغمبر برحق ہونے کے قائل ہو چکے تھے اور اس علاقے کے لوگوں نے بھی اسلام لانے کے بعد اسلام کی بڑی خدمت کی ۔ صرف بنو ثقیف کے چند لوگ اسلام سے باہر رہ گئے تھے ۔ جن کا ذکر اگلے باب میں آئے گا ۔ کہ ان میں سے بھی اکثر مسلمان ہو گئے تھے ۔ حضور پاکؐ کی فوجی حکمت عملی رنگ لا رہی تھی ۔ مقصد میں کامیابی ہو رہی تھی اور سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہونے والا تھا ۔ اس علاقے سے بے فکر ہو کر اگلے سال آپؐ ایک عظیم لشکر کے ساتھ تبوک تک جاسکے تا کہ اسلام کی روشنی کو عرب کی حدود سے باہر نکلنے کے طریق کار وضع کیے جاسکیں ۔ اس جنگ میں ہمارے لیے متعدد اسباق بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے: ۔

ا ۔ حضور پاکؐ ہر وقت چوکنا رہتے تھے اور بجائے اس کے کہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوتے ۔ آپؐ نے پہل کاری ان سے چھین لی اور خود ان کے علاقے میں پہنچ کر ان کو شکست دی ۔

ب ۔ بنو ہوازن کے نوجوان سردار لشکر نے بوڑھے جنگجو درید کی سفارشات کو ٹھکرا دیا اور اس سے بہت نقصان میں رہا ۔ لڑائی کا علم صرف جنگوں میں شرکت سے حاصل ہوتا ہے ۔ جنگ میں ایک دن کی شرکت کئی سالوں کی سکھلائی سے ہزار درجہ بہتر ہوتی ہے ۔ البتہ جنگ میں شرکت کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ ایک آدھ دن کی شرکت سے ایک آدمی آئندہ کے تمام فیصلے اسی ایک دن کے تجربہ سے کرے ۔ جنگ کا مضمون بہت وسیع ہے ۔ ہر آدمی جنگ میں شرکت کے بعد جنگ کے پہلوؤں کا ماہر نہیں بن سکتا ۔ یہ بھی خداداد چیز ہے ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ قوم میں ایسے آدمیوں کو تلاش کرنا چاہیئے اور ان پر نظر ہونا چاہیئے ۔ کہ جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ لڑائی کا ہنر صرف جنگ کے شرکا ہی سکھلا سکتے ہیں ۔ اگر ایسے لوگ اپنے ملک میں نہ ہوں، تو باہر سے لائے جائیں ۔

بہر حال ایسے شخصوں کا ایک ادارہ بنایا جائے جو ہمیں ہماری آئندہ کی تدبیرات اور فوجی حکمت عملیوں سمیت فن جنگ اور فلسفہ جنگ کے بارے میں مشورہ دے سکیں۔

ج۔جنگ میں حیران کن کارروائی کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ مسلمان جو دوسروں کو حیران کرتے رہے اس جنگ میں وہ خود "حیران" کر دیئے گئے۔وہ جو گنتی نہ تھے یا طاقت کا گھمنڈ تھا۔بہر حال سبق بڑا اہم ہے۔دشمن کو حقیر مت سمجھو اور پھونک پھونک کر قدم رکھو۔لیکن اتنی سستی بھی اختیار نہ کرو کہ موقع اور محل کو بھی کھو دو اور مقصد بھی حاصل نہ کر سکو۔

د۔جنگ میں ایک دفعہ بے ترتیبی آجائے یا کسی "ان ہونے" واقع کی وجہ سے بھگدڑ مچ جائے تو یہ بڑا نازک وقت ہوتا ہے۔اپنے حواس کو قابو رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ بھاگتے ہوئے لوگوں کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔اس عاجز نے جو دوسری جنگ عظیم کے لوگوں کے برہما سے وزیر آباد پہنچنے کی مثال دی۔تو ہوا یہ کہ کسی نے کہا "جاپانی آگئے" جاپانیوں کی فتوحات کی وجہ سے لوگ ان سے ڈرے ہوئے تھے۔بس بھاگ کھڑے ہوئے۔جن افسروں نے ان کو روکا، ان کو بھی مار دیا۔ بھاگتے بھاگتے ریل گاڑی جہاں بھی ملی اس میں بیٹھ گئے۔اور پنجاب میں وزیر آباد تک پہنچ گئے۔راقم کا یہ ذاتی مشاہدہ ہے۔علاوہ ازیں ستمبر ۶۵ کی جنگ میں لاہور محاذ پر گیارہ / بارہ ستمبر کی رات کو ہمارے اوپر والے گھبرا گئے۔اور انہوں نے "بھگدڑ" مچا دی۔جو صاحب تفصیل میں جانا چاہیں تو راقم کی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" پڑھیں۔کہ ہم نے لوگوں کو کیسے سنبھالا دیا۔ایک سادہ سا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کے ساتھ مل جاؤ اور خود بھاگ کھڑے ہو پھر تھوڑی دیر کے لیے رک جاؤ اور بھاگنے والوں کے ساتھ پہلے ہمدردی کا اظہار کرو۔پھر "مشاورت" کرو۔شاید کام بن جائے۔اس کے علاوہ کوئی اسلامی طریقہ ہی کارگر ہو سکتا ہے کہ کوئی پر سحر آواز ہو جو ان کو روک دے۔

ر۔لڑائی میں "ان ہونے" واقعات ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔اس کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میدان جنگ میں اس نے کئی دفعہ تھوڑوں کو زیادہ پر فتح دلا دی۔اور یہ عاجز اس سلسلہ میں ذاتی مشاہدات پر کئی مضمون لکھ چکا ہے اور دس ستمبر ۶۵ کو عین دن کے وقت میری آنکھوں کے سامنے معمولی وجہ سے وہ بھگدڑ مچی، کہ اللہ تعالیٰ نے میرے حواس قائم رکھے اور ان بھاگنے والوں کو بی آر بی سے واپس لے آیا۔لیکن بی آر بی پر بھاگ کر ایسے لوگ اتنی جلدی وہاں کیسے پہنچ گئے، اس چیز کو یہ عاجز آج تک نہیں سمجھ سکا۔مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگیں۔

س۔ویسے حضور پاکؐ کے قدم قدم میں ہمارے لیے اسباق ہیں۔آپؐ کا میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا، اوروں کو بلانا اور پھر صفوں کو بحال کر لینا، یہ کچھ ایسے واقعات ہیں کہ ہمیں آپؐ کے تصور سے حالات پر قابو پانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

ص۔قلعہ بند جنگ کے لیے مسلمان تیار نہ تھے۔یہودیوں کے قلعوں اور طائف کے قلعوں میں بڑا فرق تھا۔وہ تجارتی لوگوں یا زمینداروں کے قلعے تھے اور یہ جنگجو لوگوں کے قلعے تھے بلکہ یہ FORTRESS تھا۔موجودہ ہتھیاروں کی مدد سے بغیر دیواروں کے زمین کے کسی علاقے کو FORTRESS میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور لمبے چوڑے صحرائی علاقوں میں اگر متحرک طرز جنگ کو اپنایا جائے تو کچھ FORTRESS بھی بنانے پڑیں گے اس لیے یہ نکتہ ہماری فوجی تدبیرات کے مطالعہ میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔

ض ۔ حضور پاکؐ کا خلق اور قیدیوں سے سلوک، اسلامی اخوۃ کے اسباق اور خاص کر انصار کو جو خطبہ دیا وہ ہمارے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔انصار کو خطبہ کی طرز سچائی، حقیقت اور فلسفہ ہمارے لیے اپنے اندر علم الکلام کا ایک سمندر پنہاں کیے ہوئے ہے اور اگر ہم اپنے ماتحتوں کے ساتھ اسی سچائی سے پیش آئیں تو وہ اللہ کے نام پر ہر وقت قربان ہونے کو تیار ہیں ۔ تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے تمام افسران کو اسلامی فلسفہ حیات پر عبور ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس پر عمل کریں اور وہ باقی لوگوں سے عمل کرائیں۔

ط ۔ کفار کے مشیر درید ہ نے مشورہ دیا کہ جنگ سے عورتوں اور بچوں کو دور کیا جائے ۔ سالار لشکر نہ مانا تو وہ سب قید ہوئے ۔ لیکن اسلامی لشکر میں بھی عورتیں تھی ۔خاص کر جناب ام سلیمؓ جو عظیم صحابی جناب انسؓ بن مالک کی والدہ تھیں اور ان کے والد مالک کی وفات کے بعد جناب ابو طلحہؓ کے ساتھ نکاح ثانی کیا ۔ان کا ذکر ہے ۔اور سب جنگوں حتیٰ کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں ہر جنگ میں عورتوں نے شرکت کی ۔ تو اول تو بچوں کا ذکر نہیں ۔اور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جس عورت کا بچہ ہوتا تھا، اس کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دیتے تھے ۔دوم یہ عورتیں بندوبستی کاموں میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ ہتھیار بند ہو کر مردوں کی طرح لڑتی تھیں ۔ یہ پہلو بہت بڑے مطالعہ کی ضرورت کو دعوت دیتا ہے ۔کہ مسلمان عورتیں قرون اولیٰ میں کبھی دشمنوں کے ہاتھ نہ آئیں ۔ ہمارے ذلت کے زمانے یا اس زمانے کی بات الگ ہے ۔آزادی کے وقت ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ء میں بھی ہماری کچھ عورتوں پر کفار نے ہاتھ ڈالا اور یہ عاجز جب ابلیس کو شیطان کہتا ہے تو مجھ پر " بد تہذیبی " کا الزام لگتا ہے۔

ظ ۔مدینہ منورہ سے اتنا لمبا عرصہ غیر حاضری کا وقت آپؐ اور آپؐ کے لشکریوں نے کھلے آسمانوں کے نیچے گزارا۔ عملی زندگی کے اسباق کھلے میدانوں میں ملتے ہیں ۔ فوج ہو یا سول، وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو دفتروں کی بجائے زیادہ وقت باہر کھلے میدانوں میں گزارتی ہیں ۔موجودہ زمانے میں ایئر کنڈیشنوں، اور ٹی وی کے پروگراموں نے لوگوں کو مکان کے اندر بٹھا دیا ہے ۔چنانچہ سوچیں بھی محدود ہوتی جاتی ہیں ۔ لیکن ادھر ساتھ "افلاطونی" سوار ہوتی جاتی ہے ۔کہ دنیا جہان کی خبریں گھر یا کمرے کے اندر مل رہی ہیں اور فون ہیں، باتیں ہو رہی ہیں وغیرہ۔

ع ۔ ان سب چیزوں کے فوائد ضرور ہیں ۔ لیکن کھلے آسمان کے نیچے ایک دن اور ایک رات گزارنے میں جو اسباق ہیں وہ محدود کمرے میں نہیں مل سکتے"

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی   یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی (اقبالؒ)

غ ۔مدینہ منورہ سے اڑھائی ماہ باہر رہنے میں اول مدد خندق کی ہے ۔ کہ چند افراد مدینہ منورہ کا دفاع کر سکتے تھے ۔ دوم جنگ موتہ کی حکمت عملی کہ شمال سے حضور پاکؐ بے فکر تھے ۔ لیکن اسلام آسانی سے نہیں پھیلا۔ بہت محنت کرنا پڑی ۔

خون دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات   فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جلترنگ (اقبالؒ)

اکیسواں باب

حق کا پھیلاؤ حصہ دوم

تبوک کی مہم اور متفرقات

تمہید مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کے بعد، حضورؐ پاک ذی قعد آخر یا ذوالحجہ شروع میں مدینہ منورہ پہنچے۔ایک بڑا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔اور دین اب مکمل ہونے والا تھا۔لیکن فوجی مہمات وقت کی ضرورت تھیں۔اور یہ جاری رہتی ہیں۔اور ایک بڑی مہم ابھی باقی ہے، جس کو تبوک کی مہم کہتے ہیں۔اس مہم کا حال ذرا بعد میں آتا ہے اور اس مہم سے پہلے جو چھوٹی مہمات بھیجی گئیں، ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔کہ تمام فوجی مہمات کی کہانی مکمل ہو لیکن یہ عاجز ایک تجسس اور مطالعہ کا بیان ضروری سمجھتا ہے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں مسلمانوں نے بیک وقت دو محاذوں پر کام کیا۔ایک محاذ شمال مشرق کی طرف ہو کر پھر شمال رخ ہو جاتا تھا۔اور اس کی عراق وایران کا محاذ کہا گیا ہے دوسرا محاذ شمال کی طرف تھا اور اس کو شام و فلسطین کا محاذ کہا گیا۔لیکن ان دونوں محاذوں کے درمیان ایک " حد بندی " تھی، جس کو ہم دومۃ الجندل کا محاذ کہہ سکتے ہیں۔اس عاجز نے خلفاء راشدین کی کتابوں میں بڑے جائزے اور تبصرے پیش کیے ہیں کہ دونوں محاذوں پر بیک وقت کیسے کام کیا۔ایک طرف زور ڈالتے تھے تو دوسری طرف خالی دیکھ بھال یا ڈراوے کرتے تھے۔پھر دومۃ الجندل کے علاقے میں کارروائی کر کے کیسے دونوں محاذوں کو شیر و شکر کیا۔وغیرہ۔تو یہ تمام حکمت عملیاں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں

اصلی حقیقت لیکن اصلی حقیقت یہی ہے کہ اس سب کی بنیاد ہمارے آقا حضور پاکؐ باندھ گئے۔اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور جناب فاروقؓ سایہ کی طرح حضور پاکؐ کے ساتھ رہتے تھے، ان کو تمام پہلو سمجھا گئے۔پچھلے باب کی اڑھائی ماہ کی مہم اگر مشرق کی طرف تھی تو اب شمال کا ارادہ تھا۔اور بعد میں پھر حجتہ الوداع کیلئے مشرق کی طرف جانا تھا۔اور آخر میں " دیدار۔عام " کے آخری دنوں میں جناب اسامہؓ کی مہم کو شمال کی طرف بھیجنے کے حکم دے گئے۔تو اس عاجز کے لحاظ سے حضور پاکؐ تمام فتوحات کی عملی بنیاد از خود باندھ گئے اور فوجی مہمات جاری تھیں۔

ا۔ ذی الکفین کا انہدام (شوال آٹھ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اسی ہے یہ مہم عمرہ ادا کرنے سے پہلے کی ہے۔اور اس وقت بھیجی جب آپؐ حنین کی جنگ کے بعد طائف کے محاصرے کیلئے جا رہے تھے۔آپؐ نے چار سو کے دستہ کے ساتھ جناب طفیلؓ بن عمرو الادوسی کو ان کے ایک چھوٹے قبیلہ بنو منحب کے بت ذی الکفین کے انہدام کیلئے بھیجا۔جناب طفیلؓ نے یہ کام کامیابی کے ساتھ سرانجام دیا اور حضور پاکؐ کو طائف کا محاصرہ کئے ہوئے چار روز ہوئے تھے تو جناب طفیلؓ کا دستہ بھی آکر آپؐ کے ساتھ مل گیا۔قبیلہ دوس خود ایک چھوٹا قبیلہ تھا اور انہی علاقوں میں رہتا تھا۔جناب طفیلؓ بڑے مدبر اور شاعر تھے، خود

حضور پاکؐ مکہ مکرمہ میں تھے تو قریش کے روکنے کے باوجود جناب طفیلؓ پر حضور پاکؐ کے جمال کا اثر ہو گیا۔ اور نہ صرف وہ خود مسلمان ہو گئے بلکہ واپس جا کر اپنے کنبہ کو بھی مسلمان کر لیا۔ ان کے باقی قبیلہ نے البتہ مسلمان ہونے میں کچھ دیر لگائی۔ اور جنگ خیبر کے وقت مسلمان ہوئے۔ جناب طفیلؓ، حضور پاکؐ کی وفات کے بعد بھی بڑے فرمانبردار رہے اور یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور ان کے ایک بیٹے جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ جناب ابوہریرہؓ بھی ان ہی کے قبیلے سے تھے۔

۲۔ بنو تمیم پر حملہ ابن سعد کے مطابق یہ مہم محرم نو ہجری میں گئی۔ ہم چونکہ اس مہم کا اٹھارویں باب میں چوتھی مہم کے طور پر ذکر کر چکے ہیں۔ تو یہاں اس کو کوئی شماریا نمبر نہیں دیا گیا۔

۳۔ ولیدؓ بن عقبہ کی مہم (محرم نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اکاسی ہے۔ جناب ولیدؓ، حضرت عثمانؓ کے اخیافی بھائی تھے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ ان کا باپ عقبہ بن ابی محیط کا قریش کے شیطان ہونے اور جنگ بدر میں مارا جانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ جناب ولیدؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کچھ عرصہ کوفہ کے گورنر رہے۔ تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ حالانکہ جناب ولیدؓ نے جناب فاروقؓ اور جناب صدیقؓ کی خلافت میں نمایاں کام کئے اور امارت پر فائز رہے۔ بلکہ اس کی بسم اللہ ہمارے آقا حضور پاکؐ خود کر گئے۔ کہ آپؐ نے جناب ولیدؓ کو بیس سواروں کے ساتھ بنو خزاعہ کے چھوٹے قبیلہ بنو مصطلیق سے صدقہ وصول کرنے کیلئے بھیجا جہاں غلط فہمی سے کچھ جھڑپ بھی ہو گئی۔ لیکن جناب ولیدؓ نے حالات پر قابو پالیا اور صدقات وصول کر کے خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ یہ ہے ہمارے آقاؐ کی شان کہ اپنے عظیم دشمن اور انؐ پر اوجھ پھینکنے والے کے بیٹے کو امارت کی سعادت دینے کی بسم اللہ فرما گئے۔

۴۔ قبیلہ خشعم پر دھاوا (صفری نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار بیاسی ہے۔ حضور پاکؐ نے حضرت قطبہؓ بن عامر کو بیس سواروں کے ساتھ شبالہ کے علاقے میں قبیلہ خشعم پر ایک دھاوا بولنے کا حکم دیا۔ کہ یہ لوگ اسلام دشمنی میں کافی کارروائیاں کر چکے تھے۔ اس دھاوے میں اس قبیلہ پر رات کو شبخون مار کر ان کے مزاج کو درست کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ راہ راست پر آ گئے۔

۵۔ بنی کلاب کو دعوت اسلام (ربیع الاول نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار تراسی ہے۔ حضور پاکؐ نے حضرت ضحاکؓ بن عامر کو ایک لشکر کے ساتھ قبیلہ بنی کلاب کو دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ لیکن بنی کلاب لڑائی پر تیار ہو گئے زج کے مقام پر سخت لڑائی ہوئی جس میں کفار کو شکست ہوئی اور اس کے بعد قبیلہ کے کافی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۶۔ جدہ کی مہم (ربیع الاول نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چوراسی ہے۔ حضور پاکؐ کو خبر ملی کہ کچھ بحری ڈاکو جو حبشی النسل تھے اور جدہ میں اکٹھے ہو رہے تھے ان کا ارادہ مکہ مکرمہ پر ڈاکہ ڈالنے کا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لیے حضور پاکؐ نے علقمہؓ بن مجزز کو تین سو کے دستہ کے ساتھ جدہ روانہ کیا یہ لوگ مسلمانوں کی وہاں آمد سے پہلے ہی بھاگ گئے۔ بعض راویوں کا خیال ہے کہ اس مہم کے کمانڈر حضرت عبداللہؓ بن خذافہ تھے۔ جن کو حضورؐ پاک کے سفیر کی حیثیت سے کسریٰ ایران کو اسلام

میں داخل ہونے کی دعوت کا پیغام پہنچانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔

۷۔ **بنو طے کو دعوت اسلام** (ربیع الثانی نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار پچاسی ہے۔ حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو کے دستہ کے ساتھ بنو طے کو دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اس قبیلہ کو دعوت بھی دی اور ان کے بت خانے کو منہدم کر دیا جس میں قلس کا مشہور بت نصب تھا۔ اس مہم میں حاتم طائی کی بیٹی قید ہوئی۔ یہ کہانی اور بنو طے کے اسلام لانے وغیرہ کی تفصیل بائیسویں باب میں موجود ہے۔

۸۔ **جناب عکاشہ بن محصن کی مہم** (ربیع الثانی نو ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چھیاسی ہے۔ پندرھویں باب کی پانچویں مہم "بنو اسد کی سرکوبی" کے تحت جناب عکاشہؓ بن محصن کو ربیع الاول چھ ہجری میں بنو اسد کے علاقے میں غمر کے مقام پر بھیجنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ چونکہ علاقہ سے واقف تھے، تو اب پھر آپ کو ان علاقوں میں ایک دستہ کے ساتھ ایک حربی مظاہرہ کیلئے بھیجا گیا کہ اس قبیلے کے کچھ لوگ شرارتوں سے باز نہ آرہے تھے۔ آپ کا یہ حربی مظاہرہ کامیاب رہا۔ البتہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے آپ کی شہادت بھی اسی علاقے میں جناب صدیقؓ کی خلافت میں ہوئی۔

۹۔ **تبوک کی مہم** (رجب ۹ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار ستاسی ہے۔

وجوہات تبوک کی مہم کے کئی وجوہات ہیں۔ اور اصلی وجہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز حضور پاکؐ کی سوچ اور تجویز کے مطابق واقع ہو رہی تھی۔ کہ دو محاذوں پر آگے بڑھ کر مسلمانوں نے جو دنیا میں اسلام کو پھیلانا تھا۔ اس کی بنیاد ہمارے آقاؐ خود باندھ گئے تھے بہرحال جب سے آپؐ فتح مکہ مکرمہ اور فتح حنین سے واپس آئے تھے، مدینہ منورہ اور باقی عرب علاقوں میں شہنشاہ ہرقل اور اس کے باجگزاروں کے ارادوں کے بارے میں طرح طرح کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ جنگ موتہ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ قیصر روم کی فوجیں وادی بلقا کو چھوڑ کر شمال کی طرف چلی گئی تھیں۔ اب پھر خبر ملی کہ قیصر کی پچاس ہزار فوج وادی بلقا میں پہنچ گئی ہے۔ علاوہ سوداگروں سے کچھ اس قسم کی خبریں بھی مل رہی تھیں کہ رومیوں نے شام میں جو لشکر جمع کیا ہے تو پوری فوج کو سال بھر کی تنخواہ بھی ادا کر دی ہے اور اس فوج میں عرب کے تمام نصرانی قبائل شامل ہیں خاص کر بنو لخم۔ بنو جذام اور بنو غسان جن کو غسانی بھی کہتے تھے۔ ان کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں مشہور ہو رہی تھیں کہ وہ مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے والے ہیں۔ ان حالات میں حضور پاکؐ نے اپنی پرانی پالیسی کو اپنایا اور متحرک جنگ کے طریق کار کو اختیار کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے شمال کی طرف کوچ کرے گا۔

مہم کی تیاری حضور پاکؐ نے رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا، لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ فاصلہ دور ہے اور موسم بھی گرم ہے۔ اس بیان سے بھی مسلمانوں کا امتحان مطلوب تھا کیونکہ اس سال فصل بھی اچھی نہیں ہوئی تھی۔ عام طور پر حضور پاکؐ جب کسی مہم پر جاتے تھے تو سب کچھ رازداری میں رکھتے تھے، لیکن اس دفعہ یہ ممکن نہ تھا۔ آپؐ کافی طاقت کے ساتھ جانا چاہتے تھے، اس لیے گردو نواح کے تمام قبائل کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ منافقین اپنی شرارتوں میں مصروف

تھے اور وہ جگہ جگہ بد دلی پھیلاتے پھرتے تھے اور آپؐ کو ان کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ بھی کرنا تھا۔

مسلمانوں کی جذبہ جہاد لیکن مسلمان کسی ریشہ دوانی یا سازش کی پرواہ کرنے والے وقت سے اب بہت آگے نکل چکے تھے۔ جیسے ہی حضور پاکؐ کی طرف سے جہاد کی ترغیب ملی۔ لاتعداد مسلمان تیار ہو گئے۔ سامان جنگ کی کمی تھی۔ آپؐ نے مسلمانوں سے مالی امداد طلب کی جو نقد یا سامان دونوں صورتوں میں ہو سکتی تھی، تو جس سے جو کچھ بن پڑا اس نے حاضر کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا نام ہمیشہ درخشاں ستارہ کی طرح چمکتا رہے گا۔ آپ نے ایک ہزار دینار نقد۔ نو سو اونٹ مع اسباب اور سو گھوڑے حضور پاکؐ کے حوالے کیے۔ سب سے بڑا مسئلہ سواری کا تھا۔ کچھ صحابہ غریب تھے جن کے پاس سواری کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ان میں سے چند صحابہ سالمؓ بن عمیر، علیہؓ بن یزید، ابولیلیٰؓ فارسی، عمرؓ بن عمرو، سلمیٰؓ بن صخر، عریاضؓ بن ساریہ، معقلؓ بن بسیار، عبداللہ بن معقل اور عمرؓ بن الحمام حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یارسول اللہؐ ان کے لیے کسی سواری کا بندوبست فرما دیں۔ حضور پاکؐ ضرور ایسا کر سکتے تھے یا کرتے، لیکن کچھ امتحان بھی مقصود ہوتا ہے اور کچھ مثالیں قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے آپؐ نے کچھ پکا وعدہ نہ فرمایا کہ سواری کا بندوبست ہو سکے گا یا نہیں۔ یہ اصحابؓ اس بات کو سن کر اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ بچوں کی طرح بلبلا کر روتے روتے بس نہیں کرتے تھے۔ اسی دوران یامینؓ بن عمیر نضری سے ان کی ملاقات ہو گئی اور ان کو جب اس رونے کا سبب پتہ چلا تو آپ نے اسی وقت ان عظیم صحابہؓ کے لیے اونٹ خریدے اور دونوں طرف کا یہ جذبہ آج ہماری تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ ان صحابہ کرامؓ کے ناموں کے ہجے ہر پرانی کتاب میں الگ الگ تھے۔ اس لیے ناموں کی غلطی کا احتمال نوٹ کر لیں۔

مجاہدین کی روانگی حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے باہر ثنیات الوداع کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے تاکہ جن لوگوں نے اس مہم میں شریک ہونا ہو وہ وہاں پر اکٹھے ہوں، عبداللہ بن ابی نے بھی اس جگہ سے تھوڑا دور اپنا ایک کیمپ لگا دیا، اور اوپر سے کہتا تھا کہ مہم پر جائے گا لیکن دل میں یہ تھا کہ منافقوں اور باقی لوگوں کو اپنے پاس رکھ کر آخری وقت الگ ہو گا۔ حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ میں اپنا نائب عظیم انصار صحابی جو اکثر ہمارے ساتھ رہے اور کعب کو قتل کیا یعنی جناب محمدؓ بن مسلمہ کو چھوڑا تھا، لیکن آخری وقت جب عبداللہ بن ابی کی سازش کا پتہ چلا تو حضرت علیؓ کو بھی مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا۔ منافقین نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں اور حضور پاکؐ جب چل دیئے تو حضرت علیؓ کو بھی طیش آگیا کہ وہ مہم سے کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں اس لیے تیز رفتار سواری سے حضور پاکؐ جب الجرف کے مقام پر پڑاؤ فرما رہے تھے تو آپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص اس بات کے راوی ہیں کہ حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو سمجھایا، کہ ان کے بعد پیغمبر تو کوئی نہیں ہو گا لیکن حضرت علیؓ ان کے لیے ایسے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کسی اہم کام پر جاتے تھے تو اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔ اور پھر تبوک میں کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اس لیے جناب علیؓ کو بعد میں پیچھے رہ جانے کا زیادہ افسوس بھی نہ ہوا ہو گا۔

تبصرہ اس میں ایک خاص نکتہ تھا حضور پاکؐ اس دفعہ بہت دور جا رہے تھے اسلام کا پھیلاؤ بڑھ چکا تھا۔ مدینہ منورہ میں

جانشین چھوڑا لیکن ذمہ داری بہت تھی اس لیے آخری وقت میں حضرت علیؓ کے بارے میں فیصلہ کیا۔ مؤرخین میں اس سلسلہ میں جو اختلاف ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ معاملات کی چھان بین نہیں کی۔ جناب محمدؓ بن مسلمہ بھی موجود رہے اور حضرت علیؓ دراصل بعد میں اصلی جانشین بنے اور کئی اور صاحبان بھی ہوں گے تاکہ وقت ضرورت منافقوں کی سازش کا مقابلہ کر سکیں۔

اسلامی لشکر چار اور صحابہ کرامؓ جن میں ایسے لوگ شامل تھے جو بیعت عقبہ ثانی میں بھی شریک تھے اور اسلام کی اکثر جنگوں میں شریک ہو چکے تھے اور ان کے اسلام پر کسی کو شک نہ تھا، وہ اپنی سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان میں سے ایک صاحب ابو خیاثمہؓ کو تو وقت کے ساتھ ندامت ہو گئی اور حضور پاکؐ کا لشکر جب تبوک پہنچا تو وہ بھی وہاں پہنچ گئے اور دور سے ان کو دیکھ کر حضور پاکؐ نے فرمایا "یہ ابو خیاثمہؓ ہی ہو سکتا ہے" آپ نے حضور پاکؐ سے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور معافی مل گئی۔ باقی تینوں کا ذکر بعد میں آئے گا۔ روایت ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار گھڑ سوار بھی شامل تھے۔ اب اس سے سات سال پہلے حق و باطل کے پہلے معرکہ کی تعداد کا اس تعداد سے موازنہ کریں کہ بدر کے مقام پر مشکل سے تین سو مجاہدین نے اللہ کے نام پر تلوار اٹھائی اور آج اللہ کی رحمت شامل حال تھی کہ اتنی تعداد میں مجاہدین اللہ کا نام بلند کرنے جا رہے تھے۔ بقول علامہ اقبالؒ

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کیلئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے

سفر کے واقعات ایک مسلمان اور فوجی ذہن رکھنے والے کے لیے حضور پاکؐ کی تمام فوجی کارروائیاں معجزہ سے کم حیثیت نہیں رکھتیں۔ بلکہ حضور پاکؐ کی ذات از خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور حضور پاکؐ کے زمانے میں بھی فوجی ذہن رکھنے والے جلدی اسلام لے آئے تھے اور کبھی کوئی معجزہ طلب نہ کرتے تھے۔ بہر حال یہ سفر اور مہم آپؐ کی اس عالم کی زندگی میں ایک آخری بڑا سفر تھا۔ اور لوگوں کو کچھ واقعات یاد رہے جن میں سے چند ایک تحریر کیے جاتے ہیں۔

قوم ثمود کا علاقہ جب آپؐ حجر کے مقام سے گزر رہے تھے تو لوگوں نے ایک کنوئیں سے پانی لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہاں کا پانی مت پیو اگر اس سے آٹا وغیرہ گوندھ لیا ہے۔ تو وہ بھی اونٹوں کو کھلا دو۔ یہ قوم ثمود کا علاقہ ہے یہاں اللہ کا قہر نازل ہو چکا ہے یہاں رات کے وقت اکیلے اکیلے نہ نکلنا۔ جن لوگوں نے حضور پاکؐ کے فرمان کی پرواہ نہ کی ان کو وہاں سختی پہنچی۔ اس جہان۔ عالم میں ایسی جگہیں کثرت سے موجود ہیں، جہاں اب بھی ہمیشہ حادثات ہوتے رہتے ہیں اور وہاں سے لاحول ولا قوۃ یا استغفار پڑھ کر گزرنا چاہیئے۔ نقشہ دوم اور نقشہ ہفت ازدہم دونوں پر قوم ثمود کے علاقے کے نشاندہی کر دی گئی ہے۔ کہ ہم عبرت پکڑیں۔ لیکن افسوس ہم پرانے کھنڈرات اور باطل تہذیبوں کے گن گاتے پھرتے ہیں۔ اس عاجز کے لحاظ سے ٹیکسلا اور موہنجوڈرو یا ہڑپہ کے آثار قدیمہ میں یا ان باطل فلسفہ والے تہذیب و تمدن میں ہمارے لئے ہرگز کوئی نشان راہ نہیں کہ ہمارا اپنا مذہب اور دین ہے۔

پانی کی تنگی بہر حال حضور پاکؐ کے لشکر کو پانی کی کچھ تنگی ہو گئی کیونکہ جو کچھ پانی پاس تھا وہ اس قہر آلود جگہ سے گزرتے

وقت پی لیا تھا۔ صحابہؓ نے پیاس کی شدت کے بارے میں عرض کی۔ حضور پاکؐ نے آسمان کی طرف دیکھا او رب العزت کے سامنے دعا فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بادل نمودار ہوا اور اتنا برسا کہ لوگوں نے خوب پانی کا فائدہ اٹھایا۔ ایک آدھ منافق لشکر میں موجود رہتا تھا۔ حضور پاکؐ کے غلاموں نے جب ان میں سے ایک کو کہا کہ دیکھا نظارہ ہمارے آقاؐ اور اللہ کے حبیبؐ کی طاقتوں کا تو وہ کہنے لگا نہیں ایک گزرنے والا بادل اچانک آگیا۔ بے چارہ بد قسمت تھا۔ جیسے آجکل ہمارے ہاں کافی ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو ہر چیز کو عقل سے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں:۔

عقل گو آستان سے دور نہیں ۔ اس کی تقدیر میں حضور نہیں !
دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ! (اقبالؒ)

اونٹ کا گم جانا راستے میں آپ کا اونٹ گم ہو گیا۔ حضور پاک نے جس صحابیؓ کو اونٹ کی تلاش کے لیے بھیجا وہ ذرا سادہ مزاج کے تھے۔ ان کو ایک منافق نے کہہ دیا کہ عجب بات ہے ویسے تو آسمانوں کی باتیں کرتے ہیں اور اپنے اونٹ کا پتہ نہیں۔ یہ صاحبؓ واپس حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آبدیدہ ہو کر بات کرنے لگے تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ وہ صرف وہی کچھ جانتے ہیں جو ان کو اللہ نے بتایا ہے۔ اب آپکی آبدیدگی کی وجہ سے اللہ نے سب کچھ میرے لیے روشن کر دیا ہے جاؤ وہ اونٹ فلاں وادی میں کھڑا ہے اور اس کی مہار درخت کے ساتھ پھنس گئی ہے۔ اونٹ کے ملنے کے بعد یہ صحابیؓ سیدھے اس منافق کے پاس چلے گئے اور ان کو دبوچ لیا۔ روایت ہے کہ اس منافق نے توبہ کر لی (الحمد للہ)

تبصرہ یہاں ایک چھوٹے سے تبصرہ کی اجازت ہو۔ جو لوگ یہ رٹ لگاتے رہتے ہیں۔ کہ حضور پاکؐ غیب کا علم نہ جانتے تھے وہ اس جیسی کہانیوں کی آڑ لیتے ہیں۔ کہ حضور پاکؐ نے خود فرمایا "کہ آپ صرف وہی کچھ جانتے ہیں، جو ان کو اللہ نے بتایا ہے" لیکن یہ عاجز گزارش کرے گا کہ حضورؐ پاک کو اسی کہانی میں غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ اور آپؐ نے بتا دیا کہ اونٹ وہاں ہے۔ پس حضورؐ پاک کی شان کو سمجھنے میں یہی فرق ہے۔ کہ آپ کا ہر عمل بشری تقاضوں کے تحت تھا۔ لیکن ضرورت پڑتی تو اللہ تعالی آپؐ کو زماں و مکاں پر حاوی کر دیتا۔ اگر یہ بشری تقاضے نہ ہوتے، تو بھلا اونٹ گم کیوں ہوتا۔ یا سواری کیلئے اونٹ کی کیا ضرورت تھی آپؐ ہر وقت براق پر سوار رہتے۔ اللہ کرے ہمیں حضورؐ پاک کے بارے میں علامہ کا یہ فقرہ یاد رہے کہ "تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ" اور علم کے چکر سے آگے بڑھیں:۔

علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے (اقبالؒ)

جناب ابو ذرؓ سفر جاری تھا اور کئی لوگ راستے میں رہ جاتے تھے۔ حضور پاکؐ کو جب خبر دی جاتی تو آپؐ ان کے لیے دعا فرما دیتے۔ پھر ایک دن آپ کو خبر دی گئی کہ جناب ابو ذر غفاریؓ بھی پیچھے رہ گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا جن کی نیت ٹھیک ہے ان کو اللہ تعالی آپ ہی پہنچا دے گا اور جن کی نیت ایسی ویسی ہے ان کی فکر نہ کیا کرو۔ چنانچہ ایک دن جب پڑاؤ کیا، تو دور سے ایک صاحب نظر آئے۔ اونٹ کی کاٹھی اپنے اوپر لادی ہوئی تھی اور اونٹ شاید کمزور ہو گیا تھا۔ اس کی مہار تھامے اکیلے چل رہے تھے۔

حضور پاکؐ نے دیکھ کر فرمایا "اللہ تعالیٰ ابو ذرؓ پر رحمت فرمائے یہ وہی معلوم ہوتے ہیں۔ اکیلے چل رہے ہیں۔ اکیلے فوت ہوں گے اور اکیلے اٹھائے جاویں گے" آپ کی وفات حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ربذہ میں ہوئی۔ جہاں صرف بیوی اور ایک غلام ساتھ تھا۔ آپ کا فرمان تھا کہ جنازہ راستے پر رکھ چھوڑنا۔ اللہ بندوبست کرے گا۔ اللہ کی قدرت اسی وقت وہاں سے ایک قافلہ مشہور صحابی جناب عبداللہ بن مسعود کی رہنمائی میں گزرا۔ ان کو جب پتہ چلا کہ ابو ذرؓ ہیں تو ان کو تبوک کا سفر۔ حضور پاکؐ۔ حضور پاکؐ کا فرمان اور پرانے ساتھی یاد آگئے اور اس قدر روئے کہ آنکھوں سے پانی بند نہ ہوتا تھا۔

تبصرہ اے اہل محبت! یہ ہے ہمارے آقا کے غلاموں کی شان۔ اور یہ ہے عملی اسلام، کہ یہ دنیا فانی ہے حضور پاکؐ کی غلامی اختیار کرو

تبوک میں کارروائی تبوک پہنچنے پر دشمن کی کوئی بڑی تعداد کسی ایک مقام پر نہ ملی۔ گو وہاں کے رئیسوں کی ریشہ دوانیاں تبوک کی مہم کے بعد بھی جاری رہیں اور جو صحابہ مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے اور جن پر عتاب آیا ان میں حضرت کعبؓ کو ایک غسانی سردار نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش بھی کی اور خط لکھا جس کو حضرت کعبؓ نے جلا دیا۔ دراصل ہرقل کسی اور وجہ سے وہاں کوئی اور فوج نہ بھیج سکا۔ اس کے باجگزار عرب کوئی خاطر خواہ اتحاد قائم نہ کر سکے، کہ حضورؐ پاک کا مقابلہ کرتے۔ حضور پاکؐ نے وہاں پر جب اپنے لشکر کو پھیلایا تو اس کا رعب ایسا بیٹھا کہ ایلہ، جربا اور اذرح کے سردار حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ دینا منظور کیا۔ اسلامی لشکر کو کئی تحائف بھی پیش کئے اور حضور پاکؐ کے ساتھ جو عہد نامہ ہوا ان میں سے ایلہ کے سردار کے ساتھ جو معاہدہ ہوا، وہ لفظ بلفظ ہماری تاریخوں میں موجود ہے۔ ایلہ کا مقام خلیج عقابہ کے نزدیک ہے۔ اور اس علاقے کے لوگ سمندر کے ذریعے تجارت کے واسطے دور دور جاتے تھے۔ اس معاہدہ کے ذریعے ان کے خشکی پر قافلوں اور سمندر میں کشتیوں کی آمد و رفت کیلئے مسلمانوں نے ایک امن نامہ لکھ دیا۔ یہ جگہ جغرافیائی وجہ سے اہم تھی۔ ان تینوں مقامات کی نشاندہی، تبوک کی مہم کے نقشہ ہفت از دہم پر کر دی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں، کہ اسلام کا پھیلاؤ کتنا بڑھ گیا تھا۔ ان علاقوں کے سردار اپنے آپ کیسے تبوک پہنچ گئے۔ یا مسلمانوں کی حفاظت میں آنے پر کیسے تیار ہوئے کہ یہ علاقے شہنشاہ روم کے زیر اثر تھے۔ یا ان علاقوں تک روم کے باجگزار حکمرانوں کے اثرات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ نے کوئی نہ کوئی مہم یا حربی دستے ان علاقوں میں ضرور بھیجے، لیکن ہمارے مورخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ بہر حال خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی ان علاقوں سے شمال کی طرف جنگیں ہوئیں۔ اور رومیوں نے اس طرف آنے کی کوشش نہ کی، تو ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام کا پھیلاؤ حضور پاکؐ ہی کے زمانے میں ان علاقوں تک ہو چکا تھا۔

۱۰۔ دومۃ الجندل پر چھاپہ (رجب۔ شعبان، ۹ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اٹھاسی ہے۔ تبوک کے مقام سے حضورؐ پاک نے جناب خالدؓ بن ولید کو چار سو سواروں کی معیت میں دومۃ الجندل پر شبخون مارنے کے لیے روانہ کیا اور حضور پاکؐ نے فرمایا کہ وہاں کا سردار اکیدر اپنے دارالحکومت سے باہر شکار گاہ میں ملے گا۔ چاندنی رات تھی اور اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسے ہوا۔ کہ

ریگستان کی کئی نیل گائے مست ہو کر جا کر اکیدر کے قلعہ کے دروازوں اور دیواروں کو ٹکریں مار رہی تھیں ۔ یہ تماشہ دیکھ کر اکیدر ان کے شکار کیلئے باہر نکلا ۔ اور مسلمانوں نے اس کو قلعہ کے باہر ہی گرفتار کر لیا ۔ پھر اس کو حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر کیا، اس نے بھی جزیہ دے کر مسلمانوں کا باجگزار بننا منظور کر لیا، اور لاتعداد اونٹ اور دیگر سامان پیش خدمت کیا ۔ دومۃ الجندل کی پہلی اور دوسری مہم کا ذکر تیرھویں اور پندرھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ ساتھ ہی اس مہم کے بارے اور خلفاء راشدین کے زمانے میں جناب خالدؓ اور جناب عیاضؓ کے دومۃ الجندل میں ملاپ کا بھی سرسری ذکر کر دیا گیا تھا ۔ قارئین حیران ہوں گے کہ ریگستان کے ایک بڑے نخلستان اور اتنے دور دراز مقام کو حضور پاکؐ نے اتنی اہمیت کیوں دی ۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں حضور پاکؐ کے عظیم رفقاءؓ نے ایک طرف فتوحات عراق و ایران اور دوسری طرف فتوحات شام و فلسطین کی حکمت عملیوں کو اس مقام کی حربی کارروائیوں کے ذریعہ سے شیر و شکر کیا ۔ جو صاحب زیادہ تحقیق کے متمنی ہوں وہ اس عاجز کے فتوحات شام و فلسطین اور فتوحات عراق و ایران کی کتابیں پڑھیں ۔

مدینہ منورہ کو واپسی ابن اسحاق کے مطابق حضور پاکؐ نے تبوک میں دس رات دن یا اس سے کچھ زیادہ قیام کیا ۔ بعض مورخین نے یہ قیام بیس دن تک بتایا ہے اور اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ کے لیے واپسی کا حکم فرما دیا ۔ راستے میں پانی کی تکلیف ہوئی ۔ ایک جگہ پتھر کے نیچے سے تھوڑا تھوڑا پانی ٹپکتا تھا اس کے بارے میں آپؐ نے حکم دے دیا تھا کہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے وہاں کوئی نہ جائے، لیکن دو آدمی پیاس کی وجہ سے اور غلطی کی وجہ سے وہاں پہنچ گئے ۔ تو پانی نے ٹپکنا ہی بند کر دیا ۔ آپؐ جب وہاں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا " کہ کچھ لوگوں نے حکم عدولی کی ہے اس وجہ سے پانی بند ہو گیا ہے " لیکن لشکر کی پیاس کی حالت دیکھ کر آپؐ کو رحم آیا ۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ پتھر کے نیچے سے آگے بڑھایا اور کچھ پڑھا تو پانی کے فوارے نکل آئے اور سب لشکریوں نے خوب سیر ہو کر پانی کا استعمال کیا ۔ اس سفر کے دوران مختلف پڑاؤ جہاں بھی کیے وہاں پر آپؐ نے مسجدیں تعمیر کرانے کا حکم دیا اور اس طرح مختلف مقامات پر تقریباً سولہ سترہ سے زیادہ مسجدیں تعمیر ہوئیں جہاں پر اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کا نام بلند ہونا شروع ہو گیا ۔ ان مساجد میں سے کچھ کے نام اس طرح ہیں ۔ تبوک، شنیتہ مغزان، ذوالزراب، الاخضر، ذوالطلمیٰ، علا (یہ بطرہ کے نزدیک تھی) شنق، شق تارا، ذوالجنہ، صدر حوصہ، الجر، السعید (وادی قریٰ میں) الرقعۃ الشقۃ، بنی عضرہ کا شقہ، ذوالمروہ، فیفۃ اور ذوخشب وغیرہ یہ مساجد اب کس حال میں ہیں یہ ہمارا روحانی اور فوجی ورثہ ہے، کہ وہاں سے ایک طرف اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کے نام بلند ہو رہے تھے تو دوسری طرف یہ فوجی پڑاؤ بن گئے ۔ اور بعد میں جناب اسامہؓ بن زیدؓ کی مہم کے دوران یا خلفاء راشدین کی باقی مہمات کے دوران، یہ مسجدیں فوجی ٹرانزٹ کیمپ تھے ۔ اور یہ ہے اسلام میں مسجد کی افادیت ۔ لیکن جس مسجد سے تفرقہ پھیلایا جائے، جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں ہو رہا ہے تو اس کی مثال مسجد ضرار کی طرح ہے ۔ جس کا ذکر ادھر ہی مناسب رہے گا ۔

مسجد ضرار آپؐ جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو منافقین نے آپؐ کو عرض کی کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی ہے وہاں پر وہ جاتے ہوئے نماز پڑھیں ۔ حضورؐ پاک کو اس سے کچھ سازش کی بو آئی کیونکہ باطل کبھی کفار کی شکل میں اور کبھی منافقین کی

شکل میں حق کے ساتھ ہمیشہ نبرد آزما رہتا ہے۔آپؐ نے فرمایا واپسی پر دیکھا جائے گا۔واپسی پر آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی آگاہی ہو گئی اور سورۃ توبہ میں ذکر ہے کہ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور پھوٹ پیدا کرنا ہے۔چنانچہ آپؐ نے اس مسجد کو جلانے کا حکم دے دیا۔یہ کام بالکل فوجی طریقہ سے کیا گیا۔یہ مسجد بنانے والے بارہ منافق تھے۔تو حضور پاکؐ اس مسجد کے نزدیک اپنے لشکر کے ساتھ ذواعوان میں رکے اور باقاعدہ صحابہ کرام کو ہدایات دیں کہ مسجد کیسے جلائی جائے گی اس میں دو صحابہ کرام جناب مالکؓ بن الدخشم اور جناب معانؓ بن عدی یا ان کے بھائی جناب عاصمؓ نے اہم کام کیا۔یہاں یہ نکتہ بالکل واضح ہے۔کہ جس مسجد سے کسی تفرقہ کی آواز آئے وہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔مسجد سے وحدت اور یک جہتی کی آواز آنا چاہیئے۔قادیانیوں کی تمام عبادت گاہیں مسجد ضرار کی طرح ہیں۔اور یہ عاجز اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کو یہ نکتہ سمجھا چکا ہے۔مسجد نے مسلمانوں کی یک جہتی اور عسکریت کے سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا یہ از خود ایک بہت بڑا مضمون ہے۔افسوس کہ آج کل ہم مسجدوں میں جا کر "کھڑے" ہوتے ہیں یا "جھک جھک جاؤ میرے بھین" یا "لمبے لمبے پڑ جاؤ میرے بھین" والی بات ہے۔تب ہی اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ پکار اٹھا:۔

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال   تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیغام   (اقبالؒ)

جناب عبداللہؓ ذوالجبیدان تبوک کی مہم کے وقت لڑائی نہ ہوئی، اسلئے کسی کے شہید ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔البتہ اس واپسی سفر میں جن صحابہ کرامؓ کی موت واقع ہوئی تو ان میں سے جناب عبداللہؓ ذوالجبیدان کا واقعہ مؤرخین نے بڑے پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ایک رات حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کیمپ کے باہر کچھ روشنی دیکھی۔ادھر چل پڑے کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ پاک جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی معیت میں جناب عبداللہؓ ذوالجبیدان کو لحد میں اتار رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:۔

"کہ اپنے بھائی کو میرے اور نزدیک کرو" اور اے اللہ میں ان سے خوش ہوں آپ بھی ان سے خوش ہوں"

جناب عبداللہؓ بن مسعود اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان کو بڑا رشک آیا کہ اس دن وہ مرجاتے اور حضورؐ پاک اس طرح ان کو لحد میں اتارتے۔

تبصرہ اس ایک واقعہ پر ہمارے عملی اسلام کے مطالعہ کے تحت کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔اول جہاد یا مہمات پر جانے والوں کی خوش قسمتی کہ ان کی وفات دوسروں کیلئے نشان راہ ہے۔دوم جناب عبداللہ ذوالجبیدانؓ کی خوش قسمتی کہ حضور پاکؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کو دفن فرمایا۔اور ان کے لیے کتنے ہی پیارے لفظ فرمائے۔سوم، موت پر خاموشی کہ جناب عبداللہؓ بن مسعود جو حضور پاکؐ کی خدمت کرتے تھے، ان کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی اور بعد میں آنکھ کھلی۔چہارم شیخین یعنی جناب صدیقؓ اور جناب فاروقؓ کا اس طرح حضور پاکؐ کے ساتھ رہنا، خادم بے خبر ہیں لیکن وہ باخبر ہیں۔اور شاید اس مہم پر حضور پاکؐ نے ان کو کیا سکھلا دیا کہ وہ دنیا کے عظیم فاتح بن گئے اور حضور پاکؐ کے ساتھ معیت ایسی کہ وفات کے بعد بھی نزدیکی حاصل رہی۔اور جناب علی المرتضیٰؓ کو اس سلسلہ میں کوئی شک نہ تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول پاکؐ نے اس کثرت سے

نقشہ ہفت از دہم
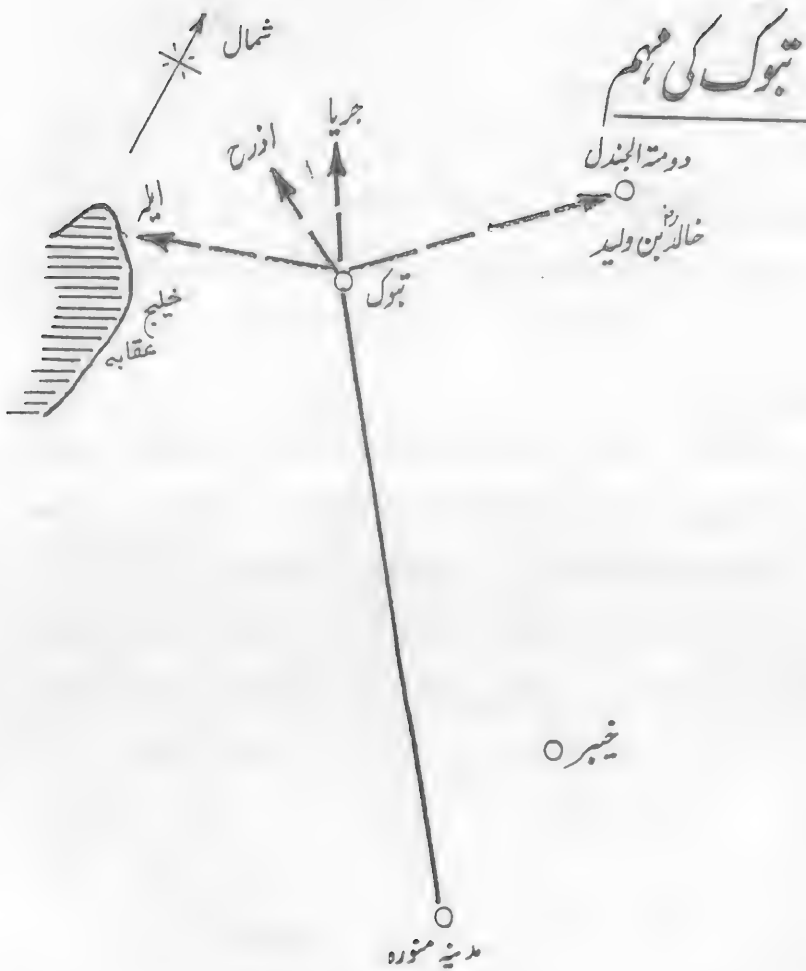
سکیل = ۱۰۰ میل ۵۰ ۰ ۵۰ میل

یہ الفاظ " میں، ابو بکرؓ اور عمرؓ " ادا فرمائے کہ جو کچھ بعد میں ہوا اس پر مجھے کوئی شک نہ تھا۔ پنجم جناب عبداللہؓ بن مسعود کی ایک رشک کا ذکر جنگ بدر کے وقت کیا گیا۔ دوسرے اب سن لیں کہ ہمارے آقا کی نگاہ نے ایک معمولی چرواہے کو کہاں پہنچا دیا۔ تو اسلام کے اس عظیم عالم کی زندگی پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

مدینہ منورہ ⭘ حضور پاکؐ تقریباً دو ماہ کا عرصہ باہر گزرانے کے بعد رمضان شریف میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو چھوٹی چھوٹی بچیاں خوش آمدید کے طور پر اس قسم کے گانے گاتی تھیں :۔ "ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔" ہم پر خدا کا شکر فرض ہے اور اللہ توفیق دے کہ یہ شکر ہمیشہ ادا کرتے رہیں"

تبصرہ ⭘ اس زمانے کے اکثر مصنفین نے صرف حضور پاکؐ کی ہجرت کے وقت بچیوں کے اس قسم کے گانوں کا ذکر کیا ہے، جس کا ذکر یہ عاجز بھی آٹھویں باب میں کر چکا ہے۔ یہاں پر ذکر عاشق رسولؐ اور مورخ زرقانی کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ ہر دفعہ جب حضور پاکؐ مدینہ منورہ سے زیادہ عرصہ باہر رہ کر آتے ہوں گے تو بچیاں ایسے گانے گاتی ہوں گی۔ بلکہ ہر لشکر کو مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت یا واپس آتے وقت جو خوش آمدید کیا جاتا تھا۔ وہ فطری عمل ہے۔ ہائے افسوس دو سو سالوں کی غلامی نے ہمیں اپنی پرانی اور روحانی روایتوں سے اتنا دور کر دیا۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو ‏ ‏ ‏ ‏ کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی (اقبالؒ)

جہاد سے گریز حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ واپسی کے فوراً بعد جس طرف بہت زیادہ توجہ دی وہ یہ تھی، کہ ان لوگوں سے بازپرس کی جائے جنہوں نے جہاد سے گریز کیا تھا۔ سفر کے دوران حضور پاکؐ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس سلسلہ میں اکثر گفتگو فرما چکے تھے۔ حضرت ابو رحوم کلثومؓ نے اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کے تاثرات کا مفصل ذکر کیا ہے کہ خاص کر کچھ جانے پہچانے لوگوں اور اچھے مسلمانوں کے متعلق آپؐ نے بار بار پوچھا۔ ان میں کعبؓ بن مالک، مرارؓ بن الربی اور ہلالؓ بن امیہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔ بہر حال یہ عاجز اختصار کے ساتھ ابن اسحق سے جو کہانی لکھ رہا ہے، اس کے راوی جناب کعبؓ کے بیٹے جناب عبداللہؓ خود ہیں۔ جنہوں نے سب کچھ اپنے عظیم والد سے سنا۔ اور اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کو بتایا، جن سے اسلام کے عظیم عالم امام زہریؒ نے سنا اور اپنے شاگرد ابن اسحق کو یہ کہانی سنائی۔ چنانچہ مدینہ منورہ واپس پہنچ کر حضور پاکؐ نے ایسے سب لوگوں کو بلایا، جنہوں نے تبوک کی مہم میں شرکت نہ کی تھی۔ ان کی تعداد کافی تھی بعض مورخین کے حساب سے یہ تعداد اسی کے قریب تھی۔ ان میں بعض لوگ ایسے تھے، جن کی کچھ مجبوریاں تھی اور کچھ میں ایک آدھ دل کے کالے یا منافق بھی تھے۔ چنانچہ سب وہ لوگ جو جہاد میں شرکت کی استطاعت ہی نہ رکھتے تھے انہوں نے اپنی وجوہات پیش کیے۔ حضور پاکؐ نے غور سے سنا اور ان سب کو جانے دیا۔ لیکن جناب کعبؓ، جناب مرارؓ، اور جناب ہلالؓ، تینوں سچے آدمی تھے۔ عرض کی " حضورؐ کوئی بہانہ نہیں، سستی تھی، نالائقی تھی، کاہلی تھی۔ بس غلطی ہو گئی"

یہ سن کر حضورؐ پاک نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان تینوں سے لین دین بند کر دیں اور کوئی مسلمان ان کے ساتھ

کلام بھی نہیں کرے گا۔ باقی دو صاحبان ذرا زیادہ عمر کے تھے وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ جناب کعبؓ باہر نکلتے تو ان کے لیے ہر جگہ شرمندگی اور ندامت ہی ندامت تھی۔ پچاس دن یہی حالت رہی اس کے بعد حضورؐ پاک نے حکم دیا کہ ان تینوں کی بیویاں بھی ان سے لاتعلق ہو جائیں۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ جناب کعبؓ نے ندامت کے باعث اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ صرف کھانے پینے یا رفع حاجت کے لیے باہر نکلتے تھے یا نماز میں شرکت کے وقت اپنے آپ کو کھولتے تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ بات جناب ابو لبابہؓ کے ساتھ ہوئی جنہوں نے بنو قریظہ کو ہاتھ کے اشارے سے آگاہ کر دیا تھا، کہ تلوار ان کی منتظر ہے۔ اسی کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ اور پھر ندامت کی وجہ سے ایسا کیا، تو مورخین نے دونوں واقعات کی ندامت کو ملا جلا دیا۔ صحیح اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپ بھی اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور الگ تھلگ رہتے تھے۔ بہر حال تقریباً پچاس دن رات یہی حالت رہی۔ دنوں کی تعداد میں ابن اسحق کے طرز بیان سے کچھ اختلاف ہو جاتا ہے کہ کل دن پچاس تھے یا ساٹھ کہ دس اور دنوں کا جو ذکر کیا وہ فالتو تھے یا انہی پچاس میں سے تھے۔ بہر حال پچاس یا ساٹھ دنوں کے بعد اللہ کی طرف سے معافی مل گئی اور حضور پاکؐ نے اس کا اعلان فرمایا۔ پورا ذکر سورۃ توبہ کی آیات نمبر ۱۱۸ سے ۱۲۰ میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہے جس کو یہاں دہرایا نہیں جا رہا۔ ویسے جناب کعبؓ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ آپ کا ذکر آٹھویں باب میں بیعت عقبہ ثانی کے تحت ہو چکا ہے۔ کہ آپ نے اس وعدہ کو بڑی اہمیت دی، کہ اسلام میں وعدہ ہی سب کچھ ہے۔ کہ قول اور فعل کو ایک کیا جائے۔ آپ بڑے سچے آدمی تھے، اور اپنی غلطی، ندامت اور معافی کا ذکر کھل کر کرتے تھے۔ اور ہمارے لیے ایک مثال چھوڑ گئے۔

ایک ضروری وضاحت پہلے اس سے کہ تبوک کی مہم کے نتائج اور اسباق پر تبصرہ کریں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تبوک کی مہم میں کوئی جنگ بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی جو لوگ نہ شریک ہو سکے ان کے ساتھ کتنی سختی کی گئی اور معافی بھی شاید اس لیے ملی کہ پہلے جنگوں میں شرکت کر چکے تھے اور نیک مسلمان تھے۔ اگر تبوک میں جنگ ہو جاتی تو قدرتی بات ہے کہ غیر حاضر لوگوں کو اور بری نگاہ سے دیکھا جاتا۔ جہاد اسلام میں فرض ہے۔ جہاد کے لیے فرض کفایہ کے الفاظ بعد کے مسلمان فقہا نے اس لیے استعمال کیے تھے کہ ہر مسلمان ہر وقت ہر جگہ جہاد میں شرکت نہیں کر سکتا۔ اول یہ کام حکومت کا ہے کہ کس جگہ ان کو کتنے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ لیکن کوئی مسلمان جہاد سے گریز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آجکل کوئی مجبوری بھی نہیں اور استطاعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ حکومت نے سب کچھ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔

جہاد کے بارے میں خامی تبوک کی مہم آخری بڑی فوجی کارروائی تھی اس لیے حضور پاکؐ نے معاملات کو واضح کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ دین کی سمجھ صرف جہاد میں شرکت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور تب ہی اللہ تعالیٰ سے معافی ملے گی یا براۃ ہو گی کہ اس زمانے میں سورہ توبہ کو سورۃ براۃ بھی کہتے تھے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم جہاد بالقلم اور جہاد باللسان وغیرہ کے چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ اور جہاد بالسیف کو فرض کفایہ کے معنی اس طرح پہنا دیئے کہ ہر ایک آدمی کے لیے جہاد ضروری نہیں ہے۔ بہر حال اس خامی کے ہم لوگ اور ہماری حکومتیں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں فن سپاہ گری کی شد بد نہیں

تو ہمارا قصور بھی ہے۔ اگر حکومتیں لوگوں کو فن سپاہ گری سے دور رکھتی ہیں اور پوری قوم کو اللہ کی فوج نہیں بناتیں تو حکومتوں کا بھی قصور ہے۔ موجودہ فکری انتشار نے مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ قوم میں وحدت تب ہی پیدا کی جا سکتی ہے کہ پوری قوم کو وحدت فکر و وحدت عمل کے ذریعے اللہ کی فوج بنا دیا جائے۔

تلخ ترین تجربات اس عاجز کو اس سلسلہ میں بڑے ہی تلخ تجربے ہوئے۔ کہ لوگ جہاد اور سپاہ گری والی بات کو مانتے ہی نہیں۔ یہ سازش کے اثرات ہیں۔ یا جہالت ہے یا تھوڑا علم حجاب اکبر بنا ہوا ہے۔ یا سب باتیں درست ہیں۔ یہ عاجز صرف ایک واقعہ کا ذکر کرے گا۔ چند سال پہلے راقم نے فوج کے ہفتہ وار اخبار ھلال میں اس قسم کے مضمونوں کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا کہ ہمیں فن سپگری حضورؐ پاک سے سیکھنا چاہیئے اور ان تین عظیم صحابہ کے جہاد سے گریز پر حضورؐ پاک کی بائیکاٹ کا ذکر کیا تو فوج سے وابستہ ایک سولین ریٹائرڈ افسر نے میری سب کہانی کو غلط قرار دیا۔ کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ تین دن سے زیادہ ہم مسلمان ایک دوسرے سے بات چیت بند نہ کریں۔ میں ان صاحب کی پہلے بڑی عزت کرتا تھا کہ انہوں نے بابو سے آہستہ آہستہ اوپر ترقی کی۔ کہ میں خود سپاہی بھرتی ہوا۔ لیکن ان کی یہ تحریر بڑی خطرناک تھی کہ مجھ پر "الزام" بھی لگا دیا کہ میں حضور پاکؐ کو صاحب سیف کیوں کہتا ہوں۔ مزید لکھا کہ حضور پاکؐ نے زندگی میں بیس یا بائیس جنگوں میں شرکت کی جس کی اوسط تین سال میں ایک مہم بنتی ہے (قارئین طرز بیان میں سازش کو سمجھیں کہ حضور پاکؐ کے بچپن اور مکی زندگی کو ساتھ شامل کر دیا) اور میرے لحاظ سے یہ فضول بیان ھلال میں شائع نہ کیا جاتا۔ اب ایسے آدمی کو کون سمجھاتا کہ نبوت سے پہلے یا مکی زندگی میں جنگ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اور مدنی زندگی میں دس سال میں سو مہمات یا جنگیں ہوئیں۔ تو اوسط فی سال دس بنتی ہے۔ وغیرہ۔ اور حضور پاکؐ کے صاحب سیف ہونے کے الفاظ مسند احمد میں موجود ہیں۔ اور یہ لڑائیاں ان کے ثبوت میں جاتی ہیں بہتر ہے کہ ایسے آدمی کو صرف یہ کہا جاتا کہ وہ بھی شیخ کلیسیا نواز کی طرح مشرق میں جنگ کو شر سمجھتا ہے۔ یا "برے پہ اگر قاعدہ شیر فاش کرنے والی بات ہے۔ یا وہ شاہیں ہے جو کرگسوں میں پلا ہو" یا حرب، ضرب سے بیگانہ ہے تو اس کو حق و باطل کی جنگ کا کیا سرور آتا ہوگا وغیرہ۔ لیکن اس عاجز نے اس وقت بھی قرآن پاک کے حوالے سے جہاد سے گریز کرنے والوں کی کہانی کو صحیح ثابت کیا اور یہاں بھی حوالے تفصیل سے لکھ دیئے۔ لیکن ایسے بے چارے سولین فوجیوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی "سولین" ہی رہتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ آدمی دو کتابوں کا مصنف ہے۔ ایک کتاب حضور پاکؐ پر اور دوسری اپنے پیر صاحب پر۔ اب ان کتابوں نے کتنی گمراہی پھیلائی ہوگی، کہ یہ آدمی پیر صاحب کا خلیفہ بھی تھا۔ اب سنا ہے خود پیری مریدی کا شغل کرتا ہے۔ تو بے چارے مریدوں کیلئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے علامہ اقبال فرما گئے:۔

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار   شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا   (اقبالؒ)

نتائج و اسباق تبوک کی مہم کو ہماری تاریخ میں جنگ بدر کی طرح اہم حیثیت حاصل ہے۔ حضور پاکؐ کی زندگی میں حق کی یہ آخری بڑی فوجی کارروائی تھی۔ اگر اس کو جنگ تبوک کہہ دیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ مسلمانوں نے شام تک کے علاقے

اور خلیج عقابہ تک کے علاقوں کو اپنا باجگزار بنالیا۔ تبوک سے آگے بھی فوجی مہمیں بھیجی گئیں ۔ اور دنیا کی دو عظیم سلطنتوں کے ساتھ مسلمانوں کا جو ٹکراؤ ہونے والا تھا، اس کی حضور پاکؐ نے بنیاد رکھ دی ۔ فوجی حکمت عملی کا تعین ہو گیا اور آئندہ اردن، فلسطین اور شام کی فتوحات کے لیے جناب صدیق اکبرؓ اور جناب فاروق اعظمؓ نے جو پالیسی اپنائی اس کی بنیاد حضورؐ پاک کے زمانے کی آخری مہم اور حضور پاکؐ کے بعد میں جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کو اس طرف تیار کرنے پر ہے ۔ سفر کے دوران بھی دونوں خلفاء راشدینؓ آپ کے دوش بدوش رہے ۔ بلکہ بعد میں آپؐ نے دونوں عظیم صحابہؓ کو جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر میں بھی شامل کیا۔

پھیلاؤ تبوک کی مہم حق کے پھیلاؤ کے سلسلہ میں بڑے دور رس نتائج کی حامل ہے ۔ حق اس طرف پھیلا ۔ مسلمانوں رعب اس قدر بڑھا کہ اس کے چند ماہ تک دور دور سے قبائل کے وفدوں نے آکر اسلام سیکھنا قبول کیا جس کا ذکر اگلے باب میں ہے۔

مقصد کا حصول حضور پاکؐ کے سامنے ایک مقصد تھا کہ وہ حق کو تمام دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے ۔ معاملات کو گھر سے شروع کیا۔ پہلے ایک نقطہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ وہاں پر وہ نقطہ بڑھا ضرور لیکن زیادہ کام آکر مدینہ منورہ سے شروع کیا کہ مدینہ منورہ کو اسلام کا مستقر بنایا گیا کہ اب ہر فوجی کارروائی اسی ایک مقصد کے لیے تھی کہ حق کس طرح پھیلے اور اس کے یے متحرک طریق جنگ اختیار کیا گیا۔ مہم تبوک اس سلسلہ کی آخری فوجی کارروائی ہے اور ثبوت پیش کرتی ہے کہ بہترین طریقہ جنگ یہی ہے ۔

فوجی مشق اور خطرات کا ٹلنا یہ ایک فوجی مشق بھی تھی اور اتنے بڑے لشکر کی کمانڈ اور کنٹرول کا ایک مظاہرہ حضورؐ پاک نے دنیا کے آئندہ فاتحین کے سامنے رکھا۔ افسوس کہ مورخین حضرات نے اس سلسلہ میں نظم وضبط یا اطاعت امیر وغیرہ کے معاملات پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی کہ گروہ در گروہ کسطرح پیش قدمی ہوتی تھی ۔ پڑاؤ کے وقت کیا حفاظتی اقدام ہوتے تھے البتہ تبوک پہنچ کر لشکر کو جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پھیلایا، یا جناب خالدؓ بن ولید کو اکیدر کے علاقہ پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیجا وہ بڑی اہم کارروائی تھی ۔ تو ان تمام کارروائیوں کیوجہ سے شام کی طرف سے حملوں کے خطرات ٹل گئے ۔

جنگ، جنگ ہے اسلام میں جنگیں حق کو لانے اور باطل کو مٹانے کے لیے لڑی جاتی ہیں ۔ تبوک پہنچ جانے کے بعد اگر رومیوں کا لشکر نہ تھا تو مسلمان واپس آجاتے ۔ عیسائی قبائل کو باجگزار بنانے یا دومۃ الجندل پر چھاپہ مارنے کی کیا ضرورت تھی کہ سخت گرمی میں تبوک تک گئے ۔ تھوڑے آدمی بھیج کر خبر حاصل کر سکتے تھے ۔ اور جو صاحبان یہ لکھتے لکھتے نہیں تھکتے کہ مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کیا گیا یا مدافعانہ کارروائی تھی ان کے لیے مہم تبوک میں یہ اسباق ہے کہ جنگ، جنگ ہے اس میں کوئی مجبوری والی بات نہیں ۔ ہر وقت تیار رہو ۔ دشمن پر رعب بٹھاؤ ۔ دور دور تک متحرک رہو ۔ جہاد سب مسلمانوں پر فرض ہے ۔ اس سے گریز کرنے والا اگر معافی نہ مانگے تو اسلام سے خارج کیا جاسکتا ہے یا اس کو کوئی بھی سزا دی جا سکتی ہے ۔ یعنی معافی مانگنے کے بعد بھی سزا ضرور دی جائے گی باقی موٹے موٹے اسباق اگلے صفحے پر ہیں

ا۔ باطل مسلمانوں کو اندر اور باہر دونوں طرف سے ہر وقت اپنا شر پھیلاتا رہے گا۔ اور ہمیں چوکنا رہنا چاہیئے۔

ب۔ طاقت اور صرف طاقت ہی قوموں کو غیرت کی زندگی بسر کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

ج۔ تمام مسلمان اللہ کی فوج ہیں اور فن سپاہ گری کا سیکھنا ان پر فرض ہے اور جہاد میں شمولیت بھی فرض ہے۔

د۔ زمین کا مطالعہ فوجی تدبیرات کا بنیادی اصول ہے۔ کھلے اور میدانی علاقوں میں متحرک جنگ کی سطح پر ایک سیکشن یعنی دستہ سے اوپر ہوتے ہوتے ایک لشکر یا پوری فوج تک حضور پاکؐ نے اس طرح ترتیب دی کہ دس دس اور پندرہ بیس آدمیوں کے دستے کس طرح زمین کا بہترین استعمال کر کے پہلے مدینہ منورہ کے گرد و نواح پر چھا گئے۔ آج مہم تبوک کے ذریعہ سے یہی مظاہرہ شام کی سرحدوں تک کیا گیا۔ موجودہ ہتھیاروں اور فوجی تدبیرات اور اپنے وسیع تر ایسے ہی کھلے علاقے کو مدنظر رکھتے ان تدبیرات کے مطالعہ سے کس طرح اپنی فوجی حکمت عملی میں ہم جان ڈال سکتے ہیں۔ یہ ایک الگ مضمون ہے

ر۔ سفر کے دوران کے واقعات۔ مدینہ منورہ کی حفاظت، واپسی پر مسجد ضرار کی تباہی حضور پاک کے قدم قدم میں ہمارے لیے اسباق موجود ہیں۔ جس کو ہم اپنی ذاتی اور فوجی زندگی کے لیے نشان راہ بنا سکتے ہیں۔

س۔ حضور پاکؐ مہم پر رجب میں تشریف لے گئے اور رمضان المبارک میں واپس تشریف لائے۔ اس مہم کو مشکل ترین مہم مانا گیا ہے اور روایت ہے کہ قرآن پاک میں جو یہ بیان ہے کہ "جن لوگوں نے تنگی کے وقت آپؐ کی پیروی کی" وہ انہی مجاہدین کی طرف اشارہ ہے۔ سخت گرمی، پیاس کی شدت، پانی کی کمی، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی سوار۔ پھر انہی اونٹوں میں سے کچھ کو ذبح کر کے کھانا۔ تیس ہزار کے لشکر کو کھانا دینے کیلئے آجکل کتنے "بندوبستی دم" کی ضرورت ہے۔ اڑھائی ماہ ریگستانی علاقوں میں یہ بندوبست کیسے کیا۔ اس کی تفصیل نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنی زاد راہ اپنے پاس رکھتا ہوگا۔ بہرحال اسلام ایسے آسانی سے نہیں پھیلا۔ بڑی مشقت کرنا پڑی۔

دے ولولہ شوق جسے لذت پرواز کرسکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج اقبالؒ

۱۱۔ **بنو ثقیف یعنی اہل طائف کا قبول اسلام** جنگ حنین کے موقع پر طائف کے محاصرے اور مکہ مکرمہ میں ادائے عمرہ کے بعد حضورؐ پاک جب مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو طائف کے سردار جناب عروہؓ بن مسعود جو حضرت ابوسفیانؓ کے داماد بھی تھے، نے راستہ میں ملاقات کی۔ جناب عروہؓ کا ذکر ہو چکا ہے کہ طائف کے محاصرہ کے وقت آپ یمن میں گئے ہوئے تھے۔ بہرحال اب وہ اسلام لے آئے۔ اور حضور پاکؐ سے اجازت طلب کر کے اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف لوٹ گئے۔ لیکن ایک دن جب وہ چھت پر کھڑے اذان دے رہے تھے۔ تو کسی نے تیر مار کر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ نے وفات سے پہلے اپنے خون کا قصاص لینے سے منع فرما دیا اور وصیت کی کہ ان کو وہاں دفن کیا جائے۔ جہاں شہدائے اسلام دفن ہیں۔ ان کے بعد ان کے بیٹوں نے مدینہ منورہ جا کر اسلام قبول کر لیا اور پہلے بھی جناب مغیرہؓ بن شعبہ وغیرہ جو ان کے قبیلہ سے تھے اور عظیم صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے، ان کے اسلام کا ذکر اور بنو ثقیف کا تعارف، یا جناب عروہؓ پر اثرات کا ذکر سولھویں باب میں صلح حدیبیہ کے

وقت ہو چکا ہے ۔ بنو ثقیف ، انصار مدینہ کی طرح تو خوش قسمت نہ نکلے ، کہ ساتویں باب میں حضور پاکؐ کے جناب زیدؓ کے ہمراہی میں ان کے ہاں جانے کا ذکر ہو چکا ہے کہ اس وقت ان کی قسمت نے یاوری نہ کی ۔ لیکن اب ان کی قسمت جاگنے والی تھی کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں اور خاص کر ایران کی جنگوں میں جسر کے مقام پر جناب ابو عبید ثقفیؓ اور اس کے قبیلہ کی شہادت پر بیعت ہماری تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھے ہوئے واقعات ہیں ۔ بنو ثقیف جنگجو لوگ تھے لیکن اب بنو ہوازن کے نو مسلم مالکؓ بن عوف ان کی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے ۔ ان حالات اور اپنوں میں سے بھی لوگوں کے اسلام قبول کر لینے سے ، بنو ثقیف بھی اسلام قبول کرنے پر تیار ہو گئے ۔ چنانچہ اپنے ایک سردار عبد یالیل کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے ۔ حضور پاکؐ نے ان کو مسجد کے ایک قبہ میں ٹھہرایا اور مشہور صحابی جناب خالدؓ بن سعید بن العاص کو ان کی مہمانداری کے فرائض عطا فرمائے ۔ ان لوگوں نے اسلام لانے کے لیے عجیب و غریب شرائط پیش کیں جو حسب ذیل ہیں :۔

ا ۔ تین سال تک ان کے بت لات کو نہ توڑا جائے کیونکہ ان کی عورتیں اور بچے اس کے بہت معتقد ہیں ۔

ب ۔ نماز معاف کر دی جائے ۔

ج ۔ ان کے باقی بتوں کو وہ خود نہ توڑیں بلکہ کوئی اور توڑے ۔

حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اسلام میں بغیر کسی شرط کے ہی داخلہ مل سکتا ہے ۔ اور یہاں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے ۔ اس لیے پہلی دو شرطیں اسلام کے بنیادی عقائد کے ہی خلاف ہیں ۔ تیسری کا تعلق وقت اور محل کے ساتھ ہے تو چلو یہ شرط قبول کر لی جاتی ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تم اسلام میں آنا چاہتے ہو تو تمہاری دلجوئی کی جاتی ہے ۔ یہ اصولی بات سن کر بنو ثقیف حیران رہ گئے فوجی ذہن رکھتے تھے بڑے متاثر ہوئے اور اسلام لے آئے ۔ حضور پاکؐ نے نوجوان صحابی عثمانؓ بن ابی العاص کو طائف کا حاکم بنایا اور حضرت ابو سفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ کو لات اور باقی بت توڑنے پر مامور فرمایا ۔ جنہوں نے بتوں کو توڑ دیا اور حضورؐ پاک کے احکام کے مطابق وہاں سے جو دولت ملی اس سے جناب عروہؓ بن مسعود کے بیٹوں کا قرض ادا کیا ۔

۱۲ ۔ **پہلا اسلامی حج** حضور پاکؐ نے جو پہلا عمرہ ادا کیا تھا اس وقت قریش کا مکہ مکرمہ پر قبضہ تھا اور کعبہ میں بت نصب تھے حضور پاکؐ نے طواف اپنے طور پر ادا کیا ۔ لیکن خانہ کعبہ میں ابھی اسلامی طریق کار رائج نہیں ہو سکتے تھے ۔ اس سے اگلے سال فتح مکہ مکرمہ کے وقت ماہ رمضان میں حضور پاک خانہ کعبہ تشریف لے آئے ۔ آپؐ لشکر کے کماندار تھے ۔ کعبہ اللہ کا گھر ہے ۔ اس پر دھاوا بولنا منع ہے ۔ یہاں لڑائی حرام ہے ۔ حضور پاکؐ نے اس وقت فرما دیا تھا کعبہ میرے لیے چند لمحوں کے لیے حلال ہو گیا ۔ اس راز کو فتح مکہ مکرمہ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے کہ حق اہل حق کو قوت کے ساتھ دیکھنا چاہتا تھا ۔ بہر حال اس موقع پر حضورؐ پاک نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا ۔ اللہ کے دربار میں عاجزی کی حجر اسود کو بوسہ دیا ۔ طواف کیا ۔ لیکن باقی لوگوں کو کچھ نہ کہا کہ وہ کیا کریں ۔ اس کے چند ماہ بعد حنین کی جنگ کے بعد آپؐ پھر خانہ کعبہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے ۔ چنانچہ آٹھ ہجری میں حج کے موقع پر حضورؐ پاک کے مقرر کردہ گورنر جناب (عتبہؓ) یا عتابؓ بن اسید وہاں موجود تھے ۔ لیکن لوگوں

نے حج اپنی مرضی کے مطابق ادا کیا اب وقت آگیا تھا کہ اسلام کے اس رکن کو بھی اسلامی طرز پر ادا کیا جائے اور قومی وحدت وفکر و وحدت عمل کا مظاہرہ اور وعدہ اللہ کے گھر میں ایک قوم کی صورت سے کیا جائے۔

جناب صدیقؓ۔ امیر حج چنانچہ نو ہجری میں حج سے چند دن پہلے حضور پاکؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو تین سو کے دستہ کے ساتھ امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ بیس اونٹ قربانی کے اپنی طرف سے دیئے اور پانچ جناب صدیق اکبرؓ نے اپنی طرف سے لیے اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ اب ہر لحاظ سے یہ ایک فوجی کارروائی تھی، کہ جناب صدیقؓ ایک منظم طریقے سے گئے اور مکہ مکرمہ جا کر کچھ احکام نافذ کرنے تھے۔

جناب علیؓ۔ مامور کے طور پہ انہی دنوں سورۃ براۃ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اسلامی حج کے طریق کار کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو ان آیات کے ساتھ بعد میں روانہ کیا، کہ امیر حج تو جناب صدیقؓ اکبر ہی رہیں گے لیکن آپ مامور کا کام کریں گے اور خانہ کعبہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام میری طرف سے پڑھ کر سنا دیں گے، کہ آئندہ کیا طریق کار ہو گا۔ یعنی حج اسلامی طریقہ پر مسلمانوں کے امیر کی ہدایات کے تحت ہو گا۔ سب بدعتیں ختم کرنا ہوں گی۔ اور مشرک یا کافروں کا داخلہ خانہ کعبہ میں بند کر دیا گیا۔ تفرقہ ڈالنے والے کچھ راویوں اور کچھ مورخین نے اس واقعہ پر خوب حاشیہ آرائی بھی کی ہے۔ کہ حضور پاکؐ کی جانشینی کا تفرقہ اسی وجہ سے بڑھا۔ لیکن ہم ایسی فضول بحثوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں، کہ ہم ظاہر لکھ رہے ہیں۔ اور باطن کے پہلو کو سمجھنا اس عاجز کے بس کا روگ نہیں اور ہمارا مقصد فوجی تجزیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس دن سے آج تک خانہ کعبہ میں وہی طریقہ حج رائج ہے اور مسلمان قوم کی وحدت فکر اور وحدت عمل کا سال میں ایک دفعہ ایک عظیم الشان مظاہرہ ہوتا ہے اور ہمیں ایک مرکز کے ماتحت رہنے کی ایک تلقین بھی ہے۔ اسلام کے اولین زمانوں میں اس اجتماع میں کئی قومی معاملات وہاں سلجھائے جاتے تھے۔ میل ملاپ، رابطہ ایک دوسرے کے پرسان حالی کا یہ عظیم طریقہ ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے مسلمان ایک دوسرے کے احوال سے باخبر ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ تفرقے یا غلامی کے زمانے میں بھی اس فریضہ نے ہمیں متحد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور اب پچھلے چند سالوں میں تو پھر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ اسلامی وحدت کے مرکزوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ حج کی عبادت قومی یک جہتی کا ایک ستون ہے، جس پر جہاد کی تیاری کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اگر حج کے موقعہ پر بھی امت واحدہ کے تصور کو اجاگر نہ کیا جائے، تو اسلام بھی دین کی بجائے صرف مذہب ہی کہلائے گا۔

موجودہ حج اس زمانے میں حج کے اجتماع کیا عملی نتائج نکال رہے ہیں، اس پر تبصرہ مشکل ہے۔ اس عاجز کو ۱۹۸۶ء میں یعنی پینسٹھ سال کی عمر میں پہلا حج نصیب ہوا۔ اور صرف ایک حج کے تجربہ کو مدنظر رکھ کر کوئی رائے دینا زیادہ صحیح نہیں، لیکن اتنی گزارش ضرور کروں گا کہ گو عملی طور پر کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا، لیکن روحانی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی رحمت ہے۔ سعودی عرب کی موجودہ حکومت نے ۱۹۸۷ء میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ فریضہ حج کو صرف عبادات تک مخصوص کرنا چاہتے ہیں (واللہ اعلم)۔ اس سب میں کیا راز ہے۔ اور میرے اللہ کو بھی شاید یہی منظور ہے کہ ان دنوں صرف روحانی وحدت مقصود ہے جو

آئندہ کسی عملی وحدت کی بنیاد بن سکے گی۔ گو اس عاجز کے اسلام کے مطالعہ کے مطابق اس حج کے بڑے عملی نتائج ہونے چاہئیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ اور حضورؐ پاک کے جلال و جمال کے چشمے تو جاری نظر آئے۔ لیکن ہم بھیڑ بکریوں کی طرح تھے۔ اور جیسے ہماری نمازیں جلال و جمال سے عاری ہو چکی ہیں۔ حج کی بھی کچھ یہی حالت تھی۔ گو کہیں کہیں سے گڑگڑانے کی آواز سے یہ عاجز کئی دفعہ "چوکنا" ہوا۔ لیکن افسوس اس پر ہوتا تھا کہ ہماری آنکھیں سوکھی ہوئی کیوں ہیں۔ بات بڑی لمبی ہے۔ گڑگڑانے کی کوئی حد نہ رہی بے ادبی کا ڈر بھی لگتا تھا... پس کئی دفعہ خیال آیا، کہ سب حاجی زور زور سے گڑگڑائیں اور ہم مل کر ندامت پہ ندامت کریں۔ تو شاید اللہ تعالیٰ کو کچھ ترس آجائے اور وہ مقلب القلوب ہے شاید ہمیں ہماری عزت اور اتحاد واپس دے دیوے.. کچھ آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن برے شگونوں اور مثالوں کی بھی کوئی حد نہیں۔ ممکن ہے کسی طوفان کے بعد ہمارے حالات ٹھیک ہوں۔

دسویں ہجری نیا سال حضورِ پاکؐ نے زیادہ تر وفود کے ساتھ ملاقاتوں میں گزارہ جو نویں ہجری میں آنے شروع ہو گئے تھے۔ اور اس کی تفصیل اگلے باب میں آتی ہے۔ کچھ حربی مظاہرے یا کارروائیاں بھی ہوئیں۔

۱۳۔ بنی الحارث کو دعوت اسلام (ربیع الثانی ۱۰ ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار اننانوے ہے۔ حضور پاکؐ نے ایک لشکر کے ساتھ حضرت خالدؓ کو نجران روانہ کیا کہ بنو حارث کو دعوت اسلام دیں اور تلوار کا استعمال زیادہ نہ کریں۔ ان لوگوں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ چکا تھا اور یہ لوگ جلد ہی اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔ نجران میں کئی قبیلے آباد تھے۔ اور ان کا ذکر باری باری آرہا ہے۔ ویسے تلوار کے کم استعمال کے الفاظ کی کچھ وجہ تھی کہ خالدؓ "اللہ کی تلوار" تھے، تو استعمال میں اعتدال کی ضرورت تھی۔

۱۴۔ اہل یمن کو دعوت اسلام (رمضان دس ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار نوے ہے۔ حضور پاکؐ نے جناب خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک لشکر کے ساتھ جا کر اہل یمن کو اسلام کی دعوت دیں، لیکن لڑائی سے گریز کریں۔ دعوت کچھ کامیاب نہ ہوئی تو حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو ایک دستہ کے ساتھ بھیجا کہ پورے لشکر کی کمانڈ سنبھال لیں اور اہل یمن کو نئے سرے سے دعوت دیں۔ حضرت علیؓ وہاں تشریف لے گئے اور ان کو اس میں کامیابی نصیب ہوئی۔ کچھ مؤرخین نے اس مہم کو دو حصوں میں بیان کیا ہے۔ کہ یہ مہمات کافی عرصہ جاری رہیں۔ اور جب حضورؐ پاک، سال کے آخر میں حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے، تو جناب خالدؓ اور جناب علیؓ کو بلا بھیجا کہ وہ حجۃ الوداع میں شرکت کریں۔ کچھ راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جناب خالدؓ اختلاف کی وجہ سے کچھ پہلے آگئے اور جناب علیؓ کی شکایت بھی کی۔ اور وقتی طور پر ایسا ممکن ہے۔ کہ سچے آدمیوں میں اختلاف ہوتے ہیں لیکن ہمارے لیے بقول علامہ اقبال "جناب خالدؓ جانباز ہیں اور جناب علیؓ حیدر کرار ہیں" بے شک جناب خالدؓ اللہ کی تلوار ہیں لیکن جناب حیدر کرارؓ کا اپنا مقام ہے۔ اور حضورؐ پاک نے خم غدیر کے موقع پر تمام غلط فہمیاں دور کر دیں۔ اور جناب علیؓ کی شان بیان کر کے حضورؐ پاک نے چہار یار کی بلندیوں پر مہر ثبت کر دی۔ جناب صدیقؓ اور جناب فاروقؓ کی حضورؐ پاک کے ساتھ رفاقت جناب عثمانؓ کا ذوالنورین ہونا اور بیعت رضوان کا سبب بننا۔ اور جناب علیؓ کا ہر جنگ کا دولہا ہونا تو معمولی تعارف ہیں۔ ہر ایک

کی شان پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی ۔ لیکن یہاں جناب علیؑ کا ذکر آ گیا تو کچھ گزارش کرنے کی ہمت ہو رہی ہے ۔
جناب علیؑ، جب یمن کی اس مہم پر جانے لگے تو ذمہ داری نہ صرف فوجی تھی بلکہ فقہ پر بھی عبور کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ جناب علیؑ نے حضور پاکؐ سے عرض کی " یا رسول اللہؐ ! میں فقہی معاملات کیسے نبھاؤں گا " ۔ حضور پاکؐ نے فرمایا ۔ " ذرا میرے قریب آؤ "
جناب علیؑ جب نزدیک آئے تو سرکار دوعالمؐ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کی چھاتی پر پھیر دیا ۔ پھر کیا تھا ۔ چاروں طبق روشن ہو گئے ۔ اور حضور پاکؐ جس علم کا شہر ہیں ، آپ اس کا دروازہ بن گئے ۔ بعد میں صرف بشری تقاضے تھے کہ زندگی گزارتے رہے ورنہ جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا ۔ اور شہر میں صرف دروازہ سے داخلہ ہوتا ہے تب ہی جناب عمرؓ اکثر فرمایا کرتے کہ اللہ کا شکر اے ابن ابی طالبؓ کہ آپ آ گئے ۔ ورنہ میں تباہ ہو جاتا اور یہ لوگ مجھے گمراہ کر دیتے ۔ اور بے شک اصحاب ثلاثہؓ کی ان عظمتوں میں جناب علیؑ کا مشورہ شامل رہا ۔ لیکن افسوس ہم پر ہم میں سے کچھ نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؑ کے برابر کھڑا کر دیا اور کچھ نے اصحاب ۔
ثلاثہؓ کو امیر معاویہؓ کی صف میں کھڑا کر دیا ۔ آپ کی وفات پر جناب امام حسنؓ نے فرمایا ۔ " لوگو! تمہارے بیچ سے آج ایک ایسا آدمی چلا گیا جس جیسا نہ کوئی پہلے تھا اور نہ کوئی بعد میں ہو گا ۔ ہر جنگ میں حضرت جبرئیلؑ آپ کے دائیں اور حضرت میکائیلؑ آپ کے بائیں ہوتے تھے تو کوئی ہتھیار اثر نہ کرتا تھا ۔ " مزید روایت ہے کہ صرف نماز کی حالت میں ہتھیار کا اثر ہو سکتا تھا ۔ اور آپ کے دشمنوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تو قاتل نے ایسی حالت میں وار کیا کہ نماز میں تھے ۔ بہر حال ہمارے لحاظ سے چاروں یار عظیم ہیں ہم ان کی عظمتوں کو سمجھنے کا شعور ہی نہیں رکھتے ۔ یہ عاجزی کا مقام ہے ۔ کہ ہم ان کی بلندیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے ۔ ہمارے لیے یہ مشکل اور پیچیدہ مسائل ہیں: ۔

جس معنیٔ پیچیدہ کی تصدیق کرے دل   قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے   (اقبالؒ)

بائیسواں باب

حق کا پھیلاؤ ۔ حصہ سوم

وفود کی آمد

تمہید نو ہجری اور دس ہجری کو اسلام کی تاریخ میں سنتہ الوفود کے طور پر یاد کیا جاتا ہے ۔ ان سالوں میں متعدد وفود مدینہ منورہ آئے اور ان کے ذریعے ان کے قبائل نے اسلام قبول کیا ۔ مسلمان فوجی دستے بھی اسی طرح مصروف کار رہے اور ان کا پھیلاؤ اب مشرق میں ایران کی سرحد کے ساتھ ہو چکا تھا ، کیونکہ آقا نے اپنی زندگی میں دنیا کی دو عظیم سلطنتوں کے فاتحوں کو مشرق کی طرف کے لیے فوجی حکمت عملی کے سبق بھی ازبر کرا نے تھے ، جس طرح شمال میں اہل روم کے لیے کرا چکے تھے ۔ ان وفود کی آمد یا مسلمانوں کی چاروں اطراف کی پیش قدمی کے چند فوجی پہلو بھی ہیں ۔ اور حضورؐ پاک کے جلال اور فوجی حکمت عملی سے اسلام کو جو وسعت ملی اور حق جس طرح دور دور تک پھیل گیا اس کا مختصر بیان ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا ، وہ طاقت کے بغیر ہونا ناممکن تھا ۔ اس کے لیے مسلمانوں کے کردار نے بھی اہم کام کیا ہے ۔ کہ حضورؐ پاک نے جو اسلامی فلسفہ حیات کی تعلیم دی اور اس سے مسلمانوں میں جو پختگی آئی ، بعض لوگ اسی سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے ۔ لیکن یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ کردار کی یہ پختگی سپاہیانہ اوصاف کی مرہون منت ہے جہاں آدمی خود بھی ربط و ضبط کا مظاہرہ کرے اور اطاعت امیر میں بھی لاجواب مثال پیش کرے ۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے ۔ لیکن کوشش کر کے یہ عاجز اس سلسلہ کی جھلکیاں پیش کرتا رہا ۔ کہ اسلام کس طرح پھیلا ۔ اور مسلمانوں کے کردار نے جو سپاہیانہ رنگ اختیار کر لیا تھا ، اس سے بڑے فائدے ہوئے کہ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے ۔

بامقصد مطالعہ اب وفود کی مدینہ منورہ میں آمد کی آخر کوئی وجہ ہو گی کہ نزدیک سے یا اتنا دور سے ان کو کیا چیز کھینچ لائی ۔ وہ کون تھے ؟ ۔ کہاں رہتے تھے ؟ ۔ مسلمانوں کے ساتھ کب رابطہ پیدا ہوا ؟ ۔ پھر ان کو اسلام میں آنے سے اسلام کو کتنا پھیلاؤ نصیب ہوا ؟ ۔ اور ان قبائل نے آئندہ اسلام کی جنگوں میں کتنا حصہ لیا ؟ ۔ اپنی موجودہ تاریخیں اٹھا کر دیکھ لیں بعض میں تو قبائل کا کوئی ذکر نہ ملے گا ۔ اور مولانا شبلیؒ جیسے عظیم مؤرخ نے دس بارہ قبائل کے وفود کا ذکر کر دیا کہ وہ آئے ۔ کس لئے اس کا ذکر نہیں ۔ بہر حال اسد گیلانی نے اپنی کتاب میں وفود کا ذکر ضرور کیا ، لیکن وہاں باقی حالات نہیں ، کہ تانے بانے ملائے جائیں ، کہ یہ لوگ کیوں آئے ۔ یا نقوش کے رسول نمبر میں وفود کا کئی دفعہ ذکر ہوا ۔ لیکن جغرافیہ یا رابطے اور نتائج کا بامقصد مطالعہ کہیں نظر نہیں آتا یہ عاجز بھی اپنی تحقیق کو زیادہ وسعت تو نہیں دے سکا کہ بعض سوالوں کے جواب کسی پرانی تاریخ میں بھی نظر نہ آئے ۔ لیکن اس سلسلہ میں بامقصد مطالعہ کی طرح ضرور ڈال رہا ہے ، کہ حضورؐ پاک اپنے زمانے میں کیا کچھ کر گئے ۔ کہ ہر وفد کے آنے کے تانے ۔ بانے ملائے یا ان کی مشہور شخصیتوں کو ڈھونڈ نکالا ۔

چوتھا باب اور نقشہ سوم قارئین کو اب چوتھے باب اور نقشہ سوم کو دوبارہ درمیان میں لانا ہوگا، جہاں پر عرب سرزمین کے بڑے بڑے قبائل کا ذکر ہو چکا ہے اور جغرافیائی طور پر کچھ قبائل کا علاقہ بھی دکھایا گیا ہے۔ ہم اس باب میں کچھ چھوٹے قبائل کا ذکر بھی کریں گے، اور اگر ایسے قبائل کا ذکر نہ ہو تو ان کے بڑے قبیلہ کا ذکر کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ عرب کے رواج کے مطابق ایک آدمی چھوٹے قبیلہ کی وجہ سے بھی پہچانا جاتا تھا اور بڑے قبیلہ کی وجہ سے بھی۔ جیسے حضورؐ پاک ہاشمی بھی ہیں۔ قریشی بھی ہیں۔ بلکہ نزار اور مضر وغیرہ کی وجہ سے نزاری اور مضری بھی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ وفود نویں اور دسویں ہجری سے پہلے بھی آتے رہے۔ اور وفود کی تعداد بھی ستر کے قریب بنتی ہے، جو بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن کوشش کے باوجود چند قبائل کا جغرافیائی پہلو معلوم نہ ہو سکا۔ بہرحال باقی کوشش آپ لوگوں کے سامنے ہے۔

۱۔ وفد مزنیہ ابن سعد کے مطابق، مدینہ منورہ میں سب سے پہلا وفد جو حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پانچ ہجری کی بات ہے اور یہ وفد قبیلہ مزنیہ کے چار سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ قبیلہ بھی بڑے قبیلہ مضری کی ایک شاخ تھا۔ ان لوگوں کو اپنے مکانوں میں رہنے کی اجازت بھی مل گئی اور ساتھ ہی ان کی ہجرت کو تسلیم کر لیا گیا، تو دراصل بات یہ ہے کہ یہ قبیلہ مدینہ منورہ کے نزدیک ہی رہتا تھا۔ بلکہ اس قبیلہ کے جناب عبیدؓ بن اوس نے جنگ بدر میں شرکت کی تو دو قیدیوں کو ایک رسی کے ساتھ باندھا، تو نام "مقرن" یعنی باندھنے والا پڑ گیا۔ بہرحال چار سو کا وفد بعد میں آیا۔ جن میں ان کے بیٹے نعمانؓ اور جناب خزاعیؓ قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جنگ خندق سے پہلے مدینہ منورہ آئے اور ضرورت کے وقت مسلمانوں کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہو سکتے تھے۔ تب ہی جنگ احد کے سات سو مجاہدین کی بجائے جنگ خندق میں مجاہدین کی تعداد تین ہزار تھی۔ تو ثابت ہوا کہ انصار مدینہ کے بعد قبیلہ مزنیہ کو اسلام کی تاریخ میں اولین حیثیت حاصل ہے اور انہوں نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی خاص کر جب حضورؐ پاک کی وفات کے بعد باغیوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، تو انہی جناب مقرنؓ کے تین بیٹوں اور خاندان نے باغیوں پر بھرپور جوابی حملے کیئے۔ جناب مقرنؓ کے دس بیٹے تھے جن میں جناب نعمانؓ فاتح نہاوند کے علاوہ جناب سویدؓ، جناب نعیمؓ، جناب ضرارؓ، جناب معقلؓ، اور جناب عبداللہؓ بہت مشہور ہوئے۔ زیادہ تفصیل راقم کی خلفاء راشدین کی کتابوں میں ہے۔

۲۔ بنو اسد کا قبول اسلام نو ہجری کے شروع میں بنو اسد کے دس قبائل یا چھوٹے گروہوں سے ایک وفد، مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سارے قبیلہ کے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔ یہ لوگ کچھ غلط فہمی میں بھی تھے کہ وہ اسلام پر بڑا احسان کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں ایک ذکر جو موجود ہے، خیال ہے کہ وہ انہی لوگوں کے لیے ہے اور وہ یہ ہے "لوگ اپنے اسلام کا آپؐ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپؐ فرما دیجیئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ۔ بلکہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان عطا فرمایا"۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔ یہ عاجز خود بڑی غلط فہمی میں رہا کہ فلاں قوم بڑی اچھی تھی۔ اگر اسلام میں آجاتی تو اسلام کی بڑی خدمت ہوتی۔ لیکن یہ پڑھنے کے بعد یہ وارد ہوا کہ بد قسمت تھے۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس عاجز کو اپنے حبیبؐ کی امت میں پیدا کیا۔ بنو اسد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ لوگ بزوخا اور اوجا پہاڑ کے نزدیک

آباد تھے۔ لیکن ان کی کئی شاخیں مدینہ منورہ کے نزدیک تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے خلاف پہلی کارروائی "قطن کی مہم" ہے جس کا ذکر تیرھویں باب میں ہوا۔ پھر چودھویں باب "جنگ خندق" کے وقت بنو اسد، طلیحہ بن خویلد کے ماتحت مسلمانوں کے خلاف بنو غطفان کے حلیف کے طور پر شامل ہوئے۔ چھ ہجری میں مسلمانوں نے بنو اسد کے خلاف کارروائی کی، جس کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔ پھر فتح مکہ و جنگ حنین سے واپسی کے بعد بھی ربیع الثانی نو ہجری میں جناب عکاشہؓ بن محصن کو بنو اسد کے علاقے میں حربی مظاہرہ کیلئے بھیجا گیا، جس کا ذکر اکیسویں باب میں کیا گیا ہے اور یہ اس کا نتیجہ تھا۔ کہ اب بنو اسد کا اتنا بڑا وفد آیا۔

اس وفد میں طلیحہ بن خویلد بھی تھا اور جناب ضرارؓ بن ازور بھی۔ حضورؐ پاک نے جناب ضرارؓ کو عامل مقرر فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد طلیحہ جو کاہن قسم کا آدمی تھا، نہ صرف مرتد ہو گیا بلکہ نبوت کا دعوی بھی کر دیا۔ اور بنو فزارہ کے عینیہ بن حصن کو بھی ساتھ ملا لیا۔ جناب صدیقؓ کی خلافت میں جناب خالدؓ کے ہاتھوں شکست کے بعد مسلمان ہوا۔ اور پھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ فاتح نہاوند جناب نعمانؓ کے ساتھ شہیدوں کے قبرستان میں دفن ہے۔ جناب ضرارؓ بن الازور اور ان کے قبیلہ کے کافی لوگ البتہ وفادار رہے اور آج بھی شام کی فتوحات میں جناب ضرارؓ اور آپ کی بہن خولہؓ اور باقی رشتہ داروں کے کارنامے ہماری تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھے ہوئے ہیں۔

۳۔ **وفد تمیم** قبیلہ تمیم، بطاح کے علاقے میں آباد تھا۔ جو بزوخا اور یمامہ کے درمیان کا علاقہ ہے۔ تبلیغ کے ذریعہ سے بنو تمیم نے فتح مکہ سے پہلے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن جب حضورؐ پاک کے محصل زکوۃ، جناب بشیرؓ بن سفیان ان کے پاس گئے تو ان لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آٹھ ہجری میں پچاس سواروں کے ساتھ عینیہ بن حصن کو بنو تمیم کی ایک شاخ بنو الانبار کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا۔ اس کا ذکر اٹھارویں باب میں ہو چکا ہے۔ البتہ ابن سعد کے مطابق یہ کارروائی محرم نو ہجری کی ہے۔ ممکن ہے عینیہ دو دفعہ وہاں گیا ہو۔ کہ یہ ذکر بھی ہے کہ عینیہ ان کے گیارہ مرد۔ گیارہ عورتیں اور تین بچوں کو بھی گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک وفد آٹھ آدمیوں کا آیا۔ اس لئے دو کار۔ وائیوں اور دو مختلف اوقات پر وفود آنے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ذکر بھی ہے کہ ان لوگوں کو یعنی بنو تمیم کے روساء کو اپنی فصاحت اور بلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ لیکن قرآن پاک کی کلام سن کر اپنی فصاحت کو بھول گئے۔ کہ قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ۔ "جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں" انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضورؐ پاک کی وفات کے بعد اس قبیلہ کے سردار مالک بن نویرہ نے زکاۃ کی رقم اکٹھی کر کے اپنے پاس رکھ لی۔ مالک کا تعلق چھوٹے قبیلہ بنو حنظلہ سے تھا، جو قبیلہ تمیم کے ایک بڑے قبیلہ یعنی یربوع کی شاخ سے تھا۔ اور اس بنی یربوع کے حارث بن سوید کی ایک لڑکی سجاح تھی، جو ماں کی طرف سے بنو تغلب کے ساتھ منسلک تھی۔ اس نے بھی نبوت کا دعوی کر لیا۔ اور مالک کے ساتھ اتحاد کر لیا، کہ اس کے قبیلہ سے تھا۔ پوری کہانی خلفاء راشدین کی کتابوں میں ہے۔ اور مالک کو اپنے کئے کی سزا

ضرور ملی - لیکن وہ بات بھی صحیح نہیں، جو اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم نے مالک کی بیوی - لیلیٰ اور سجاح کے گرد افسانوی اور رومانوی رنگ پھر دیا ہے اور خاص کر سجاح اور مسیلمہ کذاب کے رومانس کا جو نظارہ پیش کیا - ایسا ذکر کسی تاریخ کی کتاب میں تو نہیں - البتہ کوک شاستر کی قسم کی ایک کتاب باغ و بہار میں ضرور ہے - جس کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ ہو کر اس کو "پرفیومڈ گارڈن" کہتے ہیں - اس کے علاوہ جنرل اکرم نے مالک کی بیوی لیلیٰ کی خوبصورت ٹانگوں کے جو گن گائے ہیں - وہ ان پر ٹامی انگریزوں کے ساتھ نوکری کرنے کے اثرات کیوجہ سے ہے کہ وہ لوگ عورت کو کہتے ہی Legs تھے - ایشیا کے ملکوں میں جہاں عورتیں ٹانگیں ڈھانپ کر رکھتی ہیں - تو یہاں ٹانگوں کی خوبصورتی کا ذکر نہیں ہوتا - اسلئے انہوں نے جناب عمرؓ کی خالدؓ کے ساتھ ناراضگی یا شکایت کو لیلیٰ کیوجہ سے افسانوی رنگ دیا - وہ تاریخی بات نہیں - اور ویسے بھی جناب خالدؓ جناب عمرؓ کی والدہ کے چچے کے بیٹے تھے - اور ان میں جھگڑا جنرل اکرم کی ذہنی اختراع ہے - بہر حال بنو تمیم کے جناب اقرعؓ بن جابس، جناب ابرقانؓ بن بدر، اور جناب مسیقؓ بن عاصم جیسے رئیس اپنے اسلام پر قائم رہے - لیکن جو اسلام کی خدمت اس قبیلے کو دو بھائیوں جناب قعقاعؓ اور جناب عاصمؓ پسران عمرو نے کی ایسی مثال اور کوئی نہیں ملتی - دونوں بھائی اسلام کے درخشندہ ستارے تھے -

۴ - **وفد عبس** اس قبیلہ نے جو کچھ کیا، اس کو ہم اسلام کی فوجی کارروائی شمار اکانوے بھی کہیں گے - بنو عبس کا چھوٹا سا قبیلہ مدینہ منورہ کے نزدیک ہی آباد تھا - اور یہ لوگ جنگ خندق سے پہلے اسلام لے آئے - بلکہ انہی دنوں میں اس قبیلہ نے عظیم صحابی جناب طلحہؓ بن عبیداللہ کی سرداری میں قریش کے ایسے تجارتی قافلے پر چھاپہ بھی مارا جو عراق والا راستہ اختیار کر کے ملک شام جا رہا تھا - جن دنوں ان کے قبیلہ کا وفد آیا - ان دنوں ہجرت کرنا بھی فرض تھا، کہ مسلمان اکٹھے ہو کر طاقت پکڑیں لیکن حضورؐ پاک نے ان کو اپنے علاقہ میں رہنے کی اجازت دے دی - صرف رابطہ کیلئے چند صحابی مدینہ منورہ میں رہتے تھے - قبیلہ مزینہ کے بعد یہ اب تیسرا قبیلہ ہو گا جو اسلام لانے والوں میں ترجیحی طور پر اتنا اوپر ہے -

۵ - **وفد فزارہ** یہ قبیلہ کسی زیادہ تعارف کا محتاج نہیں، کہ بنو غطفان کا ایک حصہ تھا - اور اپنے ایک سردار عینیہ بن حصن کے سرداری میں اکثر مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار رہا - اسی وجہ سے عینیہ اور اس کے قبیلہ کا تعارف بہت پہلے تیرہویں باب میں لکھ دیا گیا تھا - بعد میں عینیہ کا کفار کی ہمراہی میں جنگ خندق کے وقت مسلمانوں پر حملہ - پھر مسلمان ہونا اور بنو تمیم کے خلاف کارروائی کا ذکر اٹھارویں باب میں بھی ہو چکا ہے - بہر حال حضورؐ پاک جب تبوک کی مہم سے واپس تشریف لے آئے، تو عینیہ کا بھائی خارجہ، تیس آدمیوں کے ہمراہ حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا، اور قحط سالی کیوجہ سے بارش کیلئے دعا کروائی - حضورؐ پاک کی دعا سے بڑی بارش ہوئی - اور اس کے قبیلہ کے عام لوگوں میں اسلام رچ بس گیا - گو حضورؐ پاک کی وفات کے بعد عینیہ ایک دفعہ پھر مرتد ہوا - اور قبیلہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر جھوٹی نبوت والے بنو اسد کے طلیحہ کی پیروی شروع کر دی، جس کا ابھی ذکر ہوا ہے - وہاں سے شکست کے بعد پھر معافی مانگی اور آخر کار مسلمان ہو کر مرا - اور اس کی ایک بیٹی بھی خلیفہ سوم کے نکاح میں تھی - بنو فزارہ بڑے سخت جان تھے اور خلفاء راشدین کے زمانے میں ان کے اکثر لوگوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی -

۶۔ وفد مرہ بنو مرہ فدک کے نزدیک آباد تھے۔اور بنو ثعلبہ یا بنو فزارہ کی طرح یہ لوگ بھی بنو غطفان کا ایک چھوٹا قبیلہ تھے ان کے خلاف جناب بشیرؓ کی کارروائی کا ذکر سترھویں باب میں ہو چکا ہے کہ شعبان سات ہجری میں ان کی شرارتوں کی وجہ سے ان کے مزاج درست کیئے گئے۔تبوک کی مہم کے بعد یہ لوگ بھی وفد کی صورت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔اسلام لے آئے۔ اور بارش کیلئے دعاء کروائی ۔ بارش ہو جانے کے بعد ان کا اسلام کچھ پکا ہو گیا ۔ حضورؐ پاک نے ان کے رئیس جناب حارثؓ بن عوف کو ہی ان کا امیر رہنے دیا۔

۷۔ وفد بنو ثعلبہ بنو غطفان کا یہ چھوٹا قبیلہ مدینہ منورہ کے نزدیک ذوقصہ کے مقام تک پھیلا ہوا تھا۔اس قبیلہ کے خلاف ربیع الثانی چھ ہجری میں جناب محمدؓ بن مسلمہ اور جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کی الگ الگ دو کارروائیوں کا ذکر پندرھویں باب میں ہو چکا ہے۔اس کے بعد بھی مسلمان جب کبھی وادی القریٰ یا خیبر کی طرف جاتے تھے تو ان کے علاقے سے گزر ہوتا رہا۔اور یہ لوگ تتر بتر ہو جاتے تھے۔فتح مکہ کی خبر سن کر ان لوگوں نے بھی اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔لیکن حضورؐ پاک کی خدمت میں یہ لوگ جعرانہ کے مقام پر حاضر ہوئے ، جس کا ذکر ہو چکا ہے کہ آپؐ جنگ حنین کے بعد وہاں کچھ دنوں کیلئے قیام پذیر ہوئے۔ بنو ثعلبہ اسلام لے آئے اور پھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔

۸۔ وفد بنو محارب بنو محارب ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا جو بنو مرہ اور بنو ثعلبہ کی طرح بنو غطفان کا حصہ تھا اور انہی علاقوں میں رہتا تھا۔مسلمانوں نے ان علاقوں میں کافی حربی کارروائیاں کیں۔یا اسلامی فوجی دستے ان علاقوں سے گزرتے تھے۔تو بنو محارب کے اکا دکا لوگ مسلمان ہوتے رہے۔پندرھویں باب میں جو کرزؓ بن جابر کی مہم کا ذکر ہے اور حضورؐ پاک کے جس چرواہے جناب یاسرؓ کو شہید کیا گیا۔وہ بھی بنو محارب سے تھے۔بہر حال حجتہ الوداع کے وقت اس قبیلہ کا دس آدمیوں کا وفد جناب سواءؓ اور ان کے بیٹے جناب خزیمہؓ کی سرکردگی میں حاضر ہوا۔اپنے اسلام کا اعلان کیا۔اور حضورؐ پاک سے خاص دعا کے متمنی ہوئے۔حضورؐ پاک نے جناب خزیمہؓ کے چہرے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر کر اس کے دل اور چہرے کو روشن کر دیا۔اور اس قبیلہ کے لوگ بعد میں بھی وفادار رہے۔

۹۔ وفد بنو سعد بن بکر یہ قبیلہ بڑے قبیلہ بنو ہوازن کا حصہ ہے۔اور انہی کے ہاں حضورؐ پاک نے اپنی رضاعیت کا وقت گزارا۔پانچ ہجری میں اس قبیلہ کے جناب ضمامؓ بن ثعلبہ ، حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور بڑے سخت سوالوں کے بعد اسلام لے آئے۔واپس اپنے قبیلہ میں جا کر اپنے کنبہ اور رشتہ داروں کو تو مسلمان کر سکے۔لیکن قبیلہ کے زیادہ لوگوں پر اثر نہ ڈال سکے۔آپ بڑے بہادر اور نڈر تھے اور اپنے علاقے کے تمام بتوں کو توڑ دیا۔آپ کا باقی قبیلہ البتہ جنگ حنین کے بعد اسلام لے آیا، جس کا ذکر بیسویں باب میں ہو چکا ہے۔

۱۰۔ وفد بنو کلاب قارئین سے گزارش ہے کہ بنو کلب اور بنو کلاب دو الگ الگ قبیلے ہیں اور کاتبوں کی غلطی سے اکثر کتابوں میں ایک کی جگہ دوسرا لکھا ہوا ملے گا۔اس لیے یہاں وضاحت کر دی گئی ہے۔بہر حال اکیسویں باب میں ربیع الاول

نو ہجری میں حضورؐ پاک کے جناب ضحاکؓ بن عامر کو بنو کلاب کو دعوت اسلام دینے اور وہاں جنگ کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اس کے نتیجہ کے طور پر بنو کلاب نے تیرہ آدمیوں کا ایک وفد حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا ۔ جنہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا ۔ ان میں جناب لبیدؓ بن ربیعہ اور جناب جبارؓ بن سلمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ ان کو قبیلے کے بڑے تسلیم کر لیا گیا ۔ بعد میں اس قبیلہ کا ایک اور رئیس عمروؓ بن مالک بھی حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور واپس جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دے کر کافی لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ۔ لیکن اس کے سامنے ایک اور مقصد بھی تھا ۔ کہ اپنے قبیلہ کے ایک چھوٹے خاندان کے عقیلؓ بن کعب پر وہ حملہ کرنا چاہتا تھا ۔ اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا بھی ۔ جس سے ایک جنگ چھڑ گئی ۔ حضور پاکؐ کو یہ بات سخت ناپسند آئی کہ آپ جناب عقیلؓ کو پہلے ہی امان دے چکے تھے ۔ بہر حال عمرو بعد میں اپنی غلطی کے سلسلہ میں معافی کا خواستگار ہوا ۔ جو مل ضرور گئی لیکن اس کو کچھ جرمانہ ضرور ادا کرنا پڑا ۔ جیسا بیسویں باب میں ذکر ہے بنو کلاب بھی بنو ہوازن کا چھوٹا قبیلہ تھے ۔

۱۱ ۔ وفد عقیلؓ بن کعب جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جناب عقیلؓ کافی پہلے حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قبیلہ کیلئے ایک قطعہ زمین بھی حاصل کر چکے تھے ۔ اور سرخ چمڑے پر اس سلسلہ میں جو تحریر موجود تھی اس کو ہر زمانے میں مسلمانوں نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور جناب عقیلؓ کا خاندان اس زمین پر قابض رہا ۔

۱۲ ۔ وفد جعدہ اور وفد قشیر بنو جعدہ کے الرقادؓ بن عمرو ، حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے فلج کے مقام پر انہیں ایک جائیداد عطا فرمائی اور ایک فرمان بھی تحریر کر دیا ۔ انہی دنوں بنو قشیر سے ثورؓ بن عروہ اور قرۃؓ بن ھبیرہ وغیرہ حاضر ہوئے ، تو انہیں بھی حضورؐ پاک نے ایک قطعہ زمین عطا فرمایا ۔ اور قرۃؓ کو ایک چادر اوڑھائی اور ان کو ان کی قوم کے محصل زکوۃ بنا دیا ۔ یہ واقعات جنگ حنین کے بعد اور حجۃ الوداع سے پہلے کے ہیں ۔ اور اس سلسلہ میں قرۃؓ نے بڑی پیاری نظمیں بھی کہی ہیں ۔

۱۳ ۔ وفد بنی البکاء بنی البکاء ۔ بنی عامر بن صعصہ کا ایک چھوٹا قبیلہ تھا ۔ جس کے چند افراد حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ جن میں سو سال بوڑھا جناب معاویہؓ اور ان کے بیٹے بشرؓ بھی تھے ۔ جناب معاویہؓ جو نابینا ہو چکے تھے انہوں نے حضورؐ پاک کے بدن مبارک کو چھو کر اپنے دل کو ٹھنڈا کیا اور بیٹے بشرؓ اور خاندان کے لئے دعا کرائی ۔ اور اس کے بعد قحط سالی کی مصیبت سے بچتے رہے ۔ ساتھ مجیعؓ بن عبداللہ تھے ۔ ان کو اور ان کے تابعین کو تحریری امان دی ۔ ایک اور بڑے جناب عبدؓ عمر تھے جن کا نام حضورؐ پاک نے تبدیل کر کے عبدالرحمنؓ رکھا اور ان کو اصحاب صفہ میں شامل کر دیا ۔

۱۴ ۔ وفد بنو کنانہ تبوک کی مہم سے پہلے بنو کنانہ سے جناب واثلہؓ بن الاسقع ، حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے ۔ گو ان کے والد کو یہ بات پسند نہ تھی ۔ لیکن ان کی ایک بہن بھی اسلام لے آئی ۔ جناب واثلہؓ ، جناب کعبؓ بن عجرہ کے اونٹ پر سوار ہو کر تبوک کی مہم میں شریک ہوئے اور جناب خالدؓ کے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل بھی گئے ۔ آپ کو جو مال غنیمت ملا ، آپؓ نے وہ سب جناب کعبؓ کو پیش کر دیا ۔ لیکن جناب کعبؓ نے فرمایا کہ انہوں نے جناب واثلہؓ کی مدد اللہ واسطے کی ہے اور ان کو مال واپس کر دیا ۔ اس کے بعد جناب واثلہؓ نے اپنے قبیلہ میں بہت تبلیغ کی اور ان کی وجہ سے کئی لوگ دائرہ اسلام

ہیں داخل ہوئے ۔ بنو کنانہ مکہ مکرمہ کے گردونواح میں رہتے تھے اور جنگ خندق تک کفار قریش کے حلیف رہے ۔ لیکن بعد میں اکا دکا اسلام میں شامل ہونا شروع ہو گئے ۔ اور حجتہ الوداع تک تقریباً سارا قبیلہ اسلام کے دائرے میں شریک ہو چکا تھا ۔ بنو کنانہ زمانہ جاہلیت میں بھی کافی با اثر تھے ۔ چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ جناب قصیٰ کو بنو خزاعہ سے خانہ کعبہ کی متولیت واپس دلانے میں بنو کنانہ نے ثالثی کا کام کیا تھا ۔

۱۵ ۔ وفد بنو اشجع یہ قبیلہ ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی علاقوں میں پھیلا ہوا تھا ۔ یہ قبیلہ پانچ ہجری میں اسلام کی آغوش میں داخل ہو گیا ۔ ایک روایت کے مطابق اس قبیلہ کے سو افراد ، اور دوسری روایت کے مطابق سات سو افراد ، مدینہ منورہ آئے اور اپنے سردار جناب مسعودؓ بن رحیلہ کی سرکردگی میں سلع پہاڑی کے نزدیک قیام کیا اور اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا ۔ مورخین کے لحاظ سے یہ واقعہ بنو قریظہ کے قلع قمع کے جلد بعد پانچویں ہجری کے آخری مہینہ کا ہے ۔ بہرحال یہ عیاں ہے کہ بنو اشجع دل سے مسلمانوں کے ساتھ تھے کہ انہی جناب مسعودؓ کے بیٹے جناب نعیمؓ نے جنگ خندق کے وقت قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوائی اور اس کا ذکر چودھویں باب میں ہو چکا ہے

۱۶ ۔ وفد بنو باہلہ بنو باہلہ مکہ مکرمہ کے نزدیک ہی آباد ایک چھوٹا قبیلہ تھا ۔ فتح مکہ کے بعد پہلے اس قبیلہ کے جناب طرفؓ بن الکاہن اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آئے اور اسلام لائے ۔ بعد میں جناب نہشلؓ بن مالک بھی آئے اور اسلام لائے دونوں کو حضورؐ پاک نے الگ الگ صدقات اور شرائع اسلام پر فرمان لکھ دیئے ، جو جناب عثمانؓ بن عفان نے لکھے ۔ اور ان لوگوں کی اولاد نے یہ فرمان اپنے پاس تبرک کے طور پر رکھے ۔ اس قبیلہ کے جناب ابو امامہؓ کا شمار بھی عظیم صحابہ میں ہوتا ہے

۱۷ ۔ وفد بنو سلیم مکہ مکرمہ کے باہر قبائل میں سے بنو اسد اور بنو سلیم دو قبائل کو اب تک بہت ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار بھی رہے ۔ بنو سلیم کے جغرافیائی پہلو کا ذکر تیرھویں باب میں کر دیا گیا تھا ۔ پھر جنگ خندق کے وقت بنو سلیم اپنے سردار سفیان بن عبد شمس کے تحت قریش کفار مکہ کے حلیف کے طور پر آئے جس کا ذکر چودھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ پندرھویں باب میں جموم کی مہم بھی بنو سلیم کے ہی خلاف تھی ۔ اس کے بعد سترھویں باب میں ذوالحجہ سات ہجری میں بنو سلیم کے ظلم کا بھی ذکر ہو چکا ہے ۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ راست پر لگا دیا ۔ چنانچہ اس قبیلہ سے سب سے پہلے جناب قیسؓ بن نسیبہ کو اسلام لانے کی سعادت نصیب ہوئی اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ۔ بعد میں غادیؓ بن عبدالعزیٰ آئے اور اسلام لائے ۔ جن کا نام حضورؐ پاک نے راشدؓ بن عبد کر دیا ۔ کہ غادی ۔ گمراہ کو کہتے ہیں اور راشد ۔ ہدایت یافتہ کو ۔ فتح مکہ سے تھوڑا پہلے جناب قدرؓ بن عمار آئے ۔ اور حضورؐ پاک کو ایک ہزار مجاہدین کی پیش کش کی جو اپنے اسلام کا بھی اعلان کریں گے ۔ یہ لوگ کدید کے مقام پر لشکر اسلام میں شامل ہوئے اور ان میں جناب عباسؓ بن مرداس ، جناب جبارؓ بن الحکم اور جناب اخنسؓ بن یزید وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ جو تین تین سو کے دستہ پر چھوٹے امیر تھے ۔ فتح مکہ کے بعد یہ لوگ جنگ حنین میں بھی جناب خالدؓ بن ولید کے ماتحت جیش المقدم کے طور پر شریک ہوئے تھے ۔ لیکن جیسا کہ انیسویں باب میں ذکر ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد جناب خالدؓ

کو اس قبیلہ کے باقی لوگوں کو بھی اسلام میں شامل ہونے کی دعوت دینے کیلئے بھی ایک دستہ کے ساتھ ان کے علاقہ میں جانا پڑا۔ بہر حال حضورؐ پاک کی وفات کے بعد بنو سلیم نے اپنے ایک اور سردار عمرو بن عبدالعزیٰ جو شاعر تھا اور ابو شجرہ تخلص کرتا تھا، اس کے تحت بغاوت کی۔ لیکن جلد ہتھیار ڈالنا پڑے اور اس کے بعد اس قبیلہ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔

۱۸۔ وفد بن ھلال بنی ھلال، قبیلہ ہوازن کا ایک چھوٹا قبیلہ ہے، جس کا ذکر بیسویں باب میں جنگ حنین کے وقت ہو چکا ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ جنگ حنین کے بعد اس قبیلہ کے جناب زیادؓ بن عبداللہ جو ام المومنین میمونہؓ کے بھانجے تھے، وہ بھی ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ پاک نے ان کیلئے دعا، فرمائی۔ جس کے بعد ان کے چہرے پر ایسی برکت آگئی کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا۔ اس سے پہلے اس قبیلہ کے جناب قبیصہؓ بن المخارق اور جناب عبدعوفؓ بن اصرم بھی وفود کے ساتھ حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ حضورؐ پاک نے عبدعوف کا نام "عبداللہؓ" کر دیا کہ عوف اچھا لفظ نہیں اور انسان صرف اللہ کا بندہ یا غلام ہے۔ بہر حال یہ نکتہ بڑا ضروری ہے کہ نام ہمیشہ بامعنی اور اچھے معنی والا ہونا چاہیئے

۱۹۔ وفد بنو عامر بن صعصعہ عامر بن صعصعہ کی اولاد سے، جو لوگ نجد کے علاقے میں پھیل کر آباد ہیں۔ ان میں سے کئی لوگ یا وفد، حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ابھی ابھی اس سلسلہ میں بنو البکا کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان سب آنے والوں میں بدقسمت ترین عامر بن طفیل تھا جو حقوق مانگتا تھا، کہ حضورؐ پاک کے بعد خلافت اس کو ملے یا شہروں کی آمدنی باقی مسلمانوں کو جائے، اور تمام دیہات کی آمدنی اس کو ملے۔ چنانچہ یہ بدقسمت اپنے ساتھیوں سمیت اسلام کے نور سے اپنے سینہ کو منور نہ کر سکا۔ بلکہ حضورؐ پاک کو کچھ دھمکیاں بھی دیں۔ تو اسکی زبان بکری کے تھن کی طرح سوج کر اس کے حلق میں لٹک پڑی اور بری حالت میں مر گیا۔ البتہ اس قبیلہ سے بعد میں جو وفود آئے ان میں جناب علقمہؓ بن علاثہ اور جناب ھوذہؓ بن خالد قابل ذکر ہیں جو خود بھی اسلام لے آئے اور اپنے قبائل کو بھی راہ راست پر لے آئے۔

۲۰۔ وفد بنو ثقیف ان کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے

۲۱۔ وفد عبد القیس بنو عبدالقیس بڑے قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اور یہ قبیلہ بحرین میں آباد تھا۔ فتح مکہ مکرمہ کے بعد وہاں سے بیس آدمیوں کا وفد آیا، جو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ ان میں ایک صاحب جناب عبداللہؓ بن عوف اشج بھی تھے۔ حضورؐ پاک نے از خود ان کے بارے پرسش کی۔ کہ ان کی ظاہری شکل اتنی اچھی نہ تھی، تو حضورؐ پاک نے ان کو پکارا اور فرمایا۔ "اے عبداللہ! خوش ہو جاؤ۔ اپنی ظاہری شکل پر مت جاؤ۔ اللہ تعالی نے تمہیں دو نعمتیں عطا فرما دی ہیں۔ ایک حلم دوسرا وقار"۔ جناب عبداللہؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ" کیا یہ چیز پیدا ہو گئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی"۔ حضورؐ پاک نے فرمایا۔ "تمہاری خلقت اسی پر ہوئی" یہاں اتنے تبصرے کی اجازت ہو کہ بے شک چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن خلقت بھی عطا ہے اور وہ بھی یعنی پیدا ہونا بھی عطا ہے۔ اور قضا و قدر پر پہلے ابواب میں حقیقت بیان ہو چکی ہے۔

۲۲۔ وفد بنو بکر بن وائل یہ لوگ بھی بڑے قبیلہ بنو ربیعہ کی ایک شاخ ہیں۔اور یہ لوگ موجودہ ریاض یعنی اس زمانے میں یمامہ کے نزدیک اور وادی عقربہ کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ان کا قبیلہ مسیلمہ کذاب کے قبیلہ بنو حنیفہ کا حلیف قبیلہ بھی تھا یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے ۔ اور ان کے وفد میں جو لوگ آئے ان میں سے جناب بشیرؓ بن الخصاصہ ، جناب عبداللہؓ بن مرثد اور جناب حسانؓ بن حوط قابل ذکر ہیں ۔جنہوں نے خلفاء راشدین کے زمانے میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔

۲۳۔ وفد بنو تغلب بنو تغلب بھی بنو ربیعہ کی شاخ تھے۔اور اس زمانے میں عراق اور عرب کی سرحدی علاقوں یعنی حیرہ اور عین التمر وغیرہ کے علاقوں میں آباد تھے۔ویسے ان کے بنو تمیم کے ساتھ تعلقات تھے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جھوٹی نبوت والی بنو تمیم کی عورت سجاح کی ماں بنو تغلب سے تھی۔فتح مکہ کے بعد ان علاقوں سے سولہ مسلمانوں اور نصاریٰ کا ملا جلا وفد مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمانوں کو انعامات دیئے گئے اور اسلام کے اصول پڑھائے گئے ۔ نصاریٰ جو سونے کی صلیبیں پہنے ہوئے تھے !انہوں نے گزارش کی کہ انہیں ان کے مذہب پر رہنے دیا جائے ۔ حضورؐ پاک نے اس شرط پر ان سے معاہدہ کرلیا کہ وہ لوگ اپنی اولادوں کو نصرانیت میں نہ رنگیں گے ۔بہر حال جناب صدیقؓ کی خلافت میں جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰؓ بن حارث کی کوششوں سے سب بنو تغلب اسلام لے آئے۔

۲۴۔ وفد بنو حنیفہ یہ لوگ بھی بنو ربیعہ کی شاخ ہیں۔اور بنو حنیفہ یمامہ سے لے کر وادی عقربہ میں جبیلہ تک پھیلے ہوئے تھے ۔موجودہ ریاض اسی علاقے میں ہے ۔روایت ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد بنو حنیفہ کا انیس آدمیوں کا وفد آیا۔ سلمی بن حنظلہ امیر تھا اور مسیلمہ کذاب بھی وفد میں شامل تھا۔دوسرا قابل ذکر آدمی رجال بن عنفون تھا ,جس نے جناب ابیؓ بن کعب سے قرآن پاک بھی سیکھا۔سب نے اسلام کی آغوش میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔لیکن یہ بدقسمت لوگ تھے ۔بعد میں نہ صرف مرتد ہوگئے ۔ بلکہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔اور رجال نے لوگوں کو مزید گمراہ کیا کہ حضورؐ پاک حضرت محمدؐ نے بھی مسیلمہ کو نبوت میں اپنا حصہ دار تسلیم کیا تھا۔(نعوذ باللہ) لیکن زیادہ لوگ مسیلمہ کے ساتھ اس لئے شامل ہوئے کہ ان کی سوچ میں تعصب تھا۔ " کہ اپنا جھوٹا نبی بھی قریش کے سچے نبی سے بہتر ہو سکتا ہے " (نعوذ باللہ) بہر حال اس گمراہی نے ایک دفعہ تو بنو حنیفہ کو تباہ و برباد کر دیا، کہ جنگ یمامہ کے وقت مسیلمہ کذاب سمیت جناب صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں جناب خالدؓ کے لشکر کے ہاتھوں ان کے چودہ ہزار آدمی مارے گئے ۔اس جنگ میں بارہ سو مسلمان بھی شہید ہوئے، جن میں تین سو حافظ قرآن بھی تھے ۔جناب فاروقؓ کے بڑے بھائی جناب زیدؓ جنگ احد کے ستارے جناب ابو دوجانہؓ ,اولین اسلام لانے والے جناب ابو خذیفہؓ اور ان کے مولا جناب سالمؓ ،اور عظیم صحابی جناب ثابتؓ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔بنو حنیفہ میں مردوں کی اتنی کمی ہو گئی تھی ۔ کہ اچھی نسب والی عورتوں کو مدینہ منورہ بھیجا گیا کہ ان کو کوئی خاوند مل سکے ۔انہی میں جناب خولہؓ بنت جعفر بھی تھیں ,جو جناب علیؓ کے نکاح میں آئیں کہ جناب فاطمہؓ کی اس وقت وفات ہو چکی تھی ۔جناب علیؓ کے بیٹے محمدؒ بن حنفیہ انہی جناب خولہؓ کے بطن سے تھے ۔اور والدہ کی خواہش کے مطابق ننھیال کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔

۲۵۔ وفد شیبان بنو شیبان بھی بنو ربیعہ کا حصہ ہیں اور عراق کی سرحد کے ساتھ آباد تھے۔ بنو شیبان کے سلسلہ میں ابن سعد میں ایک تفصیلی کہانی موجود ہے، لیکن کہانی کا محور دو عورتوں کو بنا دیا گیا، جن کا تعلق شیبان کے نزدیک کے کسی قبیلہ تمیم یا قبیلہ تغلب یا کسی اور حلیف قبیلہ سے تھا۔ وفد شیبان سے صرف ایک صاحب جناب حرملہؓ کا ذکر آتا ہے۔ بنو شیبان ایسے علاقے میں آباد تھے جہاں ان کا تعلق ایک طرف بنو تمیم، دوسری طرف بنو تغلب اور آگے سلطنت ایران کے باجگذار قبائل بنو لخم وغیرہ سے بھی تھا۔ اسلام کے ایک بہت بڑے عظیم فرزند جناب مثنیٰؓ بن حارث کا تعلق بھی قبیلہ شیبان کے ساتھ ہے اور وہ بنو شیبان کے ایک چھوٹے قبیلہ بنو بکر کے فرد تھے۔ جناب مثنیٰؓ نے اسلام جناب حرملہؓ سے سیکھا یا کسی اور صاحب سے، اس سلسلہ میں تمام مورخین خاموش ہیں۔ البتہ جناب مثنیٰؓ کے صحابی ہونے پر چند مورخین نے شکوک ظاہر کیے ہیں کہ ان کو " دیدار عام " نصیب نہ ہوا۔ اس عاجز کے مطابق البتہ جناب مثنیٰؓ کو جو مقامات حاصل ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ " دیدار خاص " سے ضرور سرفراز ہوئے۔ اس عاجز نے اپنی کتاب خلفاء راشدین کا حصہ اول کا پانچواں باب اسلام کے اس عظیم فرزند کو منسوب کر دیا۔ باقی واقعات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے سارے خاندان کی قربانیوں خاص کر آپ کے بھائی مسعودؓ شہید کا جنگ بویب میں نیزوں پر جنازہ اور دوسرے بھائی جناب معنیٰؓ کی جانثاری وغیرہ کو پڑھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی باور کرانا مقصود ہے کہ حضورؐ پاک کے زمانے میں اسلام عراق کی سرحدوں تک پہنچ چکا تھا۔ اور جناب حرملہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے حضورؐ پاک سے تین مواقع پر ہدایت خاص کیلئے عرض کی۔ تو حضورؐ پاک نے ہر دفعہ یہی کچھ فرمایا۔ " اے حرملہؓ! نیکی پر عمل کرو اور بدی سے پرہیز کرو۔ " اور اب جناب مثنیٰؓ کے صحابی ہونے کے بعد بھی مجھے کافی ثبوت مل چکے ہیں۔

۲۶۔ وفد بنو طے بنو طے اوجا پہاڑ کے گردونواح، بنو جدیلہ اور بنو اسد کے علاقہ بزوخا میں آباد تھے۔ گو بنو طے بھی بنیادی طور پر یمنی ہیں۔ اور چوتھے باب میں جناب فردہؓ بن مسیک کی حضورؐ پاک کے روایت کے مطابق ان بڑے قبائل کا حصہ ہیں جو یمن سے شمال کی طرف چلے آئے۔ روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد بنو طے کا پندرہ آدمیوں کا وفد آیا، جن میں کئی لوگ بنو طے کے چھوٹے قبیلوں بنی نبہان، بنو جرم، بنی معن، اور بنی بولان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سردار زید خیرؓ تھے جن کا نام حضورؐ پاک نے زید خیلؓ رکھ دیا۔ یہ سب مسلمان ہو گئے اور حضورپاکؐ نے ان کو انعامات بھی دیئے۔ اور کچھ فرمان بھی لکھ دیئے۔ لیکن جناب زیدؓ جن سے حضورؐ پاک بہت متاثر ہوئے تھے وہ جلد وفات پا گئے اور زیادہ لوگ اسلام سے دور ہی رہے۔ چنانچہ اکیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ تبوک کی مہم سے بھی پہلے حضرت علیؓ نے بلاد طے پر شبخون مارا تھا، جس میں حاتم کی بیٹی بھی قید ہو کر آئی اور عدی بن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا۔ حضورؐ پاک کو جب حاتم کی بیٹی کے بارے میں پتہ چلا تو آپؐ بڑی مہربانی سے پیش آئے اور ان کو رہا کر کے بنو قضاعہ کے ایک قافلے کے ساتھ عدی بن حاتم کے پاس بھیج دیا۔ عدیؓ اس بات سے اتنا متاثر ہوا کہ مسجد۔ نبوی میں آکر اسلام قبول کیا اور پھر اپنے سارے قبیلہ کو اسلام میں داخل کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کہ بنو طے کے تمام چھوٹے قبیلوں کو متحد کر کے ان کا سردار بن گیا۔ جب باقی لوگ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تو جناب عدیؓ کی وجہ سے ان کا

قبیلہ بغاوت میں شامل نہ ہوا۔ اور جناب عدیؓ مرتدین کی مہمات اور عراق کی بنیادی فتوحات میں جناب خالدؓ کے ماتحت ایک بڑے امیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ اور بنو جدیلہ کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔ بنو طے کے حاتم کی سخاوت حضورؐ پاک کی بعثت سے پہلے ایک افسانوی حد تک شہرت حاصل کر چکی تھی۔ اور بنو طے کسی زمانے میں ایران کی طرف سے حیرہ کے علاقوں کے باجگزار بادشاہ بھی رہ چکے ہیں، جن کا ذکر چوتھے باب میں ہے۔ یہی حالت حضورؐ پاک کی بعثت سے پہلے نوشیروان کسریٰ ایران کے عدل کی تھی کہ وہ بھی افسانوی حد تک شہرت اختیار کر چکا تھا۔ مسلمان اہل قلم نے اس سلسلہ میں کبھی حسد یا تعصب کا مظاہرہ نہ کیا۔ کہ حضورؐ پاک از خود ان اچھی مثالوں کی تعریف فرما چکے تھے۔ لیکن یہ کہانی غلط ہے کہ حضورؐ پاکؐ نے یہ فرمایا ہو کہ ان کو فخر ہے کہ وہ نوشیرواں عادل کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ یہ "کجا نسبت خاک را بہ عالم پاک" والی بات ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ امام غزالی جیسے عظیم عالم نے اس کہانی کو سچ سمجھ لیا۔ شاید اس وقت تک فقر میں داخل نہ ہوئے ہوں گے۔

۲۷۔ وفد تجیب بنو تجیب بھی بنو طے کی طرح بنیادی طور پر یمنی ہیں۔ لیکن اب عراق و عرب کے سرحدوں پر آباد تھے۔ اس قبیلہ کا تیرہ آدمی کا وفد نو ہجری میں حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ اور تحائف پیش کر کے اسلام لے آئے۔ حضورؐ پاک نے بھی ان کو انعامات دیئے اور پوچھا کہ کوئی آدمی رہ تو نہیں گیا۔ تو عرض کی گئی کہ ایک لڑکا رہ گیا ہے۔ حضورؐ پاک نے اس لڑکے کو لانے کیلئے فرمایا۔ اور جب لڑکا آگیا تو آپؐ نے پوچھا کہ وہ اپنے حوارج بتائے۔ لڑکے نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ دعا کریں کہ میری مغفرت ہو۔ مجھ پر رحمت نازل ہو" اور حضورؐ پاک یہ سب کچھ سنکر بہت خوش ہوئے اور لڑکے کیلئے دعا بھی فرمائی اور انعام بھی دیا۔ اگلے سال اسی قبیلہ سے سولہ آدمی حضورؐ پاک کی خدمت میں حجتہ الوداع کے موقع پر حاضر ہوئے تو حضورؐ پاک نے اس لڑکے کے بارے پرسش کی۔ تو اس کے قبیلہ والوں نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ! جو کچھ اس کو اللہ دے دیوے اس پر اس سے زیادہ قناعت کرنے والا ہم نے نہیں دیکھا" تو حضورؐ پاک نے فرمایا۔ "میں اللہ تعالیٰ سے آرزو کرتا ہوں کہ ہم سب کا خاتمہ اس طرح ہو"

قارئین۔ اس کو بار بار پڑھیں۔ یہ ہے عملی اسلام اور اسلام کے فلسفہ حیات کی جھلکیاں۔

۲۸۔ وفد بنو خولان یہ لوگ بھی یمنی ہیں لیکن ان کے صحیح محل وقوع کا کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملا۔ سوائے اس کے کہ ان کے اونٹ سفر کیوجہ سے تھک گئے تھے تو ظاہر ہے یہ لوگ کس دور دراز علاقوں کے رہنے والے تھے۔ چوتھے باب میں ان کے بت رمانہ یا رمانس کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اور ان کو بنو القدیم بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال روایت ہے کہ جب باقی عرب قبائل کے بت پاش پاش ہو گئے، تو انہوں نے بھی اپنے بت رمانہ یا رمانس کی طرف توجہ کم کر دی۔ اور شعبان دس ہجری میں اس قبیلہ کا دس آدمیوں کا وفد، حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ اسلام لے آئے اور حضورؐ پاک نے ان لوگوں کو امور دین کی تعلیم دی اور جب یہ لوگ وطن واپس پہنچے تو سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ اپنے بت کو تہ و بالا کرنا تھا۔ یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ جھوٹے نبوت والے اسود عنسی نے ایک ابو مسلم خولانی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانے۔ تو

بنی خولان، بنو عنس کے ہمسائے ہو سکتے ہیں۔اور اسود یمن میں صنعا کے رہنے والا تھا۔

۲۹۔ وفد بنو جعفی یہ قبیلہ بھی یمنی ہے۔لیکن زیادہ جنوب یا مشرق کی طرف نہ تھا بلکہ مکہ و مکرمہ کے گرد و نواح کے قبائل کے ساتھ بھی ان کے تعلقات تھے۔اس قبیلہ نے اپنی طرف سے یہ رواج بنایا ہوا تھا، کہ جب جانوروں کو ذبح کرتے تو ان کا دل نہ کھاتے تھے۔جب ان لوگوں کا وفد مدینہ منورہ آیا، تو حضورؐ پاک نے فرمایا، کہ ذبیحہ میں صرف غلیظ چیزیں یا جو چبائی نہ جا سکیں وہ نہیں کھائی جاتیں۔اسی لیے حضور پاکؐ نے ان لوگوں کو ذبیحہ کا دل بھنوا کر کھلایا۔ساتھ ہی ان کے سردار کو یہ فرمان بھی لکھوا دیا:۔"یہ فرمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قیسؓ بن مسلمہ کے لئے ہے کہ میں نے تمہیں قوم مران اور ان کے حوالی کلاب اور ان کے حوالی حریم اور ان کے حوالی سے ان لوگوں پر عامل بنایا جو نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، اور اپنے مال کا صدقہ دیں اور اسے پاک وصاف رکھیں"۔قارئین! ذرا نوٹ کریں کہ نماز کے تارکین یا کسی اسلامی اصول کے تارک پر امام تک مقرر نہیں کیا جاتا کہ وہ لوگ "آزاد" ہوتے ہیں۔بعد میں اسی قبیلہ کے جناب ولیدؓ اپنے دو بیٹوں سبرہؓ اور عزیزؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔اور سب اسلام لائے۔حضورؐ پاک نے عزیزؓ کا نام عبدالرحمن رکھ دیا کہ "عزیز" (یعنی غلبہ اور عزت والا) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ان لوگوں کو حضورؐ پاک نے وادی یمن کے حردان کے علاقے میں ایک جائیداد بھی عطا فرمائی۔اور اس خاندان سے تبع تابعین میں شمار جناب عبدالرحمن خثیمہؒ اسلام کے ایک مایہ ناز فرزند گزرے ہیں۔

۳۰۔ وفد بنو صدا اس وفد کے ساتھ اسلام کی فوجی کارروائی شمار بانوے بھی وابستہ ہے۔بنو صدا۔بنو مصطلق کا ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا۔بنو مصطلق کی کہانی پندرھویں باب میں بیان ہو چکی ہے کہ شعبان چھ ہجری میں حضورؐ پاک از خود اس قبیلہ کی سرکوبی کیلئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ان کے علاقوں میں گئے۔لیکن یہ چھوٹا قبیلہ جو الگ تھلگ رہتا تھا، بغاوت پر تلا رہا اور اس کا کوئی آدمی اسلام کی صفوں میں شامل نہ ہوا۔چنانچہ آٹھ ہجری میں جنگ حنین کے بعد، حضورؐ پاک جب جعرانہ سے واپس ہوئے تو آپؐ نے عظیم انصار صحابی جناب سعدؓ بن عبادہ کے بیٹے جناب قیسؓ کو قناۃ کے نواح میں چار سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا کہ اس قبیلے کے مزاج کچھ درست کریں۔ان لوگوں کو خبر مل گئی۔پہلے انہوں نے زیادؓ بن حارث کو اور بعد میں پندرہ آدمیوں کا وفد بھیج کر اسلام میں آنے کا وعدہ کیا۔اور پھر دعوت دے کر سب قبیلہ کو مسلمان کیا۔حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلہ سے سو مسلمانوں کو حضورؐ پاک کی معیت کی سعادت نصیب ہوئی اور راستے میں جناب زیادؓ کو اذان دینے کا شرف حاصل ہوا۔تو جب جماعت کھڑی ہوئی تو حضورؐ پاک نے فرمایا۔"کہ اقامت بھی وہی کہے جو اذان دے"۔جناب قیسؓ کا یہ سرداری کا پہلا موقع تھا۔اور بعد میں خلفاء راشدین کے زمانے میں آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔آپ ہی جناب علیؓ کی طرف سے کچھ عرصہ مصر کے گورنر رہے اور اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ اگر آپ ہی مصر کے گورنر رہتے تو تاریخ کچھ اور شکل اختیار کرتی۔آپ فوجی مدبر ہیں اور سیاست میں جناب امیر معاویہؓ جناب عمروؓ بن عاص اور جناب مغیرہؓ بن شعبہ کے پایہ کی شخصیت تھے۔اور آخری وقت تک اہل بیت کے وفادار رہے۔امام حسنؓ کے خلافت سے دستبرداری کے بعد بھی البتہ جناب معاویہؓ نے ان کی عزت کو قائم رکھا۔حالانکہ جناب علیؓ کی

خلافت کے زمانے میں آپ نے جناب معاویہؓ کے خط کا جواب بڑی سختی سے دیا تھا۔ اور یہ خط ادب کا شہ پارہ بھی ہے

۳۱۔ وفد مراد دس ہجری میں جناب فروہؓ بن مسیک مرادی کے ہمراہ مراد کا وفد ملوک کندہ سے علیحدہ ہو کر آیا اور اسلام قبول کر کے سعدؓ بن عبادہ کے ہاں بغرض تعلیم قرآن و فرائض اسلام ٹھہرا رہا۔ واپسی کے وقت حضور پاکؐ نے جناب فروہؓ بن مسیک مرادی کو مراد و زبید و مذحج کا عامل مقرر فرمایا اور حضرت خالدؓ بن سعید العاص کو ان کے ہمراہ صدقات وصول کرنے بھیجا۔ چوتھے باب میں جناب فروہؓ کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ان کو حضورؐ پاک نے یمنی قبائل کے بارے آگاہ کیا۔ یمن وسیع علاقہ ہے اور اس میں کئی قبائل آباد تھے اور ان میں سے اکثر کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور قبیلہ زبید کے قبیلہ مراد کے نزدیک بسنے والے لوگوں کو بے شک جناب فروہؓ کے ماتحت رکھا ہو گا۔ لیکن ان کا اپنا وفد بھی آیا۔ اسی طرح قبیلہ مراد اور اہل ہمدان میں اسلام کی آمد سے تھوڑا پہلے ایک جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ مراد کو بڑی شکست ہوئی اور اس کے بعد وہ جا کر قبیلہ کندہ کے حلیف بن گئے۔ لیکن بعد میں جناب فروہؓ قبیلہ کندہ کے ملوک کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے گیا۔ لیکن قبیلہ کندہ بھی بعد میں اسلام میں داخل ہو گیا۔ بے شک بعض مورخین نے معاملات کو کچھ ملا جلا دیا، لیکن ان کا زیادہ قصور نہیں، کہ قبیلے ایک دوسرے میں گڈمڈ تھے۔ قبائلی جمہوریت تھی۔ آزادی تھی۔ رقابت تھی۔ حسد تھا تو حضورؐ پاک ان بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک وحدت میں جوڑ رہے تھے

۳۲۔ وفد بنو زبید انہی دنوں یمن کے علاقوں سے قبیلہ زبید یا زابد کا دس آدمیوں کا وفد آیا، جس کے سردار مشہور پہلوان عمرو بن معد یکرب تھے۔ انہوں نے بھی جناب سعدؓ بن عبادہ کے ہاں قیام کیا۔ اور بعد میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ چند روز مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اور دین کی باتیں سیکھ کر واپس اپنے قبیلہ میں گئے۔ اور سارا قبیلہ آغوش اسلام میں داخل ہو گیا۔ البتہ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے۔ اور جناب صدیقؓ کی خلافت میں جناب عکرمہؓ بن ابو جہل اور جناب مہاجرؓ بن ابو امیہ کی فوجی کارروائیوں کیوجہ سے دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ جناب عمروؓ بن معد یکرب نے جنگ قادسیہ میں داد شجاعت دی اور فاتح نہاوند جناب نعمانؓ کے ساتھ شہیدوں کے قبرستان میں دفن ہیں۔ سنتے ہیں کہ شہیدوں کی قبروں کی صحیح دیکھ بھال نہیں ہو رہی۔

۳۳۔ وفد ملوک کندہ یا بنو کندہ کا وفد اسی سال یعنی دس ہجری میں بنو کندہ سے بھی وفد آیا۔ تعداد میں اختلاف ہے۔ دس آدمیوں کی تعداد بھی بتائی گئی ہے اور ساٹھ سے اسی تک بھی۔ یہ لوگ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی زلفیں تھیں اور آنکھیں سرمہ سے سیاہ کی ہوئی تھیں۔ حضورؐ پاک نے پوچھا "کیا تم مسلمان ہو"؟ عرض کی "جی ہاں"۔ حضورؐ پاک نے فرمایا "پھر یہ ریشمی کپڑے کیوں پہنے ہو" تب انہوں نے وہ کپڑے پھاڑ دیئے اور سوتی کپڑے پہنے۔ یہ سوداگری بھی کرتے تھے کہ سمندر کے نزدیک رہتے تھے اور کافی امیر لوگ تھے۔ ابن سعد، البتہ امام زہریؒ کی ایک روایت کے مطابق وفد کے بارے کہتا ہے کہ وہ شتر سوار تھے اور تعداد انیس تھی۔ باقی کہانی اس نے بھی ایسے ہی لکھی اور ساتھ لکھا ہے کہ ان کا سردار اشعث بن قیس تھا۔ اور جب یہ لوگ واپس گئے تو حضورؐ پاک نے ان کو تحائف بھی دیئے۔ البتہ حضورؐ پاک کی وفات کے بعد بنو کندہ بھی مرتد ہو گئے۔ اور

جناب صدیقؓ کے زمانے میں فوجی کارروائی کے ذریعہ سے ان کو راہ راست پر لایا گیا۔ سرداری اشعث کے پاس ہی رہی، لیکن وہ عجیب و غریب انسان تھا۔ جناب صدیقؓ نے اپنی ایک بہن کا اس کے ساتھ نکاح کیا، لیکن روایت ہے کہ بستر مرگ پر بھی اس سلسلہ میں پشیمان تھے۔ اشعث نے خلفاء راشدین کے زمانے میں جنگوں میں حصہ ضرور لیا۔ لیکن جناب خالدؓ کی تعریف میں ایک نظم لکھ کر بہت زیادہ انعام حاصل کیا۔ جو بات جناب فاروقؓ اعظم کو پسند نہ آئی۔ بعد میں اشعث، جناب علیؓ کے ساتھ رہا۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اندرونی طور پر جناب معاویہؓ سے بھی ملا ہوا تھا۔ اس کی بیٹی جعدہ جو امام حسنؓ کی بیوی تھی اس نے ان کو زہر دی۔ اور اس اشعث کا ایک بیٹا جنگ کربلا میں یزیدی لشکر کا ایک امیر تھا۔ بنو کندہ اس لئے اسلام کی تاریخ میں کوئی اونچا مقام نہیں رکھتے۔ اللہ تعالی سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اپنی اپنی تقدیر ہے۔

۳۴۔ وفد بنو صدف بنو صدف بھی یمن کا ایک چھوٹا قبیلہ تھا۔ اور شرجیل بن عبدالعزیز صدفی اپنے بزرگوں سے روایت کرتا ہے کہ ان کے قبیلہ کے انیس آدمی اونٹوں پر سوار ہو کر گئے اور حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضری دے کر اسلام لے آئے۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں مزید تحقیق کے ذریعہ کچھ اور نہ معلوم کر سکا۔

۳۵ وفد بنو خشین سات ہجری میں جنگ خیبر سے پہلے جناب ابو ثعلبہ خشنیؓ، حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور انؐ کے لشکر میں شریک ہو گئے۔ اس کے بعد جناب ابو ثعلبہؓ کی وساطت سے قبیلہ کے سات اور آدمی آئے اور دین اسلام سیکھ کر واپس جا کر اپنے علاقے میں اسلام کو پھیلا دیا۔ یہ لوگ بھی یمن کے رہنے والے تھے۔

۳۶۔ وفد بنو سعد ندیم یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ بنو سعد ندیم بھی بنو سعد بن بکر کی طرح قبیلہ ھوازن کی کوئی شاخ ہیں یا یہ بھی یمن کا کوئی چھوٹا قبیلہ ہے۔ بہر حال اس قبیلہ کے ابو النعمانؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ ہم اسلام لائے اور بیعت کی۔ حضورؐ پاک نے تین دن ہماری میزبانی فرمائی اور جب ہم وہاں سے چلے تو حکم دیا کہ اپنے سے کسی ایک کو امیر بنا لو۔ ابن سعد کے مطابق بنو سعد ندیم، بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھے جیسے بنو عذرہ

۳۷۔ وفد بنو بلی بنو بلی سے جناب رویفعؓ بن ثابت بہت پہلے اسلام لے آئے اور مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی۔ ان کی وساطت سے ربیع الاول نو ہجری میں ان کے قبیلہ کے سردار ابو الضبابؓ کی قیادت میں چند آدمی آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ حضورؐ پاک نے ان کو بھی تین دن مدینہ منورہ میں ٹھہرایا۔ اور پھر تحائف کے ساتھ ان کو اپنے وطن واپس بھیجا۔

۳۸۔ وفد بنو برا انہی دنوں یمن سے بنو برا کا تیرہ آدمی کا وفد آیا۔ جس نے جناب مقدادؓ بن عمرو کے ہاں قیام کیا۔ بعد میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ چند دن قیام کے بعد جب اپنے متعلقین کے پاس واپس جانے لگے تو حضورؐ پاک نے ان کو بھی تحائف دیئے

۳۹۔ وفد بنو عذرہ چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ قصیؒ کی والدہ جناب فاطمہ نے بنو قضاعہ کے ہاں شادی کر لی تھی۔ اور

ان سے جناب قصیٰ کا ایک بھائی زراح بھی تھا۔ بنو قضاعہ کے اسی چھوٹے قبیلہ کو بنو عذرہ کہتے تھے۔ اور صفر نو ہجری میں اس قبیلہ سے بارہ آدمیوں کا وفد جناب حمزہؓ بن نعمان کی سرداری میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ جب حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گزارش کی کہ وہ لوگ حضورؐ پاک کے اخیافی بھائی ہیں تو حضورؐ پاک نے ان کو مرحبا و اھلاً کے الفاظ سے خوش آمدید کہا۔ ان کو دین کے امور سکھلانے کے علاوہ ان کے سردار کو ایک چادر اڑھائی۔ یعنی روحانی عزت افزائی کے علاوہ خاندانی روایت کو بھی برقرار رکھا۔ اخیافی بھائی کا مطلب یہ ہے کہ حضور پاکؐ کے جد امجد جناب قصیٰ کے والدہ جناب فاطمہ ان کی ماں یا دادی پڑدادی تھی روایت ہے کہ بنو عذرہ نے حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اپنے بت سے بھی حضورؐ پاک کی رسالت کی تصدیق کی آواز سنی کہتے ہیں کہ بتوں پر جن حاوی ہو جاتے ہیں۔ تو ممکن ہے بنو عذرہ کے بت پر کوئی مسلمان جن حاوی ہو گیا ہو۔

۴۰۔ وفد بنو سلامان شوال دس ہجری میں سلامان سے ایک روایت کے مطابق سات آدمیوں کا اور دوسری روایت کے مطابق دس آدمیوں کا وفد آیا، جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اسلام کی تعلیم حاصل کر کے واپس چلے گئے۔ یہ لوگ بھی یمن سے آئے اور یمن کے قبیلہ ازد جس کا ذکر بعد میں آئے گا ان کے نزدیک کے رہنے والے تھے۔ وفد کا ذکر ایک صاحب محمد بن یحییٰ نے اپنے والد کے خطوط میں پایا کہ حبیب بن عمرو سلامانی بیان کرتے تھے کہ وہ سات آدمیوں کے ساتھ حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تھے۔

۴۱۔ وفد بنو جہنیہ نویں باب میں حضرت حمزہؓ کی بحری مہم اور اسلام کی پہلی جنگی یا فوجی کارروائی میں قبیلہ جہنیہ کے مجدی۔ بن عمرو کے مسلمانوں کے ساتھ رابطہ اور ثالثی کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ قبیلہ چونکہ مدینہ منورہ کے نزدیک آباد تھا تو پہلی ہجری سے ان کے وفد آتے رہے۔ لیکن مورخین نے اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں اس قبیلہ سے جس کا سب سے پہلے ذکر کیا، وہ عبد العزیٰ اور ابی روحہ تھے۔ عبد العزیٰ کا نام بھی حضورؐ پاک نے تبدیل کر کے عبد الرحمن رکھ دیا کہ عزیٰ ایک بت تھا۔ جس وادی میں یہ لوگ آباد تھے اس کا نام غوی یعنی گمراہی اور سرکشی ہے۔ تو حضورؐ پاک نے اس وادی کا نام رشد یعنی "ہدایت والی" رکھ دیا۔ قبیلہ جہنیہ کے پہاڑوں کے بارے میں حضورؐ پاک نے فرمایا کہ ان کو کوئی فتنہ نہ روند سکے گا۔ اور پچھلے چودہ سو سالوں میں یہ علاقہ فتنہ سے پاک رہا۔ حضورؐ پاک نے اس قبیلہ کو مسجد کیلئے ایک قطعہ زمین بھی عطا فرمائی۔ اس علاقے کے فتنہ سے پاک رہنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ بنو امیہ کی لشکر کشیوں سے بھی یہ پہاڑ حفاظت میں رہے

۴۲ وفد بنو کلب بنو کلب وادی القریٰ سے لے کر دومۃ الجندل تک باقی قبائل کے ساتھ سارے علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے کسی خاص علاقے کو ان کا علاقہ کہنا یا کسی ایک کو ان کا سردار نہیں مانا جا سکتا۔ ویسے تو حضورؐ پاک کے آزاد کردہ غلام جناب زیدؓ بن حارث کا تعلق بھی قبیلہ کلب سے تھا۔ اس کے بعد جو تیرھویں باب میں حضورؐ پاک کا ایک لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل جانے کا ذکر ہے، تو اس زمانے میں بھی قبیلہ کلب کے کچھ گروہوں کے ساتھ مسلمانوں کا رابطہ قائم ہوا، اور ایک گروہ

کیلئے حضورؐ پاک ایک فرمان بھی لکھ آئے کہ ان کا کہاں تک تصرف ہے۔ پھر پندرھویں باب میں جناب عبدالرحمٰنؓ کی مہم اور ان کے قبیلہ کلب میں شادی کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ پھر سترھویں باب میں جناب ضیاءؓ بن خلیفہ کلبی کے اسلام لانے اور حضورؐ پاک کے سفیر کے طور پر ذکر ہو چکا ہے اس کے علاوہ مورخین نے عبد عمروؓ بن جبلہ اور ایک شخص عاصمؓ کا بھی ذکر کیا ہے جو حضورؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح چار پانچ اور آدمیوں کے نام ہیں جو حارثہؓ بن قطن کے سرداری میں وفد کے طور پر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے وغیرہ۔ اور ایسے لوگ انعامات بھی لیتے رہے اور دعائیں بھی کراتے رہے۔ لیکن ان سب لوگوں کے سارے قبیلہ پر اثرات نہ تھے۔ کہ قبیلہ کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے قبیلہ کلب، ایک گروہ کی صورت میں کبھی سامنے نہیں آیا۔ اور یہ لوگ مکمل طور پر اسلام کے دائرہ میں جناب صدیقؓ کی خلافت میں داخل ہوئے، جب حیرہ سے آکر جناب خالدؓ نے جناب عیاضؓ بن غنم کے لشکر کے ساتھ آکر دومۃ الجندل کے مقام پر رابطہ قائم کیا۔

۴۳۔ وفد بنو جرم جرم کا قبیلہ بنو قضاعہ کی ایک شاخ ہے۔ یعنی ابھی ابھی جو بنو عذرہ کا ذکر ہوا ہے تو بنو جرم ان کا ایک جڑواں قبیلہ تھا۔ ان کا ایک کنواں تھا جہاں سے اکثر مسافر لوگ گزرتے تھے اور ان لوگوں کو پہلے پہل حضورؐ پاک کے مبعوث ہونے کی خبریں ان مسافروں سے ملیں، اس قبیلہ کا تجزیہ تھا کہ اگر حضورؐ پاک مکہ مکرمہ پر قابض ہو گئے تو سچے نبی ہوں گے۔ اس لئے حالات کا مطالعہ کرتے رہے، اور فتح مکہ مکرمہ کے بعد اس قبیلہ کا ایک وفد جناب سلمہؓ بن قیس کی قیادت میں مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پر ان لوگوں نے دینی امور اور قرآن پاک سیکھا۔ وفد کا نو عمر جناب سلمہؓ کا بیٹا جناب عمروؓ البتہ قرآن پاک سیکھنے میں سب سے سبقت لے گیا۔ اور اسی کو اس قبیلہ کا امام بنا دیا گیا۔ ویسے ایک قبیلہ جرم، بنو طے کی شاخ سے بھی تھا۔ بنو طے اور بنو قضاعہ دونوں شمالی عرب میں آباد ہیں لیکن ابن سعد بنو جرم کو بنو قضاعہ کی شاخ سمجھتا تھا۔

۴۴۔ وفد بنو ازد اس کو اسلام کی فوجی کارروائی شمار ترانوے بھی کہیں گے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے قبیلہ ازد، یمن میں رہتا تھا۔ ان کا دس آدمیوں کا وفد شوال دس ہجری میں حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسلام قبول کیا۔ حضورؐ پاک نے جناب حرؓد بن عبداللہ کو ان کا امیر بنایا، اور حکم دیا کہ وہ گرد و نواح کے مشرکین کے خلاف جہاد کریں۔ اپنے علاقہ میں واپس جا کر جناب حرؓد نے اپنے لوگوں کا ایک لشکر تیار کیا، جس کو لے کر اہل جرش کے علاقے میں گئے اور ان کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے نہ مانا تو حضرت حرؓد نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کر کے اہل جرش کا محاصرہ کر لیا جو ایک مہینہ تک رہا۔ جب فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت حرؓد نے محاصرہ چھوڑ دیا۔ اہل جرش نے سمجھا وہ پسپا ہو رہے ہیں۔ اس لیے وہ قلعہ سے باہر نکل آئے جناب حرؓد نے دوبارہ صف آرائی کر کے اہل جرش پر حملہ کر دیا۔ جس میں اہل جرش کو شکست ہوئی۔ اسی دوران اہل جرش کے اپنے آدمی بھی جو مدینہ منورہ میں حضورؐ پاک کے حالات معلوم کرنے گئے ہوئے تھے واپس آگئے۔ حضورؐ پاک نے ان کو ان کے قبیلہ کی شکست کی پہلے سے ہی خبر دے دی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے قبیلہ کو سب حالات سے آگاہ کیا تو وہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔

تو یہ اہل جرش کے ایک وفد کی مدینہ منورہ میں حاضری کی بھی کہانی ہے۔ کہ پرانے مورخین نے بھی اہل جرش کی

مدینہ منورہ میں وفد کی حاضری کو الگ سرخی سے بیان نہیں کیا۔

۴۵۔ بنو غسان کا وفد ماہ رمضان ۱۰ ہجری میں غسان کا وفد آیا جس میں تین آدمی تھے۔ یہ جب واپس گئے تو ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس لیے ان تینوں نے بھی اس وقت اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ یہ قبیلہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، شام کی سرحد کے قریب رہتا تھا۔ اور انہی کے ایک سردار شرجیل نے حضور پاک کے سفیر جناب حارثؓ بن عمیر کو شہید کیا تھا، جس کا ذکر اٹھارویں باب میں ہو چکا ہے۔ جنگ موتہ کے وقت بھی بنو غسان اہل روم کے لشکر میں شامل تھے۔ اور آخر جناب فاروقؓ کے زمانے میں اس علاقے پر مسلمانوں کا مکمل تسلط قائم ہوا۔

۴۶۔ اہل نجران کے وفود نجران کوئی قبیلہ نہیں بلکہ علاقہ ہے۔ اور چوتھے باب میں اسلام سے پہلے کے نجران کے عیسائیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہ ذکر بعد میں آتا ہے کہ ان سے کچھ لوگ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں پر البتہ ہم وہ ذکر دہرا رہے ہیں جو پچھلے باب یعنی اکیسویں باب میں بنی حارث کو اسلام کی دعوت دینے کا ذکر ادھورا رہ گیا تھا۔ روایت ہے کہ ماہ ربیع الاول دس ہجری میں حضور پاکؐ نے جناب خالدؓ بن ولید کو چار سو کے ایک دستہ کے ساتھ نجران روانہ کیا کہ پہلے نجران کے رئیس حرث بن کعب یا (حارث بن کعب) کو اسلام میں آنے کی دعوت دینا، اگر وہ قبول کر لیں تو لڑائی نہ کرنا۔ چنانچہ جیسے ہی جناب خالدؓ نے دعوت دی ان لوگوں نے دعوت قبول کر لی اور ان کا سردار ایک وفد لے کر حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ بڑا بہادر قبیلہ تھا۔ حضور پاکؐ نے ان کی کافی عزت کی اور حضرت عمروؓ بن حزم کو نجران کا عامل بنا کر بھیجا جو ان کو اسلام کی تعلیم بھی دیتے رہے۔ آپؐ نے اس قبیلہ کو ایک فرمان بھی لکھ دیا جو آج تک ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔

۴۷۔ اہل ہمدان کا وفد ہمدان بھی نجران کی طرح علاقہ ہے۔ بلکہ ایک شہر بھی ہے اور نقشہ سوم پر یہ سب نشاندہی موجود ہے۔ روایت ہے کہ اہل ہمدان بھی دس ہجری میں ایمان لائے۔ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ نے پہلے جناب خالدؓ بن ولید کو کچھ محافظ دستوں کے ساتھ یمن بھیجا۔ حضرت خالدؓ لوگوں کو دعوت دیتے رہے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ بعد میں حضور پاکؐ نے حضرت علیؓ کو جناب خالدؓ کی جگہ بھیجا اور آپ کی پہلی تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ کافی لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور پچھلے باب میں اس سلسلہ میں کافی کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ کہ یہ کاروائی رمضان دس ہجری میں شروع ہوئی تھی۔ پھر جوق در جوق یمن کے قبائل اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اور یمن سے اہل ہمدان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وفد کی صورت میں جب وہ حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے سجدہ شکر بجا لاتے ہوئے تین بار سلام علی ہمدان کا لفظ دہرایا۔ اہل ہمدان کا یہ شرف قابل رشک ہے۔ اور اس کی کوئی روحانی وجہ ہو سکتی ہے۔ جس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ ہمارے خطہ میں اور خاص کر سرزمین کشمیر میں شاہ ہمدان کا تبلیغ کے سلسلہ میں وارد ہونے پر بہت کچھ اخباروں میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن ہمدان کا ایک شہر موجودہ ایران میں بھی ہے۔ اور پرانے مورخین نے بھی یمن کے ہمدان اور ایران کے ہمدان کے معاملات کو کچھ ملا جلا دیا ہے۔ اور اس برصغیر میں بھی کوئی یہ واضح نہیں کر سکا کہ کشمیر میں وارد ہونے والے شاہ ہمدان کا تعلق کون سے ہمدان کے ساتھ تھا۔ حالانکہ ہمارے علاقے میں بے شمار

ہمدانی سید آباد ہیں ۔ بہر حال یہ شاہ ہمدان فیروز شاہ تغلق کے ہم زمانہ تھے ۔ اور تفصیل ڈھونڈی جا سکتی ہے ۔

جناب علیؑ اور جناب خالدؓ کی یمن کی مہمات کے سلسلے میں پچھلے باب میں بھی مختصر تبصرہ ہو گیا تھا ۔ علاقے بڑے وسیع ہیں ۔ اور مورخین اس سلسلہ میں تفصیل میں نہیں گئے ۔ حالانکہ اہل یمن میں سے اکثر قبائل ان مہمات کیوجہ سے اسلام میں داخل ہوئے ۔ ابھی ابھی قبیلہ مراد کی اہل ہمدان کے ساتھ جنگ کا ذکر بھی ہوا ہے ۔ لیکن اسلام میں آجانے کے بعد یہ عداوتیں بھولنے کی ضرورت تھی ۔ بہر حال آگے مرتدین کے واقعات کے دنوں میں بعض جگہ یہ دشمنیاں پھر عود کر آئیں ۔ لیکن جناب صدیقؓ کی خلافت میں مرتدین کے قلع قمع کے ساتھ سب عداوتیں ختم ہو گئیں اور جزیرہ نما عرب کے تمام قبائل اللہ کی فوج بن گئے ۔

۴۸ ۔ وفد سعد العشیرۃ یہ لوگ بنی انس بھی کہلاتے ہیں ۔ کہ العشیرۃ کی وادی میں ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا ۔ العشیرہ کا ذکر ساتویں باب میں ہو چکا ہے ۔ اور اس کہانی کے راوی جناب عبد الرحمنؓ بن ابی سبرۃؓ جعفی ہیں ۔ جن کا نام عزیز تھا اور حضور پاکؐ نے تبدیل کر کے عبد الرحمن نام رکھا اور اس کا ذکر بنو جعفی (۲۹) کے وفد کے تحت ہو چکا ہے ۔ اس لئے ظاہر ہے بنی انس کے قبیلہ کے جعفی کے ساتھ بھی کچھ ہمسائیگی کے تعلقات تھے ۔ روایت ہے کہ حضور پاکؐ کی اس علاقے میں آمد پر بنی انس کے ایک شخص جناب ذبابؓ نے اپنے قبیلہ کے بت فراض کو ریزہ ریزہ کر دیا ۔ اور حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا ۔ خود شاعر تھا اور اپنے ایمان کے بارے میں ایک بڑی ہی پیاری نظم کہی جس کا آخری شعر یہ تھا ۔ " میں نے فانی چیزوں کے عوض باقی رہنے والی چیز خریدی ہے ۔ " یہ قبیلہ بھی اولین اسلام لانے والوں میں شمار ہوتا ہے ۔ اور جناب ذبابؓ نے اسلام کی ساری جنگوں میں شرکت کی اور ان کے بیٹے جناب عبد اللہؓ ، جناب علیؑ کے رفقاء خاص میں شمار ہوتے تھے ۔ کہ جناب علیؑ کے وفادار تھے اور جنگ صفین میں جناب امیرؑ کے ہمراہ تھے ۔

۴۹ ۔ وفد بنو عنس بنو عنس بھی یمنی ہیں ۔ اور بڑے قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہیں ۔ دسویں ہجری میں ان کا ایک وفد بھی حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور آپؐ کی زیارت کے بعد سب نے کلمہ شہادت پڑھا ۔ حضور پاکؐ نے ان سے پوچھا " کہ وہ اسلام طمع کیوجہ سے لا رہے تھے یا خوف کیوجہ سے ۔ " تو ایک شخص نے عرض کی ۔ " یا رسول اللہ ! طمع والی بات تو نہیں ہے کہ آپؐ کے پاس کوئی زیادہ مال و دولت تو ہے نہیں ۔ ہاں خوف والی بات ضرور ہے ۔ لیکن آپؐ کے لشکروں سے نہیں ۔ خوف اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ہے ۔ یا روز قیامت کا ۔ " حضور پاکؐ یہ سنکر بہت خوش ہوئے ۔ ان کی مہمانداری کی ۔ دین اسلام سکھلایا ، تحفے دیئے اور ان کی فصاحت و بلاغت کی تعریف فرمائی ۔ رخصتی کے وقت فرمایا ۔ " اگر راستے میں بیمار ہو جاؤ تو کسی گاؤں میں پناہ لے لینا ۔ اب راستے میں وہی صاحب بیمار ہو گئے جنہوں نے اچھے جواب دیئے تھے اور ان کا نام ربیعہؓ تھا ۔ انہوں نے ایک گاؤں میں پناہ لی اور وہیں وفات پائی ۔ سبحان اللہ ۔ ایک مسافر کی راہ حق کے تلاش میں موت نے جناب ربیعہؓ کے مقامات کو اور بلند کر دیا ۔

اسود عنسی بھی اسی قبیلہ سے تھا ، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ۔ اور حضور پاکؐ کے زمانے ہی میں اس کے قبیلہ عنس نے فیروز ایرانی کے ساتھ مل کر اسود کا خاتمہ کر دیا ۔ حضور پاکؐ نے اپنی وفات سے پہلے صحابہ کرامؓ کو اسود کی موت سے آگاہ کر دیا ، گو جب

یمن سے قاصد یہ خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو حضور پاکؐ رحلت فرما چکے تھے۔

۵۰۔ وفد بنو دارین بنو دارین کو بھی یمنی کہا گیا ہے۔ لیکن وفود میں شریک لوگوں کے شجرہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بنو لخم سے تعلق رکھتے تھے، جو قبیلہ یمن سے ہجرت کر کے عراق اور شام کی سرحد کے ساتھ آباد ہو گیا تھا۔ اس لئے دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ روایت ہے کہ حضور پاکؐ جب تبوک کی مہم سے واپس تشریف لائے تو بنو دارین سے دس آدمی کا ایک وفد آیا جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اس وفد کے ایک شخص ہانی بن حبیب نے حضور پاکؐ کو چند گھوڑے۔ ایک ریشمی قباء اور شراب کی ایک مشق پیش کی۔ حضور پاکؐ نے شراب کو نہ قبول فرمایا۔ اور باقی تحائف رکھ لئے۔ اور آپ نے بھی اس وفد کو تحائف عطا فرمائے۔ گھوڑے تو جنگ کے سامان کے طور پر بیت المال میں چلے گئے۔ قباء حضور پاکؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے دیدی۔ جناب عباسؓ نے عرض کی کہ جب ریشم کا پہننا منع ہے تو وہ اس کو کیا کریں گے۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا۔ "قباء سے سونا نکال کر اپنی عورتوں کے زیور بنا لو۔ اور ریشم کو فروخت کر کے قیمت لے لو۔" روایت ہے کہ اس قباء کا ریشم ایک یہودی نے آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔ ظاہر ہے کہ قباء تحفہ میں ملی تھی۔ تو حضور پاکؐ نے رکھ لی۔ ورنہ حضور پاکؐ نے سونے اور ریشم کو پسند نہ فرمایا۔ گو عورت کے لئے آپ نے سونے کے زیورات کا استعمال جائز فرمایا، لیکن فرد کو سادگی کی تلقین کی، کہ اس کا بناؤ غیرت اور بہادری میں ہے اور عورت کو بھی یہ اجازت نہیں کہ بناؤ کر کے بازاروں میں تتلی بن کر پھرتی رہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس قبیلہ کے ایک شخص تمیم نے عرض کی کہ جب مسلمان ملک شام فتح کر لیں تو ان کے نواح میں جو جبریٰ اور بیت عنیون نامی گاؤں ہیں۔ وہ ان کو ھبہ کیئے جاویں۔ حضور پاکؐ نے فرمایا۔ "وہ تمہارے ہی ہوں گے۔" یہ دونوں گاؤں جناب صدیقؓ کی خلافت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تھے اور جناب صدیقؓ نے ان کی عطا کا فرمان تمیم کیلئے لکھ دیا۔

۵۱۔ وفد بنو اہادین دس ہجری میں قبیلہ اہادین کے پندرہ آدمیوں کا ایک وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ قبیلہ بھی یمن کے ایک بڑے قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا۔ ان لوگوں نے مدینہ منورہ میں قرآن پاک اور دینی فرائض سیکھے۔ چند آدمی مدینہ منورہ میں زیادہ دیر ٹھیر گئے۔ کہ حجتہ الوداع میں حضور پاکؐ کی معیت کی سعادت بھی ہو جائے اور قبیلہ کی نمائندگی بھی ہو جائے۔ ویسے اس قبیلہ میں سے جن صاحب کو اس وفد سے بھی پہلے اسلام کی آغوش میں آنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ جناب عمروؓ بن سبیح تھے۔ اور شاعر تھے۔ انہی کے قبیلہ کے جناب ہزانؓ بن سعد کے مطابق ان کی ایک نظم کا پہلا شعر یہ تھا۔

"اے سواری! میرے ہاں تجھے اس وقت تک آرام ملنے کا نہیں، جب تک تو رسول اللہ کے دروازے تک نہ پہنچ جا"

۵۲۔ وفد بنو غامد رمضان دس ہجری میں بنو غامد کا دس آدمی کا ایک وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور پاکؐ کو سلام کیا اور اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ یہ لوگ بھی یمنی تھے۔ تفصیل کہیں سے نہیں ملی۔ کہ کون کون تھے۔

۵۳۔ وفد النخع النخع بھی یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ لیکن خیال ہے کہ یہ ان بڑے قبیلوں کا ایک چھوٹا حصہ ہے جو کوفہ کے نزدیک یا اس زمانے میں حیرہ کے نزدیک آباد تھے یعنی عراق کی سرحد پر۔ روایت ہے کہ پہلے پہل اس قبیلہ سے صرف جناب

ارطاۃ بن شراحیل اور جناب ارقمؓ آئے ۔ انہوں نے صاف ستھرا لباس پہنا ہوا تھا اور حضور پاکؐ یہ حالت دیکھ کر خوش ہوئے ۔ حضور پاکؐ کی پرسش پر انہوں بتایا کہ سب قبیلہ خوش پوش اور خوشحال ہے ۔ حضور پاکؐ نے ان کے لئے دعا بھی فرمائی اور ایک جھنڈا بھی دیا ۔ روایت ہے کہ جناب ارطاۃؓ نے فتح مکہ کے روز یہی جھنڈا اٹھایا ہوا تھا اور اسی جھنڈے کے ساتھ جنگ قادسیہ میں شرکت کی اور وہاں شہید ہوئے ۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس قبیلہ کے دو سو افراد محرم گیارہ ہجری میں مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کی خدمت میں آپؐ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ۔ اور یہ آخری وفد تھا اور یمن سے مدینہ منورہ گئے تھے ۔ یہاں کچھ شک یہ پڑتا ہے کہ یہ لوگ اگر اتنی دیر کے بعد حضور پاکؐ کے جمال سے مستفیض ہوئے تو فتح مکہ کے وقت لشکر اسلام میں ان کی شرکت پر شک کیا جاسکتا ہے ۔ دوم اگر یمن میں تھے یا کوفہ کے نزدیک آباد تھے تو تو اس زمانے میں وہاں سے آکر فتح مکہ میں شرکت مشکل تھی ۔ بہرحال حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں مالک اشتر یا اشتر نخعی کو کوفہ کے گردونواح کا باشندہ بتایا گیا ہے کہ اس کا قبیلہ وہاں آباد تھا ۔ اور بعد میں اسلام کے ایک عظیم عالم جناب ابراہیم نخعی کو بھی کوفہ وغیرہ کے علاقوں سے وابستہ کیا گیا ہے ۔ ممکن ہے کہ قبیلہ نخعی کے لوگ جناب فاروقؓ کے زمانے میں کوفہ آگئے ہوں کہ کوفہ میں چھاؤنی جناب عمرؓ کے زمانے میں بنائی گئی اور حجاز ویمن سے لوگ جاکر وہاں آباد ہو گئے تھے ۔

۵۴ ۔ وفد بجیلہ دس ہجری میں مشہور صحابی جریرؓ بن عبداللہ بجیلہ کی قیادت میں پہلے پہل قبیلہ بجیلہ کے ڈیڑھ سو افراد نے آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا ۔ یہ قبیلہ علاقہ یمن کے شمالی حصوں سے تعلق رکھتا تھا ۔ اور اس قبیلہ کی ایک شاخ جو ااحمسی کہلاتے تھے ان کے اڑھائی سو افراد جناب قیسؓ بن عزرہ کیا قیادت میں حضور پاکؐ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے ۔ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنے آپ کو احمس اللہ (اللہ تعالی کے بہادر) کہتے تھے ۔ حضور پاکؐ نے ان کا یہ لقب تبدیل کر کے احمس للہ (اللہ کے لئے بہادر) کر دیا ۔ قارئین! یہ عاجز ایسی باتیں پڑھ کر کانپ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے ۔ ہم ہر وقت غلط الفاظ استعمال کر کے شرک کرتے رہتے ہیں ۔ بڑا ڈر لگتا ہے ۔ پس امید ہے کہ اپنی رحمت سے بخش دے گا ۔ ورنہ ہماری جہالت حد سے گزری ہوئی ہے ۔ بہرحال قبیلہ بجیلہ کا ایک بت ذوالخلصہ تھا ۔ اور کچھ جگہوں پر نام ذوالخلاصہ لکھا گیا ہے ۔ اور حضور پاکؐ نے جناب جریرؓ اور ان کے قبیلہ سے ہی اس بت کو برباد کرایا ۔ قبیلہ بجیلہ اور خاص کر جناب جریرؓ نے عراق وایران اور شام دونوں محاذوں پر خلفاء راشدین کے زمانے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ہماری تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھے ہوئے ہیں ۔

۵۵ ۔ وفد بنو خثعم یہ قبیلہ بنو بجیلہ کے ہمسایہ تھے جو تھے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ بھی ذوالخلاصہ بت کی پوجا کرتے تھے ۔ جب جناب جریرؓ نے اس بت کو توڑ دیا تو یہ لوگ بھی اسلام لے آئے اور سعادت کے لئے قبیلہ کے کچھ سردار مدینہ منورہ، حضور پاکؐ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ۔

۵۶ ۔ وفد اشعرین یہ مشہور صحابی جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ ہے اور انہی اور ان کے بھائی کی قیادت میں پچاس افراد کا ایک وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں جنگ خیبر سے چند روز پہلے یا جنگ خیبر کے دوران سات ہجری میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ۔

ساتھ ہی ایک ہمسایہ قبیلہ عک کے دو افراد بھی تھے۔یہ لوگ جنوبی یمن میں حضرموت کے گردونواح کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے علاقے میں اسلام کی خوشبو مسافروں کے ذریعے سے پہنچ گئی۔تو خشکی کے راستے سفر نہ کیا کہ راستے میں کوئی قبیلہ مزاحمت نہ کرے۔چنانچہ سمندر کے راستے پہلے جدہ پہنچے اور پھر بحیرہ قلزم میں مدینہ منورہ کے مغرب تک سفر کیا۔اور وہاں سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔سولھویں باب میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "اشعرین لوگوں میں ایسے ہیں جیسے تھالی میں مشک ہو"۔سبحان اللہ! اس قبیلہ کی کیا شان ہے جن کے لئے آقاؐ ایسے لفظ فرما گئے۔اور بے شک اس قبیلہ نے اسلام کے "ہر میدان" میں عظیم خدمت کی۔جناب ابو موسیٰؓ نے از خود سپہ سالاری اور امارت دونوں محاذوں پر نام پیدا کیا۔اور باری باری کوفہ و بصرہ دونوں جگہوں کے گورنر رہے۔اسلام کی تیسری صدی میں اس قبیلہ کے عظیم فرزند جناب ابو الحسن اشعریؒ نے معتزلہ کے قلع قمع کے سلسلے میں بڑا کام کیا اور اسلام کے عظیم عالم امام غزالیؒ نے جناب ابو الحسنؒ کی تحریروں کی مدد سے معتزلہ کے علاوہ باطنیہ، جہمیہ اور قدریہ جیسے گروہوں کی بیخ کنی کی۔

۵۷۔ وفد حضر موت جیسا کہ نقشہ سوم پر ظاہر ہے حضرموت ایک وسیع علاقہ ہے۔اس لئے وہاں سے کئی وفود آئے۔پہلے ہم دو وفدوں کا ذکر کر چکے ہیں جن کو وفد کندہ یا ملوک کندہ کے نام دیئے ہیں۔وہ وفد اسی علاقے سے گئے تھے۔اب حضرموت کے حکمران خاندان کا ایک وفد آیا۔جن میں بنی ولیعہ، شاہان حضرموت، حمرہ و مخوس و مشرح والصبغہ وغیرہ تھے۔یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور حضور پاکؐ کی دعا سے مخوس کی زبان سے ہکلا پن بھی جاتا رہا۔اس کے بعد اس علاقے کا بڑا سردار وائلؓ بن حجر آیا جس نے عرض کی کہ وہ ہجرت کی شوق میں حاضر ہوا تھا۔حضور پاکؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور ساتھ ہی "الصلوۃ جامعہ" کی ندا دینے کا حکم فرمایا کہ لوگ ان کی عزت کے لئے اکٹھے ہوں۔قارئین! اس پہلو کو یاد رکھیں کہ الصلوۃ صرف نماز نہیں بلکہ ایک فوجی اجتماع بھی ہے کہ لوگ ربط وضبط کے ساتھ آئیں اور صف بند ہو جائیں۔بہرحال جناب وائلؓ کی مہمانداری کے فرائض جناب معاویہؓ بن ابو سفیانؓ کو سونپے گئے اور حضور پاکؐ نے ایک فرمان جناب وائلؓ کے لئے لکھوا دیا کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ ان زمینوں اور قلعوں کا مالک ہے جو اس کے قبضے میں تھے۔مخوس جن کے ہکلے پن کا ذکر ہو چکا ہے ان کو واپسی سفر پر لقوہ ہو گیا تو کچھ لوگ واپس آگئے کہ اپنے سردار کے علاج کے سلسلے میں حضور پاکؐ سے ہدایات لیں۔حضور پاکؐ نے دعا بھی فرمائی اور ہدایات بھی دیں جن کے بعد مخوس ٹھیک ہو گیا۔اسی علاقہ سے قبیلہ بتعہ کی ایک خوش قسمت عورت تہناہؓ نے حضور پاکؐ کے لئے ایک خاص لباس اپنے ہاتھ سے تیار کیا اور اپنے بیٹے جناب کلیبؓ کے ہاتھ حضور پاکؐ کے پاس تحفتاً بھیجا۔تو حضور پاکؐ نے سب کنبہ کے لئے دعا فرمائی۔جناب کلیبؓ جو شاعر تھے انہوں نے حضور پاکؐ کی شان میں ایک قصیدہ بھی پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا کہ "ہم تو آپؐ کے منتظر تھے کہ آپؐ کے بارے تو تورات میں بھی خبر ہے"۔روایت ہے کہ ان کے لئے یہ فرمان امیر معاویہؓ نے لکھا اور کاتب رسولؐ بن گئے۔جس کو بعد میں غلو کر کے ان کو کاتب وحی بھی بنا دیا گیا۔

۵۸۔ وفد ازد۔ از عمان قبیلہ ازد یمن کے کافی علاقوں میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے ایک وفد کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

لیکن موجودہ عمان (یا اومان) میں بھی قبیلہ ازد کے لوگ آباد ہیں اور وہاں سے بھی ایک وفد آیا ۔ ان کے سردار جناب اسدؓ بن یبرح الطاحی نے گزارش کی کہ ان کے ساتھ ایک معلم بھیجا جائے جو ان کو اسلام سکھلائے ۔ حضور پاکؐ نے جناب مدرکؓ بن خوط کی ان کی اپنی گزارش پر ان کے ساتھ معلم کے طور پر بھیجا کہ ان لوگوں نے پہلے جناب مدرکؓ پر ایک احسان کیا ہوا تھا ۔ اس کے بعد بھی عمان سے قوم ازد کا ایک وفد جناب سلمہؓ بن عیاذ کی قیادت میں آیا اور حضور پاکؐ نے ان سب کے لئے دعا فرمائی ۔

۵۹ ۔ وفد بنو عافق بنو عافق بھی یمن کا ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے اور انہی دنوں بنو عافق کے جناب جلحہؓ بن شعار کی سرداری میں اس قبیلہ کے چند آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا ۔ اس وفد میں سب ادھیڑ عمر کے لوگ تھے ۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اسلام میں ہر عمر والوں کے حقوق برابر ہیں ۔

۶۰ ۔ وفد بنو بارق قبیلہ بارق ، حجاز اور یمن کے درمیان ایک رہگزر پر آباد تھا ۔ دس ہجری میں ان کا ایک وفد آیا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا ۔ حضور پاکؐ نے ان کے لئے جناب ابیؓ بن کعب سے ایک فرمان لکھوایا کہ " ان کے وطن اور چراگاہیں یا پھل والے درختوں پر کسی اور کو کوئی حق نہیں ۔ اور وہ خود ان کے مالک ہیں ۔ ہاں البتہ اگر ان کے علاقے سے کوئی مسلمان قافلہ گزرے گا تو تین دن تک یہ قبیلہ مسلمانوں کی مہمانداری کرے گا " ۔ گواہ کے طور پر اس فرمان پر جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خذیفہؓ بن یمانؓ نے دستخط کئے ۔ اس طرح یہ علاقہ اسلامی لشکروں کے لئے ایک Staging Post یا ٹرانزٹ کیمپ بن گیا ۔ اور یمن میں مرتدین کے قلع قمع کے لئے حجاز سے جانے والے لشکروں یا بعد میں خلفاء راشدین کے زمانے میں اہل یمن جب اسلامی لشکروں میں شامل ہونے کے لئے گھروں سے نکلتے تھے تو راستے میں ان کی مہمانداری کا شرف قبیلہ بارق کو نصیب ہوتا تھا ۔

۶۱ ۔ وفد بنو دوس اکیسویں باب میں جناب طفیلؓ بن عمرو الدوسی کا ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح حضور پاکؐ کی مکی زندگی ہی میں وہ اسلام سے متاثر ہو گئے اور جنگ خیبر کے وقت آپ کا تقریباً سارا قبیلہ اسلام لے آیا ۔ جنگ حنین کے وقت جناب طفیلؓ کو ذی الکفین کا بت توڑنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔ اور حضور پاکؐ نے جو مہم بھیجی ان سب کا ذکر ہو چکا ہے ۔ مورخین نے جناب طفیلؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روشنی کا بھی ذکر کیا ہے جو حضور پاکؐ کی دعا سے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیدا ہو گئی جس کو بعد میں جناب طفیلؓ نے گزارش کر کے اپنے چابک کے سرے پر تبدیل کروالیا ۔ اس سب کے بہت اثرات ہوئے اور جناب طفیلؓ سات ہجری میں اسی قرابت داروں کے وفد کے ساتھ حضور پاکؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے ۔ حضور پاکؐ خیبر کی مہم پر گئے ہوئے تھے تو یہ لوگ بھی ادھر ہی جا کر حضور پاکؐ کو ملے ۔ ان خوش قسمت افراد میں اسلام کے عظیم محدث جناب ابو ہریرہؓ بھی تھے اور جناب ابو ہریرہؓ کے بارے سرسری ذکر جنگ خیبر کے وقت سولھویں باب میں ہو چکا ہے ۔ زمانہ جہالت میں آپ کا نام عبد شمس تھا ۔ اسلام لانے کے بعد نام عبد الرحمن رکھا گیا لیکن ابو ہریرہؓ والی کنیت چھا گئی ۔ کہ بلیوں کی بہت دیکھ بھال کرتے تھے اور ہریرہ عربی میں بلی کو کہتے ہیں

۶۲۔ وفد ثمالہ والحران قبیلہ ثمالہ کے جناب عبداللہؓ بن عنس اور قبیلہ الحران کے جناب مسلمیہؓ بن یزن اپنی اپنی قوم کے گروہوں کے ساتھ فتح مکہ مکرمہ کے بعد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی قوم کی طرف سے وفاداری کی بیعت کی۔ حضور پاکؐ نے ان کے لئے ایک فرمان بھی لکھوا دیا جس پر گواہ کے طور پر جناب محمدؓ بن مسلمہ اور جناب سعدؓ بن عبادہ نے دستخط کئے۔ یہ قبیلے کہاں آباد تھے اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔

۶۳۔ وفد اسلم انہیں دنوں میں اسی قسم کا ایک وفد جناب عمیرہؓ بن اقصی قبیلہ اسلم کی ایک جماعت کے ہمراہ آیا اور گزارش کی کہ وہ لوگ انصار کے بھائی ہیں۔ اور ہر حالت میں وہ وفادار رہیں گے۔ ساتھ ہی دعا کے لئے عرض کی تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اسلم کو اللہ سالم رکھے اور غفار کی خدا مغفرت کرے۔ اور ساتھ ہی سب مسلمان قبائل کے دعا فرمائی اور قبیلہ اسلم کو ایک فرمان بھی لکھوا کر دیا جو جناب ثابتؓ بن حسن نے لکھا۔ گواہ جناب فاروقؓ اور جناب ابو عبیدہؓ تھے۔ اس قبیلہ کے جناب حمزہؓ بن عمرو کا عظیم صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیانی راستے پر آباد تھے۔

۶۴۔ وفد جذام جذام کا قبیلہ شام کی سرحد کے اندر اور اردن میں موجودہ معان کے قریب آباد تھا۔ اس قبیلے کے ایک چھوٹے قبیلے نفاثہ کے جناب فروہؓ بن عمرو اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ اور انہوں نے ایک قاصد کے ذریعے سے حضور پاکؐ کو اپنے اسلام کی خبر بھی بھیجی اور ایک سفید مادہ خچر بطور ہدیہ بھیجی۔ یہ خبر جب رومیوں کے پاس پہنچی تو انہوں نے جناب فروہؓ کو طلب کیا اور پھر گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ جناب فروہؓ نے اپنا آخری پیغام ایک شعر کے ذریعے پہنچایا جو یہ تھا "سردار مومنین کو میری خبر پہنچا دو کہ اپنے رب کے لئے میری ہڈیاں بھی مطیع ہیں"۔ اس قبیلہ کے جناب رفاعہؓ بن زید بھی جنگ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے اور جناب رفاعہؓ کو حضور پاکؐ کی زیارت ہوئی اور آپ نے "دیدار عام" کا لطف اٹھایا۔ اور جناب فروہؓ نے ضرور بالضرور "دیدار خاص" حاصل کیا ہوگا۔

۶۵۔ وفد مہرہ نقشہ سوم پر علاقہ مہرہ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یہاں کے اونٹ بڑے مشہور تھے اور ہمارے ہاں بھی جو مہرہ اونٹ (تیز رفتار اونٹ) ہوتے ہیں شاید ان کی نسل وہاں سے آئی ہو۔ بہرحال اس دور دراز علاقہ سے بھی جناب مہریؓ بن الابیض اور جناب زہیر بن قرضم باری باری حضور پاکؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور فرمان حاصل کئے۔ اور اپنے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ روایت ہے کہ کافی لوگ مسلمان ہو گئے۔ بہرحال لوگوں کی دیکھا دیکھی جناب صدیقؓ کے زمانے میں یہاں بھی کچھ بغاوت ہوئی جس کو جناب عکرمہؓ بن ابو جہل اور جناب حذیفہؓ بن محصن وغیرہ نے فرد کر دیا۔ گو شروع میں ان علاقوں کی ذمہ داری جناب صدیقؓ نے جناب عرفجہؓ کو دی تھی۔

۶۶۔ وفد حمیر علاقہ یمن میں ہمدان کے نزدیک حمیر قبیلہ آباد تھا اور ان کے سرداروں کو ملوک حمیر کہتے تھے۔ اور ان لوگوں کی خط و کتابت اور کچھ تعلقات شہنشاہ روم کے ساتھ بھی تھے یعنی بالکل اس طرح جس طرح چوتھے باب میں حضور پاکؐ کے جد امجد جناب ہاشمؒ کے بادشاہوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہو چکا ہے۔ بہرحال سات ہجری میں ملوک حمیر کا ایک قاصد جو شہنشاہ

روم سے ملاقات کر کے واپس ہمدان جارہا تھاتو وہ مدینہ منورہ میں رک گیا۔ حضور پاکؐ نے اس قاصد کے ذریعے سے ان لوگوں کو اسلام میں آنے کی دعوت دی جو کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے منظور کرلی اور معلم کے لئے گزارش کی۔ حضور پاکؐ نے جناب معاذؓ بن جبل کو وہاں بھیجا جس کا ذکر اکثر احادیث مبارکہ میں فقہی معاملات کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔

۶۷۔ **نجران کے مزید وفود** نجران کے عیسائیوں کا ذکر چوتھے باب میں بھی ہو گیا تھا۔ پھر اکیسویں باب میں بنوحارث کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے جناب خالدؓ کے نجران جانے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اور اس باب میں ایک وفد کے آنے کا ذکر بھی ہے۔ یہاں نجران کے عیسائیوں کے ایک وفد کا ذکر ہے جو اب وہ پہلے والے عیسائی نہ رہ گئے تھے جن کا ذکر "گھاٹی والے" کے طور پر قرآن پاک میں موجود ہے۔ بہر حال جب مسلمان نجران کے چاروں طرف چھاگئے تو نجران کے پادریوں کا ایک وفد بھی مدینہ منورہ میں آیا۔ انہوں نے بڑا عمدہ لباس پہنا ہوا تھا اور اس عمدگی سے لوگوں کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ حضور پاکؐ نے اس لئے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ دوسرے دن یہ لوگ راہبوں کے لباس میں حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور پاکؐ نے ان کی طرف توجہ دی اور ان کو اسلام میں آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کیا تو حضور پاکؐ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ انہوں نے ایک دن کی مہلت مانگی لیکن دوسرے دن کھسیانے ہوگئے اور کہنے لگے کہ ان کو عیسائی مذہب پر رہنے دیا جائے البتہ وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ایک معاہدہ کے تحت انہوں نے وعدہ کیا کہ ہر سال رجب اور صفر کے مہینوں میں وہ مسلمانوں کو ایک ہزار چھوٹے ہتھیار مہیا کریں گے۔ اور یمن کے علاقے میں جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو عاریتاً تیس گھوڑے، تیس اونٹ، تیس زرہیں اور تیس نیزے دیں گے۔ جب یہ لوگ اپنے وطن میں واپس آگئے تو وہاں کافی لوگ مسلمان ہوچکے تھے اور ان کا اثر دن بدن گھٹنے لگا۔ حضور پاکؐ کے زمانے تک تو معاملات کچھ چلتے رہے لیکن جناب صدیقؓ کے زمانے میں ان پادریوں نے سودی کاروبار شروع کر دیا کہ ان کی آمدنی پہلے والی نہ رہی تھی۔ اس کاروبار سے وہ اتنے بدنام ہوئے کہ جناب فاروقؓ کی خلافت میں ان کو ملک بدر کرنا پڑا۔

۶۸۔ **وفد جشیان** دس ہجری میں یمن کے ایک قبیلے جشیان کا وفد آیا۔ جنہوں نے اسلام لانے کا اعلان کیا لیکن شراب کے بارے ان کو کچھ شک تھا کہ ایک شراب انگور سے بنتی ہے ایک کو جو سے بنایا جاتا ہے (یعنی موجودہ بیئر) تو کیا ہر قسم کی شراب حرام ہے۔ حضور پاکؐ نے پوچھا کہ کیا اس سے نشہ آتا ہے کہنے لگے اگر زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو نشہ آتا ہے۔ ہمارے آقاؐ نے واضح کر دیا کہ "جو چیز نشہ آور ہو اس کا قلیل یعنی کم استعمال بھی حرام ہے"۔ یہ ہے عملی اسلام۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔

خلاصہ اور اب تک جن وفود کا ذکر ہو چکا ہے ان کی تعداد کا شمار اڑسٹھ بنتا ہے لیکن بعض جگہ دو وفود کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے اور بعض جگہ ایک وفد کی بجائے قبیلہ سے کئی وفد آئے۔ پھر یہ پہلو مکمل بھی نہیں۔ جن قبائل میں کوئی شاعر یا "قصہ گو" موجود تھا تو ذکر باقی رہ گیا۔ کئی سادہ لوگوں یا قبائل کے ذکر شاید لوگوں نے کئے ہی نہ ہوں۔ بہر حال ہم جس پہلو کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسے وفود کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔

۲۔ دنیا کے کسی حاکم کے پاس اتنے وفد نہ آئے لیکن ہمارے آقا کی فوجی حکمت عملیاں، فوجی مہمات، حربی کاروائیاں اور تبلیغ بامقصد تھی تو یہ نتائج نکلے اور یہ فوری نتائج تھے۔

۳۔ افسوس کے وفود کا ذکر آجکل کی تاریخوں سے غائب ہو رہا ہے اور پرانی تاریخوں میں واقعات کی ترتیب ٹھیک نہیں یا واقعات میں رابطہ بیان نہیں کیا گیا یا وفود کا محل وقوع، وجہ یا اثرات بیان نہیں کئے گئے۔ نہ ہی عظیم شخصیتوں کا ذکر ہے

۴۔ اس عاجز نے بامقصد مطالعہ کے تحت تحقیق کر کے تمام واقعات کو ایک ترتیب دی اور وفود کی آمد کا ان واقعات کے ساتھ تانا بانا ملانے کی کوشش کی۔ کہ اسعد گیلانی کی تاریخ یا نقوش کے حوالوں میں وفود کا ذکر ضرور ہے لیکن وہاں نہ جغرافیائی پہلو ہے۔ نہ وہ اسباب اور وجوہات ہیں جن کیوجہ سے وفود آئے نہ شخصیتوں کے ذکر اس تفصیل کے ساتھ ہیں۔

۵۔ اسلام تاریخ برائے تاریخ کے بیانات کے حق میں نہیں۔ بلکہ تاریخ سے عبرت پکڑنے اور نشان راہ تلاش کرنے کی طرف راغب ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اور تمام تحقیق میں اس پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے، کہ وفود نظریاتی ضرورتوں کے تحت آئے۔

۶۔ اسلام ہمارے ملک کے تاریخ دان پروفیسر دانی کی طرح ٹیکسلا کے پتھروں میں تاریخ کو تلاش نہیں کرتا بلکہ فلسفہ، نظریہ اور عمل تلاش کرتا ہے۔ دور دور سے قبائل جب مدینہ منورہ آتے تھے تو وہ اس غلط فہمی میں ہوتے تھے کہ وہ کسی کسریٰ یا قیصر کے دربار میں جارہے ہیں لیکن یہاں حضور پاکؐ اپنی زندگی اور مسلمانوں کی زندگی سے سادگی کا عملی سبق دیتے تھے اور زندگی کے مقاصد کا فلسفہ بیان کرتے تھے۔ اس عاجز نے تمام تر بیانات میں اسی پہلو کو سامنے رکھا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر ان قبائل کے لوگوں نے بھی اللہ کی فوج بننا منظور کیا۔ اور ایک ہاتھ میں قرآن پاک اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے کہ دنیا کو حق سے روشناس کرائیں۔

۷۔ چوتھے باب میں عرب جزیرہ نما کے بڑے بڑے قبائل کا ذکر پہلے ہی کر دیا گیا تھا۔ یہ تعارف تھا۔ پھر مختلف قبائل حج پر آتے تھے تو ان کو قدرتی وفد نہیں۔ یا حضور پاکؐ نے ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا کہ اہل حق کا پیغام دور دور تک پہنچے۔ اس سلسلہ میں انصار مدینہ از خود کا بھی ایک بہت بڑا وفد تھا جن کو مکہ مکرمہ میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور پھر وہاں سے اہل حق کو بھی اپنے گھر لے آئے اور یثرب کو مدینہ منورہ بنا کر اسلام کا مرکز بنا دیا۔

۸۔ اس کے بعد اس عاجز نے حضور پاکؐ کی تمام جنگی مہمات یا تبلیغی کاروائیوں کے متعدد نقشوں کی مدد سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ مختلف قبائل کے ساتھ پہلا رابطہ کب قائم ہوا اور اس سلسلہ میں کیا کیا کاروائیاں ہوئیں اور اب اس باب میں وفود کی آمد کو پہلے رابطوں سے گانٹھا گیا ہے۔

۹۔ افسوس ہے کہ ملک عرب کا مکمل جغرافیہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کچھ قبائل کا ذکر ادھورا رہا۔ قبائل اور جگہوں کے ناموں میں چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہو سکتی ہیں لیکن زیادہ اور بڑے قبائل کا ذکر مکمل ہے۔ اس طرح سے قارئین ان بیانات کو نقشوں کی مدد سے حضور پاکؐ کی رحلت کے وقت تک اسلام کے پھیلاؤ کو کچھ سمجھ سکیں گے۔

۱۰۔ لیکن ایک جھٹکا اور لگنا تھا اور وہ مرتدین کے خلاف مہمات کے دوران کھرے کھوٹے کی پہچان ہونا تھی۔ لیکن ان واقعات کو صحیح طور پر تب سمجھا جاسکتا ہے کہ وفود کی آمد کا بیان کوئی اس طرح کرے جیسے اس عاجز نے کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی مرتدین کی مہمات کا ہر قبیلہ کے لئے سرسری ذکر بھی کر دیا کہ جو لوگ خلفاء راشدین کے زمانے میں اسلام کے پھیلاؤ کو سمجھنے کی کوشش راقم کی کتابوں کے ذریعہ سے کریں ان کو آسانی ہوگی کہ نہ صرف مرتدین کے قلع قمع کا بلکہ سب مہمات کا مطالعہ بامقصد ہے۔

۱۱۔ اس عاجز نے خلفاء راشدین کی کتابیں پہلے سے ہی اپنی کتاب "جلال مصطفیٰ" کی مدد سے اسی طرز پر لکھی ہیں کہ اسلام کا پھیلاؤ سمجھ میں آجائے اور دو محاذوں کی حکمت عملی میں بڑے گہرے غوطے لگائے گئے ہیں۔

۱۲۔ قارئین یہ بھی دیکھیں گے کہ ہر وفد کے بیان کے ساتھ جہاں کچھ معلوم ہو سکا، عملی اسلام کی بات بھی لکھ دی۔ کہ حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ چلتا پھرتا اسلام تھے۔ اور اگر ہر مسلمان چلتا پھرتا اسلام نہیں تو وہ بہروپیا اور منافق ہو سکتا ہے

۱۳۔ پہلے ہی بیان کر دیا تھا کہ حضور پاکؐ کی تمام ترکاروائیاں کئی مقاصد کے تحت ہو رہی تھی۔ وہ دنیاوی بادشاہوں یا حاکموں کی طرح ملک فتح کر کے اپنے آپ کو وہاں پر صرف حکومت کرنے تک محدود نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کے دوررس مقاصد یہ تھے کہ حق کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ یہ فوری مقاصد حاصل کر کے وفود کو منگوانے کا دوررس مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو دنیا میں حق کا نام بالا کرنے کے راستے پر لگا دیا جائے۔

۱۴۔ اسلام کا موازنہ کسی دوسرے مذہب یا نظریہ سے کرنا بالکل ایسا ہے جیسے سورج کا موازنہ ایک چراغ کے ساتھ کیا جائے۔ بڑے بڑے فلاسفر یعنی سقراط وغیرہ صرف باتیں کر گئے اور ان کے شاگردوں یعنی افلاطون کے قسم کے لوگوں نے کچھ لکھا۔ لیکن وہ بھی "نظریات" تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی نظریات دے گئے اور ان کے حواریوں نے کچھ عملی کام کئے۔ لیکن ہمارے آقا سب کچھ خود کر گئے۔ اور قارئین خود ہی اندازہ لگائیں کہ کتنی محنت کرنا پڑی۔ لیکن ہمارے ہاں جہاد اور فن سپہ گری سے نفرت سکھلائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ مرید ہندی کے روپ میں پیر رومی کو اس سلسلہ میں عرض بھی کرتے ہیں

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو　　سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہو

مولانا رومی کا یہ جواب پہلے سے موجود تھا

تا دل صاحبدے نامے بدرد　　ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

تیئیسواں باب

حق کا پھیلاؤ۔ حصہ چہارم

سربراہان ممالک کو دعوت اسلام

تمہید بعثت رسولؐ کے وقت دنیا کے تاریخی حالات چوتھے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ جغرافیائی طور پر نقشہ اول میں اس زمانے کی بڑی بڑی مملکتوں کا ذکر بھی ہے۔ قریش خاندان اور خاص کر حضور پاکؐ کے جد امجد جناب ہاشمؓ اور ان کے بھائیوں کے دنیا کے سربراہان ممالک کے ساتھ تعلقات کا بھی سرسری ذکر ہے۔ اور جناب عروہؓ ثقفی یا کئی اور لوگوں کا ذکر آچکا ہے کہ کئی عرب، بادشاہوں کے درباروں تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ بے شک ہم نے اس زمانے کا جہالت کا زمانہ کہا ہے، لیکن یہ پہلو مقابلتاً ہے ورنہ عرب کی سرزمین میں بڑے بڑے مدبر لوگ ہو گزرے ہیں اور یہ عاجز چوتھے باب میں اس پہلو پر تبصرہ کر چکا ہے۔ گو حضور پاکؐ کے حبشہ کے شاہ نجاشیؓ سے تعلقات مکی زندگی سے شروع ہو گئے تھے لیکن جیسا کہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمان وہاں پناہ گیر کے طور پر گئے تھے۔ تو شاہ نجاشیؓ کو بھی اسلام میں آنے کی دعوت صلح حدیبیہ کے بعد سات ہجری میں ہی دی گئی کہ کچھ دنیاوی ضرورتیں بھی ہوتی ہیں، کہ حضور پاکؐ جب ایک دنیاوی حاکم بھی بن گئے تو سب بادشاہوں کو دعوت تب دی۔ وفود جن کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر آئے ہیں ان میں زیادہ تر نویں اور دسویں ہجری میں آئے اس لئے قارئین یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ باب اس سے پہلے آنا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ کچھ وفد پانچویں ہجری میں آئے اور وفود کا آنا عرب جزیرہ نما کا اندرونی معاملہ تھا۔ تو اس لئے وہ ذکر اکٹھا کر کے پہلے کر دیا اور اب ہم بین الاقوامی دنیا میں داخل ہوتے ہیں۔

قیصر روم چوتھے باب میں ہرقل، قیصر روم، روم و ایران کی جنگوں، قرآن پاک کی سورۃ روم اور قیصر کے دارالحکومت قسطنطنیہ کا ذکر ہو چکا ہے بلکہ اس کا ایک ایشیائی دار الخلافہ بھی حمص اور انطاکیہ میں تھا اور ایران کے خلاف جنگوں میں کامیابی کے بعد وہ بیت المقدس (یروشلم) جانے کی تیاری میں مصروف تھا، کہ حضور پاکؐ نے اپنا سفیر اس کے پاس بھیجا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس ہرقل نے بہت لمبی عمر پائی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوت ہوا۔ اس کے فوجی تدبر اور حکمت عملی کے عملی نتائج کا ذکر بھی چوتھے باب میں ہو چکا ہے۔

جناب ضیاؓ بن خلیفہ قیصر روم کے لئے سفیر کا کام کرنے اور حضور پاکؐ کا قاصد بننے کی سعادت جناب ضیاؓ بن خلیفہ کو حاصل ہوئی۔ جن کا اپنا اور اور ان کے قبیلہ کا تعارف اور وفود کا ذکر بائیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ بلکہ جناب ضیاؓ کا ذکر سترھویں باب اور پندرھویں باب میں بھی ہو چکا ہے۔ کہ آپ جنگ خندق سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم سفر کے لئے جناب ضیاؓ اکیلے نہ ہوں گے، کہ قاصدوں کے ساتھ ہمیشہ ایک دستہ موجود ہوتا تھا۔ اور ہر جگہ قبائل ان کی میزبانی کا شرف حاصل

کرتے ہوں گے ۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے خطوط کی خبر از خود راستے پر جہاں بھی قاصد پڑاؤ کرتے ہوں گے لوگوں پر اثر کرتی ہوگی ۔
حضور پاکؐ نے جناب ضیاؓ کو حکم دیا تھا کہ یہ خط ہرقل کے پاس اس کے باجگذار غسانی حاکم حارث والئ بصریٰ کے ذریعہ بھیجا جائے ۔ بصریٰ یرموک کے علاقے میں وادی حوراں میں ایک بہت بڑا قلعہ تھا ۔ جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جناب خالدؓ بن ولید عراق سے ایک لشکر لے کر شمال کی طرف سے وادی یرموک میں داخل ہوئے تھے ۔ اور اسی بصریٰ کے مقام پر جناب ابو عبیدہؓ کی طرف سے جناب شرجیلؓ بن حسنہ اور جناب خالدؓ کا رابطہ ہوا ۔ اور خود امین الامتؓ کی ملاقات اللہ کی تلوارؓ کے ساتھ اسی مقام پر ہوئی تو یہ مقام ویسے بھی ہمارے لئے بعد میں متبرک بن گیا تھا کہ دو محاذوں کی فوجی حکمت عملیاں اسی مقام پر عملی طور پر شیر و شکر کی گئیں ۔ ہمارے جغرافیہ سے نابلد نیم تاریخ دانوں نے عراق، ایران کے محاذ پر خلیج فارس والے بصرہ اور اس بصریٰ کو ایک شہر بنا کر اور دوسری طرف عراق و ایران محاذ کے سپہ سالار جناب ابو عبید ثقفیؓ اور شام کے محاذ کے سپہ سالار جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کو ایک شخصیت بنا کر فوجی حکمت عملیوں کو شیر و شکر کرنے کی بجائے ساری تاریخ کو گڈمڈ کر دیا ۔ اس زمانے میں جس تاریخ کی کتاب میں جغرافیائی وضاحت نہیں یا نقشوں سے مدد نہیں لی جاتی وہ تاریخ کم اور افسانہ زیادہ ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری اکثر تاریخ کی کتابیں ناقابل فہم واقعات سے بھری پڑی ہیں ۔ اور یہی بیانات افسانوی شکل اختیار کر گئے ہیں ۔ تو تب ہی یہ عاجز کتاب میں اتنے نقشے دے رہا ہے ۔

قیصر کو پیغام بہر حال اسی زمانے میں ہرقل بیت المقدس پہنچ گیا اور بصریٰ کے حاکم حارث غسانی نے اپنے آدمیوں کی رہنمائی میں حضور پاکؐ کے سفیر جناب ضیاؓ بن خلیفہ کو ہرقل کے پاس بیت المقدس بھیج دیا ۔ اور جناب ضیاؓ نے یہ خط ہرقل کو دے دیا ۔ صحیح بخاری کے مطابق حضور پاکؐ کے خط مبارک کو یہاں دہرایا جا رہا ہے اور بریکٹ کے الفاظ اس عاجز کے ہیں ۔

من جانب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہے ۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے ۔
" اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیروکار ہے اس کے بعد میں تجھ کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں ۔ اسلام لے آؤ گے تو سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دگنا اجر دے گا ۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو تیرے ملک کا گناہ بھی تیرے اوپر ہو گا ۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں ایک جیسی یا مشابہ ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور ہم سے کوئی بھی اللہ کے سوا اس کا شریک نہ بنائیں ۔ اور تم نہیں مانتے، تو گواہ رہو کہ ہم یہ بات مانتے ہیں " ۔

حضور پاکؐ کے خط پر تبصرہ یا وضاحت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے ۔ یہ عاجز صرف یہ گزارش کرے گا کہ خط مختصر اور بامعنی ہے اور وہ کچھ لکھا جو ہرقل اور عیسائیوں کا بتانا ضروری تھا ۔ قارئین جب اس خط کا دوسرے خطوط سے موازنہ کریں گے تو یہ پہلو سمجھ میں آجائے گا ۔ یہاں حضور پاکؐ کے ان الفاظ کو اپنی زبان میں بیان فرما رہے تھے کہ " آؤ ایک اللہ پر متحد ہو جائیں " لیکن یہ اللہ " رب محمدؐ " ہے جس کی وضاحت شروع کے ابواب میں کر دی تھی ۔ اور عیسائیوں کو یہ پہلو باور کرانا ضروری تھا کہ وہ تین خداؤں (Trinity) کے چکر میں پڑ گئے تھے ۔ یعنی اللہ کے شریک بنا دیئے ۔

قیصر کا ردعمل قیصر یہ خط سننے کے بعد حیران ہو گیا اور حکم دیا کہ مکہ مکرمہ کے کسی قریش عرب کو تلاش کیا جائے کہ وہ اس خط کے بارے یا خط بھیجنے والے کے بارے کسی غیر جانبدار آدمی سے مشورہ کرے گا۔ قیصر کے آدمی غزہ کے علاقے سے ابو سفیان کو بیت المقدس لے گئے۔ ابو سفیان اس وقت تک اسلام نہ لایا تھا اور صلح حدیبیہ کی وجہ سے وہ اپنے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ فلسطین میں موجود تھا۔ وہ اس علاقے میں جانی پہچانی شخصیت تھا اور اس کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ بہرحال ہرقل قیصر روم نے باقاعدہ دربار لگایا اور دربار میں جناب ضیاؓ بن خلیفہ کے ذریعے سے وصول شدہ خط بھرے دربار میں پڑھ کر سنایا پھر ابو سفیان کو بلایا کہ ہرقل جو کچھ اس سے پوچھے گا وہ سچ سچ جواب دے گا۔ ابو سفیان حیران تھا اور اس نے کہہ دیا کہ "یہ پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا کوئی اتنا بڑا آدمی تو نہیں کہ اس سے کوئی ڈر یا فکر کی بات ہو"۔ ہرقل نے ابو سفیان کو خاموش کر دیا کہ "اپنے آپ بات مت کرو۔ صرف سوالوں کا جواب دو"۔ اس ساری کہانی کے راوی جناب عبداللہؓ بن عباسؓ ہیں کہ انہوں نے یہ سب کچھ جناب ابو سفیانؓ کے اسلام لانے کے بعد ان کی زبان سے سنا۔ کہ جناب ابو سفیانؓ کہتے تھے کہ جھوٹ بولنے کا تو ان کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا۔ ویسے دربار میں ان کے ہمراہی اور مسلمانوں کے سفیر بھی موجود تھے۔ اس لئے غلط بات کے خراب نتیجے نکل سکتے تھے۔

ہرقل اور ابو سفیان کی گفتگو اس سلسلہ میں ہرقل اور ابو سفیان کی گفتگو، ان کے اپنے الفاظ میں لکھی جا رہی ہے۔ کوئی وضاحت جو ہو گی اس کو بریکٹ میں لکھا جائے گا:۔

ہرقل: "پیغمبرِ اسلام کا شجرہ نسب کیا ہے؟"

ابو سفیان: "وہ اعلیٰ حسب و نسب کے ہیں اور ان کا تعلق ہمارے خاندان کے ساتھ ہے"۔

ہرقل: "کیا اس سے پہلے ان کے خاندان میں سے کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟"

ابو سفیان: "نہیں ایسی کوئی بات نہیں"۔

ہرقل: "ان کو چاہنے والوں کا کردار کیسا ہے؟"

ابو سفیان: "زیادہ تر کمزور اور غریب بے کس لوگ ہیں۔ ان میں نوجوان لونڈیاں اور غلام بھی ہیں" (ابو سفیان کا یہ جواب صحیح نہ تھا۔ ان میں بڑے بڑے عزت دار لوگ بھی تھے اور بڑے بڑے امیر لوگ بھی تھے)۔ اس لئے ہرقل نے اس سلسلہ میں ابو سفیان پر ایک اور سوال کر دیا"

ہرقل: "تم مجھے یہ بتاؤ کہ آیا وہ لوگ ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور چمٹے رہتے ہیں یا کسی نے ان کو چھوڑ بھی دیا ہے؟"

ابو سفیان: ان کے کسی پیروکار نے ان کو اب تک نہیں چھوڑا" (اب ہرقل کا مقصد پورا ہو گیا۔ سوال ہی ایسا ہی تھا کہ ابو سفیان کو صحیح بات بتانا پڑی)

ہرقل: "ان کی اور آپ کی جنگوں کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟"

ابو سفیان: "مختلف اوقات میں مختلف" (ابو سفیان کا جواب مہمل تھا اور ہمارے مؤرخین نے اس کو صحیح جواب سمجھ کر آگے

لکھ دیا کہ ابو سفیان کا مطلب یہ تھا کہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی احد میں کفار مکہ کو اور خندق میں معاملات بین بین رہے ۔ تو معاملہ مختلف مختلف رہا ۔ یہ عاجز اس جواب کو صحیح نہیں سمجھتا ۔ اس سلسلہ میں پوری بات ہوئی ہو گی ۔ اور قیصر جو بہت ہی جہاندیدہ آدمی تھا وہ سمجھ گیا ہو گا کہ ابو سفیان جن لوگوں کو نادار کہہ رہا ہے نہ ان کے خلاف کوئی جنگ جیت سکا اور نہ کوئی مقصد پورا کر سکا)

ہرقل کے مقاصد ہرقل نے دربار ایسے ہی نہ لگایا تھا ۔ وہ بے خبر آدمی نہ تھا ۔ اس کو پہلے سے بھی حضور پاکؐ کے بارے کئی باتیں معلوم ہوں گی ۔ اس نے حالات کا بڑا تجزیہ کیا ہو گا کہ اس کے سوالات بڑے جچے تلے تھے ۔ روایت ہے کہ یہ جوابات سننے کے بعد ہرقل نے کچھ اس قسم کے الفاظ ادا کئے: ۔ "بے شک جس جگہ پر میں بیٹھا ہوں اس جگہ پر جلدی انؐ کے پیروکار قبضہ کر لیں گے ۔ اور کاش مجھے ایسے عظیم انسان کے پاؤں دھونے کی سعادت نصیب ہوتی" ۔ ہرقل کے ان الفاظ نے تمام درباریوں کو ششدر کر دیا ۔ اور ہرقل نے دربار برخاست کر کے چند چنیدہ امراء اور فوجی جرنیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن اس میں اس کو ناکامی ہوئی تو اس نے پینترا بدل ڈالا اور کہا کہ وہ ان لوگوں کا امتحان لے رہا تھا ۔

حب الدنیا ہم اس پر صرف یہ تبصرہ کریں گے کہ حب الدنیا اور تخت کا لالچ اس بے چارے کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ۔ اور وہ صراط مستقیم پر گامزن نہ ہو سکا اور حضور پاکؐ کی شان کو سمجھ لینے کے بعد بھی اپنے سینہ کو حضور پاکؐ کے جمال سے منور نہ کر سکا ۔

جناب دغاتیرؒ البتہ ایک بڑے پادری جناب دغاتیرؒ کی قسمت کھل گئی ۔ ہرقل نے جناب ضیاؓ بن خلیفہ کو جناب دغاتیرؒ کے پاس بھیج دیا کہ وہ ان کو حضور پاکؐ کے بعثت سے آگاہ کریں ۔ جناب دغاتیرؒ نے جب جناب ضیاؓ کی باتیں سنیں تو اعلان کر دیا: ۔ "بخدا یہ وہی احمدؐ ہیں جن کا ہماری کتابوں میں ذکر ہے" اور وہ پکار اٹھا "لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ" یہ دیکھ کر سب چھوٹے پادریوں نے جناب دغاتیرؒ پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا ۔ لیکن جناب دغاتیرؒ نے جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ حاصل کر چکے تھے ۔

مسند ابن حنبل کچھ روایتوں کے مطابق ابو سفیان اور ہرقل کی گفتگو میں اور طوالت ہے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہرقل نے بعد میں بھرے دربار میں پوری گفتگو کا جائزہ بھی پیش کیا ۔ ایسے بیانات کے ساتھ کوئی اختلاف تو نہیں ہو سکتا ۔ البتہ یہ عاجز اختصار اور بامقصد مطالعہ کے تحت ضروری باتیں پیش کر رہا ہے ۔ ہاں البتہ مسند احمدؒ یا مسند ابن حنبلؒ کی ایک روایت کا ذکر اور اس پر تبصرہ ضروری ہے ۔ وہ یہ روایت ہے کہ قیصر نے اپنا ایک سفیر چند سوالوں کے ساتھ حضور پاکؐ کی خدمت میں جناب ضیاؓ کے ساتھ بھیجا ۔ اور قیصر نے ایک خط بھی حضور پاکؐ کو بھیجا ۔ حضور پاکؐ نے جناب معاویہؓ بن ابو سفیانؓ کو بلایا کہ وہ قیصر کا خط پڑھے ۔ یہ روایت کئی لحاظ سے شکیہ ہے ۔ وہ سوال کیا تھے یا قیصر کے خط کا مضمون کیا تھا ، یہ نہ مسند ابن حنبلؒ میں ہے اور نہ کسی اور پرانے مؤرخ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ۔ اور زیادہ شک اس لئے پڑ جاتا ہے کہ جناب معاویہؓ اسوقت اسلام ہی نہ لائے تھے ۔ تو یہاں اس عاجز کو یہ کہنے کی اجازت ہو کہ جناب علیؓ کے مقابلے میں جناب معاویہؓ کو اوپر لانے کے لئے ایسی حدیث بنوامیہ کا ذہنی

اختراع ہے ۔ جس طرح ساتویں باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ بنوامیہ نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ جناب علیؑ کے والد جناب ابو طالبؓ اسلام نہ لائے تھے ۔ اسی طرح امیر معاویہؓ اور ابو سفیانؓ کو بلندیاں دینے کیلئے بنو امیہ کے زمانے میں کئی احادیث گھڑ لی گئیں

کسریٰ ایران ملک ایران اور ایران کے اس وقت کے کسریٰ خسرو پرویز کا ذکر تفصیل کے ساتھ چوتھے باب میں ہو چکا ہے ۔ سلطنت زوال پذیر تھی اور جناب فاروقؓ کے زمانے میں ایران کے لوگوں کو اسلامی برادری میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ۔

جناب عبداللہؓ بن خذافہ حضور پاکؐ نے کسریٰ ایران کو جو خط بھیجا اس کے لئے قاصد بننے کا شرف جناب عبداللہؓ بن خذافہ قرشی کو حاصل ہوا ۔ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ آپ کا ذکر شجرہ نسب الف میں بھی ہے ۔ اور آپ اولین اسلام لانے والوں میں شامل تھے ۔ آپ کے دوسرے بھائی جناب خنیسؓ ، جناب حفصہؓ بنت جناب فاروقؓ کے پہلے خاوند تھے اور ان کی شہادت کے بعد حضور پاکؐ نے جناب حفصہؓ کے ساتھ نکاح کیا ۔ حضور پاکؐ نے جناب عبداللہؓ کو ہدایات دیں کہ ایران کی سرحد میں داخل ہو کر باقی سفر ایرانی حکام کے تحت کریں ۔ خسرو پرویز کا دار السلطنت مدائن میں تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے موجودہ بغداد سے تھوڑا جنوب کی طرف تھا ۔ جناب عبداللہؓ پہلے بحرین گئے اور وہاں سے موجودہ کویت میں کاظمہ گئے جہاں ایرانی سلطنت کی ایک بڑی چھاؤنی تھی ۔ وہاں سے کاظمہ کے گورنر کی وساطت سے دریائے فرات پر حیرہ کے مقام پر گئے ۔ عراق کی فتوحات کے لئے بعد میں جناب خالدؓ بن ولید نے کاظمہ کی فتح کے بعد حیرہ تک یہی راستہ استعمال کیا ۔ بہر حال جناب عبداللہؓ نے حیرہ کے مقام پر دریائے فرات کو عبور کیا ۔ اور پھر بابل اور کوثی وغیرہ سے ہوتے ہوئے دار السلطنت تک پہنچ گئے ۔ یہی راستہ بعد میں قادسیہ کی فتح کے بعد جناب سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کیا ۔ (نقشہ اول دیکھیں)

حضور پاکؐ کا خط مبارک بہر حال جناب عبداللہؓ بن خذافہ جب مدائن پہنچے تو انہوں نے حضور پاکؐ کا خط مبارک کسریٰ ایران کو دیا ۔ خط کا مضمون یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من جانب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ ۔ بنام ۔ کسریٰ رئیس اعظم فارس ۔

" سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو کار ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے اور یہ کہ اسی اللہ تعالیٰ نے مجھے (حضور پاکؐ) تمام دنیا کے لئے پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلائے ۔ تو اسلام قبول کر اور تو سلامت رہے گا ۔ وگرنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہو گا " ۔

خسرو پرویز کو جب یہ خط سنایا گیا تو وہ سیخ پا ہو گیا ۔ اس کو اول اعتراض تو یہ تھا کہ کسی خط میں اس کے نام سے پہلے کسی کا نام کیوں آئے ۔ لیکن حضور پاکؐ کا خط دین فطرت کے اصولوں کے مطابق تھا ۔ کہ پہلے اپنا تعارف اور پھر مکتوب علیہ ۔ دوم وہ زرطشت مذہب کا پیروکار تھا ۔ تو وہ یہ کیسے برداشت کرتا کہ عرب کے ملک سے اس کو کوئی ایسا خط آئے ۔

خسرو کا ردِ عمل خسرو نے خط پھاڑ کر پھینک دیا اور بڑبڑانا شروع کر دیا۔ گزارش ہو چکی ہے کہ اس زمانے میں یمن کے علاقے بھی سلطنت ایران کے باجگذار تھے۔ تو باقی عرب علاقوں نجد یا حجاز کو تو وہ کوئی اہمیت دینے کو بھی تیار نہ تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز نے یمن کے گورنر باذان کو خط لکھا کہ اس مدعی نبوت (یعنی حضور پاکؐ) کو گرفتار کر کے (نعوذ باللہ) میرے دربار میں بہت جلد پیش کر دو۔

باذان کی کاروائی باذان سمجھدار آدمی تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ایران کی سلطنت زوال پذیر ہے۔ اور یمن پر ان کا برائے نام قبضہ ہے۔ وہ حضور پاکؐ کی طاقت سے بھی کچھ آگاہ ہو چکا تھا۔ تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دو سنجیدہ آدمیوں بابویہ اور قہرمانہ کو مدینہ منورہ بھیجا اور ان کے ذریعے سے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ شہنشاہ ایران نے حضور پاکؐ کو اپنے پایہ تخت بلا بھیجا ہے۔ یہ دونوں آدمی جب حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسالت کے جلال سے ان پر کپکپی طاری ہو گئی۔ حالانکہ وہ مانے ہوئے بہادر تھے اور اپنی شخصیت کو بڑھا کر بتانے کے لئے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور ڈاڑھی صفاچٹ تھی۔ حضور پاکؐ نے ان دونوں کو بتایا کہ ان کے بادشاہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے اور وہ تخت کا والی بن گیا ہے۔ اس لئے واپس یمن جا کر اپنے گورنر سے مشورہ کرو۔ وہ شخص پہلے ہی کانپ رہے تھے۔ جلدی یمن واپس گئے اور یمن پہنچ کر باذان کو ان تمام حالات سے آگاہ ہی کر رہے تھے کہ اسی وقت ایران سے باذان کے پاس ایک قاصد پہنچ گیا جس نے بادشاہ کے قتل اور ملک میں افراتفری کے حالات سے باذان کو آگاہ کیا۔ باذان نے کہا کہ ایسی باتیں تو پیغمبر ہی کر سکتا ہے۔ اور وہ اور کئی ایرانی وزیر وغیرہ مسلمان ہو گئے اور اپنا تعلق ایران سے ختم کر دیا۔

ایران میں افراتفری ان دنوں ایران میں تخت نشینی کے سلسلہ میں جو افراتفری ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ کہ چند سالوں میں دو عورتوں سمیت کئی شہزادے بادشاہ بنے اور قتل ہوئے۔ اور یہ افراتفری جناب فاروقؓ کی خلافت تک رہی۔ جب یزدجرد بادشاہ بنا اور جس کی فوج نے قادسیہ اور نہاوند کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور اہل ایران اسلام کے دائرے میں شامل ہو گئے۔ خسرو پرویز نے جب حضور پاکؐ کا خط پھاڑا تھا تو واپس جا کر جناب عبداللہؓ نے حضور پاکؐ کو یہ خبر دی تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ کسریٰ کی سلطنت اس طرح پاش پاش ہو جائے گی جس طرح خط کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ تو اثر یہ تھا کہ یمن، حضرموت، مہرہ اور عمان تک کے علاقے ایران کی باجگزاری سے نکل گئے اور ایرانی سلطنت کی حدود کاظمہ کے مقام تک سکڑ گئیں۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ یمن کے قبیلے خود مختار ہو گئے اور جیسا کہ پچھلے باب میں وفود کی آمد کے تحت ذکر ہو چکا ہے اہل یمن جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگ گئے۔

تبصرہ چند پہلوؤں کا تجزیہ ضروری ہے۔ حضور پاکؐ کے خطوط کا بامقصد اور سیدھی بات یعنی کوئی لگی لپٹی نہ رکھنا ہمارے لئے ایک نشان راہ ہے۔ کہ ہم مصلحتوں کے چکر میں گرفتار ہیں۔ پھر طرز تحریر کی سادگی دیکھیں۔ لیکن افسوس! اہل ایران اور فارسی کے اثرات کے تحت ہم بھی اپنی عرضداشت کو اردو میں "بحضور فیض گنجور" وغیرہ سے شروع کرتے ہیں اور اپنا نام آخر میں لکھتے ہیں

صحیح اور اسلامی طریقہ وہ ہے جو حضور پاکؐ نے اپنایا۔ اور ہمیں ان کی سنت کو نقل کرنا چاہئیے۔ دوم، خطوط کے لفظ قیصر کے لئے مختلف تھے اور کسریٰ کے لئے مختلف کہ دونوں کے عقائد کو مد نظر رکھا۔ لیکن اپنا فلسفہ وہی رہا کہ اکیلا اور ایک اللہ۔ سوم، قیصر کے رد عمل کچھ سنجیدہ تھے۔ کسریٰ کے رد عمل ایک زوال پذیر سلطنت کے حاکم والے تھے۔ تو کسریٰ کی سلطنت ختم ہو گئی اور قیصر کی سلطنت کا بھی بڑا حصہ تو اسلام کے جھنڈے تلے آگیا لیکن ان کی حکومت درہ دانیال کی آڑ میں کئی سو سال قائم رہی۔ تفصیل اس عاجز کے خلفائے راشدین کی کتابوں کے جائزے میں ہے۔

شاہ نجاشی اس زمانے کے تیسرے بڑے بادشاہ حبشہ کے شاہ نجاشیؓ تھے۔ حبشہ یا ایبے سینیا کے جغرافیائی اور تاریخی پہلو کی وضاحت چوتھے باب میں ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کا رابطہ شاہ نجاشی سے حضور پاکؐ کی مکی زندگی میں ہی ہو گیا تھا اور اس سلسلہ میں پناہ لینے کی پوری کہانی ساتویں باب میں اور مہاجرین کے مدینہ منورہ آنے کے حالات کو سولھویں باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ شاہ نجاشی دل سے کب کے مسلمان ہو چکے تھے البتہ رسمی دعوت کی کچھ ضروریات تھیں۔ اور جب یہ پوری ہو گئیں اور باقی بادشاہوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی تو ایسی ہی ایک دعوت حبشہ کے شاہ نجاشیؓ کو بھی بذریعہ قاصد ایک خط کے ذریعے دی گئی اور خط میں کچھ اور باتیں بھی تھیں جن کا ذکر آگے آتا ہے اور پورے خطوط باب کے آخر میں ہیں۔

جناب عمروؓ بن امیہ شاہ نجاشیؓ کی خدمت میں خط لے جانے کی سعادت جناب عمروؓ بن امیہ ضمری کو حاصل ہوئی جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا ذکر رجیع کے شہدا کے سلسلہ میں پندرھویں باب میں ہو چکا ہے اور تیرھویں باب میں بھی ذکر ہے کہ آپ بیر معونہ کی عظیم قربانی سے کیسے بچ نکلے تھے کہ آجکل کی فوجی زبان کے لفظ کمانڈو کے کام کے آپ ماہر تھے۔ بہر حال اس وقت تک مسلمان مہاجرین بھی وہاں موجود تھے۔ اور جناب جعفرؓ بن ابی طالبؓ مسلمانوں کے سردار تھے۔

شاہ نجاشیؓ کا اسلام میں داخل ہونا روایت ہے کہ جناب عمروؓ کے پیغام کے بعد شاہ نجاشیؓ جو دل سے تو کافی عرصہ سے مسلمان تھے انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہی اور جناب جعفر طیارؓ کے ہاتھوں پر اسلام کی بیعت کی۔ اور خط کے جواب میں ایک عریضہ بھی بھیجا جس کے الفاظ میں ایک فقرہ یہ تھا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں" ابن اسحق کے مطابق شاہ نجاشیؓ نے اپنے ملک سے اپنے ایک بیٹے کے ساتھ بارگاہ رسالت میں ایک وفد بھیجا جو راستے میں کسی حادثے کا شکار ہو گیا اور یہ ساتویں باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اس شاہ نجاشیؓ نے نو ہجری میں وفات پائی اور حضور پاکؐ نے ان کا غائبانہ نماز جنازہ مدینہ منورہ میں پڑھا۔ آگے بھی تفصیل ساتویں باب میں بیان ہو چکی ہے کہ تخت پر چھوٹے شہزادوں اور امراء کی خود غرضی کی وجہ سے ارباب حکومت نے اسلام کو زیادہ نہ پھیلنے دیا۔ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی مسلمان لشکروں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔ کیسے کرتے کل پناہ دینے والوں کا کچھ لحاظ تو ہونا چاہئیے۔ حق کا پیغام پہنچا دیا تھا اور باقی جگہوں پر بھی مسلمان حق کا پیغام پہنچانا چاہتے تھے تو آگے سے رکاوٹ کی وجہ سے جنگیں ہوئیں ورنہ مسلمان بے وجہ لشکر کشی نہ کرتے تھے۔

ام المومنین جناب ام حبیبہؓ روایت ہے کہ جناب ام حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ کا خاوند عبیداللہ بن حجش جو حضور پاکؐ کی

پھوپھی کا بیٹا تھا انہی دنوں فوت ہوا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حبشہ جا کر عبید اللہ عیسائی بھی ہو گیا تھا۔ بہرحال حضور پاکؐ نے جناب عمروؓ بن امیہ کے ہاتھوں اور شاہ نجاشیؓ کے ذریعہ سے جناب ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام بھی بھیجا جو انہوں نے منظور فرمایا۔ تو وہاں ہی ایجاب و قبول کی رسم شاہ نجاشیؓ نے جناب خالدؓ بن سعید کے ذریعہ سے کرائی۔ جناب خالدؓ بھی بنو امیہ سے تھے اور جناب ام حبیبہؓ کے چچا کے بیٹے تھے۔ لیکن تھوڑا دور سے کہ آپ دونوں کے والد ایک دوسرے کے سگے چچا کے بیٹے تھے۔ حضور پاکؐ کی وکالت کی سعادت شاہ نجاشیؓ کو نصیب ہوئی، جنہوں نے حضور پاکؐ کی طرف سے چار سو اشرفی مہر بھی ادا کی۔ ابن سعد نے چار سو دینار لکھا ہے۔ روایت ہے کہ جب شاہ نجاشیؓ کی طرف سے شادی کے پیغام کی خبر لے کر ایک کنیز جناب ام حبیبہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے جتنے زیور پہنے ہوئے تھے اتار کر اس کنیز کے حوالے کر دیئے کہ ان خود کو تو دین اور دنیا دونوں مل رہے تھے۔ قارئین! ذرا سوچیں کہ جناب ام حبیبہؓ کے نانا، نانا کا بھائی، ایک ماموں اور ایک بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں بدر کے میدان میں مارے جاتے ہیں۔ باپ، بھائی اور خاندان کے اکثر لوگ مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔ لیکن آپ کا سینہ حضور پاکؐ کے جمال سے روشن ہے۔ ایک صاحب نظر کا کہنا ہے کہ امیر معاویہؓ اور باقی امیہ کے خاندان کو حکومت جناب ام حبیبہؓ کی اس ادا کی وجہ سے ملی کہ سب زیور کنیز کو دے دیئے۔ روایت ہے کہ ام فضلؓ زوجہ جناب عباسؓ بن عبد المطلبؓ حضور پاکؐ کو ماں یا بڑی بہن کی طرح پیار کرتی تھیں اور آپ کی بہن جناب میمونہؓ کے حضور پاکؐ کے ساتھ نکاح کے بعد آپ محرم بھی بن گئیں تو ایک دن آپ حضور پاکؐ کے بال اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے سہلا رہی تھیں کہ حضور پاکؐ کی آنکھ لگ گئی لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد جناب ام فضلؓ کا ایک آنسو آپؐ کے رخسار مبارک پر گر گیا اور حضور پاکؐ جاگ اٹھے یا سوتے جاگتے تھے، کہ گزارش ہو چکی ہے کہ نبی کی نیند اور جاگنا برابر ہوتا ہے۔ اور جناب ام فضلؓ سے پوچھا "یہ کیوں"۔ جناب ام فضلؓ نے عرض کی کہ دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ہمارے خاندانوں کا کیا حال ہو گا" تو حضور پاکؐ نے اشاروں ہی میں کچھ فرما دیا۔ ایک صاحب نظر کا خیال ہے کہ عباسی خاندان کو حکومت اسی دن مل گئی۔ لیکن حضور پاکؐ کی اپنی اولاد جو جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ سے چلی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ اپنے حبیبؐ کی اولاد کو دنیاوی حکومت کے معاملات سے داغدار کرتا۔ لیکن پھر بھی وہ بادشاہ کہلائے کہ آج بھی ہم ہر سید کو "شاہ جی" کے پیارے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے راز ہیں۔

جمال مصطفےٰؐ جمال مصطفےٰؐ کی چند جھلکیاں تو اگلے باب میں دیدار عام کے تحت دی جائیں گی لیکن جناب ام حبیبہؓ کا جمال مصطفےٰؐ پر فدا ہونا صرف زیوروں کے پھینک دینے تک محدود نہ تھا۔ آپ کی اس سلسلہ کو اداؤں یعنی سادگی اور معصومیت کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ جب آپ حبشہ سے واپس آکر عملی طور پر مدینہ منورہ میں حضور پاکؐ کی ازواج مطہرات میں شامل ہو گئیں۔ تو ایک دن سرکار دو عالمؐ کو عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ۔ میری چھوٹی بہن کو بھی زوجیت میں لے کر اس کو بھی جمال نبوت سے اس طرح مستفیض کریں، جس طرح ہم ہو رہی ہیں" شاید دنیا میں یہ اپنی قسم کا پہلا اور آخری سوال ہو کہ حضور پاکؐ بھی یہ بات سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا "اے ام حبیبہؓ! شرعی حدود کا پاس رکھنا ضروری ہے۔ کہ دو بہنوں کو ایک خاوند کے پاس اکٹھا نہ

کیا جائے "۔ دریچہ شک! اسلام دین فطرت ہے اگر اسلام ایسی اجازت دیتا تو کئی چھوٹی بہنوں کی کمزوری کیوجہ سے کئی بڑی بہنوں کے گھر برباد ہو جاتے۔ گو راقم کا خیال ہے کہ اس میں قصوروار ہم مرد زیادہ ہوتے۔

عزیز مصر مصر کا بادشاہ نیم خود مختار تھا۔ اہل ایران اور اہل روم کی جنگوں کے دوران ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ایرانی افواج فلسطین سے آگے بڑھتی ہوئی مصر میں بھی داخل ہو گئی تھیں لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل نے جو حالات میں تبدیلی پیدا کی تو صلح ہو گئی اور مصر دوبارہ سلطنت روم کا حصہ بن گیا۔ شاہ روم نے مصر کی حکمرانی آرمینیا کے ایک پادری مقوقس کے سپرد کی جس کا دار الخلافہ وسطی مصر کے کسی شہر کی بجائے سکندریہ تھا۔ ویسے جب کبھی مصریوں کی اپنی حکومت ہوتی تھی تو ان کا دارلخلافہ باب الیون یا فسطاط اور قاہرہ کے نزدیک کوئی جگہ عبد شمس وغیرہ رہے اور یہ ذکر شروع کے ابواب میں ہو چکا ہے۔ لیکن رومیوں کے لئے سکندریہ موزوں تھا کہ وہ سمندر کے ذریعہ سے مصر کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھے۔

عیسائیوں کے فرقے مقوقس کو یورپین مورخ سائرس کہتے ہیں اور گو وہ آرمینیا کا رہنے والا تھا لیکن وہ یونانی گرجا کی پیروی کرتا تھا اور یہی ہرقل، قیصر روم کا مذہب تھا۔ مصر میں زیادہ تر لوگ "بے مذہب" یا قبطی عیسائی تھے۔ جن کی عیسائیت اہل یونان یا اہل روم کی طرح زیادہ زنگ آلود نہ تھی۔ وہ لوگ "تین خداؤں" کے چکر میں زیادہ گرفتار نہ تھے اس لئے شاہ روم کو ڈر لگ رہا تھا کہ اب جو ایک دفعہ ایرانی افواج نے اہل روم کے بھرم کو توڑ دیا تھا تو یہ مذہبی عقائد میں فرق مصریوں کو اہل روم سے زیادہ دور کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک مذہبی آدمی مقوقس کو مصر کا حکمران بنایا جو یونانی گرجا کے عقائد والوں کا پادری رہ چکا تھا لیکن ساتھ ہی معتدل رویہ کا آدمی تھا۔

جناب حاطب بن ابی بلتعہ رض حضور پاک نے مقوقس، عزیز مصر جو اپنے آپ کو رئیس سبط (نچلا یا شمالی مصر) بھی کہتا تھا کو عظیم صحابی جناب حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ہاتھ ایک خط کے ذریعے سے اسلام کی دعوت دی۔ روایت ہے کہ مقوقس نے ہاتھی دانت کے ایک بکس میں اس خط کو سنبھال کر رکھ چھوڑا۔ اور جب مصر فتح ہوا تو تبرک کے طور پر یہ خط مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ یہ اصلی خط آج موجود ہے یا نہیں اور موجود ہے تو کہاں پر ہے یہ عاجز اس سلسلہ میں خبر نہیں رکھتا۔ بہرحال اس خط کے عکس مبارک مل جاتے ہیں۔ اور آج سے چند سال پہلے اس عاجز نے ایک آدمی کو اپنی کار میں لفٹ دی تو اس نے کار سے اترتے وقت اس خط کا ایک عکس مجھے دیا جس کو میں اب ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ اور میرے لئے بڑی برکت کا باعث ہے۔ یہ عکس دینے والے آدمی کے نام اور پتہ سے یہ عاجز بے خبر ہے۔ بہرحال اس عکس مبارک کا فوٹو سٹیٹ اس کتاب کے صفحوں پر لگا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے صفحوں کو مزید روشن کرے

مقوقس کا جواب مقوقس نے جو جواب دیا اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:۔

"مقوقس رئیس سبط اور مصر کے رئیس اعظم کی طرف سے سلام علیک کے بعد کہ میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں جو کچھ مذکور ہے اس کو سمجھا۔ ہاں! البتہ مجھے اس قدر معلوم ہے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں، لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں

ظاہر ہوں گے ۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت کی اور دو نوجوان لڑکیاں تحفہ کے طور پر بھیج رہا ہوں ۔ ان دونوں کی قبطی قوم (یعنی اہل مصر) میں بڑی عزت ہے اور میں تحفہ کے طور پر مصر کا بنا ہوا کچھ کپڑا اور ایک خچر بھی بھیج رہا ہوں ۔ اور ایک بار پھر سلام عرض کرتا ہوں " ۔ (یہی خچر دلدل تھی جس کا ذکر جنگ حنین کے وقت ہو چکا ہے) ۔

جناب ماریہ قبطیؓ ابن اسحق نے دو لڑکیوں کی بجائے چار لڑکیوں کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن اگلے واقعات چار لڑکیوں کا کوئی ثبوت نہیں کرتے ۔ دو لڑکیوں میں سے ایک ماریہ قبطیؓ تھی جو حضور پاکؐ کی زوجیت میں آگئیں اور ان سے حضور پاکؐ کے بیٹے جناب ابراہیمؓ پیدا ہوئے جو بچپن میں وفات پا گئے ۔ دوسری جناب سیرینؓ، جناب ماریہؓ کی سگی بہن تھیں اور اسلام کے عظیم شاعر حسانؓ بن ثابت کی زوجیت میں گئیں ۔ جن سے ان کے ہاں ایک بیٹے بھی پیدا ہوئے جو آخری عمر تک حضور پاکؐ کے خاندان سے اپنی وابستگی کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے کہ جناب ماریہؓ ان کی خالہ تھیں اور جناب ابراہیمؓ ان کے خالہ زاد ۔ یہ بھی راویت ہے کہ جناب حاطبؓ قاصد رسول کی وجہ سے جناب ماریہؓ اور جناب سیرینؓ نے سفر ہی میں اسلام سیکھ لیا اور مدینہ منورہ میں آتے ہی اسلام لے آئیں ۔ اور پہلے دن سے جناب ماریہؓ ازواج مطہرات میں شامل ہیں ۔ دوسری روایت کے مطابق جناب ماریہؓ کنیز رہیں اور جناب ابراہیمؓ کی پیدائش کے بعد آزاد کر دی گئیں اور تب ازواج مطہرات کے زمرے میں آئیں ۔ تیسری روایت کے مطابق ساری عمر کنیز رہیں ۔ (واللہ اعلم بالصواب) ۔ یہ عاجز البتہ اتنی گزارش کرے گا کہ امہات المومنین جناب ہاجرہؑ، زوجہ حضرت ابراہیمؑ بھی قبطی تھیں اور جناب ماریہؓ بھی ۔ اور حضور پاکؐ یہ بھی فرما گئے کہ مصر کے فتح کرنے کے بعد قبطی لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا ۔ اور قبطی بھی جلد اسلام لے آئے ۔ یہی نہیں بلکہ عربی زبان کو اپنا کر اس زبان کو مراکو کے ساحل تک اور بحیرہ اوقیانوس تک لے گئے ۔ اس لئے وہ ہمارے سر کے تاج ہیں ۔ لیکن مشرق کی طرف دیکھیں کہ عربی آکر ایران میں رک گئی ۔ کاش! ایرانی بھی ایسا کرتے تو آج ہم بھی "عرب" ہوتے ۔ کم از کم لسانی وحدت تو ہوتی

مقوقس کا رویہ مقوقس کا رویہ حیران کن ہے ۔ کیا وہ قیصر روم کی مرضی سے ایسا کر رہا تھا؟ بہر حال وہ اسلام نہ لایا ۔ گو مصر کی فتح کے بعد بھی اس میں اور جناب عمروؓ بن عاص میں گاڑھی چھنتی رہی اور کچھ عیسائی مؤرخین نے مقوقس کو برا بھلا بھی کہا ہے ۔ اس سلسلہ میں پورا جائزہ اس عاجز کی خلفاء راشدین کی کتاب حصہ سوم میں ہے ۔

حارث غسانی حارث غسانی کا ذکر ہو چکا ہے کہ اسی کے ذریعے سے جناب ضیاؓ بن خلیفہ نے قیصر روم تک رسائی حاصل کی ۔ البتہ حضور پاکؐ نے انہی دنوں میں قبیلہ اسد کے جناب شجاعؓ بن وہب کے ذریعہ سے حارث بن ابی شمر غسانی والئے بصریٰ کو بھی اسلام میں آنے کی دعوت دی ۔ قاصد چننے میں کئی باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا ۔ کہ اول شخصیت ۔ دوم زبان کی واقفیت اور سوم قاصد کا قبیلہ اور قبیلہ کے اثرات ۔ تو اگر جناب ضیاؓ کی وجہ سے قبیلہ کلب کو سعادت حاصل ہوئی تو آج قبیلہ اسد کی باری تھی ۔ اور کسریٰ کے پاس اپنے ایک قریش رشتہ دار کو بھیجا گیا وغیرہ ۔

جناب شجاعؓ کے ساتھ رویہ بہر حال جناب شجاعؓ جب حارث کے پاس پہنچے تو انہی دنوں قیصر روم کا ایشیا کا دورہ بھی ہونے والا تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ تو حارث کافی مصروف تھا۔ اور اس نے کئی دن جناب شجاعؓ کو دربار میں نہ بلایا۔ ابن اسحق نے حارث کی بجائے اس کے بیٹے المنذر کا نام لکھا ہے۔ بہر حال باپ یا بیٹے دونوں میں سے جو بھی تھا وہ لے دے کرتا رہا۔ البتہ ان کے دربان جناب مری رومی پر جناب شجاعؓ کی باتوں کا اثر ہو گیا کہ وہ انجیل میں جو کچھ حضور پاکؐ کی آمد پر پڑھ چکا تھا اس کو وہ سب نشانیاں جناب شجاعؓ کے بیانات میں مل گئیں۔ اور پوشیدگی میں جناب شجاعؓ کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کیا جس کی اطلاع جناب شجاعؓ نے واپس آکر حضور پاکؐ کو بھی دی۔ حارث نے آخر جناب شجاعؓ سے ملاقات ضرور کی اور سفیر کی جو عزت ہوتی ہے وہ حارث نے کی، کہ اس نے جناب شجاعؓ کو سو مثقال سونا (تقریباً تیس تولے)، ایک پوشاک اور زادراہ بھی دیا۔ لیکن گیدڑ بھبکیاں بھی دیتا رہا کہ وہ گھوڑوں کو نئے نعل لگا رہا ہے اور جلد مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو گا وغیرہ۔ جناب شجاعؓ نے حضور پاکؐ کو حالات سے باخبر کیا تو آپؐ نے فرمایا "اس کی سلطنت برباد ہو گئی" چنانچہ نو ہجری میں فتح مکہ کے بعد مسلمانوں نے حارث کے مرنے کی خبر سنی اور اس کے علاوہ قیصر نے اس کے صوبہ کو دوسرے صوبے سے ملا دیا۔ لیکن تین سال بعد وہاں اسلام کے جھنڈا بھی لہرانے لگے۔

شرجیلؓ بن عمرو قیصر روم کی طرف سے وادی بلقا کا باجگذار بادشاہ شرجیل بن عمرو تھا۔ اس کے پاس حضور پاکؐ نے جناب حارثؓ بن عمیر کو پیغام دے کر بھیجا کہ وہ اسلام لے آئے لیکن اس مردود نے الٹا جناب حارثؓ کو شہید کر دیا۔ یہ ذکر اٹھارویں باب میں جنگ موتہ کے وقت ہو چکا ہے۔ تبوک کی مہم اور اپنی رحلت سے چند یوم پہلے حضور پاکؐ نے جو جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کی تیاری کا حکم دیا وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے کی کڑیاں تھیں۔ اور آخر جناب حارثؓ کا خون رنگ لایا اور چند سال بعد یہاں بھی اسلام کے جھنڈے لہرانے لگے۔

جبلہ بن الایم سب مؤرخین نے ملک عرب سے باہر حضور پاکؐ کے چھ قاصدوں یا سفیروں کا ذکر کیا ہے وہ پورے ہو گئے۔ لیکن ابن سعد قاصد کا نام لکھے بغیر لکھتا ہے کہ جبلہ بن الایم غسانی کو بھی دعوت دی گئی۔ ہمیں ایسی روایتوں پر کوئی شک نہیں کہ اس عاجز کا اس سلسلہ میں جائزہ آگے آتا ہے۔ جبلہ بھی حارث کی طرح قبیلہ غسان کا ایک سردار تھا جو وادی بلقا اور یرموک کے درمیانی علاقوں میں رہتا تھا۔ لیکن ابن سعد نے معاملات کو کچھ ملا جلا دیا۔ کہ وہ کہتا ہے کہ جبلہ اسلام لے آیا لیکن چونکہ جناب عمرؓ اور جناب ابو عبیدہؓ نے قصاص کے طور پر جبلہ کو اس مسلمان سے تھپڑ مروا دیا جس کو جبلہ نے تھپڑ مارا تھا تو جبلہ پھر مرتد ہو کر واپس چلا گیا۔ اور باقی زندگی قسطنطنیہ میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزار دی۔ اول تو جبلہ جنگ یرموک میں غسان لشکر کی کمانڈ کر رہا تھا اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ پھر ابن سعد بھی جناب عمرؓ اور جناب ابو عبیدہؓ کا ذکر کرتا ہے تو ظاہر ہے تھپڑ کا واقعہ جناب فاروقؓ کی خلافت کے زمانے کا ہے۔ اسلئے یا جبلہ کے پاس اس زمانے میں یعنی حضور پاکؐ کی زندگی میں کوئی قاصد نہ بھیجا گیا یا وہ اس وقت تک اسلام نہ لایا۔

جنرل گلب اس زمانے کے ایک مورخ جنرل گلب نے اپنی کتابوں میں جبلہ کے ساتھ بڑی "ہمدردی" دکھائی ہے کہ

مسلمان ایک بہادر آدمی کی خدمت سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔ لیکن یہ عاجز اس پہلو کو پچھلے باب میں بنو اسد کے اسلام لانے کے تحت واضح کر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے اسلام کا احسان اللہ تعالیٰ پر مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں مسلمان بنادیا اور صراط مستقیم پر لگا دیا۔ جبلہ بد قسمت تھا، دنیاوی شان کے چکر میں پڑ گیا۔ جنرل گلب اردن کے موجودہ بادشاہ شاہ حسین اور اس کے دادا عبداللہ کا فوجی مشیر رہا ہے۔ اسلام کی تاریخ اور خاص کر عسکری تاریخ پر اچھی کتابیں لکھی ہیں اور ہٹی، گب اور ٹوان بی کے مقابلے میں تعصب کچھ کم دکھایا ہے اور اسلام کو کچھ سمجھتا بھی ہے کہ کہتا ہے کہ سپاہیوں کا مذہب ہے۔ لیکن افسوس ہمارے اپنے اس پہلو کو نہیں سمجھتے۔

جناب فروہؓ بن عمرو پچھلے باب کے پیراگراف شمار ۶۴ میں جناب فروہؓ اور ان کے قاصد کا ذکر ہو گیا ہے۔ قاصد کا نام مسعود بن سعد تھا۔ جس کو حضور پاکؐ نے تحائف سے بھی نوازا لیکن حضور پاکؐ نے جناب فروہؓ کو جو خط لکھا وہ مختصر اور بڑا عملی ہے کہ صرف اسلام لے آنا ضروری نہیں آگے عمل کی بھی ضرورت ہے۔ خط کے اقتباسات یہاں پیش کر کے یہ عاجز اپنے بامقصد مطالعہ والے اصول کو قائم رکھنے کی سعی کر رہا ہے۔ جو یہ ہیں "ہمارے پاس تمہارے قاصد آئے، جو کچھ تم نے بھیجا تھا۔ انہوں نے پہنچا دیا حالات کی ہمیں خبر دی۔ تمہارے اسلام کا مژدہ سنایا۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ہدایت سے سرفراز کیا۔ پس اگر نیکی کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو تو تمہارے لیے بہتر ہے" یہ ہے عملی اسلام۔ وہاں کوئی معلم نہ بھیجا جس طرح اللہ کی اطاعت بالغیب ہے۔ اسی طرح حضورؐ پاک کی اطاعت بھی بالغیب ہے۔

۹۔ ھوذہ بن علی۔ حضورؐ پاک نے جناب سلیط بن عمرو کو بنو حنیفہ کے ھوذہ بن علی کے پاس بھیجا کہ اس کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ بد قسمت تھا۔ اور سلطنت میں حصہ مانگتا تھا۔ اور جلدی مر گیا۔ مسیلمہ کذاب بھی بنو حنیفہ سے تھا، جس نے نبوت میں حصہ مانگا۔ اس کا حشر پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

۱۰۔ جنفر و عبد قبیلہ ازد کے ایک سردار الجلنبدی کے دو بیٹے جنفر اور عبد اپنے باپ کے بعد مشترکہ طور پر اپنے ایک چھوٹے قبیلہ کی سرداری کرتے تھے۔ ان کے پاس حضورؐ پاک نے جناب عمروؓ بن عاص کو بھیجا اور اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ خوش قسمت تھے اور اسلام لے آئے۔

۱۱۔ منذر ساوی حضور پاکؐ نے جناب علاؓ بن الحضرمی کو منذر بن ساوی العبدی والئے بحرین کے پاس اسلام کی دعوت کیلئے بھیجا۔ ان کی قسمت بھی کام کر گئی اور وہ اسلام لے آئے۔

۱۲۔ متفرق پچھلے باب میں عرب قبائل کے وفود کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن اگر ابن سعد اور ابن اسحق کی تاریخوں کی مزید تحقیق کی جائے تو یہ پہلو سامنے کھل کر آجاتا ہے کہ حضورؐ پاک کے قاصد، سفیر اور مبلغ عرب سرزمین کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ پر گئے۔ اور لوگوں کو اسلام میں آنے کی دعوت دی۔ اور اس سلسلہ میں حضورؐ پاک کی دعوت کے خطوط یا فرمان، یا ہدایات کی اتنی تفصیل موجود ہے کہ ایک پوری کتاب لکھ کر اس سے عملی اسلام پیش کیا جا سکتا ہے۔

دیگر ممالک حضور پاک کی بعثت کے وقت دنیا کے باقی ممالک کی تاریخی جھلکیاں چوتھے باب میں پیش کر دی تھیں۔ان کا دہرانا یہاں ضروری نہیں۔یورپ اندھیرا براعظم تھا۔اور صرف بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ موجودہ اٹلی اور فرانس کے علاقوں پر مغربی رومی حکومت کرتے تھے۔ان ممالک کی طرف کسی قاصد کے جانے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔لیکن مسافروں اور تجارت کے ذریعہ سے وہاں بھی مصر اور قسطنطنیہ سے خبریں ضرور پہنچی ہوں گی۔افریقہ بھی بالکل گھپ اندھیروں میں تھا۔ہاں مصر کے علاوہ کارتھیج یعنی موجودہ تیونس میں کچھ آبادی تھی اور بحیرہ روم سے تجار اور وہاں قافلوں نے خبر ضرور پہنچائی ہو گی

ہندو پاکستان اس برصغیر کی اس زمانے کی حالت بیان ہو چکی ہے کہ "بادشاہیئے شاہ عالم از دلی تا پالم" والی بات تھی۔کہ بھارت اتنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکا تھا۔کہ ملک کو مندروں اور پروہتوں کے ذریعہ سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔پھر بھی کچھ پرانی تاریخوں میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ جناب ابو موسیٰ اشعریؓ اور جناب اسامہؓ بن زیدؓ یمن کے ساحلی علاقوں سے جہازوں کے ذریعہ سے بھارت کے مغربی ساحل، یا مغربی گھاٹ یعنی موجودہ بمبئی اور سورت وغیرہ کے علاقوں تک گئے اور کچھ جانے پہچانے لوگوں کو اور ایک راجہ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی

روس اور سائبیریا یہی حالت روس اور موجودہ سائبیریا کی تھی، کہ منجمد علاقے تھے اور آبادی کا ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ نہ تھا۔بلکہ امیر تیمور کے زمانے تک موجودہ ماسکو بھی ایک گاؤں تھا۔

۱۳۔ چین البتہ چین کے سلسلہ میں چوتھے باب میں بھرپور تبصرہ ہو چکا ہے کہ یہ اس زمانے میں بھی آباد علاقے تھے۔اس لئے وہاں کسریٰ ایران کے رویہ کی وجہ سے خشکی کے راستے کوئی قاصد بھیجنا ناممکن ہو گیا تھا۔اور سمندری راستہ اتنا لمبا تھا۔کہ چین پہنچنے میں عمر صرف ہو جاتی تھی۔گو کہ چھوٹے چھوٹے جہاز سمندر کے کنارے کے نزدیک ہی چلتے تھے۔اور مسافر یا تجارت پیشہ لوگ جگہ جگہ ان جہازوں یا کشتیوں کو تبدیل کرتے رہتے تھے۔بہر حال حضورؐ پاک کی وفات کے چند سال بعد اور ایران کے فتح ہو جانے کے بعد تو چین کے حکمرانوں کو اس وقت تو ضرور اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی۔لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ حضورؐ پاک کے زمانے میں بھی مسافروں کے ذریعہ سے پیغام بھیجا ہو۔یہی چیز جزائر شرق الہند یعنی موجودہ انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ کو لاگو ہے۔

خلاصہ۔ اسلام دین حنیف اس باب کا خلاصہ تو ایک فقرے میں دیا جا سکتا ہے کہ سب جانے پہچانے ممالک کے سربراہوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دے دی گئی۔ساتھ تبصرہ بھی ہو چکا ہے۔نتائج بھی لکھ دیئے اور جائزے بھی کچھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔لیکن ہمارے سامنے ایک مقصد ہے کہ یہ ثابت کریں کہ اسلام اہل حق کا دین ہے اور یہ قافلہ ازل سے آخر کی طرف صراط مستقیم پر رواں دواں ہے۔یہ پہلو پہلے باب میں اسلامی فلسفہ حیات کے تحت بیان کیا۔دوسرے باب میں صراط مستقیم اور رہبری بیان کی۔اور تیسرے میں باطل فلسفے اور گمراہی جو حق کے ساتھ ٹکر لیتے رہتے ہیں۔اور پھر حضورؐ پاک نے امت واحدہ کا تصور دے کر پوری دنیا کو اس صراط مستقیم پر چلنے یا چلانے کے عمل میں جو کارروائی کی وہی اس کتاب کا موضوع ہے کہ

اس عاجز نے دین حنیف کی نشاندہی کر دی ۔ لیکن دین حنیف کا بیان چند لفظوں میں حضورؐ پاک کے الفاظ میں بیان کرنا ضروری ہے کہ حبشہ کا شاہ نجاشیؓ جو اس زمانے کے دین حنیف (دین عیسیٰ) پر چل رہا تھا ۔ اس کے لئے حضورؐ پاک نے دین حنیف کی نشاندہی کیسے فرمائی ۔ اور شاہ نجاشیؓ کس طرح اس صراط مستقیم پر چلا، اس سلسلہ میں حضورؐ پاک کے خط مبارک اور شاہ نجاشیؓ کے جواب کو پہلے بیان کرنے کی بجائے باب کے اختتام پر بیان کرنے کو بہتر سمجھا گیا: ۔

" من جانب (حضرت) محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔ بنام نجاشی الاشمؓ ۔ بادشاہ ابیے سینا ۔ " سلام ۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو بادشاہ، پاک، سلام، مومن اور نگہباں ہے ۔ (عربی کے لفظ یہ ہیں ۔ الحمد للہ امالک القدوس الاسلام مومن المیمن) میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسی بن مریمؑ اللہ کا روح ہیں اور اللہ کی کلام ہیں، جو انہیں کی طرف اللہ نے بھیجا تا کہ کنواری مریم کو عطا کرے فرزند پاکیزہ ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو (یعنی حضرت عیسیٰؑ) کو بھی اپنی روح اور سانس یا جان سے اس طرح پیدا کیا یا بنایا جس طرح اس نے (حضرت) آدم کو ہاتھ سے بنایا اور اپنی جان یا روح سے ۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اس کی اطاعت کرو ۔ اور میری اطاعت کرو اور اس پر یقین کرو جو مجھ پر اترا ہے .... میں آپ اور آپ کی افواج کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں ۔ میں نے اپنا کام اور ذمہ داری پوری کر دی ۔ اس لئے میری نصیحت یا مشورہ مانو ۔ ان سب پر سلام ہو جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں " ۔

شاہ نجاشیؓ نے جواب دیا ۔ من جانب نجاشی الاشم بن ابجار ۔ " وعلیکم اسلام ۔ اے اللہ کے رسولؐ! اس اللہ کا رحم اور رحمت ہو، جس نے میری اسلام کی طرف رہنمائی کی ۔ مجھے آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپؐ نے حضرت عیسیٰؑ کے سلسلہ میں وضاحت فرمائی ہے ۔ اور مجھے زمینوں اور آسمان کے خدا کی قسم کہ حضرت عیسیٰؑ اس سے رتی بھر بھی بڑھ کر نہیں، جو کچھ آپؐ نے تحریر فرمایا ہے ۔ ہمیں وہ سب معلوم ہو گیا جس کے ساتھ آپؐ ہماری طرف مبعوث ہوئے، اور ہم نے مسلمان مہاجرین کو خوش آمدید کہا ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں سچے ہیں اور آپؐ سے پہلے جو پیغمبر آئے آپؐ نے ان کی تصدیق کی ۔ میں نے آپؐ کے نمائندہ ۔ (جناب جعفرؓ) کے ہاتھوں پر آپؐ کی بیعت کی ۔ اور اس طرح میں دو جہانوں کے رب کا مطیع ہوتا ہوں میں نے اپنے بیٹے عرحا کو آپؐ کے پاس بھیج دیا ہے ۔ میرا کنٹرول میری ذات پر ہے ۔ اور آپؐ اگر چاہیں کہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ تو اے اللہ کے رسولؐ! میں خوشی سے ایسا کروں گا ۔ میں صدق دل سے گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں وہ سچ ہے ۔

قارئین ۔ حضورؐ پاک نے اپنے خط میں قرآن پاک کی سورہ حشر، مریم اور بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال کئے ۔ اور اس عاجز نے یہ ترجمہ ابن اسحق کی انگریزی کی کتاب سے لکھا ۔ میری ترجمہ کی غلطی کی میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں ۔ اور لوگوں سے بھی یہ ہے دین حنیف اور دین فطرت ۔ کہ اس دنیا میں ہم امتحان کیلئے وارد ہوئے ہیں اور مسافر کی طرح سے گزر رہے ہیں ۔ اسلام ایک متحرک دین ہے اور اگر ہم چلتا پھرتا اسلام بن کر حضور پاکؐ کی امامت میں اس جہان دنیا کی اس صراط مستقیم پر رواں دواں نہیں رہتے اور معمولی آدمیوں کو حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دے کر ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں ۔ یا اسلام کو انقلاب کا

نام دیتے ہیں تو ہمیں مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں ۔ قرآن پاک کی سورۃ بقرہ میں واضح احکام ہیں کہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ ۔ اب ہم اگر بے دین سیاست غیروں کا کافرانہ عسکری نظام ۔ رومن قانون ، اور انگریزی طرز کے حکومتی اداروں کو اپنانے کے بعد بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کو صرف قرآن پاک اور جنازہ تک محدود رکھتے ہیں ۔ تو ذرا اپنے گریباں میں منہ ڈال لیں ۔

حضور پاک ﷺ کے جناب نجاشی کی طرف خط کے آخر کے فقرہ "ان سب پر سلام ہو جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں" پہ دھیان دیں کہ اسلام صراط مستقیم ہے نہ کہ انقلاب ۔ اور یہ صراط مستقیم پر چلنے والے قرآن پاک کی سورۃ واقعہ کی آخری آیت کے مطابق ازل سے آخر کی طرف رواں دواں ہیں اور حضور پاک ﷺ پر سلام بھیجتے جاتے ہیں ۔

نامہ مبارک رسول مقبول ﷺ بنام سلطان مقوقس والی قبط مصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی

من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک

چوبیسواں باب

دیدارِ عام کے آخری ایام

تمہید پچھلے باب میں ہم نے دین حنیف اور صراط مستقیم کی نشاندہی حضورؐ پاک کے الفاظ میں کی اور حضورؐ پاک نے صراط مستقیم پر چلنے والوں پر سلام بھیجا۔ شاہ نجاشیؓ جو پہلے بھی دین حنیف اور صراط مستقیم پر چل رہا تھا۔ اب سرکار دوعالمؐ کی رہنمائی میں اس صراط مستقیم پر سفر جاری رکھنے کا وعدہ کرتا ہے۔ وعدہ کے فلسفہ پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اب دین کی تکمیل کا وقت بھی آ گیا ہے۔ نبی کے مبعوث ہونے کا مقصد پورا ہونے والا ہے۔ زمانے کا جو تسلسل ٹوٹا تھا، حضورؐ پاک نے امت واحدہ کا تصور دے کر زمانے کو دوبارہ تسلسل دینے کیلئے جو کچھ کیا، اس کو ہم نے مدنی زندگی سے شروع کر کے ان پچھلے دو ابواب میں حاصل شدہ نتائج کو بھی بیان کر دیا کہ حضورؐ پاک اہل حق کے قافلہ کو مکمل طور پر تیار کر کے دنیا کی جانی پہچانی جگہوں پر بھی خبر دے چکے تھے، کہ حق کیا ہے اور حق کا قافلہ کیا ہے۔ اور آؤ تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ۔ اس قافلہ کا سب سے بڑا اجتماع تبوک کی مہم کے وقت ہوا تھا۔ جہاں تیس ہزار سرفروشان اسلام نے اللہ تعالیٰ کے راستے پر جہاد کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے گھر میں بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی۔ جہاں فلسفہ و نظریہ کو دہرانا مقصود تھا یا اس کے اعلان کی ضرورت تھی۔ اور کچھ وعدہ بھی کرنے تھے۔ تاکہ وحدت فکر کا اعلان بھی ہو۔ دنیا فانی ہے۔ دنیا کی سلطنتیں وقتی معاملات اور باتیں ہیں۔ اگر حضورؐ پاک کا مقصد دنیا میں ایک دنیاوی سلطنت قائم کرنا ہوتا تو اپنی جانشینی کا مسئلہ بھی اعلان کے ذریعہ سے حل کر جاتے۔ لیکن یہاں امتحان مقصود تھا۔ آپؐ نے حق کی نشاندہی کرنا تھا۔ آگے عملوں کے سلسلہ میں آپ مواقع تقدیر کا ذکر فرما چکے تھے تو یہ بتانا مقصود تھا۔ کہ اہل حق کو اس صراط مستقیم پر کارواں کی شکل میں غیرت کے ساتھ، اور بنیان المرصوص کی طرح دلوں کو جوڑ کر کس طرح چلنا چاہیئے۔ اور بے شک مسلمانوں میں جو امت کیلئے حریص ہیں یا ان کو احساس زیاں ہے۔ وہ ساری عمر ایسے ہی قافلوں کی تلاش میں رہے

عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان کونسی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے اقبالؒ

دیدار عام۔ اور جمال مصطفیٰؐ اس عاجز نے "دیدار عام" کا لفظ بھی علامہ اقبال سے عاریتاً لیا ہے۔ اور یہ ان کو ہی آگاہی ہو گی کہ حضور پاکؐ کا کوئی "دیدار خاص" بھی ہے جس کے چشمے ہمیشہ سے جاری ہیں۔ اس عاجز نے بزرگوں سے اتنا سنا ہے کہ دیدار خاص بھی "حصہ بقدر حبثہ" ہوتا ہے۔ کہ جس کے برتن میں جتنا کچھ سما سکے اس کو اتنا ہی ملتا ہے۔ اور ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے کوئی کہیں کھڑا ہوتا ہے اور کوئی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک صاحب نے ایک دفعہ یہ کہانی لکھی کہ وہ جناب اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے پاس بیٹھے تھے تو کسی نے کہا کہ احمد رضا بریلویؒ وفات پا گئے ہیں، تو تھانویؒ صاحب نے ان کی مغفرت کی دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ ساتھ ہی بیٹھا ایک اور آدمی حیران ہوا اور عرض کی کہ احمد رضاؒ آپکو کافر کہتے تھے اور آپ اتنی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ تو اشرف علی تھانویؒ نے کہا کہ حضور پاکؐ کے عشق کے جس مقام پر احمد رضاؒ پہنچ چکے تھے اگر وہ مجھ

جیسوں کو کافر نہ کہتے تو خود "کافر" ہو جاتے ۔ اس ایک فقرے میں مولانا تھانویؒ نے حضور پاکؐ کی شان، عاشقوں کی اداؤں اور ان کے مقامات کے علاوہ اپنی خود آگاہی کے مضامین کے دریاؤں کو کوزے میں بند کر دیا ہے ۔ لیکن کوئی کسی کے مقامات کو نہ سمجھ سکے اور اس کی نیت صحیح ہو تو بھی ہمیں اختلافات کی وجہ سے خود کو ہمارے اپنے بودے مقامات پر ہی رکھنا چاہیئے ۔ مثال کے طور پر اسلام کے ایک بہت بڑے عالم امام ابن تیمیہؒ نے ابن عربی شیخ اکبرؒ کے عشق رسولؐ اور زماں و مکاں کے مضامین پر کافی اعتراضات کیئے ۔ اب ابن عربیؒ کی یہ باتیں لوگوں کو آج سمجھ آئی ہیں اور امریکہ و یورپ میں ان کے بیانات پر تحقیقیں ہو رہی ہیں ۔ اور یہ عاجز ابن عربیؒ کی بلندیوں کا بچپن سے آگاہ ہے جن میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی ابن تیمیہؒ کی مجاہدانہ خدمات اور بدعتیں ختم کرنے کی کوششوں کیوجہ سے میں اپنے آپ کو ان کا بھی غلام کہتا ہوں ۔ اگر ابن تیمیہؒ کسی پہلو کو نہیں سمجھ سکے یا ان کے خیال میں کوئی بیان غلو کے تحت آتا ہے، تو ہم ایسے جھگڑوں میں کیوں پڑیں ۔ ہم تو حضور پاکؐ کی شان میں بیانات سے عطر کشید کر کے کتاب کے صفحات کو اور معطر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس تناظر میں یہ عاجز "دیدار عام" میں صرف چند بشری تقاضے بیان کر سکے گا، کہ نور مجسم کی تصویر کشی ہمارے قابو سے باہر ہے کہ علامہ قرطبیؒ کے مطابق سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کو پورا ظاہر نہیں کیا گیا، کہ نسل انسانی میں حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھنے کی طاقت ہے نہ ہمت ۔ یعنی صحابہ کرام بھی ظاہری جمال کو تو کچھ دیکھ یا سمجھ سکے ۔ لیکن باطنی جمال سے کون کون سے صاحب کتنے مستفیض ہوئے وہاں تک ہم عاجز نہیں پہنچ پاتے ۔ متقدین میں سے امام عبدالرحمن جوزیؒ نے "الوفا" میں متوسطین میں سے جناب عبدالرحمن جامیؒ نے "شواہد النبوت" میں اور متاخرین میں علامہ فضل حق خیرآبادی نے "امتناع النظیر" جیسی کتابوں میں جو کچھ تحقیق کر کے لکھا ہے ان باتوں کو پڑھنے یا سمجھنے کیلئے ایک زمانہ درکار ہے ۔ اور ان حوالوں سے یہاں جناب عائشہ صدیقہؓ کے دو شعر ہی اہل علم کے پیش نظر ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر جمال مصطفوی کا مشاہدہ کر لیتیں تو ہاتھوں کی بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں ۔

جلیل القدر صحابی جناب عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ۔ جب رسول اللہؐ بارش کیلئے دعا فرماتے تھے تو منبر سے اترنے بھی نہ پاتے تھے کہ مدینہ منورہ کا ہر پرنالہ پوری روانی سے بہنے لگتا تھا ۔ اور میں اس وقت سرکار دوعالمؐ کا چہرہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ۔ اور جناب ابو طالبؓ نے جو آپؐ کی مدح میں نعتیں کہیں وہ بے ساختہ میری زبان پر آجاتیں ۔ ایک اور صحابی جناب کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ جب سرکار دوعالمؐ مسرور ہوتے تو آپ کا روئے مبارک چاند کی طرح چمکتا تھا ۔

امام بیہقیؒ، جناب عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت لکھتے ہیں کہ آپ کی مبارک آنکھیں بڑی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سرمگیں تھیں ۔ اور آپؐ اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جیسے دن کی روشنی میں ۔ آپؐ نے ایک دفعہ اپنے منبر پر سے یہ فرمایا "کہ میں اس مقام سے لوح محفوظ دیکھ رہا ہوں " اور کنزالعمال جلد ۶ فتح الکبیر میں ہے کہ آقاؐ نے فرمایا کہ ساری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے میں یہ سب کچھ ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو ۔ یعنی ساتویں باب میں معراج کے ذکر میں آپ کے زماں و مکان پر حاوی ہونے یا علم الغیب کے سلسلہ میں جو گزارشات ہو چکی ہیں تو آپؐ کی چشماں مبارک کی بصیرت کو ہم اپنے بشری پیمانوں

سے کیسے سمجھ سکتے ہیں ۔ چنانچہ اس عاجز نے سرکار دوعالمؐ کے ظاہری جمال کو آٹھویں باب میں جناب ام معبدؓ کے سادہ اور معصومانہ الفاظ میں بیان کر دیا ہے ۔ اور دیدار عام والے ایک لحاظ سے بڑے خوش قسمت تھے ۔ کہ انہوں نے آپؐ کے پسینہ مبارک کو خوشبو کے طور پر استعمال کیا اور آپؐ کے دست مبارک کو اپنے سینے اور اپنے چہروں پر ملتے تھے ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قارئین کو مصنف سے سوال کرنے کا حق ہے کہ اس زمانے میں ہم حضور پاکؐ کے جمال کے چشموں سے کیسے مستفیض ہوں ۔ تو جواب بڑا آسان ہے ۔ کثرت سے درود شریف پڑھا کریں ۔ پھر نتائج خود دیکھ لینا ۔ کہ علامہ اقبالؒ نے بھی ایک کروڑ مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ سب کچھ حاصل کیا ۔

حجۃ الوداع یا حجۃ الاسلام (ذی قعد ۔ ذی الحجہ ۔ دس ہجری) یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار چورانوے بھی ہے ۔ اکیسویں باب تک نوے نوجی کاروائیوں کا ذکر ہو چکا ہے اور بائیسویں باب میں وفود کی آمد کے وقت صرف تین مزید فوجی کارروائیوں کا اضافہ کیا جو بہت واضح تھیں ورنہ ہر وفد کی آمد کسی ایک یا ایک سے زیادہ حربی کارروائیوں کیوجہ سے تھی اور اس طرح اسلام کی فوجی کارروائیوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے بھی بڑھ جاتی ہے ۔ بہر حال شمار کی تعداد میں اضافہ کرنا مقصود نہیں ۔ ہم نے تمام کارروائیوں کے روح کا بیان کر دیا ہے اور اب ہمارے آقاؐ ، پھر ایک فوجی طریقہ سے تیار ہو کر اللہ تعالیٰ کے گھر جانے کیلئے رواں دواں ہونے والے ہیں ۔ اس سلسلہ میں بڑی تیاری کی گئی ۔ کئی دور کے قبائل سے نمائندے مدینہ منورہ میں ہی آکر ٹھہرے ہوئے تھے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے ۔ خبریں بھیج دی گئی تھیں ۔ اور کچھ قبائل یعنی بنو سلیم ، بنو کنانہ ، بنو خزاعہ اور بنو غفار وغیرہ نے راستے میں آکر اس عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان میں شامل ہونا تھا ۔ چنانچہ ذی قعد دس ہجری میں آپؐ تمام ازواج مطہرات ، اور عظیم صحابہؓ کو لے کر اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف ایک فوجی طریقہ سے چل پڑے ۔ یمن جیسے دور دراز جگہوں پر جو حضرت علیؓ یا جناب خالدؓ وغیرہ کے لشکر گئے ہوئے تھے ۔ ان کو بھی اس سعادت میں شرکت کیلئے پیغام بھیج دیا ۔ روایت ہے کہ اس سعادت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی ۔ مورخین تفصیل میں نہیں گئے ، کہ پہلے خانہ کعبہ میں جا کر عمرہ کرتے وقت آپؐ کے ساتھ کون کون تھے ۔ منیٰ میں قیام کے ساتھی کون تھے ۔ وغیرہ ۔ عرفات کے میدان کا اجتماع اور خطبہ مؤرخین پر ایسا چھایا ۔ کہ باقی باتیں ۔ ٹکڑوں میں احادیث مبارکہ یا تاریخ کی کتابوں میں نظر آتی ہیں ۔

حج کی رسوم نو ہجری میں پہلے اسلامی حج کا ذکر اکیسویں باب میں ہو چکا ہے ۔ کہ جناب صدیقؓ طرح ڈال آئے ۔ اور جناب علیؓ نے قرآنی احکام پڑھ کر سنا دیئے ۔ اور آج کل جو حج کے فرائض ، واجب اور سنتیں ہیں ۔ یہ اسلام کے پہلے حج اور حضورؐ پاک کے اس حج جس کو حجۃ الوداع یا حجۃ الاسلام کہا گیا ہے ہی سے لئے گئے ہیں ۔ البتہ یہ عاجز فلسفہ ضرور بیان کرے گا کہ ہماری تمام عبادات کا مقصود جہاد کی تیاری ہے ۔ چنانچہ حج کی تمام رسوم ، روحانی اور بدنی وحدت کے ذریعہ سے پورے اجتماع کے وحدت عمل کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ اور یہ وحدت ، خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے باقی مقامات پر ، ایک اللہ ، ایک رسولؐ ، ایک قرآن اور ایک امت ہونے کے مظاہرہ کے ذریعہ سے عمل پذیر ہوتی ہے یہ عاجز اکیسویں باب میں یہ رونا رو چکا ہے کہ ہمارے موجودہ حج روحانی طور پر تو فائدہ مند

ہوتے ہیں ۔ لیکن عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اور نہیں تو حضورؐ پاک کے الفاظ کو ہر زبان میں دہرادیا جائے ۔ اور پھر تمام حجاج کھڑے ہو کر ایک اللہ اور ایک رسولؐ کی امت ہونے کا اکٹھا اعلان ہی کر دیں ، کہ ہم امت کی وحدت کیلئے کوشاں رہیں گے تو عمل کی بنیاد تو بندھ جائے گی ۔ ویسے عملی طور پر بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے ۔ جو بہت بڑا مضمون ہے ۔ جس کو کسی اور کتاب ہی میں بیان کیا جاسکتا ہے ۔

حضورؐ پاک کا خطبہ خطبہ حجتہ الوداع کی حضورؐ پاک کی تقریر سوالیہ انداز میں ہے ۔ بعض احادیث مبارکہ کی کتابوں میں وسیع تر بیان ہے ۔ اور بعض نے اختصار سے کام لیا ہے ۔ یہ الفاظ آج بھی اتنے تروتازہ ہیں کہ ان کو اختصار کے ساتھ اس کتاب کا حصہ بنانے کی سعی کی جارہی ہے ۔

. لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ ہم اور تم اس مجلس میں آئندہ جمع نہیں ہو سکیں گے ۔ دیکھو ، یاد رکھنا کہ جاہلیت کے دور کی کل باتیں میرے پاؤں کے نیچے دفن ہو چکیں ۔ اور یاد رکھنا کہ تم سب کا رب ایک ہے ، اور تم سب ایک باپ کی اولاد ہو ۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں ہے اور نہ سرخ کو کالے اور کالے کو سرخ پر فوقیت ہے ، فوقیت کی چیز صرف تقویٰ ہے ، لہذا اگر کوئی فائق ہے تو بس متقی غیر متقی پر فائق ہے (کسی حسب نسب پر نہیں اترانا چاہیئے) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔ مسلمان کی جان اور مسلمان کا مال اور مسلمان کی عزت وآبرو تا قیام قیامت اس طرح قابل احترام ہے جس طرح یہ مہینہ ، یہ دن اور یہ شہر محترم ہیں ۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ مسلمان ، مسلمان کا گلا کاٹنے لگے ۔ تمہیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور تم سب سے تمہارے ایک ایک عمل کی باز پرس کی جائیگی ۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑتا ہوں ۔ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو گمراہ نہیں ہوگے ۔ اگر ناک چھدا حبشی بھی تمہارا امیر ہے اور وہ تم سے کتاب اللہ کی پیروی کرنے کو کہے تو اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا اور دین میں غلو بہت برا ہوتا ہے ۔ تم سے پہلی امتیں اسی غلو کی وجہ سے تباہ ہوتی تھیں ۔ اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا ۔ بے شک عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں لیکن عورتوں کے بھی تم پر حقوق ہیں ۔ اپنے غلاموں کو وہ کھلاؤ جو خود کھاؤ اور وہ پہناؤ جو خود پہنو ۔ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں ۔ سب سے پہلے میں اپنے چچازاد بھائی ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں ۔ جاہلیت کے سارے سود باطل کر دیئے گئے ہیں ۔ سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ بن عبد المطلبؓ کا سود چھوڑتا ہوں ۔ جو شخص اپنے نسب کے علاوہ کسی اور نسب سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے ، اس پر اللہ تعالی کی لعنت ہے ۔ جو جرم کرے وہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہے ۔ باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں ہے اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں ہے ۔ قرض ادا کیا جائے ۔ ادھار لی ہوئی چیزیں واپس کی جائیں ۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے ۔ خدا نے وراثت کے طور پر ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے ۔ اب وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں ۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کے خون ، مسلمان کے مال اور مسلمان کی آبرو کو مسلمان پر اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح اس دن ، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے ۔ میرے بعد گمراہ مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو ۔ لوگو سنو! اس لئے کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ ، اس مہینے اور اس شہر کے

اندر میں تم میں نہ ہوں"۔

آخر میں آپؐ نے فرمایا" زمانہ اپنی اصلی ہیئت پر گردش کرتا ہے۔اور اب پھر اصلی حالت پر آگیا ہے"۔ گو حضورؐ پاک نے فرما دیا تھا، کہ ہم اس مجلس میں آئندہ جمع نہ ہوسکیں گے۔لیکن یہ آخری فقرہ دین کی تکمیل کی طرف اشارہ تھا کہ زمانے کو اب تسلسل مل گیا ہے۔یعنی صراط مستقیم کی نشاندہی ہو گئی۔اور حضورؐ پاک نے اہل حق کے قافلہ کو اس صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا اس اجتماع نے چند سالوں میں حضورؐ پاک کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچادیا۔لیکن افسوس کہ ہمارے بیچ کئی لوگ سیاستدان اور خود ساختہ دانشور غیروں کے باطل نظریات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حضورؐ پاک کی پسندیدہ چیزیں اس عاجز کے سامنے اس باب کو الگ کرنے میں مقصد یہ تھا کہ قارئین کو حجتہ الوداع اور اس کے چند ماہ بعد کی حضورؐ پاک کی اس دنیا کی زندگی کی ایک جھلک دی جائے، تب ہی باب کا نام" دیدار عام کے آخری ایام" رکھا۔اب حضورؐ پاک کی ساری سنتوں کو بیان کرنے کیلئے پتہ نہیں کتنی کتابوں کی ضرورت ہے۔لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورؐ پاک نے اس دنیا میں کیا پسند فرمایا اور کیا ناپسند کیا۔تو اس کی جھلکیاں پچھلے ابواب میں بھی دی جاتی رہیں۔

ویسے کھانے میں حضورؐ پاک کو شہد، زیتون کا تیل، کدو اور دستی کا گوشت وغیرہ پسند تھا۔لیکن حضورؐ پاک کے دنیاوی حالات میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے آسائشوں سے حضورؐ پاک نے صرف عورت اور خوشبو کو پسند فرمایا۔اور نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا۔اس لئے ان تین پسندوں کا ذکر ضروری ہے۔خوشبو ماحول کو معطر کرتی ہے۔اس کی پسندیدگی دراصل طہارت، صفائی اور ماحول کی پاکیزگی کی طرف لے جاتی ہے۔وضو سے طہارت اور عبادات میں وضو میں رہنا ماحول کو پاکیزہ اور ستھرا رکھتا ہے۔غیر لاکھ کوشش کرتے ہیں تو ان لوگوں کے بدنوں سے بو آتی ہے۔لیکن افسوس مسلمانوں نے بھی ستھرے ماحول کو بھلا دیا ہے کہ وضو مومن کا اسلحہ بھی ہے۔کہ بدن میں مکمل طور پر یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔اور نفسیات کا یہ اتنا اہم مسئلہ ہے۔جس پر تفصیل سے پھر کبھی قلم اٹھایا جائے گا۔

عورت کے بارے میں سترھویں باب میں بیان ہو چکا ہے۔کہ عورت دنیا کی حسین ترین چیز ہے اور ہر عورت حسین ہے حضور پاکؐ نے عورت کے ساتھ محبت کر کے اسکی شان کو بڑھایا۔لیکن عورت کی خوبصورتی عزت، غیرت، اور شرم و حیا میں ہے اور مرد کو اس کی حفاظت کرنا چاہیئے۔لیکن افسوس نہ آزادی کے وقت نہ ستمبر ۶۵ اور دسمبر ۷۱ کی جنگوں میں ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کر سکے۔یہ ہمیں اسلام سے بغاوت کی سزا تھی۔اور بھارت خاص کر کشمیر میں ہماری عورتوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ عاجز عورتوں سے گزارش کرے گا کہ مرد کی آنکھوں پر تو پردے پڑ گئے ہیں۔آپ مہربانی کر کے اٹھیں اور قرون اولی کی عورتیں بن جائیں۔اس مضمون کو یہ عاجز کسی اہل قلم عورت کی مدد سے ضرور اجاگر کرے گا کہ اسلامی ازدواجیت کے معاملہ پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

نماز کیلئے حضورؐ پاک نے فرمایا" کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے" ایک عورت جب نماز ادا کر رہی ہو تو عاجزی اور

شرم وحیا کی چادر سے وہ اتنی حسین نظر آتی ہے کہ اس کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔اور مرد جب جماعت کے طور پر نماز پڑھتے ہیں تو جلال وجمال کا مظہر بیان میں نہیں آسکتا۔ لیکن افسوس کہ آج اول تو ہم بے نماز ہیں۔اور جو غازی ہیں وہ نمازی نہیں۔اور نوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر ویسے بھی غازی کے لفظ کو ہماری لغت سے نکال باہر کر دیا ہے۔لیکن ادھر اپنے آقا کی شان دیکھو۔ ذوالحجہ دس ہجری میں مدینہ منورہ واپس آگئے۔نئے سال میں مہمات کی تیاری کو اولین حیثیت دی۔

جیش اسامہ یہ اسلام کی فوجی کارروائی شمار پچانوے ہے۔

نئے سال کے محرم کے آخری دنوں میں ہی آپؐ نے حکم دے دیا تھا کہ جناب اسامہؓ بن زیدؓ کی امارت میں ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا جائے جو بلاد فلسطین اور شام کی وادی بلقا یعنی موتہ کے مقام کے اوپر تک جائے گا اور وہاں مشرکین کے خلاف جہاد کرے، اور ایسا تب تک جاری رکھا جائے، جب تک وہ اسلام نہ لے آئیں یا جزیہ دینا منظور نہ کریں۔ابھی یہ لشکر تیار ہی ہو رہا تھا کہ آپؐ بیمار ہو گئے۔بہر حال بیماری کی حالت میں بھی مدینہ منورہ سے باہر اس لشکر کا معائنہ فرمایا اور وفات سے ایک آدھ دن پہلے بھی صحابہ کرامؓ کو یاد کرایا کہ جناب اسامہؓ کا لشکر بھیجنے میں کوتاہی نہ کرنا۔یہ تھی ہمارے آقاؐ کی سنت اور یہ تھی آپ کی آخری نصیحت۔علامہ اقبالؒ اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

جنگ شاہان جہاں غارتگری است جنگ مومن سنت پیغمبری است

اسلامی فلسفہ دفاع اسی چیز سے متاثر ہو کر یہ عاجز اگلے باب میں اسلام کا فلسفہ دفاع پیش کر رہا ہے جو میرے محسن اور اس کتاب کے تعارف لکھنے والے جنرل احسان الحق ڈار مغفور و مرحوم کے مطابق یقیناً یہ پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے۔اور ان کے مطابق اس میں بیان شدہ جنگی اصول، مغربی دنیا کے جنگ کے اصولوں سے کہیں بہتر اور جامع ہیں"۔

پچیسواں باب

اس مضمون کو وسعت دیکر اب
کتاب اسلامی نظام کا حصہ بنادیا گیا ہے

اسلام کا فلسفہ دفاع

تمہید یہ پہلو کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ ہر قوم اور ملک کے لئے ضروری ہے، کہ وہ کسی سیاسی فلسفہ کے تحت ایک ملک یا قوم بن کر اپنے مقاصد پورے کریں اور ہر قوم کا فلسفہ دفاع اس فلسفہ کے تابع ہوتا ہے۔ اور تمام ملکی اور قومی مقاصد کا دفاع ہر ملک پر فرض ہوتا ہے۔ سب قومیں آج اس پر سختی سے عمل کرتی ہیں۔ لیکن دین فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اجتماعی سیاسی نظام کو اپنایا، جس کو حضور پاکؐ نے جہاد اکبر کے نام سے موسوم کیا، کہ مومن ہر وقت یا تو جہاد صغیر یعنی جنگ وغیرہ میں مصروف رہتا ہے یا جہاد اکبر یعنی جنگ کی تیاری میں مصروف رہتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم یہ سوچتا رہتا ہے کہ وہ ان فرائض کو کیسے پورا کرے۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنے سیاسی فلسفہ کو نظام مصطفیؐ یا نظام جہاد کا نام دیا ہے، اور اپنے دفاعی فلسفہ کو جہاد بالسیف کے نام سے موسوم کیا۔ جنگ جس کو اہل اسلام حرب کہتے ہیں، اسی دفاعی فلسفہ کو حکمت عملی کے تحت لڑی جاتی ہے، اور اس کے تحت لڑائی کو اسلام میں قتال کا نام دیا گیا ہے۔ ان الفاظ کی اس طرح کی الگ الگ وضاحت بہت ضروری ہے، کہ آج کل کی جنگیں یا اس سلسلہ کے باقی شعبے اتنی وسعت اختیار کر چکے ہیں کہ الفاظ کا محدود استعمال ضروری ہے۔ اور اسی وجہ سے اہل مغرب نے سٹریجی (حکمت عملی) اور ٹکٹیکس (تدبیرات) کو بڑی وضاحتوں کے ساتھ الگ الگ شعبوں میں بانٹ دیا ہے۔ لیکن ہم اردو زبان میں، مغربی اصطلاحات کے اپنے مرضی کے معانی کر کے بعض دفعہ تمام معاملات کی ایک کھچڑی پکا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں اس پہلو کا بڑا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر اصطلاح ہر جگہ ایک ہی قسم کے معانی میں استعمال ہو، اور چونکہ یہ اس سلسلہ کا اہم باب ہے، یہاں پر تمام تر فوجی اور جنگی اصطلاحات اپنے اصلی معانی کا خوب تر اظہار کرتی ہیں۔

ایک غلط فہمی جہاد کا لفظ تو ہم سب نے بچپن میں سن رکھا تھا، لیکن ہم اس خیال کے حامی رہے اور کئی لوگ اب تک اس غلط فہمی کا شکار ہیں، کہ جہاد صرف ایک جذبہ کا اظہار ہے۔ اور اسلام نے اپنا کوئی الگ فلسفہ دفاع نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہماری موجودہ کتابیں یا دانشوروں کی تمام تر کوششیں کسی الگ فلسفہ دفاع کی نشاندہی آج تک نہیں کر سکیں، سوائے چند ایک اصولوں کے کہ اسلام کلی جنگ کا دعویدار ہے اور ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے وغیرہ۔ اس طرح کے کچھ مضامین، اخباروں میں آئے یا کسی ایک آدھ کتاب میں، خاص کر بریگیڈیئر گلزار احمد کی جہاد پر کتاب میں کچھ ایسے اصولوں کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

عسکری تاریخیں پیش لفظ میں گزارش ہو چکی ہے کہ شروع زمانے میں جو تاریخیں لکھی گئیں ان کا نام ہی مغازی یا فلسفہ جنگ وغیرہ تھا۔ لیکن اگلے تیرہ سو سالوں میں کوئی ایسی کوشش نظر نہیں آتی۔ عراقی فوج کے ایک بریگیڈیئر نے حضور پاکؐ کی عسکری زندگی پر چند سال پہلے ایک کتاب لکھی، جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ پوری کتاب

تضاد کا مجموعہ ہے ۔ ہاں ہمارے ملک میں بریگیڈیئر گلزار احمد کی کتابیں غزوات نبوی اور بریگیڈیئر سوندھا خان ملک کی کچھ اچھی کوششیں ضرور موجود ہیں ۔

جنرل آغا اکرم لیکن بہترین کوشش جنرل آغا اکرم کی ہے، جس کا ذکر اس عاجز نے اپنی کتاب میں اکثر جگہوں پر کیا ہے ۔ کہ اس کا کام دودھ کی طرح شفاف تھا ۔ لیکن بے چارے نے بعض جگہوں پر اس دودھ میں مکھیاں ڈال دی ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ پہلی کتاب حضور پاکؐ پر لکھنے کی بجائے جناب خالدؓ بن ولید کے نام "اللہ کی تلوار" سے متاثر ہو کر ان پر لکھ دی ۔ اور جناب خالدؓ کا ذکر کرتے اور موازنے کے طور پر ان کو بلند کرتے ہوئے عظیم صحابہؓ میں سے جناب صدیقؓ اور جناب فاروقؓ کی شان کو گھٹا دیا ۔ اور حضور پاکؐ کی شان کو بھی نہ سمجھ سکا ۔ باقی کتابیں "فارس کی فتوحات" مصر اور سپین کی فتوحات وغیرہ اچھی کتابیں ہیں ۔ لیکن یہ کمی ہر جگہ موجود ہے ۔ اور کتابیں انگریزی میں ہیں ۔ اس لئے عام آدمی ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ۔ اسلامی فلسفہ حیات کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ۔ اور بعض جگہ پوری چھان بین بھی نہ کی اور جلد بازی کر گیا ۔

بہر حال اس عاجز کی یہ خواہش ہے کہ لوگ جنرل اکرم کی کتابیں پڑھیں اور اچھی باتوں سے فائدہ اٹھائیں ۔ لیکن ان کی غلط بیانیوں کا قلع قمع بھی ضروری تھا اور اس عاجز نے اس سلسلہ میں جو لکھا وہ سینکڑوں صفحات میں ہے اور اس نے جب یہ کام شروع کیا تو اس وقت بھی اس عاجز نے اس کو ٹوکا تھا ۔ اس لئے اس عاجز نے اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں جو کچھ کیا اس میں سے جناب صدیقؓ کی خلافت اور جیش اسامہؓ کے سلسلہ میں ایک اقتباس نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ اس طرح جنرل اکرم کی سب غلط بیانیوں کو رد کیا گیا ہے ۔ اقتباس یہ ہے :۔

"**خلیفہ اول کا پہلا خطبہ** جناب صدیق اکبرؓ کا پہلا خطبہ بھی قوم کی وحدت کی عکاسی کرتا ہے ۔ آپؓ نے اللہ تعالی کی ثناء اور حضورؐ پاک پر درود و سلام کے بعد مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور اندرونی خلفشار کو دور کرنے پر زور دیا ۔ آپؓ نے فرمایا کہ جب تک وہ اللہ تعالی اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کی پابندی کرتے رہیں تو مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہے ۔ آگے آپؓ نے فرمایا کہ حاکم وقت کے سامنے سچ بولنا بہت بڑی وفاداری ہے اور سچ کو چھپانا غداری ہے ۔ جناب صدیق اکبرؓ نے آگے فرمایا "آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو بڑا کمزور ہے، میرے نزدیک وہی بڑا زبردست ہے جب تک میں اس کا حق اس کو نہ دلا دوں اور تم میں جو زبردست ہے وہی میرے نزدیک بڑا کمزور ہے ۔ یہاں تک کہ اس کے پاس اگر مستحق لوگوں کا حق موجود ہے تو ان کو واپس نہ دلا دوں" ۔ آپؓ نے اس طرح امیر اور اس کی بیعت کرنے والوں کے تعلقات پر بھرپور روشنی ڈالی ۔ جناب موسیٰؒ بن عقبہ کے ناپید کاغذات سے ابن اسحق کی تاریخ میں یہ الفاظ بھی ہیں ۔ "میں نے نہ کبھی امارت کی خواہش کی اور نہ کبھی اللہ تعالی سے اس سلسلہ میں دعا مانگی ۔ لیکن اب میں اللہ تعالی سے دعا مانگتا ہوں کہ اس مشکل کام میں وہ میری مدد کرے "

صدیق اکبرؓ کی شان صحابہ کرامؓ کی شان بیان کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں ۔ حضور پاکؐ کی سیرت اور جناب ابو بکرؓ کے کردار سے تو غیر مسلم بھی متاثر ہوئے ۔ مشہور یورپین مورخ کارلائل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کتنے

عظیم ہوں گے جن کا جانشین جناب ابو بکرؓ اتنے بلند پایہ کردار کا مالک ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے جناب عمرؓ، جناب علیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص نے ایسے الفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کو خراج تحسین پیش کیا ہے کہ پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ اس زمانے میں غیروں کی نقالی میں ہم "بامقصد تجزیوں" کے تحت حضور پاکؐ کے رفقاء کی بے ادبی کر جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جنرل آغا اکرم کی کتاب کے چند الفاظ یہاں پیش کیے جاتے ہیں: (ترجمہ اس عاجز نے کیا۔ ان کی کتاب انگریزی میں ہے)

"حضور پاکؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی حالت اس طرح ہو گئی تھی، جس طرح سردیوں کے موسم میں ایک بھیڑ بارش سے ٹھٹھر جاتی ہے۔ جب ابو بکرؓ خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کے غم گہرے ہو گئے۔ کیونکہ ابو بکرؓ کسی امارت کی صفات کے لئے کچھ زیادہ مشہور نہ تھے۔ اور مسلمانوں کے جہاز کو طوفان سے نکالنا تو بڑا کٹھن کام تھا۔ اس موقع پر کسی مضبوط دل اور سخت لیڈر کی ضرورت تھی۔ اور ابو بکرؓ کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ وہ ایک دبلے پتلے انسان تھے۔ ان کی بھنویں نازک تھیں، جن کے نیچے آنکھیں دبی ہوئی تھیں۔ وہ وسمہ اور مہندی لگاتے تھے لیکن بڑھاپا ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے نظر آتا تھا۔ بڑے رحم دل تھے اور بات بات پر رو دیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے لئے ابو بکرؓ کی خدمات بہت زیادہ تھیں۔ انہوں نے حضور پاکؐ کو وفاداری دکھائی اور حضور پاکؐ نے آپ کو صدیق کا خطاب دیا۔ ذاتی حوصلے میں بڑے بلند تھے۔ اور ان کے اسلام پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تیسرے فرد تھے جو اسلام لے آئے اور عشرہ مبشرہ میں ان کو مقام حاصل تھا۔ لیکن کیا یہ خوبیاں مشکل اوقات میں لیڈری کے لئے کافی ہیں؟ جبکہ حضرت اسامہؓ کے لشکر کا معاملہ بھی تشویش پیدا کئے ہوئے تھا"۔

اس عاجز نے اپنی کتابوں میں جنرل اکرم کیلئے "مبصر" کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ تبصرہ لکھا

تبصرہ قارئین! آپ جنرل اکرم کی لفاظی اور تضاد بیانی میں جائیں کہ مخالفت میں صرف لفاظی ہی لفاظی ہے۔ اور اسی بناء پر یہ مبصر آپؓ کو خلافت کے لئے موزوں نہیں سمجھتا (نعوذ باللہ) اور یہی مبصر آگے جا کر اپنی کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ "چند مہینوں کے بعد باغی اور مرتدین ابو بکرؓ کا نام سن کر کانپ کانپ جاتے تھے" چنانچہ ہمارا بامقصد تجزیہ اس قسم کی لفاظی اور بے ادبی سے مبرا ہے۔ ہم بامقصد تجزیہ سے، سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور غلط باتوں کو صحیح باتوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لحاظ سے جناب ابو بکرؓ پہلے ہی روز سے امارت اور خلافت کے لئے موزوں ترین تھے۔ اپنی پہلی تقریروں اور کاروائیوں ہی میں انہوں نے اپنی عظمت کو ثابت کیا اور آگے جو کچھ کیا اس کی آج تک دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بے شک حضور پاکؐ کے وصال کے غم نے مسلمانوں کو چند لمحوں کے لئے نڈھال ضرور کیا۔ لیکن ابو بکرؓ کے پہلے الفاظ نے ان میں جان ڈال دی اور ان کو یاد آگیا کہ اسلام کا فلسفہ حیات کیا ہے۔ ٹھٹھری ہوئی بھیڑ والی بات کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ ابو بکرؓ مسلمانوں کو اپنی اصلی مقام پر واپس لے آئے۔ حضور پاک خود فرما چکے تھے "کہ اے مسلمانو! میں نے سب لوگوں کو ان کے احسانات کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ایک شخص کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں ان کو پورا نہ کر سکا اور وہ ابو بکرؓ ہیں" حضور پاک کے اس بیان کے اندر کئی راز پنہاں ہیں جن کو

سمجھنا ہم گنہ گاروں کے لئے ناممکن ہے۔ہاں علامہ اقبالؒ کچھ نشاندہی فرما گئے ہیں:۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

جیشِ اسامہؓ جیش اسامہؓ کا معاملہ وہ مشکل کام تھا جس کے ساتھ جناب صدیق اکبرؓ کا سب سے پہلے واسطہ پڑا۔آپؓ خود اس لشکر میں شامل تھے۔لیکن حضور پاکؐ کی بیماری اور وفات کی وجہ سے اس لشکر کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔حضور پاکؐ وفات سے ایک آدھ دن پہلے صحابہؓ کو اس سلسلہ میں یاددہانی فرما چکے تھے اور تاکید فرمائی تھی کہ تاخیر نہ کرنا۔جناب ابو بکرؓ نے سب سے پہلے اسی معاملہ پر توجہ دی اور حضرت اسامہؓ کو موتہ کی طرف کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔موتہ وادی بلقا اور موجودہ اردن میں ہے۔اس زمانے میں ان سب علاقوں کو بلادشام اور فلسطین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔جلال مصطفےٰؐ کے پانچویں باب میں جنگ موتہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ادھر ہی جناب اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارث شہید ہوئے تھے۔حضورؐ پاک بعد میں خود ایک لشکر کو لے کر اس علاقہ میں تشریف لے گئے جس کو مہم تبوک کہتے ہیں اور اس کا بھی مکمل ذکر جلال مصطفےٰؐ کے آٹھویں باب میں موجود ہے۔حضور پاکؐ کا دشمن کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہوا لیکن آپؐ کی خواہش تھی کہ اس علاقہ میں ایک اور سخت حربی مظاہرہ ہو، تاکہ دشمن کو اس طرف سے مسلمانوں پر یورش کرنے کی ہمت نہ پڑے۔حضور پاکؐ کی وفات کے بعد کچھ صحابہؓ اس خیال کے حامی ہو گئے کہ اول تو اس طرف کوئی مہم بھیجی ہی نہ جائے، لیکن اگر مہم بھیجی جائے تو حضرت اسامہؓ کی بجائے کسی اور تجربہ کار صحابی کو سالار لشکر مقرر کیا جائے۔اہل لشکر مدینہ منورہ سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ بھی بیچ میں شامل تھے۔ان کو کچھ صحابہ کرامؓ نے قائل کر لیا کہ وہ ان کی اس قسم کی تجویز کو خلیفۃ الرسولؐ کو پیش کریں۔حضرت عمرؓ، جناب صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دونوں گزارشات پیش کر دیں، تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا:۔"اے ابن خطابؓ! سنو، یہ احکام اللہ کے حبیبؐ کے ہیں اور ابو قحافہؓ کے بیٹے کو ان میں تبدیلی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔کیا تم مجھے ایسے سالار لشکر کو ہٹانے کے لئے کہہ رہے ہو جس کو اللہ کے رسولؐ نے مقرر فرمایا؟۔" جناب فاروق اعظمؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس جا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

تبصرہ حضورؐ پاک کی حدیث مبارکہ میں جن اختلافات کو باعث رحمت قرار دیا گیا ہے کہ بات چیت سے معاملات کو طے کیا جائے، اس طریق کار کی یہ عملی مثال ہے۔اس سیدھے سادے واقعہ کو اس زمانے کے ایک مبصر جنرل آغا اکرم کی کتاب میں پڑھیں تو آپ کو فرق نظر آجائے گا۔وہ رقمطراز ہیں:۔

"حضرت عمرؓ، حضرت ابو بکرؓ کے پاس اس طرح آئے، جس طرح وہ پہلے زمانے میں ایک مضبوط اور سخت آدمی کی طرح ایک کم گو اور فرمانبردار دوست کے پاس آیا کرتے تھے۔لیکن وہ الٹے پاؤں واپس ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو برا بھلا کہا۔گو پرانے زمانے کے مورخین نے جناب اسامہؓ کی مہم کو بڑی دانائی والی بات قرار دیا ہے۔لیکن یہ بڑی غلطی تھی۔حکمت عملی کے لحاظ سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی۔اور چونکہ بڑے بڑے تجربہ کار صحابہؓ نے اس مہم کی مخالفت کی تو ظاہر ہے، کہ یہ کوئی دانائی والی بات نہ

ہو گی (نعوذ باللہ) ۔جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے ۔اور باغی خوش تھے کہ اسامہؓ کی فوج مدینہ منورہ سے چلی گئی ہے ۔اور اب ان کا مسلمانوں کے کمزور خلیفہ یا امیر کے ساتھ واسطہ ہے ۔لیکن یہ سب کچھ ابو بکرؓ نے کسی حکمت عملی کے تحت نہ کیا تھا، بلکہ حضور پاکؐ کے ساتھ اپنی عقیدت کی وجہ سے کیا"۔

یہ مبصر کوئی غیر مسلم نہیں ۔ بلکہ بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں، جن کی بعض باتیں دودھ کی طرح شفاف ہیں ۔لیکن ادب ملحوظ نہیں رکھااور تفرقہ کو بڑھانے کی کوشش کی ہے ۔مورخین نے اگر نتائج کے طور پر بھی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی مہم کو دانائی والی کارروائی قرار دیا تو پھر کونسی حکمت عملی کے تحت یہ مبصر اس کارروائی کو سیاسی غلطی قرار دیتا ہے ۔وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلام کے فلسفہ حیات کا پتہ نہیں ہوتا ۔اور اسلام کو انہوں نے مغرب کی عینک سے پڑھا ہوتا ہے اور مغربی پیمانوں سے ناپتے ہیں ۔دراصل بات یہ ہے کہ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر سب حکمت عملیاں قربان کی جاسکتی ہیں اور جلال مصطفےٰؐ میں اس پہلو کی کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے بلکہ بیسویں صدی تک غیرت مند مسلمان اور خاص کر غازی انور پاشا جیسے لوگ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر لاکھوں سلطنت عثمانیہ قربان کرنے کو تیار تھے ۔کیا حضورؐ پاک کو یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے ۔اس کے باوجود مہم بھیجنے پر سختی سے حکم دے رہے ہیں اور افسوس جنرل اکرم حضورؐ پاک کی شان کو نہ سمجھ سکا۔

پھر ہر واقعہ کو بقول کلاسوٹز کے نتائج کے اثرات سے پرکھا جائے ۔جب حضرت اسامہؓ کی مہم کے نتائج اچھے نکلے ۔ان کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوا تو حکمت عملی بھی صحیح سمجھی جائے ۔ویسے مدینہ منورہ کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ جلال مصطفےٰؐ میں یہ پہلو واضح کر دیا گیا ہے ۔ حضورؐ پاک نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھدوا کر مدینہ شریف کو ایک ایسے مستقر میں تبدیل کر دیا تھا کہ چند سو آدمی، عورتیں اور بچے بھی کسی بڑے سے بڑے لشکر کا ایک ماہ تک مقابلہ کر سکتے تھے ۔مکہ مکرمہ کے قریش اور طائف کے قبیلے وفادار تھے ۔مدینہ منورہ کا محاصرہ کرنے والی کسی فوج کے خلاف وہ تیسرے یا چوتھے دن پہنچ سکتے تھے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو واپس بلایا جاسکتا تھا ۔مدینہ منورہ کے گردونواح سے کوئی قبیلہ چار یا پانچ ہزار سے زیادہ نفری کا لشکر مدینہ منورہ کے خلاف۔ نہ لاسکتا تھا۔ اور اگر لاتا تو یا تو اسے بھاگنا پڑتا یا اس کو تہس نہس کر دیا جاتا ۔اگلے باب میں مدینہ منورہ پر حملہ آور لشکروں کے یلغار کی کہانی سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اتنی طاقت تھی کہ کسی کو اس کا محاصرہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی ۔یہ دو باتیں تفصیل سے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بامقصد تجزیہ سے تفرقہ کی بجائے وحدت پیدا کی جائے اور بزرگوں کے ادب کو ملحوظ رکھ کر تجزیئے پیش کیئے جائیں ۔یاد رکھئے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں میں جو یک رنگی پیدا کی اسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔

یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ   یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ   (اقبالؒ)

خلفاء راشدین حصہ اول کا یہ اقتساب یہاں ختم ہوتا ہے اور جنرل اکرم کی کتابوں کے ایسے پہلو افسوسناک ہیں ۔اور میری کتابیں ایسے موازنوں سے بھری پڑی ہیں ۔

جہاد بالسیف بہرحال ان سب مضامین اور کتابوں کے مطالعہ کے بعد اور اپنی ان کتابوں کی کہانی کی عملی تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام کا اپنا ایک دفاع کا فلسفہ موجود ہے جسے ہم جہاد بالسیف کہہ رہے ہیں اور اسی چیز کو اس باب میں مختصر طور پر بیان کریں گے۔اور اب ہم اپنے مضمون کی طرف واپس آتے ہیں۔

تحقیق ایک فوجی ذہن قرآن حکیم میں غوطہ زن ہونے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے، کہ اسلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی فوج تیار کرنا ہے، جو باطل قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دے اور پھر انہیں پاش پاش کر دے۔اگر اہل اسلام اس فرض سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اپنی بے عملی پر مطمئن ہیں تو وہ اس بات میں بڑی خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ حضور پاکؐ کی حیات طیبہ سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے، کہ مومن اللہ کا سپاہی ہے اور وہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے اس دنیا میں وارد ہوا ہے۔مکی دور میں کچھ اس قسم کے الفاظ حضورؐ پاک کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ یعنی قریش میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج لا کر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے مقصد سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔اللہ کی بات پوری ہو گی یا اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے میں اپنی جان دے دوں گا۔آگے چل کر دس سالہ مدنی زندگی میں حضور پاکؐ نے یثرب میں ایک فوجی مستقر قائم فرمایا اس میں اللہ کی فوج تیار فرمائی اور تقریباً ایک سو مہمات کا اہتمام فرمایا۔بڑی جنگوں اور کچھ مہمات میں آپؐ نے بنفس نفیس فوج کے ساتھ شامل ہو کر عسکری زندگی پر احسان فرمایا، اور جہاد بالسیف کو افضل ترین عبادت قرار دیا۔اور یہ سب اس کتاب میں مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ حضور پاکؐ کی مدنی زندگی میں عسکری پہلو سب سے غالب نظر آتا ہے، مگر بد قسمتی سے آج یہی وہ پہلو ہے، جسے اہل اسلام کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔خاص طور پر گزشتہ دو تین صدیوں میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حضور پاکؐ کی مجاہدانہ زندگی پر پردے ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے جہاد بالسیف ایک غیر اہم فریضہ معلوم ہونے لگا ہے۔دور کیوں جاتے ہیں، ہمارے ملک میں ہر سال عید میلاد النبیؐ منائی جاتی ہے۔ریڈیو یا ٹی وی پر حضور پاکؐ کی عسکری زندگی کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔

بہرحال مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے باطل پرست قوتیں ہمیشہ لرزہ براندام رہی ہیں اور اسی جذبہ کو سرد یا مفلوج کرنے کے لئے ہمارے دشمنوں کو طویل مدت تک پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔بالآخر انہیں کامیابی ہوئی اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہل اسلام آج بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بن کر رہ گئے ہیں۔نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور قربانی وغیرہ اپنی جگہ پر ایک اعتبار سے ابھی تک قائم ہیں۔مگر جس مقصد یعنی جہاد کے لئے یہ تربیت شروع کی گئی تھی وہ نگاہوں سے سراسر اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔آج کے تن آسان مسلمان نے جنت حاصل کرنے کے لئے آسان راستے تلاش کر لئے ہیں۔ہتھیار جو مسلمان کا زیور سمجھا جاتا تھا، اس سے ہم یوں بیگانہ ہوئے ہیں، کہ اب ہم اس سے وحشت کھانے لگے ہیں اور ہماری قوم فن سپہ گری سے کلی طور پر نابلد ہو کر رہ گئی ہے۔

فن سپہ گری جنگ یا جہاد کی متحمل صرف وہ قوم ہو سکتی ہے، جو فن سپہ گری سے واقف ہو۔اور اس کے مرد و زن سپہ گری کے ہر داؤ پیچ میں پوری طرح تربیت یافتہ ہوں۔قومی زندگی کا یہ ایک رہنما اصول ہے اور جو لوگ اس حقیقت ابدی سے لاپرواہی

برتتے ہیں ان کی قسمت میں ذلت وخواری لکھ دی جاتی ہے۔ہماری قرون اولی کی تاریخ سے یہ راز کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ غازیانہ جھپٹ پلٹ ہی سے قومیں بنتی ہیں اور اللہ تعالی کا کلمہ بلند کرنے والی قوم کو تولا محالہ یہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔مکہ مکرمہ سے کسمپرسی کی حالت میں ہجرت کے بعد اہل اسلام نے جو تنظیم قائم کی، اس میں عسکری رنگ غالب تھا۔اور اس پہلو کو نویں باب میں خوب تر واضح کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں ہم دسویں باب سے تیرھویں باب تک واضح کر چکے ہیں کہ جنگ خندق تک ایمان والوں پر آزمائشوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر وہ ہر آزمائش میں اللہ تعالی کے فضل سے اور صحیح فلسفہ دفاع اپنانے سے کامیاب ہوئے جنگ خندق کے بعد اسلام کی فوجیں چہار طرف بڑھیں۔اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت وہ ایک سرنگ بورڈ پر کھڑی پر تول رہی تھیں کہ حکم ملے تو وہ ساری دنیا پر چھا جائیں۔

اسلامی فتوحات خلفاء راشدین کے زمانے کے چند سالوں میں یہ اسلامی افواج وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک پہنچ گئیں۔ ادھر مشرق میں موجودہ پاکستان کے علاقہ وزیرستان اور مکران تک اللہ تعالی کا نام بلند ہو رہا تھا، تو شمال میں مسلمان قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے۔بلکہ یورپ میں کریٹ اور سسلی کے جزیروں پر بھی یلغار کر رہے تھے۔اس کے اگلے ساٹھ سالوں میں وہ سندھ اور ملتان تک پہنچ چکے تھے اور مغرب میں ملک سپین میں اللہ تعالی کا نام بلند ہو رہا تھا۔اس تمام عرصے میں اسلامی فوج کو کسی ایک مقام پر بھی پسپائی کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکا۔تو ظاہر ہے کہ جنگ خندق سے پہلے مدینہ منورہ میں جو عسکری بنیادیں استوار ہوئیں، انہوں نے کئی پشتوں تک اپنی تلوار کا سکہ منوایا۔بلاشبہ حضورؐ پاک مسلمانوں کے لئے ایک ایسا فوجی نظام چھوڑ گئے جس کی بدولت بے سروسامانی کے باوجود، مسلمانوں نے اس زمانے کی دو عظیم سلطنتوں کے ساتھ ٹکر لی اور یہی کچھ اس عاجز نے اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں بیان کیا، کہ دو محاذ کھول دیئے اور ایسی حکمت عملی اپنائی کہ بھرپور کارروائی ایک وقت میں ایک ہی محاذ پر ہوتی لیکن دونوں محاذ ایکٹو یعنی باعمل ہوتے تھے۔لطف کی بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فوجی طاقتیں ہمیشہ سے دو محاذوں پر جنگ لڑنے کے نام سے گھبراتی رہیں۔لیکن مسلمانوں نے دو محاذوں پر جنگ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔اور ان کے حربی کارناموں کو آج بھی کسی فوجی پیمانے سے ناپنا مشکل نظر آتا ہے۔اور ہم صرف یہ کہیں گے کہ ان تمام کارروائیوں میں اللہ تعالیٰ کا دست قدرت براہ راست کام کر رہا تھا۔اس تمہید اور وضاحت کے بعد ہم اسلام کے حربی نظام کی طرف پیش رفت کرتے ہیں۔

اسلام کی حربی نظام (پہلی سطح) اسلامی فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی پہلے باب میں بیان کر دیئے گئے ہیں دراصل اسلام کا حربی ڈھانچہ تین سطحوں پر تیار ہوتا ہے۔پہلی سطح میں ہر مومن مرد پر چونکہ جہاد فرض کر دیا گیا ہے تو یہ فرض اسی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے کہ سب مومن سپاہیانہ زندگی کی تربیت حاصل کریں اور ہر سطح پر حملہ آور دشمن کے مقابلے میں اپنا دفاع کر سکیں۔چنانچہ قوم کے ہر فرد کو فن سپہ گری سیکھنا ہوگا۔اور پیدل فوج کے بنیادی ہتھیاروں میں مہارت حاصل کرنا ہوگی۔تاکہ اپنی سطح پر دفاع کیا جاسکے۔اور ضرورت کے مطابق ان ہتھیاروں کو استعمال کیا جائے، جن کو آج وہی حیثیت حاصل

ہے جو پرانے زمانے میں تلوار، تیر کمان اور نیزے بھالے کو تھی۔ آج رائفل، پستول، سٹین گن یا خود کار ہلکی گن وغیرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے۔ قرون اولیٰ میں بچوں پر نماز بارہ سال کی عمر میں فرض ہو جاتی تھی اور مسجد کا محراب لفظ "حرب" سے ہے جہاں ہتھیار رکھے جاتے تھے۔ سب مسلمان مسجدوں کے تحت ہتھیاروں کا استعمال سیکھتے تھے اور کتاب میں جگہ بجگہ پوری قوم کو مسجدوں کی سطح پر ربط و ضبط میں باندھنے کی جو سفارش کی گئی ہے اس میں یہ مقصد بھی تھا کہ پوری قوم کو حربی نظام میں باندھ دیا جائے۔ اور ہماری پہلی ضرورت آٹھ کروڑ بندوقیں اور بنیادی ہتھیار ہیں۔ یعنی گرنیڈ، پستول، ہلکی خود کار گنیں وغیرہ۔

دوسری سطح دوسری سطح پر اسلام کے حربی نظام کی عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ غیروں کے فلسفوں میں عوام کو فوج کی امداد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت پیشہ ور فوج کی جڑیں اس عوامی "بنیان المرصوص" میں ہوتی ہیں جس کی مدد سے دفاعی ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔ کہ حکمت عملی اور تدبیرات کے طور پر اس بنیان المرصوص کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی۔ اور پیشہ ور فوج کی کیا کیا ذمہ داریاں ہوں گی۔ اس کی مزید وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ پہلی سطح پر مجاہدین تیار کرنے کے بعد انہیں نظم و ضبط میں پرو دیا جاتا ہے، تاکہ اس نظام کے ذریعہ ایک سیسہ پلائی دیوار پیدا کر دی جائے۔ اس بنیان المرصوص کے عملی پہلو کو ہم اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں اکثر جگہوں پر واضح کر چکے ہیں خاص کر پہلی کتاب میں جنگ سلاسل میں اور دوسری کتاب میں جنگ یرموک کے بیان کے وقت۔ قرون اولیٰ میں یہ ڈھانچہ مسجد کی بنیاد پر کھڑا کیا جاتا تھا، علاوہ ازیں ہم خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ حضور پاکؐ کے احکام کے تحت خلفائے راشدینؓ کے دور میں کس طرح دس دس کی ٹولیاں بنائی جاتی تھیں، اس سلسلہ کو پورے ملک میں پھیلا دیا جاتا تھا اور ایسے مجاہدین پیشہ ور یا باقاعدہ فوج میں شمولیت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ علاوہ ازیں پہلی سطح پر جو مجاہدین تیار ہوتے ہیں ان کو دوسری سطح پر رابطوں میں باندھنے کے بعد علاقائی دفاع کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے۔

تیسری سطح اسلام کے حربی نظام کی تیسری سطح پیشہ ور افواج کا قیام یا ضرورت ہے جس کے سپاہی فنی اعتبار سے اپنے معراج کو پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جدید ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور ساتھ ہی تیز رفتار حرکت کے اہل ہوتے ہیں۔ دشمن کے علاقے میں میدان کارزار کو یہی لوگ گرم کرتے ہیں۔ لیکن اس فوج کی ثابت قدمی کا انحصار پہلی اور دوسری سطحوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ خندق کے بعد اسلامی فوجوں کے آگے بڑھتے ہوئے قدم نہیں رکے۔ خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں حالات ایسے ہو گئے کہ جب حضرت عمرؓ اپنے چھوٹے عاملوں کو خط لکھتے تھے تو امدادی طور پر فن سپہ گری سے واقف لوگ آگے پہنچ جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مسجدوں نے ایک ایسا نظم و ضبط پیدا کر دیا تھا، کہ محاذ جنگ کے عقب میں پورا علاقہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایران اور روم جیسی مانی ہوئی طاقتوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کس طرف سے نکل کر ہمارے لشکروں کے عقب پر حملہ کریں۔ ظاہر ہے کہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی علاقوں پر حملہ کرنا چٹانوں کے ساتھ ٹکرانے کے مترادف ہے۔ پیشہ ور افواج کے سلسلہ میں البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ہم زیادہ بھروسہ ان چیزوں پر کریں جو اپنے ملک میں

آسانی کے ساتھ میسر ہو سکیں۔ مجاہدین اور ان کے جذبہ کے علاوہ، وہ سامان جو ہم خود بناتے ہیں یا ملک میں موجود ہے، وہی ہمارے دفاع کا محور ہو۔ اور جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو انعام خداوندی سمجھ کر نہایت کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کریں اس کے لئے اپنی حکمت عملیوں، تدبیرات اور مختلف سطحوں پر دفاعی تنظیموں یا لڑاکا طور طریقوں میں بھی مناسب تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ بہرحال پہلے اس سے کہ ہم اسلامی فلسفہ دفاع اور قرآن پاک کے حربی نظام کے اصولوں کو زیر بحث لائیں، یہ ضروری ہوگا کہ اس وقت دنیا میں رائج باقی دفاعی فلسفوں پر بھی تھوڑا سا تبصرہ ہو جائے، تاکہ کچھ موازنہ ہو سکے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا ان لوگوں سے ہم کچھ سیکھ سکتے بھی ہیں یا نہیں؟

غیروں کے دفاعی فلسفے اس وقت دنیا میں دفاع کے دو بڑے فلسفے رائج ہیں۔ ایک مغربی دنیا کا فلسفہ اور دوسرا سوشلسٹ ممالک کا۔ مغربی دنیا میں پیشہ ور فوج رکھنا حکومت کا کام ہے اور دفاع کا سارا بندوبست سرکار یا تنخواہ دار لوگ کریں گے۔ اور باقی لوگ صرف واہ واہ کریں گے۔ یا فوج کو سامان ضرورت وغیرہ مہیا کریں گے۔ یہ طریقہ بالکل اسی طرح ہے جس کا ذکر ہم اس کتاب میں جنگ بدر کے تحت کر چکے ہیں کہ جناب مقدادؓ نے حضرت موسیٰ کی قوم کی مثال دی، کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ لڑائی آپؑ اور آپ کا اللہ کریں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ حاکم ہیں اور تنخواہ دار فوج تیار کریں اور اس کی مدد سے لڑائی لڑیں، وغیرہ۔ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے۔ ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے اور اسلام کے لحاظ سے پوری قوم لڑتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ فلسفہ دفاع بھی کافی حد تک اہل مغرب کی نقالی ہے۔ اور ہمارے علماء بھی اس سلسلہ میں قوم کو نشان راہ نہیں بتا سکے۔ دوسری قسم کا فلسفہ دفاع سوشلسٹ ممالک میں رائج ہے، جو اسلام کی بھونڈی نقل بھی ہے۔ اور کچھ لوگوں کی فوج میں شمولیت کو عوامی فوج کا نام دے دیا ہے۔ یعنی پورے عوام لڑ رہے ہیں۔ خیر ان ممالک میں مقابلتاً کافی لوگ فوج میں شریک ہوتے ہیں لیکن اسلام کی بھونڈی نقل کا لفظ استعمال اس لئے کیا گیا ہے، کہ جس طرح اسلام کلی جنگ پر یقین رکھتا ہے، یہ لوگ بھی لفظی طور پر یا اصول کے طور پر کلی جنگ کا پرچار کرتے ہیں اور "اپنا آج قوم کے کل پر قربان کرتے ہیں" یہ نعرہ غیر اسلامی ہے کہ اسلام میں لڑائی اللہ اور رسولؐ کے لئے لڑی جاتی ہے۔ بہرحال طریق کار میں بھی کافی فرق ہے کہ صرف چند لوگوں کو فوج میں رکھا جاتا ہے اور پوری قوم کی جنگ میں شرکت اس طرح نہیں جس طرح اسلام میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے، وہاں سب کچھ سیاسی کمشنروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ لیکن روس میں کمیونزم کے چاروں شانے چت گرنے کے بعد اب ان لوگوں نے بھی مغربی فلسفہ دفاع اپنا لیا ہے

موازنہ تو ظاہر ہوا، کہ غیروں کے فلسفہ دفاع اور اسلامی فلسفہ دفاع کے طریق کار میں کافی فرق ہے۔ لیکن اصل فرق مقاصد کا ہے۔ غیروں میں جنگ، اقتصادی مقاصد، ملک فتح کرنے، خاندانی دشمنی اور نظریہ ضرورت کے تحت لڑی جاتی ہے۔ اسلام کے فلسفہ حیات کے لحاظ سے جنگ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اپنی غیرت اور عقیدہ کی حفاظت کے لئے میدان میں نکلتے ہیں اور ملک فتح نہیں کئے جاتے، بلکہ لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے۔

ہماری موجودہ دفاعی پالیسی یہ عاجز اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" اور اب پنڈورا بکس میں پچھلے چھیالیس سالوں کی سیاسی اور دفاعی پالیسی کا پورا جائزہ پیش کر چکا ہے۔ کہ اس سیاسی اور فوجی المیہ کے تحت ہم نے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوالیا۔ البتہ اس کتاب میں ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، کہ دفاع کے سلسلہ میں آج تک ہمارے ملک میں کیا کیا محنتیں ہوئیں۔ بے شک ہر لحاظ سے شہری لوگوں کو دفاع میں شریک کرنے اور ملک میں فوجی سامان کے سلسلہ میں بھرپور کوششیں جاری ہیں۔ باہر کے ملکوں سے سامان بھی حاصل کیا جارہا ہے وغیرہ۔ لیکن یہ ادھوری کوششیں ہیں۔ بنیادی پہلو ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ اس لئے یہ عاجز ایک مکمل اسلامی فلسفہ دفاع کا ڈھانچہ پیش کر رہا ہے۔

جنگ کے مقاصد اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت سب سے پہلی چیز جنگی مقاصد ہیں۔ دفاع کے معاملات کو نہ مدافعانہ کہہ سکتے ہیں، اور نہ مصلحانہ۔ آج کل کے زمانے میں دفاع کا لفظ البتہ مصلحت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور غیروں کے ملک پر قبضہ بھی اپنے "دفاع" کے تحت کر لیا جاتا ہے۔ قرآن پاک اور اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد البتہ تمہید میں واضح کر دیئے گئے ہیں اور اصولوں کی وضاحت آگے آئے گی۔

پورا ملک ایک قلعہ اسلام کے لحاظ سے پورے ملک کو ایک دفاعی قلعہ کی طرح ہونا چاہیئے، تاکہ اس کے عوام بنیان المرصوص کے طور پر اس قلعہ کا دفاع کریں۔ حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ میں یہی طریقہ رائج کیا۔ جنگ بدر کے بعد ہزار کوشش کے باوجود ابو سفیان اس قلعہ کے اندر جھانک بھی نہ سکا۔ بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے مدینہ منورہ کے آخری گورنر جناب فخری پاشا نے یہی طریقہ اپنایا، اور جنگ عظیم کے ختم ہونے کے دو سال بعد تک شریف حسین اور اس کے انگریز حواری مدینہ منورہ میں نہ جھانک سکے۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ایک ایک مجاہد نے اپنی ذمہ داری کیسے نبھائی کہ تمام مجاہدین کے دل جڑے ہوئے تھے۔ یہ ہے اسلامی فلسفہ دفاع کی بنیادی بات کہ پوری قوم کو حربی سکھلائی دے کر ربط و ضبط کے ساتھ اس طرح باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی فوج بن جاتی ہے، کہ روحانی طور پر دل بھی جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہمیں پاکستان کو اسی طرح سے اسلام کا ایک مستقر بنانا ہوگا، کہ کوئی دشمن اس کے اندر جھانک بھی نہ سکے۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مغرب کا فوجی ڈھانچہ ایک فرسودہ نظام عسکریت ہے، جو غلام ملکوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والے ملکوں میں اپنی چمک دمک کی بدولت کچھ عرصہ رائج رہ سکتا ہے مگر عوامی جذبہ کے حامل اور بیدار قوموں میں اس قسم کے فوجی ڈھانچوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ یہ دور بلاشبہ ایک عوامی دور ہے۔ اور تیسری جنگ عظیم میں وہی قومیں زندہ رہیں گی جن میں ربط و ضبط ہوگا اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں گی۔ راقم نے اپنی کتاب "کلاسٹوز اور جنگ" تیسری جلد میں اس پہلو کی خوب تر وضاحت کی ہے۔

اعجاز قرآن مسلمانوں نے یہ فلسفہ کہاں سے سیکھا؟ اس کی ہدایات قرآن پاک میں ہیں۔ اور حضور پاکؐ نے اپنی سنت سے ان ہدایات کی پیروی کی۔ پھر صحابہ کرامؓ نے، جو حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ تھے، اس حکمت عملی کو آگے بڑھایا۔ لیکن یاد رکھیں

کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا۔ "کیا گمان کیا تم نے! یہ کہ داخل ہو گے بہشت میں، حالانکہ ابھی نہ ظاہر کیا اللہ تعالی نے ان لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں تم میں سے، اور ابھی نہ ظاہر کیا صبر کرانے والوں کو"۔ اس آیت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت صرف جہاد کے راستہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ حضور پاکؑ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ حضور پاکؑ اور آپؑ کے صحابہ کبارؓ اللہ کے سپاہی بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور حضور پاکؑ کی وفات کے بعد اگر کوئی کتاب لکھی گئی یا لوگوں کو پڑھائی گئی تو وہ "علم مغازی" یعنی جنگ کے علم پر تھی۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب تک مسلمان "علم مغازی" کو اولیت اور فوقیت دیتے رہے اور اس علم کے ماہر رہے تو وہ دنیا پر غالب رہے۔ جب علم مغازی کو ثانوی یا ذیلی حیثیت دے دی گئی اور دیگر علوم کو آگے بڑھایا گیا تو مسلمانوں کو ذلت و خواری دیکھنا پڑ گئی۔ اب کئی صدیوں سے علم مغازی، اسلامی درس گاہوں سے مفقود ہو چکا ہے اور لوگ "سویلین" بن گئے ہیں کہ حکومت کرنا "سویلین" کا حق ہے کہ حضور پاکؑ اور صحابہ کرامؓ سویلین تھے؟ نعوذ باللہ۔ قرآن پاک تو واضح اعلان کر رہا ہے۔ "بے شک اللہ تعالی نے خرید لی ہیں مومنوں سے جانیں ان کی، اور مال ان کے جنت کے بدلے، وہ لڑائی کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں"۔ بد قسمتی سے ایک سازش کے تحت جنگ کو اس طرح بھیانک بتایا جا رہا ہے کہ ہمارے لوگ جنگ کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ اور اہل یورپ خود ہر وقت جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ تب ہی علامہ اقبالؒ چیخ اٹھے۔

یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر	باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر	ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے

قرآن پاک کا حربی نظام قرآن پاک ہمیں ایک عسکری یا حربی نظام عطا کرتا ہے، جو موجودہ زمانے کے لئے بھی ہر لحاظ سے موزوں ہیں۔ اول تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ مسلمان جنگیں کسی نظریہ ضرورت کے تحت یا ذاتی مفادات کے لئے نہیں لڑتے، بلکہ اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالی کے احکام کے نفاذ یعنی حق کے لئے لڑتے ہیں۔ اور اسلام میں جنگ کا مقصد مخلوق خداوندی کو طاغوتی طاقتوں سے آزاد کرانا ہوتا ہے اور دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کی جنگ انسانوں پر رحمت خداوندی بن کر نازل ہوئی اور جہاں جہاں قرون اولی میں مسلمان گئے وہاں اسلام آج بھی قائم و دائم ہے۔ ہم خلفاء راشدین کی دوسری کتاب میں واضح کر چکے ہیں کہ حمص ایک دفعہ مسلمانوں کو وقتی طور پر چھوڑنا پڑا۔ لیکن جب وہاں مسلمان دوسری دفعہ پہنچے تو لوگوں نے مسلمانوں کی آمد کو رحمت خداوندی سمجھا۔

دوم اسلام کچھ ٹھوس قسم کی حربی بنیادیں بھی قائم کرتا ہے جن کے مطابق تیار ہونے والی اللہ کی فوج، ایک دو دھاری تلوار کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس سے ٹکر لینے والی ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ سلطنت روم اور سلطنت ایران کا یہی حشر ہوا۔ مومن دنیاوی ساز و سامان سے زیادہ اللہ پر یقین کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور یہ ایمان اس میں خیبر شکن قوتیں پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک ساز و سامان کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے فیصلہ کن حیثیت اس سپاہی کو دی گئی ہے جو ہتھیار کو

استعمال کرتا ہے۔ بہر حال کلاسٹوز اور ماوزے تنگ جیسے آدمی بھی انسان کو اولین حیثیت دیتے ہیں۔ اور ہمارا تو ایمان ہے

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا (اقبالؒ)

قرآن پاک نے مسلمانوں کو حزب اللہ کا پیارا نام دیا ہے جس کا ترجمہ ہم اللہ کی فوج یا اللہ کے سپاہی کر رہے ہیں۔ کتاب اللہ کی چیدہ چیدہ آیات میں جنگ کی بنیادی قدریں بیان کی گئی ہیں، کہ مومن پر جہاد فرض ہے۔ اب اس فرض کو تب ہی پورا کیا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان حرب و ضرب کے تقاضوں سے آگاہ ہو۔ زبانی جہاد کرنے والوں، قلمی جہاد کرنے والوں، اور تالی بجانے والوں کا اللہ تعالیٰ یہ عذر کبھی بھی قبول نہ کرے گا کہ وہ لڑائی کے طور طریقوں سے ناواقف تھے یا ہتھیار وغیرہ چلانا نہ جانتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔ کہا جاتا ہے ان کو کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔ کہا انہوں نے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو تمہارے ساتھ ضرور آتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت، کفر کے بہت قریب تھے۔"

کوئی عذر قبول نہیں ایسا عذر پیش کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "منافقین" کے نام سے یاد کیا ہے اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا ہے۔ اب ہمارے ملک میں کئی صاحبان اسلام کے مایہ ناز فرزند بنے پھرتے ہیں۔ اور جہاد یا جنگ میں شمولیت تو دور کی بات ہے وہ جنگ کے تقاضوں سے بھی واقف ہونے کو تیار نہیں اور جنگ کی بات نہ کریں گے۔ تو ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو یوں فرمایا:۔ "تو ان کے لئے بخشش مانگے یا ان کے لئے بخشش نہ مانگے۔ اور اگر تو ان کے لئے بخشش مانگے ستر مرتبہ۔ نہیں۔ ہر گز اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا"۔ لہذا اسلام ایک ایسے نظام عسکریت کا دعوے دار ہے جس کے مطابق ہر مومن، اللہ کا سپاہی ہونے کا فرض بخیر و خوبی پورا کر سکے اور اسے یہ عذر نہ پیش کرنا پڑے کہ وہ ہتھیار چلانا نہیں جانتا۔ جو لوگ مومنوں کی جماعت یعنی اللہ کی فوج میں شامل ہوتے ہیں وہ اس فرض سے بھی آگاہ ہوتے ہیں انہیں فی سبیل اللہ لڑنا پڑے گا۔ اس لئے وہ لڑائی کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ حرب و ضرب کے فن سے بھی بیگانہ ہیں ان کے متعلق قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ "اور اگر ارادہ کرتے نکلنے کا البتہ تیار کرتے واسطے اس کے سامان، لیکن ناخوش رکھا اللہ نے اٹھنا ان کا، پس کاہلی سے بند کیا اور کہا گیا بیٹھ رہو، بیٹھنے والوں کے ساتھ"۔ جہاد سے گریز کرنے والوں یا بہانہ تراشنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے تو اس کو سن کا انسان کانپ اٹھتا ہے۔ کیا ہم مسلمان ہیں کہ جہاد سے اس طرح گریز کر رہے ہیں؟ کوئی دنیاوی فوج اس لئے کھڑی کی جاتی ہے کہ اس کے سپاہی ضرورت پڑنے پر جنگ لڑیں، اپنی جانیں قربان کریں۔ کوئی سپاہی اگر جنگ سے گریز کرتا ہے تو اس کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ اب ہم اللہ کی فوج ہیں اور جنگ کی تیاری کے لئے فن حرب سے ہی بیگانہ رہیں تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

صف بندی اور بنیان المرصوص ہر مومن پر لڑائی کی تیاری فرض ہے لیکن کچھ اور اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:"بے شک اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھے جیسے وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں اب اس حکم یا بیان پر دھیان دیں۔ اینٹوں کے ڈھیر کو تو دیوار نہیں کہہ سکتے۔ وہ دیوار کی صورت اس وقت اختیار کرے گی جب

اینٹوں کو کسی ترتیب کے ساتھ کسی مسالے کے ذریعے جوڑ دیں، اور اس ترتیب اور رابطہ کے بعد ہی ان اینٹوں میں یگانگت و یک جہتی کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر جو کیفیت سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں پیدا ہوتی ہے وہ اینٹوں کی عام دیوار میں نہیں ہو سکتی۔ ایرانی فوجیں اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ کر لڑتی تھیں۔ جنگ کاظمہ کا دوسرا نام جنگ سلاسل بھی ہے۔ جنگ یرموک میں رومیوں کے ایک دستہ نے بھی اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھا ہوا تھا، لیکن دونوں جگہوں پر مسلمانوں کی سیسہ پلائی دیوار کے سامنے ان کی زنجیریں کٹ گئیں۔ ہماری قوم کو اس فلسفہ کے سمجھنے کی ازحد ضرورت ہے کہ پوری قوم صرف فوجی رابطوں اور ضابطوں سے ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتی ہے۔ یہ ذکر پوری قوم کے لئے ہے کہ پوری قوم کو کم از کم یہ حالت اختیار کرنا ہوگی۔ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کے بعد مومنوں کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو للکار سکیں۔

قوت کا استعمال اب قرآن پاک کی روشنی میں ہم پیشہ ور فوج کی طرف مڑتے ہیں۔ وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا اور خلفائے راشدین کے زمانے میں کوفہ، بصرہ، جابیہ، فسطاط اور قیروان وغیرہ کی چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ یہ تو بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ ان کے علاوہ لاتعداد چھوٹی چھوٹی فوجی چھاؤنیاں اور سرحدی چوکیاں تھیں۔ فوج کی تنخواہ کا بندوبست کیا گیا۔ وظائف مقرر کئے گئے۔ پنشن کا بندوبست کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ میں واضح احکام موجود تھے:۔ "تیاری کرو ان کے لئے جس طرح تم استطاعت رکھتے ہو قوت سے اور فوجی چھاؤنیوں سے ڈراؤ ان سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو"۔ یعنی قرآن پاک کے مطابق فوجی تیاری حسب استطاعت اتنی مکمل ہو کہ اس کی وجہ سے دشمنوں پر اپنا رعب بیٹھ جائے اور وہ خوف کھانے لگیں۔ لیکن برا ہو دو سو سالوں کی غلامی کا کہ ہمارے دانشور ان باتوں کو نہیں سمجھتے اور ہمیں امن پسندی کی میٹھی لوری دے رہے ہیں۔ فوجی تیاری دنیا میں آج بھی جنگ کا ایک بنیادی اصول مانا جاتا ہے اور اس سے گریز کرنے والے لڑائی سے بہت پہلے ہی شکست تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہمارے سب فوجی جانتے ہیں کہ لڑائی کا مقصد صرف دشمن کی فوج کو تباہ کرنا یا شکست دینا ہی نہیں ہے بلکہ دشمن کے عزم اور قوت مدافعت کو بھی توڑا جاتا ہے اور حضور پاکؐ سے یہ سبق سیکھ کر حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے بھی یہی کچھ کیا، تو تب دنیا پر چھا گئے۔ وہ قوم جو لڑائی کے لئے تیاری نہیں کرتی اس کا عزم مدافعت پہلے سے ہی مفقود ہو چکا ہوتا ہے۔ لہذا اسے زیر کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ تاریخ انسانی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں اس اصول پر کاربند قوموں نے صحیح فوجی تیاریوں کے بل بوتے پر اپنے حریفوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آیئے اس کی مثال ہم جرمنی سے لیں۔ پہلی جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد، اتحادیوں کے کنٹرول کے باوجود انہوں نے کس طرح جنگ کی تیاری کی۔ پھر ان کے حملہ کرنے پر کسی نے ان کے سامنے چوں بھی نہ کی۔ جنگ عظیم دوم سے پہلے ہی انہوں نے فرانس کے مقبوضہ علاقہ سار پر قبضہ کیا۔ پھر آسٹریا پر اور آخر میں چیکوسلواکیہ پر قبضہ کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں انہوں نے فرانس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور سارے یورپ پر چھا گئے۔ ہاں! روس کیسے بچ گیا اور آخر میں جرمنی شکست کیوں کھا گیا۔ ہم اس بحث میں نہ پڑیں گے۔ لیکن لڑنے والے کبھی نہیں مرتے۔ جرمن قوم آج بھی زندہ ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں سیکھنا۔ ہمارے پاس اپنی مثالیں موجود ہیں۔ یہ دنیاوی مثال صرف موازنہ کے طور پر لکھ دی گئی ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ہم آٹھ کروڑ عوام کو اللہ کی فوج بنا دیں اور موجودہ پیشہ ور فوج بھی ہمارے پاس ہو تو کیا دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف دیکھنے کی بھی ہمت کر سکے گی؟۔ بلکہ ہماری یہ قوت عالم اسلام میں ایسی قوت پیدا کر دے گی جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتا۔

حربی نظام کا خلاصہ ہم نے قرآن پاک کے اس حربی نظام کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ گو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور اس نظام کو جاری کرنے کے لئے تین سطحوں کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔ اب اسلامی طرز جنگ کی حکمت عملی اور تدبیرات پر سرسری تبصرہ سے پہلے قرآن پاک اور سنت کی مدد سے جنگ کے کچھ اصولوں کی نشاندہی کر لی جائے تو پھر حکمت عملی اور تدبیرات کا بیان آسان ہو جائے گا۔ کہ ان اصولوں میں حکمت عملی اور تدبیرات کی طرف بھی سرسری اشارے موجود ہیں۔

قرآن پاک کے لحاظ سے جنگ کے اصول

۱۔ اصول استقامت فی المقصد اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد بیان کر دیئے گئے ہیں۔ وہ بہت بڑے مقاصد ہیں جنہیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔ کچھ فوری مقاصد بھی ہوتے ہیں جو ان بڑے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ فوجی تدبیرات یا حکمت عملی کے تحت فوری مقاصد بھی دے دیئے جاتے ہیں اور ترجیحات بھی مقرر کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی کئی آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور قرآن پاک میں اکثر جگہ احکام ہیں کہ جب تم وعدہ کر لو تو اس پر قائم رہو۔ بہر حال ہم صرف ایک آیت کا ترجمہ لکھیں گے:۔

"پس جب تو نے پکا ارادہ کر لیا تو پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے"۔

اس ایک آیت مبارکہ میں مقصد پر قائم رہنے کے مضمون کو بیان کرتے وقت گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک فوجی ذہن جس کو فوجی زندگی میں اکثر احکام ملتے رہتے ہیں کہ وہ مقصد حاصل کرو، یا یہ کرو، وہ ان الفاظ کے جذبہ کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ دراصل انسان کا ارادہ ہی ہر معاملہ میں روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ پر بھروسہ کر کے پکا ارادہ کر لیا جائے تو سبحان اللہ کیا ہی کہنے ہیں، کہ مقصد حاصل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لئے مقصد حاصل کرنے کے لئے بنیادی تربیت کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ ہر مقصد حاصل کرنے سے پہلے نیت باندھی جاتی ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے نیت باندھنا، روزہ سے پہلے نیت کرنا، قربانی، زکوۃ، حج حتیٰ کہ سفر پر روانہ ہونے کی نیت کرنا، بلکہ گھوڑے یا کشتی پر سوار ہونے کی نیت وغیرہ بھی ہے تو دین فطرت کی شان نرالی ہے کہ مقصد کے لئے نیت باندھو اور پھر توکل کرو۔ حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں اپنے صحابہؓ کرام کی عملی طور پر جو تربیت کی اس کا بیان ہو چکا ہے اور صحابہ کرامؓ نے استقامت فی المقصد کو جس طرح نبھایا اس کے نتائج دنیا کے سامنے ہیں۔

۲۔ اصول ایمان ویقین اسلام کے لحاظ سے جنگ کا دوسرا بڑا اصول یہ ہے کہ ہر کارروائی ایمان ویقین سے کی جاتی ہے اور انفرادی واجتماعی طور پر اپنا فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی پیش نظر ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کا مرکز ثقل قلب انسانی ہے جس کی تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ اور اب بھی دی جانی چاہیئے۔ یہ روحانی تربیت اللہ کے ذکر، حضور پاکؐ پر درود وسلام بھیجنے اور بزرگوں کے ادب کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اس طرح صحیح معنوں میں ایک مومن تیار کرلیا جائے تو وہ ایمان کی قوت سے مسلح ہو کر زندگی کی آزمائشوں سے گزرتا ہے۔ ہتھیار یا مشین ثانوی یا ذیلی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی ایک آدمی اگر چاند ماری میں بڑا ماہر ہے لیکن کم دل ہے اور میدان جنگ میں اس کو ہمت نہیں ہوتی کہ شست لے کر فائر کرسکے تو بھلا اس کے ماہر ہونے کا کیا فائدہ؟ اور یقین جانیں کہ ہم نے میدان جنگ میں ایسے آدمی دیکھے ہیں اور ایسے بھی دیکھے ہیں کہ امن کے زمانے میں اتنے اچھے سپاہی نظر نہ آتے تھے لیکن میدان جنگ میں ان کی قوت ایمانی عود کر آئی اور انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:۔ "مت ڈرو (یا بزدلی دکھاؤ) اور مت غم کھاؤ (یعنی گھبراؤ نہیں)۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو"۔ تو بات ساری ایمان والی ہے اور ہم نے حضور پاکؐ کی تربیت یافتہ فوج کے کارہائے نمایاں بیان کردیئے کہ ایمان والوں نے ہمیشہ کس طرح سے اپنے سے تین گنا زیادہ دشمن کو پاش پاش کردیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے یہ تجزیہ کیا کہ سب سے آگے والے مورچوں میں ایک پلٹن کی ایک کمپنی سے کتنے جوان دشمن پر شست باندھ کر فائر کرتے تھے تو آگے سے پتہ چلا کہ صرف دس فیصد جوان دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے، باقی صرف ٹریگر دبا دیتے تھے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جنگ کے معاملات ان سے معلوم کئے جائیں جو جنگ میں شرکت کرچکے ہوں۔ اب راقم ذاتی رائے دے رہا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رات کے وقت تو ایک فیصد فائر تو سوچ سمجھ سے ہوتا تھا اور دن کے وقت چند لوگ ذاتی بچاؤ کے لئے دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے۔ ورنہ اکثر ٹریگر دباتے رہتے تھے۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں میرے عظیم ساتھیوں نے شاید ہی کوئی گولی ضائع کی ہو۔ اور پوری جنگ کے دوران رائفل اور لائٹ مشین گن کا فالتو بارود آگے نہ منگوایا گیا۔ صرف گرنیڈ یا بکتر بند توڑ بارود زیادہ آگے منگوایا گیا کہ ضرورت ایسی پڑی۔ اصول یہ تھا کہ ایک گولی ایک دشمن، اور اس پر عمل اس طرح کیا گیا کہ فائر بندی کے وقت ڈوگرئی کا میدان جنگ دشمن کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ اور اپنے تقریباً یک صد شہداء کے مقابلے میں تقریباً سات سو بھارتی واصل جہنم ہوئے کہ دو سال بعد بھارتی لوک سبھا اس سلسلہ میں چیخ وپکار کر رہا تھا۔ لڑائی کی یہ مثال صرف دفاع سے دی گئی ہے لیکن جارحانہ کاروائی کے دوران اکثر ایسے ہوتا ہے کہ گشتی دستے دشمن کے علاقے میں جاتے بھی نہیں اور جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔ حملہ میں کئی آدمی راستے میں لیٹ جاتے ہیں اور مقصود پر چند ہی جوان پہنچتے ہیں۔ لیکن مسلمان کی یہ شان نہیں۔ وہ سارے کے سارے لڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے کہ "اگر ہوں تم میں سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر"۔ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں بڑی حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ وہ کئی باتوں کو ایک فقرہ میں بیان کردیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں میں دس فیصدی لوگ لڑتے ہیں۔ یعنی سو میں سے دس لڑیں گے تو ان پر دس مسلمان غالب

آئیں گے کہ وہ قوت ایمانی کے ساتھ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ جناب حضور پاکؐ کی جنگوں میں ہر جگہ کم نفری نے زیادہ نفری کو شکست دی اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس اصول کو قائم رکھا گیا۔ اسلام کے عظیم فرزند جناب مثنیٰؓ بن حارث فرمایا کرتے تھے کہ اسلام سے پہلے دس ایرانی سو عربوں پر حاوی تھے۔ عرب جب مسلمان ہو گئے تو اب دس عرب سو ایرانیوں پر حاوی ہیں۔ اور بعد میں جنگ قادسیہ اور جنگ نہاوند میں مسلمانوں نے اس کا عملی ثبوت دیا۔ اور شام کے محاذ پر جنگ یرموک سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ چالیس ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ بیس ہزار رومیوں کو نہ صرف شکست دی بلکہ ان کے ستر ہزار جوان کھیت رہے۔ اور مرتا وہی ہے جو لڑتا ہے۔ بے شک اہل روم بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن ارشادہ ربانی کے آگے سب ہیچ ہے اور راقم یہ سب کچھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ یہاں پر ایک واقعہ کا بیان ضروری ہے۔ قیصر روم ہرقل کا ذکر اس کتاب کے اکثر ابواب میں بہت جگہوں پر ہو چکا ہے کہ کافی مدبر اور جہاندیدہ آدمی تھا اور فوجی حکمت عملی کا ماہر تھا۔ جنگ یرموک میں رومیوں کی شکست نے اس کو حیران کر دیا تو اس نے بھگوڑوں کو اکٹھا کیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ تم لوگ ساز و سامان اور نفری کی برتری کے باوجود مسلمانوں سے کیوں شکست کھا گئے؟ ایک تجربہ کار اور سن رسیدہ آدمی نے جواب دیا:۔ "مسلمانوں کے اخلاق ہماری نسبت بہت بلند ہیں۔ وہ لوگ رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی شخص کے جذبات کو مجروح نہیں کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہم شراب کے عادی ہیں، عہد شکنی کرتے ہیں اور کمزوروں کو دباتے رہتے ہیں"۔

قوت ایمانی کے نتائج اس سلسلے میں ہم قوت ایمانی کے نتائج ہر باب میں بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ اس کی تربیت ہمارے آقاؐ نے مجاہدین کو قرآن پاک کے ذریعہ سے دی تھی۔ ارشاد ربانی ہے:۔ "کتنی بار چھوٹی فوج بڑی فوج پر غالب آئی ہے، اللہ کے حکم سے"۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کفار کو اس طرح تنبیہہ کرتا ہے:۔ "اور تم کو تمہاری فوج ہرگز کام نہیں آئے گی۔ اگرچہ تعداد میں بہت ہو اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے"۔ چنانچہ یہ بڑا ہی وسیع مضمون ہے۔ کلاسوٹز مادی وسائل کے ساتھ اخلاقی وسائل یا اخلاقی قوتوں کے فوائد کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی کتابوں کے ترجمہ کے وقت اس چیز پر تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ کلاسوٹز کے مطابق جب طاقت یا وسائل میں کمی ہو، تو بہتر تدبر اور اخلاقی قوتوں کی مدد سے دشمن کے ساتھ توازن پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے آقاؐ اور آپؐ کے تربیت یافتہ اس اصول سے آگے نکل گئے، کہ گو ہر جنگ میں وہ دشمن سے کم تعداد میں تھے لیکن انہوں نے پہلے مرحلہ میں دشمن کے ساتھ اخلاقی قوتوں سے توازن پیدا کیا اور دوسرے مرحلہ میں دشمن کو پاش پاش کر دیا۔ جنگ بدر ہو یا جنگ یمامہ، جنگ قادسیہ ہو یا جنگ اجنادین ہر جگہ یہی کچھ کیا۔ اول حکمت عملی کے ذریعہ توازن پیدا کیا اور کوئی فرق رہ گیا تو تدبیرات کے تحت اس کو پورا کیا۔ پھر قوت ایمانی سے دشمن کو تہس نہس کر دیا۔ ایسی قوت ایمانی پیدا کرنے کے لئے خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جو از خود ایک وسیع مضمون ہے کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے جمہوریت نواز اور مادر پدر آزاد لوگ ایسا نہ کر سکیں گے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ امن کے زمانے میں ان کی بخیلت اور تیز زبان پہچانی جا سکتی ہے اور

حضور پاکؐ کے زمانے میں کوئی کام نہ کیا اور نہ بعد میں کوئی کام کیا۔ انہی سے پہلے آزاد فکر پیدا ہوئے اور پھر یہ معتزلہ بنے۔ آج بھی ایسے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں اور عقلی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے اس طرح گویا ہوتے ہیں:۔ "اگر نکلتے ساتھ تمہارے نہ زیادتی کرتے تم کو، مگر فساد میں۔ اور البتہ گھوڑے دوڑاتے درمیان تمہارے۔ چاہتے ہیں تمہارے واسطے فتنہ۔ اور تم میں بعض لوگ ان کی باتیں سنتے ہیں یا ان کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ظالموں کو"۔ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعداد میں دلچسپی نہیں کہ زیادہ تعداد ہو تو کیا فائدہ۔ اس سے وہ تھوڑے بہتر ہیں جو قوت ایمانی سے سرشار ہوں۔ دیکھ لیں آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد نوے کروڑ سے زیادہ ہے اور یہ تعداد ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے رہی، کہ ہم میں قوت ایمانی کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ دفاع (جہاد بالسیف) سیاسی فلسفہ (کلی جہاد) کے تابع ہے اور ہمارے نظام حکومت کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہونا چاہیئے کہ پوری قوم کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اور یہ تربیت کیسے ہو، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

۳۔ اصول مصابرت ایمان ویقین کے اصول کا ایک مددگار اصول بھی ہے، جو اخلاقی قوتوں کو بڑھاتا ہے۔ گو یہ عنصر بھی ایمان ویقین کا حصہ ہے، لیکن اس کو الگ اور تیسرا اصول بنا کر پیش کرنے میں ایک خاص مقصد ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلو پر کافی زور دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر جلد باز ہے۔ وہ جلد نتائج حاصل کرنے کے لئے جلد بازی کر جاتا ہے۔ اور جب جلدی نتائج نہ نکلیں تو کہنا شروع کر دیتا ہے کہ "اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں"۔ یعنی امید پر گزارہ کرتا ہے۔ امید بے شک اچھی چیز ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لاتقنطوا من رحمتہ اللہ"۔ لیکن اصل بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ دیر ہے اور نہ اندھیر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کام کو کب ہونا چاہیئے۔ اس لئے ہم اس اصول مصابرت کو الگ کر کے بیان کر رہے ہیں۔ کہ دیر ہو جانے کی صورت میں صبر سے کام لیا جائے کہ ہم لوگ "دیر" یا "زماں" کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے۔ جو لوگ فوج سے وابستہ ہیں ان کو معلوم ہے کہ جنگ کی تیاری اور تربیت میں ہر سطح پر بڑے کتابی اور عملی امتحان آتے ہیں۔ اور ان کا اکثر بڑی صبر آزما گھڑیوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں خود جنگ کے دوران ہر سطح پر امتحان اور انتظار کے پرچے بڑے سخت ہوتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جنگ میں بڑا چوکنا رہنا پڑتا ہے اور جلدی یا بروقت کارروائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جو لوگ فوجی ذہن نہیں رکھتے ان کو یہاں تضاد نظر آئے گا کہ ایک طرف جلدی، دوسری طرف صبر۔ تو گزارش ہے کہ جلدی اور صبر میں توازن پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔ "اے ایمان والو! صبر کرو اور باہم مصابرہ کرو۔ اور فوجی رابطہ رکھو اور ڈرو اللہ سے کہ تم فلاح پاؤ" سبحان اللہ! کیا شان ہے، کہ ایک فوجی ذہن ان الفاظ کی تہہ میں غوطہ پر غوطہ لگاتا رہے گا۔ اور اس کو یہ معلوم ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ نے میری ہی یونٹ یا ادارہ کے لئے یہ احکام جاری کئے ہیں، کہ میں اس ادارہ یا یونٹ میں ہر کام ان اصولوں کے تحت کروں اور کراؤں۔ پہلے انفرادی صبر کی تلقین۔ پھر اجتماعی صبر کی کہ ایک دوسرے کی صبر کے پہلو سے مدد کرو۔ یا صبر کی اجتماعیت پیدا کرو۔ اور یہ ملا جلا صبر اس فوجی رابطہ کی بنیاد ہے جو فوج یا بنیان المرصوص کی عمارت کا ڈھانچہ ہوتا

ہے۔ساتھ اللہ تعالی نے اپنی موجودگی اور اپنے ڈر کا بھی ذکر کر دیا، کہ ایسا کر کے سب کام مجھ پر چھوڑ دو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے کی بات نہیں۔پہلے کارروائی کرو اور پھر اللہ پر نتیجہ کو چھوڑو۔ یعنی توکل والا پہلو بھی آگیا۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں اکثر مقامات پر ہے۔لیکن ہم صرف ایک جگہ کا ذکر کرتے ہیں، جہاں ارشاد ربانی ہے۔"اے ہمارے رب! ڈال ہمارے اوپر صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے (یعنی ہمیں ثابت قدمی عطا فرما) اور مدد دے ہم کو اوپر کافروں کے"

یہ دین فطرت ہے۔صبر کا اصول یا قوت ایمانی کا اصول، جنگ کے اصول (PRINCIPLES OF WAR) کے طور پر مغربی دنیا نے نہیں اپنایا۔ہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد (MORAL) یا اخلاقی قوت کو ایک اصول تسلیم کر لیا گیا، کہ نفسیاتی طور پر دشمن کے حملے بھی شروع ہو گئے ہیں۔اس لئے اخلاقی قوتوں کو بڑھایا جائے۔بہرحال وہ لوگ اخلاقی قوتوں کو دنیاوی جنگ کے مقاصد کے طور پر بڑھا سکتے ہیں اور دین فطرت کے اصولوں کی یہ بھونڈی نقل بھی نہیں، کہ دین فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ اصول پیش کئے۔گو صبر کے سلسلہ میں دوسری جنگ عظیم کا مشہور انگریز فیلڈ مارشل منٹگمری اپنی ایک کتاب میں تسلیم کرتا ہے، کہ ٹامی (انگریز سپاہی) جنگوں میں اس لئے کامیاب ہوتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں سخت حالات میں دوسرے یورپین سپاہیوں کے مقابلے میں چند لمحے زیادہ ٹھہر جاتا ہے۔یعنی وہ ذرا زیادہ صابر ہے۔بہرحال انگریز سپاہی کو یہ مزاج یورپ کی سرد ہواؤں اور گلف سٹریم کی گرم رووں کی ملاوٹ کے توازن نے دیا، اور مسلمان سپاہی کو اللہ تعالی نے یہ دس گناہ بہتر شرف اس کی قوت ایمانی کی وجہ سے عطا کر دیا۔اللہ تعالی مسلمان سپاہی کو ثابت قدم رہنے کی بار بار تلقین کرتا ہے۔اور ثابت قدمی صبر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔"اے ایمان والو! جب دشمن کے دستے کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تا کہ تم فلاح پاؤ"اب ذکر کے بارے میں اور جگہ بھی بیان ہے کہ اللہ تعالی کا ذکر کرو کہ اللہ تعالی کے ذکر سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ہرقل کے سامنے ایک تجربہ کار رومی گھوڑے کا ذکر ہو چکا ہے جس نے ہرقل کو بتایا کہ مسلمان رات کا ذکر کرتے تھے۔اور اوپر والی آیت میں فلاح کا بھی ذکر ہے تو یہ بات ہم پر واضح ہو جاتی ہے کہ صبر، مصابرہ، ذکر اطمینان، ثابت قدمی ان سب چیزوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ سب فلاح کا ذریعہ ہیں۔سورہ انفال میں جہاں تعداد کا موازنہ کا ذکر ہے، تو وہاں الفاظ یہ ہیں "اگر ہوں تم میں سے بیس صبر کرنے والے، غالب آئیں گے دو سو پر"۔سید سلیمان ندوی اور ہمارے مطالعہ میں فرق یہ ہے، کہ ہمارے لحاظ سے صبر، مصابرہ، ذکر، اطمینان، ثابت قدمی وغیرہ سب پہلو جہاد کی تیاری کا حصہ ہیں اور سید صاحب کے لحاظ سے یہ صرف اوصاف ہیں۔اور انہوں نے سیرۃ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔اس عاجز کے مطابق صبر مجاہدوں کا ایک خاص وصف ہے، اور یہ ہے اسلامی طرز جنگ کا اصول مصابرہ، جس کے تحت فوج کو تربیت دینے کی ضرورت ہے لیکن یہ کام بنیادی طور پر گھروں اور مسجدوں سے شروع ہوتا ہے۔ایسے اصولوں کی لوری مسلمان بچوں کی مائیں ان کو اپنی آغوش میں دیتی ہیں۔اور مکتبوں میں ان پر عمل ہوتا ہے۔اسلام ایسی تعلیم کے حق میں نہیں، جہاں کالجوں میں بیٹھ کر ڈینگیں ماری جائیں اور آزاد فکری کا یہ حال ہو کہ بچے مادر پدر آزاد ہو جائیں۔اور ہر گزرنے والے کو ڈر لگ جاتا ہے کہ شاید یہ بچے کس وقت بپھر کر

اس کی عزت کو خراب کر دیں ۔ چنانچہ اس اصول مصابرہ میں جو ربط و ضبط کا ذکر ہے ، اس کو ہم ایک الگ اصول کے طور پر بیان کریں گے کہ ربط و ضبط کے معاملات اور زیادہ وسیع ہیں ۔

۴۔ **اصول ربط و ضبط** اسلام اور قرآن پاک کے لحاظ سے یہ جنگ کا چوتھا بڑا اصول ہے ۔ عام طور پر اسے غیروں نے بھی ایک جنگی اصول تسلیم کیا ہے ، شاید اس اصول کی شکل و صورت کچھ مختلف ہو ، اور وقت اس میں تبدیلی لاتا رہا ہو ، کہ اٹھارہویں صدی میں یورپ میں جنگ بھی ڈرل کے طور پر اصول ربط و ضبط کے تحت لڑی جاتی تھی ۔ اٹھارہویں صدی سے پہلے کی یورپ کی عسکری تاریخ میں جنگ کا کوئی مفید سبق نہیں ملتا ۔ پس لکیر کے فقیر والا معاملہ تھا ۔ اور جنگ ، بعض جگہ کھیل کے بھی مشابہ رہی اسی وجہ سے اہل یورپ ان جنگوں کو "جنٹلمین وارز" بھی کہتے ہیں ۔ بہر حال اٹھارہویں صدی میں فریڈرک اعظم نے ڈرل کے طور پر جنگ لڑنے کی راہ نکالی اور ربط و ضبط کو ایک اصول مانا گیا ۔ دین فطرت کی شان البتہ نرالی ہے ۔ اس میں پہلے روز ہی سے ربط و ضبط پر بہت زور دیا گیا ۔ بلکہ یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ ہمارا لفظ "رابطہ" یا "ربط" سپین میں رجمنٹ بن گیا ۔ اور اب انگریزی لفظ رجمنٹیشن (REGIMENTATION) کے اندر جو بے پناہ رابطے ضابطے سموئے ہوئے ہیں اور یورپ کے مادر پدر آزاد معاشرے کی فوجی زندگی میں یہ لفظ جو آج تک قائم ہے تو یہ لفظ اہل یورپ کا نہیں ہو سکتا ، کہ اس لفظ کا یورپ کی زبان میں کوئی ماخذ بھی نہیں ملتا ۔ ہم اس لفظ یا اسلام کے رابطے کا ذکر اسلام کے قلعہ کے عنوان کے تحت اور حربی نظام کے تحت سیسہ پلائی دیوار کے طور پر بیان کر چکے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ سیسہ پلائی دیوار ، ربط و ضبط کے اشتراک سے بنتی ہے ۔ ارشاد ربانی ہے ۔ " تحقیق اللہ تعالی دوست رکھتا ہے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں " ۔ سبحان اللہ ! اس آیت کی کیا فوجی شان ہے ۔ حضور پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں مومنینؓ نے سیسہ پلائی دیوار بن کر جنگیں لڑیں ۔ ایسا صرف دفاع میں نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی "ساکن" دیوار بن جاتے تھے ۔ ایسی ساکن یا ٹھوس دیوار بننے کی کوشش تو ایرانی اور رومیوں نے کی جس کا ذکر ابھی ابھی کیا گیا ہے ۔ لیکن مسلمانوں کی یہ سیسہ پلائی دیوار متحرک بھی ہو سکتی تھی ۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی سرداری میں مسلمانوں نے مدائن پر قبضہ کرنے کے لئے دریائے دجلہ کو سیسہ پلائی دیوار بن کر پار کیا ۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے لیکن صرف ایک کہاوت کافی رہے گی کہ شہر میں مشہور ہو گیا "دیواں آمدند" "دیواں آمدند" یعنی دیوؤں کی فوج آگئی اور چند لمحے بعد یزدجرد ، کسریٰ ، ایران شہر کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور دار الحکومت پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا ۔ یہ سب ذکر راقم کی خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں موجود ہے ۔ کہ مسلمان غازی سیسہ پلائی دیوار کیسے بنتے تھے اس کی وضاحت خود رب العالمین اس طرح کرتا ہے ۔ " ان کے دلوں کو باہم الفت سے جوڑ دیا ، اگر تو خرچ کرے جو کچھ زمین میں ہے پورا ۔ نہیں الفت پیدا کر سکتا ان کے دلوں میں ۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا الفت سے ۔ تحقیق وہ غالب حکمت والا ہے " اب اس بیان کے فلسفہ میں جائیں ، کہ دولت یا مادی ذرائع سے دل نہیں جوڑے جا سکتے ۔ دل الفت اور محبت سے جوڑے جا سکتے ہیں اور ایسی محبت ، وحدت فکر سے پیدا ہوتی ہے اور اسلام کے لحاظ سے یہ "فکر" اللہ اور رسولؐ کی غلامی ہے ۔ یہ غلامی کا ملا جلا جذبہ "کل مومن اخوۃ" کی بنیاد پر ہے اور یہ قلبی وحدت ،

اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ میدان جنگ میں یہ میسر ہو جائے تو سرور سے دل بھر جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں راقم نے جس محبت کو محسوس کیا اور میرے شہید رفقاء جو کچھ میرے پاس چھوڑ گئے یہ اسی کے نتائج ہیں کہ میرے جیسا کم علم اور بے مائع عاجز آج اس قسم کے نظریوں پر قلم اٹھا رہا ہے کہ یہ محبت اور قلبی وحدت پورے قافلہ اسلام کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بنیان المرصوص، زمان و مکان کو بھی اپنے محیط میں لئے ہوئے ہے۔ اور ایسی وحدت آپ کو ہمیشہ "زندہ" رکھے گی۔ قرآن پاک میں ذکر ہے کہ حضرت۔ ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے ایک مرتبہ عرض کی۔ "کہ اے میرے اللہ! تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے" کچھ وضاحت کے بعد، اللہ۔ تعالیٰ نے یہ فرمایا "پس لو چار پرندوں میں سے اور ان کو "مانوس" کر دو اپنی طرف۔ پھر کر دو ان کے ٹکڑے ٹکڑے پہاڑ پر (یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر پھیلا دو) پھر بلاؤ ان کو چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے۔ اور جان لو یہ کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے"۔ عربی لفظ "فصرھن" کے معنیٰ "مانوس" کے لفظ طور پر کیئے گئے ہیں۔ لیکن اس عربی لفظ کے صحیح معنیٰ مانوس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اس میں انکو گوندھنے کے علاوہ گہرے قلبی لگاؤ والا پہلو بھی آتا ہے اور دین فطرت کا رابطہ و ضابطہ قلب کی ایک کیفیت ہے جس کی مثال نہیں ملتی اور جس کے بیان کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ربط و ضبط کا اصول وسیع تر ہے۔ اس کے لئے تربیت گھروں اور مسجدوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ حضورؐ پاک نے اپنے رفقاءؓ کی یہ تربیت مدینہ منورہ میں کی، گو اس کی بنیاد مکہ مکرمہ میں باندھی گئی تھی۔ اس اصول کو اپنانے کے لئے ہمیں اپنی پیشہ ور افواج اور قوم میں ربط و ضبط پیدا کرنے اور اندرونی وحدت کے لئے مفصل ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اس کی تربیت گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں کس طرح ہو۔ اس کام کے لئے فلسفہ اطاعت امیر اور اسلام کی امامت کے طریقوں کو پیچ لانا پڑے گا کہ ہمیں ہر سطح پر ایسے اماموں کی ضرورت ہو گی جو:۔

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے　　　فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کردے　(اقبالؒ)

۵ اصول حفاظت یا تحفظ اسلام کے لحاظ سے پانچواں اصول حفاظت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اصول دوسرے لوگوں کے جنگ کے فلسفہ میں بھی موجود ہے جس کو SECURITY کہہ لیں یا PROTECTION وغیرہ۔ اس کو ہر سطح پر جاری کرنا پڑتا ہے۔ غیروں نے مختلف سطحوں پر اس ضرورت کے مختلف نام رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے "خذوا حذرکم" کے دو الفاظ میں تمام پہلو واضح کر دیئے۔ اور ارشاد ربانی ہے۔ "اے ایمان والو! لو بچاء اپنا پھر نکلو متفرق یا اکٹھے"۔ یعنی اپنی حفاظت کے اصول کو ہر وقت مدنظر رکھ کر طریق کار وضع کرو۔ خواہ گروہ۔ گروہ کے طور پر کام کر رہے ہو یا اجتماعی طور پر کسی ایک جگہ پر کام کر رہے ہو۔ اس اصول کے تحت اول حکم حضورؐ پاک نے یہ دیا کہ جب دو ہو تو ایک کو اپنا امیر بنا لو۔ یعنی اسلام کے ہر فلسفہ کے لئے آمریت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور پاکؐ اگر مدینہ منورہ سے باہر ایک دن یا چند میل کے فاصلے پر بھی جاتے تھے تو مدینہ منورہ میں اپنا ایک نائب مقرر کر کے جاتے تھے۔ جنگ احد کے بعد جب آپؐ کفار کے تعاقب میں صرف حمرالاسد تک نکلے تو بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب بنا گئے۔ بلکہ جنگ خندق کے بعد مدینہ منورہ کے ساتھ بنی بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو پھر بھی

جناب ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں نائب بنایا۔ لیکن جب ذمہ داری زیادہ ہوتی تھی تو نائب کوئی چیدہ شخصیت ہوتی تھی۔
حضرت عثمانؓ جناب سباعؓ بن عرفطہ جناب عبداللہؓ بن رواحہ وغیرہ کو بھی بعض حالتوں میں مدینہ منورہ میں نائب چھوڑا۔ بلکہ مہم
تبوک کے وقت جناب علیؓ کو نائب چھوڑ گئے۔ حفاظت کا یہ اصول ہوتا ہے کہ ہر سطح پر عملی طور پر امیر ہو۔ اس کے علاوہ
حضورؐ پاک نے حفاظت کے طریقوں کو راز میں رکھنے کی ہدایات کیں اور عملی طور پر بھی ایسا کیا۔ جنگ خندق کے وقت کفار
خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خندق چند دن پہلے کھودی گئی تھی۔ بلکہ مدینہ منورہ کے گرد خندق حکمت عملی کے تحت ضروری
بھی تھی۔ کہ خندق کے کھودے جانے کے بعد مدینہ منورہ کا دفاع آسان ہو گیا تھا، اور مدینہ منورہ میں چند مجاہدین کو چھوڑ کر
حضورؐ پاک دور دور تک مہمات پر جا سکتے تھے۔ نزدیک قبائل کی بغاوت کے باوجود اس خندق کی وجہ سے حضور پاکؐ کی وفات کے
بعد خلیفہ اول جناب صدیق اکبرؓ جناب اسامہؓ کی مہم کو اتنا دور بھیج سکے جس کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے۔ تو حفاظت کے اصول کی
پابندی جتنی اسلام نے سکھلائی ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے تحت اس سے اگلے سال جب حضورؐ پاک
مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے گئے تو ہتھیار ساتھ نہ لے جانے کا معاہدہ تھا۔ اس لئے حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر اپنا
اسلحہ ایک دستہ کی حفاظت کے تحت رکھا، کہ ضرورت پڑنے پر اسلحہ کا استعمال کیا جاسکے۔ اور عمرہ کے دوران اس دستے کے ساتھ
باقاعدہ رابطہ تھا۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں رات کا پہرہ، پاسورڈ، امراء کارات کو سنتریوں کا ملاحظہ کرنا، غرضیکہ حفاظت کا ہر پہلو
مدنظر رکھا جاتا تھا۔ اور ہم ایسی باتوں کی تفصیل میں جا چکے ہیں اور ارشاد ربانی ہے "پسند کرتے ہیں کافر، کاش کہ غافل ہو تم
ہتھیاروں اپنے سے اور اسباب اپنے سے پس جھک آویں اوپر تمہارے جھک آنا یکبارگی۔" یعنی اللہ تعالی نے تنبیہہ بھی کر دی ہے۔

۶۔ اصول حرکت اور بھرپور کارروائی اسلام کے لحاظ سے چھٹا جنگی اصول حرکت اور بھرپور کارروائی ہے۔ انگریز بھی
دوسری جنگ عظیم تک حرکت (Mobility) کو ایک جنگی اصول مانتے رہے، لیکن جنگ کے بعد اس اصول کی بجائے لچکداری
کے اصول (FLEXABILITY) کو اپنا لیا گیا۔ جس کے بیچ حرکت کا پہلو کچھ قائم ہی رہتا ہے، اس لئے زیادہ اعتراض کی
گنجائش نہیں۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے چونکہ اصول پکے ہیں تو ہمارے لحاظ سے حرکت میں برکت ہے۔ اور حرکتی چال یا
MANEVOURE حالات جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ ویسے بھی حرکت ایسی ہو کہ دشمن کچھ نہ سمجھے کہ کیا ہونے
والا ہے۔ یہ سب اسلام کے طریق کار ہیں۔ اللہ تعالی اس سلسلہ میں اپنی مثال دیتا ہے اور ارشاد ربانی ہے:۔ ہر روز وہ ایک نئی
شان میں ہوتا ہے۔" یعنی اپنی ذات وصفات کے مقامات بھی حرکت پذیر یا نئی شان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضور پاکؐ کا
فرمان بھی ہے کہ مومن کے مقامات میں بھی معراج ہوتی ہے۔ اور بے شک جو کل والے مقام پر ہے وہ گھاٹے میں رہا۔ پھر قرآن
پاک میں زمین، چاند اور سورج سمیت سیاروں کا ذکر کیا، کہ وہ فضا میں تیرتے ہیں۔ یعنی وہ بھی حرکت میں ہیں۔ زمین کا اپنے محور
کے گرد گھومنے کا ذکر کیا، کہ ہر چیز کتنی تیزی سے حرکت کر رہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔ ہم اس پہلو کی وضاحت تو پہلے کر چکے ہیں کہ
دین اسلام ایک متحرک دین ہے نماز میں حرکت، زکوۃ اور قربانی میں مال یا صدقے والی چیزوں کی حرکت۔ اور حج میں حرکت۔

حضور پاکؐ نے متحرک طرز جنگ اختیار کیا۔ جنگ بدر میں اپنی چنی ہوئی زمین پر متحرک دفاع یا وقتی دفاع اپنایا۔ جس کو جارحانہ حرکت دے کر دشمن کو پاش پاش کر دیا۔ مدینہ منورہ کے مستقر کی حفاظت متحرک دفاع اور گشتی دستوں سے کی۔ جنگِ احد میں دفاع کرنے کی بجائے آپؐ اچانک دشمن کے ایک بازو پر نمودار ہو گئے۔ جنگ خندق بھی ایک مجہول دفاع نہ تھا۔ بلکہ وقتی دفاع تھا۔ کہ دفاعی لائن تھی، اور حرکت کی گنجائش تھی۔ مولانا مودودی نے اپنی جہاد کی کتاب میں جو "مصلحانہ دفاع" اور "مدافعانہ دفاع" وغیرہ کی باتیں کیں ہیں، ان کا اسلام کے یا کسی فن جنگ کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہر دفاع مدافعانہ بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ مصلحت کے طور پر نہ کنارہ کشی کی جاتی ہے، نہ کوئی ساکن شکل وصورت اختیار کی جاتی ہے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسٹوز نے بھی ایسی بے معنی باتوں کا مذاق اڑایا ہے اور علامہ اقبال نے بھی کئی جگہ ایسے لوگوں پر پھبتی کسی ہے کہیں کرگسوں کا ذکر کیا ہے اور کہیں برے پر قاعدہ شیر کے اظہار کی بات کی ہے۔ اگر کوئی صاحب لاعلمی یا کم مطالعہ کی وجہ سے یہ سب کچھ لکھتے رہے ہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ یہ سازش بھی ہو سکتی ہے کہ اس ساری کتاب میں اس جہاد کے بارے تو کوئی بات نظر نہیں آتی جو حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقاءؓ نے کیا۔ یہ عاجز مولانا مودودی کی نیت پر ہرگز شک نہ کرے گا۔ لیکن انہوں نے جہاد کو بے جان کیا۔ شاید کہیں سے غلط تاثرات لیے۔ یہ ان کی "فیلڈ" نہ تھی۔ انہیں اس فن پر ہرگز قلم نہ اٹھانا چاہیئے تھا۔ بہرحال متحرک طرز دین والوں کو اللہ تعالیٰ نے "سیروافی الارض" یعنی دنیا کو چل پھر کر دیکھنے کی تاکید کی ہے۔ اور یہاں مدافعانہ اور مصلحانہ باتوں کی بجائے متحرک اور بھرپور کارروائی کی باتیں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب قسم اٹھاتا ہے تو بھی ایسی چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو متحرک اور بھرپور کارروائی والی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ "قسم ہے ان دوڑنے والوں کی شور کرتے ہوئے۔ پھر آگ لگتے ہیں، شگاف کرنے کو۔ پھر تاخت و تاراج کرتے ہیں دشمن کو صبح کے وقت۔ پس غبار اڑاتے ہیں غبار اڑانا پس گھس جاتے ہیں دشمن کی جماعت میں"۔

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اور اس کو سب زمانے، زمانہ حال کی طرح نظر آتے ہیں۔ اس نے اس زمانے کی جنگ کا ایک نظارہ پیش کیا ہے، کہ جیسے غبار اڑاتے ہوئے شور کرتے ہوئے بکتر بند دستے پیش قدمی کرتے ہوئے، دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ توپ خانہ کی توپیں فائر اگل رہی ہوتی ہیں اور پیدل دستے صبح سویرے یا پو پھٹتے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں وغیرہ۔ پورا بیان زمانہ حاضرہ کی جنگ اور بھرپور حرکت والی جنگ کا نظارہ پیش کرتا ہے تو اسی وجہ سے ہم نے حرکت اور بھرپور کارروائی کو اصول جنگ مانا ہے۔ اب قرآن پاک کا ایک اور بیان سنیں "قسم ہے ان کی جو زور سے آگے بڑھتے ہیں۔ غوطہ لگاتے ہیں اور جھپٹنے والوں کا جھپٹنا۔ اور ہوا میں تیرنے والوں کا تیرنا۔ پس آگے نکل جاتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے نکل جانا، پس تدبیر کرتے ہیں کام کی"۔ اب قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ موجودہ زمانے کے ہوائی جہازوں کے حملوں اور آپس میں لڑائی (DOG FIGHT) کا نظارہ نظر آتا ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ اور ہمارے آقاؐ اور دو جہانوں کے سردارؐ نے قرآن پاک کے ان اصولوں کے تحت متحرک اور بھرپور طرز جنگ کو اپنایا۔ اور دشمن کو اپنی مرضی کے وقت اور

مرضی کی زمین پر لڑائی کے لئے مجبور کیا۔ لیکن حکمت عملی اور تدبیرات کے تحت متحرک طرز جنگ کو اپنانا کوئی آسان کام نہیں۔ دشمن کوئی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہوتا۔ اس لئے متحرک طرز جنگ کے لئے بہت زیادہ ہدایات کی ضرورت ہے، اور ہر سطح پر ہدایات کا رنگ شاید مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حکمت عملی کے تحت پوری قوم کو مسجدوں کے ذریعہ سے اور ہر سطح پر امراء کے احکام کے تحت " متحرک " کرنا ہوگا۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھرنے والی یا تالیاں بجانے والی قوم نہیں بلکہ ایک بھرپور کارروائی والی متحرک قوم جو صراط مستقیم پر رواں دواں ہے۔ پھر اسی حکمت عملی کے تحت پیشہ ور افواج یا ان کے بڑے گروہوں کو لچکدار قسم کا متحرک طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ کہ خاص اور اہم مقامات پر کچھ "وقتی ساکن" دستے چھوڑنے ہوں گے یا اصول حفاظت یا اصول ضرورت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ تدبیرات کے طور پر تو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور جنگ کے مرحلہ در مرحلہ حالتوں کے لئے بڑی تفصیلی ہدایات جاری کرنا ہوں گی۔

۷۔ **اصول غیرت** اسلام کے لحاظ سے زندگی اللہ تعالی کی امانت ہے اور اللہ تعالی غیرت مند زندگی کاٹنے کے احکام دیتا ہے اس لئے اسلامی طرز جنگ کا ساتواں بڑا اصول غیرت ہے۔ کہ بے غیرت آدمی اپنے دین یا عقیدہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جنگِ احد کے وقت ابو سفیان نے بڑماری کہ وہ جنگ جیت کر جا رہے ہیں۔ اور کافی باتوں کے بارے بڑمارتا رہا۔ لیکن حضور پاکؐ نے اپنے رفقاءؓ کو جواب سے منع فرمایا۔ لیکن جب ابو سفیان نے اگلے سال اسی وقت بدر کے مقام پر فیصلہ کن جنگ کی دعوت دی۔ تو حضورؐ پاک نے حکم دیا کہ جواب دیا جائے۔ اور جواب یہ تھا؟ " بے شک اگر ہمارے اللہ کو منظور ہوا" اب حضور پاکؐ تو چو تھی ہجری میں اپنے مجاہدین کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اور ابو سفیان نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ قحط سالی کا بہانہ بنا کر راستے سے واپس مڑ گیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے دوران حضور پاکؐ پر امن طور پر مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے گئے تھے۔ نہ آپ کا جنگ کا ارادہ تھا، اور نہ تیاری ونفری تھی کہ سولہ سو مجاہدین تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی، گو خبر غلط تھی۔ تو خبر سنتے ہی سب صحابہ کرامؓ کو بیعت رضوان کا شرف حاصل ہوا۔ جس کو قرآن پاک میں فتح مبین کا نام دیا گیا ہے۔ کہ یہ شہادت پر بیعت تھی۔ جنگ احد میں بھی شہادت پر بیعت ہوئی۔ اور جنگ یرموک میں جناب عکرمہؓ بن ابو جہل اور آپ کے رفقاء کی شہادت پر بیعت۔ جنگ جسر میں ابو عبیدؓ ثقفی کے قبیلہ کی شہادت پر بیعت۔ امام حسینؓ کی راہ حق پر پورے کنبہ کے ساتھ باطل کے ساتھ ٹکر۔ غرضیکہ اسلامی غیرت کی ایسی کئی مثالیں کتابوں کے اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ ہم بھی ذرا گریبان میں منہ ڈالیں۔ کہ آج ہماری تعداد نوے کروڑ ہے۔ لیکن ہم مغلوبہ قوم ہیں۔ باقیوں کو تو چھوڑیں کہ ہنود اور یہود جن کو ہم غلامی کے زمانے میں خاطر میں نہ لاتے تھے، آج وہ ہمیں خاطر میں لانا تو درکنار، مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس مقصد میں ہمارے دشمنوں کو کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ کہ اتنی تعداد کا کیا فائدہ جس میں جان نہ ہو۔ بدقسمتی سے امن پسندی کی لوری دینے والوں نے ہمیں اس طرح بنا دیا ہے کہ ہماری غیرت ختم ہوتی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں واضح احکام ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:۔ "اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ پھیرنا"۔ بے شک اس آیت مبارکہ کا تدبیراتی پہلو بھی ہے۔ لیکن حکمت عملی

کے تحت میدان جنگ یا محاذ جنگ سے پسپائی کی اجازت ضرور ہے۔ اور قرآن پاک کے مطابق ایسی پسپائی تب ہو سکتی ہے کہ کسی بہتر زمین یا بہتر تعداد کے ساتھ دشمن کو اپنی مرضی کے مطابق، مرضی کے وقت شکست دی جائے۔ خلیفہ اول کے زمانے میں جنگ اجنادین کے وقت یرموک کی وادی کو چھوڑ کر اور جنوب کی طرف کوچ کر کے ایک قسم کی پسپائی کے بعد رومیوں کی طاقت کو اجنادین کے میدان میں پاش پاش کیا گیا۔ جنگ یرموک کے وقت بھی حمص، اور قساریہ تک کے علاقوں سے پسپا ہو کر مسلمان لشکر وادی یرموک میں اکٹھے ہوئے اور وہاں پر اہل روم کو ایسی شکست دی کہ ہرقل ایشیا کو آخری سلام دے کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

اسی طرح ایران کے محاذ پر بھی جنگ جسر کے بعد گو تدبیراتی طور پر پسپائی اختیار کی گئی کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا لیکن اس کے جلدی بعد جنگ بویب کے بعد حکمت عملی کے تحت پسپائی اختیار کر کے شرف کے مقام پر اجتماع ہوا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ کر قادسیہ کے مقام پر ایرانی سلطنت پر پہلا بھرپور وار کیا۔ جنگ نہاوند جس کے بعد ایرانی سلطنت ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور ایران، اسلام کا ایک مستقر بن گیا، اس میں تدبیراتی طور پر ایسی پسپائی اختیار کی گئی، کہ دشمن کو اپنی طرف "کھینچا" اور جب دشمن "کھچاؤ" کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا تو اس کو نہاوند کے مقام پر تہس نہس کر دیا گیا۔ لیکن دشمن کو اپنی طرف "کھینچنا" بڑا مشکل تدبیراتی عمل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جو ہم نے ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر کر دیا۔ اب قرآن پاک کے الفاظ کی گہرائی میں جایا جائے تو وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ پھیری جائے۔ ان الفاظ میں راز ہے اور فلسفہ بھی ہے۔ کہ اس طرح انسان میدان جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ راقم نے یہ طریقہ جنگ عظیم دوم کے دوران، جاپانیوں کو اپناتے دیکھا۔ جس کے اتنے زیادہ تدبیراتی فوائد حاصل ہوتے تھے کہ انسان حیران ہو جاتا تھا۔ اور اتنے زیادہ "فوائد" کا حکمت عملی پر بھی اثر ہوتا ہے۔ راقم کے ساتھیوں اور ماتحتوں نے کچھ ایسا ہی نمونہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہور محاذ پر ڈوگرئی کے مقام پر دیا۔ بے شک ان میں سے اکثر اللہ اور رسولؐ کے نام پر قربان ہو گئے۔ لیکن لاہور بچ گیا اور وہ ایک بنیان المرصوص کا نظارہ ضرور دکھا گئے اور بہت کچھ وہ اس عاجز کے پاس بھی چھوڑ گئے۔ ان کے جسد ایک گنج شہیداں کے طور لاہور کے فوجی قبرستان کی شان کو دوبالا کر رہے ہیں اصول غیرت کے سلسلہ میں قرآن پاک کے ایک اور بیان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ "تو تم ہمت نہ ہارو۔ اور خود صلح کی طرف دعوت نہ دو، اور تم تو غالب ہو، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہ کرے گا"۔ اس بیان میں اللہ تعالی ڈٹ جانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور صلح کے سلسلہ میں بھی پہل کاری سے منع ہے کہ "صلح" میں کچھ کمزوری کے پہلو کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ تب ہی اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہے۔ کے الفاظ سے ہمیں ڈھارس بندھائی۔ ہم پہلے باب میں موت کا ذکر تفصیل سے کر آئے ہیں کہ زندگی ہمارے پاس اللہ تعالی کی امانت ہے اور مسلمان کو موت تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی۔ ہے۔ قرون اولی کے مسلمان جہاں گئے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کون لوگ ہو تو انہوں نے بڑا ہی پیارا جواب دیا "ہم لوگ ایسی قوم ہیں جو موت کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں، جتنی تم لوگ زندگی کے ساتھ محبت کرتے ہو"۔ یعنی کافر اور مسلمان۔ مسلمان کا غیروں سے فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک مجاہد کا دس کافروں کے برابر ہونے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ تو یہ تمام باتیں غیرت، یعنی اسلامی

غیرت یا ملی غیرت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مضمون بے شک وسیع ہے کہ تکبر کو غیرت نہ سمجھ لیا جائے اور ہماری غیرت اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے اور جس میں یہ غیرت نہیں وہ مسلمان نہیں۔اور جانوروں میں بے غیرت خنزیر ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اس کا گوشت اور خون تک ہمارے اوپر حرام ہے کہ اس کا استعمال ہمیں بے غیرت بنا دے گا۔لیکن آج ہم دنیا میں ان لوگوں سے بھی بدتر ہیں جو سور کو کھاتے ہیں۔تو اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ ایسا کیوں ہے اور اللہ تعالی ہماری حالت کو ٹھیک کیوں نہیں کرتا۔تو اپنا دل جواب دے گا۔کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

وضع میں تم نصاریٰ ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود (اقبالؒ)

۸۔اصول جستجو اور متفرق باتیں: قرآن پاک ایک سمندر ہے۔ایسی کوئی بات نہیں جس کا قرآن پاک میں جواب نہ مل سکے۔شیخ اکبر جناب محی الدین ابن عربیؒ نے اس سلسلہ میں ہمارے لئے راہ نکالی اور آپ ہر بات کا جواب قرآن پاک میں تلاش کرتے تھے۔ان کو جواب کسی ایک آیت یا لفظ میں مل جاتا تھا۔اور اس لفظ کی برکت سے ان کو حضور پاکؐ کی سنت سے پوری تفصیل مل جاتی تھی۔حضورؐ پاک کی سنت کی بزرگوں نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔مودودی صاحب ایک لفظ اکثر لکھتے تھے کہ فلاں مزاج شناس رسولؐ تھا اور مودودی صاحب کے مداح خود مودودی صاحب کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔اور خدا کرے ایسا ہی ہو کہ ہم تو ہر مسلمان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ وہ مزاج شناس رسولؐ ہو۔البتہ اس سلسلہ میں حضورؐ پاک کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ جو کچھ میرے ساتھ منسوب کیا جائے اس کے بارے میرا تصور کرکے تجسس کیا جائے کہ واقعی ایسا ہے لیکن یہ بڑا مشکل عمل ہے۔ایسا کرنے کے لئے اول تو یار غارؓ کی طرح عاجزی کی ضرورت ہے کہ انؓ کو حضور پاکؐ کی شان بیان کرنے سے ڈر لگتا تھا کہ بے ادبی یا کوتاہی نہ ہو جائے۔اور ہم عقلی گھوڑے دوڑا کر حضور پاکؐ کی باتوں کا عام آدمیوں کی باتوں کے ساتھ موازنہ شروع کر دیں تو پھر معاملہ ادھر ہی ختم ہو جاتا ہے۔تو ظاہر ہوا کہ حضورؐ پاک کا مزاج شناس بننے کی کوشش سے پہلے حضور پاکؐ کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے۔اگر ہماری بسم اللہ ہی غلط ہو کہ ہم حضور پاکؐ کو ایسا نہ مانیں تو مزاج شناسی کس کی کریں؟اسی اصول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے پہلے باب میں حضور پاکؐ کے حاضر و ناظر ہونے پر صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ لکھ دی تھی۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں راقم کو یہ خیال وارد ہوا کہ ہر مسئلہ کا حل حضورؐ پاک اور بزرگوں کی وساطت سے تلاش کیا جائے چنانچہ جنگ کے ہر مسئلے کا ایک ایسا حل سامنے آجاتا تھا جو اس سے پہلے نہ کبھی سنا تھا اور نہ سیکھا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ جنگ کے تین چار ماہ بعد کوئٹہ سے واپس آکر میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جب شہداء کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے گیا تو وہ جگہ نہ پہچان سکا، جہاں پر ہم سولہ دن جنگ لڑتے رہے۔صوبیدار میجر چنار گل نے روکا اور بتایا کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا میرے بڑے بھائی جو فوجی تھے، وہ یہ یقین نہ کر سکے کہ کوئی فوج اتنے دن ایسی "ننگی" یا غیر اہم جگہ پر لڑائی لڑ سکے گی۔مجھے ان کو بتانا پڑا کہ یہ جگہ اس وقت مجھے "درہ دانیال" کی طرح نظر آتی تھی اور پھر اپنی ساری باتیں اور کارروائیاں یاد آئیں تو خود حیران ہوا۔

"کہ ہم وہاں سے یہ سب کچھ کیسے کر سکے"؟ بہر حال عاجزی کے ساتھ تجسس کے ذریعے قرآن پاک اور حدیث مبارکہ میں جواب مل جاتے ہیں۔اور یہ عاجز آج تک "اجتہاد" کے چکر میں نہیں پڑا۔ کہ اجتہاد وہ کرائے جس کو ضرورت ہو اور اس کا نفاذ بھی کر سکے۔ اور پچھلے ابواب میں واضح کر چکے ہیں کہ بحث برائے بحث تو تفرقہ کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال اگر اس اصول جستجو کا صحیح استعمال کریں تو قرآن پاک اور سنت مبارکہ میں متعدد ایسے اصول اور احکام ملتے ہیں کہ جن کی مدد سے ہم اپنی حکمت عملی اور تدبیرات کے تمام تانے بانے اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر سکتے ہیں۔ ہر قوم کا اپنا مزاج ہے، اور مسلمانوں کو ان اصولوں کے تحت جنگ لڑنا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں یا ہمارے آقاؐ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔اور یہ اصول لکھنے میں مقصد یہ تھا کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اور غوطے لگائے جائیں۔ مثلاً تدبیراتی طور پر قرآن پاک کے کئی احکام سے مدد لی جا سکتی ہے۔ جس میں خاص کر عقب سے حملہ، دشمن کا تعاقب، جنگ سے قبل تیاری، دفاعی تجاویز، سامان جنگ، جنگی قیدیوں سے سلوک، عہد کی پابندی، دشمن کی چالوں سے باخبر رہنا، سازش اور کانا پھوسیوں کی ممانعت، خفیہ سرگرمیوں کا قلع قمع، باہمی مشورہ متعدد فوجی ضرورتوں کے لئے واضح احکام، قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جن پر تفصیلی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے اختصار کے طور پر ان ضرورتوں کی نشاندہی کر دی ہے کہ فوجی تربیت کے دوران اگر ایسی فوجی ضرورتوں کے لئے قرآن پاک کے ذکر یا حوالے سے کام شروع کیا جائے۔اور لڑائی میں ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو فتح ہماری ہو گی۔

حضور پاکؐ کی سنت سے مدد اسی طرح حضور پاکؐ کے اقوال یا سنت میں بے حساب فوجی ہدایات اور اصول ہیں جن میں سے ایک دو کا بیان یہاں ضروری ہے کہ اول حضور پاکؐ نے فرمایا "الحرب خدعۃ" کو جنگ میں دھوکا ہوتا ہے، تو اصول ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دو اور اس کو حیران کر دو۔ اور خود دشمن سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اب جنگ کی ہر سطح پر SURPRISE & DECEPTION کا استعمال افواج میں عام ہوتا جاتا ہے۔اور ہمارے آقاؐ آج سے چودہ سو سال پہلے اس ضرورت کے بارے حکم دے گئے تھے۔اور اپنی ہر جنگ میں انہوں نے دشمن کو حیران کر دیا۔جنگ بدر میں اچانک متحرک دفاع اپنایا۔اور دشمن اس کی مضبوطی کو نہ سمجھ سکا۔اس کے ساتھ ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔جنگ احد میں حضورؐ پاک اچانک دشمن کے بازو پر نمودار ہو گئے اور اس کو جنگ کے لئے مجبور کر دیا۔اور جنگ خندق کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔اور راقم کی خلفائے راشدینؓ کی چاروں کتابوں میں بے شمار اسباق اسی کتاب کے طرز پر بیان کئے گئے ہیں۔اس سے ایک اور فوجی سبق بھی نکلتا ہے کہ ہر کارروائی میں طریق کار میں کچھ تبدیلی کی جائے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک میں پو پھٹتے دشمن کی صفوں میں گھس جانے والی بات اہم ہے اور DAWN ATTACK اب دنیاوی فوجوں میں عام ہو گیا ہے، لیکن حضور پاکؐ نے ایک اور سبق سکھایا کہ سورج اگر موافق ہو تو جوابی کارروائی یا "الجھاؤ" کے بعد بھرپور کارروائی سورج ڈھلنے کے بعد کی جائے۔ حضورؐ پاک نے اس سلسلہ میں زبانی احکام دیئے اور صحابہ کرامؓ نے اس طریق کار کو اپنایا۔انہوں نے کسی صورت میں اس اصول سے روگردانی نہ کی۔جنگ نہاوند میں جب ایرانیوں کو اپنی طرف "کھینچا" گیا اور جوابی کارروائی مقصود تھی تو دوپہر سے پہلے اس وقت کے ایک فوجی ماہر جناب مغیرہؓ بن شعبہ

نے سالار لشکر کو جوابی کارروائی کا مشورہ دیا۔ لیکن سالار لشکر جناب نعمانؓ بن مقرنؓ نے کہا کہ " ایسا نہیں ہوگا۔ آقا کا حکم ہے کہ یہ کارروائی بعد دوپہر ہی ہو " تفصیل راقم کی خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں موجود ہے۔ جنگ نہاوند کا مکمل مطالعہ اس سلسلہ میں آنکھیں کھول دیتا ہے اور بعد دوپہر جوابی کارروائی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے پاس رد عمل کا وقت نہیں ہوتا۔ اور یہی چیز بھرپور کارروائی کو لاگو ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے اور فلسفہ جنگ میں ہم نے غیروں سے کچھ بھی نہیں سیکھنا۔ اس عاجز کی نو کی نو کتابیں ان اسباق سے بھری پڑی ہیں۔ اور جو کام اپنوں کی نقل میں کیا جائے اس میں سرور ہے اور لطف ہے۔ سکندر، چنگیز، نپولین مارلبرو، گڈیرین، رومیل، منٹگمری، ڈیول اور براڈلے کی کارروائیوں میں ہمارے لیے کیا لطف ہے۔ اور لیڈل ہارٹ یا فلر کی کتابوں میں کیا ملے گا۔ " تعصب " یا ہم خواہ مخواہ مرعوب ہوں گے

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن پرکار و سخن ساز ہے۔ نمناک نہیں ہے (اقبالؒ)

دفاعی ٹیکنالوجی بد قسمتی یہ ہے کہ جو آدمی اپنوں کی نقل کے بارے کہتا ہے، اس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ یہ آدمی چاہتا ہے کہ نیزوں اور بھالوں سے لڑائی ہو۔ خیر نیزوں اور بھالوں کا وقت بھی شاید دوبارہ آجائے۔ اور پاکستان میں آزادی کے وقت یہ موقع آیا تھا۔ اس وقت اگر ہم نیزے اور بھالے بھی اٹھالیتے تو عزت رہ جاتی اور کشمیر بھی مل جاتا۔ لیکن جب لڑنے کا جذبہ ہی مفقود تھا۔ اور سب بھروسہ غیروں کے دیئے ہوئے ہتھیاروں اور بارود پر تھا، تو جنگ کی تو تجویز ہی نہ بنی۔ لڑائی کی تجویزیں بنتی رہیں اور فائر بندی کا انتظار تھا۔ در حقیقت ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کے واقعات کو مکمل جنگ (War) نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ جھڑپیں تھیں۔ بہرحال اب اگر جنگ کی تیاری کرنا ہے تو ساتھ دفاعی ٹیکنالوجی کی بھی ضرورت ہوگی، اور اس کا انحصار ملک کی ٹیکنالوجی پر کرنا ہوگا۔ یعنی اس سلسلہ میں بھی اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ قرآن پاک کی سورۃ حدید میں ہماری توجہ اللہ تعالیٰ اس طرف مبذول کراتا ہے، کہ دھاتوں کے استعمال میں بڑے فائدے ہیں۔ اور جن تیز رفتار چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کر رہا تھا کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جنگ میں ایسے ہتھیاروں کی ضرورت ہوگی۔ حضور پاکؐ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں مجاہدین یمن بھی گئے تھے کہ وہاں پر نئے ہتھیاروں کا استعمال سیکھیں اور ایسے ہنر سیکھنے سے حضور پاکؐ نے یہ نہیں منع فرمایا کہ غیروں سے نہ سیکھے جائیں۔ اسلئے غیر اگر ہمیں ٹیکنالوجی یا دفاعی ٹیکنالوجی سکھلائیں تو ضرور ان سے یہ سب کچھ سیکھا جائے، اور اپنی افواج کو سامان حرب کے سلسلہ میں خود کفیل کیا جائے تاکہ ان کی ضرورتیں ملک ہی میں پوری ہو سکیں۔

بہرحال یہ وسیع مضمون ہے اور اس کے لئے علم، ہنر اور ذرائع کی ضرورت ہے اور غیر یہ نہ چاہیں گے کہ ان سب علوم پر ہمیں دسترس حاصل ہو جائے۔ نیوکلر یا اٹامک طاقت کے سلسلہ میں قوم آگاہ ہے کہ غیر کس طرح ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ اور ایمان کی ایک ایسی سطح ہے کہ تمام علوم آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے اگر قوم کا ایمان و یقین درست ہو گیا تو ٹیکنالوجی بھی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں میں تب دے گا جب اس سلسلہ میں محنت کریں گے ۔ بہرحال یہاں پر صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں فوجی تدبیرات اور حکمت عملی کی بنیاد بناتے وقت زیادہ انحصار اس ساز و سامان پر کرنا ہوگا جو اپنے ملک میں سے حاصل ہوسکے ۔ اور باقی جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو بھی انعام خداوندی سمجھ کر قبول کیا جائے ۔ اس سلسلہ میں ہم مزید وضاحت نہ کریں گے کہ مضمون بہت لمبا ہو جاتا ہے

حضور پاکؐ کا اسلام ہمیں یہ تسلیم کرلینا چاہیئے ۔ کہ حضور پاکؐ کے اسلام پر باطل والوں نے پردے ڈال دیئے ہیں ۔ اور سازش جاری ہے ۔ کتابوں کے اس سلسلہ میں راقم نے تمام تر واقعات تاریخوں سے لئے ہیں ۔ جائزوں میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے حوالوں کے علاوہ حضور پاکؐ کے رفقاء کے عملوں سے مثالیں دی ہیں ۔ لیکن قارئین کو ان میں سے کئی باتیں نئی معلوم ہوں گی ۔ لیکن اگر اسلام کی تاریخ کا بامقصد اور تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو عجیب و غریب راز افشا ہوتے ہیں ۔ مختلف عقائدی گروہ ، بحث برائے بحث کو پرلطف بنانے کے لئے خوامخواہ کوئی حدیث گھڑلیتے تھے ۔ تفرقہ پیدا کرنے والوں نے کیا کچھ نہ کیا ۔ یہ بڑے وسیع مضامین ہیں ۔ لیکن ہم نے چند ضروری باتوں سے پردے ، ہٹائے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی بنیادی بات وحدت فکر اور وحدت عمل ہے ۔ ایک خبر پڑھی تھی کہ مکہ مکرمہ میں ایک اجتماع ہونے والا ہے ، جہاں تمام گروہی اختلافات مٹانے کی کوشش کی جائے گی ۔ ہمارے لحاظ سے حضورؐ پاک کے اسلام کا نفاذ فقہ وحدت یا فقہ عسکریت کی مدد سے کیا جاسکتا ہے ۔ یہی نصیحت مرحوم آغاخان نے ہمیں ۱۹۵۰ء میں کی ۔ کہ ہم پہلے سو سال کے اسلام کا مطالعہ کریں ، جہاں ہمیں وحدت فکر و وحدت عمل والا اسلام تلاش کرنا ہوگا ۔ پھر اس کا نفاذ کرنا ہے ۔ اور آگے اولی الامر اور مشاورت کے معاملات تو آسان ہیں ۔ مشکل یہ ہے

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ — وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے ، قوموں کی امامت کیا ہے — اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام (اقبالؒ)

اسلام کا نفاذ تو ہمارے لحاظ سے اسلام وہ ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں ۔ یہ فقہ وحدت ہے یا فقہ عسکریت ہے ۔ نظام مصطفےٰ ہے ، اور نظام جہاد ہے ۔ پوری قوم اللہ کی فوج ہے ۔ ان کو بنیان المرصوص بنانا ہے تو ترجیحات کے طور پر ۔ اس کو مندرجہ ذیل سات مرحلوں کے تحت نافذ کیا جاسکتا ہے ۔

۱ ۔ پہلا مرحلہ ۔ تنظیمی تربیت: ۔ پوری قوم کو منظم کرنا ہوگا ۔ البتہ اس کے لئے قومی تنظیم کی ضرورت ہے ۔ جس کے لئے اصول میثاق مدینہ سے لینے ہوں گے ۔ لیکن ان چند فقروں سے نہیں جو مولانا شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں ۔ بلکہ ان چالیس کے قریب اصولوں سے جو ابن اسحق اور ابن سعد کی کتابوں میں موجود ہیں اور اس کتاب کے نانویں باب میں بھی تفصیل موجود ہے ۔

۲ ۔ دوسرا مرحلہ: ۔ پوری قوم کو نظام میں باندھنے کے لئے کچھ اصول بنانے ہوں گے اور جس کا مختصر ذکر آگے آتا ہے ۔

۳۔ تیسرا مرحلہ۔ فن سپہ گری کی تربیت کہ پوری قوم کو عسکری تربیت کس طرح دی جائے۔
۴۔ چوتھا مرحلہ۔ عسکری تنظیم قوم کی عسکری تنظیم کرنا کہ وہ ملک کے دفاع میں شریک ہوسکے
۵۔ پانچواں مرحلہ۔ رابطہ یعنی پیشہ ورافواج اور قوم کی عسکری تنظیموں میں رابطہ پیدا کرنا
۶۔ چھٹا مرحلہ۔ پیشہ ورافواج کی تنظیم نو ان افواج کو اس طرح منظم کرنا کہ ان کا زیادہ انحصار ملکی وسائل پر ہو
ساتواں مرحلہ۔ ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات کو اسلامی خطوط اور اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنا

وضاحت کہہ دینے میں تو یہ باتیں بڑی آسان معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے وسائل کی ضرورت ہے اور حکومت کے باقی شعبوں کو بھی اسی طرح چلانا ہوگا۔ کہ دوغلا پن نہ ہو۔ یا معاملات آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نہ بن جائیں۔ ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں، اس میں ذرائع ابلاغ، تعلیم، قانون اور انصاف کو تو پہلے ہی دفاع کے ساتھ برابری دینا ہوگی کہ یہ بھی بنیادی مدیں ہیں۔ اس لئے ان سب مدوں کے لئے کم سے کم اتنے اصول تو بنانے ہوں گے جتنے دفاعی فلسفہ کے لئے بنائے گئے ہیں یہ کام ماہرین کو کرنا ہوگا۔ البتہ مادی ذرائع کے لئے وحدت والی پالیسی بنانا ذرا مشکل کام ہے اور اس سلسلہ میں ہم اگلے باب میں ایک خاکہ دے رہے ہیں وہاں چند اصول لکھ دیئے گئے ہیں، کہ ان ذرائع کو ایسے اصولوں کے تحت چلانا ہوگا جو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوں۔ پھر ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کے طریق کار اور مرحلے مقرر کرنا ہوں گے اور قومی وحدت یا دینی امور کے لئے ایک وزارت بنانا ہوگی جو قوم میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرے۔ چنانچہ اس نئی دینی وزارت کو "فقہ وحدت" کے تحت بنانا ہوگا۔ اس کے بعد اب ہم پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کے سلسلہ میں بنیادی باتوں اور مرحلوں کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا مرحلہ۔ تنظیم اول ضرورت یہ ہے کہ پوری قوم کو منظم کیا جائے۔ اسلام میں شرکت منظم ہو کر کی جاتی ہے اور ہر فرد کسی منظم ادارے کے تحت اور کسی امیر کے تحت بڑی تنظیم یا فوجی تنظیم کا حصہ ہوتا ہے۔ اور بالکل اسی طرح، جس طرح ایک سپاہی، اپنی سیکشن کے ذریعے سے اپنی پلٹون، کمپنی، بٹالین، بریگیڈ، ڈویژن، کور اور آرمی کا ایک ممبر یا حصہ بن جاتا ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق یہ کام صوبائی حکومتوں کے سپرد ہونا چاہیئے اور ملک میں کتنے صوبے ہوں۔ یہ بات اتنی اہم نہیں۔ البتہ موجودہ لسانی یا ثقافتی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھے جائیں جو ان صوبوں میں پہلے مسلمان فاتحین یا فقراء کے نام ہو سکتے ہیں۔ یعنی صوبوں کا نام ایسے ہوں جن سے گروہ بندی کی بو نہ آئے۔ بہرحال ہر فرد کو کسی نہ کسی مسجد اور مسجد کے امیر (امام) کے ذریعے سے قوم کی اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا۔ لیکن ان مسجدوں کو ایسا بنانا پڑے گا، کہ ان کا امام واقعی امیر ہو اور یہ مجاہدین پیدا کریں اور ان مسجدوں میں مومن کی اذان شروع ہو۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا اقبالؒ

ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق مسجد کے چناؤ کی اجازت ہو۔ لیکن ایک دفعہ ایک جگہ چن لی جائے تو ہر روز بلاوجہ تبدیلی

کی اجازت نہ ہو گی ۔ہاں اگر کوئی آدمی پیشہ کی وجہ سے یا نقل مکانی کے سبب رہائش گاہ میں تبدیلی کر دے تو اس کو نئی مسجد کا رکن بننا ہو گا ۔ یہ ایک خاکہ ہے لیکن اس میں رنگ بھرنا ہو گا ۔اور تفصیلی ہدایات بعد میں جاری کرنا ہوں گی ۔

دوسرا مرحلہ۔ **تنظیمی تربیت** حضور پاک کا فرمان ہے، اللہ کی قسم اگر ان کو بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ ان تمام گھروں کو جلا دیتے جہاں سے مرد مسجدوں میں نہیں آتے ۔اول تو اس حکم میں اسلام کی آمریت کا پہلو ہے کہ اسلام جمہوریت نہیں ۔دوم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ہمیں تنظیمی اور روحانی تربیت دی جاتی ہے ۔ مسجد اور مسجد میں تربیت کا ذکر بڑی تفصیل چاہتا ہے اور اسلام میں بامقصد نماز کا حکم ہے کہ :۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبالؒ)

ہماری موجودہ نمازوں اور اذانوں کے بارے علامہ یوں فرما گئے :۔

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کا پیام (اقبالؒ)

چنانچہ ان نمازوں کو بامقصد بنانے کے لئے ان کی ادائیگی اس طرح ہونا چاہیئے کہ وہ ہمارے اندر قلبی اور جسمانی وحدت پیدا کریں ۔اور ہم ربط و ضبط اور اطاعت امیر کے اصولوں کو سیکھیں ۔کیونکہ ان مسجدوں میں قرون اولی کے مسلمان جب مل کر سجدہ کرتے تھے تو یہ سماں بندھ جاتا تھا :۔

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (اقبالؒ)

تو ہمیں اپنی موجودہ نمازوں کی بجائے بہت کچھ کرنا ہو گا اور موجودہ حالت کو چھوڑنا ہو گا کہ :۔

تیرا امام بے حضور ، تری نماز بے سرور ایسی نماز سے گزر ، ایسے امام سے گزر (اقبالؒ)

پہلے بھی اور خاص کر پندرھویں باب میں گزارش ہو چکی ہے کہ نماز کا پہلو بہت وسیع ہے کہ اسلام باجماعت نماز کا دعوے دار ہے ۔دراصل لفظ صلوۃ کے وسیع ترمعانی ہیں اور اس کے ترجمہ " نماز " میں وہ بات نہیں آتی ۔صلوۃ کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ حالات سے آگاہی کے لئے اکٹھے ہوں اور اپنے لئے راہ عمل کو سوچیں اور امیر کے حکم کے مطابق اپنی ذمہ داری کو سنبھالیں ۔ قرون اولی میں جب کوئی اجتماع مقصود ہوتا تھا تو " صلوۃ " " صلوۃ " پکارا جاتا تھا اور لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جاتے تھے ۔چنانچہ ہم مسجد میں اس لئے بھی اکٹھے ہوں گے کہ اپنی ذمہ داریاں سن لیں ۔وہاں ہی محلے یا گاؤں کے معاملات کو حل کریں گے ۔ ہمسایوں کے حقوق پورے کریں گے ۔ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی راہ نکالیں گے ۔اطاعت امیر کے فلسفہ کو اپنائیں گے ۔آپس میں تفرقے مٹائیں گے ۔اسلامی ایمان و یقین جس کا ذکر ہو چکا ہے، وہ سیکھیں گے اور نماز کے سلسلہ میں فضول اختلافات کہ ہاتھ کہاں باندھیں یا قرات کیسے پڑھیں وغیرہ، ان سب کو مٹانا ہو گا، بلکہ نماز کے فلسفہ میں جا کر روحانی ، قلبی اور جسمانی وحدت کے ذریعے اسلام کے وحدت فکر اور وحدت عمل کے نظریہ پر عمل کرنا ہو گا۔ نماز سے ہمارے اندر وحدت پیدا ہوتی ہے ۔ہم صف بندی یا جنگ میں مورچہ بندی کے اصول سے آگاہ ہوتے ہیں ۔حکم ماننے کی عادت پیدا ہوتی ہے ۔ محبت اور الفت

پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو جوڑ دیتا ہے کہ روحانی و جسمانی وحدت ہوتی ہے علاوہ ازیں صفائی کا خیال ہوتا ہے کہ وضو نماز کی تیاری ہے۔اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق مومن کا اسلحہ ہے۔اس کی وضاحت چند الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔بس اتنا سمجھیں کہ وضو سے انسان کی تمام حسوں میں وحدت اور یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔تو نماز جنگ یا جہاد کی تیاری ہے۔علاوہ ازیں روزہ بھی جنگ کی تیاری کی تربیت دیتا ہے اور صبر سکھلاتا ہے۔کہ ہم جو اصول مصابرہ کا ذکر کر چکے ہیں، تو صبر ہی سے اس اصول پر عمل پیرا ہونے کی تربیت ہوتی ہے۔علاوہ ازیں روزہ، ایمان و یقین کی ایک ارفع مثال ہے کہ فرد کا تعلق اپنے اللہ سے ہوتا ہے، کہ روزہ میں سوائے فرد اور اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں کا روزہ ہے یا نہیں۔روزے کا اخلاقی پہلو بھی ہے، کہ ہاتھ کا روزہ، کان کا روزہ، آنکھ کا روزہ وغیرہ۔یعنی تمام شر والی باتوں سے دوری اختیار کی جائے تو تب روزہ ہو سکتا ہے۔اسی طرح قربانی اور زکوۃ میں خیرات بانٹنے سے بھی تعلقات بڑھتے ہیں۔اور امیر و غریب ایک ہوتے ہیں۔اسلئے اسلام کے لحاظ سے امیر مسجد یا امیر محلہ ہی اسلام پر عمل پیرا ہو کر اپنے لوگوں کو بنیادی تربیت دے گا۔اور اوپر والی یونین کونسل اور تھانہ کی تنظیمیں اس تربیت کو بہتر طور پر منظم کرنے میں مدد دیں گی۔البتہ ہماری مسجدوں میں درس نظامیہ کے زمانے کے جو خطبات موجود ہیں، ان سے ضرور مدد لی جائے گی۔لیکن تعلیم و تدریس اور محلہ کے کاموں کے لئے اس زمانے کی ضرورت کے مطابق تربیت کے لئے ہدایات لکھنا پڑیں گی۔یعنی لوگوں کو اپنی ذمہ داری پوری کرانے کے لئے مرکزی حکومت خطبات کا بندوبست کرے گی، جو مسجدوں میں دیئے جائیں گے۔بے شک یہ بھی بڑا وسیع مضمون ہے۔لیکن موجودہ تفرقات والے خطبے ختم کرنے ہوں گے اور تقریر برائے تقریر کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔یعنی خطبات ایسے نہ ہوں:-

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب   مگر لذت شوق سے بے نصیب (اقبالؒ)

اس سلسلہ میں محلہ کے لوگوں کو کئی حصوں میں بانٹنا ہوگا۔اول بچوں کی تربیت اور ان کے لئے کم از کم دینی تعلیم کا معیار اور نصاب مقرر کرنا ہوگا۔جس میں لڑکوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ درس بنانے ہوں گے۔پھر محلہ کی عورتوں کی تربیت کے لئے طریق کار وضع کرنا ہوں گے۔اور مردوں کو بھی دو حصوں میں بانٹنا ہوگا۔کہ جوان مرد اور زیادہ عمر والے مردوں کے الگ الگ گروہ بنانے ہوں گے۔اب کچھ خطبات عام قسم کے ہوں گے جو جمعہ والے دن یا کسی خاص دن دیئے جائیں گے اور ان میں پوری قوم یعنی چھوٹے بڑے کی تربیت پر چند باتیں ہوں گی۔اور ہر جمعہ کا خطبہ الگ ہوگا۔لیکن عام تربیت کے لئے نصاب اور اوقات مقرر کرنے ہوں گے، کہ جوانوں یا بوڑھوں کو مسجدوں میں کس وقت کتنی کتنی تربیت دی جائے۔سب ضرورتیں اور خاکے ہیں۔اس سلسلہ میں مکمل ہدایات مرکزی حکومت کو جاری کرنا ہوں گی۔اور عمل صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہوگی۔

۳۔ تیسرا مرحلہ۔ سپہ گری کی تربیت بے شک تنظیمی تربیت ایک جاری و ساری معاملہ ہے اور اس کو قائم رکھا جائے گا۔لیکن ساتھ ہی سپہ گری کی تربیت بھی دینا ہوگی۔اور ہم مرحلہ کے طور پر اس کو اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ تنظیمی تربیت کے بعد ہی سپہ گری کی تربیت دی جا سکتی ہے۔ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے اور جہاد میں تب ہی شرکت ہو سکتی ہے، کہ انسان کو فن سپہ گری کی شد بد ہو۔اس لئے پوری قوم کو فن سپہ گری سیکھنا ہوگی۔یہ تربیت بھی

مسجدوں اور محلوں کے تحت ہوگی۔اور اس کی بھی کم از کم دو قسمیں ہوں گی۔ایک بنیادی سپہ گری جس میں ایک آدھ ہتھیار اور بچاؤ کے طریقے یا اپنے علاقے اور محدود قسم کے دفاعی مسئلے سکھلائے جائیں گے، یہ سب لوگوں کے لئے لازمی ہوگی۔اور عورتوں کی کافی تعداد کو اس میں شریک ہونا ہوگا۔اس سے بڑھ کر کچھ عسکری ضروریات کی سپہ گری ہوگی کہ قوم کے وہ افراد جو گھر کو چھوڑ سکتے ہوں ان کو اس عسکری تنظیم کا حصہ بھی بنانا ہوگا جس کا ذکر ہم چوتھے مرحلے میں کریں گے۔اس لئے ان لوگوں کو کچھ فالتو تربیت بھی دینا ہوگی کہ وہ اپنے گھروں سے دور ہو کر وہ قوم کی دوسری عسکری ضرورتوں کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ فن سپہ گری سے نابلد قومیں مٹ جاتی ہیں یا ذلت کا شکار ہو جاتی ہیں اور دین فطرت نے تو پہلے ہی دن سے پوری قوم کو جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ورنہ:۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے   ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات   (اقبالؒ)

۴۔چوتھا مرحلہ یا ضرورت۔قوم کی عسکری تنظیم   عام اور بنیادی سپہ گری سے بڑھ کر کچھ خاص قسم کی سپہ گری میں بھی عام سویلین کام کر سکتے ہیں اور سرکاری ملازمین جن کی تعداد بارہ لاکھ کے قریب ہے۔ان کو اس قسم کی سپہ گری کی تربیت دینے کی سفارش پہلے بھی کی جا چکی ہے۔یہ کام آج کل جانباز فوج کے ذریعہ سے محدود طریقوں پر کیا جا رہا ہے کہ ان کو کچھ ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔یعنی دشمن کے ہوائی جہازوں کے خلاف کارروائی کرنا۔یا ملک کے حفاظتی کاموں اور اندرونی دفاع میں حصہ لینا۔یعنی دشمن کی چھاتہ بردار یا فضائی فوج کے خلاف کارروائی کرنا۔ذرائع آمد و رفت اور اہم مقامات کی حفاظت وغیرہ۔جانباز افواج البتہ وزارت دفاع اور جنرل ہیڈ کوارٹر کے تحت مرکزی حکومت کا ایک حصہ ہیں۔لیکن یہ کام صوبائی حکومتوں کو کرنا چاہیئے۔اور اب ایسی سولین عسکری تنظیمیں بہت زیادہ ہو جائیں گی کہ ہر تھانہ میں کم از کم ایک یا دو بٹالین رضاکار عسکری فوج ہوگی۔بعض جگہ یہ نفری زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔تو ظاہر ہے کہ ہر تھانہ میں ایسی عسکری تنظیمیں رکھنا ہوں گی۔جو گاؤں گاؤں اور محلہ محلہ میں لوگوں کو دونوں قسم کی سپہ گری کی تربیت دیں اور خاص کر لوگوں کو عسکری تنظیموں میں جوڑ کر ایسی کئی بٹالین بنائیں جو اپنے علاقہ کا دفاع اور ضروریات بھی پوری کر سکیں اور کچھ بٹالینز دور دراز علاقوں یا محاذ جنگ پر جا کر وہاں کی عسکری تنظیموں یا پیشہ ور افواج کی مدد کر سکیں۔ان عسکری تنظیموں کی تربیت تو صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری میں ہونا چاہیئے کہ لوگوں کا زیادہ واسطہ صوبائی حکومت کے ساتھ ہوتا ہے۔لیکن ان فوجوں کا استعمال وزارت دفاع اور پیشہ ور افواج کے دفاعی فلسفہ کے تحت ضرورت کے مطابق اس طرح سے ہو، جس طرح آجکل ملکی دفاع میں جانباز فوج یا سکاؤٹس یا رینجرز وغیرہ کو ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔امید واثق ہے کہ یہ تنظیمیں پیشہ ور افواج سے کافی ذمہ داریاں لے لیں گے اور ملکی دفاع اور زیادہ مضبوط ہوگا۔اور اس طرح جب ملک کے چپہ چپہ میں مردان خدا اللہ کے راستہ پر لڑنے کو تیار ہوں گے تو یہ سماں ہوگا:۔

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر   جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز   (اقبالؒ)

۵۔پانچواں مرحلہ یا ضرورت۔پیشہ ور افواج اور سولین عسکری تنظیموں کا رابطہ   یہ سولین عسکری تنظیمیں ملک کے دفاع میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیں گی۔اور پیشہ ور فوج کے لئے سیکھے ہوئے جوان جلدی میسر ہو جائیں گے جن کو

صرف پیشہ ور فوج کی ترتیب میں باندھنا ہوگا۔ یعنی وہ بنیادی سپہ گری تو جانتے ہی ہوں گے اور خاص خاص پیشہ ور کاموں کی تربیت بھی جلد حاصل کر لیں گے۔ یہ عسکری تنظیمیں ویسے تو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہوں گی اور وزارت دفاع ان میں سے کچھ تنظیموں کو فضائی و بحری افواج کے ساتھ بھی منسلک کر دے گی۔ جانباز فوج کے استعمال کے سلسلہ میں کچھ STANDING ORDERS FOR WAR لکھے جا چکے ہیں۔ اول تو وہ مل جائیں گے۔ ورنہ اسی قسم کے اصولوں پر قوم کی عسکری تنظیموں کو لڑاکا یا بندوبستی ہیڈ کوارٹروں کے ساتھ ضرورت کے تحت اس طرح وابستہ کیا جائے گا کہ وہ ملکی دفاع میں بھرپور حصہ لے سکیں۔ بے شک یہ تفصیلی ہدایات ہونگی جس میں اول سوال نفری، تنظیم اور معیار کا ہوگا، اور پھر ضرورت کے مطابق پیشہ ور افواج کی متعدد ذمہ داریاں ان لوگوں کو دینا ہوں گی اور پیشہ ور فوج کو خاص اور مشکل دفاعی کاموں کی ذمہ داری دی جائے گی۔

۶۔ چھٹا مرحلہ۔ **پیشہ ور افواج کی تنظیم نو** تینوں پیشہ ور افواج کی تنظیم نو کرنا ہوگی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی تاریخ اور روایات کو دفن کرنا ہوگا۔ ہمارے رجمنٹل جھنڈوں پر قط العمارہ، سرنگا پٹم، دہلی، کابل اور قندھار کے نام و نشان ہیں۔ ان باتوں کو بھول جانا ہوگا۔ یہ فخر کی باتیں نہیں۔ یہ غلامی کے زمانے کی یادگاریں ہیں۔ ہمیں تو حضور پاکؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے کے کارناموں پر فخر کرنا سیکھنا ہوگا۔ بہرحال بری افواج کی تنظیم نو کے سلسلہ میں تو کچھ خاکہ یا اصول وضع کئے جا سکتے ہیں لیکن بحری اور فضائی فوج کے سلسلے میں ہماری سمجھ محدود ہے۔ یہ کام ہم ان کے ذہن پر چھوڑ دیں گے کہ وہ صاحبان بنیادی باتوں کو یاد رکھیں۔ البتہ بری فوج کی بنیاد، ان ہتھیاروں پر ہونا ہوگی جو ملک میں موجود ہیں اور حاصل ہو سکیں۔ وہ بھاری ہتھیار اور گولہ بارود جو ہمارے پاس باہر کے ملکوں سے آیا ہوا ہے یا آیا ہے اس کو انعام خداوندی ضرور سمجھا جائے کہ شاید اور بھی ملتا رہے گا۔ لیکن ایسے سامان کو استعمال کرنے میں سخت کفایت شعاری کی ضرورت ہوگی۔ اس کے علاوہ سولین عسکری تنظیموں سے ہمیں کافی پیدل فوج مل جائے گی۔ اس لئے موجودہ پیدل فوج میں سے کافی تعداد کو "کمانڈو" یا "شبخونی مجاہد" یا کفن پوش" مجاہدین میں تبدیل کرنا ہوگا۔ خاص کاموں کو جاننے والے سولین کو ڈرائیور، گاڑیاں ٹھیک کرنے کے کام اور وائرلیس کے کاموں میں پہلے سے ہی ریزرو بنا دیا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت فوج کے خاص محکموں یعنی رسالہ، توپخانہ سگنل یا ایم ٹی وغیرہ کے لئے بھی ریزرو لوگ موجود ہوں۔ اس طرح کچھ "رجمنٹیں" "وقتی" ہو سکتی ہیں۔ جن کا محدود سٹاف امن کے زمانے میں "قائم رہے گا۔ اور جنگ میں ریزرو کی مدد سے ان کی نفری پوری ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں امن کے زمانے میں بہت زیادہ افسروں کو تربیت دی جائے تاکہ جنگ میں جب افواج میں وسعت یا پھیلاؤ ہو تو افسر موجود ہوں کہ چند دن یا چند ماہ کی تربیت سے افسر نہیں بن سکتے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ افواج کو مکمل مذہبی تربیت دینا ہوگی کہ فی الحال یا پچھلے کئی سالوں سے یہ حالت رہی ہے:۔

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے — قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام — اقبالؒ

ساتواں مرحلہ یا ضرورت۔ **حکمت عملی اور تدبیرات میں تبدیلی** افواج کی تنظیم نو، سامان جنگ کا جائزہ، دفاعی ٹیکنالوجی کے معیار اور سولین عسکری تنظیموں کی پیشہ ور افواج سے رابطے کے بعد ہمیں اپنی حکمت عملی اور تدبیرات دونوں میں کافی تبدیلیاں لانی ہوں گی۔ ہماری افواج کو صرف لڑائی (Battle) لڑنے کی تربیت دی جاتی ہے اور ہم فائر بندی تک چند

دن لڑائی جاری رکھ سکتے ہیں ۔ ہماری آنے والی جنگیں بڑی بھیانک ہوں گی اور چند دن کی بات نہ ہوگی ۔ اس لئے ہمیں اپنی سرحدوں کے "دفاعی علاقے" ان ترجیحات پر بنانے ہوں گے کہ کہاں پر زیادہ پیشہ ور افواج کی ضرورت ہوگی ۔ اور کن مقامات پر تھوڑی پیشہ ور فوج اور سولین عسکری تنظیمیں دفاع کریں گی ۔ جارحانہ اقدام کی بھی کئی سطحیں یا مرحلے بنانا پڑیں گے ۔ محدود جارحانہ اقدام اور ان کو کون کہاں تک کرے گا ۔ بھرپور جارحانہ اقدام جو صرف پیشہ ور افواج ہی کر سکتی ہیں ۔ اور یہ کام تب ہوگا کہ فتح نزدیک آچکی ہے ۔ شروع شروع میں جارحانہ اور متحرک دفاع سے دشمن کو روکا جائے گا ۔ اور جوابی طور پر محدود جارحانہ اقدام کیئے جائیں گے ۔ جارحانہ اقدام کے طریق کار میں بھی تبدیلی لانا ہوگی کہ شروع کے مرحلوں میں شبخونی مجاہدوں کو دشمن کے اندر گھس جانے کی کاروائی ہوگی اور جو کامیابیاں وہ حاصل کریں گے ان کے ثمرات حاصل کرنے کے لئے پورے "دفاعی ادارے" کو آگے رینگنا ہوگا ۔ (i.e the defence Posture will have toroll forward) بہرحال اس سلسلہ میں تفصیلی باتیں اس مسودے میں نہیں لکھی جاسکتیں کہ فائرپاور یا متحرک طاقتوں کو کس طرح شیر وشکر کرکے ایک رولر کی طرح آگے رینگنا ہوگا ۔ اسی طرح تدبیرات میں بہت تبدیلیاں لانا ہوں گی اور اتنے زیادہ چھوٹے چھوٹے دستوں کو دشمن کے اندر گھس کر کاروائی کرنا ہوگی جس کا بیان وسیع تر ہے ۔ اصول یہ ہوگا کہ ان میں زیادہ تر "کفن پوش" ہوں گے ۔ (یعنی ذہنی طور پر) اور دور دور کے علاقوں میں چھوٹے دستے یہ کام کریں گے اور اپنی نزدیک والی فوجوں سے رابطہ کے بغیر کام کریں گے ۔ لیکن نزدیکی دشمن کے لئے بڑے دستوں کو ایسا کام اپنے نزدیک والے دفاعی دستوں کے ساتھ رابطہ باندھ کر ایسا کرنا ہوگا تاکہ اپنے دفاعی دستے آگے "رینگ سکیں" ۔ ظاہر ہے کہ بکتر بند گاڑیوں، توپخانہ اور ہوائی جہازوں کا استعمال کم سے کم ہوگا ۔ اور شروع شروع میں وہ صرف محدود جوابی کاروائیوں میں کام کریں گے ۔ بہرحال یہ اشارے ہیں اور حضور پاکؐ ان کے رفقاء کی جنگوں کے مطالعہ سے اس عاجز پر یہ طریق کار "وارد" ہوئے ہیں جن کے "عملی" ہونے کی بات زیر بحث آسکتی ہے کہ یہ حرف آخر نہیں اور ان کی تفصیل بعد میں دی جائے گی ۔ لیکن اول ضرورت فلسفہ حیات پر عمل کی ہے ۔ جب تک ہم خود اپنے علاقہ میں اسلامی فلسفہ حیات کو نہیں اپناتے تو آگے فتح کیئے ہوئے علاقے کے لوگوں کو دینے کے لئے ہمارے پاس کون سی چیز ہے؟ ۔ مغربی جمہوریت اور آزادی! (نعوذ باللہ) یہ تو پہلے ہی ان لوگوں کے پاس موجود ہے ۔ مسلمان تو ملک فتح نہیں کرتے ۔ وہ تو لوگوں کے دل فتح کرتے ہیں اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ وہ خود مسلمان ہوں اور وہاں سے باطل کو مٹانا ہوگا ۔

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو　　　خوف باطل کیا، کہ ہے غارت گر باطل بھی تو　　　اقبالؒ

خلاصہ　یہ نظام جہاد کی چیدہ چیدہ باتیں ہیں ۔ اعلان کرنے سے یا فتوی دینے سے جہاد کی ضرورتیں اور تقاضے پورے نہیں ہوتے ۔ یہ ایک طرز زندگی ہے اور اس کو ربط وضبط سے جاری وساری کرنا ہوگا ۔ یہ ایک کٹھن کام ہے سہاں مادیت سے مکمل طور پر توبہ کرنا ہوگی اور پچھلے چھیالیس سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر اپنے آپ کو ملامت کرنا ہوگی اور دین شاہبازی اختیار کرنا ہوگا ۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے　　　سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگہ بدلا　　　کہ میں نے فاش کرڈالا طریقہ شاہبازی کا　　　اقبالؒ

چھبیسواں باب

اختتامی وضاحت

اسلام کا نظام حکومت اور حاکم وقت و لوگوں کی ذمہ داریاں

اس سلسلہ میں ایک الگ کتاب لکھ دی گئی ہے۔

خلاصوں کا خلاصہ اے رب العالمین! تیرا لاکھ لاکھ شکر کہ تو نے اس عاجز کو توفیق دی کہ تیرے حبیبؐ کی شان پر یہ کچھ لکھ سکا اور اس عاجز کی کوشش کو منظور فرما۔

۲۔ کتاب کی تمہید اسلامی فلسفۂ حیات کے عملی پہلو سے باندھی گئی کہ یہ دنیا کیا ہے؟، ہم کہاں سے آئے؟، کہاں جا رہے ہیں؟ اور زندگی کا مقصود کیا ہے۔ ساتھ ہی صراط مستقیم، رہبری، گمراہی اور باطل فلسفوں کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

۳۔ اس کے بعد تاریخ اور جغرافیہ کے کچھ تانے بانے ملا کر حضور پاکؐ کی اس دنیا میں آمد، امت واحدہ کے تصور، اور مومن کے مقصد حیات کو عملی طور پر حضور پاکؐ کی سنت اور تبلیغ سے واضح کیا۔ ہاں البتہ اس عاجز نے سنت کو عملی طور پر لکھا۔

۴۔ یعنی آپؐ نے ہمارے لئے کیا مثالیں قائم کیں، اور آپؐ کے رفقاء نے آپؐ کے حکم کے تحت ان احکام پر کیسے عمل کیا اور یہ ثابت کیا کہ آپؐ کی سنت قرآنی احکام کے تابع تھی۔ اور آپؐ کے رفقاءؓ کے عمل قرآن پاک اور سنت کے تابع تھے۔ جو ایسا نہیں وہ آپؐ کے عظیم رفقاءؓ کا عمل نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے خواہ مخواہ ایسی باتیں ان کو منسوب کر دیں۔

۵۔ یہ سب کچھ بیان کرتے وقت ہر باب کے آخر میں اس باب کے نتائج، اسباق یا خلاصہ دیا گیا، جن کو یہاں دہرانا مناسب نہیں۔ پس یہ باب ان خلاصوں کا خلاصہ ہے۔

مقصد اس عاجز کے سامنے یہ کتاب لکھنے میں کئی مقاصد تھے، جن کا ذکر پیش لفظ میں بھی کر دیا تھا اور جگہ بجگہ وضاحتوں اور تبصروں کے تحت یہ مقاصد عملی طور پر بیان کر دیئے۔

۲۔ اور اس عاجز سے یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ یا تاریخوں کی اتنی کتابوں کے ہوتے ہوئے تو اس میدان میں کہاں نکل کھڑا ہوا۔ کہ ان میں سے اکثر علماء کے پاؤں کی خاک بھی تجھ سے بہتر ہے۔ تو اس عاجز کے جوابات کچھ یہ ہیں :-

ا۔ سعادت کے لئے ب۔ جیسا کہ میں اسلام کو سمجھا۔

ج۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے سے اسلام پر پردے پڑنے شروع ہو گئے۔ دو سو سالوں کی غلامی نے حالات کو اور خراب کر دیا اور اس عاجز نے کچھ پردے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ د۔ باطل فلسفہ والے اور اسلام کے دشمنوں نے غلط نظریوں کو اسلام کا حصہ بنانے کی سازش کی ہے۔ اس عاجز نے ایسی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔

ر۔ہمارے کئی دانشور بھولے پن یا کم علمی کی وجہ سے غیروں کی سازش کو نہ سمجھ سکے۔

س۔تھوڑے علم کے بعد عاجزی ختم ہو گئی اور کئی دانشور "حجاب اکبر" کے چکر میں آ گئے۔

ش۔اسلام کی تاریخ خاص کر عسکری تاریخ پر تحقیق نہیں کی گئی۔نہ تفرقوں کی تحقیق ہوئی کہ ہماری یہ حالت کیوں ہے۔تو یہ عاجز یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے سب تحقیق کر ڈالی ہے۔لیکن یہ اور میری باقی کتابیں تحقیق کے بسم اللہ کے زمرے میں ضرور آتی ہیں۔ان تحقیقات کے دوران مجھ پر ایک عجیب وغریب راز فاش ہوا۔کہ اسلام پر کچھ پردے تو سازشوں کیوجہ سے پڑے۔لیکن ایک المیہ اپنے آپ ظہور پذیر ہو گیا۔کہ محدثین ہمارے سر کے تاج بن گئے اور وہ سب ہمارے امام ہیں۔لیکن مورخین یا مغازی لکھنے والے پس منظر میں چلے گئے۔حالانکہ ان لوگوں نے عملی اسلام لکھا تھا۔کہ اسلام کے پہلے سو سالوں میں جو چالیس کتابیں لکھی گئیں ان کا نام ہی مغازی تھا۔ایسا کیوں ہوا؟۔تاریخ اور مغازی بڑے وسیع علوم ہیں۔ان کو سیکھنے کیلئے ایک زمانہ درکار ہے۔اور یہ ہر ایک آدمی کے بس کی کی بات نہیں۔لیکن ہماری مسجدوں کے امام یا چھوٹے درسوں والے چند ایک معاشرتی ضرورت کی احادیث یا حدود یا حلال وحرام کے مسائل پڑھ کر اسلام کے عالم بن گئے۔اور انہوں نے اپنے آپ کو حضور پاکؐ کے جانشین کہنا شروع کر دیا۔اب یہ لوگ زیادہ تر محدثین کی کتابیں پڑھتے تھے۔تو ان لوگوں نے تمام محدثین کی شخصیتوں کو بھی بہت بلند کر دیا۔مورخین کی اول تو تعداد کم تھی، لیکن ادھر کسی نے توجہ نہ کی۔اب ایک موازنہ کر لیں۔امام مالکؒ اور ابن اسحق دونوں امام زہریؒ کے شاگرد تھے۔امام مالک نے ایک ہزار سے بھی کم احادیث اکٹھی کیں۔اور ابن اسحق نے حضور پاکؐ کی سیرت پر یا جنگوں پر اتنی بڑی کتاب لکھ دی۔جس کے حوالے آپ اس عاجز کی کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔اور میرے حساب سے ابن۔اسحق نے عملی اسلام لکھا۔لیکن ابن اسحق کو کوئی جانتا بھی نہیں۔امام مالکؒ جنہوں نے کوئی فقہ نہ لکھا وہ ایک فقہی گروہ کے بھی امام ہیں۔اور ان کے شاگرد امام شعفیؒ نے بھی تھوڑا سا فقہ لکھا۔اور وہ بھی ایک فقہی گروہ کے امام بن گئے۔ان کے شاگرد امام۔جنبلؒ ایک تیسرے فقہی گروہ کے امام بن گئے۔اب سوچنے والی بات تو یہ تھی کہ امام مالکؒ کا کام اتنا ادھورا یا نامکمل تھا کہ ان کے شاگردوں میں سے دو اور فقہی گروہوں کی ضرورت پڑ گئی۔لیکن برا ہو خطابت کا ہر امام کے پیروکار نے زیادہ وقت اپنے امام کی شخصیت کو بڑا کرنے پر لگایا۔اور ان اماموں کا نام استعمال کیا۔حالانکہ ان اماموں نے خود نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ امت کو کوئی الگ فقہ دے رہے ہیں، یا کسی گروہ کے بانی ہیں۔اس عاجز نے باقی محدثین یعنی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی احادیث مبارکہ پر کھل کر بحث کی ہے۔اور ان کی بیان شدہ جو احادیث مبارکہ قرآن پاک کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں ان کا ذکر بھی کر دیا۔اور میں نے مورخین کو محدثین پر عملی بیانات دے کر ترجیح دی ہے کہ انہوں نے عملی اسلام لکھا ہے۔اور ہمیں عملی اسلام تلاش کرنا ہوگا۔اور احادیث مبارکہ کی تمام کتابوں سے عطر نچوڑنا ہوگا۔تو تب ہم ایک اللہ۔ایک قرآن۔ایک رسولؐ اور ایک امت یا ایک اسلام والی بات سمجھ سکیں گے۔اور اس عاجز نے سیاسی یا فقہی گروہ بندی کو غیر اسلامی عمل ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اسلام میں کسی تفرقے والی گروہ بندی کی اجازت نہیں دیتا۔اور مختلف القول اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے خراھوں کو

قتل کا حکم دیا ہے ۔ اسلام میں اختلافات مسجدوں میں بیٹھ کر طے کیے جاتے ہیں ۔ اور ان کو بازاروں میں نہیں اچھالا جاتا اور سیاست تو لفظ ہی غیر اسلامی ہے ۔ تو اس عاجز نے رسول عربی کا اسلام تلاش کرنے کی ایک کوشش کی ہے ۔

ماحصل اگلا سوال یہ پوچھا جا سکتا ہے، کہ کیا مصنف کو اپنی کوششوں میں کچھ کامیابی ہوئی ہے ؟ تو یہ کوشش آپ لوگوں کے سامنے ہے ۔ اور یہ بڑا مشکل کام ہے اور اس سلسلہ میں یہ عاجز کئی باتوں کے بیانات کے صرف خاکے چھوڑ کر کے ماہرین کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر ان مدوں میں قوم کی رہنمائی کریں جن پر صرف ماہرین ہی رائے دے سکتے ہیں ۔ اس عاجز نے :-

ا ۔ ماضی کو حال کی زبان میں بیان کر کے اپنی ساری تحقیق میں قوم کو اپنے مستقبل کی نشان راہ تلاش کرنے کی دعوت دی ہے ۔

ب ۔ یہ ثابت کیا ہے کہ ہم دنیا میں عزت تب حاصل کر سکتے ہیں کہ پہلے اپنے آپ کو اسلامی فلسفہ حیات کے تحت منظم کریں ۔ اس لئے کتاب کا پہلا باب اسلامی فلسفہ حیات اور چھبیواں باب اسلامی فلسفہ دفاع پر ہے یہ اس تحقیق کی روح ہیں ۔

ج ۔ ایسا کرنے کے لئے نظام حکومت کیا ہو ؟، حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ ۔ پوری کتاب کا مضمون ہے ۔ جس کے لئے اس عاجز کی تحقیق جاری ہے ۔ لیکن اس کا ایک خاکہ بن گیا ہے جس کو مختصر طور پر اس باب میں بیان کیا جا رہا ہے ۔ جہاں اسلامی نظام حکومت کا ڈھانچہ نقشے کے طور پر اور اس کی مختصر وضاحت لفظوں میں دی جا رہی ہے ۔

اپنا تبصرہ امید واثق ہے کہ قارئین اس عاجز کو اس کے اپنے کام پر کچھ تبصرہ کرنے کی اجازت بھی دیں گے اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل گزارشات ہیں :-

ا ۔ جو کچھ لکھا وہ حرف آخر ہر گز نہیں ۔ جو صاحب میری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں اجر دے گا ۔

ب ۔ کتاب کے مواخذات پر پیش لفظ میں بہت کچھ لکھ دیا تھا ۔ اس عاجز نے جو کچھ لکھا ساتھ حوالہ دے دیا ۔ لیکن اگر جگہ بجگہ حوالے دیتا تو کتاب کی ضخامت دوگنا بڑھ جاتی ۔

ج ۔ بہر حال جہاں کہیں کسی اختلاف کی وجہ سے میں نے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دی یا کسی روایت کو مشکیہ قرار دیا تو ساتھ اپنے وجوہات اور جائزہ کو بھی پیش کر دیا ۔ اور یہ بھی ہر گز ہر گز حرف آخر نہیں ۔ یہ عاجز غلطی کر سکتا ہے ۔ اور جو صاحب مجھے میری ایسی غلطی سے آگاہ کرے گا اس کے لئے دعا کروں گا ۔

د ۔ تمام جائزے اس عاجز کے اپنے ہیں ۔ جہاں کسی اور صاحب کی رائے سے اثر لیا تو وہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ۔ علامہ اقبالؒ کے شعروں کا استعمال اپنے جائزوں کو تقویت دینے کے لئے کیا ۔ اور کئی شعر ایک سے زیادہ دفعہ بھی استعمال ہوئے ۔

ر ۔ تمام اسباق، نتائج، مفروضے، نتائج کے اثرات اس عاجز نے واقعات سے خود نکالے ہیں ۔ ان میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور دو آرا بھی ہو سکتی ہیں ۔

س ۔ جتنا مواد قارئین کو اس کتاب کے تھوڑے صفحوں میں ملے گا اتنا شاید کسی اور کتاب کے زیادہ مضامین میں نہ مل سکے ۔ ایسا دعویٰ ٹھیک تو نہیں لیکن ایک تحقیق کے مطابق "نقوش کے رسول نمبر" کی دس جلدوں کے تقریباً آٹھ ہزار صفحات کے مواد کا تقریباً ستر فی صد اس کتاب کے پانچ ۔ چھ سو کے قریب صفحات میں مل جائے گا ۔ کہ نقوش کے مضامین بھانت بھانت کی بولیاں ہیں ۔ قارئین کس صاحب کے مضمون کو صحیح سمجھیں ۔ اور یہ مشکل مسئلہ ہے کہ تضاد، دہرائی اور تاریخی غلطیوں کا شمار نہیں ۔ علاوہ ازیں جو کچھ مولانا شبلیؒ اور سید سلمان ندوی نے آٹھ کتابوں میں لکھا ۔ ان سب باتوں کو اس کتاب میں بامقصد مطالعہ کر کے اکٹھا کر دیا ۔ فلسفہ حیات، قصص الانبیاء، فلسفہ دفاع اور تحقیقات وغیرہ اس کے علاوہ ہیں ۔

ش ۔ میرے سامنے ایک مقصد تھا کہ قوم میں وحدت فکر و وحدت عمل پیدا ہو ۔ اس لئے انشاءاللہ کسی جگہ نظریہ یا فلسفہ، یا اصولوں، یا جائزوں یا تبصروں میں تضاد نہ ملے گا ۔ سب بیانات کو پہلے باب میں بیان شدہ فلسفہ حیات کے تابع کر دیا ہے ۔

ص ۔ حضور پاکؐ کی شان کے بیانات کے سلسلہ میں اور آپؐ کے رفقاؓ کی شان کے بیان میں ایک دفعہ پھر عاجزی کروں گا کہ حق ادا نہ ہو سکا ۔

ض ۔ غیروں کے مادی فلسفوں، نظریات، مقصود حیات سب چیزوں کا اسلامی نظریات کے ساتھ موازنہ کر کے، دین فطرت کو ان سے بہت بلند "منطق الطیر" والا فلسفہ ثابت کیا: ایسا موازنہ قارئین کو کسی اور کتاب میں نہ ملے گا ۔

"سارا جگ سوہنا ۔ بھلا ماہی نالوں تلے تلے" وغیرہ

نظام حکومت یہ عاجز جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ صرف حکومت ہی ساری قوم کو منظم کر کے زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر سکتی ہے ۔ تاکہ مومن کا مقصود حیات اس کو حاصل ہو سکے ۔ اس لئے اسلامی نظام حکومت کا ایک ڈھانچہ یا اجمالی خاکہ ایک چارٹ کی شکل میں اس باب میں دیا جا رہا ہے ۔ جس کی ہر مد کی وضاحت کے لئے کئی مضامین لکھنے کی ضرورت ہے ۔ اور پوری وضاحت ایک کتاب میں مشکل ہے ۔ بہر حال اس کی کچھ وضاحتیں بہت ہی اختصار کے ساتھ آگے بیان کی جا رہی ہیں: ۔

اسلامی فلسفہ حیات حکومت اور زندگی کے تمام شعبوں کو اس فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہو گا ۔ اور پہلے باب میں یہ فلسفہ لکھ دیا گیا ہے ۔ اس لئے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ دوسرے باب میں صراط مستقیم کی نشاندہی بھی ہو گئی ہے ۔ اس نظریہ حیات کے آگے تین فلسفے دکھائے گئے ہیں ۔ اخلاقی فلسفہ یا معاشرتی فلسفہ فقہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے ۔ اور فرقہ بندی سے ہٹ کر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت پہلے اس کو چند الفاظ میں بیان کرنا ہو گا ۔ پھر حکومت کے عدلیہ کو جیسا کے چارٹ میں بتایا گیا ہے، اس فقہ کے ماتحت کر کے قوم یا اللہ کی فوج کو انصاف مہیا کرنا ہو گا ۔ دوسرا فلسفہ انہی اصولوں کے تحت تمام مادی ذرائع کے لئے بنانا ہو گا اور حکومت کو اس پر عمل کرنا ہو گا ۔ یہ کافی محنت طلب کام ہے اور ماہرین کو اس پر کام کرنا ہو گا ۔

اسلامی نظامِ حکومت کا ڈھانچہ یا اجمالی خاکہ
اسلامی فلسفۂ حیات
یا
نظریۂ حیات
سیاسی فلسفہ
یعنی نظریہ جہاد یا نظام مصطفےٰ
اخلاقی فلسفہ یا فقر
مادی ذرائع کے لیے فلسفہ
سیاسی ڈھانچہ
مرکزی حکومت
اولی الامر
مجلس شوریٰ
عدلیہ
مادی ذرائع
اندرونی معاملات
ذرائع ابلاغ
تعلیم
اسلامی فلسفہ دفاع
قومی معاملات
جہاد بالسیف
اللہ کی فوج
انصاف
صوبائی حکومتیں
ضلع
تحصیل
تھانہ
یونین کونسل
گاؤں یا محلہ
مسجد
پیشہ ور افواج
فوج کا سازوسامان
متفرق
فلاحی ادارے
کارخانے
معدنیات
زراعت
تجارت
مالیات وغیرہ
نوٹ:- خارجہ پالیسی اس کی ہوتی ہے جس کا گھر ٹھیک ہو

تیسرا سیاسی فلسفہ ہے جس کو ہم نے نظریہ جہاد یا نظام مصطفیٰ وغیرہ کے نام بھی دیئے ہیں ۔یہی چیز اہم ہے اور بنیادی چیز ہے ہم پہلے اس کی کچھ وضاحت کریں گے اور پھر نظام حکومت کی وضاحت آگے آئے گی ۔

سیاسی فلسفہ ہر قوم یا ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام زندگی کے شعبوں کو اپنے سیاسی فلسفہ کے تابع کریں ۔ موجودہ سیاسی سائنس (Political Science) کے مضمون میں جو سیاسی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں ان میں کمیونزم، سوشلزم، امپیریلزم اور نازی ازم وغیرہ کئی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں ۔ان مغربی دانشوروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام ازخود ایک سیاسی فلسفہ ہے، کہ یہ خالی مذہب نہیں بلکہ دین ہے ۔مذاہب میں سے صرف ہندوازم کچھ معاشرتی ضروریات پوری کرتا ہے اور شاید اُس زمانے کے لئے وہ طریقہ موزوں تھا، کہ مختلف عقائد کے لوگوں کو اجتماعی طور پر گروہوں میں بانٹ کر منوسمرتی نے ایک طرز زندگی کی نشاندہی کی اور ہندوؤں کی کتاب گیتا میں اس کی تفصیل موجود ہے ۔ لیکن یہ باتیں آج کل کے زمانے کے لئے موزوں نہیں اور آئے دن ہندو اپنی طرز زندگی میں تبدیلی لا رہے ہیں ۔اسلام البتہ نہ قدیم ہے اور نہ جدید ۔یہ عقائد کی وحدت یعنی ایک اللہ اور ایک رسولؐ پر ایمان کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ دلوں کو جوڑدینے کا حکم دیتا ہے ۔ پھر اس دنیا میں اپنے عقیدے اور غیرت کی حفاظت کے لئے اجتماعی طریق کار وضع کرتا ہے ۔(خذوا حذرکم) یعنی اپنی حفاظت آپ کرو ۔اور آگے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت حدود یا حلال وحرام کا تعین کرتا ہے ۔ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا ایک قید خانہ ہے اور ہم یہاں امتحان کے لئے آئے ہیں ۔ یہ امتحان جلدی جلدی پاس کر کے جب موت کا دروازہ کھل جائے، تو وہاں اس طرح داخل ہوں کہ ہم مومن یعنی ایمان والے ہوں تاکہ ہماری طاقتیں ستر گنا بڑھ جائیں اور آگے جنت نظر آرہی ہو ۔چنانچہ اس سلسلہ میں ضروری بات یہ ہے کہ چند لفظوں میں مومن کے مقصد حیات کی وضاحت ہو جائے تاکہ آگے ہم ساتھ ساتھ چلیں ۔

مومن کا مقصد حیات ازروئے قرآن مومن اللہ تعالیٰ کی فوج کا ایک سپاہی ہے اور یہ سپاہی کوئی برائے نام سپاہی نہیں بلکہ کسی فوج کے ایک بہترین سپاہی سے بھی افضل تر سپاہی ہے ۔"سمعنا و اطعنا" یعنی ہم نے سنا اور ہم نے مانا اس کا طرہ امتیاز ہے اور وہ اپنی فوج (یعنی امت) کے احکامات بلاچون وچرا مانتا ہے ۔وہ صحیح معنوں میں قلب سلیم رکھتا ہے اور مقام تسلیم پر ہمیشہ کھڑا رہتا ہے ۔وہ اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے تاکہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے ۔ مومن چونکہ دنیا میں قتال فی سبیل اللہ کے لئے آیا ہے اور جنگ میں ثابت قدمی ہی اس کا امتحان ہے، لہذا اس امتحان کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتا ہے ۔ارشاد خداوندی ہے: ۔"تحقیق اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے بدلے اس کے کہ واسطے ان کے ہے جنت جنگ کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے ۔پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں" ۔اب جو سیاسی نظام ہمیں جہاد میں شرکت کی بجائے آپس میں تفرقہ کی باتیں سکھلاتا ہے وہ غیر اسلامی ہے کیونکہ تبوک کی مہم کے بعد ۹ ہجری میں سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۲ نازل ہوئی وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتی ہے ۔الفاظ یہ ہیں: "پس کیوں نہ نکلے (جہاد کے لئے) ہر فرقے سے ان میں ایک جماعت تو کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں تو کہ ڈرادیں اپنی قوم کو جب پھر جاویں طرف ان کی، شاید کہ وہ بچیں" ۔اس آیت میں فن جہاد یا

نظام جہاد کے لئے "تفقہ فی الدین" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی اصلی فقہ یا دین کی سوجھ بوجھ نظام جہاد کی سمجھ ہے اور اسی وجہ سے ہم فقوں کے تفرقوں کو ختم کرنے کے لئے "فقہ عسکریت" کی اصطلاح کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور جناب سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی میں صبر، استقامت، ایثار، ہمت پر جو کئی ابواب لکھے ہیں وہ بھی دراصل نظریہ جہاد یا جہاد کی تیاری کی بنیادی باتیں ہیں اور جناب ندویؒ غلامی کی وجہ سے جہاد کا کھل کر پرچار نہ کر سکے۔ ایسے فلسفے کو اپنانے کے لئے حکومت، اولی الامر، سول انتظامیہ، مجلس شوریٰ یا کسی مجلس اعلیٰ کی الگ الگ ذمہ داریاں متعین کرنا ہوں گی۔ لیکن اس کتاب میں ان کی تفصیل میں جانا ناممکن ہے اور ہم زندگی کے چند اور شعبوں کا سرسری ذکر کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے وحدت فکر و وحدت عمل پر بھی کچھ کہنے کی اجازت ہو۔

وحدت فکر و وحدت عمل ہم نے تیسرے باب میں واضح کر دیا ہے کہ غیروں کا تمام تر فلسفہ آزادی فکر اور آزادی عمل سے شروع ہوتا ہے اور ہمارا فلسفہ وحدت فکر وحدت عمل ہے، لیکن افسوس کہ ہمارے اکثر علمائے دین اس پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ   وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام   اقبالؒ

یہ کتاب لکھنے میں یہی ایک بڑا مقصد تھا کہ ہم اپنی فکری وحدت کو ایک کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔ قرون اولیٰ میں ایک عیسائی دانشور سپین کے مسلمانوں کی فکری وحدت سے بہت متاثر ہوا اور اسلامی دنیا کے سفر میں قیرواں، فسطاط سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچا اور جو سوال کرتا تھا اس کے ایک جیسے جواب پاتا تھا، تو خانہ کعبہ میں آکر مسلمان ہو گیا۔ لیکن افسوس ہماری حالت یہ ہے، کسی ایک دن کی اخبار اٹھا کر دیکھ لیں وہاں پر بھانت بھانت کی بولیاں ہوں گی اور کئی لوگ ہمارے نظریہ حیات کو بھی پاش پاش کر رہے ہوں گے۔ ہر مسجد سے الگ الگ آواز آ رہی ہے اور تفرقہ ہمارا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ ذاریت میں ایسی بھانت بھانت بولیاں بولنے والوں اور خراصوں کے قتل کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ اس عاجز نے اس کتاب میں عملی اسلام لکھا، کہ انشاء اللہ خیالات یا بیانات میں تضاد نہ ہو گا۔ اور جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں اس سلسلہ کا یہ پہلا باب ہے جس میں حاکم وقت اور لوگوں کو بھاری ذمہ داریاں یاد دلائی جا رہی ہیں کہ وہ تفرقہ والی باتوں کو چھوڑ کر عملی اسلام پر "فقہ وحدت یا "فقہ عسکریت" کے تحت متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سپاہی (حزب اللہ) بن جائیں۔ ایسا کرنے کے لئے ہمیں اپنے تمام تر زندگی کے شعبوں کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہو گا۔ اور اس سلسلہ میں ہمیں اپنی پرانی تاریخ پر ایک نظر ڈالنا ہو گی کہ وہاں ہمارے لئے کیا مثالیں موجود ہیں۔

تاریخی پہلو اس کتاب میں ہم نے حضور پاکؐ کی جو سنت لکھی ہے اس میں جو کچھ ہوا، وہ کسی نظام حکومت کے تحت ہوا۔ اور آگے حاکم وقت یا لوگوں کی کاروائیوں کے کیا اثرات ہوئے۔ موٹے طور پر پہلے دو خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے آٹھ سالوں میں ہر طرح سے اور ہر پہلو میں کامیابی نصیب ہوئی۔ حاکم وقت جو "اولی الامر" تھے

انہوں نے حکومت صحیح اسلامی اصولوں کے تحت کی۔ لوگوں نے ہر طرح سے ان کے ساتھ تعاون کیا، تو وہ اسلام کا سنہری دور قرار پایا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دو سالوں میں حاکم وقت نے تو اسی طرح اپنی ذمہ داری نبھائی، لیکن لوگوں نے آزادی فکر اور آزادی عمل اختیار کر کے فتنہ فساد برپا کر دیا، تو تمام فتوحات رک گئیں اور اسلام کے مرکز پر بھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ سے سخت چوٹ پڑی۔ حضرت علیؓ نے مجبوری کے تحت خلافت سنبھالی، کہ مرکز کو سہارا دینا ضروری ہو گیا تھا لیکن فتنہ و فساد والوں کی سازش گہری تھی، حب دنیا بھی آگئی، خود غرضی اور مطلب پرستی کا دور دورہ ہو گیا، تو اندرونی خلفشار اور خانہ جنگی شروع ہو گئی اور قوم میں کئی "افلاطون" پیدا ہو گئے۔ نتیجہ خارجیوں کی گروہ بندی اور حضرت علیؓ کی شہادت کی صورت میں نکلا۔ لیکن جناب امام حسنؓ نے جب دنیا کو لات ماری اور خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تو قوم میں پھر وحدت شروع ہو گئی اور مرکزیت بھی مل گئی۔ آئندہ بیس سال اسلام کی تاریخ کا شاندار دور تھا کہ ہم وسط ایشیا سے لے کر بحر اوقیانوس تک پہنچ گئے۔ قسطنطنیہ کے دروازے کھٹکھٹائے، بحیرہ روم کو اپنی جھیل بنا لیا اور سسلی و کریٹ پر بھی حملہ آور ہوتے رہے۔ لیکن پھر ایک فاسق و فاجر آگیا جو ہماری تاریخ میں یزید کے نام سے موسوم ہے۔ پھر وہی حب دنیا، عیاشی، بے فکری اور باطل فلسفوں کی پیروی شروع ہو گئی۔ لیکن نواسہ رسولؐ نے حق کے راستے کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے سارے کنبے اور رفقاء کی قربانی دے دی جو قرآن پاک کے الفاظ میں ذبح عظیم کے طور پر بیان ہے اور حق کے راستے یعنی صراط مستقیم کی نشاندہی بھی ہے۔ ہماری تاریخ ہر قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اور بڑے بڑے اولی الامر پیدا ہوئے جنہوں نے غیرت کی زندگی گزارنے کے سلسلہ میں ہماری راہنمائی کی اور ایسا نظام حکومت جاری و ساری کیا جس کو بلاشبہ ہم نظام جہاد یا نظام مصطفیٰ کہہ سکتے ہیں۔

نشان راہ تاریخ کے اس بامقصد مطالعہ کے بعد جہاں پر ہم نے صرف عمل لکھا اور عمل تلاش کیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ چودہ سو سال میں جو پہلی دفعہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام پر ایک ملک قائم ہوا ہے تو اس کے لئے کوئی ایسا نظام حکومت تلاش کیا جائے جہاں حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داری کی نشاندہی بھی کر دی جائے، مضمون بہت مشکل ہے اور پوری کتاب کا مضمون ہے۔ اور ہم صرف جھلکیاں دے رہے ہیں۔ اور ہماری موجودہ حالت دراصل باطل فلسفے کے اصول اور تلمیحات کو اپنا لینے کی وجہ سے ہے کہ پچھلے دو سو سالوں کی غلامی اور کچھ پہلی غلطیوں کی وجہ سے ہم ان باطل چیزوں کو اسلامی اصول سمجھنے لگ گئے ہیں حضرت عمرؓ ہمیں تنبیہ کر گئے تھے کہ "خبردار جو باطل کو نہیں سمجھتا وہ اسلام کو پاش پاش کر دے گا"۔ اور تب ہی اس عاجز نے تیسرے باب میں باطل فلسفہ اور گمراہی کو ایک باب میں الگ طور پر بیان کر دیا۔ تو ان تمام وضاحتوں اور مطالعوں کے بعد ہم اپنے نظام حکومت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

نظام حکومت کی وضاحت اسلام دین فطرت ہے۔ قرآن پاک عملی طور پر فوجی زبان میں ہے کہ زیادہ زور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے۔ سنت رسولؐ میں بے شمار عملی مثالیں موجود ہیں اور اس عاجز کی خلفاء راشدین کی کتابوں میں حضور پاکؐ کے عظیم رفقاؓ کے عمل ہیں۔ یعنی ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے لیکن ان باتوں کا خلاصہ کہیں سے نہیں مل رہا کہ

نظام حکومت کو چند لفظوں میں کسی عالم یا بزرگ کے الفاظ میں بیان کریں ۔ گیارہوں اور بارہویں صدی عیسوی میں امام غزالیؒ نے حاکم وقت کی ذمہ داریوں پر بہت کچھ لکھا اور پندرھویں صدی میں ابن خلدون نے اسلام کے سیاسی فلسفہ کی کچھ نشاندہی کی ۔ لیکن یہ چیزیں بھی اب "قدیم" کے زمرے میں آتی ہیں ۔ پرانے فقہوں کے بارے میں پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ ہمارے علماء نے بڑے کام کئے لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کہیں سے فقہ وحدت یا "فقہ عسکریت" تلاش کریں کہ پہلے ہم پاکستان میں پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا دیں اور پھر ساری امت کو ایک کر دیں ۔ اس سلسلہ میں انیسویں صدی میں ہمارے دانشوروں میں جمال الدین افغانیؒ کے خیالات سے مدد مل سکتی ہے اور اس صدی میں علامہ اقبالؒ اور سید قطب شہیدؒ کی کتابوں سے یا ابوالحسن ندوی کی چند کتابوں سے یہ مدد مل سکتی ہے کہ مغربی خیالات نے ہمیں کیا کیا نقصان پہنچائے ہیں ۔ چنانچہ اس عاجز کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اسلامی نظام حکومت کے لئے تمام تر مغربی طریقوں یعنی پارلیمانی نظام ، صدارتی نظام وغیرہ کی اصطلاحوں کو ختم کر کے نظام مصطفیٰ کے لفظ کو استعمال کرنا ہوگا جو ہمارا ۱۹۷۷ء کا نعرہ تھا ۔

نظام مصطفیٰ ۔ بے شک نظام مصطفیٰ کی تمام باتوں پر یہاں تبصرہ کرنا مشکل ہے کہ ایسا کام کرنے کیلئے ایک "اولی الامر" کی ضرورت ہے جو قرآن پاک کے مطابق اطیعو اللہ و اطیعو الرسول ہو اور مجلس مشاورت کی مدد کے ساتھ ایسے ہی شخص نے اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرنا ہوگا ۔ یہ شخص کہاں سے آئے گا ؟ اس کا جواب مشکل نہیں ۔ جو سربراہ مملکت موجود ہو اسی کو امیر پاکستان اور "اولی الامر" بننے کی دعوت دی جائے گی اور اگر وہ یہ نہ مانے یا "اطیعو اللہ و اطیعو الرسول" نہ ہو تو پھر کسی اور کو تلاش کرنا ہوگا اور آئندہ جانشینی کیسے ہو اس میں ایک طریقہ جناب صدیق اکبرؓ نے اختیار کیا ، جس کا ذکر خلفاء راشدین کی دوسری کتاب میں ہے کہ اپنا جانشین منتخب کر دیا ۔ دوسرا طریقہ جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ نے کیا کہ معاملات مجلس مشاورت پر چھوڑ دیئے ، اور بے شک جناب عثمانؓ کو کچھ کرنے کی مہلت نہ ملی ۔ ان مثالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم "اولی الامر" اور اس کی جانشینی کے معاملات کی کچھ اور زیادہ تفصیل میں جاسکتے ہیں کہ جانشین پہلے حاکم کا رشتہ دار نہ ہو اور اس کو مقرر کر کے مجلس مشاورت یا قوم سے منظوری لی جائے وغیرہ ۔ یہ معاملات اتنے مشکل نہیں ۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اسلام کیا ہے اور اس اسلام کو کیسے جاری و ساری کیا جائے ۔ فی الحال ہمیں باقی غلط اور باطل یا غیر اسلامی اصطلاحوں یا طور طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا کہ :۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے اقبالؒ

بلاشبہ ہماری منزل نظام مصطفیٰ ہے ۔ ہم نے چودہ سو سال میں پہلی دفعہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر ملک بنایا ہے ۔ اور اسی وجہ سے یہ عاجز اپنے نظام حکومت کو نظام مصطفیٰ کا نام دے چکا ہے کہ اگر کوئی شخص حضور پاکؐ کی ذات کو زیر بحث لا کر ہمارے اندر سے حضور پاکؐ کے جلال و جمال نکالنا چاہتا ہے وہ ہم میں سے نہیں کہ ہمارے ہی وطن سے حضور پاکؐ کو ٹھنڈی ہوا نے جانا ہے ، تو اب ہم وضاحت کریں گے کہ نظام مصطفیٰ کیا ہے جس کو یہاں جاری کرنا ہے ۔ ایک جنگ سے واپس آتے وقت حضور پاکؐ نے امن کے زمانے کو جہاد اکبر کا نام دیا اور جنگ کو جہاد اصغر ، تو ظاہر ہوا کہ مومن امن کے زمانے میں ہر وقت جہاد میں مصروف

رہتا ہے اور یہی نظام مصطفیٰ ہے اور یہی نظام جہاد ہے۔ جنگ لڑنے کے فلسفہ کو جہاد اصغر یا اسلامی فلسفہ دفاع کہہ سکتے ہیں جس کا خلاصہ چھبیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اب غیروں کو اگر لفظ جہاد سے چڑ ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں بلکہ ہمارے لئے یہ ایک طرز زندگی ہے کہ امن کے زمانے میں جہاد کا نظام اپنا کر ہم اپنے آپ کو غیروں کے ڈاکہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ہمارا سیاسی فلسفہ یا نظام حکومت، نظام مصطفیٰ ہے جس کو ہم نظریہ جہاد بھی کہہ سکتے ہیں۔

جہاد کے بارے نا فہمی بد قسمتی سے ہمارے دانشور اور علماء بھی نظریہ جہاد سے ناواقف ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ صاحب نے اسلام کی بڑی خدمت کی لیکن جیسا کہ پیش لفظ میں ہم کہہ چکے ہیں کہ آپ کی چھ کتابوں میں نظریہ جہاد پر کل چار صفحے ہیں۔ شاید انگریزوں کا ڈر تھا کہ مولانا شبلیؒ بھی تو یہ کہہ جاتے ہیں کہ حضور پاکؐ کے زمانے کی کہانی جنگ کی کہانی ہے کہ لڑائی عبادت بن گئی لیکن ساتھ دبی زبان میں جنگ سے گریز کی لوری بھی دے جاتے ہیں کہ جہاد کو بظاہر ایک ظالمانہ عمل لکھ گئے۔ کلاسوٹز کہتا ہے، کہ جو آدمی جنگ کو بھیانک بنا کو قوم کو ڈراتا ہے وہ قوم کا دشمن ہے۔ ہماری نا سمجھی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب مسلمانوں پر کسی جگہ ظلم ہو رہا ہوتا ہے تو ہمارے علماء فتویٰ دے دیتے ہیں کہ فلاں جگہ جہاد واجب ہو گیا ہے۔ جہاد نہ کسی فتویٰ کے تابع ہے نہ محتاج ہے بلکہ یہ ایک طرز زندگی اور فرض ہے۔ البتہ کفایہ کو کچھ لوگ غلط معنی پہنا کر جہاد سے گریز کر جاتے ہیں۔ فرض کفایہ، جہاد بالسیف پر لاگو ہے کہ کسی حکمت عملی کے تحت صرف کچھ لوگوں کو جنگ یا لڑائی کے لئے بھیجا جاتا ہے لیکن جہاد کی تیاری ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ جہاد میں شرکت کرسکے کہ مومن کے مقصد حیات میں جہاد کے بیچ شرکت کو اولین حیثیت حاصل ہے اس میں کسی بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔

بحث برائے بحث مغربی نظاموں کی اسمبلیوں میں چونکہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف ضروری ہے تو اکثر بحث صرف بحث کے لئے کی جاتی ہے کہ حزب اختلاف کے لئے ضروری ہے کہ وہ حزب اقتدار کی مخالفت کرے۔ اس وجہ سے کئی فضول الفاظ جیسے سپیکر، تحریک، تحریک التوا، حق استحقاق، نکتہ استحقاق وغیرہ ہمارے اوپر چھا گئے۔ اول تو اسلام میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی تصور نہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثریت کو گمراہ کہا ہے اور اگر خلیفہ اول کے زمانے میں لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تو بحث نہ کی گئی بلکہ فوجی کاروائی کی گئی۔ مدینہ منورہ میں اکثریت کا حساب لگاتے تو زیادہ لوگ جناب سعدؓ بن عبادہ کو ووٹ دیتے اور ابو بکر صدیقؓ خلیفہ نہ بنتے۔ اسلام اہل الرائے اور اسلام کے لحاظ سے موزونیت کو ترجیح دیتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے، اس کو اسلام میں کوئی جگہ نہیں دی جاتی۔ یہاں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کیا کہتے ہیں۔ مجلس مشاورت البتہ ہوتی ہے۔ لیکن اس میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلامی فلسفہ حیات کو سمجھیں اور اپنے اعمال کو اس فلسفہ کے تابع کریں۔ اور لوگوں کی شرکت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی فوج بن جاتے ہیں۔ نہ کہ خر بازاری کی پیداوار لوٹے جو آجکل ہمارے حکمران ہیں۔

مشاورت اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اقتدار کا الگ الگ کوئی تصور نہیں اور نہ ہی سیاسی گروہ بندی یا کسی فرقہ بندی کا تصور ہے۔ پوری قوم ایک بنیان المرصوص ہوتی ہے، اور حکومت اسلامی فلسفہ حیات یعنی قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت

کے تحت چلائی جاتی ہے۔ اسلام طبقاتی یا گروہی نمائندگی کا کوئی تصور نہیں دیتا۔ وہاں مشاورت کے لئے کئی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول ان لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسلام کے فلسفۂ حیات اور اصولوں کو سمجھیں کہ وہ صحیح مشورے دے سکیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ دوم ایسے ہنرمند لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو زراعت، مالیات، تجارت، بیرونی تعلقات، دفاع، تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں مشورہ دیں۔ لیکن یہ اصول بھی اسلامی فلسفۂ حیات کے تابع ہوتے ہیں۔ سوم ایسے ماہرین یا علاقے کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی خاص علاقے سے وابستہ خاص اور الگ قسم کے ماحول کے بارے واقف ہوں اور علاقائی اثرات کا مطالعہ کرکے وہاں کی بہتری کے لئے مشورہ دے سکیں۔ قوم نے ایسے لوگوں کو بھی تلاش کرنا ہوگا کہ اسلام میں خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو نمائندگی یا حکومت کے لئے پیش نہیں کیا جاتا۔ مشیروں کو تلاش کیا جاتا ہے۔

مزید وضاحت اس اسلامی حکومت کے ڈھانچہ کی وضاحت کے سلسلہ میں ہمیں تیسرے باب میں بیان شدہ غلط راستوں، باطل فلسفوں وغیرہ کے اثرات میں بھی جانا ہوگا جو ہمارے نظام تعلیم، ادب، فلسفہ پر ہوئے یا ذرائع ابلاغ جو قوم کے اذہانوں پر غلط قسم کی یلغار کر رہے ہیں وغیرہ۔ اسی وجہ سے ہم نے ان مدوں یعنی تعلیم، ذرائع ابلاغ اور اندرونی استحکام کو قومی معاملات اور فلسفۂ دفاع کے برابر اہمیت دی ہے اور اختصار کے ساتھ ان مدوں کے سلسلہ میں چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

تعلیم جیسا کہ تیسرے باب میں گزارش کی جاچکی ہے کہ یہ مرکزی معاملہ ہے اور ہمارے مرکز کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ قوم کو کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے اور اس کام کو صوبائی حکومتیں البتہ چلائیں۔ بہر حال یہ کام آسان نہیں اور اس سلسلہ میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو سفارشات پیش کرنا ہوں گی۔ اس کے علاوہ ہمارے سکول اور کالجوں کے موجودہ طریقوں کو تبدیل کرنا ہوگا کہ بقول علامہ اقبال کالج میں بیٹھ کر ڈینگ مارے جاتے ہیں۔ یہ ہڑتالیں اور یہ اپنی موٹروں اور بسوں کو آگ لگانا، ایسی تعلیم فتنہ وفساد والی ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں اور طالب علموں کو قوم کے سامنے مثالی کردار کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ سکولوں میں منظم طور پر اسلامی عسکری ربط وضبط کی عملی تعلیم دی جائے۔ لیکن سب سے بڑھ کر ضرورت اس چیز کی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ غیر ہمیں اپنی ایجادات سے آگاہ نہ کریں گے اور یہ کام ہم نے خود کرنا ہوگا۔ اول اپنے ملک کے تعلیمی اداروں میں سائنس وٹیکنالوجی یا ہر ہنر اور فن کی عملی تربیت دی جائے اور بنیادی یا ضروری تعلیم کے بعد، ہر لڑکے کی ذہنی قابلیت یا رویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ایسی چیز کی تربیت دی جائے جس کو وہ آسانی سے اپنا سکتا ہے۔ ہر آدمی نہ ڈاکٹر بن سکتا ہے نہ انجینئر یا مالیات کا ماہر وغیرہ۔ ایک منظم قوم کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح فوج میں ہر آدمی کا معیار دیکھ کر اس کو مزید تربیت دی جاتی ہے اسی طرح پوری قوم کے بچوں کو ان کے معیار کے مطابق تعلیم دے کر اسلام کے لحاظ سے ہر فرد کو زندگی میں اس کی قابلیت کے مطابق مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام میں کمیونزم کے مقابلہ سے زیادہ رجمنٹیشن یعنی ربط میں باندھ کر ایک کرنا ہوتا ہے۔ اور حکومت پر ہر فرد کے Career Planning کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ تو تب ہی پوری قوم اللہ کی فوج بن سکتی ہے اور وفاق کی جگہ لفظ مرکز استعمال کرنا ہوگا۔

لسانی وحدت ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمیں پہلے دو زبانوں یعنی اردو اور انگریزی میں

مہارت حاصل کرنا پڑتی ہے کہ اپنے گھروں میں ہم پنجابی، پشتو، سندھی یا بلوچی زبانیں بولتے ہیں۔ اس کے علاوہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یا روحانی اور عقائدی ضرورت کے تحت عربی زبان کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ تئیسویں باب میں ہم اہل مصر کا ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے عربی کو اپنا کر بحیرہ اوقیانوس تک پہنچا دیا۔ اگر مشرق میں بھی ایسا ہوتا تو آج دنیا بھر کے مسلمانوں میں کم از کم لسانی وحدت تو ہوتی۔ بہر حال ابھی بھی وقت ہے اور بہتر ہوگا کہ قومی زبان کے طور پر ہم عربی زبان کو اپنا لیں اور پھر نتیجہ دیکھیں کہ ساری امت میں کیسے وحدت پیدا ہوتی ہے۔ حضور پاک کا فرمان ہے: "پسند کرو عربی کو کہ اہل جنت کی زبان ہے قرآن پاک کی زبان ہے اور میری زبان ہے"۔ اس آخری فقرہ پر قربان، یہ ہم عجمیوں کے لئے ہے اور موجودہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے عربی زبان اپنانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ بہر حال اگر قوم ایسا نہ کر سکے تو انگریزی سے جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے کہ اس زبان کو اپنانے کی وجہ سے ہم اہل مغرب سے اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ مجبوراً ہمیں ہر کام میں ان کی نقالی کرنا پڑتی ہے یعنی ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ عربی زبان اپنانے کے بعد اہل پاکستان بارش کا پہلا قطرہ بن جائیں گے اور اس کے بعد تمام اسلامی ممالک ہماری پیروی کریں گے جس سے اللہ کی رحمتوں کے اس امت پر وہ اثرات ہوں گے کہ ہمیں صرف جھولی پھیلانا ہوگی۔ یہ کام ہمارے ذرائع ابلاغ کی مدد سے انجام دینا ہوگا کہ دراصل یہ ذرائع بھی قوم کو ایک قسم کی "تعلیم" ہی دے رہے ہیں۔

ذرائع ابلاغ ذرائع ابلاغ کے سلسلہ میں تیسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے ملے جلے ادب، فلسفہ، اور ثقافت سے قومی معاملات کو گڈمڈ کر کے رکھ دیا ہے۔ بہر حال جب قوم کا سیاسی فلسفہ واضح نہ ہو، قومی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہوں تو پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے حکمت عملی بھی نہیں بنائی جاتی یا ہوتی۔ اس عاجز نے قوم کے سیاسی فلسفہ اور اسلامی نظریہ حیات کا خلاصہ جو پیش کیا، تو ہمارے ذرائع ابلاغ کو بھی ان اصولوں کے تابع کرنا ہوگا۔ تاکہ اسلامی ادب، اور اسلامی ثقافت کا پرچار ہو اور اس سلسلہ کی وسیع تر ہدایات ایک الگ کتاب کا مضمون ہیں اور یہ سب کچھ قومی معاملات کی وزارت یا مد کو کرنا ہوگا۔ البتہ ہماری ثقافت کو سورۃ فتح کے آخری رکوع میں خوب تر واضح کیا گیا ہے۔ اور اس ضرورت کو ان اصولوں کے تابع کرنا ہوگا۔

قومی معاملات چارٹ میں قومی معاملات کی مد کو ایک طرف حکومت کا شعبہ دکھایا گیا دوسری طرف اسے عدلیہ کے ذریعے سے اخلاقی فلسفہ (Morality) سے انصاف کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ وزارت مذہبی امور کے الفاظ صحیح نہیں۔ اسلام صرف مذہب نہیں دین بھی ہے۔ اور ہم ایک قوم ہیں۔ اس لئے ہمیں ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو قوم کی قومی معاملات میں رہنمائی کرے۔ اور یہ قومی معاملات وہی ہیں جن کا ذکر کتاب میں ہو چکا ہے کہ میثاق مدینہ قسم کے احکام سے قوم میں جو سیاسی اتحاد کے لئے ہدایات لکھیں اور جلد انصاف کی طرح ڈالی جائے۔ بہر حال یہ لمبا چوڑا کام ہے جو ماہرین کو کرنا ہوگا۔ اور مجلس شوریٰ سے مدد لینا ہوگی۔ ہم اس سلسلہ میں تفصیل میں نہ جائیں گے سوائے اس کے کہ اس وزارت یا مد کی ہدایت کے تحت صوبائی حکومتوں کو، پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔

اللہ کی فوج (حزب اللہ) قرآن پاک نے ہمیں حزب اللہ کے پیارے نام سے موسوم کیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم اللہ کی فوج بن جائیں۔ چارٹ میں محلہ یا گاؤں کی مسجد سے لے کر اوپر قومی معاملات تک یہ سیڑھی بنا دی گئی ہے۔ سفارشات پچھلے

یعنی پچیسویں باب میں تفصیل کے ساتھ دے دی گئی ہیں ۔ ہر آدمی کا ہر سطح پر امیر ہوگا اور ہر فرد کے بارے اس کے امیر سے بھی ایسی پرسش ہوگی جیسے فوج میں ہوتی ہے ۔ اسلام کے لحاظ سے اگر کسی قتل یا جرم کا سراغ نہ مل سکے تو اس محلہ یا گاؤں پر ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے کہ امیر جواب دہ ہوتے ہیں ۔ اور اسلام میں بنیادی حقوق اور ذمہ داریوں کا فلسفہ غیروں سے بالکل مختلف ہے ۔

بنیادی حقوق مغربی طریقوں میں فرد کو آزاد مان لینے کے بعد جن بنیادی حقوق کا لوگوں کے سلسلہ میں بہت چرچا کیا جاتا ہے وہ زبانی جمع تفریق ہے ۔ خیر کئی روایات کو اپنا کر اہل مغرب نے اس سلسلہ میں کافی کام کیا ہے لیکن اب نتیجہ مادر پدر آزادی کی صورت میں نکل رہا ہے ۔ لوگ ہپی اور بے لگام ہو رہے ہیں ۔ معاشرے کے بندھن ٹوٹ رہے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اسلام نے فرائض پر زیادہ زور دیا ۔ لیکن جہاں فرائض نہ ہوں تو یہ حالت ہوتی ہے :۔

صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لئے　　مے و خمار و ہجوم زنان بازاری　　اقبالؔ

ذمہ داریاں اسلام میں حقوق اس طرح پورے کیئے جاتے ہیں کہ حاکم وقت سے لے کر ایک ادنیٰ آدمی کو ہر سطح پر امارت کے ذریعے سے اوپر "اولی الامر" تک گانٹھ دیا جاتا ہے ۔ یعنی حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ اگر تم دو ہو تو پھر بھی ایک کو اپنا امیر مقرر کر دو اور ہر آدمی کی ذاتی یا عہدہ کے لحاظ سے ذمہ داریاں یا فرائض مقرر ہوتی ہیں ۔ وہ جب ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں تو سب کو بنیادی حقوق اپنے آپ حاصل ہو جاتے ہیں کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کے حق پر ڈاکہ ڈالے اور اسلام برابر کے مواقع اور معاشی انصاف کا علمبردار ہے ۔ لیکن برابر مواقع کو غلط نہ سمجھ لیا جائے ۔ تیسرے باب میں واضح کر دیا گیا تھا کہ برابری ناممکن ہے ۔ کہ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے اتنے اوصاف عطا نہیں کیئے کہ وہ بڑا سائنسدان یا مدبر، یا کسی ایک چیز کا مدبر بن سکے ۔ بہر حال اسلام کے لحاظ سے یہ حکومت کا فرض ہے کہ انسان کو اس کی قابلیت کے مطابق تربیت کرے، تعلیم دے اور کام کے مواقع فراہم کرے تو تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کی فوج بن سکیں گے ۔ اور اس طرح عوام کی حکومت میں شرکت ہوتی ہے نہ کہ اہل مغرب کی طرح تفرقہ ڈال کر ۔

پیشہ ور افواج پیشہ ور افواج کو بھی ساتھ چارٹ میں دکھلا دیا گیا ہے کہ اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت ان کو بھی ضرورت ہے اور اس پہلو کو پچھلے یا پچیسویں باب میں خوب تر واضح کر دیا گیا ہے ۔ اسی وجہ سے چارٹ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ان پیشہ ور افواج کی بنیاد ۔ قوم یا اللہ کی فوج میں باندھی جاتی ہے ۔ ساتھ ہی چارٹ میں پیشہ ور افواج کے ساز و سامان کو مادی ذرائع کے ساتھ ترجیحاتی طور پر وابستہ کر دیا گیا ہے کہ دفاع کو سب پہلوؤں پر اولین حیثیت حاصل ہے ۔

مادی ذرائع مادی ذرائع کی موٹی موٹی مدوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے ۔ ان سب کے سلسلہ میں اور ضرورتوں کے بارے جیسا کہ چارٹ میں دکھایا گیا ہے اسلامی نظریہ حیات کے تحت ایک فلسفہ وضع کرنے کی ضرورت ہے جو کام ماہرین کریں گے ۔ تو اس طرح پورے ملک کو اندرونی استحکام حاصل ہوگا ۔

اندرونی معاملات بہرحال اندرونی معاملات کے ایک وزارت کی ترجیحی طور پر ضرورت ہوگی جو ملک میں امن و امان اور

استحکام کی ذمہ دار ہوگی، جس کے پاس مخبری اور امن نافذ کرنے والے محکمے ہوں گے۔ لیکن اس طرح نہ جو ہم انگریزوں کی نقالی کر رہے ہیں۔ نہ ہمیں اتنی پولیس کی ضرورت ہے اور نہ اتنی مخبری کی۔ ربط و ضبط سے باندھی ہوئی قوم کا زیادہ کام ہر سطح پر امیر کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بھی ماہرین کو تفصیلی سفارشات میں جانا ہوگا۔ پولیس کے ذریعہ سے امن و امان برقرار رکھنا۔ یا فوج کو بلا کر اس کے حوالے علاقے کر دینا۔ یہ اسلامی فلسفہ حیات کی نفی ہے۔ جس طرح امن و امان، پولیس، اور کسٹم یا چونگیوں پر کروڑوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ اسلام میں یہ کام چند آدمی کرتے ہیں۔

خارجہ پالیسی خارجہ پالیسی پر جان بوجھ کر کچھ نہیں کہا گیا ہے اور چارٹ پر لکھ دیا گیا ہے کہ خارجہ پالیسی اس کی ہوتی ہے جس کا گھر ٹھیک ہو۔ اور صحیح قسم کے مسلمان باہر جا کر ہماری نمائندگی کریں نہ کہ "بھنگریز"۔

غیروں کے ڈھانچے اوپر بیان شدہ وضاحتوں کو پڑھ کر قارئین میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ ہم جو غیروں کے باطل فلسفہ والے ڈھانچوں پر اسلام کی عمارت کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ کہ سؤر پر تکبیر پڑھیں تو وہ حلال نہیں ہو جاتا۔

اجتہاد تو کیا اسلام کی عمارت کی بنیاد باندھنے کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہے؟ ۔ یہ عاجز اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اجتہاد کے دروازے کھلے ہیں یا بند ہو گئے ہیں۔ اسلام نہ "جدید" ہے اور نہ "قدیم" اس میں سب کچھ موجود ہے۔ جہاں اسلامی فلسفہ حیات کی نفی نہ ہو تو ایسے ہی معاملات میں اجتہاد کی اجازت ہے۔ اس عاجز کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسی ضروریات کے تحت ہر زمانے کے لئے موزوں بنایا ہے اور ایسا اجتہاد اسلام کے اصولوں یا اوامر و نواہی کی مدد سے کیا جاتا ہے لیکن اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد وہ کرائے یا اس چیز کے سلسلے میں کرایا جائے جس کی جہاں ضرورت ہے اور پھر اس اجتہاد سے حاصل شدہ اصولوں کو بھی نافذ کیا جاسکے۔ ورنہ بحث برائے بحث سے صرف تفرقہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور مجھے آج تک کوئی ایک مسئلہ نظر نہ آیا جس کا حل قرآن پاک اور سنت نبوی میں موجود نہ ہو۔

صراط مستقیم اس عاجز نے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے کہ پیچھے مڑنے یا انقلاب والی کوئی بات نہیں۔ قرآن پاک میں سو سے زیادہ جگہوں پر اسلام کو صراط مستقیم کہا گیا۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ فتح میں اس لفظ پر خاص کر زور دیا گیا۔ تو آیئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور انقلاب کے چکروں سے نکل جائیں۔ یعنی باطل فلسفوں اور گمراہی سے بچ جائیں۔

منظم قوم یہ سب بڑے وسیع مضامین ہیں اور کئی متعلقہ یا متفرق باتیں رہ بھی گئی ہیں۔ لیکن ان تمام تر سفارشات کے تحت اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سب سے اولین ضرورت منظم قوم کی ہے۔ پہلے پوری قوم کو منظم طریقے کے ساتھ ربط و ضبط میں باندھنا ہوگا کہ وحدت فکر پیدا کر کے عمل میں وحدت پیدا کرنا ہوگی۔ ہر سطح یعنی محلہ، گاؤں، تھانہ، تحصیل و ضلع کی سطحوں پر امیر مقرر کرنا ہوگا تو تب "اولی الامر" مجلس مشاورت یا مجلس اعلیٰ کی مدد سے نظام اسلام نافذ کر سکے گا تا کہ لوگ اور حکومت کے کارندے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس کا کچھ ذکر پچھلے باب میں بھی ہے کہ ساری قوم کو احکام الٰہی کا پابند کرنا ہوگا

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند (اقبالؒ)

ستائیسواں باب

ممنونیت

کتاب کی بسم اللہ ۔ رب العالمین کے شکر اور حضور پاک پر درود و سلام بھیج کر کی گئی ۔ اب اس ساری کتاب کو ختم کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ان کرم فرماؤں یا بزرگوں ، اور رفیقوں کا ذکر ضرور کروں ، جن لوگوں نے میری زندگی پر اثرات ڈالے اور جن کی وجہ سے اور اللہ تعالی کی رحمت شامل حال ہونے سے میں اس قسم کی زندگی گزار سکا اور میرے اس قسم کے خیالات میری زندگی میں عود کر آئے جو آپ کو اس کتاب میں ملیں گے ۔ سب سے اول میں اپنے والد مرحوم و مغفور صوبیدار ملک فتوحی خان کا ذکر کروں گا ۔ میں اپنے عظیم والد بزرگوار کو نہ دیکھ سکا ، کہ میں چالیس دن کا تھا کہ وہ وفات پا گئے ۔ اپنی بزرگ ماں ، فقیر بہن یا رشتہ داروں اور اپنے والد کے رفقاء سے یہی سنا کہ وہ اسلام کے عظیم فرزند تھے ۔ میرے والد بزرگوار برٹش آرمی میں شامل ضرور ہوئے ، اور موجودہ سات پنجاب رجمنٹ میں نائب صوبیدار تھے ۔ اور اس زمانے میں یہی بڑے عہدے ہوتے تھے اور ان کو انڈین افسر کہا جاتا تھا ۔ پہلی جنگ عظیم کے شروع ہی میں عراق کے علاقہ میں قط العمارہ کے مقام پر جنرل ٹاؤنسنڈ کی فوج کے ساتھ ترکوں کی قید میں چلے گئے ۔ وہاں آپ کو پہلے ترک فوج کے کرنل نور الدین سے ملنے کا موقع مل گیا ۔ دیکھ کر حیران ہوئے اور ان کے مقابلے میں اپنے انگریز افسر "بونے" نظر آنے لگے ۔ پھر جنرل خلیل پاشا سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ وہاں ہی صراط مستقیم نظر آنے لگی کہ ان کی جگہ تو ترک فوج میں تھی ۔ رہی سہی کسر موصل کے مقام پر نکل گئی جہاں غازی انور پاشا کی زیارت نصیب ہوئی ۔ بروسہ کے مقام پر برائے نام جنگی قیدی رہے اور گو سلطنت عثمانیہ زوال پذیر تھی ، لیکن پھر بھی اسلامی حکومت کی عظمت دیکھ کر اپنی حالت پر نادم ہوئے ۔ ساتھ ہی خلیفۃ المومنین غازی سلطان محمد ارشاد خان خامس کی طرف سے ان کو یکم اگست ۱۹۱۶ء کو ایک قرآن پاک عطا ہوا جو اب بھی میرے پاس موجود ہے ۔

بہر حال قید سے واپس آکر والد بزرگوار نے انگریزی فوج چھوڑ دی ۔ گو ان کے افسروں نے ان کو فوج میں رکھنے اور ترقی دینے کی امید دلائی کہ ان سے جونیر بھی کہاں پہنچ چکے تھے ۔ لیکن والد بزرگوار اپنی بقایا زندگی توبہ میں گزارنا چاہتے تھے اور زندگی کے آخری سالوں میں امت واحدہ کی باتیں ان کا اوڑھنا بچھونا تھیں ۔ ندامت کی یہ حالت تھی کہ وہ صرف ڈیڑھ سال زندہ رہے اور ۱۸ فروری ۱۹۲۱ کو فوت ہو گئے ۔ یہی حالات ان کے ایک اور رفیق اور ہمارے نزدیک کے گاؤں انگہ کے صوبیدار حافظ محمد قاسم مرحوم و مغفور کے تھے ۔ کہ سنتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار کی قبر پر انہوں نے بھی بڑے ندامت کے آنسو بہائے اور ایک سال بعد وہ بھی فوت ہو گئے ۔ میرے لئے والد صاحب کی تین نشانیاں میرے حصہ میں آئیں ۔ ایک یہ قرآن پاک جس کا ذکر کیا گیا ہے ۔ دوسری ان کی تلوار اور تیسری ان کی ہاتھ لے کر چلنے والی کھونٹی ۔ ان تین چیزوں میں میرے لئے اسباق ہیں ۔ قرآن پاک میں اللہ کا علم اور احکام ہیں ۔ کھونٹی پکڑ کر صراط مستقیم پر چلنا حضور پاک کی سنت ہے اور تلوار ہماری غیرت کی نشانی ہے کہ عسکریت کے بغیر

اسلام بے جان فلسفہ ہے۔ میری پرورش میری بزرگ ماں اور بزرگ بہن نے کی۔ اور مجھے پنگورے میں اسلام کی لوری دی۔
والد بزرگوار نے میری بڑی بہن کو اسلامی تعلیم دی، جو سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ہاں کسی مکتب کی بجائے گاؤں کے
باباحافظ جی ہمارے گھر میں آکر ہمشیرہ صاحبہ کو اسلامی تعلیم دیتے تھے۔اور ساتھ ہی گھر میں ایک اسلامی مکتب کھل گیا۔اور اس
عاجز نے ہوش سنبھالا تو اسلام کی تعلیم بھی ساتھ جاری ہو گئی۔باباحافظ ایک کتاب کا مضمون ہیں، کہ ان کی شخصیت نے لوگوں
کو ان کے اصلی نام میاں مولیا کو بھلا ہی دیا۔اور آپ سب گاؤں کے باباحافظ جی بن گئے۔اس زمانے میں ان کی عمر اسی یا نوے
برس کی تھی اور انہوں نے چل پھر کر گاؤں سے باہر ڈھوکوں پر رہنے والے بچوں اور عورتوں کو بنیادی اسلام کی تعلیم دی۔ان کی
یاد آتی ہے تو رقت طاری ہو جاتی ہے۔مجھ پر ان کی اور میری بزرگ بہن کی نگاہ رہی۔اور اسی بزرگ بہن نے مجھے اسلامی تعلیم دی اور
جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا تو وہ اپنی شادی کے دن بغیر کسی بیماری کے اللہ کو پیاری ہو گئیں اور مجھے وہ اس چیز سے آگاہ
کر چکی تھیں، گو ان کے سلسلہ میں، میں کئی غیر مرئی چیزیں دیکھ چکا تھا لیکن ان کی موت کا یقین نہ آرہا تھا، لیکن وہ کہہ چکی تھیں کہ
انہوں نے میری اسلامی تعلیم کی بنیاد باندھ دی، آگے تعلیم عملی طور پر ہو گی۔

بے شک میں نے اسلامی تعلیم کسی ادارہ میں حاصل نہیں کی۔البتہ حوصلہ افزائی کرنے والے لاتعداد صاحبان تھے۔
میرے ساتھی طالب علموں میں میاں نزیر عالم مرحوم کا ذکر ضروری ہے جن کے ساتھ بعد میں ہم نے مل کر تحریک پاکستان میں کام
کیا اور وہ خود ۱۹۴۷ء میں چند دن سرگودہا ضلع کی مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ہم دونوں جب ساتویں جماعت میں تھے تو ہم نے
اپنے ہم جماعت مسلمان لڑکوں کی ایک تنظیم بنائی کہ ایک دوسرے سے مل کر اسلام کیسے سیکھیں۔اور مولوی میاں محمد مرحوم
اور قاضی منظور الحق مرحوم کا ذکر ضروری ہے کہ وہ ہمارے اردو اور عربی کے استاد تھے۔انہوں نے مجھے اسلام کا مایہ ناز فرزند کہنا
شروع کر دیا، کہ مجھے خود اس قدر حوصلہ افزائی سے شرم آتی تھی۔بلکہ قاضی منظور الحق فرمایا کرتے تھے "کہ یہ غلطی بھی کرے تو
اس پر غصہ نہیں آتا کہ اس کے دل میں اسلام کیلئے تڑپ ہے"۔قاضی منظور الحق اسلامی علوم کے سمندر تھے۔لیکن شرمیلے تھے، اور
تقریریں نہ کرتے تھے۔ان سے استفادہ کیا جا سکتا تھا۔اور مجھ پر ان کی نگاہ تھی۔مولوی میاں محمد، حساب، الجبرا اور فارسی کے بھی
ماہر تھے۔جو حساب اور الجبرا میں نے ان سے ساتویں۔آٹھویں جماعت میں پڑھا۔وہ اب بھی یاد ہے۔اور ساری عمر کام آیا۔ان کو
شیخ سعدی کی گلستان و بوستان اور مولانا رومی کی مثنوی سے ایسے شعر یاد تھے کہ ان کی مجلس میں لطف آجاتا تھا۔میری نماز میں
باقاعدگی دیکھ کر انہوں نے میری فیس بھی معاف کروادی۔

اس کے علاوہ میرے والد کے دوست میاں محمد اولیا مرحوم اور انکے تمام گھر والوں یعنی ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے بڑے
بیٹے محمد لطیف جو میرے ہم جماعت تھے، کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ان کے گھر میں راقم نے دو سال گزارے۔وہاں بھی اسلام ہی
اسلام تھا اور اس نے میری آئندہ زندگی پر بہت اثر کیا۔میری یہ خوش قسمتی رہی، کہ مجھے اسلام کے شیدا ساتھی ملتے رہے۔ان میں
ایک ملک غلام علی، مولانا مودودی کے ساتھ وابستہ رہے اور شریعت بنچ میں کام کیا۔اور ہم سب ساتھی اسلام کے پیچھے بھاگتے رہتے

تھے ۔ میاں نذیر عالم کے والد میاں رکن الدین مرحوم خلافت کی تحریک میں قید ہوئے تھے ۔ ہم ان کے شیدا تھے اور ان کی وساطت سے جس نے اسلام کا نام لیا، خواہ وہ احرار تھے یا کوئی مسلمان علماء، ہم ان کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تھے ۔ میاں رکن الدین، البتہ مسلم لیگ میں نہ آتے تھے کہ یہ ٹوڈیوں کی جماعت ہے ۔ لیکن جب خضر حیات ٹوانہ کو مسلم لیگ سے نکالا گیا، تو پھر ہماری کوشش سے ۱۹۴۴ء میں آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ۔ اس کے بعد ان کی رہنمائی میں تحریک پاکستان میں اپنے علاقہ میں خضر حیات ٹوانہ کے خلاف جو کام ہم نے کیا کہ میں یونٹ سے چھٹیاں لے کر علاقے میں پہنچتا رہا ۔ یہ ایک کتاب کا مضمون ہے ۔

میری عظیم والدہ ماجدہ نے ۱۹۷۶ء تک میری راہنمائی کی ۔ میرے والد بزرگ جو کچھ چاہتے تھے، کہ ان کی اولاد کیسی ہو، یہ سب باتیں میری بزرگ والدہ نے مجھ تک پہنچائیں ۔ اور ہر قدم پر میری رہنمائی کی ۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں لیکن اسلام کے فلسفہ حیات کو عملی طور پر سمجھتی تھیں ۔ گاؤں میں جو ان کی عزت تھی، وہ قابل رشک تھی ۔ انہوں نے ہمیشہ سے مجھے میرے دادا، دادی، نانا، نانی اور خاندان کے باقی بزرگوں کے نیک اعمال کی طرف متوجہ رکھنا، اپنا فرض سمجھا ۔ جو باتیں ان کی زبان سے نکلتی رہتی تھیں ۔ ان میں بڑا علم تھا ۔ ایک بات بڑی عام کرتی تھیں "اچھائی اور بھلائی کو کوئی رکاوٹ نہیں" اور جو بات ہر وقت دہراتی تھیں وہ یہ ہے "شکر ہے تیرا اے رب کہ تو نے ہمیں اپنے حبیبؐ کی امت میں پیدا کیا ۔ خاتمہ نیک لگانا اور روز قیامت اسی امت سے اٹھانا" ۔ دادا، دادی کو میں نے نہ دیکھا ۔ ان کی عظمت ہر جگہ سے سنی ۔ میرے دادا ملک عالم خان راٹھ کے نام سے مشہور تھے کہ جج پال تھے ۔ دوسرے گاؤں کے میاں رحیم بخش ۔ بستر مرگ پر اپنی بیوی کا ہاتھ میرے دادا کے ہاتھ میں دے گیا کہ یہ تمہاری بیٹی ہے اور میرا بیٹا میاں غلام حسن تیرا نواسہ ہے ۔ میرے دادا اور میرے چچاؤں یا خاندان کے لوگوں نے جس خلوص کے ساتھ میاں غلام حسن اور اس کے خاندان کے ساتھ وقت کاٹا ۔ اور جو خلوص میاں علام حسن نے ہمارے خاندان کیلئے دکھایا، پورے علاقہ میں لوگ اس کی مثال دیتے ہیں ۔ میاں غلام حسن، مشہور کالم نویس عبدالقادر حسن اور اعوان بس کے مالک میاں سلطان کے والد بزرگوار تھے ۔ اور میرے عظیم بھائی جن پر میں اب بھی فخر کرتا ہوں ۔ گو وہ عمر میں مجھ سے بہت بڑے تھے، لیکن میرے لیے ان کی شفقت اور خلوص میرے دل پہ لکھا ہوا ہے ۔

اپنی نانی نانے کو میں نے دیکھا ضرور لیکن وہ بھی میرے بچپن ہی میں فوت ہو گئے ۔ نانا جب میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا ۔ اور نانی جب میں پانچویں جماعت میں تھا ۔ ان کے لئے ہر جگہ سے اچھے الفاظ سنے کہ وہ کردار والے لوگ تھے ۔ کہ چھپر تلے بیٹھ کر لوگوں کی دعائیں لیں ۔ بات یہ تھی کہ جب بارشیں بہت زیادہ ہو جاتی تھیں، تو وہ اپنے خاندان کے مال مویشی جنگل میں لے جاتے تھے اور ایک چھپر ڈال کر وہاں گزارہ کرتے تھے ۔ وہاں نہ صرف لوگوں کی میزبانی کرتے تھے ۔ بلکہ سخت دیانتداری سے ان کے مال ومویشی اور سامان کی حفاظت کرتے تھے ۔ لوگ اپنے مال مویشی ان کے پاس چھوڑ کر واپس چلے جاتے تھے ۔ نانا کچھ فقیر آدمی تھے ۔ کہتے تھے اتنی ذمہ داری لیں جو نبھا سکیں ۔ نانی اللہ توکل تھیں ۔ نانا کی غیر حاضری میں سب ذمہ داری لے لیتی تھیں اور نانا کو سب کچھ نبھانا پڑتا تھا ۔ کئی اجنبیوں کو جب معلوم ہوتا تھا کہ میں ملک سہراب خان کا نواسہ ہوں تو مجھے پیار کرتے کرتے نہ

تھکتے تھے۔ویسے میرے رشتہ داروں، بزرگوں اور رفیقوں کا ایک انبوہ ہے جن کے سینوں سے میں نے اسلام کے نکتے سیکھے۔ یا ان کی مثالیں میرے لئے نشان راہ ثابت ہوئیں۔سب کچھ لکھوں تو ایک الگ کتاب بن جائے گی۔ویسے میرے والد بزرگوار کی اپنے خاندان کیلئے یہ دوسری وفات تھی۔ کہ جب ترکی میں جنگی قیدی تھے تو غلطی سے وفات کی خبر آگئی۔اب جب وفات نزدیک آئی تو کلمہ پڑھنے کے ساتھ ایک بھائی ملک زماں خان کو جو فقیر قسم کے آدمی تھے کہنے لگے "میرے بچوں کا خیال رکھنا" زمان خان نے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ آؤں گا کہ جوان بھائی کی موت کو دو دفعہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے"۔والد صاحب کو یقین نہ آیا۔کہا "اچھا میں سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں" والد صاحب مرحوم و مغفور کی زبان کے ان الفاظ کا بڑا اثر ہوا اور مشیت ایزدی سے ہم پر ہمیشہ اللہ کی رحمت رہی۔چچا زماں خان کی بات بھی پوری ہو گئی۔کہ والد صاحب کے بعد تیسرے دن فوت ہوگئے۔ باقی دو چچاؤں ملک میاں محمد اور ملک گل جہان اور انکی بیٹوں اور چچا کی بیٹیوں نے جس طرح ہمیں کندھوں پر بٹھایا اور جس وفاداری سے ہماری پرورش یا دیکھ بھال کی، اس پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔اور والد صاحب کے دوستوں میں سے ملک محمد اعظم اور ملک عالم خان آف ناڑی کا نام آج بھی ہمارے خاندان میں ہزار عزت سے لیا جاتا ہے اور ان کی اولاد کے ساتھ بھی تعلقات قائم ہیں ایسی دوستی صوبیدار سید احمد تحصیل فتح جنگ والے سے تھی جس کے بیٹے ہیجر عبدالکریم مرحوم کے خاندان کے ساتھ اب بھی ہے۔

اب والد صاحب کے رفیقوں میں سے کس کا ذکر کروں اور کس کا نہ کروں البتہ اپنے بزرگ چچا فتح نور خان مرحوم کا ذکر ضروری ہے جو ۱۸۸۰ء میں برما چلے گئے تھے اور وہیں آباد ہوگئے۔آج بھی ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔۱۹۳۶ء میں گاؤں آئے اور پورا ایک سال میری ذہنی پرورش کر کے برما واپس گئے۔وہ عالم دین تھے اور مولانا ظفر علی خان مرحوم مالک اخبار زمیندار لاہور ان کے دوست تھے، اور جب مولانا صاحب برما گئے تو ان کے پاس مانڈلے میں قیام کیا۔بجنور یوپی کے مشہور اخبار مدینہ کی ایڈیٹر مولانا نصر اللہ خان عزیز، جنہوں نے بعد میں لاہور سے اخبار کوثر یا تسنیم وغیرہ نکالے وہ بھی ان کے گہرے دوست تھے۔رنگون کی ایک اخبار "شیر" کے مالک شیر محمد اور برہما کے ایک عالم دین کشفی شاہ کے ساتھ بھی ان کی دوستی تھی۔جن دنوں میں چچا صاحب گاؤں آئے ہمارے گھر میں اخباروں اور خطوط کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔اور گاؤں میں یہ اچنبھے کی بات تھی۔علاقے کے شرفا بھی ہمارے گھر آتے تھے اور ہمارا گھر اسلام کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔اور ان چچا صاحب نے بھی امت واحدہ کا سبق دہرایا۔

والد صاحب کی وفات کیوجہ سے دنیاوی زندگی یا "سرکار کے ساتھ وابستگی" میں خلا پیدا ہو گیا۔یہ خلا اللہ تعالیٰ نے اس طرح پوری کی کہ ہمارے گاؤں میں زیادہ قتل ہو جانے کیوجہ سے ایک پولیس چوکی آکر بیٹھ گئی۔اس میں دو سپاہی ملک محمد بخش اور ملک عمر حیات، تحصیل پنڈ دادنخان کے علاقہ ونہار، موضع مکھیال کے تھے۔وہاں ہماری نانی کی رشتہ داری تھی اور وہ سارے گاؤں کو جانتی تھی۔ان دونوں سپاہیوں کی بیویاں میری نانی کی وجہ سے ہمشیرہ صاحبہ کو جو ملیں تو ایسے تعلقات بڑھے کہ ہم سگے بہن بھائی بن گئے۔جو تعلقات ان کی اولاد کے ساتھ اب تک قائم ہیں۔بہرحال ان دو صاحبان کے ہماری دنیاوی زندگی کے سلسلہ میں اتنے احسان ہیں جن کو کوئی قلم نہیں لکھ سکتی۔

میرے بڑے بھائی رسالدار حاجی ملک محمد فیروز خان مجھ سے چھ سال بڑے ہیں۔انہوں نے بھی ان بزرگوں کے سایہ تلے

زندگی کاٹی ۔ لیکن آپ خاندان کے بڑے شہزادے تھے ۔ اس لئے کچھ لاپرواہ تھے اور پڑھنے کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا ۔ ویسے اللہ کی رحمت رہی ہے ۔ جنرل ضیاء الحق جب کپتان ، میجر تھے تو دونوں میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی ۔ ایک یونٹ کے تھے ۔ ضیاء الحق صاحب اوپر گئے تو بھائی صاحب نے ان کو ملنا چھوڑ دیا کہ کہیں لالچ نہ آجائے ۔ ویسے اللہ کی رحمت ہے ان کے دونوں بیٹے فاروق اور یوسف سعودی عرب میں ہیں اور کئی حج کر چکے ہیں ۔

اس سب کے باوجود راقم خود ۱۹۳۸ء میں انگریزی فوج میں شامل ہو گیا ۔ اگر والد صاحب زندہ ہوتے تو ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتے ۔ "کرایہ کا سپاہی" بننے میں کوئی شان نہ تھی ۔ اور ندامت کر چکا ہوں ۔ لیکن مشیت ایزدی تھی ۔ بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سیکھا ۔ زمانہ ہی عجیب و غریب تھا ۔ انگریزوں کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا ۔ تجارت اور کارخانے جو تھے ان پر ہندوؤں کا قبضہ تھا ۔ اچھے خاندان والے اور صحیح قدبت والے مسلمان کو فوج میں سپاہی کی نوکری مل جاتی تھی ۔ ورنہ گزارہ مشکل تھا ۔ کہ راقم فوج کے کئی جرنیلوں سے واقف ہے کہ بڑی سفارشوں سے وہ فوج میں سپاہی بھرتی ہو سکے اور ایک آدھ کو تو خچر کور یا پائینر کور میں جگہ ملی تھی ۔ فوج میں اچھی اور بری دونوں مثالیں موجود تھیں ۔ لیکن جس خلوص کے ساتھ میرے علاقہ کے ہانڈیوالوں سرخرو خان مرحوم ، سسر رشتہ دار مرحوم ، اور اشرف خان مرحوم نے الگ الگ موقعوں پر میری خدمت کی یا رفاقت نبھائی ، اس کے لیئے میں اور میرا خالہ زاد بھائی عطا محمد مرحوم ، جو میرے ساتھ فوج میں بھرتی ہوا تھا آج تک گن گاتے رہے ۔ یا جو رہنمائی اور مثالیں ہمارے سامنے مرحوم نائب صوبیدار محمد حیات کی ذات میں موجود تھیں ، ان کو کوئی قلم نہ بیان کر سکے گی ۔ وہ ہمارے دور کے رشتہ دار تھے ۔ اور اس وقت حوالدار تھے ۔ وہ "گرائیں بازی" کا زمانہ تھا ۔ جس کا کوئی سردار گرائیں یا رشتہ دار ہوتا ، اسی کی قدر تھی ۔ لیکن اچھے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں ۔ "غیر گرائیوں" میں صوبیدار محمد زمان نے بنیا کی چوری کے سلسلہ میں پوری کمپنی میں "بڑے بڑوں" کی بھی تلاشی لی ۔ اور میری تلاشی نہ لی کہ میں ایک سردار کالڑ کا بھی ہوں اور میرا منہ چور والا نہیں ۔ قارئین ! اگر میں چور تھا بھی تو اس کے بعد چور نہیں ہو سکتا تھا ۔ پھر پلٹن کا نام بھی ۲۳ محمدی تھا اور میجر عجائب کی قسم کے غیر متعصب لوگ بھی تھے ۔ جو ہماری طرح سپاہی اور کلرک فالتو تھا ۔ جس کے ساتھ آج بھی وہی برادرانہ تعلقات ہیں ۔

گو اس وقت ایسا کہنا مشکل تھا ۔ لیکن انگریزی حکومت زوال پذیر تھی ۔ سپاہیوں نے انگریز افسروں کے عجیب و غریب نام رکھے ہوئے تھے "مٹی کا مادھو" "لکیر کا فقیر" "پھگو" وغیرہ ۔ اور پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی ۔ ہاں زوال پذیر حکومت میں بھی ایک آدھ آدمی "حکومت کے بانیوں "Empire Builders" کی طرح ہوتا ہے ۔ ایسا ہمارا ایک کرنل مورہڈ تھا ، جس نے راقم کو ملایا سے ۱۹۴۱ء میں واپس برصغیر میں بھیج دیا ۔ کہ میں کنگ کمیشن کیلئے موزوں ہوں ۔ آگے لمبی کہانی ہے ۔ کنگ کمیشن کے بجائے مجھے وائسرائے کمیشن ملا کہ میں بڑا "متعصب" ہوں ۔ غیروں کی کمانڈ کے وقت تعصب دکھاؤں گا ۔ اور بہتر ہے کوئی انفرادی یا لکھنے پڑھنے کا کام کروں ۔ تو راقم محکمہ تعلقات عامہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ۔ بڑے سفر کئے ۔ سینکڑوں یونٹوں میں گیا ۔ ۱۹۴۳ء کے بعد ، کانگرسی ہندو فوج میں داخل ہو کر متحدہ ہندوستان کے پرچار میں لگے ہوئے تھے ۔ راقم کو اللہ تعالیٰ نے اگر ۔ ایک طرف

یونٹ یونٹ جا کر پاکستان کی تحریک سے مسلمانوں کو باخبر کرنے کی سعادت نصیب کی تو دوسری طرف اپنے ہم جماعت میاں نذیر عالم اور ان کے والد بزرگوار کے ساتھ اپنے علاقہ کے گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو مسلم لیگ اور پاکستان کے سلسلہ میں ہم۔ خیال بنایا۔ بلکہ انتخاب میں خضر حیات ٹوانہ کی مخالفت میں سرکاری نوکروں کے والدین کو ڈرایا گیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ تو میاں رکن الدین مرحوم مجھے ساتھ رکھتے تھے کہ میں حاضر نوکری والا مسلم لیگ کو ووٹ دوں گا۔

بہر حال یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ پاکستان بن گیا۔ مجھے آج تک کوئی غیر مسلم متاثر نہ کر سکا اور نہ میں نے ان میں سے کسی کو اپنا دوست، یار رفیق کہوں گا۔ یا یہ کہوں گا کہ فلاں اچھی بات میں نے فلاں غیر مسلم سے سیکھی۔ جو اللہ اور رسولؐ کو صحیح طور پر نہیں پہچانتا۔ اس میں کیا اچھائی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس تعصب پر کوئی ندامت نہیں۔ حب للہ۔ بغض للہ۔ پاکستان بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کشمیر کی جنگ ۱۹۴۸ء میں بھی شرکت نصیب کی۔ اور افسری بھی مل گئی۔ کبھی پیدل دستوں کی کمانڈ۔ اور کبھی پھر محکمہ تعلقات عامہ میں۔ لوگوں کو "کھری کھری" بھی سنائیں اور میں مشکور ہوں کہ لوگوں نے مجھ جیسے آدمی کے ساتھ گزارہ کیا۔ لیکن عہدہ چھوٹا تھا۔ اور زیادہ اوپر جانے کی توقع نہ تھی کہ عمر اور سنیارٹی نے ایسے گروہ میں ڈال دیا کہ ترقی رکی ہوئی تھی اور مل جاتی تو اس نمک کی کان میں نمک ہو کر میں بھی کسی پلٹن یا بریگیڈ کے ساتھ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی اور "سستا" ہی چھوٹ گیا۔ البتہ فوج کے میرے رفیقوں کا ایک انبوہ ہے جن کی کہانی ایک کتاب میں بھی ختم نہیں ہو سکتی۔

میں بھی پاکستان بنانے کے عملی مقاصد کو شروع شروع میں نہ سمجھ سکا اور "جدید اسلام" کے چکر میں رہا اور ان یونٹوں کے سو سالے بھی منائے، جنہوں نے دہلی میں بہادر شاہ کی حکومت کو روند ڈالا۔ اس سب کیلئے ندامت کے طور پر ایک اخبار میں اظہار کر چکا ہوں کہ یہ حجاب مکمل طور پر ۶۵ کی جنگ میں ڈوگرئی کے میدان جنگ میں اٹھا، جس کے کچھ واقعات کا اشارہ کے طور پر کتاب میں ذکر کر چکا ہوں۔ اور جو صاحب زیادہ تجسس میں ہوں وہ عنایت اللہ کی کتاب "لاہور کی دہلیز" پڑھیں۔ کہ کس طرح میرے عظیم ساتھیوں نے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ راقم اس جنگ اور پاکستان ٹٹنے کے بعد کے ذاتی مشاہدات پر دو کتابیں لکھ چکا ہے ایک پنڈورا بکس ہے اور دوسری کا نام "تاشقند کے اصلی راز" ہے۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ ان کتابوں پر پابندی لگ جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی کو توفیق نہ دی کہ ایسا کرے۔ ہاں کسی اخبار کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ ان کتابوں میں سے چند الفاظ بھی اپنی اخبار میں شائع کر دے سوائے تکبیر کے صلاح الدین کے، جس نے "بھٹو کیلئے تخت اور تختہ" والے باب سے کچھ شائع کر دیا۔ اور اب تلہ گنگ سے ایک اخبار اور شیخوپورہ کی ایک اخبار ان کتابوں سے کچھ اقتسابات شائع کر رہے ہیں۔

فوج کے ساتھ اکتالیس سالوں کی وابستگی کی لمبی کہانی ہے۔ اور اس کے بعد دو سال "ہلال احمر" کے ساتھ رہ کر اب یہ کتابوں والا شغل جاری ہے۔ یہاں فوج کے دو صاحبان کا ذکر ضروری ہے جو ان کتابوں کے سلسلہ میں، ہر لفظ میں میرے ساتھ رہے۔ اول میجر جنرل احسان الحق، ڈار مرحوم و مغفور ہیں، جنہوں نے اس کتاب کا تعارف لکھا ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں ان

کتابوں کے لکھنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا۔ وہ پیچھے پڑ گئے اور کہتے تھے کہ "خدارا اپنے مشاہدات اور جائزوں کو اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جاؤ" اور پھر سرکاری طور پر کچھ کتابیں لکھنے کا ٹھیکہ دے دیا۔ تو میں مجبور ہو گیا، کہ ان کی عزت کا پاس رکھنا ضروری ہو گیا دوسرے لفظوں میں یہ سارا کام انہی نے کروایا اور جلال مصطفےٰ میں ان کا نام لئے بغیر اس سلسلہ میں اشارہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور ان کی خدمات پر ایک الگ کتاب لکھنے کا ارادہ بھی ہے۔ دوسرے کرنل شیر محمد ستارہ جرات ہیں جو ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں ٹھٹوال محاذ سے آگے کرنل خالد کے نام سے جہاد کرتے رہے۔ چند مجاہدین کے ساتھ انہوں نے بھارتی ڈویژن کمانڈر جنرل تھمایا جو ان کے مدمقابل تھا اور راقم اس کو ذاتی طور پر دیکھ چکا تھا، کہ بڑا قابل افسر تھا۔ اس کو چکر چڑھا دیئے۔ یہی جنرل تھمایا بعد میں بھارتی بری فوج کا چیف آف سٹاف بھی بنا لیکن شیر محمد ۱۹۴۸ء میں کرنل بنے اور اسی عہدہ سے ۱۹۶۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ پاکستان کی پچھلے چالیس سالوں کی غیر اسلامی تاریخ کو سمجھنے کیلئے یہی ایک مثال کافی ہے۔ بہر حال اس عاجز کا اسلامی موضوعات پر کرنل شیر محمد کے ساتھ جتنا تبادلہ خیالات ہوا۔ وہ ایک ہزار کتابوں کی مطالعہ کی نسبت زیادہ فائدہ مند رہا۔ گو ان کتابوں کے لکھنے میں وہ عملی طور پر اپنی بیماری، گوشہ نشینی اور "مایوسیوں" کی وجہ سے کوئی مدد نہ کر سکے۔ سوائے اس کتاب کے کہ کچھ مشورے دیئے اور ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن میرے اکثر جائزوں میں ان کے خیالات میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اس کتاب کے کچھ ابواب میں میں نے ان کے کتابچوں یا خیالات سے استفادہ کیا ہے بلکہ بعض جگہ الفاظ بھی انہی کے استعمال کئے ہیں۔ اللہ تعالی نے مجھ پر ایک اور رحمت کی کہ فوج کے ہفتہ وار اخبار ھلال کا یہ عاجز ۱۹۶۷ء میں سربراہ اعلی بن گیا۔ تو ھلال کے پہلے سیرت نمبر کا اجراء اور اس کو موجودہ اسلامی رنگ دینے کی بھی اللہ تعالی نے مجھے توفیق دی۔

اب گزارش ہے کہ قارئین مل کر میرے ان تمام کرم فرماؤں کے لئے دعا کریں کہ جو فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی اللہ تعالی مغفرت کرے جو زندہ ہیں ان کو اس دنیا میں آسودگی حاصل ہو اور ان کا خاتمہ نیک ہو اور یہ سب جناب ابو ذر غفاریؓ کی خواہش کے مطابق روز قیامت حضور پاکؐ کے گروہ میں شامل ہوں۔ خاص کر میری اولاد اور آگے ان کی اولاد کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالی انہیں بھی صراط مستقیم پر رکھے۔ میری بیوی غلام فاطمہ ہر دکھ سکھ میں میرے ساتھ شریک رہ کر میری حوصلہ افزائی کرتی رہی۔ اس نے اپنی اولاد کو وہ پیار دیا، جو ایک مثال ہے۔ ویسے ہر ماں بچوں کو پیار دیتی ہے۔ لیکن کچھ خاص پہلو ہیں۔ اور اتنا پیار دیا کہ میں جو اپنے بچوں کو وقت نہ دے سکا، اس کی کسر بھی نکل گئی۔ میرے بڑے لڑکے ڈاکٹر خالد ریاض، امریکہ میں ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھا۔ چھوٹے میجر شبیر مرتضے نے میری طرح فوج میں شامل ہو کر خاندان کی روایت کو برقرار رکھا۔ فوج میں اور فوج کے علاوہ ان کی دلچسپی کھیل کود کی طرف ہے اور خود تقریباً کرکٹ سمیت ہر گیم کھیلتے ہیں۔ فوج میں وہ سچائی کیلئے مشہور ہیں۔ اب گھر میں نسرین اور روبینہ دو بہورانیاں بھی آ گئی ہیں۔ دونوں کے خاندان مذہبی خاندان سمجھے جاتے ہیں۔ نسرین کے والد کرنل الحاج محمد اسلم عربی بھی جانتے ہیں۔ روبینہ کی والدہ تہجد گزار ہیں اور نو عمری میں دو بھائی حج کر چکے ہیں۔ بڑے لڑکے کے دو بیٹے فیصل اور قاسم امریکہ میں پیدا ہونے کے باوجود "پاکستانی" ہیں۔ اور شکاگو کے بچوں کے اسلامی سنٹر میں جا کر

اذانیں دیتے ہیں ۔ چھوٹے کا بیٹا ۔ سلمان ۔ گھر کی شان ہے ۔ اور جب میں یہ کتابیں لکھ رہا ہوتا ہوں یا مطالعہ میں مصروف ہوتا ہوں ، تو وہ میرے پاس بیٹھ کر راحت محسوس کرتا ہے ۔ بیٹی اور سب سے چھوٹی نزہت فاطمہ بھی اب اللہ کے فضل سے گھر والی ہو چکی ہے اور ہمارے داماد ڈاکٹر نور زمان ، ہمارے اپنے رشتہ دار اور گاؤں کے ہیں ۔ اور ان کی بیٹی حفصہ جو معصوم ہے ، وہ بھی میری مطالعہ والی جگہ پر بیٹھ کر سلمان کی طرح راحت محسوس کرتی ہے ۔ کہ اب سلمان کی ایک بہن حرا بھی گھر میں چند ماہ سے آئی ہوئی ہے ۔ اور گھر میں بیٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ میری بہورانیاں بھی میری بیٹیاں ہیں ۔ اور حقیقت میں مجھے اپنا باپ سمجھتی ہیں ۔ میں اپنی بیوی بچوں اور بہوؤں کا شکر گزار ہوں کہ ان سب نے گھر میں ایسا ماحول قائم رکھا کہ اس نے ان کتابوں کے سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی کی اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے گزارش ہے کہ ہمیں دل سے پکا مسلمان بنا دے ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء

خرد نے کہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل　　　دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

گزارش ہو چکی ہے کہ کتاب کو موجودہ شکل صورت ۱۹۸۷ء میں دی ۔ اس لئے یہ اضافہ اگلے چھ سالوں پر تبصرہ ہے ۔ کہ مشیت ایزدی کے تحت کتاب کی اشاعت رکی رہی ۔ ۱۹۸۸ء میں ہم دونوں میاں بیوی کچھ عرصہ کے لئے امریکہ چلے گئے ۔ اور جاتے ہوئے عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی ۔ واپس آئے تو چند دن بعد ضیاء الحق کے "پرخچے" اڑ گئے ۔ اب کون پبلشر اتنی ضخیم کتاب کی اشاعت پر راضی ہوتا ۔ کہ ضیاء الحق جو ریفرنڈم میں "اسلام" بن گیا ۔ یا ویسے اسلام کا نام تو بہت استعمال کیا لیکن اسلام نافذ ہرگز نہ کیا ۔ تو اب اسلام سے وابستگی ایک "معیوب عمل" بن گیا ہے ۔ اور کافرانہ جمہوری نظام میں ہمارے "اسلام پسندے" بری طرح مار کھا چکے ہیں ۔ اس سلسلہ میں بہتر ہے ، کہ قارئین اس عاجز کی تازہ کتاب "پنڈورہ باکس" پڑھ لیں جو جون ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی اور اس وقت تک اس عاجز کو اس کتاب کی اشاعت کی اپنی زندگی میں ہرگز کوئی امید نہ تھی ۔ اور یہ کچھ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھا ہوا ہے ۔ اور پہلے ایڈیشن کے آخری صفحہ کے اندر اس سلسلہ میں کچھ دعاء بھی مانگی ۔ کہ یہ عاجز حیران ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی ۔ اور یہ کتاب آپ کے سامنے ہے ، جس کیلئے پبلشر کم از کم ۳۷۵ روپے ھدیہ مقرر کرتے تھے ۔ لیکن بات ہی کچھ اور تھی ۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ مصنف کو بنانا چاہتا تھا ۔ ناشر ، ڈاکیہ ، ڈسپیچ کرنے والا بابو ۔ یا جیسے اس کی مرضی ۔

ان چھ سالوں میں میرے گھر والوں پر ہر طرح کی رحمت رہی ہے ۔ بڑا بیٹا خالد اور اس کے بیوی بچے ہر سال امریکہ سے پاکستان آتے ہیں ۔ یہاں خالد نے ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر کچھ خیراتی طبی کام بھی شروع کئے ہوئے ہیں ۔ اور ان کو دو ہم جماعت پاکستان کے ایک عظیم ہسپتال الشفاء انٹرنیشنل کے کرتا دھرتا ہیں ۔ خالد بھی اس ہسپتال کے "بڑوں" میں شمار ہوتا ہے اور اس سال میں امریکہ میں دو ہزار سے اوپر پاکستانی ڈاکٹروں کے ادارہ کے وہ صدر بھی ہیں ۔ ان کے دونوں بیٹے امریکہ میں ہوتے ہوئے قرآن پاک ختم کر چکے ہیں اور گھر کا ماحول اسلامی ہے ۔ فیصل اب اپنی کار بھی خود چلا لیتا ہے ۔ چھوٹے بیٹے میجر شبیر نے فوج سے وقت سے پہلے پنشن لے لی ہے ۔ اور کاروبار کرتا ہے ۔ مجھے یہ بات پسند تو نہ تھی ۔ لیکن اس کی مرضی ۔ وہ دو حج بھی کر چکا ہے اور بیوی بچوں کو بھی حج کرا آیا ہے ۔ کہ سلمان اور حرا اب سکول جانے کے علاوہ قرآن پاک بھی پڑھتے ہیں ۔ بیٹی نزہت فاطمہ کو اللہ

تعالی نے بیٹا عطا کیا ہے۔اور حفصہ کو بھائی سعد مل گیا ہے۔یہ اللہ کی رحمت ہے۔کہ یہ لوگ دو سال ایران ٹھہر آئے ہیں۔کتاب میں ان چھ سالوں کے تاثرات کی وجہ سے اور بھی کافی اضافے ہیں کہ ہمارے آقا کا فرمان ہے جو کل والے مقام پر رہا وہ گھاٹے میں رہا۔ہمارے تمام کافرانہ سیاسی، فوجی، دفتری، معاشی اور عدلیہ کے نظام بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔اور اب یہ ملک بچ تب ہی سکتا ہے کہ ہم اس رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ کریں جو اس کتاب میں پیش ہو چکا ہے۔اس وجہ سے کتاب میں اکثر مقامات پر گزارش ہو چکی ہے کہ آؤ حضور پاک محمد مصطفیؐ کی غلامی اختیار کریں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہمارے مسائل کا حل نظام مصطفیؐ کے نفاذ میں ہے۔جس کو سورۃ صف میں اللہ تعالی نے نظام جہاد کا پیارا نام دیا ہے۔کہ یہ مومنوں کیلئے طرز زندگی ہے۔کہ اول ضرورت یہ ہے کہ ہم اس خطہ کی فضاؤں کو جمال مصطفیؐ سے معطر کریں۔اور دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہم جلال مصطفیؐ والی سنت کو اپنائیں۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کا نمود　　　فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

از حضورؐ پاک کا سپاہی امیر افضل نومبر ۱۹۹۳ء

تمت بالخیر

دوسرے ایڈیشن کی وضاحت

کتاب کا دوسرا ایڈیشن تقریباً چھ سال بعد شائع ہو رہا ہے جس عرصہ میں یہ عاجز چھ مزید کتابوں "شان حبیبؐ" "جہاد کشمیر" "حیات بعد الموت" "اسلامی نظام حکومت" "البیان فی تفہیم القرآن" اور "قرآن پاک کے معجزات" کا مصنف بننے کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ میری پہلی کتاب "جلال مصطفیؐ" ۱۹۸۱ء میں ایک محدود ضرورت کے تحت شائع ہوئی۔اور اس کے دوسرے ایڈیشن کے بعد موجودہ کتاب کی اشاعت سے پہلے اس پر دس سال نظر ثانی وغیرہ سب کہانیاں کتاب میں موجود ہیں۔اب چھ مزید کتابوں کی اشاعت اور اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر بھی چھ سال نظر ثانی ہوتی رہی تو اس کتاب میں قارئین کچھ اضافے اور کچھ ترمیمیں بھی دیکھیں گے کہ اللہ تعالی کی رحمت سے ان سالوں میں بھی میری سوچیں تطہیر کی منازل سے گزرتی رہیں۔

۲۔میں اب اسی سال کی عمر کو پہنچنے والا ہوں۔دین فطرت نے لمبی عمر کو پسند نہیں کیا۔اور آقاؐ یہ دعا سکھلا گئے کہ ایسی عمر میں اللہ تعالی سے دعا مانگی جائے کہ اے اللہ اگر میری اس زندگی میں میرے لئے کوئی بہتری ہے۔یعنی میرے لئے یا میری اولاد یا میری قوم کیلئے تو مجھے زندہ رکھ ورنہ تو یہ عاجز بھی پچھلے چند سالوں سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ اے اللہ اگر میری اس زندگی میں کوئی بہتری ہے تو مجھے زندہ رکھ ورنہ اب بڑھاپا چھا گیا ہے بینائی بھی بہت کمزور ہو گئی ہے اور اگر میرے گناہوں کیوجہ سے مجھے دنیا کے قید خانہ میں سزا کے طور پر آپ نے رکھا ہوا ہے تو مہربانی کر اور میرے گناہ معاف کر دے اور مجھے اس قید خانہ سے رہائی عطا فرما۔

۳۔ لیکن کچھ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے ان میں زندہ اور وفات پا جانے والے دونوں صاحبان شامل ہیں اللہ تعالیٰ سورۃ مومن میں مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کو اچھا عمل قرار دیتے ہیں اور مجھے یہ چیز اپنے دادا مرحوم و مغفور اور والدہ مرحومہ مغفورہ کی طرف سے ایک طرح ورثہ میں ملی ہے۔ کہ اسلام کے بزرگوں اور اپنے رشتہ داروں، قرابت داروں اور رفیقوں کے نام لے کر ان کی بخشش کی میں تقریباً ہر روز دعا مانگتا ہوں۔ جو دو قسم کی ہے ایک میں بہت اسما ہیں جو خاص دنوں میں پڑھتا ہوں یعنی عیدیں گیارہویں والے دن یا جمعرات کو اور اس پر تقریباً پونے دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ اور ایک ہر روز جس پر تقریباً ۴۵ منٹ۔ میں ہر روز اپنے زندہ اور جانے والے رشتہ داروں قرابت داروں اور رفقاء کیلئے بھی دعا مانگتا ہوں اور دن میں کئی دفعہ۔ اس سب میں بڑا لطف ہے اور دن بدن ان فوت شدہ اور زندوں کے ناموں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کوئی آدمی مجھے دعا کیلئے فرمائش کرتا ہے۔ میں اس کیلئے ہر روز دعا مانگتا ہوں۔ حالانکہ وہ صاحب سن نہیں رہے ہوتے اگر دعا نہ مانگ سکوں تو سخت پشیمانی ہوتی ہے اور طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے کہ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر رہا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔

۴۔ اب معلوم یہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ ادا انشاء اللہ پسند ہے کہ مجھے یہ سعادت مل رہی ہے۔ اور فوت شدہ صاحبان میں سے جو صاحبان زمان و مکان پر زیادہ حاوی ہیں۔ وہ شاید اس سے آگاہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ واللہ اعلم یہ میری سوچ اور خیال ہے اور میں غلط بھی ہو سکتا ہوں۔ بہر حال میرے زندہ رفقاء میں سے دو صاحبان تو کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ جو سلطان بشیر محمود ملک کے مایہ ناز سیکولر سائنسدان ہیں۔ اور دوسرے کرنل شیخ عبدالرؤف ہیں۔ کتاب "حضور پاک کا جلال و جمال" عرصہ دو سال سے بک چکی تھی دوسرے ایڈیشن کیلئے بڑی فرمائشیں آرہی تھیں۔ اول تو میرے مالی حالات مجھے اتنے خرچ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ پھر کتاب کی سرکولیشن میرے بس کی بات نہیں۔ اور پبلشروں اور بک سیلروں کے چکر میں کبھی نہیں پڑا۔ تو سلطان بشیر اور کرنل عبدالرؤف نے ساری ذمہ داری جو اٹھائی تو میرا سر اللہ تعالیٰ کے آگے جھک گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کتاب پر نظر ثانی کی سعادت دے رہا ہے اور ایسے ہی کاموں کیوجہ سے اس نے مجھے زندہ رکھا ہوا ہے۔ خاص کر سلطان بشیر محمود کی مدد کیلئے۔ لیکن قصبہ مرید کے کے حاجی عبدالمجید انجینئر اور کرنل انور مدنی کے عشق رسولؐ اور روحانی ورد کا ذکر بھی ضروری ہے کہ یہ دونوں صاحبان ایک کتاب کا مضمون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خدمات کی جزا دے۔

۵۔ تو دراصل یہ کتاب میری تمام تحریروں کا مرکزی نقطہ ہے یا محور ہے اور میری باقی ساری بائیس کتابوں کے بیانات اس محور کے گرد گھومتے ہیں۔ کتابوں پر جو اچھے اور حوصلہ افزا تبصرے موصول ہو چکے ہیں۔ وہ ایک کتاب میں بھی نہیں سما سکتے۔ ان تبصروں میں سے اس کتاب پر جنرل رفاقت، سید شبیر حسین جنرل امیر حمزہ اور بریگیڈیئر صدیق ستی مرحوم کے تبصروں کو کتاب "اسلامی نظام حکومت" میں شائع کر دیا تھا۔ اور سب مبصرین کہتے ہیں کہ یہ کتاب عشق رسولؐ میں ڈوب کر اس طرح لکھی گئی کہ جہاد کتاب کا مرکزی نکتہ ہے اور اتنا مواد، اتنے تھوڑے صفحات میں جس طرح رابطے باندھ کر دیگر کتابوں کے حوالے دے کر اکٹھا کیا گیا۔ ایسی مثال ملنا مشکل ہے کہ یہ نشان راہ والی بامقصد کتاب دراصل قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے میری طرف خطوط کا تانتا بندھا ہوا ہے اور ملک کے بڑے شہروں کو چھوڑ کر دور دراز سندھ سے کندکوٹ، بلوچستان کے ضلع تربت سے آسیا آباد اور سرحد میں ضلع

بنیر کے گاؤں برگوکند (ڈگر) تک سے حوصلہ افزائی کے خطوط آچکے ہیں۔ بیس سالوں میں میری کتابوں کی مخالفت میں صرف تین خطوط ملے۔ ایک نے کتاب "تاشقند کے راز" میں غلام احمد پرویز کے سلسلہ میں اس کا دفاع کیا۔ لیکن خط پر اپنانام و پتہ لکھنے کی اس کو ہمت نہ ہوئی۔ ایک نے غلط نام اپنا کر "پنڈورا باکس" میں ضیاء الحق کے بارے کی باتوں سے اختلاف کیا۔ لیکن جو نام و پتہ دیا۔ اس جگہ ایسا آدمی نہ رہتا تھا۔ تیسرے نے لکھا کہ کتاب "شان حبیب" کے سلسلہ میں جو کچھ اس نے سوچا تھا کتاب ایسی نہیں۔ اس آدمی کے ساتھ بہت رابطے باندھنے کی کوشش کی لیکن پھر وہ "غائب" ہو گیا۔

۶۔ میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے کم علم اور کم مایہ کو وہ یہ توفیق دے رہا ہے اور ان چھ سالوں میں خاندان میں بھی اضافہ ہوا بیٹی نزہت کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیاں دیں۔ ایک کا نام خدیجہ رکھا کہ اس کتاب میں جناب خدیجہؓ کی شخصیت سے وہ متاثر ہوئی۔ اور یہ حضور پاکؐ کے جمال کی جھلک ہے۔ دوسری کا نام خولہ رکھا کہ میری کتابوں خلفاء راشدین میں تفصیل سے اور اس کتاب میں اختصار سے جناب خولہؓ بنت ازور کے کردار سے وہ متاثر ہوئی کہ اس میں حضور پاکؐ کے جلال کی جھلک ہے۔ البتہ اس میں خاندانی تاثر بھی ہے۔ کہ ہم حضرت علیؓ کے بیٹے جناب محمدؒ بن حنیفہ کی اولاد سے ہیں۔ اور ان کی والدہ کا نام بھی خولہؓ تھا۔

۷۔ ایک لحاظ سے حضور پاکؐ کی شان میں یہ کتاب چوتھا ایڈیشن ہے کہ "جلال مصطفیٰ" کے بھی دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ اس ایڈیشن میں اور بہتری ہوگی کہ یہ کوشش سینکڑوں کتابوں کی تحقیق ساٹھ سال کا مطالعہ اور بیس سال کی نظر ثانی کا نتیجہ ہیں۔ ملک کے چپے چپے سے میری جو حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ یعنی خطوط کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ لوگ مجھے ملنے کے لئے میرے گھر تشریف لاتے ہیں۔ یا جس تپاک سے ملتے ہیں اور میں میری قدر کرنے والوں کے لئے صبح و شام دعا کرتا رہتا ہوں کہ یہ سب کچھ میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے کہ مشیت نے مجھے "حضور پاکؐ کے سپاہی" کا نام دے دیا۔

ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان کی دیگر تصانیف

1- جلال مصطفیٰ :۔ دو ایڈیشن شائع ہو کر بک چکے ہیں۔ اب یہ کتاب اضافوں کے ساتھ کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کا حصہ ہے۔

2 سے 9- کلاسوٹز کا فلسفہ جنگ :۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کی آٹھ کتابوں کا ترجمہ کر کے تین جلدوں میں شائع کیا۔ ساتھ قرآن پاک احادیث مبارکہ، تاریخ اسلام اور علامہ اقبالؒ کے شعروں سے ثابت کیا کہ ہمارے پاس بہتر فلسفہ جنگ موجود ہے۔ تمام کتابیں فوج نے خرید لیں۔

10 سے 13- خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کے جائزے :۔ جن میں تقریباً تین سو سے اوپر جنگیں اور مہمات ہیں۔ یہ چار جلدوں میں ہیں۔ اول فتوحات عراق و ایران، دوم۔ فتوحات فلسطین و شام، سوم فتوحات مصر، افریقہ اور متفرق، چہارم وسط ایشیا سے حیرہ او قیانوس تک، اور بری فوج کی ہر بڑی یونٹ اور سٹیشن لائبریریوں میں موجود ہیں۔ تمام کتابیں فوج نے لے لیں ہیں۔ دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ہمت نہیں۔ یہ سب کتابیں موزوں نقشوں سے مزین ہیں۔

14- تاشقند کے اصلی راز :- اس کتاب میں 1985ء تک ہمارے سب عسکری اور سیاسی المیوں کے علاوہ قادیانیوں کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے-اور مصنف نے صاف گوئی سے ملک کے سربراہوں یا دوسرے لوگوں کو جو کچھ بر ملا کہا وہ بھی کتاب میں موجود ہے- قیمت -/35 روپے-مارکیٹ ریٹ -/150 روپے-پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے دوسرے کی ہمت نہیں-

15- پنڈورا باکس :- 1993ء تک ہماری 46 سالوں کی ذلت کی زندگی اور اللہ اور رسولؐ سے غداری کا مختصر بیان ہے- قیمت -/20 روپے-مارکیٹ ریٹ -/60 روپے-دوسرا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے- تیسرے کی تیاری ہے-

16- جہاد کشمیر 48-1947 :- مجلد کتاب ہدیہ -/180 روپے سادہ جلد -/150 روپے مارکیٹ ریٹ -/400 روپے-اس کتاب پر جنرل رفاقت اور سید شبیر حسین اور متعدد صاحبان کے تبصرے بھی ہیں-اور تمام غداریوں اور کوتاہیوں سے پردے اتار دیئے-کہ کئی دفعہ خاص کر پانچ اوقات پر ہم کشمیر میں بھارتی فوجی مشینری کو ایسا تہس نہس کر سکتے تھے کہ وہ لوگ حیدر آباد کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکتے لیکن ہمارے انگریز جنرلوں نے کیا غداریاں کرائیں-کتاب میں جہاد کو جمود دینے کی سب سازشوں کا تفصیلی ذکر ہے-

17- شانِ حبیبؐ :- نگاہ رب العالمین-ترتیب سے حضور پاکؐ کی شان میں نازل شدہ تقریباً اڑھائی سو آیات مبارکہ کا ترجمہ اور تبصرہ ہدیہ -/15 روپے-

18- اسلامی نظام حکومت :- یعنی رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ-ہدیہ -/75 روپے-مارکیٹ ریٹ -/200 روپے-دوسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے-

19- حیات بعد الموت :- سلطان بشیر محمود کی انگریزی کتاب کا ترجمہ- تفصیلی اشتہار ساتھ ہے-

20- البیان فی تفہیم القرآن :- مودودی صاحب کی تفہیم القرآن پر مختصر تبصرہ- قیمت -/50 روپے-مارکیٹ ریٹ -/150 روپے

21- قرآن پاک کے نئے نئے سائنسی معجزات :- سلطان بشیر محمود کے ساتھ مل کر لکھی-اشتہار آگے آتا ہے-

---

کتابیں ملنے کا اور مصنف کا پتہ :-

19-ذی شان کالونی، قاب لائنز، راولپنڈی-فون 583778

سلطان بشیر محمود کی تصانیف و مقالہ جات

مصنف ستر (70) سے زیادہ تکنیکی، سائنسی اور انجنیئرنگ کے شعبہ میں کتابیں اور مقالہ جات لکھ چکے ہیں-ان کے علاوہ کئی ایک ایجادات کے مؤجد ہیں-مندرجہ ذیل صرف اسلام کے متعلق کچھ کتابوں اور مقالہ جات کی فہرست ہے :-

-1 Dooms Day and Life After Death (قیامت اور حیات بعد الموت)

-2 The Quranic Education System (قرآنی نظام تعلیم)

-3 The First and the Last (PBUH) (اول و آخر ﷺ)

-4 Quranic Theory of Creation in Pair and Dirac's Law
(قرآن حکیم کی جوڑوں میں تخلیق کی حقیقت اور سائنسدان ڈیراک کی تھیوری)

-5 Mathematical Relationship between the Parts and Chapters of the Quran
(قرآن حکیم کے پاروں اور سورتوں میں حسابی تعلق)

-6 Creation and development of Man in the light of Quran (Manuscript)
(قرآن حکیم کے مطابق انسان کی تخلیق اور ارتقاء)

-7 Creation and Development of Universe in the light of the Quran (Manuscript)
(قرآن حکیم کے مطابق انسان کی تخلیق اور ترقی کا نظریہ)

-8 Islam in the 21st Century (اسلام اکیسویں صدی میں)

-9 قرآن پاک کے نئے نئے سائنسی معجزات۔(میجر امیر افضل کے ساتھ مل کر لکھی گئی کتاب)

-9 صحت مند غذا (حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں)

-10 Cormology and Human during the Impact of Sunspots on Earth events. This work gives the History of such effects on our past and future and the book is of its own kind.

-11 داڑھی (حضور کی سنت اور سائنسی نظریات کی روشنی میں)

-12 قرآن اور سائنس (انڈیکس)

-13 روح کی خوشبو (ایک صراط مستقیم کے مسافر کی موت کے بعد کے حالات)

<u>کتاب قیامت اور حیات بعد الموت یہ واضح کرتی ہے</u> :۔انسان کیا ہے؟ مومن کا فلسفہ حیات کیا ہے؟ پیدائش سے پہلے ہم کہاں تھے؟ برزخ کی دنیا کیسی ہے؟ قیامت کب اور کیسے آئے گی؟ کائنات کی دوبارہ تخلیق کیسے ہو گی؟ روز محشر اور یوم الدین کیسے برپا ہوں گے؟ جنت اعراف اور جہنم کی دنیائیں کیسی ہیں؟ جنات اور ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟۔ یہ کتاب اس طرح کے انتہائی اہم سوالات کا قرآن پاک، حدیث مبارکہ اور سائنس کی روشنی میں حقیقت پسندانہ جواب ہے اور زمان و مکان میں انسان کے سفر کی تفصیلی داستان ہے۔ کائنات اور اس میں انسان کے مقام، زندگی، موت، حیات بعد الموت کائنات، قیامت، روز محشر، یوم الدین، جنت اور دوزخ اس کے خاص موضوع ہیں۔ قرآن حکیم اور سرتاج الانبیاء ﷺ کے فرمودات اور سائنس کی جدید ترین دریافتوں کی روشنی میں یہ عالم الغیب و عالم الشہادت کے حقائق کا ایک مدلل، مفصل سائنٹیفک جائزہ ہے۔

کتاب "قرآن پاک کے نئے نئے سائنسی معجزات" ایک تحقیقی کتاب ہے جو قرآن پاک کے ابدی (ذکر العالمین) ہونے اور حضور پاکؐ از خود کے زمانے میں جمع ہونے کے سلسلہ میں ثبوت پیش کرتی ہے- علاوہ ازیں ثابت کیا گیا ہے کہ نہ صرف قرآن پاک کے الفاظ بلحہ قرآن پاک کا ایک ایک حرف گن کر اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں کسی حساب کتاب سے رکھے جن کا سورۃ کے شروع میں مقطعات کے الفاظ کے ساتھ گہرا تعلق ہے- یہ کتاب قرآن پاک کے متعلق اکثر سازشوں اور ناسخ و منسوخ کے فتنوں کی بھی نشاندہی کرتی ہے- اور چند الفاظ میں اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ دونوں مصنفین نے اپنی الگ الگ کئی سالوں کی تحقیقات کو ایک کتاب میں شیر و شکر کر دیا- کہ لوگ رب العالمین کو "ربوبیت" رحمۃ للعالمین کی "رحمت" اور ذکر للعالمین کے "بیانات" کی ابدیت یعنی زمان و مکان پر حاوی ہونے کی حقیقت اور حکمت کو سمجھیں تاکہ لوگ حضور پاکؐ کی شان میں عاجزی کر کے آپؐ کے تمام عالموں کے لئے ہر وقت، ہر جگہ اور ہر شے کے لئے رحمت ہونے کے فلسفہ کو بھی سمجھیں اور یہ بھی سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی "ربوبیت" میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا- کتاب میں قرآن پاک اور موجودہ سائنس کی دریافتوں کا موازنہ بھی کیا گیا ہے-

HQRF's Programme For
The International Propagation of Islam

To desseminate knowledge about Islam through correspondance, free distribution of litrature and media campaigns.

To set up worldwide information distribution network on Islam.

To engage scholars to prepare relevant litrature of excellent quality on Islam.

To establish foreign language bureau to translate Islami litrature in different languages

To promote academic activities and setup model educational institutions in the true Islamic environment.

To participate and assist in this great cause; please contact-

Holy Quran Research Foundation

60-B, Nazim-ud-Din Road, F-8/4, Islamabad

تبلیغ اسلام بذریعہ خط و کتابت

محترم / محترمہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن اسلام آباد ستمبر ۱۹۸۶ء سے عالمی سطح پر دین کی اشاعت اور تعارف بذریعہ خط و کتابت پیش کر رہی ہے۔اس دوران ہزاروں کی تعداد میں انگریزی میں قرآن مجید کے ترجمے، حدیث کے ترجمے، اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت اور آخرت پر کتابیں اور بے شمار پمفلٹ دنیا کے بیسیوں ممالک میں بھیجے جا چکے ہیں۔

تبلیغ کے اس طریقہ کا آغاز جناب خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھ ہجری میں کیا اور اپنی حیات طیبہ میں ۲۵۰ سے زیادہ خطوط اور وثیقہ جات اس وقت کی اہم شخصیات کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے لکھے۔

افسوس کہ آج مسلمان مبلغ تبلیغ کے اس طریقہ پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔لیکن عیسائی مشنریاں ہمارے نبی پاک ﷺ کے اس طریقہ سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا میں عیسائیت پھیلانے میں مصروف ہیں۔ہر ملک میں بائبل سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جو لوگوں کے گھروں میں عیسائیت پر لٹریچر پہنچا رہی ہیں۔ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں۔آپ سے استدعا ہے کہ اللہ کے دین کو آگے بڑھانے کے لئے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں سب سے بڑا انسانی حق اور سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو جہنم کی آگ میں جلنے سے بچالے۔ تبلیغ بذریعہ خط و کتابت وہ آسان طریقہ ہے جس میں شامل ہو کر ایک مصروف سے مصروف آدمی بھی اپنا یہ انسانی حق ادا کر سکتا ہے۔یہ مسلمان مرد اور عورت پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ایک اہم فرض ہے۔آپ اس فرض سے خط و کتابت کے ذریعہ دین پھیلا کر سرخ رو ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھئے! جہاں آپ خود نہیں پہنچ سکتے وہاں آپ کا خط پہنچ سکتا ہے۔لہذا آیئے مل جل کر لوگوں کو اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف بلائیں اور انسان کو جہنم سے بچائیں۔

تعاون کے منتظر

انتظامیہ کمیٹی
قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن
60 ٹی ناظم الدین روڈ
F-8/4 ، اسلام آباد